PakistaniPoint
Aik Rabta Apnon Sey

نازک ہے رشتہ دل کا

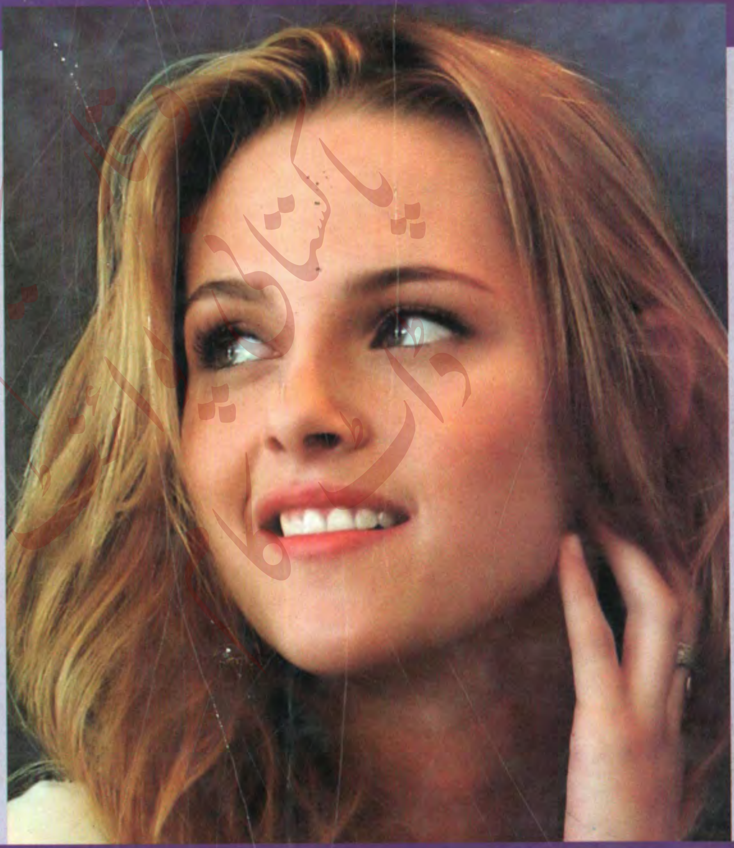

آسیہ سلیم قریشی

نازک ہے رشتہ دل کا

آسیہ سلیم قریشی

عبداللہ اکیڈمی
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

ہماری کتابیں، معیاری کتابیں
خوبصورت اور کم قیمت کتابیں

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر:
سلمان منیر

نام کتاب	—	نازک ہے رشتہ دل کا
مصنفہ	—	آسیہ سلیم قریشی
پروف ریڈنگ	—	ارسلان احمد
کمپوزنگ	—	گُل گرافکس
مطبع	—	زین، ناصر پرنٹرز لاہور
ڈیزائن	—	عاطف بٹ
سن اشاعت	—	2014ء
قیمت	—	500 روپے

کتاب ہذا میں اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما کر شکریہ ادا کرنے کا موقع فراہم کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں درستگی کی جا سکے۔ شکریہ

یا اللہ اے مولا! اس ملک الموت شارق رضا کے آنے سے پہلے پہلے ہی ایک عدد خوبصورت سی سیکرٹری کا انتظام کروا دے۔ بھجوا دے کسی عقل کی اندھی لڑکی کو یہاں...... ورنہ میں غریب، یتیم، مسکین بچہ بے موت مارا جاؤں گا۔ شارق سٹیل مل کا منیجر جاوید فائلوں کا ڈھیر اٹھائے بڑبڑاتا دعائیں مانگتا ہوا آفس میں داخل ہوا۔ اس نے کاندھے سے دھکا دے کر دروازہ کھولا فائلوں کا انبار اس کے ناک تک پہنچا ہوا تھا وہ بمشکل گردن اونچی کیے سامنے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ارے کوئی آدم زاد ہے یہاں؟'' جاوید نے جھنجھلائے انداز میں زور سے آواز دی لیکن سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ابھی تک اس نے اپنے اطراف میں نظر نہیں دوڑائی تھی۔ اس نے ذرا جھک کر فائلوں کو میز پر تقریباً پٹخ دیا اور وہ اپنی ہی دھن میں بولے بڑبڑائے چلا جا رہا تھا اور بکھری فائلوں کو سمیٹے جا رہا تھا۔

''ہاں بھئی اتنی صبح سویرے کون کوڑھ مغز (الو کا پٹھہ) آ سکتا ہے۔ سب ہی لوگ آفس ٹائم پر ہی آئیں گے نا؟ ہائے ہائے یہ تو میری اور شہزاد کی جان ناتواں پر تمام تر عذاب ڈالا ہوا ہے اس ہمارے سخت گیر ظالم باس نے ہر کام وقت پر ہو ترتیب سے ہو۔

اونہہ...... اب اگر وہ نواب کا بچہ شارق رضا اچانک واپس آ بھی گیا اور اس نے آفس کا کام نامکمل دیکھا تو اب کی بار تو وہ تو میرا پوسٹ مارٹم ہی کرا دے گا۔'' جاوید نے اپنے خدشات کا اظہار کیا اور کپکپا کر رہ گیا پھر بری طرح چونکا۔

''ہائیں یہ کیا؟'' اس نے زور زور سے سانس لیا۔ اس کے نتھنوں میں شارق کے قیمتی تمباکو کے مخصوص برانڈ کی جانی پہچانی خوشبو داخل ہوئی تو وہ چونک اٹھا۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر بر جھٹکا اور قیاس آرائی کرنے لگا۔

''ہوں...... ضرور شہزاد نے باس کے سگاروں پر ہاتھ صاف کیا ہے وہی چوری کر کے پی رہا ہو گا۔ ان کے غیر ملکی قیمتی سگار کی مہک تھی۔ باس کی غیر موجودگی میں شہزاد اکثر یہ عیاشی کر لیتا تھا اور جاوید اسے منع نہیں کرتا تھا بلکہ خود بھی کبھی پی لیتا تھا۔

''ابے شہزاد! کیا آج بھی تو نے باس کے سگار چرا کر پیئے ہیں؟'' اس نے بلند آواز میں سوال کیا۔

''توبہ...... ایمان سے جاوید صاحب آپ ہمیشہ ہی موقع پر پکڑ لیتے ہیں مجھے۔'' اسسٹنٹ منیجر شہزاد بڑبڑاتا ہوا کمرے میں آیا۔

''آپ کی قسم صرف ایک سگار لیا ہے۔ وہ بھی ابھی میں نے سلگایا ہی تھا کہ آپ نے ٹوک دیا ڈرا دیا ہے مجھے۔ چلیے اگر آپ ناراض ہوتے ہیں تو میں سگار واپس رکھ دیتا ہوں۔'' وہ ہونٹوں کی گرفت سے سلگتا ہوا دھواں دیتا سگار نکال کر جاوید کی جانب بڑھا کر بولا۔ جو اسے گھور رہا تھا۔ جاوید نے ہاتھ مار کر سگار ہٹا دیا۔

''اب تم یہ سلگا ہوا سگار رکھو گے؟''

''دیکھیے سر ہمیں تو کبھی کبھی ان کی غیر موجودگی میں یہ عیش نصیب ہوتے ہیں۔ ورنہ تو ہمارے مالک جناب ہٹلر دی گریٹ ہمیشہ اس طرح آفس میں داخل ہوتے ہیں جیسے ایک دو قتل تو کر کے آئے ہوں۔ اور باقی آفس میں بھی کسی نہ کسی کو ضرور کچا چبا جائیں گے۔ ہاں تو جاوید صاحب! آپ ذرا دروازے کی طرف دیکھیں میں باس کی طرح اینٹری (Entry) دوں گا۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''او اپنی جان کے دشمن...... ابے شہزاد! اگر شارق صاحب کو پتہ چل گیا کہ تو ان کی نقلیں کرتا ہے تو وہ تیری کھال کھنچوا کر بھوسہ بھروا دیں گے۔'' جاوید نے تنبیہی انداز میں کہا ''اور پھر بیٹا سب ایکٹنگ کا شوق دھرا رہ جائے گا۔''

''واہ سر انہیں بھلا کس طرح پتہ چل سکتا ہے۔'' وہ پھر لیڈیز کلر اس وقت لندن کے کسی مہنگے نائٹ کلب یا شراب خانے میں خوبصورت لڑکیوں کو دبوچے نشے میں دھت پڑے اپنا خانہ خراب کر رہے ہوں گے کمبخت دوزخی کیڑا۔'' وہ ہونٹ سکیڑ کر تمسخرانہ انداز میں بولا تو جاوید نے بھی گردن ہلا کر اس کے خیال کی تائید کی۔

''ذرا دیکھیے گا جاوید صاحب ابھی ان کی نقل کرتا ہوں پہلے ذرا یہ فائلیں رکھ لوں بس ایک منٹ ٹھہریے گا۔'' شہزاد نے ہنس کر کہا۔ اور اس آفس کی طرف بڑھ گیا۔ شہزاد بلکہ شارق کا قریبی سٹاف اس کی غیر موجودگی میں خاصی نمک حرامی کرتا تھا۔

''اچھا...... اچھا شکتی کپور کی اولاد جلدی کام کر۔'' جاوید فائل کھول کر غور سے دیکھتا ہوا باس ہی کی کرسی کی طرف بڑھا۔ ریوالونگ چیئر کا رخ کھڑکی کی طرف تھا اور پیٹھ جاوید کی طرف تھی۔ جاوید نے کرسی کی پشت تھام کر کرسی اپنی طرف گھمائی اور اسی طرح فائل دیکھتے ہوئے سر جھکائے جھکائے بیٹھ گیا۔ وہ جلدی جلدی فائل پر نظریں دوڑا رہا تھا۔

''ہائیں......'' وہ اچانک سیدھا ہو گیا۔ اس کی ہڈیوں کو بہت کچھ چبھا تھا۔ باس کی اتنی قیمتی آرام دہ کرسی اتنی سخت کیسے ہو گئی؟

''بھئی یہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں کسی کی سخت سخت ٹانگوں پر بیٹھ گیا ہوں۔'' وہ بے خیالی میں بڑبڑایا۔

''جی ہاں...... آپ نے بالکل صحیح محسوس کیا ہے؟ آپ یقیناً کسی کی ٹانگوں پر ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''تو اب برائے مہربانی اٹھ کر دوسری کرسی پر تشریف رکھیے۔'' ایک گرجدار آواز نے منیجر کو اچھل جانے پر مجبور کر دیا۔ کبھی کبھار جاوید مصروفیت اور محویت کے عالم میں خاصا بدحواس اور بھلکو سا ہو جاتا تھا۔ اپنے آپ میں مگن سا۔ اب بھی یہی ہوا اس نے اس غیبی آواز کے بارے میں کچھ سوچا نہ اہمیت دی۔ بلکہ معذرت کی۔

''اُف ہو...... ویری سوری...... مجھے تو یہ پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ میں آپ کی گود میں بیٹھ گیا ہوں۔''

جاوید ابھی بھی فائل میں کھویا ہوا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ویسے تو شہزاد کے بچے میں نے ہزار بار تجھے منع کیا ہے کہ اس ملک الموت شارق کی ڈراؤنی بھیانک آواز بنا کر مجھ سے مت بولا کر مت نقل کیا کر تُو تو کسی دن میرا ہارٹ فیل کروا کر دم لے گا۔'' جاوید نے سر جھکائے جھکائے ہی ڈانٹ پلائی۔ لیکن اس کے کانوں میں تو شہزاد کی آواز دوسری ہی سمت سے آئی تھی۔

''جاوید صاحب! ذرا آفس کے دروازے کی طرف دیکھیے۔ میں آ رہا ہوں۔'' کھلکھلاتی آواز آئی۔ آفس میں کس

انداز سے داخل ہوتے ہیں۔شہزاد نے ایکسائٹڈ آواز میں پکارا۔
''اوئے دیکھ رہا ہوں بابا! دیکھ رہا ہوں۔'' جاوید فائل بند کر کے دونوں ٹانگیں میز پر رکھ کر دروازے کی سمت دیکھنے لگا۔
شہزاد نے زور سے شیشے والا دروازہ کھولا اور پنجوں پر چلتا ہوا اندر گھسا۔اس طرح سے وہ اپنا درمیانہ قد لمبا اور نمایاں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس نے ماتھے پر اتنے بل ڈالے ہوئے تھے کہ لکیروں سے گیارہ ہزار ایک سو گیارہ بن رہے تھے اور چہرے پر عجیب سختی و کرختگی تھی۔شہزاد نے منہ سے سگار نکالا۔ پہلے دائیں طرف برا سا منہ بنا کر دیکھا پھر بائیں طرف دیکھا پھر ہونٹ سکیڑ کر ناک چڑھایا۔پھر وہ زور سے چیخا۔
''تم کہاں ہو جاوید؟'' اب شہزاد منہ پیچھے کر کے چیخا۔''جلدی شراب لاؤ۔اور ہماری سیکرٹری کو فوراً اندر بھیجو۔'' پھر وہ دوبارہ سگار سلگا کر دانتوں تلے دباتے ہوئے بولا۔
''اور ہاں......شہزاد سے کہنا سب ضروری فائلیں لے کر میرے پاس آفس میں آئے۔'' شہزاد بڑی میز کے قریب پہنچ گیا تھا۔ پھر اس نے میز پر سے فائل اٹھا کر چند ایک صفحے کھول کر دیکھے اور سڑا ہوا سا منہ بنایا۔وہ شارق کی مکمل نقل کر رہا تھا۔
''تم او شہزادا و گدھے...... یہ تم نے خاک کام کیا ہے کیا؟ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر چیخا اور فائل زور سے میز پر پٹخ دی۔
''تم تو نرے احمق الو کے پٹھے ہو سات سال سے میرے ساتھ کام کر رہے ہو۔پھر بھی تمہیں کام کا صحیح سلیقہ نہیں آیا'' وہ چیخا اس وقت شہزاد اپنے باس شارق کی بڑی صحیح اور کامیاب نقل اتار رہا تھا۔ ایکٹنگ کا شوقین تو وہ تھا ہی بس باوجود کوشش سے فلموں میں نہیں جا سکا تھا۔
اچانک ہی گائیڈ کرتے ہوئے شہزاد کی نظریں ہنستے ہوئے مخطوظ ہوتے ہوئے جاوید سے گزرتی ہوئی باس کی اونچی عالیشان نرم آرام دہ کرسی پر پڑیں۔تو وہ کامیڈی اور مسخرہ پن سب کچھ بھول گیا اور کرسی پر موجود ایک لانبا قد اور بارعب شخصیت کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں سانس رکنے لگی۔
یکا یک لرزتے ہوئے ہونٹوں سے جلتا ہوا سگار قالین پر گر گیا چہرہ بے حد کالا پیلا پڑ گیا۔ جیسے یکا یک یرقان ہو گیا ہو۔جاوید نے تبدیلی پر اسے چونک کر دیکھا۔ہائیں اسے یکا یک فالج کا اٹیک ہو گیا ہے کیا؟
''ہائیں......شہزاد تجھے کیا ہو گیا ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے تو نے باس کے بھوت کو دیکھ لیا ہے۔اور اب جان سوکھ رہی ہے۔''
جاوید ہنستا ہوا اس کے قریب چلا گیا پھر جھک کر خود سگار اٹھایا تھا۔لیکن شہزاد تو گم صم آنکھیں پھیلائے ششدر ہراساں سا بیٹھا تھا۔
''ہاں مسٹر جاوید! مسٹر شہزاد نے باس کے بھوت کو تو نہیں دیکھا ہاں جیتے جاگتے شرابی اور کبابی دوزخی کیڑے شارق اپنے باس کو ضرور دیکھ لیا ہے۔''
ایک سرد سی سرسراتی بھاری آواز نے جاوید کو بھی اچھل جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

جاوید ڈرتے ڈرتے مڑا۔ پھر کرسی پر نظر پڑی۔ تو بے اختیار منہ سے خاصی دل ہلا دینے والی ایک چیخ بے ساختہ نکلی وہ کپکپانے لگا تھا۔ کچھ ایسی وحشت تھی شارق کی ان پر کہ پیٹھ پیچھے برائیاں کرتے تھے مگر سامنے گویا موت کا فرشتہ آ گیا ہو۔

''شارق سر آ...... آپ...... پ...... سس...... سس...... سر ہم تو...... ہم تو......'' شہزاد نے سنبھل کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔

''کیوں شہزاد! یہ تم کپکپا کیوں رہے ہو؟ سردی لگ رہی ہے کیا؟ ملیریا ہو گیا ہے؟'' شہزاد کا دل تو چاہا کہ کہے جی ہاں ڈینگی مچھر جو سامنے ڈسنے کو تیار ہے۔

سرخ دھاریوں والے سیاہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس سرخ و سفید رنگت والا ایک نوجوان کرسی سے اٹھا تو اس کا بھرا بھرا جسم اور لانبا قد نمایاں ہو گیا۔ وہ اٹھ کر ان دونوں کی طرف بڑھا۔ جاوید اور شہزاد غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹے۔ اس نے ابھی جو کچھ دیکھا اور اپنے ملازم کو اتنے گھٹیا طریقے سے تمسخرانہ انداز سے نقل کرتے دیکھا تھا۔ وہ اس کے غصے کی آگ بھڑکانے کے لیے ضرورت سے زیادہ کافی تھا۔ اتنی بدتہذیبی اور دیدہ دلیری ان کی سوچ سے باہر تھی۔

ان کا چہرہ غصے کی حدت سے تمتما رہا تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں میں قہروں کے سمندری طوفان اور سب کی سٹی گم تھی۔

''ہوں اچھا...... تو مسٹر جاوید اینڈ شہزاد! تو یہ ہیں میرے بارے میں تم لوگوں کے خیالات؟ یوں ادب کرتے ہو تم مالک کا؟ تمہارے نزدیک میں لفنگا ہوں بدمعاش ہوں؟ دوزخی کیڑا ہوں؟'' وہ کچھ حیرانی سے بول رہے تھے۔

''اچھا میں قاتل ہوں اور ملک الموت ہوں تم لوگوں کو کچا چباتا ہوں۔ یہ خطابات دیئے ہیں تم نے مجھے۔'' وہ قہر کے عالم میں گرجے۔

''نہیں جی نہیں...... پلیز سر آپ ہمیں معاف کر دیجیے۔'' وہ گھگھیائے۔ کیونکہ یہ سب یاوہ گوئی تو وہ کر ہی چکے تھے اور شومئی تقدیر مکرنے کا بھی فائدہ نہیں تھا۔ ان کے روشن خیالات تو شارق کانوں سے سن بیٹھے تھے اور ان کے دل کو ٹھیس پہنچنا ایک فطری بات تھی۔ فرار کی کوئی راہ نہ پا کر جاوید اور شہزاد نے مجبور ہو کر ہاتھ باندھ دیئے کان پکڑ لیے تھے۔

''اونہوں...... نہیں اب کوئی معافی شافی نہیں ملے گی۔'' وہ سخت اٹل لہجے میں بولے۔

''مجھے افسوس تو یہ ہے کہ میں تم لوگوں کو ہزاروں روپے تنخواہ دیتا ہوں۔ تمہارے سکھ کی خاطر تمہیں بہترین گھر اور موٹریں لے کر دی ہیں۔ اتنا کچھ آرام آسائش ہونے کے باوجود تم میرے بارے میں ایسے بیہودہ خیالات رکھتے ہو؟ حیرت ہے مجھے۔

جاؤ بس نکل جاؤ...... مجھے تم جیسے نمک حرام ملازموں کی ضرورت نہیں ہے۔ جو اکٹھے مل کر پیٹھ پیچھے میری برائیاں کرتے ہوں۔ گیٹ آؤٹ۔'' انہوں نے انگلی اٹھا کر باہر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ جاوید، شہزاد کی جان نکل گئی۔

''خدارا...... سر! مگر سر ہم نے تو پیٹھ پیچھے نہیں بلکہ ایک طرح سے آپ کے منہ پر آپ کی برائی کی ہے۔'' ذرا ڈھیٹ سے جاوید نے دبی زبان سے کہا تو شارق بے قابو ہو کر گرج اٹھے۔

''جاوید! تم مسخرا پن مت دکھاؤ اور اپنی بکواس بند کرو۔'' وہ انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں بولے۔

''میری مل میں کام کرتے ہوئے جو آسائشیں سہولتیں تمہیں مل گئی ہیں تو میری سخاوت سے تم لوگوں نے ناجائز

فائدہ اٹھایا ہے۔ میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔'' شارق غصے سے بے قابو ہو رہے تھے۔

''غدارو، نمک حرامو...... تم اپنا وہ کٹھن وقت کیونکر بھول گئے ہو جب تم ایم بی اے اکنامکس کی ڈگری جیبوں میں ٹھونسے ملازمت...... کوئی سی بھی ملازمت کے حصول کے لیے سڑکوں، فٹ پاتھوں پر دھکے کھاتے جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے۔ مگر کوئی بھی تمہیں دو ڈیڑھ ہزار روپے کی ملازمت دینے کو بھی تیار نہیں تھا۔'' انہوں نے یاد دلایا۔

''مگر میں نے اس آڑے وقت میں تمہیں پناہ دی۔ کہاں تو تم برس ہا برس بھی مغز مارنے کے بعد کلرک کی کرسی تک بمشکل پہنچتے۔ کہاں میں نے تمہیں ایک دم کروڑوں روپے کی اس سٹیل مل کا منیجر بنا دیا۔ تمہیں روزگار مہیا کیا۔ گھر، کاریں دیں۔ دنیا کی سیریں کروائیں عیش کروائے اور تم اتنے غدار ہو کہ مجھے اتنے گھٹیا خطابوں سے نواز رہے ہو۔ میری کردار کشی کر رہے ہو؟''

ان کے لہجے سے گہرا تاسف جھلکنے لگا تھا۔ کوئی ملازم اتنے اچھے مالک کی ایسی بدگوئی کرے گا۔ اور یہ تلخ حقیقتیں اب جاوید اور شہزاد کے چہروں پر خجالت پر خجالت و پشیمانی کے پسینے ابھار لائی تھیں کہ ویسے تو شارق صحیح کہہ رہے تھے۔

''پلیز سر! اللہ کے واسطے آپ ہمیں معاف کر دیجیے۔ سر ایسے مذاق مذاق میں بات بڑھ گئی ہے۔ ہم اپنی اس نیچ گھٹیا حرکت پر واقعی بہت شرمندہ ہیں۔'' وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گویا ہوئے انہیں واقعی اپنی زیادتی کا احساس ہوا تھا۔

''نہیں...... نہیں بس تم لوگوں سے میرا دل کھٹا ہو گیا ہے میں تمہاری صورتیں بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' وہ اٹل لہجے میں بولے۔

''نہیں سر! ایسا ظلم مت کیجیے۔ اگر آپ ہمیں نوکری سے نکال دیں گے تو ہم یتیم اور بے سہارا ہو جائیں گے۔ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ہمارے ننھے منے معصوم بچے بھوک سے بلک بلک کر جان دے دیں گے۔'' جاوید نے بسورتے ہوئے کہا۔

''واٹ شیٹ...... یہ تمہارے ننھے منے بچے کہاں سے ٹپک پڑے ہیں۔ جاوید صاحب! جبکہ تمہاری تو ابھی شادی ہی نہیں ہوئی ہے۔ یا پھر...... یہ بھی تم نے مجھ سے چھپایا اور جھوٹ بولتے رہے کہ تم غیر شادی شدہ ہو۔'' ان کا غصہ عروج پر جا پہنچا تھا۔

''ارے تم لوگ تو بہت جھوٹے اور فراڈ لوگ ہو مجھے اس قدر بیوقوف بنایا۔''

''اف...... نہیں...... نہیں سر میں نے جھوٹ تو نہیں بولا تھا۔ واقعی میں نے ابھی شادی نہیں کی ہے۔'' وہ کان پکڑ کر بولا۔

''تو پھر الو کے پٹھے تو پھر یہ تمہارے بچے کہاں سے آ گئے ہیں۔'' وہ چڑ کر بولے۔

''دیکھیے سر آپ کے کہنے پر عمل کر رہا ہوں۔ آپ ہمیشہ فرماتے ہیں نا مستقبل پر نظر رکھ کر فیصلہ کیا کرو۔'' جاوید عقلمندی دکھانے لگا۔

''تو جناب ابھی تو میں نام اللہ غیر شادی شدہ اور...... اور ایک طرح سے کنوارا ہی ہوں۔ مگر کبھی نہ کبھی جلد یا بدیر ان شاء اللہ شادی تو میری ہو گی ہی نا؟ اور پھر شادی ہوتے ہی دھڑا دھڑ بچے بھی پیدا ہونے لگیں گے۔ بھئی دیکھیے سر میری یہ محرومی رہی ہے کہ میں اس دنیا میں بالکل تنہا ہوں نہ ننھیال نہ ددھیال نہ والدین تو میں تو چاہوں گا میرے گھر کا

آنگن بچوں سے بھرا ہوا ہو۔
ویسے بھی دیکھیے نا سر! آج کل تو زمانہ ایسا برا آ لگا ہے کہ شادی سے پہلے ہی بچے ہو جاتے ہیں جبکہ میں تو شادی کے بعد ہی اولاد پر غور کروں گا۔''

جاوید کا انداز گفتار ایسا تھا کہ بے اختیار شارق کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہو کر گم ہو گئی اور جاوید کا حوصلہ بڑھ گیا۔ ہمت سے بولا۔

''دیکھیے سر! آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ ہمیشہ دور کی بات سوچنی چاہیے۔ اب آپ ذرا سوچیے سر! ذرا نگاہوں کے سامنے یہ تصور لائیے خدانخواستہ آپ نے اگر ہمیں نوکری سے نکال دیا تو ہمارے بچے یقیناً بھوکے مر جائیں گے۔''

''ذرا غور کیجیے۔ چھوٹے چھوٹے پیارے گول مٹول سے بچے سسک سسک کر دودھ کے لیے رو رہے ہوں اور دن بھر بچے بھوک سے مر رہے ہوں۔''

جاوید نے کچھ ایسا نقشہ کھینچا کہ شارق کی نگاہوں میں تصویریں سی اترنے لگیں۔ ایک دم سے دل رقیق ہو گیا۔ ننھے منے خوبصورت بچے ہاتھ پھیلائے روٹی مانگ رہے ہوں گے۔ لوگوں کے کتے بھی مرغ روسٹ کھاتے ہوں گے۔

''اچھا...... اچھا تم اپنی فضولیات بند کرو میں تمہاری ملازمت کو بحال کر رہا ہوں لیکن......'' انہوں نے حواس باختہ سے جاوید اور شہزاد کو گھورا۔

''مگر تم دونوں کو اس بدزبانی اور گستاخی کی سزا ضرور ملے گی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولے۔ انہوں نے اپنا پہلا آرڈر یوں کینسل کیا گویا واقعی ان کی بدولت بچے بھوکے مر جائیں گے۔

''او شکریہ سر! اللہ کرے آپ کے بچے جئیں۔'' جاوید بے ساختہ بولا پھر بڑھ کر شارق کا ہاتھ تھام کر مصافحہ کرتے چومتے ہوئے بولا۔

''یہ...... یہ...... اب میرے بچے کہاں سے آ گئے جاوید!'' وہ غرا اٹھے۔

''کیوں نہیں ہو سکتے ہیں بچے! بلکہ سر آپ کے تو زیادہ چانسز ہیں ایسے بچے پروڈیوس کرنے کے لیے اتنی ڈھیر ساری گرل فرینڈز ہیں آپ کی تو کہیں کوئی جذباتی لغزشیں...... آؤچ چھ......'' اچانک جاوید پاؤں پکڑ کر اچھل گیا بات منہ میں ادھوری رہ گئی تھی۔ کیونکہ اس کی زبان کو بہکتا پا کر شہزاد نے گھبرا کر اسے ٹانگ پہ زوردار کک لگائی تھی۔

''سنو جاوید! آئندہ تم اپنی زبان کو قابو میں رکھنے کی کوشش کیا کرو۔ ابھی تم نے دوبارہ میری ذاتی زندگی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہوتی تو میں بالنفس نفیس دھکے دے کر یہاں سے باہر نکال دیتا۔'' وہ دانت بھینچ کر بولے۔

''ہمیں اس بار بس سر معاف کر دیجیے آپ اور ہمیں آپ کی ہر سزا منظور ہے۔'' پہلی بار شہزاد جرأت کر کے بولا تو شارق نے قہر آلود نظروں سے گھورا۔

''ہاں...... ہاں سر! دراصل یہ سب قصور اس نمک کا ہے جو کہ اب کہیں خالص نہیں رہا جس میں بہت ملاوٹ ہونے لگی ہے۔ شاید اسی لیے ہم ملازم لوگ کبھی کبھار منہ کا ذائقہ بدلنے کی خاطر مالکوں سے نمک حرامی کر جاتے ہیں اور غیبت سے باز نہیں آتے۔''

جاوید نے پھر دخل دیا اس کی زبان بھلا کیسے چپ رہ سکتی تھی اور شارق کی ذہنی رو پٹری سے اتر گئی۔

''ہوں تو یہ بات ہے۔ نمک میں ملاوٹ تمہیں نمک حرامی پر مجبور کرتی ہے۔'' انہوں نے وضاحت چاہی تو جاوید نے جلدی سے سر ہلایا تائید کی۔

''اچھا تو ٹھیک ہے مل کے افسروں کا کھانا میس میں پکتا ہے نا؟'' شارق نے فائل میز پر پھینکتے ہوئے کہا۔

''تو میری طرف سے آج سے خانساماں کو سختی سے ہدایت کر دی جائے گی کہ کھانا بالکل پھیکا پکے گا۔ کھانے کے ساتھ نمک علیحدہ نمک دانیوں میں دیا جائے گا باقی سب لوگ تو ساتھ میں ملا لیا کریں گے مگر تم جیسے نمک حرام ہرگز ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ اور اگر اب دونوں نے حکم عدولی کی دو مہینے تک نمک چکھا تو آپ کو سخت ترین سزا دی جائے گی۔'' وہ ان کی بری بری شکلیں بنتی دیکھ کر سختی سے بولے۔

''جاؤ شہزاد! جاؤ میس Mess منیجر اور خانساماں کو فوری بلواؤ۔'' شارق نے کڑی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اُف...... مارے گئے۔'' ان دونوں کی جان ہوا ہو گئی۔ ''کیسے کھا پائیں گے وہ پھیکا کھانا اور وہ بھی دو ماہ تک نمک سے پرہیز۔''

''بات یہ ہے سر ابھی تو عملے کا کوئی اور آدمی آفس نہیں آیا ہے نو بجے تک سب آ جائیں گے۔ ویسے بھی یہ تو شہزاد اور میرا کام کچھ زیادہ تھا تبھی ہم جلدی آ گئے تھے۔'' جاوید نے جھٹ وضاحت کی۔

''ہاں...... ہاں میں سب جانتا ہوں۔ تم لوگ مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہو میرے لندن جانے کے بعد تم مس جینا کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے رہے اور آفس کا کام ادھورا پڑا تمہاری جان کو روتا رہا۔'' شارق کے چہرے پر غیض و غضب کے آثار تھے۔

''اور اب جبکہ تمہیں میری واپسی کی اطلاع ملی ہے تو تم دونوں بھاگم بھاگ آفس چلے آئے ہو۔ تاکہ میرے آنے سے پہلے کام مکمل کر سکو۔'' غصے سے ان کی آنکھوں میں سرخی تیرنے لگی تھی۔ لیکن جاوید بھی ایک ہی اڑیل ٹٹو تھا فوراً بولا۔

''مگر...... معاف کیجیے گا سر! دھوکہ میں نے آپ کو نہیں دیا ہے۔ بلکہ آپ نے مجھے دیا ہے۔ آپ نے اپنے فیکس فون پر تو یہی کہا تھا کہ آپ اگلے ہفتے بارہ تاریخ کو واپس تشریف لائیں گے۔ لیکن واپس آج آ گئے ہیں۔ دس از ناٹ فیئر باس (This is not Fair) تو جیسا آپ نے فیکس میں لکھا ہوا تھا اگر آپ اگلے ہفتے آتے تو میرا کام بھی مکمل ہو جاتا اور آپ کو ذرا بھی پتہ نہ چلتا۔ ہاں...... کیا پہلے بھی میں نے آپ کو شکایت کا موقع دیا ہے۔'' جاوید نے جرأت سے پوچھا۔

''ہاں...... تو کیا تم پہلے بھی یہی حرکتیں کرتے رہے ہو؟ اس طرح کام کرتے تھے۔'' شارق نے میز پر مکا مارا۔

''پلیز سر اس میں ناراض ہونے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ اگر غلطی سے میری زبان سے سچی بات نکل ہی گئی ہے تو جانے دیجیے۔ مجھے معاف کر دیجیے آپ۔'' جاوید ذرا پیچھے کھسکتا ہوا بولا۔

''سر آپ کو تو دیکھیے کام چاہیے نا دیر سے کروں یا جلدی آپ کو تو پورا اور ترتیب وار ملتا ہے نا؟'' یہ تو حد ہی ہو گئی تھی ڈھٹائی کی۔

''یو یو ایڈیٹ...... گٹ آؤٹ...... آئی سے گٹ آؤٹ۔'' وہ جاوید کو قہر آلود نظروں سے گھورتے انگلی اٹھا کر چیخے۔

یہ سن کر جاوید اور شہزاد سر جھکا کر جلدی سے باہر نکل گئے۔ باہر برآمدے میں آ کر انہوں نے گہرے گہرے سانس لیے

''اسے بھول جاؤ۔'' اس نے میرا شانہ تھپکا اور چلا گیا۔

سر دھوئے بغیر غسل کیا۔ مونا اور سفیر کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے بمشکل کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آ کر بستر پر دراز ہوتے ہی بے خبر سو گیا۔ میری آنکھ بھوک سے کھلی۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ باہر بچوں کا شور بتا رہا تھا کہ ندیم اور اس کی بیوی آئے ہیں۔ ان کی محفل مہمان خانے کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں جمی تھی۔ سب اتنے عرصے بعد مل کر بیٹھے تھے یا ایسا لگ رہا تھا گزشتہ کچھ عرصے میں سب نے ہی جو حالات دیکھ لئے تھے اس کے بعد اس طرح مل کر بیٹھنا بھی کسی کے خواب و خیال سے کم نہیں تھا۔ میں نے کچن کال کر کے کھانے کی فرمائش کر دی تھی وہ سب کھانا کھا چکے تھے۔ مونا نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''شوبی...... جلدی سے اپنی کہانی۔ ناؤ۔''

''کہانی نہیں...... یہ ایک دردناک آپ بیتی ہے۔ جسے سن کر خواتین چار چار آنسو بہائیں گی۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن کہانی سنانے کے لئے جسم میں توانائی چاہئے اور توانائی مل سکتی ہے کھانے سے لہٰذا پہلے مجھے کھانا کھانے دیں۔''

کھانا لذیذ اور مرغن تھا۔ کھانے کے بعد کافی پر میں نے انہیں اپنی آپ بیتی سنائی۔ اگرچہ شاز یہ سب بتا چکی تھی لیکن وہ میرے منہ سے سننے کے متمنی تھے۔ سب کو تصویر اور رحمت کی بیوی اور بیٹی کے جانے کا افسوس تھا۔

''وہ بے چارہ بہت دکھی ہے۔'' سفیر نے بتایا۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے ملا تھا۔''

''مجھے افسوس ہے لیکن اس وقت میں بے بس تھا انہیں بچانے کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔''

''خدا کرے وہ زندہ سلامت ہوں۔'' مونا بولی۔

''دعا کرو کہ عزت سے زندہ سلامت ہوں ورنہ وہ جن درندوں کے پاس ہیں عورت ان کے لئے شکار ہوتی ہے۔'' سفیر نے تلخی سے کہا۔ ''ممکن ہے شہباز اور ہمارا بدلہ بھی وہ ان غریب اور بے بس عورتوں سے لیں۔''

''شوبی! کیا کسی طریقے سے انہیں واپس لا سکتے ہیں؟''

''لانے کی ایک ترکیب ہو سکتی ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''میں ڈیوڈ شا سے بات کرتا ہوں وہ غیر ملکی ہے اور بلاوجہ قتل و غارت گری سے گریز کرے گا۔''

''تم اس سے کہاں رابطہ کرو گے۔''

''وہ میریٹ اسلام آباد میں ٹھہرا ہے۔'' میں نے کہا اور موبائل پر میریٹ کا نام ملایا۔ آپریٹر نے شیریں لہجے میں دریافت کیا۔

''یس سر واٹ کین آئی ڈو فار یو؟''

''پلیز کنیکٹ ٹو ڈیوڈ شا۔''

''یور نیم پلیز؟''

''شہباز ملک۔'' میں نے سوچ کر اپنا اصل نام بتا دیا۔

''ون منٹ ہولڈ پلیز سر!'' آپریٹر نے کہا اور میوزک سنائی دینے لگی۔ چند لمحے بعد ڈیوڈ شا لائن پر تھا۔

''کیا بات ہے مسٹر شہباز؟'' اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''مسٹر شا...... مجھے وہ لڑکی اور اس کی ماں واپس چاہیئے۔'' میں نے بھی بلا تمہید کہا۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ فتح خان کے پاس ہیں۔''

''مسٹر شا! فتح خان تمہارے اختیار میں ہے، اسے کہو ان مظلوم عورتوں کو چھوڑ دے۔ ان کا اس سارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ سوائے اس کے کہ میں نے ان کے گھر پناہ لی تھی۔''

''او کے۔'' اس نے کہا اور کوئی واضح بات کیے بغیر فون بند کر دیا۔ وہ بے حد چالاک آدمی تھا۔ فون پر ایسی کوئی بات منہ سے نہیں نکالنا چاہتا تھا جس سے وہ پھنس جاتے۔ سب سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے ڈیوڈ شا اور اپنی گفتگو دہرائی۔ سفیر پُر امید لہجے میں بولا۔ ''شاید وہ فتح خان کے چنگل سے انہیں نکلوا دے۔''

''مشکل ہے۔ وہ عورتیں ایک طرح سے فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ڈیوڈ شا کے خلاف گواہ ہیں۔''

''وہ تو شازیہ بھی ہے۔''

''شازیہ گواہ نہیں ہو سکتیں۔'' ندیم نے کہا۔ ''وہ ہم سے تعلق رکھتی ہے لیکن رحمت کی بیوی اور بیٹی اس کے خلاف گواہی دے سکتی ہیں۔''

''کیا ان غریب عورتوں کی گواہی ان کا کچھ بگاڑ سکتی ہے؟'' مونا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ہاں اگر معاملہ عدالت میں چلا گیا تو ان کے خلاف گواہی مؤثر ہوگی۔'' ندیم بولا۔

''وہ لوگ کوئی خطرہ مول لینا گوارا نہیں کریں گے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''میں نے ایک چانس لیا تھا۔''

''ڈیوڈ شا نے تجھے ٹرخا دیا ہے۔'' ندیم بولا۔ ''یہ شرافت کی زبان سمجھنے والے لوگ نہیں ہیں۔''

ایک ملازم اندر آیا۔ ''آپ کو راجا صاحب نے طلب کیا ہے۔'' اس نے مجھ سے کہا۔

ان لوگوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر میں ملازم کے ساتھ کوٹھی کے اندر اس نشست گاہ تک آیا جہاں راجا دراز موجود تھا۔ ''بیٹھو شہباز...... تھکن اتر گئی۔ سر کی تکلیف کیسی ہے؟''

''آپ نے پوچھا تو یاد آیا میرے سر پر چوٹ لگی تھی۔'' میں نے مسکرا کر کہا اور اس کے اشارے پر بیٹھ گیا۔

''شہباز! ڈیوڈ شا کے بارے میں کیا جانتے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''جتنا آپ نے بتایا تھا۔ ایک ملاقات میں وہ بے حد عیار اور ٹھنڈے دماغ کا شخص لگا۔ اس کی خطرناکی میں کوئی شبہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور راجا کو اس سے تھوڑی دیر پہلے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ اس نے سر ہلایا۔

''ڈیوڈ نے تمہیں ٹال دیا ہے لیکن وہ مجھے نہیں ٹال سکتا۔'' اس نے کہا اور فون اٹھا کر میریٹ ہوٹل کا نمبر ملایا۔ نمبر میں نے بتایا تھا۔ ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز کے نمبر مجھے ازبر تھے۔ اس نے ڈیوڈ شا سے ملانے کو کہا۔ چند لمحے بعد وہ لائن پر تھا۔ رانا عمر دراز نے نہایت طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تصویر مبارک ہو۔''

نکلا کہ وہ اب کسی کی بیگم ہے۔ پھر یہی حال جینا...... فرح، حمیرہ اور فریدہ کا بھی ہوا'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''ویسے سر! لمبی لسٹ ہے۔ میں تو نام بھی بھول گیا ہوں۔ سنیئے جناب شارق صاحب! اتنی جلدی تو موسم بھی اپنے تیور نہیں بدلتے۔ جتنی جلدی آپ سیکرٹریاں بدلتے ہیں۔ تو اب آپ ہی بتایئے اس میں میرا کیا قصور ہے بھلا۔ اگر سلویا نے ایک مل اونر پھنسا لیا ہے۔ ہاں جی وہی اپنے ہاشمی صاحب جو آپ کے دوست بھی ہیں۔ اب تو وہ دونوں ہنی مون منانے امریکہ گئے ہوئے ہیں۔''

جاوید نے پوری بات سمجھا دی۔ جب تک شارق رضا بھی نتیجہ اخذ کر چکے تھے۔

''ہوں...... ہوں...... تو یہ سب قصور زیادہ تنخواہ اور آسائشیں دینے کا ہے۔ تبھی وہ جاب چھوڑتی ہیں۔'' شارق نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جی بالکل سر! یہ سب آپ کا اپنا قصور ہے جو انہیں عیش کی زندگی کا عادی بنا دیتے ہیں۔ پھر یہاں سے ملازمت چھوڑ کر ہر جانے والی سیکرٹری اپنی سہیلیوں کے سامنے آپ کی خوبصورتی اور دریا دلی کی اس قدر تعریفیں کرتی ہیں کہ جب دوسرے تیسرے مہینے ہماری فرم کی طرف سے ضرورت سیکرٹری کے اشتہار اخبارات میں چھپتے ہیں تو سینکڑوں لڑکیاں قطار در قطار تشریف لے آتی ہیں۔'' وہ ہاتھ پھیلا کر بولا۔

''جناب آپ آج ہی دیکھ لیجیے گا کیونکہ ہم نے اخبارات میں ضرورت سیکرٹری کے لیے اشتہارات دیئے تھے۔ لاتعداد درخواستیں موصول ہوئی تھیں اور آج انٹرویو ہے۔ اور پھر جو بھی لڑکی سلیکٹ ہوگی۔ وہ آتے ہی اپنا کام اس خوبی و خوش اسلوبی سے سنبھالتی ہے اور آپ کو بھی کہ محسوس ہونے لگتا ہے جیسے وہ پہلے سے یہاں تربیت حاصل کرتی رہی ہے۔ اور ہوتا بھی یہی ہے کہ پھر پوچھنے استفسار کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ وہ یہاں سے رخصت ہونے والی سیکرٹری کی سہیلی ہے اور اس سہیلی صاحبہ نے اس نئی رنگروٹ کو بہت اچھی طرح سے آپ کی عادات و ضروریات سے آگاہ کر دیا ہے۔

سر جی! آپ میری مانیں تو ایک مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں۔ دیکھیے برسوں سے آپ کا نمک کھا رہا ہوں ویسے بھی آپ کا دوست ہوں۔ کلاس فیلو بھی رہ چکا ہوں۔ آپ کا خیر خواہ ہوں۔'' جاوید نے تمہید باندھی۔

''سر آپ! سارے شہر بلکہ اب تو شہر سے باہر تک بدنام ہو چکے ہیں۔ لڑکیاں آپ کو دل پھینک اور لیڈی کلر کہتی ہیں۔ آپ کی شراب نوشی اور ہوس پرستی کے گھناؤنے قصے، گلی گلی گاؤں گاؤں تک مشہور ہو چکے ہیں۔ میں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ہوشمند انسان اچھے خاندان والے آپ کو بیٹی دینے پر رضامند نہ ہوں۔ دیکھیے اب بھی وقت ہے۔ سو گھروں میں سے چار گھر اب بھی ضرور ایسے ہوں گے جو آپ کے کرتوتوں سے، تماشوں عیاشیوں سے...... میرا مطلب ہے کہ وہ آپ کی عادتوں سے ناواقف ہوں گے۔ بس سر اب آپ جلدی سے شادی کر ہی ڈالیں۔'' جاوید نے خلوص بھرا مشورہ دیا تھا مگر وہ سلگ ہی تو گئے۔

''تم یہ بتاؤ آخر دنیا میں ایسی کون سی چیز ہے جو دولت سے نہیں خریدی جا سکتی۔'' شارق بے قابو ہو گئے۔

''سر! عزت اور شرافت...... آپ دنیا کی تمام تر دولت دے کر بھی یہ خزانہ نہیں خرید سکتے۔'' جاوید سنجیدگی سے بولا۔

''اونہہ...... میں یہ دونوں چیزیں ہی کوڑیوں کے مول خریدتا رہتا ہوں۔'' شارق حقارت سے بولا۔

''اور اب بھی ہر چیز کو دولت سے خریدوں گا۔ مجھے شادی کرنے کی اور عذاب میں جان پھنسانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اٹل لہجے میں بولے اور کھڑے ہو گئے۔

''ہاں سنو جاوید! میں گھر جا رہا ہوں انٹرویو تم کر لینا اور آج تم جو بھی نئی سیکرٹری رکھو گے نا تو یہ دیکھ لینا کہ وہ خوبصورت اور معصوم ضرور ہو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ اپنے مخصوص اکھڑ لہجے پر اتر آئے تھے۔ تو جاوید کا منہ بن گیا۔

''سر ظاہری خوبصورتی کی گارنٹی تو دی جا سکتی ہے لیکن وہ محترمہ واقعی شریف معصوم بھی ہوں گی یا نہیں۔ یہ اندازہ آپ خود لگا لیجیے گا کیونکہ آپ کا تجربہ مجھ سے ہزار ہا زیادہ ہے۔ ویسے بھی اب تک جتنی سیکرٹریاں آپ نے چنی تھیں۔ مجھے تو ان میں معصومیت و شرافت نام کی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔

پھر سر مجھے تو معصومیت شرافت کا تجربہ نہیں ہے بلکہ میرا تو خیال ہے کہ تجربہ آپ کو بھی نہیں ہے کہ شرافت، کس چڑیا کو کہتے ہیں۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اچھا خیر باس آپ گھر جائیں میں کوشش کروں گا کہ آپ کی پسند و معیار پر نئی سیکرٹری صاحبہ پوری اتریں۔'' جاوید منہ بنا کر بولا۔ کچھ دیر بعد گھر جانے کے لیے شارق آفس سے باہر نکلے تو شہزادا نہیں دیکھ کر گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن شارق اپنی ہی دھن میں مگن اپنے اطراف پر دھیان دیئے بغیر باہر نکلتے چلے گئے۔ پھر اپنی شاندار برانڈ نیو سرخ کنورٹیبل سپورٹس مرسڈیز کار میں بیٹھ گئے اور مل کی طرف سے گزرتے ہوئے وہ مزدوروں کے سلام کا سر ہلا کر ہاتھ ہلا کر جواب دیتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ لوگ انہیں جلدی آتا دیکھ کر حیران ہو کر تبصرہ کر رہے تھے۔

''یار نظام! شارق صاحب تو ولایت سے واپس آ گئے ہیں۔'' ایک ورکر نے حیران ہو کر دوسرے سے پوچھا۔

''لیکن منیجر تو کہہ رہا تھا کہ وہ ایک دو ہفتے کے بعد آئیں گے۔'' دوسرے ورکر نے کہا۔

''چھوڑ یار ان امیر کبیر لوگوں کے لیے سفر کیا مسئلہ ہے ایک جہاز پر ملک سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے پر واپس آ جاتے ہیں۔ لاکھوں میل کا سفر گھنٹوں میں طے کر لیتے ہیں۔ یہ سب دولت کا تو کمال ہے پھر یہ سب مصیبتیں تو ہم غریبوں کے لیے ہیں۔ جنہیں یہاں سے لاہور جانا بھی عذاب لگتا ہے۔ دوسرے شہر کمائی کرنے آئے ہیں۔ مہینوں بعد کچھ رقم اکٹھی ہوتی ہے تو گھر اور بچوں کو دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ ہم محدود آمدنی والے لوگوں کو تو پچاس کا نوٹ خرچ کرنے سے پہلے بھی سو سو بار سوچنا پڑتا ہے کہ اس پچاس روپے سے ہی گھر میں ایک وقت کا کھانا پک سکتا ہے۔

لیکن یہ رضوان ایک ہی دن میں کھڑے کھڑے لاکھوں لاکھوں کروڑوں روپے گھوڑوں کی ریس پر ہار جاتے ہیں۔ بس میرے مولا کی دین ہے نا۔ جسے بھی مالا مال کر دے۔'' وہ ادھیڑ عمر کا مرد افسردگی سے بیڑی کا کش لگا کر بولا۔

''یار! اپنے منیجر جاوید صاحب اور شہزاد صاحب کی تو ان سے جان جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ شارق صاحب ہر وقت غصے میں رہتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں اور رنڈیوں کے پاس جاتے ہیں۔'' ایک مزدور نے پوچھا۔

''ارے رہنے دے فضل دین ہمیں کسی کے عیبوں سے کیا واسطہ تعلق...... یہ پاپی ظالم دنیا تو نہ اچھوں کو جینے دیتی ہے نہ بروں کو چھوڑتی ہے۔ پھر ہم سب اپنے اپنے گریبانوں میں بھی تو جھانکیں کون گناہگار نہیں؟ ہم تو یہ جانتے ہیں۔ یہی محسوس کرتے ہیں کہ ہم مزدوروں کے ساتھ شارق صاحب کا رویہ کتنا میٹھا ہوتا ہے۔ اتنی میٹھی زبان میں پیار سے

بات کرتے ہیں۔ حال احوال، مسئلے مسائل پوچھتے ہیں۔
انہوں نے ہماری خوشحالی کا ہمیشہ خیال رکھا ہے ہمارے لیے پکے مکان ہسپتال اور بچوں کے لیے سکول بنوائے ہیں۔ وہ ہر تہوار پر دل کھول کر مدد کرتے ہیں عید پر دو دو ماہ کی تنخواہ زیادہ دیتے ہیں۔ ہنگاموں جلسے جلوسوں کے دنوں میں جب ہر طرف جلوس توڑ پھوڑ تھی۔ ہر مل کارخانے میں مزدوروں نے ہڑتالیں کی ہوئی تھیں۔ اس وقت بھی شارق سٹیل ملز میں زوروں سے کام ہوتا تھا۔ ہم نے جو بھی مطالبہ کیا شارق صاحب نے فوراً پورا کر دیا۔'' وہ توصیفی انداز میں بول رہا تھا۔
''ہاں...... یار ہمیں تو اپنے مالک سے بہت محبت ہے اور ہمارے لیے ان کا یہ شفقت بھرا رویہ بہت کافی ہے۔''
رات کی شفٹ ختم ہونے پر مزدور اکٹھے ہو کر باتیں کرنے لگے تھے۔

○●○

شارق سوچوں لامتناہی خیالات میں ڈوبے اپنی وسیع اور بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی مل میں سے آہستہ بلکہ مناسب رفتار میں کار چلاتے ہوئے گزر رہے تھے کہ گیٹ کے قریب پہنچ کر انہوں نے رفتار ذرا بڑھا دی۔ پھر ایک دم بریک بھیانک انداز میں چیخ اٹھے تھے۔
ایک لڑکی ایک دم ہی سے دیوار کی آڑ میں سے نکل کر گیٹ اور کار کے سامنے چلی آئی تھی۔ پھر وہ کار کے بونٹ سے بری طرح سے ٹکرائی اور دھکا لگتے ہی کئی فٹ دور اچھل کر جا گری تھی اور اب مردہ سی پڑی تھی۔
کار رک چکی تھی شارق گھبرا کر تیزی سے اترے اور گری ہوئی نیم بیہوش لڑکی کو اٹھایا۔ وہ کراہ رہی تھی۔ ''اے لڑکی! تمہاری آنکھیں سلامت ہیں یا اندھی ہو۔ کیا اتنی بڑی کار نظر نہیں آئی تھی تمہیں۔''
شارق اسے سنبھال کر گرجے۔ لڑکی جو اس اچانک ٹوٹنے والی افتاد سے ابھی سنبھل نہیں سکی تھی کہ شارق کے طیش بھرے قہر آلودہ انداز نے اسے ششدر کر دیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے اسے ہونق سی تکے جا رہی تھی۔ گم صم سی تبھی شارق کی نظر اس کے سر سے بہتے ہوئے خون پر پڑی جو تیزی سے کنپٹی بھگوتا گردن میں گر رہا تھا تو وہ اور زیادہ جھنجلا گئے۔ 'اے سنو لڑکی! تمہارا سر پھٹ گیا ہے۔ بہت خون بہہ رہا ہے۔ اب جلدی سے بتاؤ تمہیں کس ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں؟ پٹی کرواؤ گی یا تم پہلے پولیس اسٹیشن جانا پسند کرو گی؟ جلدی بتاؤ جلدی؟'' وہ غصے سے بولے تو وہ لڑکی گھبرا کر رہ گئی پھر آنسوؤں سے لبریز خوبصورت آنکھیں شارق کی جانب اٹھیں۔ لڑکی نے شارق کا ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹا دیا اور آہستہ آہستہ کھڑی ہوگئی۔ پھر چکراتے سر کو تھام کر پیشانی مسلتے ہوئے کار کے ساتھ پشت لگا لی اور حواس جمع و یکجا کرنے کے لیے آنکھیں میچ لیں۔ سارے وجود سے درد کی تیز تیز لہریں اٹھ اٹھ کر اسے بے حال کر رہی تھیں۔ سر اور پیشانی میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اس نے پیشانی کو چھوا تو ہاتھ واقعی خون آلود ہو گیا آنکھوں کے سامنے تاریکی چھائی جا رہی تھی۔ وہ ہوش و حواس قائم رکھنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ اسے خاموش دیکھ کر ہمیشہ کے وہمی اور صنف نازک سے بدظن شارق نے پھر سوال داغا۔
''اچھا تو پھر آپ کو پولیس اسٹیشن لے چلوں۔'' سرد سی آواز نے لڑکی کو آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ ''پولیس اسٹیشن کیوں وہاں کس لیے جانا ہے مجھے؟'' لڑکی نے کچھ حیرانی اور معصومیت سے پوچھا۔ ''ٹکر تو آپ نے ماری ہے مجھے

مگر قصور تو میرا ہی ہے۔"

"بھئی ظاہر ہے کہ میں نے آپ کو موٹر کے نیچے دے کر زخمی کیا ہے میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی ہے۔ آپ میرے خلاف رپورٹ تو ضرور درج کروائیں گی نا۔ یہی کہ میں ایک لاپرواہ ڈرائیور ہوں لوگوں کو تیز رفتاری کے باعث کار تلے کچلتا پھرتا ہوں۔

پھر یہ سب الزامات عائد کرنے کے بعد آپ کو مفت میں روپے مل جائیں گے مجھ سے...... شاید لاکھوں روپے؟ پولیس تو جرمانہ کرے گی پھر تم رقم کیسے نہیں لوگی کیونکہ کوئی بھی عورت دولت حاصل کرنے کا موقع ایسا سنہری چانس ہاتھ سے نہیں گنواتی ہے۔" وہ درشتی سے اپنے بودے گھٹیا خیالات کا اظہار کیے جا رہے تھے اور وہ کچھ حیران ہو کر اس کی بے معنی گفتگو سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وجود کی چوٹیں اسے بے حال کر رہی تھیں۔

"جی...... جی میری سمجھ میں تو آپ کی کوئی بات نہیں آ رہی ہے۔" وہ بے بسی سے بولی اور دوپٹہ پیشانی پر رکھا۔

"اور...... اور پھر میں نے آپ سے کسی بات کا شکوہ یا شکایت بھی کب کی ہے؟ آپ پریشان مت ہوں۔ دیکھئے جبکہ قصور تو سراسر میرا ہے کہ میں نے دیکھا بھالا ہی نہیں اور رکشے سے اترتے ہی ایک دم گیٹ کے اندر مڑ گئی اور بے خیالی میں ہی آپ کی کار سے آن ٹکرائی۔" وہ سچائی سے کہنے لگی۔

"پھر میں بھلا آپ سے معاوضہ کیوں وصول کروں گی۔ مجھے ایک پیسہ بھی نہیں چاہیے۔" اس نے یقین دلایا۔

"مگر سر آپ بس مجھ پر ایک احسان کیجیے صرف یہ بتا دیجیے کہ مسٹر شارق رضا کا آفس کس طرف ہے۔" وہ ملتجانہ انداز میں بولی۔ تو شارق نے بھنویں سکیڑ کر اسے بغور دیکھا جو سادگی سے لجاجت سے پوچھ رہی تھی۔

"دیکھیے اتنی بڑی مل میں میں اس ابتر حالت میں غلط جگہوں پر نہ بھٹکتی پھروں۔ یہی مہربانی کافی ہوگی اگر آفس کا راستہ بتا دیں تو پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے۔" وہ اپنا چکراتا سر تھام کر بولی۔

"کیا؟ شارق رضا کا آفس۔" وہ عجیب سی فرمائش پر حیران رہ گئے۔

"کیوں کیا یہ شارق اسٹیل مل نہیں ہے۔" لڑکی ان کے انداز پر پریشان ہو گئی۔ پر آنکھوں میں جاتے ہوئے خون کو اپنے دوپٹے سے صاف کرنے لگی۔ کمبخت غربت کے باوجود جسم میں گویا خون کی تھیلی تھی جو اس وقت کھل گئی تھی۔

"ہاں...... ہاں یہ شارق اسٹیل مل تو ہے پتہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بتائیے کہ آپ زخمی ہونے کا معاوضہ بھی نہیں لینا چاہتیں مجھ سے۔ اور نہ ہی آپ پولیس اسٹیشن جانا چاہتی ہیں تو آخر کیوں؟" شارق کے تو تمام اندیشے غلط ثابت ہو رہے تھے۔ تو وہ حیران سے لگے یا ریہ لڑکی بڑی بیوقوف ہے یا بڑی اداکارہ؟

"اف ہو...... آخر آپ مجھے زبردستی پولیس اسٹیشن کیوں لے جانے پر بضد ہیں جناب؟"

"نہیں...... دیکھیے صاحب میرے پاس ان پولیس کے جھمیلوں کے لیے کوئی وقت نہیں ہے۔" وہ غصے سے بولی۔ حد ہو گئی تھی بے حسی کی اسے زخمی حالت میں اور خون میں تر بتر دیکھنے کے باوجود وہ شخص فضول بحث میں الجھا تھا اور پولیس پولیس کی رٹ لگائے تھا۔

"اچھا آپ اگر آفس کا راستہ نہیں بتا سکتے تو میں کسی اور سے پوچھ لیتی ہوں۔" وہ ان کو لاپرواہی سے اپنی پتلون کی

جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے دیکھ کر جھنجھلا گئی تھی۔
ہونہہ خوامخواہ گھوڑے چلے جا رہے تھے دماغ کی خرابی کا شکار ہے شاید۔ وہ کار سے ہٹی تو لڑکھڑا کر گرنے لگی۔
شارق نے لپک کر اسے بے اختیارانہ طور پر بازوؤں میں سنبھال لیا۔
''سوری......مم......مم مجھے بہت شدتوں سے چکر آرہا ہے۔'' وہ بے بسی سے شرمندگی سے بولی۔
پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور سر ڈھلک کر شارق رضا کے کاندھے پر ٹک گیا۔ شارق نے اس کے چہرے پر نظریں دوڑائیں اور اس کا سر ذرا پیچھے کر کے بغور چہرے کو تکا کہ شاید بہانہ کر رہی ہو۔
مگر خون میں بھیگا پڑا خوبصورت چہرہ، ستواں ناک جس میں زردی مائل پکھراج کے نگ والی چھوٹی سی لونگ چمک رہی تھی۔ بند بند آنکھیں جن پر گھنی پلکوں کا سایہ پڑا ہوا تھا۔
وہ بے انتہا دلکش جسم پہ جوانی کا بپھرا طوفان اس کے رحم و کرم پر تو تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے شارق نے لڑکی کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر بمشکل سپورٹس کار میں ڈالا۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اس کا سر اونچا کیا اور اپنی رانوں پر رکھ لیا ان کے قیمتی ٹراؤزر پر خون کے دھبے لگنے لگے۔
''کمبخت اگر مجھے پتہ ہوتا کہ ایک لمبی چوڑی لڑکی کو لادنا پڑے گا تو میں اپنی بڑی گاڑی لے آتا۔'' وہ اس کی ٹانگیں دروازے سے لگاتے ہوئے بولا۔
شارق نے مسلسل بڑبڑاتے ہوئے کار چلا دی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اپنے خاندانی معالج اور جگری یار ڈاکٹر راحیل کے کلینک پہنچ گئے۔
کار کا دروازہ کھول کر انہوں نے بے سدھ پڑی لڑکی کو بانہوں میں اٹھا لیا اور کلینک میں داخل ہو گئے اس وقت وہاں بہت سے مریض موجود تھے۔ شارق اپنے مخصوص لاپروانہ انداز میں اس نوخیز لڑکی کو بازوؤں میں اٹھائے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔
سبھی لوگ حیرت سے اسے تکنے لگے۔ ڈاکٹر راحیل نے جو مریض کا معائنہ کر رہے تھے۔ شور سن کر نظر اٹھائی تو شارق کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ یہ کس انداز سے اندر آیا ہے۔
''خیریت تو ہے نا شارق! یہ کیا ہوا ہے؟'' ڈاکٹر راحیل ان کی طرف لپکے۔
''پلیز مسٹر نواز آپ ذرا باہر جائیے۔ میں تھوڑی دیر بعد آپ کو دیکھتا ہوں۔'' ڈاکٹر راحیل مریض کو باہر بھیج کر مڑے۔ ان کی نگاہوں میں تشویش تھی۔
خدا ہی جانتا ہے کیا معاملہ ہوا ہے؟ اس شارق پر اعتبار بھی تو نہیں کیا جا سکتا تھا نا لڑکیوں کے معاملے میں۔
''یار شارق! آخر تمہیں یہ ہو کیا گیا ہے تم کیوں انسان سے درندے بن گئے ہو۔'' راحیل بے اختیار بول اٹھے۔
''کیوں ان معصوم پھولوں کو روندنے پر تلے ہوئے ہو۔ کیوں ان شریف گھرانوں کی لڑکیوں کی عزتوں کے درپے ہو۔ یار کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ یہ بدنصیب لڑکیاں بھی تو کسی باپ بھائی کی عزت ہوں گی۔'' ڈاکٹر راحیل دکھ سے بولے۔
''ہائیں......تم کیا بکواس کر رہے ہو راحیل؟'' شارق چڑ کر بولے۔

''اب ایسا گیا گزرا بھی نہیں ہوں میں کہ راہ چلتی کسی کی بہن بیٹی کے آنچل پر ہاتھ ڈالتا پھروں اور اغوا کر کے بھاگوں میں صرف ان پھولوں کا خریدار ہوں جو خود بکنا چاہتے ہوں۔ میں صرف ان شوخ کلیوں کو روندتا ہوں جو شاخ سے ٹوٹنے کے لیے بے تاب ہوں۔ اور پھر یہ لڑکی...... یہ محترمہ تو خود میری کار کے سامنے اچانک آ گئی تھیں اور زخمی ہو گئی تھیں۔ اب اگر ان کا سر پھوٹا ہے تو میری دست درازی سے نہیں یہ مجھ سے عزت بچاتے ہوئے بیہوش ہرگز نہیں ہوئیں۔'' وہ غصے سے بولے۔

''شارق......سوری ڈیئر! میں آئے دن تمہارے متعلق لوگوں سے اتنی گھناؤنی باتیں سنتا رہتا ہوں آخر کار تمہارا یار ہوں نا تو مجھے وہ سب باتیں سن کر بے حد اذیت ہوتی ہے نا۔ لوگ تمہاری کردار کشی کرتے ہیں تو مجھے بے حد برا محسوس ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر راحیل پھر جھک کر لڑکی کے زخم دیکھنے لگا۔ پھر اسے انجکشن لگانے کے بعد اس کے ماتھے کی ڈریسنگ کر دی۔ شارق سگار پیتے ہوئے اس لڑکی کے پھیکے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ جسے ابھی راحیل نے بھیگی روئی سے صاف کیا تھا تو مکھڑا نکھر گیا تھا۔

''شارق اس کی پیشانی پر کافی گہرا زخم ہے اور کافی خون بہہ جانے کی وجہ سے کمزوری بہت ہے۔ ویسے ہوش تو تھوڑی دیر تک آ ہی جائے گا۔ تم یہیں بیٹھو۔ جب تک میں باقی مریضوں کو دیکھ لوں۔'' ڈاکٹر راحیل نے اسے تسلی دی اور خود دروازہ بند کر کے باہر چلے گئے۔

اور شارق وہیں کرسی پر بیٹھ کر اس لڑکی کو نہایت غور سے دیکھنے لگے۔ نظریں چہرے سے پھسل کر لباس پر پڑیں۔ وہ پرنٹڈ گلابی شلوار قمیص پہنے تھی۔ دوپٹہ چونکہ خون سے آلودہ تھا۔ تبھی ڈاکٹر راحیل نے اٹھا کر کرسی کی پشت پر پھینک دیا تھا۔ وہ سادہ اور کم قیمت کپڑے پہنے تھی۔ سیاہ چپل بھی قیمتی نہیں تھے مگر اس کے گورے گورے پاؤں میں سج رہے تھے۔

افراتفری اور جلدی جلدی میں کسی نے اس کے پاؤں سے چپل تک نہیں اتاری تھی۔ شارق اٹھ کر پاؤں کی طرف بڑھے اور ہاتھ بڑھا کر اس کے پاؤں میں سے چپل اتارنے لگے تھے کہ اچانک ٹھٹھک گئے دماغ میں سنسناہٹ سی ہوئی۔

انہوں نے اپنا ہاتھ لڑکی کے پاؤں سے کچھ اس طرح جلدی سے ہٹایا کہ جیسے کرنٹ لگ گیا ہو۔ پھر وہ حقارت و نفرت چہرے پر سجائے اپنے ہاتھ پتلون پر مسلنے لگے۔

جیسے کوئی ان دیکھی گندگی اتارنا چاہتے ہوں۔ خدا جانے کیسا وہم تھا۔ پھر ان کی نظر سامنے پڑی ہوئی ایک چھڑی پر گئی۔ جس کے آگے کپڑا بندھا ہوا تھا۔ شاید وہ صفائی کے لیے استعمال ہوتی تھی؟ شارق نے وہ چھڑی اٹھائی اور کپڑے والی سمت سے پکڑ کر اسے چپل میں پھنسا کر کھینچا۔ حالانکہ انہیں کافی مشکل پیش آ رہی تھی۔ کبھی چپل کھسک جاتی۔ تو کبھی چھڑی صحیح نہ پھنستی۔

اسی کوشش میں لڑکی کے پاؤں پر چھڑی پھسل کر لگی تو خراش پڑ گئی اور خون رسنے لگا۔ لیکن شارق کے چہرے پر تاسف کے آثار نمودار نہ ہوئے۔ عجیب بے حس سا شخص تھا وہ کسی کے دکھ کا احساس ہی نہ تھا۔

آخر کار انہوں نے کسی نہ کسی طرح سے دونوں چپلوں کو اتار پھینکا۔ پھر جیسے اپنے اس کارنامے پر بڑے شاداں

ہوئے۔

''ہونہہ...... میں تمہاری جوتی اتارتا پاؤں کو چھوتا نہیں شارق! کسی عورت کے قدموں پر نہیں جھک سکتا'' وہ پر تکبر انداز میں بولے۔

وہ اس کمزور حالت مخلوق کو ٹھکرا تو سکتا ہے۔ مسل اور توڑ تو سکتا ہے لیکن اپنی دل کی نگری میں نہیں بسا سکتا۔ وہ یہ سب سوچتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔

اسی طرح سے دو گھنٹے گزر گئے۔ بے چین بیا کل طبیعت کے مالک شارق بیٹھے بیٹھے بوریت کا شکار ہو رہے تھے۔

''تو یہ عورت اور مصیبت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔'' وہ زچ ہو کر بڑبڑائے۔

اس انتظار سے تو کہیں بہتر تھا کہ کار سے ٹکرا کر یہ کمبخت خاتون انتقال فرما جاتیں۔ مر کھپ چکی ہوتیں تو اب تک میں اس کے کفن دفن کا انتظام بھی کر چکا ہوتا۔ بلکہ دفنا بھی دیا ہوتا کسی قبر میں۔

''یہ تو حد ہوگئی ہے کہ دو گھنٹے گزر گئے ہیں اور یہ صاحبہ ابھی تک بیہوش پڑی ہیں۔'' وہ سخت جھنجھلا کر بولا۔

''مجھے افسوس ہے جناب! کہ میری وجہ سے آپ کو اتنی پریشانی اور کوفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔'' وہ لڑکی کچھ شرمندہ سے انداز میں لرزتی آواز میں بولی۔ نہ جانے وہ کب ہوش میں آئی تھی اور شارق کی کتنی جلی کٹی باتیں سنی تھیں۔

آواز سن کر شارق چونک گئے اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے راحیل تولیے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے وہیں معائنے کے کمرے میں چلے آئے۔

''ہیلو مس! کہیے کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ؟'' وہ اسے ہوش میں پا کر خوشدلی سے بولے۔ لیکن شارق نے بات کاٹ دی۔

''دیکھیے محترمہ! اگر آپ کو اتنی دیر پہلے ہوش آ بھی گیا تھا تو بہانہ کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟'' وہ تلخی سے بولے تو لڑکی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

''یار تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے چپکے بیٹھے رہو۔'' راحیل نے ڈپٹا۔

''لیکن میں...... میں کہاں ہوں۔'' لڑکی پریشانی سے انہیں دیکھنے لگی پھر اس نے پیشانی تھام لی۔ دھماکے ہو رہے تھے درد سے۔

''گھبرائیے نہیں محترمہ! آپ ابھی باقاعدہ اس دنیا میں موجود ہیں۔ آپ جیسی خوش شکل حسینہ اتنی جلدی ہرگز نہیں مر سکتی۔'' شارق نے پھر زہر اگلا اور پنجے جھاڑ کر اس مظلوم بدحواس لڑکی کے پیچھے پڑ گیا۔

''خدا جانے ابھی تو آپ نے کتنے محبت بھرے دل توڑنے ہوں گے۔ کتنے امیر کبیر لوگوں کو پھنسا کر ان کی جیبیں خالی کرنی ہوں گی۔ کتنے گھر اجاڑنے ہوں گے۔'' شارق نے ظالمانہ انداز میں کہا۔

''سنیے مسٹر لحاظ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اگر آپ نے انگارے چبائے ہوئے ہیں تو برائے مہربانی مجھ سے بات کرنے اور خواہ مخواہ الجھنے کی کوشش مت کیجیے کسی تالاب میں منہ ڈال کر انگارے بجھائیں۔'' لڑکی کا زرد چہرہ احساس توہین سے تمتما اٹھا اس نے دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھ لیے۔ گھبرا کر راحیل نے شارق کا بازو کھینچ کر اسے بیڈ سے دور ہٹایا اور خود لڑکی کی طرف بڑھا۔

''سنیئے محترمہ آپ اس وقت میرے ہسپتال میں ہیں۔ میرا نام ڈاکٹر راحیل ہے اور یہ ہیں میرے دوست مسٹر؟'' راحیل نے تعارف کروانا چاہا تھا شارق سے مگر وہ بدک کر بولا۔

''نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے انہیں میرا نام بتانے کی۔'' شارق نے کھڑے ہو کر ہاتھ سے اشارہ کیا اور بات کاٹ دی۔

''ارے......اور مجھے جیسے بڑی ضرورت پڑی ہوئی ہے نا آپ کا نام مبارک جاننے کی۔'' وہ غصے سے اور حیرت سے بولی۔

''پلیز ڈاکٹر! ٹائم کیا ہوا ہے؟'' اچانک اس کی نظر کھڑکی سے چھن چھن کر اندر آتی دھوپ پر پڑی تو وہ گھبرا گئی۔

''مس اس وقت تو دو بجنے والے ہیں کیوں خیریت تو ہے نا؟'' راحیل اس کا زرد افسردہ چہرہ دیکھ کر آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''بس کیا بتاؤں ڈاکٹر صاحب! بدنصیبی ہی میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔'' وہ بستر سے اٹھنے لگی اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''نہیں......نہیں پلیز آپ اٹھیں مت ابھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہوئی ہے۔'' راحیل نے اسے روکا۔

''نہیں......ڈاکٹر صاحب یہ چونچلے تو امیر لوگوں کو ہی زیب دیتے ہیں۔ ہم جیسے غریبوں کو نہیں ہم ایسی چوٹیں کھاتے ہی رہتے ہیں۔ اب آپ مجھے جانے دیجیے پہلے ہی میرا بہت بڑا نقصان ہو گیا ہے۔ ہاں ڈاکٹر آپ کی فیس کتنی ہے۔'' اچانک لڑکی کا رنگ بدل گیا اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

''مم......میرا دوپٹہ کہاں ہے؟'' بے اختیار اس لڑکی کا ہاتھ سینے تک جا پہنچا تو راحیل نے کرسی کی پشت سے دوپٹہ اٹھا کر اس کے سر پر ڈال دیا۔ تو لڑکی کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اس نے لجا کر سر جھکا لیا۔

''میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔'' راحیل نے دلچسپی سے دیکھا۔

''جی میرا نام زیب رحمان ہے۔'' وہ شرمیلے لہجے میں بولی۔

''مگر آپ مل کیا کرنے گئی تھیں اور شارق کے آفس کا پتہ کیوں پوچھ رہی تھیں؟'' شارق نے پھر اکھڑ لہجے میں دخل دیا۔

''سنیئے مسٹر اٹ از نن آف یور بزنس (It is none of your business) ضروری تو نہیں کہ میں آپ کی ہر بات کا جواب دوں۔''

''آپ......آپ تو برائے کرم مجھ سے بات ہی مت کریں۔ اف ناقابل برداشت ہیں آپ۔'' وہ لڑکی زیب ہاتھ اٹھا کر منہ پھیر کر ناگواری سے بولی۔ ''اف ناقابل برداشت مرد ہیں آپ۔''

وہ تو کب سے شارق کی جلی کٹی باتیں سن کر تنگ آ گئی تھی۔ پھر اب اس کا کرخت لہجہ برداشت نہ کر سکی۔

''اف ڈاکٹر میرا ہینڈ بیگ کہاں ہے؟'' زیب نے گھبرا کر پوچھا پھر اٹھ کر ڈھونڈنے لگی۔

''مگر بیگ تو نہیں تھا آپ کے ساتھ۔ کیوں یار؟'' راحیل، شارق کی طرف مڑے جو بھنویں چڑھائے ہوئے طنز سے زیب کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں تمسخر تھا حقارت تھی۔

''میں تو کب سے منتظر تھا میں جانتا تھا کہ اب یہ لڑکی ضرور پرس یا بیگ کی بات کرے گی۔'' شارق وثوق سے بولے۔

''ہاں اب تو مجھے یقین آ گیا ہے کہ یہ جان بوجھ کر میری کار سے ٹکرائی تھی۔ اور وہ بیہوشی بھی محض ایک ایکٹنگ تھی۔'' وہ نفرت سے بولے اور تیزی سے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

''یہ لیجیے محترمہ یہ رقم پکڑیں اور فوراً چلتی پھرتی نظر آئیں۔'' شارق نے اپنے پرس میں سے بہت سے پانچ ہزار اور سو کے نوٹ نکال کر اس لڑکی کی طرف بڑھائے۔ وہ تو دنگ رہ گئی کبھی نوٹوں کو دیکھتی اور کبھی شعلے برساتے شارق کو وہ تو کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔

''اف کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ یہ ڈھونگ رچانے کے بجائے ویسے ہی مجھ سے روپے مانگ لیتیں۔ تو میرا قیمتی وقت تو ضائع نہ ہوتا نا۔'' شارق نے الزام لگایا تو وہ لڑکی بدحواس سی ہوگئی شارق نے نوٹ اس کی مٹھی میں زبردستی پکڑا دیئے۔

''ارے...... ارے مسٹر آپ...... آپ ہوش میں تو ہیں نا۔ دماغ تو ٹھیک ہے نا آپ کا۔'' زیب نے نوٹ کھینچ کر اس کے منہ پر دے مارے۔

''میں...... میں تو لعنت بھیجتی ہوں آپ کی دولت پر۔ اسے جا کر دیجیے جسے حرام کی کمائی کھانے کی عادت ہو۔ مسٹر رچ! مجھے آپ کی بخشش اور بھیک نہیں چاہیے۔'' وہ لرزتی ہوئی بولی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس تکبر و غرور کے مارے انسان کی گردن دبوچ لیتی۔

''اور...... اور آپ آئندہ کسی شریف لڑکی سے ایسی گھٹیا اور بیہودہ گفتگو کرنے سے پہلے یہ سوچ لیجیے گا کہ سبھی لڑکیاں بے غیرت اور آبرو باختہ نہیں ہوتی ہیں۔'' وہ غصے سے لڑکھڑاتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھی پھر رک گئی۔

''سنیے ڈاکٹر راحیل میں اس شہر میں پہلی بار آئی ہوں۔ آپ برائے کرم مجھے اپنا کارڈ دے دیجیے میں دوبارہ آ کر آپ کی فیس دے جاؤں گی۔'' اس نے ڈولتے وجود کو سہارا دینے کے لیے دروازہ تھام لیا تھا۔

''نہیں مس رحمان! فیس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ ہنس دیا اور پھر زیب کو احترام آمیز نظروں سے دیکھا۔

''دیکھیے نا آپ اس شہر میں اجنبی ہیں اور ہماری مہمان ہیں مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کے کچھ کام تو آیا نا۔ ویسے یہ لیجیے میرا کارڈ۔'' راحیل نے دراز میں سے کارڈ نکال کر دیا۔

''ویسے تو خدا کرے کہ آپ کو کبھی کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہ پڑے۔ مگر کبھی خدانخواستہ اگر مشکل پیش آ بھی جائے نا۔ تو مجھے ضرور یاد رکھیے گا۔ ویسے میں آپ سے اپنے دوست کے رویے کی بھی معافی مانگتا ہوں۔ امید ہے آپ برا محسوس نہیں کریں گی اور درگزر سے کام لیں گی۔'' ڈاکٹر راحیل نے معذرت کی تو وہ ہونٹ کاٹ کر رہ گئی مگر شارق بھڑک اٹھا۔

''واٹ...... کیوں راحیل! یہ تمہیں میری طرف سے معذرت کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ میرا جو بھی جی چاہے گا میں ان سے کہوں گا۔'' شارق جھنجلا کر بولے۔

''ہاں میں اب بھی کہتا ہوں اس لڑکی نے ڈرامہ کیا ہے۔''

توزیب نے آنکھیں کھول کر حیرت سے اس خوبصورت لمبے سرخ وسفید رنگت والے مرد کو تکا۔
"اللہ......توبہ......توبہ کس قدر تلخ اور دل توڑنے والی باتیں کرتا ہے یہ شخص۔" اس نے سوچا اور پھر باآواز بلند اپنے خیالات کا اظہار کیا وہ بھلا کیوں ڈرتی اس سے کب سے اسے برا ہی کہے جارہا تھا۔
"ویسے ڈاکٹر راحیل! میں حیران ہوں کہ آپ جیسے مہذب اور ڈیسنٹ انسان کی اس بدتہذیب شخص سے جو کہ اتنا بدمزاج بدلحاظ اور تندخو ہے۔ دوستی کیونکر ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر میرا مخلصانہ مشورہ تو یہی ہے کہ اس سے پہلے کہ آپ ان کی بد صحبت میں رنگے جائیں۔ اور ان کی عادات اپنا بیٹھیں تو بہتر یہی ہوگا کہ آپ ان سے دوستی ختم کردیں۔" وہ نہایت معصومیت سے اپنے خیالات کا اظہار کر کے مڑ گئی۔
شارق سلگ ہی تو اٹھے تھے پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر راحیل کی طرف مڑے اور چوٹ کی۔
"لو بھئی مبارک ہو راحیل! محترمہ زیب کی نظر انتخاب تم پر پڑی ہے اب تم ان کے دام الفت وفریب میں پھنسو گے۔ میں تو شکر ہے بچ گیا ہوں۔" شارق انتہائی کمینگی سے مسکرا کر بولے تو زیب نے ضبط کرتے ہوئے مٹھیاں بھینچ لیں مگر بولے بنا رہ نہ سکی۔
"او شیٹ اپ......" وہ تمتما کر پھر مڑی اور شارق کو سرخ آنکھوں سے گھورا۔
"یقیناً تم کوئی دماغی مریض ہو۔ ایک کم ظرف گھٹیا اور گندے انسان ہو۔" وہ غصے اور تکلیف کی شدت سے بول ہی نہ سکی اور ہانپ گئی۔
ایک دم غصہ ہونے کی وجہ سے سر میں شدید درد ہونے لگا تھا۔ اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے دروازے کا پٹ تھام لیا۔ راحیل کو بھی شارق کی اس بے معنی گفتگو پر بے انتہا غصہ آ گیا۔ لیکن وہ ضبط کر گیا تھا ویسے بھی بیکار ہی تو تھا اس شخص......اس تندخو خبطی من مانی کرنے والے شارق کو عقل تمیز سکھانا۔
"مس رحمان پلیز......آپ ذرا بیٹھ جائیں ابھی میرا ڈرائیور آپ کو گھر چھوڑ آئے گا۔ خدانخواستہ اگر آپ راستے میں بیہوش ہوگئیں تو بہت مشکل کھڑی ہو جائے گی۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ڈرائیور کو آپ کے گھر بھیج کر آپ کے گھر والوں کو بلوالوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک دو روز ہسپتال ہی میں رہیں۔ دیکھیے نا سر کی چوٹ ہے خون بہت بہا ہے اور آپ دو تین گھنٹے بیہوش بھی تو رہی ہیں۔" ڈاکٹر راحیل نرمی سے بولے تو وہ بمشکل تمام ہمت اکٹھی کر کے بولی۔
"نہیں ڈاکٹر! کوئی ایسی گہری چوٹ نہیں ہے۔ آپ بس جلد از جلد مجھے رکشہ منگوا دیں۔" وہ سر تھام کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی ضد پر راحیل نے ملازم کو رکشہ لانے کے لیے کہا اور خود وہ پلٹ آئے۔ وہ تشویش بھری نظروں سے زیب کو دیکھ رہے تھے پھر انہوں نے کپ میں دوا ڈال کر زیب کو پلائی اور ساتھ لے جانے کے لیے بھی کیپسول اور گولیاں دیں۔
"مس رحمان! کل پٹی ضرور بدلوایئے گا اور یہ انجکشن لگوایئے اور ایک ہفتہ مکمل آرام کیجیے۔" انہوں نے تاکید کی۔
زیب رکشہ میں بیٹھ چکی تھی اور ڈاکٹر قریب کھڑا رکشہ والے کو آہستہ چلانے کی تاکید کر رہا تھا زیب کو کچھ سمجھا رہا تھا۔
"دیکھیے مس رحمان! آپ مجھے اپنا ایڈریس دے دیجیے میں خود ہی آ کر آپ کی پٹی تبدیل کر جایا کروں گا۔ وگرنہ زخم بگڑنے کا خطرہ ہے۔" راحیل نے منت آمیز لہجے میں کہا۔
"نہیں......نہیں شکریہ ڈاکٹر! میں آپ کی فیس افورڈ نہیں کرسکتی ہوں۔ ویسے بھی ہم غریب لوگ ہلدی یا راکھ زخم

میں بھرنے سے تندرست ہو جاتے ہیں۔'' وہ ہنس کر بولی لیکن نگاہوں میں حقیقتوں کی اذیت رچی تھی دکھوں کے سائے لرزاں تھے۔

''مس رحمان! ارے بھئی میں نے آپ سے فیس کا تقاضہ کب کیا ہے۔ آخر انسانی ہمدردی بھی تو کوئی چیز ہے نا۔'' ان کا اصرار تھا۔

''نہیں ڈاکٹر! اس زمانے میں کوئی کسی کا ہمدرد نہیں ہے۔ پھر آپ کی ہمدردی اور نیکی کو بھی لوگ میرے دامن کا داغ بنا دیں گے۔ آپ اپنے دوست کی ذہنیت سے ہی اندازہ لگا لیجیے نا کہ آج کل زیادہ تر لوگ ایسے گھٹیا کم ظرف ہی ہیں۔ پھر میں ان زہر اگلتی زبان کو منہ میں بند تو نہیں کر سکتی۔'' وہ دھیرے سے افسردگی سے مسکرائی پھر نرمی و خلوص سے بولی۔

''خیر ڈاکٹر راحیل! جب کبھی میں زندگی میں بہت سے تلخ حادثات و واقعات کو یاد کروں گی تو وہاں آپ کو یاد کرتے ہوئے میرا دل عقیدت کے نور سے لبریز ہو جائے گا۔ بہت سی دعائیں دوں گی۔ آپ کو۔'' وہ مسکرائی۔

''اور میں یہ سوچ کر مطمئن رہوں گی کہ دنیا میں ابھی آپ جیسے اچھے بلند کردار نوجوان بھی بستے ہیں۔ شرافت اور ہمدردی کے جذبے ناپید نہیں ہو گئے ہیں۔'' زیب کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئی تھیں۔

''خوب بھئی واہ واہ کیسی زبردست اداکاری ہو رہی ہے۔'' شارق نے کھڑکی سے منہ نکال کر قہقہہ لگایا۔ زیب اور راحیل نے بیک وقت مڑ کر انہیں دیکھا۔ زیب کے چہرے پر نفرت کے سائے لہرائے۔ اس نے رخ پھیر لیا۔

''اونہہ...... تنگ نظر گھٹیا ذہن کا بدقماش انسان۔'' زیب نے زیر لب کہا جبکہ ڈاکٹر راحیل خجل سے ہو گئے تھے۔

''سنیے ڈاکٹر! آپ اپنے اس دیوانے دوست کے دماغ کا علاج ضرور کروانا۔'' وہ نفرت سے شارق کی طرف دیکھ کر زور سے بولی۔ اور رکشہ ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا۔ راحیل اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھتے رہے۔ پھر رکشہ نگاہوں سے اوجھل ہوا تو اندر آ گئے اور کھڑکی سے لگے ہوئے شارق کو منہ بنا کر دیکھتے ہوئے بولے۔

''یار شارق! ویسے تو اکثر تم بڑی تکلیف دہ حرکتیں کرنے لگتے ہو۔ لیکن آج تو تم نے حد کر دی۔ خوامخواہ واہی تباہی گند بکتے رہے۔ ایک تو اس غریب لڑکی کو اچھا خاصا گھائل کر ڈالا اور پھر اوپر سے دھونس بھی جماتے رہے۔ وہ بیچاری مجھے تو واقعی بہت پریشان اور غمزدہ اور ضرورت مند لگ رہی تھی۔'' راحیل اندر آ کر بیٹھ گئے۔ مگر شارق نے منہ بنایا۔

''ڈاکٹر راحیل تمہارے دماغ پر تو ابھی سے اس طرح دار حسینہ کا جادو چڑھ گیا ہے۔ تمہاری تو نگاہیں بھی اس کے چہرے سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ راحیل یار! میں شرط لگاتا ہوں کہ وہ حسینہ شاندار ایکٹنگ کر رہی تھی۔ سب ڈھونگ تھا نہ تو وہ بیہوش ہوئی تھی اور نہ ہی اس کا پرس گم ہوا ہے۔ وہ چالاک لڑکی محض مجھ سے کافی ساری رقم اینٹھنا چاہتی تھی۔'' شارق تجربہ کارانہ انداز میں بولے۔

''جی نہیں...... جناب شارق صاحب! اس کے زخموں پر مرہم تو میں نے رکھا ہے۔ میں بخوبی جانتا ہوں کہ لڑکی کو چوٹ لگی تھی اور کافی زیادہ لگی تھی۔'' راحیل نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''اور کوئی لڑکی ہوتی تو تم سے واقعی علاج معالجے کی رقم لینے پر حق بجانب ہوتی۔''

''اچھا تو لگی ہو گی ذرا سی چوٹ۔'' شارق اب بھی ضدی لہجے میں بولے۔

''دراصل وہ سوچ رہی ہوگی کہ شاید میں کار روک کر اس کو بچانے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اس کمبخت کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ مجھ جیسے پتھر سے ٹکرا رہی ہے۔ وہ شارق جس کا دل زمانے کی گردشوں نے سخت کر دیا ہے۔ فولاد بنا دیا ہے۔ جس کے دل پر اب کسی لڑکی کے آنسوؤں اور ناز و انداز کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ وہ ان کے دام فریب نہیں آ سکتا ہے۔ راحیل میں اب ان زہریلی ناگنوں کو کچل تو سکتا ہوں مگر بچا نہیں سکتا۔'' وہ ہونٹ بھینچ کر بولے تو راحیل نے شاکی نظروں سے دیکھا۔

''لیکن شارق اگر زیب پرس کھو جانے کا ڈھونگ رچا رہی تھی اور اس کا مقصد صرف تم سے پیسے بٹورنا تھا تو پھر وہ ڈھیر سارے نوٹ تمہارے منہ پر کیوں مار گئی ہے۔'' راحیل نے زیب کی طرف داری کی۔

''میاں صاحبزادے! یہ بھی اس کی ایک چال تھی۔ اب تم دیکھنا کہ وہ تمہیں اپنے چنگل میں پھنسا کر خوب دولت بٹورے گی۔ ویسے متاثر تو تم ہو ہی چکے ہو اس سے تو خوب کھلاؤ گے پیسے اسے۔'' شارق مسکرائے تو راحیل نے اسے افسردگی سے دیکھا اور سر ہلایا سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو کسی ایک عورت کی بے وفائی غلطی کا بدلہ تم سب لڑکیوں سے تو مت لو۔'' وہ دکھ سے بولے۔

''اونہوں...... تم مجھے نصیحتیں مت کرو راحیل! میں ان بدگمانیوں میں زندگی کی رنگینیوں میں بری طرح سے ڈوب چکا ہوں۔ اب مجھے کوئی طاقت سنبھلنے پر مجبور نہیں کر سکتی اور نہ ہی میں سنبھلنا چاہتا ہوں۔''

''شارق! تم رنگینیوں میں ڈوب چکے ہو یا دلدل میں۔'' راحیل نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو شارق نے گہرا سانس لیا۔

''ڈاکٹر راحیل! آج آپ راؤنڈ کے لیے نہیں چلیں گے؟'' ایک اسمارٹ سی نرس نے آ کر پوچھا۔

''ہاں...... ہاں ابھی چلتے ہیں روزی!'' راحیل نے نرمی سے کہا جبکہ شارق نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے روزی کا سرتاپا، ایکسرے کیا اور اسے پٹانے کی کوشش کی ایک دم سے ان کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔

''سنو...... روزی ڈیئر! اگر ڈاکٹر راحیل کی ملازمت چھوڑنے کا ارادہ ہو تو تم میرے پاس چلی آنا۔ میں تمہیں بہت اچھی تنخواہ دوں گا اور اپنی پرسنل سیکرٹری بنا لوں گا۔'' شارق مسکرا کر مخاطب ہوئے تو نرس نے کان پکڑ لیے۔

''ویسے تو آفر کا بے حد شکریہ...... مسٹر شارق! لیکن آپ کے پاس ملازمت کرنے سے تو میں یہیں بہت بہتر ہوں کم از کم محفوظ ہاتھوں میں تو ہوں۔'' وہ مسکرا کر چلی گئی تو شارق جھینپ گئے۔

''اچھا شارق! میں رات کو کسی وقت امی جان کو دیکھنے کے لیے آؤں گا۔'' راحیل نے ہنس کر کہا۔

''ویسے یار شارق! تم بھی ان کا خیال رکھا کرو۔ اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر امی کے پاس زیادہ سے زیادہ رہا کرو۔ عورت ذات سے نفرت کرنے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ تم ماں اور بہن سے بھی متنفر ہو جاؤ۔ وہ دونوں تو پہلے ہی اتنے دکھ اٹھا چکی ہیں غموں کے سیلابوں میں سے گزری ہیں صحت جواب دے چکی ہے ان کی اب اس طرح سے تمہارا راتوں کو غائب رہنا۔ پھر ہر گھڑی ہر وقت شراب کے نشے میں دھت رہنا یہ سب غم و دکھ تو انہیں موت کے قریب کر دیں گے۔'' راحیل اسے سمجھانے لگے تو شارق نے بے صبری سے سر جھٹکا۔

''دیکھو راحیل! مجھے تو دنیا کی تمام ترعورتوں سے شدید نفرت ہے۔ ان کو دیکھتے ہی میرا دل چاہتا ہے کہ انہیں قتل کر دوں ان کی نازک گردنیں مروڑ کر پھینک دوں۔'' شارق نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھیلاتے ہوئے کہا۔

''میں تو قسم سے صرف امی اور صائمہ کی وجہ سے زندہ ہوں۔ ورنہ میں تو کسی کو مار کر کبھی کا مر چکا ہوتا۔'' وہ جیب ٹٹول کر ایک چھوٹی چپٹی سی بوتل نکال کر پینے لگے اور تلخیاں کلیجے میں بھرنے لگے۔

''یار بس کرو شارق! تم کیوں اپنے پھیپھڑوں کو چھلنی کر رہے ہو۔''

راحیل نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ شارق نے ایک لمبا گھونٹ بھر لیا تھا پھر بوتل بند کر کے ہپ پاکٹ میں ڈال لی اور ہاتھ کی پشت سے منہ صاف کر کے اٹھ گئے تھے۔

''یار راحیل تمہاری اس لاڈلی نے سارا دن ضائع کر دیا ہے۔ چلو خس کم جہاں پاک۔ اچھا راحیل میں اب چلتا ہوں۔ تم رات کو امی کو دیکھنے ضرور آنا۔ خدا حافظ!'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتے جا کر کار میں بیٹھ گئے تھے چند لمحوں تک تو آنکھوں کو بند کیے سیٹ سے سر ٹکائے بیٹھے رہے۔

ناگہاں آنکھوں کے سامنے گلابی کپڑوں میں ملبوس زرد سا چہرہ ابھر آیا۔ وہ بڑبڑا سے گئے۔

''بیوقوف لڑکی دور ہٹو تم۔'' شارق نے سر زور سے جھٹک کر زیب کے خیال کو دور پھینکنا چاہا۔ مگر ایک بازگشت نے گھیر لیا تھا۔

''گھٹیا انسان میں لعنت بھیجتی ہوں آپ کی دولت پر۔ کسی شریف لڑکی سے بات کرنے سے پہلے سوچ لیا کریں کہ سب لڑکیاں بے غیرت اور بے حیا نہیں ہو سکتیں اور سبھی کو آپ نوٹ دکھا کر خرید نہیں سکتے ہیں۔''

شارق کے پراگندہ ذہن میں بار بار یہی جملے گونجتے رہے۔ تو انہوں نے گھبرا کر کار سٹارٹ کر دی۔ پھر گیئر لگاتے ہوئے اچانک ہی اپنے پیروں کے قریب براؤن رنگ کا لیڈیز پرس دیکھ کر انہوں نے بریک لگائی۔ جلدی سے پرس اٹھا کر کھولا۔ اس میں چند خطوط اور پچاس روپے اور کچھ ریزگاری تھی۔

انہوں نے خط اٹھا کر کھولا۔ ''واہ بھئی بڑی حفاظت سے رکھے ہوئے ہیں ضرور کسی آشنا بوائے فرینڈ وغیرہ کے قیمتی خط ہوں گے۔'' یہ سوچتے ہی وہ مسکرا دیئے۔ ''ہوں تو ابھی پول کھل جائے گا۔'' وہ خوامخواہ خوش ہوئے اور جلدی جلدی پڑھنے لگے۔

''پیاری زیب! سلامت رہو ۱

تمہارا خط اور منی آرڈر ملا ہے۔ تمہارے احمر بھیا کی حالت اب خطرے سے تو باہر ہے لیکن وہ اپنی آنکھوں کی بینائی کھو چکے ہیں۔ ہم نے تمہیں اطلاع اس لیے نہیں دی تھی کیونکہ تم امتحانوں میں مصروف تھیں۔ اگر تمہیں حالات کا پتہ چلتا تو تم برداشت نہ کر پاتیں اور تعلیم نامکمل چھوڑ کر لوٹ آتیں۔

زیب میری چاند! اتنی کم عمری میں ہی تم پر ہم سب کا بوجھ آن پڑا ہے۔ تم اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ گھر کا خرچ چلانے کے لیے ٹیوشنز پڑھاتی ہو۔ میں نے سوچا ہے کہ گڑیا اور کامران کو سکول سے اٹھوا لیتے ہیں اور کامران کو کوئی کام سکھوا دیتے ہیں تاکہ روزانہ کچھ کما کر لا سکے۔ تم اکیلی جان بھلا کب تک اور کیسے سب کا بوجھ اٹھاؤ گی؟

کامی اور گڑیا! اپنی زیب! پھپھو جان کو بہت پیار بھیج رہے ہیں۔ سیما بھی تمہیں پیار وسلام کہہ رہی ہے۔ تمہارے بھیا کو میں نے تمہاری ملازمت سے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا ہے۔ اس طرح انہیں اپنی بے بسی کا شدت سے احساس ہوتا۔ وہ تو تمہیں بہت پڑھانا چاہتے تھے نا؟ انہیں تمہاری تعلیم ادھوری چھوڑنے کا کتنا گہرا صدمہ ہوتا۔ خیر جو خدا کو منظور۔ جان! تم اپنی صحت کا خیال رکھنا۔ خدا تمہیں ہر تکلیف سے محفوظ رکھے۔ آمین۔*

خط کا جواب جلدی دینا

دعا گو تمہاری بھابھی

''سعدیہ احمر''

شارق نے خط پڑھ کر برا سا منہ بنایا وہ تو سمجھ رہا تھا کسی بوائے فرینڈ کا چٹخارے دار محبت نامہ ہوگا۔ انہوں نے دوسرا خط اٹھالیا۔

''پیاری زیب!

حالات بہت خراب ہو گئے ہیں۔ بچوں کی فیس ادا نہ کرنے کی وجہ سے انہیں سکول سے نکال دیا گیا ہے اب سیما انہیں گھر میں پڑھاتی ہے۔ تمہارے بھیا کا علاج بھی جاری نہیں رہ سکا روپیہ کبھی کا ختم ہو گیا ہے گھر اور زیورات فروخت ہو چکے ہیں۔ اب تو کوئی امید نظر نہیں آتی۔ میرا دل تو اس دنیا سے اچاٹ ہو گیا ہے برے وقتوں میں سب عزیزوں نے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ وہی لوگ جو کل تک ہمارے ٹکڑوں پر پلتے تھے۔ آج وہ ہم پر کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ انہوں نے تم پر بھی بہتان لگائے ہیں۔ پرسوں ہی نسرین خالہ سے میرا جھگڑا بھی ہو گیا۔ وہ تمہارے متعلق بہت بیہودہ گفتگو کر رہی تھیں میں بھلا کیسے برداشت کر پاتی۔ خیر...... زیب جان! تم خط باقاعدگی سے لکھتی رہا کرو۔ دل کو سکون و تسلی ہوتی ہے۔ تمہارے بھیا! تمہیں دعا و پیار کہہ رہے ہیں۔ باقی سب بچوں کی طرف سے بھی سلام و پیار۔''

فقط تمہاری بھابھی

''سعدیہ''

''کیا بات ہے شارق! تم کیا پڑھ رہے ہو؟'' راحیل نے جو اسے ایک دم کار روک کر کچھ پڑھتے دیکھا تو وہیں چلا آیا تھا۔ پھر اس کی گود میں ہینڈ بیگ دیکھ کر چونک گیا۔

''ہائیں...... لیڈیز پرس...... شارق تم نے چوری کا کام کب سے شروع کر دیا ہے بھائی۔! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ زیب سچ کہہ رہی تھی تم نے واقعی اس کا پرس چھپایا ہوا تھا۔'' راحیل مشکوک لہجے میں بولے۔

''ہونہہ...... میں کیوں چھپاؤں گا بھلا پرس میری کار میں گرا ہوا تھا۔ لو رکھ لو تمہارے پاس تو اب وہ زیب رحمان آتی جاتی رہے گی نا؟'' وہ طنز سے ہنسے۔

''لو تم خود اسے واپس کر دینا اور یہ خطوط بھی پڑھ لینا۔ اس کی مجبوریوں اور غربت کی داستان لکھی ہے کہ بھائی

حادثے میں اندھا ہو گیا ہے۔ بچوں کو سکول سے نکال دیا گیا ہے مکان اور زیورات فروخت ہو گئے ہیں۔ اور تمہاری ہونے والی محبوبہ تعلیم ادھوری چھوڑ کر ٹیوشنز پڑھا پڑھا کر گھر کا خرچ چلاتی ہیں۔'' شارق تمسخر سے ہنسے۔

''اف...... چہ چہ...... بیچاری لڑکی! واقعی بہت دکھی ہے۔ لیکن شارق تم نے اس کا خط پڑھ کر بہت معیوب اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت کی ہے۔ شرم آنی چاہیے تھی تمہیں پرایا خط کھولتے پڑھتے ہوئے۔'' راحیل نے سرزنش کی۔

''اونہہ...... اخلاق، انسانیت اور شرافت، میں تو ان لفظوں کے مطلب بھی بھلا بیٹھا ہوں۔'' شارق نے پرس راحیل کی طرف اچھال کر کار اسٹارٹ کی تھوڑا سا آگے لے جا کر کے اور ریورس کر کے راحیل کے پاس آئے۔

''ویسے یار راحیل! میں حیران ہوں کہ وہ دلکش لڑکی کیوں دکھوں فکروں میں پھنسی ہوئی ہے۔ جتنے آفت حُسن کی وہ مالک ہے نا وہ تو لوگوں کو اپنے حُسن کی ضیا سے چکا چوند کر کے بیوقوف بنا کر دولت سمیٹ سکتی ہے۔ یار! دنیا میں تو ابھی بہت سے تم جیسے احمق پڑے ہوئے ہیں۔ وہ پھنسا لے نا کسی کو؟'' شارق نے بڑا ہی مفید مشورہ دیا تھا جیسے۔ پھر وہ راحیل کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھ کر ہنستا ہوا کار بھگا لے گیا۔ تو راحیل نے سر جھکا لیا۔

''چہ...... بیوقوف آدمی! عورت سے نفرتیں کرتے ہو۔ اور پھر بے بس ونڈھال ہو کر عورت ہی کی آغوش میں پناہ ڈھونڈتے ہو۔ شارق نہ جانے کب تک خود کو دھوکہ دو گے تم۔''

''خیر قصور تمہارا بھی نہیں ہے۔ جس شخص کے ہونٹوں سے چوبیس گھنٹے ہی شراب کی بوتل لگی رہتی ہو۔ وہ کوئی ستھری تعمیری اور اچھی بات بھلا سوچ بھی کیسے سکتا ہے۔'' راحیل پرس سنبھال کر ہسپتال چلا گیا۔

○●○

زیب رکشہ رکوا کر لڑکھڑاتے قدموں سے گھر میں داخل ہوئی۔

''ہائے اللہ...... باجی!'' صحن میں کھڑی سیما کی نظر اس پر پڑی تو وہ چیخ کر بے تحاشہ بھاگتی ہوئی زیب سے آن لپٹی۔

''اللہ یہ...... یہ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟'' وہ لڑکھڑاتی زیب کو سہارا دے کر اندر لاتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا سیما! میں کار سے جا ٹکرائی تھی۔'' وہ مسکرائی پھر نحیف آواز میں بولی۔

''تم فکر مت کرو میں اب کافی بہتر محسوس کر رہی ہوں۔ تم ذرا کامران کو پچاس روپے دے کر باہر بھجواؤ رکشے والے کو دے آئے۔''

تبھی سعدیہ بھابھی گھبرائی ہوئی باہر بھاگی آئیں اور زیب کی حالت دیکھ کر دل تھامے کھڑی رہ گئیں۔ پھر انہوں نے سہارا دے کر زیب کو پلنگ پر لٹا دیا۔ سیما بھاگ کر گرم دودھ لے آئی تھی۔ سبھی بدحواس ہو گئے تھے۔

''زیب بیٹے کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' ایک گھبرائی ہوئی آواز آئی اور احمر بھیا کامران کا ہاتھ تھام کر وہیں آ گئے۔

''احمر بھیا! مجھے کچھ بھی تو نہیں ہوا ہے۔'' وہ سنبھل کر بولی پھر دکھی نظروں سے اپنے کڑیل سجیلے مگر بے نور آنکھوں والے بھائی کی سمت دیکھا۔

''لیکن مجھے تو کامران اور گڑیا نے بتایا ہے کہ پھپھو جان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور ان کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ جس سے خون رس رہا ہے۔'' وہ زیب کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر ٹٹول کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

دوسرا ہاتھ آہستہ آہستہ پیشانی تک جا پہنچا۔ پھر پیشانی پر پٹی کو محسوس کر کے انہوں نے افسردہ ہو کر سر جھکا لیا۔ وجیہہ چہرے پر زردی بکھر گئی۔ بے نور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے انہیں شدتوں سے اپنی مجبوریوں کا احساس ہوا تھا۔

''بیٹا زیب! ہماری وجہ سے تمہیں کس قدر تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی ہیں۔ اس عمر میں تو لڑکیاں بالیاں اپنے گھربار کی ہو جاتی ہیں اور میں کتنا خود غرض بھائی ہوں کہ تمہیں ذمہ داری کی زنجیروں میں جکڑ کر اندھے کی لاٹھی بنا دیا ہے۔'' وہ گہرے دکھ و دلی تاسف سے بولے تو زیب تڑپ اٹھی۔

''نہیں ایسا مت سوچیے بھیا!'' وہ ان کے سینے سے لپٹ گئی۔

''بھیا آپ نے اور سعدیہ بھابھی نے کبھی بھی تو مجھے اور سیما کو والدین کی کمی نہیں محسوس ہونے دی۔ آپ نے ہمارے لیے سکھ، خوشی، راحت مہیا کرنے کے لیے شب و روز محنت کی۔ ہمیں کوئی تنگی یا تشنگی نہیں ہونے دی۔ آج..... آج اگر وقتی طور پر بے بس ہو گئے ہیں تو ہم آپ کا ساتھ بھلا کیسے چھوڑیں گے۔ میں آپ کا علاج کرواؤں گی۔ آپ ان شاءاللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ کامران اور گڑیا اچھی تعلیم حاصل کریں گے مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے بھیا۔'' وہ بے اختیار رو دی تو احمر نے اپنی بہادر بلند ہمت بہن کو سینے سے لگا لیا۔

''زیب اب تم لیٹ جاؤ تمہارا چہرہ زرد ہو رہا ہے۔'' بھابھی نے اسے پیار کیا آنسو پونچھے اور نرمی سے لٹا دیا۔

''یہ حادثہ ہوا کیسے؟'' بھابھی اس کا سر سہلا کر بولیں۔

''میں انٹرویو دینے کے لیے جب مل پہنچی تو بہت گھبرا رہی تھی رکشے سے اترتے ہی میں لاپرواہی سے چلتی ہوئی گیٹ میں داخل ہوئی اور سامنے سے آتی ہوئی تیز رفتار کار سے ٹکرا کر بیہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو ہسپتال میں تھی۔ وہی صاحب جن کی کار سے میری ٹکر ہوئی تھی وہی مجھے ہسپتال لے گئے تھے۔'' پھر شارق کی گفتگو یاد کر کے زیب کا چہرہ تپ گیا۔

''بھابھی! وہ ڈاکٹر بہت اچھے انسان تھے۔ انہوں نے بڑی توجہ اور محبت سے میری دیکھ بھال کی۔ میرا پرس کہیں گر گیا تھا۔ انہیں فیس بھی نہیں دے سکی۔ خیر پھر جا کر دے آؤں گی۔'' وہ آنکھیں موند کر بولی۔

''اور وہ صاحب کون تھے جنہوں نے تمہیں زخمی کیا؟'' بھابھی نے پوچھا تو زیب کا چہرہ سرخی مائل ہو گیا۔

بھابھی نے جب یہ پوچھا کہ ''تمہیں زخمی کس نے کیا ہے؟'' تو وہ نہ جانے کیا سوچ کر جھینپ گئی۔

''وہ بھابھی! وہ بندہ تو مجھے کوئی خبطی پاگل سا لگتا تھا۔ وہ تو ڈاکٹر سے بھی لڑتا بدگوئی کرتا رہا اور مجھ سے بھی الجھ گیا کہنے لگا۔ محترمہ دو تین گھنٹے بیہوش رہنے سے تو بہتر تھا تم مرکھپ جاتیں اب تک تو پوسٹ مارٹم ہو چکتا اور میں کفن دفن کا انتظام بھی کر لیتا۔ خوامخواہ میرا قیمتی وقت ضائع کیا۔'' زیب نے جلے دل سے تفصیل بتائی۔

''ہائے خدا سمجھے اس موذی وحشی سے موا...... درندہ کہیں کا دیدے پھوٹیں کمبخت کے۔'' بھابھی کو غصہ آ گیا۔

''یہ امیر لوگ تو خود کو خدائی فوجدار سمجھتے ہیں۔ زندگیوں سے کھیلتے ہیں اور انہیں کوئی روکنے پوچھنے والا نہیں ہے۔ خدا ان کا ستیاناس کرے ہمارے خاندان کو تو انہوں نے جیسے تاک لیا ہے۔'' سعدیہ نے منہ بھر بھر کر بددعائیں دیں۔

''جانے دو سعدیہ! کیوں کوس رہی ہو اسے۔ مقدر میں جو بات لکھی ہو وہ تو پوری ہو کر ہی رہتی ہے۔ بس ایک بہانہ سا بن جاتا ہے۔'' احمر نے سعدیہ کو ٹوکا۔

''ہاں جی......وہ آپ کے انٹرویو کا کیا بنا۔'' سیما نے پوچھا۔
''سیما افسوس تو یہ ہے کہ میں انٹرویو دینے سے پہلے ہی زخمی ہوگئی تھی اور اب تک تو وہاں مل والوں نے کسی لڑکی کو جاب کے لیے چن بھی لیا ہوگا۔ سنا تھا کہ وہ لوگ بہت ہی اچھی تنخواہ دیتے ہیں۔ گھر اور کار بھی مل کی طرف سے دی جاتی ہے۔ جبکہ کام بھی واجبی سا تھا۔ اگر یہ جاب مل جاتا تو ہماری بہت سی پریشانیاں کم ہوسکتی تھیں۔ میں وقت نکال کر ایم بی اے (MBA) بھی کلیئر کر لیتی۔ خیر کل پرسوں تک پھر جا کر پتہ کروں گی۔'' وہ بڑی حسرت سے بولی۔
رات کافی گزر گئی تو زیب نے ضد کر کے احمر اور سب کو سونے کے لیے بھیج دیا۔ اور پھر خود بھی آنکھیں موندے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن اس کے سر میں شدت سے دھماکے ہو رہے تھے۔ بدن میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ پھر اس کے ذہن کی سطح پر ایک سرخ تمتمایا ہوا خودغرض سا چہرہ ابھرنے لگا۔ وہ سوچنے لگی۔ ''اللہ کیسا جھگڑالو شخص تھا خوامخواہ ہوا میں تیر چلا رہا تھا۔ اتنی تہمتیں اتنے الزام؟ یوں لگتا تھا جیسے تمیز تو چھو کر نہیں گزری ہے؟ اللہ کیسی دل توڑنے والی گفتگو کر رہا تھا۔''
پھر زیب نے ٹھنڈی سانس لی اور طبقاتی فرق کی باریکیوں میں الجھنے لگی۔ ''ہاں بھئی یہ سب بے شمار دولت کا کرشمہ ہی تو ہے۔ یہ دھن پیسے والے لوگ من چاہے انداز میں تو زندگی گزارتے ہیں۔ پھر ہم جیسے بے وقعت ضرورت مند تو ان کی ٹھوکروں میں پڑے رہتے ہیں ناں؟'' اس نے دکھ سے سوچا اور کروٹ بدل کر دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر سر اور جسم میں پورے وجود میں درد کی تیز لہر اسے بے چین کیے رہی۔ اب تو ایسا لگتا تھا جیسے ہڈی ہڈی ہی صدائے احتجاج بلند کر رہی ہو۔ دکھن تھی بے پناہ دکھن۔ آخر وہ کراہنے لگی۔

○●○

رات کو بہت دیر سے سونے کی وجہ سے صبح شارق کی آنکھ بھی دیر ہی سے کھلی تھی انہوں نے بیڈ پر لیٹے لیٹے ہی دراز میں سے سگار نکال کر سلگایا۔ ہاتھ اٹھا کر گھڑی دیکھی تو دن کے گیارہ بج چکے تھے۔ انہوں نے کچھ سوچ کر تپائی پر پڑے ٹیلیفون کو اٹھایا اور مل کا نمبر ڈائل کرنے لگے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی ریسیور کسی نے اٹھا لیا تھا۔
''ہیلو......ہم جاوید خان بول رہے ہیں۔ اور آپ جو بھی ہیں نا اس وقت مجھ سے کوئی غصہ دلانے والی بات مت کیجیے گا۔ کیونکہ آج کل ہم نمک بالکل نہیں کھا رہے ہیں۔ تبھی ہمارا بلڈ پریشر بہت لو ہوگیا ہے۔'' فون اٹھاتے ہی جاوید کی سنجیدہ سی آواز آئی تو شارق بے اختیار مسکرا دیے۔
آج کل اس کے حکم کے مطابق جاوید اور شہزاد سزا کے طور پر پھیکا کھانا کھا رہے تھے۔ دوپہر کا کھانا شارق کبھی کبھار سب مل کے افسران کے ساتھ اکٹھے بیٹھ کر کھاتے تھے۔ تب جاوید اور شہزاد بری بری شکلیں بناتے ہوئے بمشکل نوالہ حلق سے نیچے اتارتے تھے۔ بلکہ شارق کی کڑی نظروں سے ڈر کر انہیں مجبوراً وہ کھانا پڑتا تھا۔
ایک دو بار جاوید نے بے ایمانی کرنے کی بھی کوشش کی وہ کوٹ کی جیب میں ایک چھوٹی سی نمک دانی چھپا لایا تھا اور شارق سے نظر بچا کر اپنے سالن میں چھڑک رہا تھا کہ اس کے قریب بیٹھے ایک ساتھی اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکے اور جاوید رنگے ہاتھوں پکڑا گیا اور دوسری بار وہ کاغذ کی پڑیا میں چٹکی بھر نمک لایا اور شومیٔ تقدیر تب بھی دھر لیا گیا۔ شارق نے

سزا ایک ہفتہ اور بڑھا دی۔ یہ سب باتیں ان کے ساتھی کولیگ کو بہت محظوظ کر رہی تھیں ایک شغل میلہ لگا ہوا تھا کھانا کھاتے ہوئے سب کی نظروں کا مرکز جاوید اور شہزاد ہوتے تھے۔

''ہیلو...... ہیلو...... اوئے جان من کچھ تو بولو منہ سے پھوٹو کیا بات ہے۔ خدانخواستہ کہیں تم نے بھی آج کل نمک لھانا تو نہیں چھوڑ دیا۔'' طویل خاموشی سے اکتا کر جاوید نے پوچھا۔

''جان من! اے کیا بکتے ہو تم؟'' شارق نے ڈانٹ دیا۔

''ارے باپ رے باپ! بب...... باس...... یہ آپ ہیں کیا؟ جانمن تو نہیں میری جان کے دشمن ہیں سر آپ۔ وہ میں تو سمجھا تھا شاید جینا کا فون ہوگا۔ وہی کچھ دیر پہلے مجھ سے جھگڑا کر رہی تھی۔'' جاوید گھبرا کر بولا۔

''تمہاری جینا کا فون...... کیوں جھگڑا کر رہی تھی وہ؟'' شارق نے کھوج لگایا۔

''اصرار کر رہی تھی کہتی تھی ہم سے شادی کر لو ورنہ ہماری ماں ہمارا رشتہ کسی اور صاحب سے طے کر رہی ہیں۔ پھر تم مجھے ہاتھ سے گنوا کر روتے آہیں بھرتے رہ جاؤ گے۔'' جاوید نے بتایا۔

''اچھا...... تو پھر تم نے کیا جواب دیا؟'' شارق کے لہجے میں تجسس تھا۔

''بھلا سر میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں نے یہی کہا اچھا آج ہی تمہاری اماں جان سے دو دو ہاتھ کیے لیتے ہیں۔'' جاوید ہنس دیا۔

''تم بکواس مت کرو احمق آدمی! سنو تم کوئی رشتے وشتے کی بات کسی کی اماں باوا سے نہیں کرو گے۔ میں تمہیں جینا سے شادی کرنے کی اجازت ہی نہیں دوں گا۔ اور اگر تم نے میری بات نہ مانی تو اپنی ملازمت ختم سمجھنا۔'' شارق گرجے۔

''ہائیں...... جی یہ کیا فرما رہے ہیں آپ؟'' جاوید حقیقتاً حیران ہی تو رہ گیا۔ ''تو کیا آپ کی...... آپ کی جینا پر بھی نظر کرم تھی؟ یعنی کہ باس یہ تو بڑی عجیب بات ہے آپ خود ہی سوچیں اگر میں شادی نہیں کروں گا تو...... تو پھر میری آل اولاد میرے بچے کیسے پیدا ہوں گے۔

اور اگر بچے خدانخواستہ نہیں پیدا ہوں گے تو آپ کی اس عظیم الشان مل میں نئے مزدور کہاں سے آئیں گے؟ پھر میری جگہ کون لے گا میری سیٹ پر کون جانشین ہوگا؟'' وہ روتی ہوئی آواز میں بولا۔

''جاوید! تم اپنی بکواس بند ہی رکھو یہ بتاؤ سیکرٹری کا انتظام ہوا ہے یا نہیں؟'' شارق نے اس کی بکواس کو اہمیت نہ دی۔

''سر مجھے تو لگتا ہے کہ شہر کی تمام لڑکیوں نے آپ کے خلاف بغاوت شروع کر رکھی ہے۔ میرا خیال ہے اب وہ واقعی آپ سے خوفزدہ ہو گئی ہیں۔'' جاوید چہک کر بولا۔ ''اور سر میرے اندیشے بے بنیاد تو نہیں تھے نا واقعی لوگ آپ کے بارے میں بہت کچھ جان گئے ہیں۔''

''جاوید میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔'' شارق نے متنبہ کیا۔

''اف معاف کیجیے گا سر! وہ دراصل جب سے لڑکیوں نے سنا ہے کہ آپ نے تنخواہ کم کر کے صرف دس ہزار روپے کر دی ہے اور سب مراعات عیش ختم ہو گئے ہیں تو وہ میری پوری بات ختم ہونے سے پہلے ہی غائب ہو جاتی ہیں پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتیں۔ حالانکہ میں تو انہیں فری ٹپ دینا چاہ رہا ہوتا ہوں کہ......

اے حسیناؤ! مت بھاگو بلکہ فوری طور پر یہ ملازمت جائن (Join) کرلو کیونکہ ہمارے شارق بہت ہی نرم دل کے مالک ہیں۔ ویسے بھی وہ صنف نازک کے معاملے میں کوئی سخت فیصلہ کر کے اس پر قائم نہیں رہ سکتے۔ بہت جلد ہی تم میں سے کوئی طرار کا فرادا حسینہ ان کے جی کو بھا جائے گی اور ناز و انداز دکھا کر تمام مراعات بحال کرواسکتی ہے لیکن وہ میری نصیحت سننے سے پہلے ہی غائب شد ہوتی ہیں۔'' جاوید جیسے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔

''جاوید تم آج کل کچھ ضرورت سے زیادہ بکواس کرنے لگے ہو۔ ایسا نہ ہو میں دوستی کے رشتے کو بالائے طاق رکھ کر کسی روز مل میں سب کے سامنے تمہاری گت بنادوں تو ذرا کنٹرول کرو اپنی زبان پر۔'' انہوں نے سخت لہجے میں وارن (Worn) کیا۔

''یس سر!'' جاوید نے مسکراتے ہوئے یہ سب سنا۔ کیونکہ وہ شارق کی عادات کو بخوبی جانتا تھا۔

''اچھا تو لڑکیاں کم تنخواہ کا سن کر بھاگ جاتی ہیں؟ ہوں تو یہ سب عورتیں دولت کی بھوکی ہوتی ہیں۔ بس کرارے نئے نوٹوں کی ایک جھلک ہی ان کے سب پردے اتار دیتی ہے۔'' شارق طنز و حقارت سے ہنسے۔

''نہیں...... اب ایسا بھی نہیں ہے سر! ایک لڑکی تو مسلسل آپ کے اس خیال کو جھٹلائے چلی جا رہی ہے۔'' جاوید نے مطلع کیا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونک گئے۔

''مطلب یہ ہے سر! ایک بے حد خوبصورت لڑکی!'' جاوید نے تمہید باندھی۔

''بلکہ جسے لڑکی کہنے کے بجائے حور یا پری کہنے کو دل چاہتا ہے۔ سچی سر مجھے تو وہ خود کو بہت پسند آئی ہے۔ ہاں اگر آپ اسے بخش دیں تو ایمان سے وہ بے حد معصوم بہت سادہ انتہائی باوقار بڑی سندر ہے۔'' جاوید اس کی تعریف کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈنے لگا تھا۔

''جاوید...... جاوید! کیوں تمہاری شامت آئی ہے۔'' شارق اس تمہید پر جھنجھلا گیا مگر جاوید تو رومینٹک سا ہو کر خوابوں میں دنیا میں اڑ رہا تھا۔

''اف سوری سر! آئی گاٹ کیریئرڈ اوے (I got carried away) ہاں تو سر میں کہہ رہا تھا کہ وہ لڑکی آپ کی فرمائش کے مطابق معصوم بھی ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی تمام ریٹائرڈ شدہ سیکرٹریوں سے بے حد خوبصورت ہے اور وہ بھی بغیر میک اپ کے لاجواب چہرے اور سراپے کی مالک ہے۔

ہائے ہائے اور معصومیت! واللہ اس کا کیا کہنا ہے۔ سر میرے نظریئے اور اندازے کے مطابق اگر معصومیت کسی چیز کا نام ہے اور وہ اگر کہیں پائی جاتی ہے۔ تو موجودہ دور میں تو پھر یہ محترمہ اس پر قبضہ کیے بیٹھی ہیں۔ ویسے شارق صاحب مجھے معلوم ہے کہ آپ کو اس قیمتی چیز معصومیت شرافت کی کوئی پہچان نہیں ہے۔ اور شومئی تقدیر کے آپ کی صحبت میں رہتے ہوئے میرا بھی کباڑا ہو گیا ہے۔'' جاوید کی بات سن کر شارق نے غصے سے ہونٹ بھینچ لیے پر چپ رہا۔ جاوید کی باتوں نے انہیں بہت بے چین سا کر دیا تھا۔

''ہاں تو سر سب لڑکیاں دس ہزار ماہوار سن کر کھسک گئیں لیکن یہ محترمہ جم کر بیٹھی ہی رہیں۔ اٹھی ہی نہیں پھر میرے استفسار کرنے پر کہنے لگیں کہ وہ ہر حال میں ملازمت کرنے پر تیار ہے۔ دراصل وہ ایک بار پہلے بھی آئی تھیں لیکن کسی وجہ

سے انٹرویو نہیں دے سکی تھیں۔ سر! مجھے تو اس کی پیاری معصوم صورت دیکھ کر بڑا ترس آیا۔ میں اسے وارن کیے بنا نہیں رہ سکا۔ میں چاہتا تھا وہ یہاں نہ تو ملازمت کرے بلکہ مل کے ایریا میں بھی نظر نہ آئے اچھے گھر کی ہے بیچاری۔
میں نے کہا اچھی لڑکی تم کیوں اپنی عزت کی دشمن ہو رہی ہو۔ جاؤ بھاگ جاؤ کہ یہ جگہ تمہارے رہنے کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ تجھے تو شادی کر کے کسی کا گھر سنسار بسانا چاہیے۔'' وہ نہایت خلوص سے کہہ رہا تھا مگر شارق غصے سے اکھڑ گئے۔
''او جاوید الو کے پٹھے...... آج تو میں تمہیں شوٹ ہی کر دوں گا۔ تم نے اس لڑکی سے یہ سب بکواس کیوں کی؟''
شارق کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا یہ جاوید تو آئینہ دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔
''آپ...... سر میری بات تو سنیں۔ میرے تنبیہ کرنے پر وہ لڑکی کہنے لگی کہ میں اپنی عزت کی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔ بس میں ضرورت مند ہوں آپ مجھے ملازمت دے دیجیے۔ تو اب سر! بیچارہ جاوید کیا کرے؟ اگر تو اس لڑکی کی شامت آئی ہے تو میں اسے کس طرح سے بچا سکتا ہوں۔ وہ اس وقت بھی میرے آفس میں دھرنا مارے بیٹھی ہے۔ تو بتائیں پھر کیا جواب دوں؟'' جاوید نے ٹھنڈی سانس لی۔
''خوب...... خوب...... تو وہ بڑی سورما ہیں اپنی عزت بچانا جانتی ہیں'' شارق زہریلے لہجے میں بولے۔
''اچھا ہم دیکھیں گے کہ وہ پارسا بیگم کب تک اس دعوے پر قائم رہ سکے گی؟'' شارق نے خود کلامی کی۔
''ہاں...... جاوید تم اسے فوراً سیکرٹری رکھ لو دس ہزار روپے تنخواہ رہائش کے مکان اور مل کی کار پر پک اپ اینڈ ڈراپ (Pick up and drop) بھی ہو گا اور اس سے کہو فوراً ڈیوٹی جوائن کر لے۔''
''ہائے...... سر! مجھے تو آپ کا لہجہ بہت خطرناک اور چیلنجنگ لگ رہا ہے۔ سر! جان کی امان پاؤں تو صرف اتنا عرض کروں۔ کہ میں آپ کا ملازم ہی نہیں ہم جماعت بھی رہ چکا ہوں۔ ایک ہی سکول اور کالج میں پڑھا ہے ہم نے۔ اور اسی لیے آپ ہمیشہ میری گستاخیوں بکواسوں کو نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔'' اس نے مسکہ لگایا۔
''پلیز...... پلیز...... خدارا! باس اب تو نمک کھانے کی اجازت بخش دیں ہمیں اب تو ان شاء اللہ میرے ہونے والے بچے بھی آپ کے نمک حلال پیدا ہوں گے۔'' وہ منت کرنے لگا۔
''ہاں لگتا ہے کافی بھوکے مر لیے ہو تم۔ اچھا چلو آج سے تمہاری سزا ختم ہوئی۔'' شارق نے مسکرا کر کہا۔
''کھا لیا کرو نمکین کم از کم ایک سال تک تو نمک حلال رہو گے۔''
''تھینک یو سر! آپ بڑے رحمدل ہیں۔ لیکن سر ایک پرابلم اور بھی ہے وہ ابھی ابھی حل کر دیں۔ تو آپ کو دل سے دعائیں دوں گا۔''
''جاوید...... جاوید تم خود ہی تباہ ہونا چاہتے ہو تو میں تمہیں کیوں منع کروں بیشک جہنم میں جاؤ۔'' شارق نے فون بند کر دیا۔
''ارے میرے مولا! باس روزانہ کسی نیک آدمی کا منہ دیکھ کر صبح اٹھا کریں۔ تاکہ ہم جیسوں پر عتاب نازل نہ ہو۔''
جاوید نے فون رکھ کر سکھ کا سانس لیا اور اپنے آفس میں آ گیا۔ وہ لڑکی صبر و سکون کا پیکر بنی وہیں موجود تھی۔
''ہاں مس! شارق صاحب کا فون تھا اور میں نے آپ کی بات کر دی ہے۔'' جاوید بتانے لگا تو وہ آس و امید کے

سائے چہرے پر سجائے دیکھنے لگی۔

''پھر......پھر کیا......کہا ہے انہوں نے؟'' زیب نے جلدی سے پوچھا۔

''بھئی مبارک ہو آپ کو ملازمت مل گئی ہے فی الحال پندرہ ہزار روپے تنخواہ رہنے کو گھر ملے گا کار روزانہ گھر سے دفتر لائے گی اور چھوڑے گی ویسے بھی ضرورت پڑنے پر موٹر مل سکے گی۔'' جاوید کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور زیب کے خوشی سے تمتمائے چہرے کو دیکھ کر ذرا جھجکتا ہوا بولا۔

''سنیئے مس رحمان! آپ یہ ملازمت کیوں کرنا چاہتی ہیں؟ آخر ایسی کون سی مجبوری آپ کو جکڑے ہوئے ہے؟ میری نظر میں تو کم از کم اس طرح کا جاب آپ جیسی نیک لڑکی کے لیے کسی صورت مناسب وموزوں نہیں ہے۔'' جاوید کو نہ جانے کیوں زیب سے ہمدردی ہو رہی تھی۔ تبھی وہ اسے منع کرنا چاہتا تھا۔

''مسٹر جاوید! ہم لوگ حالات کے ستائے ہوئے ہیں۔ میرا تعلق بہت اچھے خاندان سے ہے۔ میرے ابو کا شمار کبھی کراچی کے امیر لوگوں میں ہوتا تھا۔ اک پیارا سا گھر تھا جس میں ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں بکھری ہوئی تھیں۔

پیارے اکلوتے بھائی احمر اور بہن سیما کے قہقہے چہار سو گونجتے تھے۔ بھیا نے اعزاز کے ساتھ ایم بی اے کیا۔ انہیں ایک فرم میں اعلیٰ ملازمت مل گئی۔ ہم نے پیاری سی لڑکی ڈھونڈ کر ان کی شادی کر دی۔ بھابی سعدیہ بے حد اچھی تھیں۔ بالکل ہم میں گھل مل گئیں تو ہماری خوشیاں دوبالا ہو گئیں۔

لیکن پھر ایک منحوس دن ہمارے ہنستے بستے گھر کو تاریکیوں نے نگل لیا۔ امی ابو ایک تقریب میں شریک ہونے شہر سے باہر گئے تھے اور راستے میں ان کی کار سلپ ہو کر سینکڑوں فٹ نیچے گہری کھائی میں جا گری۔ پھر دوسری رات کو اچانک ہمارے گھر ایمبولینس آ کر رکی۔ جس میں سے دو شکستہ لاشیں اتاری گئیں گھر میں کہرام مچ گیا۔

ہم نے بے بس ہو کر دیواروں سے سر ٹکرائے۔ لیکن وہ مشفق چہرے منوں مٹی کے نیچے جا چھپے۔ وقت دبے پاؤں گزرتا رہا بھیا اور بھابھی نے ہمارا دل بہلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وقت گزرتا گیا تو گھر میں دو نئے مہمانوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ ہم بے حد خوش تھے۔ مگر نہ جانے ہماری خوشیوں کو کس کی بد نظر لگ گئی تھی۔ کہ ایک بار پھر ہماری زندگی میں بدنصیبی کا سایہ پڑا۔ ایک دن بھیا فرم کے ملازموں کی تنخواہ نکلوانے بنک گئے تو فرم کے دو کلرکوں نے سازش کی اور جب بھیا بنک سے روپے نکلوا کر واپس آ رہے تو ان غنڈوں نے بھیا کو شدید زخمی کر دیا اور چلتی ہوئی کار سے دھکا دے کر انہیں پل سے نیچے پھینک دیا اور وہ بڑی سی رقم لے کر فرار ہو گئے۔

پھر بھیا ملے تو سہی لیکن اس حالت میں کہ ان کی آنکھیں ضائع ہو چکی تھیں۔ ٹانگوں اور بازوؤں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ اس طرح ان کی ملازمت ختم ہو گئی اور جو جمع شدہ پونجی تھی وہ سب ان کے علاج پر ختم ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد بھیا کی ٹانگیں اور ہاتھ تو ٹھیک ہو گئے لیکن بینائی نہ مل سکی۔ علاج کی خاطر کوٹھی بک گئی۔ جائیداد، پھر بھابھی کو بھی زیورات سے زیادہ بھیا کی تندرستی عزیز تھی۔ غرضیکہ گھر کی ہر چیز فروخت ہو گئی۔

میں ایم بی اے کے پہلے سال میں تھی میں نے پڑھائی چھوڑ دی اور گزر اوقات کے لیے ٹیوشنز پڑھانے لگی۔ اس طرح گھر کے اخراجات پورے ہونے لگے۔ لیکن آمدنی کم تھی اور اخراجات زیادہ۔ بچوں کی پڑھائی ختم ہو گئی۔ مالک مکان کرائے کا تقاضا کرنے لگا گھر میں فاقے ہونے لگے۔

ایک دن میں نے اخبار میں آپ کا اشتہار پڑھا۔ میں شہر چھوڑ سب کو لے کر یہاں آ گئی۔ جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ مجھے یہ ملازمت ضرور مل جائے گی۔ ایک ہفتہ پہلے میں انٹرویو دینے کے لیے آئی تو راستے میں حادثہ پیش آ گیا اور میں وقت پر نہ پہنچ سکی۔'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔

''پھر مجھے پتہ چلا کہ انٹرویو کی تاریخ بڑھا دی گئی ہے تو میں دوبارہ قسمت آزمائی کے لیے چلی آئی۔''

''اوہو تبھی آپ کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔'' جاوید کو بے حد ہمدردی محسوس ہونے لگی۔

''پلیز...... مس رحمان! اب آپ آنسو نہ بہائیں خدا ضرور اپنا فضل کرے گا۔'' جاوید نے سنجیدگی سے کہا۔

''جاوید صاحب! آپ مجھے میری ڈیوٹی تو سمجھا دیں۔'' وہ آنکھیں صاف کر کے بولی۔

''میں...... میں ڈیوٹی کیا سمجھاؤں مس رحمان! ویسے آپ ہمارے باس مسٹر شارق رضا کی پرسنل سیکرٹری ہوں گی۔ ان کے حد سے زیادہ بڑھتے ہوئے اخراجات کا حساب رکھنا پڑے گا۔ پھر ان کے اپائنمنٹ...... کہ کس شخص سے کس وقت ملنا ہے۔ کیسے ملنا ہے کہاں ملنا ہے؟ ملنا بھی ہے یا نہیں؟ پھر باس کے پینے پلانے کا بندوبست تو میں ہی کرتا ہوں خود بھی اسٹاک لیے آتے ہیں یورپ سے۔ مگر آپ کو صرف اپنے ہاتھ کو تکلیف دینی ہوگی۔'' جاوید نے نظریں چرا کر جلدی سے کہا۔

''یہ پینے پلانے کا کیا انتظام ہے بھلا؟'' زیب کچھ سمجھ نہ سکی۔

''وہ...... وہ مس رحمان! آپ کو جلد ہی پتہ چل جائے گا۔'' جاوید نے بات ٹال دی۔ نہ جانے کیوں زیب سے وضاحت کرتے ہوئے عجیب سی شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ تو پہلی سیکرٹریوں سی شوخ و بے باک نہیں تھی بلکہ زیادہ ہی معصوم تھی۔

''اور میری ڈیوٹی کتنے بجے شروع ہو کر کب ختم ہوگی؟'' وہ اپنی خوبصورت آنکھوں کو اٹھا کر بولی۔

''صبح سے شام...... شام سے رات اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رات سے صبح ہو جائے۔ یہ تو آپ کی مرضی پر منحصر ہے جی۔'' وہ سر کھجانے لگا۔

''چلیے مس رحمان! اب آپ جائیں۔ کار آپ کو چھوڑ آئے گی۔ اس طرح ڈرائیور بھی آپ کا گھر دیکھ لے گا اور میں شہزاد کو بھی تاکید کر دوں گا کہ ایک ہفتے کے اندر اندر آپ کا مکان ٹھیک ٹھاک کروا دے۔ پھر آپ وہاں شفٹ ہو جایئے گا۔'' جاوید نے اس کے سوالوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اور ہاں یہ لیجیے پچاس ہزار روپے ایڈوانس آپ کو یقیناً ضرورت ہوگی۔ شہزاد! ڈرائیور سے کہو ان کا گھر دیکھ آئے اور کل سے انہیں صبح آٹھ بجے جا کر لے بھی آئے گا۔'' جاوید نے تمام کام آسان کر دیئے تھے گویا زیب خوش ہشاش بشاش گھر چلی گئی اور جاوید اس کی پشت پر نظریں جمائے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''واہ باس واہ...... تم کنجوس ہوئے بھی تو برے وقت پر...... جن چھوکریوں کو عیاشیوں کے لیے دوپٹہ چاہیے تھ انہیں تو خوب کھلاتے پلاتے رہ گئے ہو اور اب جبکہ یہ غریب ضرورتمند آئی ہے تو انہیں کنجوسی کا دورہ پڑ گیا ہے۔'' جاوید نے زیب کے جانے کے بعد کہا۔

○●○

آفس فون کرنے اور جاوید سے نئی سیکرٹری کے بارے میں بات چیت کرنے کے بعد شارق نے اٹھ کر اپنی بوتل سنبھال لی اور گھونٹ گھونٹ پیتے دوبارہ بستر میں آ دبکے اور اسی طرح ان کی آنکھ لگ گئی۔ آنکھ کھلی بھی تو اس وقت جب کوئی انہیں نہایت پیار سے جگا رہا تھا۔

''رضا......رضا بھیا! اٹھیے نا...... بارہ بج گئے ہیں۔'' کسی نے ان کے بال سنوارتے ہوئے پکارا۔

''صائمہ! آپ آیئے بیٹھیے۔'' شارق اٹھ کر بیڈ سے پشت ٹکا کر بولے۔ اور شراب کی بوتل چپکے سے لحاف کے اندر کھسکا دی۔ صائمہ بھائی کی پیشانی چومنے کے لیے جھکی تو شارق نے اس ڈر سے کہ کہیں وہ اس کے منہ سے اٹھتے ہوئے بدبو کے بھبکے نہ سونگھ لے گھبرا کر منہ پھیر لیا۔

''صائمہ! آپ ہمارے قریب مت آیئے۔ ہمیں بہت شدید فلو ہے۔''

انہوں نے بہانہ بنایا تو صائمہ افسردگی سے مسکرا دی اب وہ ایسی بھی لاعلم نہ تھی کہ بھائی کے کرتوت نہ جانتی۔

''اچھا......ہم چلتے ہیں آپ کپڑے تبدیل کر کے نیچے آ جائیں امی آپ کو بہت یاد کر رہی ہیں۔ کئی دن سے آپ نہیں ملے۔ بھیا میں کھانا لگواتی ہوں آپ دس منٹ تک آ جائیں۔'' صائمہ انہیں سنبھلنے کا موقع دے کر باہر چلی گئی۔

''اُف خدایا......'' شارق نے اس کے جاتے ہی جلدی سے بوتل نکالی اور الماری میں چھپا دی پھر غسل خانے میں گھس گئے۔ جلد وہ تیار ہو کر نیچے ماں کے پاس پہنچے تو وہ اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر نہال ہو گئیں۔

''آداب امی جان!'' وہ ماں کے بستر پر بیٹھ کر ان کے سینے سے لپٹ گئے۔

''آؤ شارق بیٹے! ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے ہم تو تمہاری صورت دیکھنے کے لیے ترس جاتے ہیں۔'' اکلوتے لاڈلے بیٹے کے چہرے پر پیار کر رہی تھیں۔

''امی جانی! آفس میں کام بہت ہوتا ہے میں صبح صبح مل چلا جاتا ہوں پھر نہ جانے واپس کب آتا ہوں۔'' وہ ماں کی پیشانی چومتے ہوئے دھیرے سے بولے۔

''ہاں لال سچ کہتے ہو تم اپنے ہوش و حواس میں رہو تو تمہیں واپسی کا پتہ بھی چلے۔'' وہ دکھ سے بولیں۔

''بیٹے میں معذور سہی......میں چل پھر نہیں سکتی لیکن تمہاری ایک ایک حرکت پر میری نظر رہتی ہے۔''

''رضا بیٹے! خدارا سنبھل جاؤ۔ تم ہر گزرتے دن کے ساتھ خود کو بربادیوں تباہیوں کے اندھیرے میں گرتے چلے جا رہے ہو۔ بھٹک رہے ہو تم میرے بچے۔ اندھیرے تمہیں نگلتے چلے جا رہے ہیں۔

برائیوں گناہوں کی وادی کی طرف اٹھتے تمہارے ڈولتے لڑکھڑاتے قدم تمہیں زندگی کی روشنیوں سے دور لے جا رہے ہیں۔ میرے بچے! تم نازیہ کی بے وفائی کا انتقام ہر عورت سے لینے پر کمربستہ ہو۔ یہ زیادتی اور حماقت انگیز سوچ تمہیں فنا کی وادیوں میں لے جائے گی۔'' وہ ملتجیانہ انداز میں کہہ رہی تھیں تڑپ رہی تھیں۔

''او خدارا......امی! کتنی بار کہا ہے اس منحوس بدکار عورت کا نام میرے سامنے مت کبھی بھی مت لیا کیجیے۔ نفرت ہے مجھے اس نام سے بھی۔'' وہ تڑپ کر کھڑے ہو گئے۔

''نہیں رضا! اپنی باغیانہ اور فرسودہ سوچ کو بدل ڈالو۔ سبھی عورتیں ایک جیسی تو نہیں ہوتیں۔''

''امی کچھ بھی کہیے......مجھے آپ کے اور صائمہ کے سوا دنیا کی تمام عورتوں سے نفرت ہے۔ پلیز آپ یہ تکلیف دہ

ذکر میرے سامنے اگر نہ چھیڑیں تو اچھا ہے۔" وہ افسردگی سے بولے اور ماں سے منت کی۔

"رضا بیٹے! میں کیسے یہ تذکرہ نہ کروں تم خود انصاف سے کام لو۔ ذرا سوچو تو سہی اگر تم شادی نہیں کرو گے تو ہمارے خاندان کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ نواب مراد علی کا گھرانہ مٹ جائے گا۔" وہ منت کرنے لگیں۔

"رضا! ہم نے تو سوچا تھا کہ تمہارے سر پر سہرا سجائیں گے۔ پھر سے اس حویلی میں تمہاری دلہن اور تمہارے قہقہے گونجیں گے۔ جلدی تمہارے پیارے سے بچے ہمیں دادی ماں...... دادی ماں...... کہہ کر بلائیں گے۔ تو مردہ تن میں جان پڑ جائے گی۔ تو ہم پھر سے جی اٹھیں گے۔" وہ نگاہوں میں خواب سجاتے ہوئے بول رہی تھی۔

"میں نے آپ کا حکم مانا تو تھا امی جان! کی تو تھی آپ نے بڑی دھوم دھام سے ہماری شادی۔" وہ طنز سے ہنسے۔

"اب آپ اور کیا چاہتی ہیں۔ پھر اب کیسے بھلا دوں میں وہ خجالت ذلت اور شرمندگی؟ نازیہ نے جو داغ ہماری پیشانی پر لگا دیا ہے۔ وہ مٹتا ہی نہیں امی! ہم نے تو آپ کے ہر حکم کی تعمیل کی تھی لیکن آپ کی بہو کو ہی آپ کا بیٹا پسند نہیں آیا تھا۔" وہ آنکھیں موند کر بولے۔

"رضا! وہ شادی نہیں ہم سب کی بربادی تھی۔ وہ منحوس نازیہ سبز قدم بدقماش عورت زہریلی ناگن، اس گھر میں قدم رکھتے ہی ہماری خوشیوں کو ڈس گئی۔ ہمارے سکون کو نگل گئی۔ اس ایک عورت نے دو خاندان برباد کر دیئے۔ بیٹا بھی تباہ ہو گیا اور میری صائمہ بیٹی کا گھر بھی اجڑ گیا۔" وہ دل تھام کر رونے لگیں۔ ان کا چہرہ سنجیدہ پڑ گیا۔ پھر ان کا سانس تیز تیز چلنے لگا وہ بے دم ہو کر تکیے پر گر گئیں۔

"رضا...... رضا! دیکھو امی کو کیا ہو گیا ہے؟" صائمہ گھبرا کر چیخ اٹھی۔

"امی...... امی جان!" شارق نے انہیں ہلایا لیکن وہ تو آنکھ ہی نہیں کھول رہی تھیں وہ فون کی سمت لپکے جلدی سے نمبر ملایا۔

"ہیلو ڈاکٹر راحیل! میں شارق رضا بول رہا ہوں۔ پلیز تم جلدی سے آجاؤ امی بے ہوش ہو گئی ہیں۔" وہ گھبرا کر بول رہے تھے۔

"اچھا رضا تم خود کو سنبھالو میں ابھی آ رہا ہوں۔" راحیل نے فون بند کیا پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں پہنچ گیا۔ اور پھر فوراً امی کا معائنہ کرنے لگا۔ اس کی نگاہوں میں فکر و تردد کے سائے نمودار ہوئے۔ راحیل انہیں انجکشن لگا کر شارق سے مخاطب ہوا۔

"رضا! ویسے مجھے یہ پوچھنے کی ضرورت تو نہیں ہے کہ یکایک امی کی طبیعت کیسے خراب ہو گئی ہو گی۔ کیونکہ غیر متوقع طور پر اس وقت تمہاری یہاں موجودگی ہی اس بات کی گواہی دے رہی ہے۔ ان سے الجھے ہوں گے؟ شارق! اے بندہ خدا! تم آخر کیوں عقل سے پیدل ہو گئے ہو۔ کیوں اپنی بے جا ضد پر سب کی خوشیاں قربان کر رہے ہو۔" راحیل زچ ہو کر بولے۔

"رضا یار! کبھی کبھار تو بے اختیار میرا جی چاہتا ہے کہ تمہاری پٹائی کر دوں۔ ایسے واہیات فضول سے مطلبی خود پسند ضدی انسان ہو تم۔" وہ شارق سے الجھ گئے پھر صائمہ کو ڈپٹا۔

"اے صائمہ بی! بند کرو یہ رونا دھونا اور بھاگ کر ایک گلاس پانی لے آؤ۔" وہ نگاہوں میں نرمی لا کر بولے۔

''راحیل سچ کہیے امی کو کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔'' شارق نے پریشان ہو کر کہا۔

''ابے گھامڑ! جب تک تم اپنی ہٹیلی عادات نہیں بدلو گے ان کی زندگی کو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ اتنا بڑھا ہوا بلڈ پریشر ہے۔ خدا کے واسطے ابھی بھی وقت ہے سنبھل جاؤ تم۔'' راحیل نے سمجھانا چاہا مگر وہ لاپرواہی سے بولے۔

''اچھا...... اچھا تم اپنا لیکچر بند کرو۔ دیکھو راحیل میں امی کی ہر بات مان سکتا ہوں لیکن...... لیکن شادی نہیں کروں گا'' وہ ہٹیلے انداز میں بولے۔

''اچھا...... اچھا اب چپ ہو جاؤ امی ہوش میں آ رہی ہیں۔'' راحیل ان پر جھکتا ہوا بولا۔

''امی جان...... امی جان! ذرا آنکھیں تو کھولیں۔'' شارق ان کا کمزور ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر بولے۔

''بس...... بس رضا! میں تم سے اب کبھی نہیں بولوں گی تم میرا دل دکھاتے رہتے ہو'' وہ بیٹے کو دیکھتے ہی رو پڑیں۔

''جی...... جی بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے آپ نے امی جان! آپ بالکل رضا سے بات مت کیجیے گا بلکہ ہم سب ان کا بائیکاٹ کر دیتے ہیں حقہ پانی برادری ختم ان سے۔'' راحیل ان کی پیشانی سہلا کر پیار سے بولا۔

''یہ رضا بدمزاج انسان ہے ہی اسی قابل کہ اس کو لفٹ نہ دیں۔'' راحیل، صائمہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر بولے۔

''اس کو لفٹ نہ دیں۔''

''ہاں...... دیکھو راحیل بیٹا! یہ میری التجائیں بھی ٹھکرائے چلا جا رہا ہے۔ یہ شادی نہیں کرنا چاہتا۔ اس ویران گھر کو پھر سے آباد نہیں کرنا چاہتا کیا میں اس کی خوشی دیکھے بغیر ہی مر جاؤں گی۔ پوتا پوتی کو گودوں کھلانے کی حسرت دل میں لے کر لحد میں اتر جاؤں گی۔'' وہ شکوہ کرنے لگیں۔

''ہائے اے ہے...... خدا نہ کرے۔ امی جان! یہ کیا فرما رہی ہیں آپ؟'' راحل بے ساختہ عجیب سے انداز میں بولے۔

''آپ کی تو بہت بڑی عمر ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ...... پوتے پوتیاں کیا، آپ تو نواسے نواسیوں کو بھی گودوں کھلائیں گی۔'' وہ سب کی نظر بچا کر صائمہ کا پاؤں آہستہ سے دبا کر معنی خیز انداز میں بولے۔ تو صائمہ کا حسین چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی اور گھبرا گھبرا کر شوخ سے راحیل اور فکرمند سے شارق کی طرف دیکھنے لگی۔

''راحیل اور صائمہ! برسوں سے عشق کی آگ میں یہ دونوں وجود تپ رہے تھے۔ لب سیے...... بس اپنے جذبوں کو آنکھوں ہی سے عیاں کر رہے تھے۔ راحیل کی محبت میں محرومیوں نے دوریوں نے بے تابیاں اور وسوسے پیدا کر دیئے تھے اور حالات کی ماری صائمہ ایک خاموشی کی مہر لبوں پر سجائے بت کی مانند چپ تھی۔

راحیل کے آتش فشانی جذبوں کی پذیرائی ایک ہچکچاہٹ اور خوف کے بھیانک سایوں تلے دب کر رہ جاتی تھی۔ جذبوں پر بھی جیسے کسی نے منوں برف بکھیر دی تھی۔ چاہتوں کے اس راز کو ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص نہیں جانتا تھا۔

صائمہ کی سرد مہری بھی راحیل کے پایہ استقلال میں ڈگمگاہٹ نہ لا سکی۔ وہ صائمہ کو دردِ دل سنانے کا کوئی موقع بھی

تو ہاتھ سے نہیں نکلنے دیتا تھا۔اب بھی وہ امی کے سر ہو گیا تھا۔اشاروں کنائیوں میں مدعا بیان کر رہا تھا۔

''امی جان دیکھیے نا......صرف شارق ہی تو آپ کا بیٹا نہیں ہے نا......بھئی میں بھی تو آپ کا کچھ لگتا ہوں نا؟'' وہ تے ہوئے لہجے میں بولا۔

''امی! میرا بھی تو اس دنیا میں آپ لوگوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر عقیدت بھرے لہجے میں بولا۔تو بیگم مراد کا دل حقیقی محبت سے معمور ہو گیا۔

''کیوں نہیں راحیل میرے لال! تم بھی تو مجھے شارق کی طرح عزیز ہو۔میرے ہی بیٹے ہو۔خدا گواہ ہے کہ میں نے کبھی تم دونوں میں فرق نہیں سمجھا۔'' وہ اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔

''تو ٹھیک ہے امی! پھر جھگڑا کیسا؟ آپ میری شادی جھٹ پٹ کروا دیجیے نا اور یہ شارق رضا! اسے فی الحال اگنور کرتے ہیں لکھ لیجیے گا آپ یہ آپ کی حکم عدولی کر کے ایک دن بہت پچھتائیں گے۔پھر میرے بچوں اور پیاری سی بیوی کو دیکھ کر رشک سے جل جل جائیں گے۔تب آپ کے پاؤں پکڑ کر منتیں کریں گے۔

امی......خدارا! میری بھی شادی کروا دیجیے نا۔'' راحیل نے لڑاکا عورت کی طرح ہاتھ نچا نچا کر کہا۔

امی اب بے طرح مسکرا رہی تھیں اور بہل گئی تھیں راحیل کی شگفتہ بیانی سے۔

''ہاں......امی! اچھا تو آپ کب کروا رہی ہیں میری شادی؟'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''راحیل! ہاں یہ بالکل ٹھیک مشورہ دیا ہے تم نے۔میں پہلے تمہاری شادی کروا دیتی ہوں،تمہاری بیوی بھی تو میری ہی بہو ہو گی ناں۔''

وہ راحیل کا سہارا لے کر اونچی بولیں تو اس نے انہیں کیپسول اور دو گولیاں کھلا دیں۔پھر چند ہی لمحوں کے بعد وہ نہال ہو گئیں۔تو راحیل نے فاتحانہ انداز سے شارق کو دیکھا۔

''بس یار شارق! اتنی سی بات تھی دیکھو تم اگر شادی نہیں کرنا چاہتے تو مت کرو لیکن پلیز امی کو مطمئن کرنے کے لیے ہی حامی بھر لیا کرو۔ان کی صحت ٹھیک نہیں ہے پھر بھی تم انہیں دکھ دیتے ہو۔

تم خواہ مخواہ ضد ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر کے انہیں پریشان کر دیتے ہو۔اب بتاؤ میں نے جواتنے پر جوش طریقے سے شادی رچانے کی حامی بھر لی ہے۔تو کیا میری شادی ہو گئی ہے کیا؟ ہاں یار! مصلحت سے کام لیا کرو۔'' انہوں نے شارق کو لیکچر دیا پھر صائمہ سے مخاطب ہوئے۔

''ہاں تم صائمہ بی! اب امی کے بیڈ سے اٹھ جاؤ۔میں نے انہیں نیند آور گولیاں دی ہیں۔بس انہیں آرام کرنے دو۔اب یہ صبح ہی اٹھیں گی۔'' راحیل نے تسلی دی۔

شارق یکا یکی اٹھے اور باہر جانے لگے تو راحیل نے ٹوکا۔

''کیوں بھئی تم کہاں چل رہے ہو۔ہم بھی مشکل سے وقت نکال کر آتے ہیں ذرا ہمارے پاس بیٹھو گپ شپ لگاؤ۔''

''میں بیٹھ نہیں سکتا میرا ذرا گھومنے گھامنے کا پروگرام ہے دل گھبرا رہا ہے یہاں۔'' وہ لاپرواہی سے بولے۔

''شارق......ارے جاؤ جاؤ۔کسے بیوقوف بنا رہے ہو تم؟ سیدھی طرح یہ کہو کہ آپ کے اشنان اور مخصوص بھوجن کا

وقت ہو گیا ہے۔'' راحیل نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''اچھا ہاں تو بالکل ٹھیک سمجھے ہو تم۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے باہر چلے گئے۔

''ہائے...... خدا تمہیں نیکی کی ہدایت دے شارق!'' راحیل دعا مانگتے ہوئے صائمہ کی طرف مڑا۔

''کیوں صائمہ تمہیں کیا ہوا ہے بہت دبلی ہو رہی ہو۔'' وہ بغور دیکھ کر بولے۔

''بس...... بے آرامی بہت ہو گئی ہے ڈاکٹر! مجھے امی کی دیکھ بھال کے لیے صبح و شام ان کے قریب رہنا پڑتا ہے۔ راتوں کو جاگنا پڑتا ہے۔ بس پھر نیند تو پوری نہیں ہوتی ہے نا۔'' وہ تھکے تھکے انداز سے بولی۔

''ہاں...... راحیل آپ نے جس نرس کا انتظام کیا تھا نا۔ وہ تو بہت لاپرواہ ثابت ہوئی ہے۔ نہ معلوم رضا سے متعلق کہاں کہاں سے اوٹ پٹانگ قصے سن سن کر آتی تھی پھر بڑھا چڑھا کر امی کو سناتی تھی اور امی رو رو کر برا حال کر لیتی تھیں۔

پھر وہ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی۔ کہنے لگی نرسنگ کے پیشے میں آمدنی بہت کم ہوتی ہے۔ میں اپنے کنبے کی واحد کفیل ہوں سات بہنیں اور تین بھائیوں کی بڑی بہن ہوں۔ جو تنخواہ ملتی ہے اس سے گزارہ نہیں ہوتا آپ کے بھائی شارق سنا ہے کہ انہیں آج کل سیکرٹری کی ضرورت ہے۔ تو آپ سفارش کر دیجیے ملازمت دلا دیں۔

میں نے اخبار میں اشتہار پڑھا تھا۔ سنا ہے کہ شارق صاحب بہت اچھی تنخواہ دیتے ہیں اور ہر قسم کی مراعات اور سہولتیں ملتی ہیں۔ پلیز آپ مجھ پر یہ احسان کر دیجیے تمام عمر دعائیں دوں گی۔ تب میرا دل بھی پسیج گیا میں نے اسے رضا سے ملوا دیا۔ بس پھر تو وہ نرس صاحبہ اپنے فرض سے غافل ہوتی گئی۔

امی کے پاس تو ٹک کر بیٹھتی ہی نہیں تھی۔ کبھی وہ کسی کو فون کر رہی ہوتی تھی۔ تو کبھی کسی کے فون آ رہے ہوتے تھے۔'' صائمہ نے روداد سنائی۔ راحیل دلچسپی سے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے سن رہے تھے۔

''ہوں...... اچھا...... اچھا تو یہ کہو نا کہ تمہارے بھائی صاحب نے نرس کا بیڑا غرق کر دیا ویسے روزینہ تھی بہت اچھی نرس۔''

''چہ...... آپ کیسی باتیں کرتے ہیں راحیل! رضا بھیا لاکھ برے سہی، لیکن اس گھر میں انہوں نے کسی برائی اور گندگی کو داخل نہیں ہونے دیا ہے۔ وہ باہر عیاشی کرتے ہوں گے لیکن یہاں انہیں احساس ہے کہ اس گھر میں ان کی ایک جوان بہن اور غیرت مند ماں رہتی ہے۔'' وہ ذرا ناراضگی سے بولی اور طرفداری کرنے لگی۔

''توبہ...... اچھا...... اچھا جوان بہن بھی میری نہیں بلکہ شارق رضا کی۔ ذرا یہ تو بتاؤ تم نے مجھ غریب کے بارے میں آخر کیا سوچا ہے؟'' وہ اس کا ہاتھ ہلا کر بولا۔

''افوہ...... پلیز ڈاکٹر راحیل! مجھ سے کوئی فضول بات مت کیجیے گا۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''اچھا...... چہ خوب! تو تم اسے فضول بات سمجھتی ہو۔'' وہ حیران ہو گیا۔

''ایک ہم ہیں کہ پچھلے پانچ سالوں سے تمہارے انتظار میں دیوانے ہو رہے ہیں۔ صائمہ آخر میرا یہ انتظار کب ختم ہو گا۔ تم مجھے کوئی امید تو دلاؤ نا۔'' راحیل نے منت کی۔

''پلیز راحیل! بے جا ضد کر رہے ہیں آپ! حالانکہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے۔'' وہ دلگیر ہو کر بولی۔

''کیوں؟ آخر کیا ناممکن ہے؟'' راحیل جھنجھلا گیا۔

''یہ میرا پانچ سال کا طویل انتظار ہے۔ بے تحاشہ پیار یا میرا اتنی ثابت قدمی سے تم سے شادی کی آس و امید رکھنا۔ آخر واضح طور پر یہ بتاؤ کہ کیا ناممکن ہے؟ آج مجھے ضرور جواب ملنا چاہیے۔'' وہ ضد کرنے لگا۔

پھر صائمہ کو دیکھتے ہوئے ایک دم گھبرا گیا۔ وہ منہ چھپائے بری طرح سے ہچکیاں لے رہی تھیں۔

''ارے...... رے صائمی میری جان! پلیز بے شک تم میرے کسی سوال کا جواب مت دو۔ گڑیا میں تو ہزاروں سال تک تمہارا انتظار کرسکتا ہوں۔'' وہ افسردگی سے بولے۔

''اچھا...... خدارا اب رونا بند کرو۔ میں...... میں تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھنے کی سکت نہیں رکھتا۔'' وہ اس کا سر سہلا کر بولے۔

''توبہ...... تو بہ یہ آنسو اچھا ہتھیار ہیں تم عورتوں کے پاس بڑے سے بڑا دلیر انسان بھی پل میں پگھل جاتا ہے۔'' راحیل جانے کے لیے کھڑے ہو گئے اور چہرے پر مایوسی کے سائے پھیلے ہوئے تھے صائمہ نے تو آج بھی انہیں مایوس کر دیا تھا۔

○●○

شارق نے اپنی ہنڈا ایکارڈ کار...... برائٹ سٹار (Bright Star) کلب کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی۔ پھر کی رِنگ (key ring) انگلی میں گھماتے ایک دلکش دھن پر سیٹی بجاتے سیڑھیاں چڑھنے لگے اچانک ان کی نظر پودوں کی آڑ میں کھڑے ایک نوعمر جوڑے پر پڑی جو بڑے رومانٹک پوز میں کھڑے تھے۔

وہ دلکش سی لڑکی لڑکے کے بازوؤں میں مچلتی ہوئی کہہ رہی تھی اور لڑکا تھا کہ پروانہ وار نثار ہو رہا تھا۔ شارق ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے وہیں رک گئے اور ان کی خلوت میں ٹانگ اٹکا دی۔

''اے بھائی صاحب! اب ذرا جیب و دل پر قابو رکھیے گا آپ؟ میں شرطیہ کہتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ یہ محترمہ ٹھیک دس سیکنڈ کے بعد آپ سے کسی بڑے تحفے کی فرمائش کرنے والی ہیں۔'' شارق نے جھجکتے ہوئے کہا۔ تو وہ دونوں اسے پریشانی و بے یقینی سے تکنے لگے۔ عجیب سر پھرا انسان ہے یہ بھی۔ کسی کی تنہائی میں مخل ہو رہا ہے زبردستی میں۔

''یار وہ کیا شعر ہے خیر......'' شارق نے پیشانی پر شہادت کی انگلی مارتے ہوئے سوچا۔ خیر کچھ ایسا ہے کہ

دل مت دینا یہ ہرجائی دل دے کے ٹھکرائیں گے
ایک کھلونا ٹوٹ گیا تو اور کوئی لے آئیں گے

سنو یار! جب کوئی عورت کسی مرد کے بازوؤں میں سانپ کی طرح مچلے تو فوراً سمجھ لو کہ وہ کوئی نئی فرمائش کرنے والی ہے۔ لیکن یہ سب بس خطرناک ناگنیں ہوتی ہیں۔ ازحد زہریلی مطلب پورا ہوا نہیں اور یہ ڈس کر غائب ہو لیں۔'' شارق نے اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا۔ وہ کپل کچھ کنفیوز ہو کر شارق کو گھور رہا تھا۔

''او یو شیٹ اپ......'' لڑکی بپھر کر دھاڑی۔ تو اس کے ساتھی نے اسے پیچھے کھینچ لیا۔

''رہنے دو ڈارلنگ! مجھے تو یہ بری طرح سے ڈرنک (Drunk) لگتا ہے حواسوں میں نہیں ہے شاید۔'' مرد نے اسے تھامتے ہوئے کہا۔

''ہاں......تو ڈارلنگ تم کون سا ہار خریدنے کی بات کر رہی تھیں۔'' لڑکے نے بڑے پیار سے پوچھا۔

''دیکھا نا ہو گئی نا فرمائش شروع؟'' شارق نے یہ سن کر بے اختیار قہقہہ لگایا اور سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے اوپر چلے گئے۔

''بس آؤ۔ چلو جمی! اندر چلتے ہیں میرا تو سارا موڈ غارت کر دیا اس بدتہذیب آدمی نے۔'' لڑکی نے غصے سے کہا۔

''لیکن ٹینا! سوچو تو ہم نے آج اپنی زندگی کا بہت اہم فیصلہ کرنا تھا۔'' جمی پریشان ہو کر موڈرن سمارٹ ٹینا کے پیچھے لپکا۔ جو لاپرواہی سے اسے سامنے سے ہٹا کر اندر چلی گئی تھی۔

ہال میں داخل ہو کر شارق فانوس کے نیچے رک گئے پھر سگار سلگاتے ہوئے انہوں نے طائرانہ نظر چاروں طرف ڈالی بہت سی نظریں مختلف انداز سے ان کی سمت اٹھیں۔ وہاں موجود عورتوں کی نظر میں ان کے لیے پسندیدگی کے سائے تھے۔ جبکہ مرد رشک و حسد بھری نظروں سے اس لاپرواہ لیکن بے حد خوبرو پرکشش آدمی کو دیکھ رہے تھے۔ ہال میں مسحور کن موسیقی بج رہی تھی۔ وہ لائٹر اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے اپنی مخصوص ریزرو ٹیبل کی طرف بڑھے۔

''لیڈیز اینڈ جنٹلمین!'' اسٹیج پر پروگرام منیجر مائک سنبھالے آ گیا۔

''اب آپ کے سامنے مشہور ڈانسر...... پرنسز سارہ......رقص زندگی پیش کریں گی۔''

لوگوں کی توجہ اب اسٹیج کی طرف مرکوز تھی۔ وہ بے تحاشہ تالیاں پیٹ رہے تھے۔ سیٹیاں بجا بجا کر استقبال کر رہے تھے۔ بیرے نے شارق کے ٹیبل پر وہسکی کی بوتل اور گلاس رکھ دیا تھا۔ ہال کی تیز اور جگمگاتی روشنیاں اب مدھم ہو کر رہ گئی تھیں۔ اور اسٹیج کی مختلف رنگوں کی روشنیاں جلنے بجھنے لگیں۔ موسیقی کی لے تیز ہوتے ہی سات رنگوں والے بہت سے باریک پردوں کے پیچھے سے لہراتی بل کھاتی رقاصہ سامنے آ گئی۔ بے حد لچکیلا اور جوانی کی حرارت سے بھرپور جسم تیز موسیقی کی دھن پر مچلنے بل کھانے لگا۔

رقص اس قدر ہیجان خیز تھا کہ لوگوں کی آنکھیں اسٹیج پر جم کر رہ گئیں۔ پرنسز سارہ چست لباس میں اپنے وجود کی بوٹی بوٹی تھرکا رہی تھی۔ اس کے حسین چہرے پر باریک سیاہ نقاب تھا اور لوگوں کے دل اس کے بجلی کی طرح لپکتے قدموں سے زیادہ تیزی سے تو ان کے دل دھڑک رہے تھے۔ پھر ہال میں بھی مختلف رنگوں کی روشنیاں لہرانے لگی تھیں۔

پرنسز سارہ...... اسٹیج سے اتر کر ہال میں لوگوں کے گرد منڈلاتی اٹھکیلیاں کرتی رقص کر رہی تھی۔ وہ کبھی کسی میز پر رکتی اور گھورتے ہوئے نوجوانوں یا ادھیڑ عمر شوقین مزاج مردوں کو چھیڑتی۔ دوسری طرف بڑھ جاتی تو ٹھرکی لوگوں کے قہقہے بلند ہوتے۔

شارق ان تمام ہنگاموں سے بے نیاز سر جھکائے اپنے پسندیدہ مشروب کی چسکیاں لے رہا تھا۔ گلاس ختم ہوتا اور دوبارہ بھر لیا جاتا۔ ایک دو بار ہی اس نے درزدیدہ انداز سے سارہ کو تکا تھا۔ پھر دوبارہ دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ روزانہ ہی تو آتا تھا وہ اس نائٹ کلب میں یہ انداز اس کے دیکھے بھالے تو تھے۔

رقص کرتے کرتے پرنسز سارہ کی نظر شارق پر پڑی تو لمحہ بھر کے لیے اس کا متحرک وجود ٹھٹھک کر رک گیا۔ لیکن وہ ستمگر اپنے شغل میں محو رہا۔

سارہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی نگاہیں بھی مسکرا اور جگمگا اٹھی تھیں۔ اس نے اپنے لچکیلے بازو شارق کے

چہرے کے سامنے تھرکائے تو اس نے اچٹتی ہوئی نگاہ سارہ پر ڈالی لیکن پھر لاپرواہی سے سر جھٹک کر گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔ سارہ دھیرے سے ہنس رہی نگاہوں میں شرارت چمکی اس نے شارق کے سامنے سے بوتل اٹھالی اور تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔

سب لوگوں کی نظریں ان دونوں پر تو جمی ہوئی تھیں۔ سارہ نے جیسے ہی بوتل اٹھائی تھی۔ شارق بھی اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا تھا۔ سارہ تھرکتی ہوئی ٹیبل کی دوسری طرف نکل گئی اور پھر بوتل رکھ کر شارق کا بازو تھام کر اس کو زبردستی دو تین بار چکر دے دیئے اور اس کے کشادہ سینے سے لگ کر جھومنے لگی۔

شارق کا موڈ تو چوپٹ ہو ہی گیا تھا اس نے سختی سے سارہ کا بازو جھٹک گیا۔ پھر وہ بوتل اٹھا کر کرسی پر بیٹھنے ہی لگا تھا کہ سارہ نے ایک دم کرسی کھسکا دی۔

وہ سنبھل ہی نہ سکا اور پشت کے بل پیچھے گر گیا۔ سارہ نے تیزی سے اسے سنبھالنے کی کوشش کی لیکن وہ نازک اندام بھلا چھ فٹے تندرست لمبے تڑنگے مرد کو کیا سنبھالتی۔ خود بھی ڈھیر ہوگئی۔ لوگوں نے بے تحاشہ قہقہے لگائے خود کو نگاہوں کا مرکز پا کر شارق کے چہرے پر درندگی و سختی چھا گئی۔ اس نے طیش کے عالم میں سارہ کو جھنجھوڑ کر بانہوں میں بھینچ ڈالا۔

''شارق! ارے...... رے ظالم میری ہڈیاں توڑو گے کیا؟''

سارہ نے کسمساتے ہوئے سرگوشی کی اس کی آنکھوں میں پیار کے ساتھ ساتھ شرارت رقصاں تھی۔

''سارہ! تم نے مجھے چھیڑ کر خود اپنی شامت کو آواز دی ہے۔'' وہ اس کو اور زیادہ جکڑ کر بولے۔ پھر سارہ کی نگاہوں میں ناچتی شرارت دیکھ کر اس کے چہرے کی سختی کم ہوتی چلی گئی۔

تبھی موسیقی بھی تھم گئی۔ پرنسز سارہ نے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کیا اور کھڑی ہوگئی۔ پھر جھک کر شارق کا ہاتھ تھام کر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔

''شکریہ...... میں عورت کا سہارا لے کر جینا نہیں چاہتا۔'' انہوں نے سارہ کا ہاتھ جھٹک دیا اور کھڑے ہوگئے۔

''اونہہ......'' سارہ نے بڑے طنزیہ انداز سے کہا اور پھر مسکراتی ہوئی اسٹیج کی طرف بڑھ گئی اور پردوں کے پیچھے غائب ہوگئی۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ گرین شلوار کرتے میں ملبوس...... شارق کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ چہرے۔ میک اپ بھی غائب تھا۔ وہ اس سادگی میں زیادہ ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔

''اے رضا! تم اتنے دن کہاں غائب رہے؟'' وہ آگے جھک کر بڑی بے تکلفی سے بولی۔

''جہنم میں گیا تھا۔ یہ تم میری کیا لگتی ہو جو تمہیں سب کچھ بتا دیا کروں۔'' وہ اکھڑ کر بولے۔

''اور دیکھو وارن کر رہا ہوں تمہیں یہ جو آج تم نے میرے ساتھ بدتمیزی کی ہے نا۔ اگر آئندہ یہ حرکت دہرائی تو سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ انگلی اٹھا کر بولے۔

''اچھی بات ہے آئندہ تمہیں کرسی سے نہیں گراؤں گی بلکہ چھت پر لے جا کر وہیں سے نیچے دھکا دے دوں گ خیر دل کو ڈھارس دو حوصلہ رکھو کہ تم جہنم میں اکیلے نہیں جاؤ گے میں بھی تمہارے ہمراہ چلوں گی۔ تمہارے کرتوت گھناؤنے ہیں تو غیر لوگوں کے سامنے بدن تھرکا کر ثواب تو میں بھی نہیں کما رہی ہوں۔ تو جہنم میں بھی تمہاری پارٹنر ر

گی۔ سن رہے ہو۔ ویمن ہیٹر (Woman Hater) وہاں پر بھی تمہیں میں ہی بہلاؤں گی۔'' وہ مضحکہ اڑاتی ہوئی بولی۔ شارق سلگ اٹھا۔

''سارہ تم کسی دن میرے ہاتھوں جہنم رسید ہو جاؤ۔ اٹھو فوراً میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔'' اس نے بوتل مضبوطی سے پکڑ کر کہا۔ ''ورنہ اسی سے تمہارا سر پھاڑ دوں گا۔'' لیکن سارہ پر اس سنگین دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا وہ دھیمی مسکراہٹ اپنے ملیح چہرے پر سجائے مطمئن سی بیٹھی رہی۔

''چہ...... دیکھو شارق! تم میرے سامنے یہ فضول ایکٹنگ مت کیا کرو۔ میں کوئی ڈرتی ہوں تم سے؟ ویسے بھی میں تمہیں بچپن سے جانتی ہوں۔ پھر تمہاری تو رگ رگ سے واقف ہوں۔'' وہ ہنس دی۔

''اور مجھے بخوبی پتہ ہے کہ کس وقت تمہاری کون سی رگ پھڑک رہی ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں تم آج سے چند سال پہلے کیسے انسان تھے اور اب کیا سے کیا ہو گئے ہو؟ اور یہ جو تمہاری نئی بدمزاجی اور کاٹ کھانے والی عادت کم از کم مجھے تو خوفزدہ نہیں کر سکتی۔'' وہ لاپرواہی سے بولی۔

''اچھا...... اچھا...... اوہو...... تو تم میری رگ رگ سے واقف ہو۔'' وہ پیگ ہونٹوں سے لگا کر بولا۔

''اچھا...... تو یہ بتاؤ اس وقت میری کون سی رگ پھڑک رہی ہے؟'' وہ لوفرانہ انداز میں آنکھیں میچ کر بولا۔

''اونہہ...... بدمعاش لفنگے کہیں کے۔ آخر مرد ہو نا کیسے اپنی کمینگی اور گھٹیا پن سے باز رہ سکتے ہو؟'' وہ سرخ ہو گئی۔

''اللہ تم نے اتنا بلش آن (Blush on) کیوں لگایا ہوا ہے سرخ ہوئی ہو؟'' وہ مسکرا کر بولا۔

''بلش آن...... ارے نہیں میں تو ابھی رگڑ رگڑ کر منہ دھو کر آ رہی ہوں۔'' وہ رخسار کو چھو کر حیرانی سے بولی۔

''اوہو...... تو یہ حیا کی سرخی پھیلی تھی تمہارے رخساروں پر...... کمال ہے یعنی کہ تم اب بھی شرما لجا سکتی ہو۔'' وہ طنز سے بولے۔

''واہ...... سخت تعجب ہے کہ وہ عورت جس کا کام ہی مردوں کے بازوؤں میں لہرانا اور اپنے سیکسی جسم کی نمائش کرنا ہے۔ وہ عورت میرے ایک دلگیر سے ڈائیلاگ پر شرم سے سرخ ہو جائے گی؟'' وہ آنکھیں پھاڑ کر بولے۔

''سچ شارق رضا! دل بے ساختہ چاہ رہا ہے تمہاری اس بکواس پر تمہیں ایک زوردار طمانچہ رسید کروں۔'' اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ساتھ ہی مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تمہیں یہ احساس تو ہوا کہ تم نے ایک دلگیر اور انتہائی گھٹیا بات کی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ابھی تمہارا ضمیر مردہ نہیں ہوا ہے۔ تھوڑی بہت گمشدہ شرافت باقی ہے۔ اور اس میں ذرا سی زندگی کی رمق باقی ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اب تمہاری ہر بات ہی لوفرانہ اور انداز ہی دلگیر ہو گیا ہے۔ ہاں اب رہ گئی میرے پیشے کی بات تو شارق رضا صاحب! میں ایک عورت پہلے ہوں۔ پھر ڈانسر، سوسائٹی گرل سی تم ان میں سے جو نام چاہو مجھے دے سکتے ہو۔ کہہ سکتے ہو کم ظرف، ظالم بزدل آدمی۔'' وہ نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر طنز سے بولی۔

''تم ہم عورتوں کی مجبوری جانے بغیر ہمیں گندے خطاب دے دیتے ہو۔''

''کیا بزدل! تم نے مجھے بزدل کہا ہے۔'' شارق کی مردانگی پر چوٹ پڑی تو وہ گرجا۔ ناک کے نتھنے پھولنے پھیلنے لگے۔

''ہاں...... ہاں...... اگر تم پہلے ٹھیک طرح سے نہیں سن سکے تھے تو میں اپنے خیالات الفاظ سب دوبارہ دہرا سکتی ہوں۔ شارق رضا! تم سخت بزدل، کم ہمت زود رنج بے غیرت انسان ہو۔'' وہ بڑے مصمم لہجے میں کہنے لگی۔

''بلکہ تمہارا یہ لحیم شحیم سراپا بھی بس دھوکہ وہی ہے۔ ریت کی کمزور دیوار ہو تم...... ڈرپوک۔'' اس نے اپنے کمر تک لہراتے گھنے بالوں کو جھٹک کر چہرے کو ڈھانپتی ہوئی سیاہ لٹوں سے ہٹایا۔ پھر مطمئن انداز سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ پھر شارق کے قہر زدہ سخت ہوتے ہوئے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ بے ساختہ ہنس دی۔

''واللہ ایمان سے شارق تمہارے چہرے پر تو زلزلے طوفانوں کے آثار ہویدا ہیں لگتا ہے ابھی پھٹ پڑو گے۔''

''پتا ہے میں تمہارا اس قدر لحاظ کیوں کرتا ہوں؟'' وہ دانت کچکچاتے ہوئے کہنے لگا تو سارہ نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا جانے وہ کیا انکشاف کرنے لگا تھا۔

''میں تمہارا لحاظ اس لیے کرتا ہوں کہ ہم بچپن کے ساتھی ہیں پھر سکول اور یونیورسٹی تک اکٹھے رہے ہیں۔'' وہ گھور کر بولا۔

''او...... تو پھر کیا ہوا؟ پھر بھی پہلے میں ایک عورت ہوں پھر تمہاری سکول اور کالج فیلو۔'' وہ اسے چڑانے لگی۔

''ویسے یاد ہے میں تم سے تین سال جونیئر تھی۔ اور برائے کرم شارق تم مجھے سارہ کہہ کر پکارو صباحت کا نام زبان پر مت لایا کرو۔'' اس نے ٹوکا۔

''صباحت! میں اب بھی یہ تمام بکواس اس لیے برداشت کر رہا ہوں کیونکہ میرے دل میں ان اچھے وقتوں کی بہت قدر ہے۔ جب ہمارے خاندانوں میں گہرے مراسم تھے ایک ہی گھر جیسا سلسلہ تھا۔ بڑوں کی بے پناہ دوستی تھی اور اب بھی ہے۔'' شارق نے لاپرواہی سے کہا۔ مگر سارہ پر اس کی دھمکیوں کا کوئی اثر نہ تھا وہ اسے بری طرح چڑھا رہی تھی۔

''شارق! ہمارے خاندانوں کی دوستی ہے نہیں...... بلکہ ماضی میں تھی۔ بلکہ صباحت علی تھی۔ جیسے کہ تم کہتے ہو جتاتے ہو۔ واقعی میں ایک شریف گھرانے کی عزت تھی اور شارق اب...... اب جب میرے والدین ہی مجھے اپنی اولاد نہیں مانتے تو تم بھی لحاظ مت کیا کرو نا میرا۔'' وہ دلگرفتہ ہو کر اس کے سامنے سے گلاس اٹھا کر اس میں ارغوانی رنگ کے مشروب کو کچھ سوچتے ہوئے تکنے لگی۔ دل میں دکھ کی لہریں ڈوبنے ابھرنے لگی تھیں۔

''صباحت! آج تم بھی پیو گی کیا؟'' وہ اسے گلاس اٹھاتے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''نہیں...... میں پیتی نہیں ہوں۔ یہ بس تم ہی پی پی کر اپنے پھیپھڑے چھلنی کرو۔ ویسے بھی خدا کا شکر ہے کہ میں تمہاری طرح بزدل نہیں ہوں کہ شراب میں پناہ ڈھونڈوں۔'' وہ منہ دور کر کے بری سی شکل بنا کر بولی۔

''یہ آج تم بار بار مجھے بزدل کیوں کہہ رہی ہو۔ دیکھو صبا میں لحاظ کر رہا ہوں۔'' شارق چڑ گیا۔

سارہ بے ساختہ ہنس دی۔ ''ویسے شارق تم بھی ایک لفظ کی تکرار بار بار کیوں کر رہے ہو؟ لحاظ کر رہا ہوں۔ لحاظ کر رہا ہوں۔ اور ویسے اب تم یہی کہو گے کہ تم میرا لحاظ اس لیے بھی کر رہے ہو کہ میں تمہارے دوست پرویز احمد کی محبوبہ بھی تھی۔''

''ہاں تم ٹھیک سمجھی ہو اب میں یہی کہنے والا تھا۔ اور اب تم مجھے بزدل مت کہنا کبھی۔ ورنہ بہت پچھتاؤ گی۔'' شارق کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ابھرنے لگے تھے تو سارہ سنجیدہ ہو گئی۔

''ہاں......تو شارق تم ہی بتاؤ اگر یہ بزدلی نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک کم ظرف بدکار عورت نے تمہیں ٹھکرا دیا۔ تو بجائے اس کے کہ تم اس بات کو کوئی اہمیت ہی نہ دیتے۔ اگر اس نے تمہیں چھوڑ کر گھر بسا ہی لیا تھا تو تم بھی اس پر لعنت بھیج کر کسی اچھی سی لڑکی سے شادی رچا لیتے۔ یہ سلسلہ ٹوٹنے پھوٹنے کا تو چلتا ہی رہتا ہے۔ ڈیئر شارق! لیکن تم......تم نے تو اس گھٹیا واقعے کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ انا غیرت کا سوال بنا لیا ہے اور وہ بھی اتنے بے ڈھنگے طریقے سے کہ خود کو دن رات شراب میں ڈبو دیا۔ عیاشی اور بدکاری کا ریکارڈ توڑ دیا۔ بدتمیز اس قدر ہو گئے ہو کہ بے گناہ عورتوں کو بھی کھانے نوچنے دوڑتے ہو۔ غیرت کے درپے رہتے ہو ان کے۔

لو بھلا تمہاری ایکس منکوحہ نازیہ کو بھلا کیا فرق پڑا؟ اور تم......تمہارے بارے میں مشہور یہ کروا دیا گیا ہے کہ......تم عورت ذات سے نفرت کرتے ہو ان کو دیکھ کر تمہاری آنکھوں میں اتر آتا ہے۔ مرنے پر اتر آتے ہو۔'' وہ سانس لینے کے لیے پل کو رکی پھر افسردگی سے سر جھکا۔

''پلیز......میری سنو شارق! مائی ڈیئر بیسٹ فرینڈ! حقیقت تو یہ ہے کہ تم خود کو دھوکہ دے رہے ہو۔ مسلسل دھوکہ......شرابی، زانی کا لبادہ اتار پھینکو۔ خدارا خود کو سمیٹو دماغ کو آلودگیوں انتقامی جذبوں سے پاک کرو اور کسی اچھی سی لڑکی سے جھٹ بیاہ رچا لو'' سارہ نے نرمی سے اس کا تپتا ہوا ہاتھ تھامتے ہوئے سمجھایا۔

''سارہ! نہیں......میں شادی نہیں کر سکتا۔'' وہ سمجھانے کے باوجود غرا اٹھا۔

''سارہ! اب میں کسی عورت کا مستقل ساتھ برداشت نہیں کر سکتا۔ نفرتیں، بدگمانیاں میری جڑوں میں سرایت کر چکی ہیں۔ مجھے اس بے وفا مخلوق سے وحشت ہونے لگتی ہے اب میں ان سے دل کی گہرائیوں سے نفرت کرتا ہوں۔''

وہ سارہ کا کومل سا ہاتھ بے دردی سے جھٹک کر چیخے۔ آواز خاصی بلند تھی لوگوں نے چونک کر انہیں دیکھا۔ لیکن سارہ نے اس طرح کاندھے جھٹکے جیسے اسے ان کھوجتی نگاہوں اور رشک سے تکتے لوگوں کی ذرا بھر پرواہ نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ شارق سے کچھ کہتی۔ ایک سمارٹ سی لڑکی قریب چلی آئی۔

''او ہیلو پرنسز سارہ؟'' وہ نہایت گرمجوشی سے ہاتھ بڑھا کر بولی۔

''ہیلو ٹینا! کہو کیسی ہو بھئی بہت دنوں کے بعد نظر آئی ہو۔ کہاں رہ گئی تھیں۔'' سارہ نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''سویٹی! میں ڈیڈی کے ساتھ امریکہ گئی ہوئی تھی۔'' وہ شارق کو بہت غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''کم......آؤ بیٹھو نا؟'' سارہ نے دعوت دی۔ کیونکہ صاف لگ رہا تھا کہ ٹینا ان کے پاس ہی بیٹھنا چاہ رہی تھی۔

''نہیں......دیکھو سارہ! اگر تم اپنی مہمان کو بٹھانا چاہتی ہو تو برائے مہربانی کسی دوسری ٹیبل پر چلی جاؤ۔ میں نہیں چاہتا دو عورتیں میرے دائیں بائیں بیٹھ کر میرا مغز کھا جائیں۔'' شارق نے ایک مرتبہ بھی سر اونچا کر کے انہیں نہیں دیکھا تھا۔ اب بھی وہ سر جھکائے جھکائے حکم صادر کرتا ہوا بولا۔

''اف......دِس از ویری روڈ......میرے خدا! یہ کون صاحب ہیں؟'' حیران اور کچھ خجل سی ٹینا نے سارہ سے استفسار کیا۔

شارق نے پہلی بار ٹینا کی طرف نظر بھر کر دیکھا۔ پھر نظریں پھسلتی ہوئی اس کے کسے ہوئے جسم پر لیے میکسی پر رینگنے لگیں وہ بتدریج خاصے لوفرانہ طریق سے جائزہ لے رہا تھا۔ ''ارے یہ تو وہی لڑکی ہے جو ہوٹل کی سیڑھیوں کے پاس

اپنے بوائے فرینڈ سے فرمائش کر رہی تھی۔"

"ہوں۔" خاصا جاذب نظر چہرہ تھا۔ جس پر بڑی مہارت سے میک اپ کیا گیا تھا خاص طور پر آنکھوں پر جس طرح سے اس نے تین شوخ رنگوں سے آئی شیڈ واستعمال کیے تھے۔ آنکھیں بہت متاثر کن لگ رہی تھیں۔ تھیں بھی بڑی بڑی سی۔

"یار ٹینا! یہ میرے دوست مسٹر شارق رضا ہیں۔ بہت بڑے بزنس مین ہیں۔ ساتھ میں سخت قسم کے منہ پھٹ انسان ہیں اور فارغ اوقات میں ان کا دلپسند مشغلہ عورتوں سے سخت نفرت کرنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ خاصے کٹر ویمن ہیٹر ہیں (Woman hater)۔" سارہ نے تمسخرانہ انداز سے ہنس کر تعارف کروایا۔

"واٹ...... ویمن ہیٹر؟" وہ حیران ہو کر بولی۔

"تو پھر تم سارہ! کیسے ان کے پاس بیٹھی ہو۔ بلکہ میں نے تو اکثر تمہیں ان کے ساتھ ہی دیکھا ہے یہاں ہوٹل میں بھی اور چند بار باہر بھی۔ کہتے ہوئے عجیب تو لگتا ہے تو کیوں کیا مسٹر شارق تمہیں عورت نہیں سمجھتے ہیں۔" ٹینا ہنس کر وہیں کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بھئی میرے ساتھ ذرا خاص رعایت ہے یہ میرا شمار عورتوں میں تو کرتے ہیں لیکن ان کی کالج فیلو ہونے کے ناطے۔ تبھی میں ان کے قہر سے بچ جاتی ہوں۔" دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیں تو شارق نے انہیں گھورا۔

"ہاں...... تو شارق یہ شہر کے مشہور صنعت کار سیٹھ یوسف رحیم کی اکلوتی بیٹی ٹینا رحیم ہیں۔" سارہ نے ادھورا تعارف پورا کرنا چاہا۔

"تو پھر کیا کروں؟ اونہوں...... مجھے کوئی دلچسپی نہیں یہ جس کی بیٹی بھی ہوں۔" وہ جھنجھلا کر اٹھ گیا۔

"اف...... فو...... شارق! اچھا تو تم جا کہاں رہے ہو؟ بیٹھو تو۔" سارہ نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں بیٹھ کر بور ہو رہا ہوں میں چلا۔ نئی کلی کی خوشبو سونگھنے کسی خوش رنگ پھول کو مسلنے۔" وہ مخمور آنکھوں سے اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"اُف...... بے غیرت، لچا کہیں کا، جاؤ مر و جا کر۔" سارہ نے جھنجھلا کر اسے دھکا دیا تو وہ زور سے ہنس دیا اور باہر جاتے جاتے رک گیا۔

"ارے ہاں مس ٹینا رحیم! اگر آپ کے ساتھی نے آپ کو وہ قیمتی ہار نہیں لے کر دیا ہے تو آپ میرے ساتھ رات گزار یئے قسم سے صبح ہوتے ہی میں آپ کو خرید دوں گا۔" اس نے سنجیدگی سے آفر دی۔

"واٹ این ایروگنیٹ مین! او شیٹ اپ۔" ٹینا نے شرمندہ ہو کر غصے سے کہا لیکن وہ پرسکون کھڑا رہا۔

"مس ٹینا! یہ دوسری بار تم نے مجھے شیٹ اپ کہا ہے۔ ایک بار اپنے بوائے فرینڈ کے سامنے۔ دوسری بار سارہ کے سامنے مگر اب تیسری بار کہا نا تو میں تمہیں ہرگز نہیں بخشوں گا۔" وہ اس کی جانب جھک کر بولا۔

"انجام اچھا نہیں ہوگا مس! ہوم آئی ہو سو۔" وہ کمینگی سے ہنسا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے انسان بنو شارق!" سارہ نے سختی سے اسے ڈپٹا۔ تو شارق اس کے چہرے پر سختی دیکھ کر ہنس دیا۔

''سارہ! اوہو...... بہت غصہ آ رہا ہے تمہیں۔ سوشی از یور فرینڈ؟ (So She is your Friend)۔ اچھا چلو تمہاری وجہ سے ٹینا کو معاف کیا۔'' وہ لڑکھڑاتا ہوا باہر چل دیا۔ پھر رک کر انہیں ہاتھ ہلایا۔ ''بائے بائے۔''

''سور کہیں کا؟ برا مت منانا ٹینا! پہلے تو ایسا موزی جلاد نہیں تھا شارق! اب ہی اسے کچھ زیادہ خناس ہو گیا ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''سارہ یار! بڑی تلخ اور حوصلہ شکن باتیں کرتا یہ ہے تمہارا دوست لیکن کمبخت کی خوبصورتی اور سجیلا پن دیکھ کر دل کو کوئی بات بری نہیں لگتی۔ بلکہ اس کی باتیں سن کر مزا آ رہا تھا۔'' ٹینا اسے کاؤنٹر پر کھڑا دیکھ کر بولی۔

''توبہ......تو بہ کبھی کسی نے مجھ سے یوں مخاطب ہونے کی جرأت نہیں کی تھی۔''

سارہ نے اس کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی۔ ''ہاں......تو وہ تمہارے نئے بوائے فرینڈ جمی کا کیا حال ہے؟'' سارہ نے کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

جمی یار! وہ ایڈیٹ تو اب بہت بور کرنے لگا ہے مجھے بری طرح سے میرے عشق میں مبتلا ہے یہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ شادی کر لو۔ مجھ سے شادی کر لو۔ وہ تو گویا کسی خبط میں مبتلا ہو گیا ہے۔'' وہ بھی نخوت سے بولی۔

''مگر سارہ! شادی اور وہ بھی جمی سے بھلا؟ آخ تھو......'' وہ حقارت سے منہ بنا کر کہنے لگی۔

''جمی بوائے فرینڈ تو اچھا ہو سکتا ہے لیکن شوہر نہیں۔'' لہجہ خاصا ٹھوس تھا۔ سارہ کا دل چاہا پوچھے تو سہی۔ تو اس جمی کو پیچھے کیوں لگایا ہوا ہے۔ اگر ایڈیٹ سمجھتی ہے تو۔

''ویسے سارہ یہ تمہارے جو دوست ہیں کیا نام ہے ان کا ہاں......شارق رضا صاحب! کیا ان کی شادی ہو چکی ہے۔'' ٹینا اشتیاق سے لبریز انداز میں پوچھنے لگی۔ سارہ کو اس کی یہ دلچسپی اچھی نہ لگی تھی مگر ظاہر نہ کیا۔

''نام واقعی شارق رضا ہے۔ اور دنیا کی کوئی بھی عورت فی الحال تو انہیں شادی کے بندھنوں میں نہیں جکڑ سکتی۔ اس لیے دماغ صاف رکھو۔'' مگر ٹینا تو گویا کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ ''شارق...... شارق'' ٹینا کچھ سوچتے ہوئے بڑبڑائی۔

''یہ نام تو بے حد سنا ہوا لگ رہا ہے؟ مگر کس سلسلے میں؟ اولیں......اف ہو خوب یاد آیا۔ یہ مل اونر ہے نا۔ اسٹیل ملز ہیں اس کی؟'' ٹینا نے انگلی اٹھائی اور سارہ سے تصدیق چاہی۔

''سارہ یار! مجھے ڈیڈی کی سیکرٹری زوبی جو پہلے شارق کے پاس کام ملازمت کرتی تھی۔ ان کے متعلق مجھے اس قدر تھرلنگ (Thrilling) رومانٹک چٹ پٹے قصے سنائے ہیں۔'' وہ ہنسی۔

''پرنسز سارہ! وہ زوبی تو آج بھی مرتی ہے ان پر۔ اب تک حسرت آمیز انداز سے کہتی ہے کہ ہائے شارق رضا جیسا بھرپور اور خوبصورت مرد کہیں نہیں دیکھا۔ کہیں ایسا طرحدار انسان دنیا میں ہوگا بھی نہیں۔ اور میرے ایک کزن ہیں فرید ہاشمی! انہوں نے بھی شارق کی ایک سیکرٹری سلویا سے شادی کی ہے۔ اللہ......یم......یم......اس سلویا کی باتیں سن کر تو وجود ہی کپکپا اٹھتا ہے۔ وہ بھی ان کی رنگین داستانیں ہونٹ دبا دبا کر سناتی ہے۔'' ٹینا نے نہایت جوشیلے انداز میں کہا۔ سارہ نے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھا۔

''یہ سچ ہے۔ شارق اکثر سیکرٹریز بدلتے رہتے ہیں۔'' سارہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مگر اپنا مفاد حاصل کرنے کے

بعد نکال باہر بھی کرتے ہیں۔''
سارہ چاہتی تھی کہ کسی طرح ٹینا اس کا پیچھا چھوڑ دے۔ وہ جانتی تھی کہ شارق کی طرح ٹینا کو بھی بوائے فرینڈز بدلنے کی عادت ہے۔ ہر خوبصورت چہرہ اس کی کمزوری بن جاتا تھا اور وہ ہاتھ دھو کر اس شخص کے پیچھے پڑ جاتی اور اسے دوست بنا کر دم لیتی تھی اور اب ٹینا کی نظر کرم کا مرکز شارق تھا۔ مگر کمبخت خود ہی اپنی شامت کو آواز دے رہی تھی تو مجھے کیا۔

''اچھا پرنسز ڈارلنگ! ہم پھر ملیں گے مجھے ابھی کہیں جانا ہے۔'' ٹینا شارق کو کاؤنٹر سے ہٹتے اور باہر جاتے دیکھ کر اپنا پرس سنبھالی پیچھے لپکی۔

''ہاں ٹینا ابھی تو تمہیں جہاں جانا ہے تو وہاں سے منہ کی کھانا ہے۔''
سارہ کوئی بچہ تو نہ تھی وہ تو ٹینا کو بھی اچھی طرح سے جانتی تھی۔ اس نے معنی خیز انداز سے اسے خدا حافظ کہا اور مسکرا دی۔

شارق اپنی دھن میں مگن کار میں آ بیٹھے اور ابھی اسٹیئرنگ تھاما ہی تھا کہ کسی نے شیشہ کھٹکایا۔ ''سنیے شارق! پلیز ذرا میری مدد تو کیجیے۔'' نسوانی آواز سن کر وہ چونک گئے۔ پھر اس لڑکی کو دیکھا تو مسکرا دیئے۔

''او ٹینا! کہو کیا پرابلم ہے؟'' وہ اس کے سراپے کو تکتے کار سے باہر نکلے۔

''یہ میری کار کا لاک نہیں کھل رہا ہے پلیز آپ ذرا دیکھیں تو؟'' اس نے چابیاں بڑھا کر کہا۔
شارق نے مسکراتے ہوئے چابیاں لے لیں اور خاموشی سے دروازہ کھولنے لگے۔ ٹینا ان کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔ اس کا جسم شارق سے ٹکرا رہا تھا۔ قیمتی پرفیوم کے بھبکے شارق کے دماغ تک کو مسحور کر رہے تھے۔ ٹینا اور آگے جھکی اس کا چہرہ قریب ہو گیا۔ شارق نے ایک بار رک کر اس کی آنکھوں میں دیر تک دیکھا۔
پھر شارق نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول لیا پھر یکا یک ٹینا کی طرف مڑے اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی اسے بازوؤں سے جھٹک کر آغوش میں کھینچا اور اس کے ہونٹ ہی تو چھوڑ ڈالے۔ وہ اچانک حملے کی شدت سے بے اختیار چلا اٹھی۔

''یاد رکھو ٹینا! کوئی مرد کسی عورت کو اس وقت تک چھو بھی نہیں سکتا جب تک اس کی اپنی رضا شامل نہ ہو۔'' شارق نے آہستہ آہستہ اسے اپنے وجود سے دور کیا اور اپنی کار کی طرف بڑھے۔
ٹینا اپنی کار سے لگی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں۔ شارق کار اسٹارٹ کر کے قریب لائے۔ ''ہاں یہ بھی یاد رکھو ٹینا! میں کسی عورت کا کوئی بھی کام بغیر معاوضہ لیے نہیں کرتا ہوں۔'' وہ ہونٹ سکیڑ کر بولے پھر تیزی سے کار نکال لے گئے۔

اور ٹینا وہ تو ہوش و حواس سے بیگانہ دیکھتی رہ گئی مگر دل میں شارق کو پانے کی آرزو نے پختگی اختیار کر لی۔
شارق نہایت تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے ہوئے گھر پہنچے اور پورچ میں کار روک کر اپنے گرد نظریں دوڑائیں۔ وسیع و عریض محل نما کوٹھی میں چہار سو سناٹوں ویرانیوں کا راج تھا۔ ایک سمت بنے ہوئے بہت سے سرونٹ کوارٹرز میں بھی خاموشی کا راج تھا۔

آخر کیسے سناٹے اور ویرانیوں کا راج نہ ہوتا اس بڑے گھر میں لوگ ہی کتنے رہتے تھے وہاں؟
ایک مرد شارق تھا اور دو عورتیں ایک تو ان کی ماں اور دوسری صائمہ یہی چند لوگ تو تھے وہاں۔ مگر پھر ملازموں کا جم غفیر تھا۔ خانساماں کا خاندان، بیرے، پھر مالی اور چوکیدار کا کنبہ۔ ان کے کوارٹروں کی طرف تو شور شرابہ رہتا تھا۔ شارق نے گھڑی دیکھی یہ سب اتنی جلدی سو گئے تھے آج۔
''اوہو ابھی تو صرف رات کے سوا بارہ بجے ہیں۔'' اس نے گھڑی دیکھی۔
ظاہر ہے باقی لوگ تو اس وقت تک آدھی نیند پوری کر چکے ہوں گے لیکن نیند اور سکون شارق کے نصیبوں میں کہاں تھا۔ اس کا دن تو اب شروع ہوگا۔ رات کے بارہ ایک بجے کے بعد۔ شارق نے ٹھنڈا سانس لے کر کار واپس موڑ لی۔ اب بھی وہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔
تھوڑی دیر کے بعد ان کی کار ایک خوبصورت بنگلے میں رک گئی جہاں کمپاؤنڈ میں اندھیرا چھایا تھا۔ لیکن وہ دروازے کی طرف اس طرح سے بڑھے جیسے اس گھر کے چپے چپے سے واقف ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مسلسل گھنٹی بجا رہے تھے دروازہ بھی پیٹ رہے تھے۔
''ابے ٹھہر جا...... کیا ہاتھ جم گیا ہے گھنٹی پر؟'' اندر سے جھنجھلائی ہوئی کسی مرد کی آواز آئی۔ وہ دروازہ کھولنے آرہا تھا۔
''ہاں...... ہاں ابے سالے بس کر کیا ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے یا موت پیچھا کر رہی ہے۔ بند کر گھنٹی بجانا۔ پورے محلے کو جگائے گا کیا۔'' کسی نے دروازہ ایک جھٹکے سے کھول دیا تھا۔ لمبے سے کرتے اور شلوار میں ملبوس ایک لمبا چوڑا سا کرخت شکل آدمی سامنے آگیا۔
''کیوں سالے کیا انسانوں کی طرح گھنٹی بجانی کسی نے نہیں سکھائی تمہیں؟'' وہ آنکھیں ملتا ہوا بولا۔
''ہاں...... نہیں سکھائی کسی نے گھنٹی بجانی۔ بائی کہاں ہے۔'' شارق کوٹ بازو پر ڈالے اندر آگیا۔
''بائی...... تمہیں غلطی لگی ہوگی یہاں کوئی بائی شائی نہیں رہتی۔ یہ بیگم اسلم کا مکان ہے۔ چلو کھسک چلو شرافت سے۔'' وہ غنڈہ شارق کا راستہ روک کر بولا۔
''اوئے تم ہوش میں ہو یا نہیں؟'' شارق کی پیشانی پر بل پڑ گئے انہوں نے ہاتھ سے آدمی کو پیچھے دھکیلا۔
''ہاں میں تو ہوش میں ہوں البتہ تم مجھے نشے میں لگتے ہو۔'' شارق کا بازو جکڑ کر بولا تو شارق کا دماغ بھک سے اڑ ہی گیا۔ اس نے بپھر کر اس آدمی کے منہ پر کھلے ہاتھ کا طمانچہ کس کر مارا۔
''چٹاخ'' زور سے آواز آئی اور وہ بندہ چکراتا ہوا دور جا گرا۔ ''حرامزادہ اتنی دیر سے بکواس کیے جا رہا ہے۔''
''ارے شارق صاحب آپ؟'' سیڑھیاں پھلانگتی ایک قبول صورت لڑکی شب خوابی کے لباس میں ملبوس نیچے آگئی اوپر ریلنگ سے جھک کر تین چار لڑکیاں نیچے جھانکنے لگیں۔ وہ سب شارق کو بخوبی پہچانتی تھیں۔
''ہائے توبہ...... معاف کیجیے گا شارق صاحب! یہ ہمارا نیا ملازم ہے شیر خان یہ آپ کو پہچانتا نہیں ہے۔'' وہ اس کا بازو تھام کر بولی۔
''کیا ہوا مسرت شور کیسا ہے؟'' ایک ادھیڑ عمر کی عورت اندر آکر بولی تو شارق مڑے اور غصے سے بولے۔

''کیوں؟ چھمو بائی تم نے اپنے ملازموں کو کوئی تمیز نہیں سکھائی یہ تمہارا شیر خان آج تو میرے ہاتھ سے بچ گیا ہے آئندہ بدتمیزی کی تو شوٹ کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔'' وہ غصے سے بولے۔

شیر خان منہ پر ہاتھ رکھے زمین سے اٹھا اور شارق کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مسرت نے شارق کی نظر بچا کر اسے وہاں سے کھسکنے کا اشارہ کیا تھا تو وہ بڑبڑاتا ہوا تیزی سے باہر نکل گیا۔

''معاف کیجیے گا حضور! نیا آدمی ہے تبھی آپ جیسے مستقل گاہک کو پہچان نہیں پایا۔ ورنہ کس کی مجال ہے جو آپ کو روک ٹوک سکے۔'' وہ عاجزی سے بولی۔

''حضور آپ کو تو پتہ ہے کہ یہ شریفوں کا محلہ ہے یہاں سب لوگ مجھے چودھری اسلم ٹھیکیدار کی مظلوم بیوہ سمجھتے ہیں۔ جو اپنی چار جوان بیٹیوں کے ساتھ شرافت کی زندگی گزار رہی ہے۔ کاروبار کرتے ہوئے بہت احتیاط برتنی پڑتی ہے۔'' چھمو بائی اسے بازو سے تھامے اوپر رہائشی کمرے میں لے آئی۔

مسرت ان کا کوٹ تھامے ساتھ ساتھ تھی پھر وہ بیڈروم میں چلے آئے تو مسرت بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔

''حضور رات بہت ڈھل گئی ہے اب آپ آرام کیجیے۔'' وہ دروازے پر رک گئی تھی۔

''سنو...... چھمو بائی! تم ہمیں ٹھیک چھ بجے جگا دینا۔'' وہ اسے نوٹوں کا بنڈل پکڑا کر بولے تو وہ خوش ہو کر سر ہلاتی چلی گئی۔ اور مسرت کوٹ صوفے پر پھینک کر ان کے قریب چلی آئی۔

''لو اتنے نوٹوں کے لیے تو صبح چھ بجے تو کیا جگانا قیامت کے دن تک بھی جگا سکتی ہوں۔'' نائکہ تھی، دھندا کرنے کروانے والی جسم فروش۔ جو نوٹوں کے لیے بیٹیوں کو بھی چوراہے پر نیلام کروا سکتی تھی۔ وہ نئے نئے کھنکتے نوٹوں کو ناک سے لگا کر اس کی خوشبو گویا روح میں اتار رہی تھی۔ پنکھے کی طرح ہوا لے رہی تھی کمبخت۔

○●○

''مس زیب رحمٰن! شارق صاحب کا فون آیا تھا وہ آج دو تین گھنٹے کے بعد آفس آئیں گے۔'' جاوید، زیب کے چھوٹے سے لیکن خوبصورتی سے ڈیکوریٹ ہوئے آفس میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا اور یہ حوصلہ شکن اطلاع دی وہ ابھی تک اپنے باس سے نہیں مل پائی تھی۔

''مس رحمان! ایک ہفتہ تو ہمارے مشترکہ باس صاحب اپنی والدہ کی علالت کی وجہ سے آفس نہیں آ سکے تھے اور اب آپ کی جان بچی رہی بس آج سے آپ کا یوم حساب شروع۔'' جاوید نے وارننگ دی۔

''پلیز...... جاوید صاحب! یہ تو بتائیے شارق صاحب کیسے آدمی ہیں۔ آپ لوگوں نے تو مجھے ان کی سختی کے قصے سنا کر خاصا خوفزدہ کر دیا ہے۔'' وہ متفکر ہو کر بولی۔

''نہیں...... نہیں...... مس رحمان! ڈرنے کی تو کوئی بات نہیں ہے باس ذرا مزاج کے کڑوے ضرور ہیں۔ ویسے وہ دل کے بہت اچھے ہیں۔ بالخصوص ہر خوبصورت اور پُرکشش لڑکی جھٹ ان کے دل میں سما جاتی ہے۔'' وہ معنی خیز انداز سے بولا۔

''جی...... کیا مطلب؟'' زیب نے گھبرا کر دیکھا۔

''بھئی...... گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے آپ تو اپنی حفاظت کرنا جانتی ہو ویسے زیب جی! آپ نے جوڑ دیا

کراٹے کہاں سے سیکھی تھی؟'' جاوید جھک کر دلچسپی سے پوچھنے لگا۔

''مگر جاوید صاحب مجھے تو جوڈو وڈو نہیں آتی ہے۔'' وہ پریشان ہو گئی۔

''جوڈو نہیں آتی ہے؟ تو پھر جوجسٹو یا کنگ فو کی ماہر ہوں گی آپ؟'' وہ کچھ اونچا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

''افو...... جاوید صاحب مجھے تو اس نام کی کوئی چیز نہیں آتی ہے۔'' لہجہ گھبرایا ہوا تھا۔

''ارے تو پھر آپ نے مجھے یہ کیسے کہہ دیا تھا کہ آپ اپنی حفاظت کرنا جانتی ہیں۔'' جاوید نے گھبرا کر پوچھا۔ مگر پھر زیب کی حالت ابتر ہوئی دیکھ کر سنبھلنے لگا۔

''سنیے...... میں شہزاد کو لے کر ذرا مل تک جا رہا ہوں۔ آپ جب تک کوئی رومانٹک سا ناول پڑھیے۔ کیونکہ باس تو ذرا دیر ہی سے آئیں گے اور کام آپ کے پاس ہے نہیں۔ ویسے آپ لڑکیوں کے مزے ہی مزے ہوتے ہیں سب سخت کام ہم بیچارے مظلوم مردوں کے حصے میں آ جاتا ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا باہر چلا گیا۔

زیب بھی شگفتگی سے دیکھنے لگی وہ جب سے آفس آنے لگی تھی جاوید اسے دلچسپ باتوں میں الجھائے رکھتا تھا۔ پہلے پہلے تو وہ خاصی محتاط رہی۔ پھر اسے ایک مخلص بے ضرر سا بندہ پا کر گھل مل گئی۔ وہ سارا دن اوٹ پٹانگ باتیں کر کے ہنساتا رہا۔ ویسے بھی زیب کو جو مل کی طرف سے خوبصورت سا گھر ملا تھا اس کے اور جاوید کے گھر کا لان ایک ہی تھا۔ جاوید آفس سے فارغ ہونے کے بعد ان کے گھر چلا آتا تھا۔ پھر چائے کے دور چلنے کے ساتھ ساتھ احمر کے ساتھ گپ شپ بھی رہتی تھی۔ بچوں کے ساتھ شرط لگا کر کیرم بورڈ Ludo، بیڈمنٹن کا مقابلہ ہوتا تھا۔ زیب اور بھابھی سعدیہ بھی جاوید کو ہاتھوں ہاتھ لیتیں کیونکہ اسی کی وجہ سے تو احمر کا دل لگا رہتا تھا۔

پھر زیب اور اس کی چھوٹی بہن سیما کے ساتھ مل کر اس نے گھر کی سیٹنگ میں مدد دی تھی مل کی طرف سے فرنیچر سے آراستہ گھر ملا تھا۔ جاوید خود ہی جا کر بچوں کو بھی سکول میں داخل کروا آیا تھا۔ زیب اس سے بہت بے تکلف ہو چکی تھی۔ خود جاوید کا انداز بھی شفقت و انس سے بھرپور تھا وہ اسے چھوٹی بہن ایک مخلص دوست سمجھتا تھا اسے گھر جیسا ماحول بھی میسر آ گیا تھا۔

تبھی زیب، جاوید کے مل جاتے ہی الماری کھول کر فائلیں ترتیب سے رکھتی رہی۔ کتنی دیر ہو گئی تھی وہ کام میں محو تھی کہ اچانک اسے محسوس ہوا جیسے کوئی کمرے میں آیا ہو۔ وہ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

پردہ ابھی تک ہل رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ کون ہو سکتا ہے آخر؟ کون اس سے مخاطب ہوئے بغیر واپس گیا ہو گا۔ کہ جاوید اور شہزاد تو ابھی کچھ دیر پہلے یہاں ہی سے مل گئے وہ تو اتنی جلدی واپس نہیں آ سکتے۔

باس بھی دیر سے آئیں گے۔ کہیں ایسا تو نہیں کوئی چور اندر گھس آیا ہو اور ضروری کاغذات چرا لے جائے۔ آخر کاروباری مخالفین بھی تو ہوتے ہیں۔

''مجھے دیکھنا تو چاہیے۔'' وہ باس کے آفس کی طرف بڑھی۔ کمرے سے واقعی کھٹ پٹ کی آوازیں سن کر وہ ٹھٹکی۔ جلدی سے کھڑکی کے ہٹے ہوئے پردوں میں سے اندر جھانکا۔

تو دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ایک لمبا سا آدمی باس کے میز کی دراز میں سے کچھ نکال کر اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ رہا تھا۔ پھر وہ سیدھا ہو کر کھڑکی کی طرف بڑھا۔ تو زیب گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ پھر خوفزدہ ہو کر اپنے آفس کی طرف

بھاگی کتنی ہی دیر وہ دل پر ہاتھ رکھے گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔
''کیا کروں میں؟ ہائے اب کیا کروں؟'' اسے پریشانی کے عالم میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔
''ممکن ہے شارق صاحب! کے دوست ہوں۔ مجھے پوچھنا تو چاہیے ان سے؟'' اس نے خود کو سمجھایا۔
پھر وہ دھڑکتا دل سنبھالے ان کے آفس کے دروازے تک پہنچی پھر پردہ ہٹا کر باس کے آفس میں داخل ہوگئی۔ وہ شخص ذرا سا جھک کر کھڑکی کے پردے ہٹا رہا تھا ڈوری کھینچتے ہی سب پردے ہٹ گئے اور سنہری چمکیلی دھوپ اندر آنے لگی کمرہ روشن ہوگیا۔
''آہم ہم......'' زیب نے دھیرے سے گلا صاف کیا تاکہ انہیں متوجہ کر سکے۔
''لیس سر کس سے ملنا چاہتے ہیں آپ؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پردہ تھاما پھر قدم اندر رکھ کر پوچھا۔
زیب کی آواز سنتے ہی وہ شخص تیزی سے پلٹا اس پر نظر پڑتے ہی سگار ہونٹوں میں لرز کر رہ گیا تھا۔ آنکھوں میں حیرانی چھاگئی۔ ارے یہ تو وہی لڑکی ہے جو چند دن پہلے میری کار سے ٹکرا کر زخمی ہوگئی تھی۔ یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟
ادھر زیب کا منہ بھی کھلے کا کھلا رہ گیا۔ بے ساختہ ہاتھ اپنی پیشانی کے زخم پر جا پہنچا جہاں ابھی بھی روئی رکھ کر پلاسٹر چپکا دیا گیا تھا۔ وہ اسے پہچان کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی بولنے کی تو سکت نہ تھی۔
''ہائیں......تم......تم...... یہاں...... یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ بندہ ڈپٹ کر بولا تھا پھر زیب کو گہری نظروں سے جانچا۔
زیب نے جواب دینے سے پہلے سوچا باس تو دیر سے آئیں گے پھر یہ بندہ کون ہوتا ہے مجھ سے کچھ پوچھنے والا۔ وہ سنبھل کر آگے بڑھی اور بڑی جرأت سے کہا۔
''میں یہاں جو کچھ بھی کروں۔ پہلے آپ بتائیں آپ یہاں آفس میں بغیر اجازت کے کیوں آگئے ہیں؟ اگر آپ باس کے دوست بھی ہیں تو آپ کو ان کی غیر موجودگی میں آفس سے باہر انتظار کرنا چاہیے تھا لاؤنج میں۔ ورنہ کم از کم ان کی سیکرٹری سے تو پوچھ لیا ہوتا۔'' وہ سوالوں کی بمباری کرنے لگی پھر دو قدم قریب ہو کر بولی۔
''ہاں......اور میں نے خود دیکھا ہے کہ آپ نے باس کے ذاتی دراز میں سے کوئی چیز نکال کر جیب میں چھپائی ہے۔'' اس نے الزام لگایا تو شارق کا چہرہ غصے سے تپ اٹھا۔
''ارے...... یہ کیا بکواس کر رہی ہو۔ چور تو مجھے تم لگتی ہو تم بتاؤ تمہیں آفس میں آنے کی کس نے اجازت دی ہے؟'' شارق نے جھنجھلا کر کہا۔
''کیوں جی مجھے ضرورت کیا ہے کسی سے اجازت لینے کی۔'' وہ نہایت رعب سے بولی اور شارق کو قہر آلود نظروں سے دیکھا۔
''دیکھو مسٹر! ابھی تک تو میں نرمی سے کام لے رہی تھی تو آپ شرافت سے وہ چیز جیب سے نکال کر میرے حوالے کر دیں۔ جو چرا کر لے جا رہے تھے باس کے دراز سے۔'' اس نے الزام دھر ہی دیا۔ پھر ہمت سے بولی۔
''جی...... مجھے جاوید نے بتایا تھا کہ پہلے بھی شارق صاحب کے ضروری کاغذات کسی نے چرا لیے تھے اور انہیں کروڑوں روپے کا نقصان ہوا تھا۔'' پھر زیب کے دماغ میں جیسے الہامی روشنی بکھر گئی۔

ویسے بھی وہ تو اسے کوئی اچھا انسان نہیں سمجھتی تھی۔ یہ بدتمیز اکھڑ مرد تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔

''ہائے میرا تو خیال ہے پہلے بھی تم نے ہی ہاتھ صاف کیے ہوں گے کاغذات پر؟'' زیب کو بالکل یقین ہو گیا تو وہ شیر ہو کر بولی۔

''اللہ...... تمہیں شرم نہیں آتی اتنی گھٹیا ذلیل حرکت کرتے ہوئے اور ڈھٹائی تو دیکھیے اوپر سے آنکھیں دکھا رہے ہیں چور کہیں کے۔''

''یہ کیا بکواس ہے ارے تم ہو کون بڑھتی ہی چلی جا رہی ہو؟'' وہ سرخ ہوتے قریب چلے آئے۔ دل چاہ رہا تھا اس لڑکی کو ایک دو دھپ لگاتے زور سے۔

ایک دم زیب کی نظر ان کے کوٹ کی جیب پر پڑی جس میں سے سرخ ڈائری باہر نکلی ہوئی تھی۔

''ہائے میں مر گئی۔'' زیب کی آنکھیں پھیل گئیں اور چہرہ فکر سے زرد پڑ گیا۔

''آج صبح ہی تو جاوید اسے یہی ڈائری دکھا کر بتا رہا تھا کہ اس میں بہت ضروری کاروباری راز درج ہیں۔ خدانخواستہ یہ ڈائری اگر کھو گئی تو سمجھو ہمارے شارق صاحب کا کباڑا ہو جائے گا۔ دیوالیہ ہو جائیں گے باس۔''

زیب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھپٹ کر ڈائری کا نکلا ہوا حصہ کھینچا اور دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ آخر حق نمک ادا کرنا تھا۔

''ارے...... رے'' شارق پہلے تو اس کی حرکت سمجھ ہی نہ سکے پھر جھنجھلا کر غصے سے دیوانے ہو کر بے تحاشہ زیب کے پیچھے بھاگے اور دروازے کے قریب ہی اسے جا لیا۔ اور سختی سے دونوں بازوؤں میں اس کے تڑپتے مچلتے جسم کو جکڑ لیا۔

''بے ایمان چور! چھوڑو مجھے نہیں دوں گی تمہیں یہ ڈائری۔'' وہ ڈائری سینے سے بھینچ کر زور لگا کر بولی تو وہ جھجک اٹھے۔ شارق نے بے قابو ہو کر اس کے بال مٹھیوں میں جکڑ کر بری طرح سے جھنجھوڑے اور اس کے سر کو پیچھے جھٹکا دیا۔ زیب کا چہرہ اونچا اٹھ گیا۔ شارق کا تمتمایا ہوا چہرہ قریب ہی تھا۔

وہ آنکھوں میں قہر لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''کمبخت پاگل لڑکی تم کہاں سے یہاں آ مری۔ کہیں تم کسی کمپنی کی جاسوس تو نہیں۔''

اگرچہ تکلیف کی شدت سے زیب کا رنگ اڑ گیا بڑی بڑی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ ''تم خود چور کہیں کے تم بے شک مجھے جان سے مار ڈالو۔ لیکن میرے جیتے جی تم یہ ڈائری نہیں لے سکو گے۔'' وہ سختی سے بولی۔

''ہاں دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں جان ہی سے مار ڈالوں۔ مگر تم مجھے پاگل لگتی ہو۔ ورنہ خوانخواہ مجھ سے کیوں الجھتیں۔ دے دو یہ ڈائری مجھے دے دو۔'' وہ اسے چھوڑ کر ڈائری کھینچنے لگے۔ مگر نہ جانے اس دبلی پتلی لڑکی میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی۔

''نہیں...... نہیں کبھی نہیں۔'' وہ ڈائری سینے سے بھینچے دوہری ہو گئی اور سر گھٹنوں میں دیئے فرش پر بیٹھ گی۔

''تو نہیں دو گی تم۔'' شارق اب بالکل ہی بے قابو ہو گئے۔ انہوں نے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا اور اسے کھڑا کر دیا بلکہ ایک طرح سے زیب کے تو پاؤں تلے سے زمین ہی نکل گئی تھی۔

''جاوید...... جاوید، شہزاد جلدی آئیں۔'' وہ اب بے بس و کمزور ہو کر انہیں زور زور سے پکارنے لگی مگر جب کوئی مدد کو نہ آیا تو پھر خود ہی اپنا دفاع کرنے لگی۔

''چھوڑو مجھے کمینے لفنگے اٹھائی گیرے۔'' وہ شارق کے ہاتھ پر زور سے دانت گاڑ کر چیخنے لگی۔ شارق کا درد سے برا حال ہو گیا۔ شارق اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ سے مسلنے لگے جو سرخ ہو گیا تھا بلکہ خون رس رہا تھا۔

''خاموش رہو۔'' شارق نے ڈائری چھین کر اسے زوردار دھکا دیا تو وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے کی طرف گرنے لگی تھی۔ کہ اندر آتے ہوئے ڈاکٹر راحیل کے سینے سے بری طرح سے ٹکرائی۔ راحیل کے پیچھے ہی جاوید کا پریشان چہرہ نظر آیا۔

''ڈاکٹر صاحب!'' وہ راحیل کو پہچان کر چیخی اور زیب کی جان میں جان آئی کہ اب مدد آن پہنچی تھی۔

''یہ...... یہ...... چور ہے۔ ڈاکٹر راحیل، جاوید، خدا کے لیے اس چور سے یہ سرخ ڈائری چھین لیجیے یہ کمینہ چرا کر لے جا رہا تھا۔ ڈاکٹر راحیل! یہ ایک اہم کتاب ہے اس کے گم ہونے سے شارق صاحب لٹ جائیں گے برباد ہو جائیں گے۔ اُف...... چھین لیجیے نا۔'' وہ انہیں خاموش دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ''ڈاکٹر راحیل! یہ آپ کے دوست ہیں نا تبھی آپ انہیں کچھ نہیں کہہ رہے ہیں۔''

''ہائے اللہ کرے اس موزی کمبخت جلاد کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اس نے مجھے مارا بھی ہے۔'' وہ بسورنے لگی۔

''اُلو کے پٹھے جاوید!'' شارق چیخے۔ ''کون ہے یہ پاگل لڑکی اور یہاں کیسے آئی ہے؟'' شارق رضا کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ غصے کے عالم میں یا تو اس لڑکی کا خاتمہ کر دیں یا اپنا سر دیوار میں دے ماریں۔ اور ان کا قہر دیکھ کر جاوید کی سٹی گم ہو گئی۔

''یہ...... شارق صاحب...... سر! یہ لڑکی۔'' جاوید تھوک نگل کر بولنے کی ناکام کوشش کرنے لگا مگر گویا حلق ہی خشک ہو گیا تھا۔ زیب کو جاوید کی گھبراہٹ پر ترس آ گیا وہ بہادری سے آگے بڑھ کر بولی۔

''ارے تمہیں میں بتاتی ہوں کہ میں کون ہوں۔ میں شارق رضا صاحب کی پرسنل سیکرٹری ہوں۔'' وہ فخر سے بولی۔

''چور کہیں کے کیوں کوئی اعتراض ہے تمہیں؟'' اس نے شارق کی آنکھوں میں جھانکا اور ہونٹ سکیڑ کر بولی۔

''کمبخت نے میری پیشانی کا زخم بھی دکھا دیا ہے۔''

''ہائیں...... تم...... تم ہو۔ پرسنل سیکرٹری شارق رضا کی۔'' شارق بوکھلا کر دھاڑے۔

''پرسنل سیکرٹری! اور یہ لڑکی۔''

''ہاں...... میں ہی ہوں۔ اور مر کیوں رہے ہو تم؟'' وہ بھی اسی لہجے میں چیخی۔ جاوید اور ڈاکٹر راحیل کو دیکھ کر اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔

''چپ کرو خاموش رہو۔'' جاوید نے زیب کی غلط فہمی پر بوکھلا کر اپنا سر پیٹ ڈالا اور اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا کاندھا تھام لیا۔

''خدارا چ...... زا...... زا...... زیب...... یہی...... یہ ہی...... ہمارے...... با...... بب...... بب...... باس ہیں۔'' وہ ہکلا کر بولا۔

''ہمارے باس ہیں؟'' وہ اتنی ایکسائٹمنٹ میں صحیح سوچ ہی نہیں سکی تھی دماغ ہی ماؤف تھا۔
''اچھا تو پھر کیا ہوا باس ہی ہیں نا کوئی مسٹر شارق تو نہیں نا؟'' اس نے جھپٹ کر ڈائری دوبارہ چھین لی تھی۔ عجیب ٹینس کا میچ ہو رہا تھا۔ ڈائری کبھی یہاں جاتی تو کبھی شارق سے زیب کے پاس۔ زیب جھٹ راحیل کے پیچھے چھپ گئی۔ جو بے ساختہ ہنس رہا تھا اور بے تاب ہو ہو کر اپنی پیشانی پر ہاتھ مار رہا تھا۔
''ارے مس رحمان یہی تو ہیں شارق رضا!'' راحیل نے ہنستے ہوئے کہا اور اس کی سمت گھوم کر انکشاف کیا۔
''ج ج...... جی...... کیا؟'' زیب جیسے ہوش میں آ گئی اور آنکھیں ضرورت سے زیادہ کھولے گھورنے لگی تھی ڈاکٹر پھر شارق کو۔
''ہائے میں مر گئی ڈاکٹر راحیل! یہ...... یہ ہی باس ہیں۔ یعنی شا...... شارق صاحب؟'' اس کے ہاتھ پاؤں کپکپائے۔ جسم کمزور پڑ گیا۔ اور وہ ڈائری جس کے لیے سب جھگڑا ہوا تھا وہ چھوٹ کر دور جا گری۔
''ہائے...... پھر تو میرا بیڑا ہی غرق ہو گیا ہے۔'' وہ سر تھام کر کرسی پر گر گئی اور آنکھیں موند لیں۔
''تم...... تم الو کے پٹھے جاوید! یہ سیکرٹری رکھی ہے تم نے میرے لیے...... یہ...... یہ......؟'' شارق نے انگلی سے نڈھال زیب کی طرف اشارہ کیا۔
''یہاں...... یہ کیا ملازمت کریں گی جسے مالک سے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں بیہودہ جاہل گنوار، اجڈ کہیں کی۔ ارے میرا دل تو چاہتا ہے ابھی کان سے پکڑ کر اسے باہر پھینک دوں۔'' وہ گرج رہے تھے۔ ان کی زبان انگارے اگل رہی تھی۔
زیب دل تھامے بے دم پڑی تھی اسے کتنی مشکل سے ملازمت ملی تھی سر چھپانے کا ٹھکانہ ملا تھا اور اب...... اب تو ظاہر ہے چھٹی ہو جائے گی۔ پھر وہ فاقے اور دھکے ہوں گے۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں اور دل امنڈنے لگا۔
''جناب شارق صاحب! بتائیں میرا کیا قصور ہے کوئی بھی لڑکی اب نوکری نہیں کرنا چاہتی تھی سب واپس چلی گئی تھیں۔ مراعات چھن جانے کا سن کر۔ بس صرف یہی محترمہ ڈٹی رہیں تب میں نے سوچا جب تک کسی مناسب لڑکی کا انتظام نہیں ہو جاتا ان ہی کو رکھ لیتے ہیں۔ ویسے میں نے آپ کو بتایا تو تھا۔'' جاوید نے وضاحت کی۔ تو شارق ہونٹ بھینچے زیب کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے رہے۔
''اچھا...... اچھا...... جاوید تم جاؤ یار! کام کرو جا کر سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' راحیل نے آنکھ مار کر اسے ٹلنے کا اشارہ کیا تو وہ بیچارا وہاں سے بھاگ نکلا۔ مگر شارق ماتھے پر بل ڈالے خوفزدہ سی زیب کو گھور رہے تھے جو گم صم بیٹھی تھی۔
''مس رحمان...... مس رحمان! ہوش میں آیئے۔'' راحیل نے ہنستے ہوئے اس کا کندھا ہلایا۔ پھر پانی کا گلاس پکڑا دیا۔ وہ غٹ غٹ پورا گلاس چڑھا گئی۔ پھر گھبرا گھبرا کر وضاحتیں کرنے لگی۔
''ڈاکٹر صاحب! میں...... میں بہت شرمندہ ہوں میری لاعلمی کی وجہ سے یہ سب تماشا ہوا ہے۔ مجھے جاوید صاحب نے بتایا تھا کہ باس تین چار گھنٹے بعد آئیں گے۔ پھر میں اپنا کام کر رہی تھی کہ میں نے یہاں آفس میں آہٹ سنی تو میں سمجھی کوئی چور ہے۔ پھر یہ باس کی ڈائری نکال رہے تھے تو بس مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں...... میں......'' اس نے جلدی جلدی بھیگی آنکھیں صاف کیں اور اپنی پوزیشن صاف کی اور گھبرائی نظروں سے بپھرے ہوئے شارق کو دیکھا۔ شاید ان پر

اس وضاحت کا اثر ہوا ہو۔ مگر نہیں...... آثار تو ایسے نہ تھے۔

''خیر...... خیر جو کچھ بھی ہوا ہے اسے بھول جاؤ۔ دیکھا جائے تو اس میں بھی تمہاری صاف نیتی اور وفاداری ظاہر ہوتی ہے کہ تم جان پر کھیل کر بھی ان دیکھے مالک کو نقصان سے بچا رہی تھیں۔'' راحیل نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہاں...... ویسے مس رحمان! میں تو آپ کو سارے شہر میں تلاشتا رہا لیکن آپ ملی بھی تو یہاں ان کے آفس میں؟ میں اس روز تو...... آپ کا پتہ بھی نہ پوچھ سکا۔ دراصل میرے پاس آپ کا پرس ہے وہ دینا تھا واپس آپ کو۔'' راحیل نے کہا۔

''آپ کے پاس میرا پرس ہے؟'' وہ سیدھی ہو بیٹھی پھر حیرانی اور کچھ طنز سے پوچھا۔

''مگر وہ آپ کے پاس کیسے پہنچ گیا؟ جبکہ اس روز تو شارق صاحب فرما رہے تھے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔''

''یُو مس رحمان! آپ ذرا کمرے سے باہر جائیں اور یاد رکھیے کہ میرے سب ملازم مجھے باس کہتے ہیں۔ یا سر کہہ کر مخاطب کرتے ہیں وہ میرا نام نہیں لیتے آپ بھی آئندہ احتیاط رکھیے گا۔'' شارق اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ چلو زیب کو تسلی تو ہوگئی تھی کہ باس اسے ملازمت سے نکال نہیں رہے تھے۔

پھر زیب شرمندہ ہوگئی اور جلدی سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ ''یار رضا! بڑے ہی واہیات اور اکھڑ انسان ہو تم۔ اس بیچاری معصوم لڑکی کی شامت آئی تھی جو تمہارے پاس ملازم ہوگئی ہے مجھے لگتا ہے ابھی بھی ستارے گردش میں ہیں اس غریب کے۔'' راحیل تاسف سے بولے تو وہ چڑ گئے۔

''اوہو...... تمہیں بڑی ہمدردی ہو رہی ہے زیب سے؟'' شارق نے حسب عادت شک کیا پھر بڑے طنزیہ انداز سے جتلایا۔

''چلو راحیل! اس کا پرس تو ہے نا تمہارے پاس۔ اسی بہانے اس سے ملاقاتیں کر لینا۔ ارے ہاں......'' اچانک شارق نے کچھ یاد کرتے ہوئے فون اٹھا کر جاوید کو بلایا۔ تو وہ دوبارہ آفس میں آگیا اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''جاوید! کیا یہی وہ لڑکی ہے جس نے تم سے کہا تھا کہ وہ اپنی عزت کی حفاظت کرنا جانتی ہے۔'' شارق بھنویں چڑھا کر پوچھنے لگے اور ابھی بھی وہ اپنے داغدار خون آلود ہاتھ کو سہلا رہے تھے جس پر زیب نے زوردار طریقے سے کاٹا تھا۔

''جی ہاں سر! یہی ہے وہ لڑکی۔'' یکا یک جاوید مسکراہٹ دبا کر بولا۔

''ویسے سر ابھی کچھ دیر پہلے ہم نے جو ڈائری والا سین دیکھا ہے نا میرا تو خیال ہے کہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ میر مطلب ہے کہ اس کے تیز دانتوں کے نشان ابھی تک آپ کے ہاتھ پر نمایاں ہیں کچھ کچھ خون بھی رس رہا ہے۔''

ڈاکٹر راحیل یہ سنتے ہی ہنسی چھپانے کے لیے دوسری طرف مڑ گیا۔ اسے پتہ تھا کہ ابھی شارق، جاوید کی شامت لے آئے گا۔ تبھی وہ پھر جاوید کو بچانے کی کوشش کرنے لگا اور جلدی سے کہا۔

''یار جاوید! میں مل مزدوروں کا میڈیکل چیک اپ کرنے آیا ہوں۔ تم ذرا میرے ساتھ چلو۔'' وہ جاوید کو ہمراہ لئے

گیا۔

''مس رحمان! یہ آپ کو اس مل میں کام کرنے کا مشورہ کس دشمن نے دیا تھا بھلا؟'' راحیل، شارق کے پاس سے نکل کر زیب کے آفس میں آ گئے اور وہیں میز کے ساتھ ٹک کر کھڑے ہو گئے۔

''میری مجبوریاں میری دشمن ہیں ڈاکٹر راحیل!'' اس نے ٹھنڈی سانس لی پھر وضاحت کرنے لگی۔ ''ڈاکٹر صاحب! بہت ذمہ داریاں ہیں مجھ پر پورے خاندان کی کفالت کا بوجھ ہے میرے کاندھوں پر۔ پھر سر چھپانے کے لیے کوئی در تھا...... نہ ٹھکانہ...... ان حالات میں میں کہاں تک اچھائی برائی کی تمیز کر سکتی ہوں۔ اب مقدر میں بے عزتیاں سہی۔ پر فاقے تو نہیں ہوں گے نا؟'' وہ رو دی۔

''پلیز...... مجھے معاف کر دیجیے گا مس زیب! خوامخواہ انجانے میں تکلیف دہ تذکرہ کر بیٹھا ہوں میں۔'' راحیل کو دکھ ہوا۔

''اور آپ خدا پر بھروسہ رکھیے ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' راحیل نے اسے تسلی دی تو وہ رومال سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔

''ہاں ڈاکٹر راحیل! میں آپ کو زیب کے بھائی احمر سے بھی ملواؤں گا۔ وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ پھر راحیل آپ ان کی آنکھوں کا بھی معائنہ کر لیجیے گا۔'' جاوید نے بتایا۔

''ڈاکٹر صاحب! کیا سچ آپ میرے بھیا کا علاج کر سکتے ہیں۔'' زیب نے خوش ہو کر پوچھا تو راحیل مسکرا دیا۔

''بھئی کیوں نہیں علاج کروں گا مگر پہلے میں احمر صاحب سے مل تو لوں پھر ان کا معائنہ بھی ضرور کر لوں گا اور اس کے بعد علاج ہو جائے گا۔'' وہ جاتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولے۔

وہ سب اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کی ساری گفتگو شارق اپنے آفس میں بیٹھے سن رہے ہیں۔ کیونکہ جاوید انٹر کام کا بٹن بند کرنا بھول گیا تھا۔ بیچارا اچھا خاصا بدحواس جو ہو گیا تھا۔

ابھی راحیل اور جاوید کو گئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ زیب کی ٹیبل پر دھرا فون بج اٹھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ کانپ گئی۔

''مس رحمان! فوراً آفس میں آؤ۔'' دوسری طرف سے شارق نے نادر شاہی حکم دیا۔ اور ریسیور رکھ دیا۔ وہ پسینہ پونچھتی آفس میں داخل ہوئی حالانکہ وہ فون سنتے ہی حکم کی تعمیل کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی پھر بھی وہ خفا تھے۔

''کیوں...... اتنی دیر کیوں؟'' وہ گرجے۔

''میں...... میں معافی چاہتی ہوں سر۔'' وہ دھیمے سے بولی شارق کی نظریں اس کے جسم کے پار ہوتی جا رہی تھیں۔

''جلدی سے تم مجھے ڈرنک دو۔'' وہ فائل پر کچھ لکھتے ہوئے بولے۔ تو زیب نے فرج میں سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی اور گلاس میں پانی انڈیلا اور اپنے ٹشو سے گلاس صاف کرتے ہوئے شارق کے سامنے رکھ دیا۔

''یہ...... یہ...... کیا ہے؟'' وہ حیرت سے پوچھنے لگے پھر پانی سے بھرے گلاس کی طرف اشارہ کیا۔

''سر آپ نے ڈرنک مانگا ہے نا؟'' وہ معصومیت سے بولی تو شارق نے پن پٹخ دیا۔

''میں نے یہ ڈرنک مانگا ہے کیا؟'' وہ گرجے تو زیب اور نروس ہو گئی اور جلدی سے ان کے سامنے سے لرزتے

ہاتھوں سے گلاس اٹھالیا۔

''سر! تو پھر کیا پئیں گے آپ؟'' وہ قطعی نہیں سمجھی تھی۔''سر! پیپسی کولا یا سیون اپ یا کوئی جوس نکال لاؤں۔''

''یہ سر! تمہارا سر پیئے گا۔ احمق لڑکی کیا جاوید نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ تمہارے فرائض میں کیا کیا شامل ہے؟'' وہ دونوں ہاتھ میز پر مار کر بولے۔

''نہیں سر! مسٹر جاوید کہتے تھے کہ جلد ہی مجھے خود ہی پتہ چل جائے گا۔ پھر میں جلدی سیکھ بھی لوں گی۔'' اس کی معصومیت وسادگی دیکھ کر شارق نے اپنی زبان کو ذرا قابو میں کرلیا۔ وہ بھی اب تماشہ دیکھنا چاہتے تھے بلکہ اسے خجل کرنا چاہتے تھے۔

نصب بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔ تو وہ ادھر بڑھی پھر مڑ کر انہیں دیکھا۔ تو شارق نے بٹن دبانے کا اشارہ کیا۔ زیب نے جھجکتے ہوئے بٹن دبایا۔ فوراً ہی دیوار کا وہ تصویر والا حصہ پیچھے گھوم گیا۔ اور...... اور...... پھر...... دوسری طرف سے خوبصورت بار Bar سامنے آ گیا۔ جس میں بے شمار مختلف قسم کی شراب کی بوتلیں مختلف رنگوں میں چمکتی سجی ہوئی تھیں۔ زیب گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اور پھر کھلی کھلی آنکھوں سے بوتلوں کو گھورنے لگی۔

''مگر سر! یہ...... یہ...... تو شراب ہے نا'' وہ پریشان ہوگئی تو شارق کو سکون سا ہوا وہ تو اذیت دینا چاہتے تھے۔

''ہاں...... شراب ہے تو کیا ہوا؟ اب وہ کونے والی بڑی صراحی نما بوتل اٹھالاؤ۔'' انہوں نے حکم دیا۔

''نہیں...... نہیں میں اس گندی حرام شے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔'' وہ پیچھے ہٹ کر بولی پھر وحشت زدہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''حرام شے کو ہاتھ نہیں لگاؤ گی۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ غرایا۔

''مطلب یہ ہے سر یہ چیز ناپاک ہے نقصان دہ ہے آپ بھی یہ گندی چیز مت پئیں۔'' اس نے نصیحت کی۔

''تم...... زیب بوتل اٹھا کر لاؤ ورنہ خدا کی قسم میں تمہیں ابھی ملازمت سے نکال دوں گا۔ آج سارا دن پریشان رہا ہوں اور اب میرا صبر ختم ہوگیا ہے۔'' انہوں نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائی اور گرج کر کہا۔

''آ...... آپ مجھے ملازمت سے نکال دیں گے صرف شراب نہ پلانے کی وجہ سے۔'' ملازمت سے نکالے جانے کا تصور ہی ہولناک تھا۔

''نہیں...... نہیں......'' وہ بے اختیار آگے بڑھی پھر جھجکتے ہوئے اپنے رومال سے پکڑ کر بوتل اٹھائی پھر پیگ تھام کر لڑکھڑاتی ہوئی واپس پلٹی۔ پھر پھینکنے پٹخنے کے انداز میں بوتل میز پر رکھ دی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

''اب ڈرنک بنا کر دو اور یہ میری پسندیدہ مشروب، آئندہ یاد رکھنا۔'' وہ سر اٹھا کر بولے۔

''جی...... مجھے تو ڈرنک بنانے کا طریقہ نہیں آتا۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''طریقہ نہیں آتا تو آ جائے گا یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ویسے لڑکی تم اگر اتنی شریف اور پاک طینت تھیں تو ملازمت کرنے کی بجائے کسی شریف آدمی سے دو بول پڑھوا کر گھر بسانا چاہیے تھا۔ دھڑا دھڑ درجنوں بچے پیدا کرنے تھے۔ پھر میرے سامنے شرافت کا ڈھنڈورہ کیوں پیٹ رہی ہو۔ دیکھو اگر ہر کام میں بحث اور حجت کرنے کا ارادہ ہے تو ابھی اسی وقت گھر چلی جاؤ'' وہ دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولے۔ ایک غرور ونخوت کی آمیزش تھی ان کے انداز

میں

''پلیز سر! آپ پہلے مجھے یہ بتا دیجیے کہ میں یہاں سیکرٹری بن کر آئی ہوں یا ساقی گری کے فرائض انجام دینے۔''
وہ بھرائی آواز میں بولی اور خجالت کے احساس سے آنسو پلکوں کی منڈیر تک امنڈ آئے تھے۔

''محترمہ! تمہیں ہر وہ کام کرنا پڑے گا۔ جس کا میں حکم دوں گا اچھا بھی برا بھی۔ تمہیں اگر خود نہیں پینا تو مجھے ضرور پلانا پڑے گا۔''

ایک لمحے کے لیے تو زیب کا دل چاہا کہ وہ اس معصوم صورت شیطان کے منہ پر بوتل ہی کھینچ مارے۔ لیکن پھر آنکھوں کے سامنے احمر، سیما اور سب کی شکلیں گھوم گئیں۔ اس نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے صبر کا گھونٹ بھر لیا۔ پھر شارق کی ہدایت کے مطابق کمرے میں موجود فرج میں سے برف نکال کر گلاس میں بھری اور بوتل کھول کر وہ سرخی مائل بدبودار سیال شے گلاس میں انڈیل دی۔ پھر جبڑے بھینچے نفرت سے دیکھنے لگی۔

شارق نے گلاس تھام کر اب زیب کا جائزہ لیا۔ مسٹرڈ رنگ کے سوٹ میں اس کا رنگ بھی سنہرا ہو رہا تھا۔ سرخ چہرے پر لرزتی بھیگی گھنی پلکیں، وہ بے انتہا خوبصورت اور پرکشش لگ رہی تھی۔

پھر اسے کچھ جھٹکا سا لگا۔ وہ جس قسم کے پینٹڈ (Painted) زنانے چہرے دیکھنے کا عادی تھا مگر یہ چہرہ تو ویسا نہ تھا۔ اس نے میک اپ تو کیا ہی نہیں ہوا تھا۔ نہ لپ اسٹک نہ فاؤنڈیشن نہ روج نہ مسکارا۔ کچھ بھی تو نہیں تھا۔

یہاں تک کہ آنکھوں میں سرمہ یہ یا کاجل تک کی دھار تک نہ تھی۔

گوری تو دے نیناں بن کاجل کجرارے

نہ جانے کیوں شارق کے دماغ میں ایک کلاسیکل گانے کے بول ابھر ابھر آئے۔

اس سادگی میں بھی یہ دل کھینچنے والی کشش اور ملاحت ہے۔ وہ گھور گھورتے چلا گیا۔

زیب ان کی نگاہوں کی حدت محسوس کر کے سٹ کر رہ گئی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

''بیٹھ جاؤ زیب! میں تمہیں کچھ خط ڈکٹیٹ کرواتا ہوں وہ تم ٹائپ کر کے صبح مجھ سے دستخط کروا کر پوسٹ کروا دینا۔'' وہ کاپی پن سنبھال کر سر جھکائے لکھتی رہی جب بھی اس نے سر اٹھانے کی غلطی کی تو شارق کو مخمور نظروں سے اپنی جانب دیکھتے پایا اور بے تحاشہ پیتے پایا۔ وہ تو کوئی بے انتہا شدت سے عادی تھا۔ اس تلخ مضطراب کا۔ وہ خط ڈکٹیٹ کرواتے رہے ساتھ ساتھ پینے کا شغل بھی جاری تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر راحیل مل کے ملازمین کا معائنہ کر کے واپس آئے تو شارق کے آفس ہی میں زیب بھی موجود تھی اور سر جھکائے تیزی سے لکھ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں راحیل کو شارق کا زیب کے سامنے ڈرنک کرنا اچھا نہ لگا تھا بلکہ گھٹیا محسوس ہوا تھا۔

''یار شارق! یہ تم کیا ہر وقت اپنے پھیپھڑے چھلنی کرتے رہتے ہو۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔

''ڈاکٹر راحیل! تو تمہیں کسی نے روکا ہے لو تم بھی پیو۔'' ضدی سے شارق نے اس کی سمت گلاس بڑھایا تو انہوں نے ہاتھ سے ہٹا دیا۔

''نہ جی شکریہ مجھے تو تم معاف ہی رکھو۔ ہاں زیب! میں تو جاوید کے ساتھ جا کر تمہاری فیملی کے لوگوں سے ملا ہوں۔ سبھی بڑے پیارے لوگ ہیں بھئی۔'' راحیل شاید اس کے گھر والوں سے بہت متاثر ہو کر آیا تھا۔ تبھی تو ایک دم سے

زیب کوتم کہہ کرمخاطب کرنے لگا تھااور شارق نے اس فرق کومحسوس کیا۔
''جب لوگ دل میں کسی کے لیے انس اور اپنائیت کے جذبات پیدا کر لیتے ہیں اور انہیں اپنے دماغ میں زندگی میں کوئی اونچا درجہ دے لیتے ہیں۔تو تب وہ تکلفات کی دیواروں کوگرا دیتے ہیں۔'' زیب اس کے خیالات جان کر مسکرا رہی تھی ایک فخر ومحبت کا سایہ پھیل گیا تھا اس کے چہرے پر۔
''بالخصوص تمہارے احمر بھائی تو مجھے بہت ہی اچھے لگے۔ایمان سے میرا تو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا انہیں چھوڑ کر آنے کے لیے لیکن کیا کرتا کام بہت زیادہ ہے۔'' راحیل سرشار انداز سے بولے۔
''لیکن احمر اور بھابھی نے مجھ سے وعدہ لیا ہے کہ میں کل سات بجے کلینک بند کر کے ان کے پاس ضرور چکر لگاؤں گا۔اور پھر وہ مجھے تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی لذیذ چائے پلوائیں گے۔سموسے کھلائیں گے۔'' راحیل خوشدلی سے ہنسے۔تو زیب کے ملیح چہرے پر بڑی شرمیلی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔وہ دونوں شارق کو بھلائے باتوں میں مگن تھے۔
''زیب! تمہیں یہ سن کر بہت خوشی ہوگی کہ تمہارے بھیا کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہوسکتی ہیں۔'' راحیل نے انکشاف کیا۔
''ارے کیا سچ ڈاکٹر راحیل!'' وہ باس کی موجودگی کو بھلا کر خوشی سے چیخ اٹھی اور پیڈ قلم میز پر پٹخ دیا۔
''ہاں......لیکن تمہیں تین چار ماہ انتظار کرنا پڑے گا۔'' وہ تسلی دیتے ہوئے پریقین انداز سے بولے۔
''ڈاکٹر راحیل! اگر میرے بھیا ٹھیک ہوگئے تو آپ جو کچھ مجھ سے مانگیں گے نا میں دوں گی۔'' وہ خوشی سے دیوانی ہورہی تھی۔
''اچھا تو پرامس! پکا وعدہ کرو۔'' راحیل نے ہنستے ہوئے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھایا۔
''بالکل پکا وعدہ......'' وہ اس کی انگلیاں چھو کر بولی۔
''گڈ......اچھا زیب پلیز آپ ذرا جاوید سے کہیے کہ وہ ہمارا بیگ تو لیتے آئیں۔'' زیب تیزی سے اٹھ کر چلی گئی تو راحیل مڑا۔
''یار! میں نے اسے بہانے سے کھسکایا ہے شارق! یار یہ لڑکی بہت معصوم اور شریف گھرانے کی ہے تم اس کے ساتھ کوئی زیادتی مت کرنا۔ویسے تم زیب کو میرے ساتھ جانے دو۔میں اسے نرسنگ ٹریننگ دلوا کر اپنے ہسپتال میں رکھ لوں گا۔یہ ان لڑکیوں جیسی نہیں جو پہلے تمہارے پاس رہ چکی ہیں۔'' راحیل نے منت کی۔
''یہ......یہ تم کیوں اتنی ہمدردی کر رہے ہو کیا اس کے حُسن کا جادو چل گیا ہے؟'' شارق نے بھنویں اچکا کر پوچھا پھر درشتگی سے کہا۔
''مگر راحیل! مجھے افسوس ہے کہ میں اسے تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولے۔
''میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیسے اپنی حفاظت کرتی ہے۔میں اس کی جھوٹی شرافت کو کچل ڈالوں گا۔ہونہہ شریف خاندان کی شریف لڑکی۔یہ سب زہریلی ناگنیں ہیں۔میں ان کا سر اپنے پاؤں تلے روند دوں گا تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔اور تم میرے سامنے ان کی پارسائی کا ڈھنڈورہ نہ پیٹو تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' وہ رکھائی سے بولے۔
تب راحیل نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن شارق اور وہ بھی نشے میں دھت اس سے بحث کرنا، الجھنا بے کار

تھا۔ وہ اٹھا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ تو شارق زور سے ہنس دیا۔

''اونہہ...... چند دنوں کی بات ہے راحیل! پھر تم خود دیکھ لو گے یہ تقدس اور شرافت کی دیوی اپنی خوشی سے میری ساقی بنے گی۔ یہ گوری بانہیں میرے گلے کا ہار ہوں گی۔ ان سرخ لبوں پر میرا حق ہوگا۔ یہ مرمریں بدن میری دسترس میں ہوگا اور پھر میں تمہیں دکھاؤں گا کہ جس زیب کو تم معصوم اور پاکباز کہتے ہو وہ بھی ان پہلی ناگنوں سے مختلف نہیں تھی۔'' شارق نفرت بھرے لہجے میں بڑبڑایا۔ تبھی انٹرکام کا بزر بج اٹھا تو وہ چونکا۔

''سر! باہر ایک محترمہ موجود ہیں جو اشد ضروری کام کے سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔'' جاوید کی آواز ابھری۔

''کون محترمہ! نام کیا ہے اور کام کیا ہے؟'' شارق کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

''سر ان کا نام ٹینا ہے اور کام نہیں بتاتیں کہتی ہیں بالکل ذاتی نوعیت کا ہے۔'' جاوید کے لہجے میں شوخی تھی۔

''کون ٹینا!'' شارق نے پیشانی پر بل ڈال کر سوچا۔ ''او...... اچھا...... اچھا بھیج دو انہیں اندر۔'' شارق کو وہ ہوٹل والی لڑکی یاد آ گئی تھی۔

''اونہہ...... جب وہ پکے ہوئے پھل کی طرح خود ہی ڈال سے ٹوٹنے کے لیے بے تاب ہے تو پھر اپنا کیا جاتا ہے۔ پیاسا ہی کنویں کے پاس آیا ہے نا۔'' وہ مسکرا دیئے اور گلاس ہونٹوں سے لگا لیا تبھی پردہ ہٹا کر وہ اندر آ گئی۔

''ارے...... مسٹر شارق کیا آپ ہر وقت پیتے ہی رہتے ہیں۔'' ٹینا نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں...... کبھی کبھار کھاتا بھی ہوں لیکن صرف خوبصورت لڑکیوں کو۔'' وہ نیم وا آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

ٹینا اس وقت فل اسکرٹ پہنے تھی بلاؤز سلیولیس تھا جس کا گلا بہت نیچا تھا۔ وہ خاصی پرکشش لگ رہی تھی۔ ٹینا نے ہاتھ ملانے کے لیے آگے بڑھایا لیکن شارق نظرانداز کر کے صوفے کی طرف بڑھا اور سہولت سے بیٹھ گیا۔

''جی کہیے کیسے آنا ہوا؟'' لہجہ خشک تھا وہ قریب چلی آئی اس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

''مسٹر شارق! رات کی بیہودگی و گستاخی کا مطلب پوچھنے آئی ہوں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ آپ سے مدد مانگنے پر مجھے اتنی بڑی سزا ملے گی۔''

شارق بے ساختہ ہنسا اور گردن کو ذرا خم دے کر اسے طنزیہ نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ''تم بیوقوف کسے بنا رہی ہو؟ ٹینا ڈیئر اس قدر بن سج کر تم رات کی بیہودگی کا مطلب پوچھنے آئی ہو کیا؟ واٹ اے سرپرائز۔ مگر تمہاری اس سج دھج کو دیکھ کر تو میرا دوبارہ بہکنے اور پھر سے گستاخیاں کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ پھر میں جبراً آج کا کوٹہ پورا کروں گا تو...... تو تم کل صبح آج کی بیہودگی کا مطلب پوچھنے آؤ گی۔ پھر یہ سلسلہ طویل ہوتا جائے گا۔ تم روزانہ آتی جاتی رہو گی مجھ سے شکوہ کرنے۔

تو پھر ٹینا ڈارلنگ! اس قدر عریاں اور مختصر سے لباس پہن کر تم لڑکیاں خود ہی تو دعوت گناہ دیتی ہو۔ ہمیں ورغلاتی ہو۔ جان من! اگر چاہتی ہو کہ مرد تمہیں نہ دیکھیں تو پردہ کرلو چادر اوڑھ کر گھر کی چار دیواری میں بیٹھ رہو۔ تاکہ کوئی تمہیں دیکھ ہی نہ سکے۔ ویسے ٹینا! تم یہ مجھ پر احمقانہ الزام لگا کر بیوقوف کسے بنا رہی ہو بھئی۔'' وہ ہنسے اور اپنے سینے پر ہاتھ مارا۔

''اونہوں...... میں جو تم سب عورت کی عادتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ مجھ پر تمہارے یہ انداز نہیں چل سکیں گے۔ تو ٹینا! یہ کہو کہ جسم و محبت کی طلب تمہیں یہاں تک کھینچ کر لائی ہے۔'' شارق نے طنز کیا اور حقیقت اگلی تو وہ ڈھٹائی

سے بولی۔
''چلو شارق اگر تم میرا مدعا سمجھ ہی چکے ہو تو پھر میں بھی اپنے جذبات نہیں چھپاؤں گی۔تم سے۔'' وہ مزید قریب ہوگئی۔
''تم سے ملنے کے بعد میں رات بھر نہیں سو سکی ہوں۔'' اس نے دیوانہ انداز سے کہا تو شارق کی طبیعت مکدر ہوگئی یہ اس کا اسٹائل نہیں تھا۔
''سوری مس ٹینا! آپ یہاں سے تشریف لے جایئے مجھے جو چیز بغیر کوشش کے مل جاتی ہے نا بغیر تگ و دو کیے نا۔ تو وہ میرے نزدیک اپنی اہمیت اپنی جاذبیت کھو دیتی ہے۔ مجھے اس سے دلچسپی نہیں رہتی چڑ جاتا ہوں میں۔'' وہ کاندھے جھٹک کر بولے۔
''شارق! تمہاری یہی بات تو مجھے بہت بھائی ہے تمہارا اکھڑ پن تمہاری بے باکی، تمہاری مردانگی، لاپرواہ انداز۔ میرے پہلے بوائے فرینڈز میرے سامنے بچھ جاتے ہیں خوشامدیں کرتے ہیں۔ پروانہ وار نثار ہوتے ہیں۔ میرے حُسن و ناز و انداز کی تعریفیں کرتے ہیں۔ وہ میری غلط ناجائز باتوں کو بھی نہیں جھٹلاتے۔ دراصل وہ مجھ سے زیادہ میری دولت سے متاثر ہوتے ہیں۔'' وہ کچھ افسردہ ہوگئی تھی یہ سب تجزیہ کرتے ہوئے شاید اس کی بھی کوئی مجبوری تھی۔
''لیکن شارق! مجھے ایسا شوہر چاہیے جو مجھ پر حکم چلائے۔ نہ کہ یہ کہ میں اس پر رعب و داب جھاڑوں اور وہ وفادار ملازم کی طرح میرے ہر حکم کی تعمیل کریں۔'' وہ اس کے سینے سے ٹکرا گئی اور چہرہ اوپر اٹھایا لیکن شارق نے بیزاری سے اسے دور دھکیل دیا۔
''مس ٹینا! میرا وقت بہت قیمتی ہے پلیز آپ تشریف لے جایئے اور اپنا آئیڈیل کہیں اور تلاش کیجیے۔'' وہ بجتے ہوئے فون کو اٹھا کر بولے۔
''ہاں جاوید! کیا بات ہے؟ اچھا محسن صاحب آئے ہیں ہاں تم انہیں اندر بھیج دو۔'' شارق نے حکم دیا۔
''ٹینا اس کی بیزاری محسوس کر کے اپنا پرس اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھی بڑی ذلت اٹھانی پڑی تھی اسے۔
''تم میری بات غور سے سن لو شارق! تم مجھے بہت پسند آئے ہو اور میں تمہیں ہر قیمت پر حاصل کروں گی۔'' وہ اسے آنکھ مار کر ہاتھ ہلاتی چلی گئی۔
پھر شارق بہت دیر تک اپنے وکیل محسن کے ساتھ آفس میں باتیں کرتے رہے نوٹس لکھواتے رہے۔ زیب نے اس وقت تک وہ تمام ضروری خط ٹائپ کر لیے جو شارق نے لکھوائے تھے۔ پھر بیکار بیٹھنے سے بہتر یہی جانا کہ وہ اٹھ کر جاوید کے کمرے میں چلی جائے اور ان سے بات چیت کرے۔ احمر اور ڈاکٹر راحیل کی ملاقات کا حال پوچھے۔
جاوید رجسٹر پر جھکا شہزاد کی مدد سے حساب کتاب جانچنے میں مصروف تھا۔ زیب کو آتے دیکھ کر مسکرا دیا۔
''جاوید صاحب! مجھے بھی کوئی کام وام بتا دیں میں اب فارغ ہوں۔'' اس نے پوچھا۔
''نہیں......زیب بی بی تم نے تو آج بہت بڑا کام کیا ہے ہمارے شارق صاحب کے ہاتھوں پر اپنے دانتوں کے نشان چھوڑ آئی ہو۔'' وہ ہنسا تو زیب جھینپ گئی۔
''زیب! ویسے بھی اب تمہیں سب کام وام شارق صاحب ہی بتائیں گے۔ ویسے تم شارق صاحب کے ذاتی

اخراجات کا حساب کتاب رکھ لو تو غنیمت ہے۔ وہ صاحب تو نشے میں دھت کوٹھوں اور کوٹھیوں میں روپے لٹاتے پھرتے ہیں۔ صبح جیب خالی ہوتی ہے اور انہیں یاد نہیں ہوتا کہ کسے دیئے اور کتنے دیئے۔'' وہ طنز سے بولا۔

تب زیب نے جاوید سے شکایت کی کہ اس نے زیب کو شارق کے متعلق یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ وہ پیتے پلاتے بھی ہیں۔ پھر زیب نے بلا کم و کاست دن بھر کی کارگزاری اسے سنا دی تھی۔ وہ گھناؤنی شکل بنائے سر کھجلا رہا تھا۔

پھر جاوید نے کہا کہ وہ بتاتے ہوئے جھجکتے تھے ویسے انہوں نے زیب کو وارن تو کیا تھا دبی زبان سے لیکن پھر زیب کی مجبوریاں دیکھتے ہوئے چپ ہو رہے ہے اور اسے اللہ کی سپردگی میں دے دیا تھا۔ کہ وہی حفاظت کرے گا۔

''ہاں...... جاوید صاحب! میں باس کا حساب کیسے رکھوں گی ظاہر ہے کہ میں ان کے ساتھ باہر تو نہیں جاؤں گی۔ پھر مجھے کیا خبر وہ کہاں کتنے روپے خرچ کرتے ہیں مجھے تو وہ جتنا بھی بتائیں گے اتنا حساب لکھ لوں گی نا۔''

پھر زیب کی نظر دروازے کی سمت اٹھی تو شارق وہاں کھڑے تھے وہ سبھی بوکھلا کر اٹھتے چلے گئے۔ ''مگر کون کہتا ہے کہ تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی محترمہ زیب صاحبہ! بلکہ تمہیں ہر جگہ میرے ساتھ آنا جانا پڑے گا لیکن ان چیتھڑوں میں نہیں۔'' وہ نہایت رعونت سے اس کے سادہ سے لباس کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

''منیجر! ان کے لیے نئے ملبوسات کا انتظام کرو۔ میں نہیں چاہتا جب میں انہیں اپنے ہمراہ لے کر باہر جاؤں تو لوگ انہیں میری سیکرٹری سمجھنے کے بجائے بھکارن سمجھیں۔'' شارق نہ جانے اتنے تلخ الفاظ استعمال کر کے اپنے کون سے جذبے کی تسکین چاہ رہے تھے۔ زیب نے بے بسی سے اپنے ہونٹ کاٹ لیے۔

''ہاں...... مس زیب! جب تک نئے لباس نہیں بن جاتے میں تمہیں کہیں ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔'' وہ واپس پلٹ گئے لیکن زیب کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ احساس غریبی اور محرومی نے اس کے سر کو جھکا دیا تھا۔ توبہ اتنا غرور اور تکبر۔ اس نے کان چھوئے۔

''اوشٹ اپ...... صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تم نے سوچا ہوگا کہ کام ختم کر کے جاوید سے گپ شپ کرو گی۔ ویسے مبارک ہو کہ ڈاکٹر راحیل نے اب تمہارا گھر دیکھ لیا ہے۔ یقیناً اب تمہاری غربت راحیل کی وجہ سے جلد ختم ہو جائے گی۔ باقی کی کسر جاوید اور شہزاد پوری کر دیں گے۔'' شارق کی زبان شعلے اگل رہی تھی۔ وہ الزامات لگائے جا رہے تھے۔

اور زیب...... اس کا چہرہ تو مارے دکھ و شرمندگی کے سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ کپکپا رہی تھی۔ سرتاپا کانپ رہی تھی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ شارق کی زبان کھینچ لے۔ اس کا چہرہ تھپڑا دے یا اس کا خوبصورت چہرہ آگ سے جھلسا دے لیکن پھر اپنی بے بسی اور مجبوری پر اسے رونا آ گیا۔ وہ سر جھکائے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ شارق نے ایک جھٹکے سے ریسیور اٹھایا تھا۔

''ہیلو......'' وہ دھاڑا۔ ''ہیلو کون صاحب ہو تم۔'' یکا یک ان کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ ''اف...... ہاں میں ابھی آ رہا ہوں۔'' وہ جلدی سے کھڑے ہو گئے پھر فون رکھ کر اس کی طرف مڑے۔ وہ سہمی سہمی سی کھڑی تھی اور پلکیں جھپکا جھپکا کر ضبط کر رہی تھی۔

''او بیوقوف لڑکی کیا تم دیکھ نہیں رہی ہو کہ میں باہر جا رہا ہوں۔'' شارق نے دھاڑ کر کہا تو وہ اچھل کر رہ گئی۔

''بت بنی کیوں کھڑی ہو فوراً الماری میں سے میرا کوٹ نکالو'' زیب جلدی سے بڑھی اور کوٹ نکال لائی اور ان کی طرف بڑھا دیا۔

''احمق جاہل اب پہناؤ مجھے پکڑا کیوں رہی ہو۔'' وہ جھلا کر اس کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے۔

انہوں نے ٹائی ٹھیک کی پھر دونوں آستینوں کے کف انگلیوں میں دبا کر بازو اونچے کیے تا کہ وہ آستین پہنا سکے۔ لیکن وہ مشرقی ماحول میں پلی بڑھی زیب صرف سر جھکائے کھڑی تھی۔ وہ کیسے انہیں کوٹ پہنائے۔ کتنے قریب ہو؟ پھر اس کے سامنے اپنے والد اور والدہ کا تصور لہرایا۔ پھر احمر کی تصویر گھوم گئی جب احمر آفس جانے کے لیے تیار ہوتے تھے تو بھابھی اسی طرح انہیں کوٹ پہناتی تھیں۔ اسی طرح احمر کا چپکے چپکے بھابھی کے کانوں میں سرگوشیاں کرنا اور بھابھی لجا کر وہاں سے بھاگ نکلتی تھی۔ امی بھی تو ابو کو اسی طرح کوٹ پہنایا کرتی تھیں نا؟ اسے ماضی کے وہ حسین سنہرے دن یاد آ گئے تو دل بوجھل ہونے لگا۔

''اے کہاں کھو گئی ہو تم؟'' وہ جھنجھلا کر گردن موڑ کر بولے۔

شارق ابھی تک دونوں کف ہاتھ میں تھامے دونوں بازو سائڈوں پر پھیلائے کھڑے تھے۔

''کمبخت مجھے ایک گھنٹہ ہو گیا ہے یہاں بوئنگ جہاز کی طرح پر پھیلائے کھڑا ہوں اور تم خیالوں میں مست ہو۔''

انہوں نے پلٹ کر غصے سے کوٹ چھین لیا اور باہر جانے لگے۔ وہ اسے صلواتیں سناتے جا رہے تھے۔

ان کا خود کو بوئنگ جہاز کہنے پر زیب اس تشبیہ پر مسکراہٹ نہ دبا سکی۔ پھر ایک دم نیچے جھک کر بکھرے ہوئے کاغذات سمیٹنے لگی۔ اسے بے ساختہ ہنسی آئے چلی جا رہی تھی۔

''اللہ شکر ہے اس درندے نے مجھے ہنستے نہیں دیکھا ہے ورنہ میری شامت پھر آ جانی تھی۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''اور تم اب گھر جا سکتی ہو، کل صبح آفس ٹائم پر آ جانا۔ ورنہ میں کوئی کوتاہی معاف نہیں کروں گا۔'' وہ جاتے جاتے بھی ہوا میں فائر کرنے سے باز نہیں آئے تھے۔ زیب نے جلدی جلدی اثبات میں سر ہلایا۔

''اف...... خدایا۔'' ان کے جاتے ہی زیب نے سکھ کا سانس لیا۔

''اونہہ...... پتہ نہیں خود کو کیا خدائی فوجدار سمجھتا ہے۔ اگر آج میرے پاس دولت ہوتی تو میں بھی اس کا مزاج درست کر سکتی تھی۔ اس نے شدتوں سے خواہش کی اللہ جی ایسے کم ظرف لوگوں کو کیوں دیتا ہے تو پیسہ۔''

''چلو زیب گھر چلیں۔'' جاوید نے اندر جھانکا پھر آفس میں آ گیا پھر اسے فرش پر کاغذوں کے درمیان بیٹھے دیکھ کر مسکرا دیا۔

''ہاں کہو پارٹنر کیسی گزری آج۔'' وہ جھک کر ساتھ کاغذات اکٹھے کرنے لگا۔

''ہائے......بس کچھ مت پوچھیے۔ کئی بار تو ہارٹ فیل ہوتے ہوتے بچا ہے مسٹر جاوید۔'' زیب نے ٹھنڈی سانس لی۔

''ویسے مجھے امید نہیں ہے کہ میں یہاں زیادہ دن تک ٹک سکوں گی۔ یہ باس تو میرا خون کر دیں گے۔ ایسے وحشی ہیں وہ تو۔'' وہ کاغذات سنبھال کر کھڑی ہو گئی اور بے بسی سے بولی۔

''ہاں بھئی ویسے تو یہ خوبصورتی خدا کا بخشا ایک گراں بہا خزانہ ہے نعمت ہے لیکن کبھی کبھار غلط ہاتھوں میں

ناقدروں کے پلے پڑ کر یہ عذاب بھی بن جاتی ہے۔'' جاوید نے افسردگی سے کہا پھر وہ زیب کے ہمراہ گھر روانہ ہو گیا۔ اس دنیا میں ہر کوئی اپنی اپنی مجبوریوں کا مارا ہوا ہے۔ کوئی نہ کوئی ان دیکھی زنجیر ہر ایک کے پاؤں کا حلقہ کیے ہے۔ امیر ہو چاہے غریب سبھی اس زنجیر میں جکڑتے قیدی ہی تو ہیں۔ زیب نے کار کی سیٹ سے پشت لگاتے ہوئے سوچا۔

○●○

شارق کو آفس میں جب صائمہ نے فون کیا تھا تو وہ اسی وقت گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے نہایت برق رفتاری سے سفر کرتے ہوئے وہ گھر پہنچے تھے۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتے وہ ماں کے بیڈ روم میں داخل ہوئے۔ اس وقت وہ جاگ رہی تھیں مگر دل میں عجیب سی چبھن محسوس کر رہی تھیں۔

''امی جان! کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' وہ ایک دم ان پر جھک گئے تھے۔ نگاہوں میں فکر و تردد کے سائے تھے۔

''مجھے تو صائمہ نے آفس فون کیا تو میں پریشان ہو کر بھاگا چلا آیا ہوں۔'' وہ تمام تر محبت نگاہوں میں سمیٹے ماں کا ہاتھ چوم رہے تھے۔

''پتہ نہیں رضا! ہمارا دل ڈوب جاتا ہے۔ اب نہ جانے کتنے دم زندگی کے ہیں کتنی گنی چنی سانسیں ہیں؟'' لہجے میں بے بسی تھی۔

''نہیں...... نہیں ایسا مت کہیے امی! خدانخواستہ اگر آپ بھی ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں تو بخدا ہم زندہ نہیں رہیں گے۔'' وہ جیسے سہم کر ان کے سینے میں منہ چھپا کر بولے۔

''رضا بھیا، امی! ڈاکٹر راحیل آ گئے ہیں۔'' صائمہ نے آتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھیں متورم تھیں۔

''اوہو......'' راحیل دروازے میں ٹھٹک گئے اور وہیں سے نعرہ لگایا۔

''واہ بھی واہ...... یہاں تو ماں بیٹے میں زبردست لاڈ ہو رہے ہیں۔ ارے میری پیاری بھولی بھالی امی جان! ذرا بچ کر رہیے گا۔ اب یہ شارق ضرور آپ سے اپنا کوئی بڑا مطالبہ منوائے گا۔'' راحیل نے ہنس کر کہا۔

''ہاں راحیل بیٹے! یہ مطلبی ہمیشہ سے ہی اپنی بات منواتا آیا ہے ہماری تو کبھی نہیں مانی۔'' وہ شارق کا سر سہلا کر بولیں۔

''ہمیں یاد ہے کہ بچپن سے لے کر چند سال پہلے تک اس کی یہ عادت تھی کہ اگر اس نے کوئی بات منوانی ہوتی تھی تو یہ رات کو ہمارے کمرے میں چلا آتا تھا پھر ہمارے ساتھ ہی سو جاتا۔ صبح ہمارے استفسار پر ہم سے لپٹ لپٹ جاتا۔ ہمیں پیار کرتا رہتا۔ پھر کہیں جا کر فرمائش کا پتہ چلتا تھا۔ ویسے یہ جب بھی پریشان ہوتا تھا تب بھی ہماری آغوش میں پناہ لیتا تھا۔ ہماری گود میں منہ چھپائے گم صم رہتا۔

تب ہم سمجھ جاتے تھے کہ آج ہمارے لال کے دماغ میں کوئی بڑی گنڈگی ہے۔ کوئی پریشانی بوجھ بنی ہوئی ہے۔'' وہ سینے سے لپٹے سکون سے آنکھیں موندے ہوئے شارق کے گھنے گھنے بال انگلیوں سے سنوارتی ہوئی بولیں۔

''نہیں امی! ایسے مت کہیے آپ کو کیا خبر ہم تو راتوں کو اٹھ اٹھ کر بار بار آپ کو دیکھ کر جاتے ہیں۔'' وہ افسردگی سے بولے۔

''پتہ نہیں شارق! تم رات کو گھر آتے بھی ہو یا نہیں۔'' انہوں نے بیٹے کو جھٹلایا۔
''کئی بار میں نے فجر کی اذانوں سے چند منٹ پہلے تمہیں دبے دبے پاؤں رکھتے اپنے کمرے میں جاتے دیکھا ہے۔ شارق میرے لال! خدارا خود کو سنبھالو۔ یوں خود سے اور اپنے چاہنے والوں سے غافل مت ہوتے جاؤ۔ تم دنیا کے میلے میں کھو جاؤ گے۔ ہوش کرو رضا بیٹے! ہمیں ہماری کھوئی ہوئی خوشیاں واپس دے دو۔
ہمیں ہمارا شارق فوراً واپس دے دو۔ ہنستا مسکراتا ہوا شارق زندگی سے بھرپور وجود کے ساتھ وہی ہونہار بیٹا واپس دے دو۔ جس کے زندگی سے بھرپور قہقہے گھر کے چاروں طرف گونجتے تھے۔ خدا جانے ہمارا وہ زندہ دل حساس شریف اور لائق بیٹا کہاں کھو گیا ہے۔
رضا! ہم تو پہلے ہی صائمہ کے دکھ سے نڈھال ہیں پھر تمہاری تباہی بے راہ روی ہمیں موت کے منہ میں کھینچے چلی جا رہی ہے۔ خدا جانے بدنصیبیوں نے ہمارے گھر میں کیوں ڈیرے لگا لیے ہیں۔ جب جب ان تمام المیوں پر غور کرنے لگتے ہیں تو ہمارا یہ داغ داغ دل دکھنے لگتا ہے۔ ٹیسیں ہمیں بے حال کر دیتی ہیں۔ تب ہم بیہوشیوں میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ اب تو بس اس جہاں سے گزر جانے کو جی چاہتا ہے۔'' وہ اب بھی شارق کو سینے سے لگائے تھیں جو آنکھیں موندھے خاموش تھے۔
صائمہ کی آنکھوں سے ایک تواتر کے ساتھ آنسو بہہ رہے تھے اس نے ماں کو چپ کروانے کی کوشش کی ان کے آنسو سمیٹنے چاہے تو راحیل نے منع کر دیا۔
''بولنے دو رونے دو دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو گا۔ ویسے یار صائمہ تم لوگ کتنے خوش نصیب ہو کہ ماں جیسی نعمت تمہیں میسر ہے اور وہ بھی ان جیسی ماں کی؟'' وہ رشک سے بولے۔
''شارق اس محرومی نے مجھے ہمیشہ کتنا تڑپایا ہے کوئی میرے دل سے پوچھے۔ اللہ قسم میں تو ایسی ماں کی کوئی خواہش کبھی رد نہ کرتا۔ یہ تو شارق سے ایک شادی کے لیے منتیں کر رہی ناں۔ مجھے حکم دیتیں تو میں دنیا کی ہر لڑکی کو ان کی بہو بنانے کی کوشش کرتا۔'' وہ صاف نیتی سے بولے بغیر اپنے لفظوں کی سنگینی کا احساس کیے بس جذباتی ہو کر بولتے چلے گئے تھے۔
''ہونہہ...... آپ تو ہیں ہی ندیدے! ایک بیوی ملی نہیں اور تمام دنیا کی لڑکیوں کو بیاہنے کا ارمان ہے۔'' صائمہ خلاف فطرت تیزی سے بولی تو راحیل چونک گئے۔ پھر صائمہ کا تمتمایا چہرہ دیکھ کر وہ ہنسی نہ روک سکے اب انہوں نے اپنے لفظوں پر غور کیا تھا۔
''یار شارق! اب تم دور بھی ہٹو۔'' وہ آگے بڑھے انہوں نے صائمہ کے تمتمائے چہرے پر شرارت سے نظر ڈالی۔
''بھئی تم کیا میری امی پر قبضہ جما کر بیٹھ گئے ہو کچھ تو اس سگے بیٹے کو بھی لاڈ کرنے دو نا۔ چلو...... چلو پرے کھسکو ویسے بھی شارق رضا تم تو ان کے سوتیلے نالائق بیٹے ہو۔'' وہ شارق کو زبردستی ہٹا کر خود امی کے سینے سے لگ گیا۔
''جیتے رہو میرے لاڈلے سگے بیٹے!'' امی نے راحیل کا سر چوم لیا وہ واقعی انہیں اپنے بیٹے شارق کی طرح سے عزیز تھا۔
''امی جان! میں چی جی لوں گا۔ دلائیے نا مجھے چی جی۔'' وہ ننھے منے بگڑے ہوئے لاڈلے بچے کی طرح زمین پر

دونوں پاؤں مار مار کر جوتے گھسا گھسا کر بولے تھے۔

”امی مجھے چی جی چاہیے ابھی ابھی دیجیے نا۔“

صائمہ اور شارق بے اختیار مسکرا دیئے۔ امی بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکیں انداز ہی ایسا تھا ڈاکٹر راحیل کا۔

”ہاں...... ہاں بتاؤ نا اچھا تو کیا چاہیے میرے لال کو۔“ انہوں نے پوچھا۔

”مجھ کو دولہن چاہیے پاری پاری شی...... امی جانی لا دیجیے نا۔“ وہ شرماتا ہوا ان کے دوپٹے میں منہ چھپانے لگا۔

”تم ہی بتاؤ میں جا کر اپنی بہو کو لے آؤں گی۔ کون ہے وہ؟“ وہ اشتیاق سے بولیں۔

”ابھی مجھے بتاتے ہوئے شرم آتی ہے ویسے یہ شارق صاحب بھی اسے جانتے ہیں۔“ وہ شریر انداز سے صائمہ کو آنکھ مار کر بولے۔ جوان کا مطلب جان کر سرخ ہو گئی تھی۔

”لو میں کیسے اس لڑکی کو جانتا ہوں تمہاری پسند کا مجھے کیا پتہ؟“ شارق تیزی سے بولے تھے مگر پھر اچانک ان کا رنگ بدل گیا۔

”اچھا...... اچھا...... اوہو“ ایک دم ہی شارق کی نگاہوں کے سامنے زیب کا تمتمایا ہوا چہرہ ابھر آیا تھا لیکن وہ خاموش ہو رہے۔ انہیں راحیل کی بات ذرا بھی اچھی نہیں لگی تھی لیکن راحیل تو اپنی سی ہانک رہا تھا اپنی ہی دھن میں مگن تھا۔

”اچھا...... امی میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی پسند کے بارے میں سب سے پہلے آپ ہی کو بتاؤں گا۔ کیونکہ ابھی میں اس کی طرف سے ذرا تذبذب میں ہوں ابھی کچھ وثوق سے نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس لڑکی کا دماغ تھوڑا سا کھسکا ہوا ہے۔ پہلے اسے منا لوں۔ تو پھر چاہے آپ اس کو بیٹی سمجھ کر لے آیئے گا یا بہو بنا کر مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“ راحیل انہیں انجکشن لگاتے ہوئے ہنسا تو وہ بھی مسکرا دیں۔

”دیکھیے تو امی یہ صائمہ کس قدر نکمی ہوتی جا رہی ہے۔“ راحیل اسے دیکھتے ہوئے شرارت سے بولے۔

”پتہ ہے کل جب آپ سو گئی تھیں نا۔ تو میں نے صائمہ سے کہا کہ صبح سے کام کر کر کے نڈھال ہو رہا ہوں سر میں شدید درد ہے۔ کیا ایک پیالی چائے مل جائے گی مجھے۔ تو پتہ ہے امی! صائمہ نے مجھے کیا جواب دیا۔“ راحیل نے ڈرامائی انداز میں کہا تو امی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے دیکھا۔

”امی! یہ کہنے لگیں ڈاکٹر راحیل! میں آپ کی نوکر نہیں ہوں ذرا خود ہاتھ پاؤں ہلایا کیجیے اور یہ کہتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔“ راحیل نے چغلی لگائی۔

”ہائے...... ہائے امی! یہ جھوٹ بول رہے ہیں اللہ کب مانگی تھی آپ نے چائے؟“ صائمہ گھبرا کر بولی۔

”بلکہ...... بلکہ میں تو ہمیشہ خود بنا کر لے آتی ہوں۔“

”اچھا...... اگر کل نہیں مانگی تھی تو اب چائے پلا دو نا۔“ وہ ہنس دیا۔

”نہیں...... پہلے تم سب کھانا کھا لو پھر چائے بھی پی لینا صائمہ بیٹی کھانا یہیں منگوا لو۔ آج میرے سب بچے اکٹھے میرے سامنے بیٹھ کر کھائیں گے۔“ امی خوش ہو کر بولیں۔ صائمہ کچن میں چلی گئی۔

”میں تو کھانا نہیں کھاؤں گا امی جان! مجھے تو بالکل بھوک نہیں ہے۔“ شارق نے انکار کر دیا۔

''بیٹا! بھوک نہیں ہے یا اکٹھے بیٹھ کر کھانے کی عادت ہی بھلا بیٹھے ہو تم۔ ویسے تین سال ہو گئے ہیں تم نے کبھی بھی ہمارے پاس بیٹھ کر کھانا نہیں کھایا ہے۔ وہ رنجیدہ ہو گئیں۔

''امی! آپ خوامخواہ ملول ہو رہی ہیں یہ کھائے گا کیسے نہیں؟ خوامخواہ آپ کو نخرے دکھاتا ہے۔ منتیں کروانے کے لیے۔ اے تم آرام سے بیٹھ جاؤ شارق!'' راحیل نے آنکھیں دکھائیں اور کچن میں صائمہ کا ہاتھ بٹانے چلا گیا۔

''ہیلو ڈیئر لیڈی! میں کچھ مدد کروں۔'' راحیل، صاحبہ کو کھانا ٹرالی میں رکھتے دیکھ کر بولے۔

''جی نہیں شکریہ......'' وہ ناک چڑھا کر گویا ہوئی۔ ''آپ جا کر تشریف رکھیے مجھے نہیں چاہیے مدد شدد۔'' وہ سامنے آ گئے۔

''ہٹئے......آپ کو شرم تو نہیں آتی نا جھوٹ بولتے ہوئے بھلا امی کیا سوچتی ہوں گی؟'' صائمہ ان پر برس پڑیں۔

''نہ بھئی نہ مجھے اب ایسی معمولی باتوں پر شرم نہیں آتی ہے۔'' وہ ڈھٹائی سے بولے۔

''صائمہ یار! شرم تو آتی ہے اب اکیلے رہتے ہوئے۔ اے صاحبہ! تم نے تو میرے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ انتظار کی سولی پر ٹنگا ہوں میں۔ تم کوئی سیدھا امید افزاء جواب ہی نہیں دیتیں۔ خدارا اب تو معاف کر دو مجھے۔'' وہ جھلا کر بولے۔

''ہونہہ......بس یہی تو بری عادت ہے آپ کی۔ تنہائی دیکھتے ہی آپ فضول باتیں شروع کر دیتے ہیں۔'' وہ پریشان ہونے لگی۔

''صائمی! ہم تو پانچ سالوں سے نان اسٹاپ مسلسل شروع ہیں۔ تمہیں منانے کی کوشش میں آپ ہی فل اسٹاپ لگا دیجیے نا۔'' وہ کباب اٹھا کر کھانے لگے۔ وہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی چل دی لیکن راحیل نے راستہ روک لیا۔

''اونہوں......نہ......آج تو جواب لے کر ہی چھٹی دوں گا۔'' وہ ضدی پن سے بولے۔

''راحیل پلیز مت ستائیے نا۔'' وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی اور اپنے کاندھے سے راحیل کا ہاتھ ہٹانا چاہا۔

''تمہیں میں ستاؤں گا تو ضرور۔'' وہ صائمہ کا ہاتھ دبا کر بولے۔ ''بتاؤ نا پھر؟'' راحیل نے تکرار کی۔

''اف اللہ......کیا بتاؤں؟'' وہ ہاتھ چھڑانے لگی۔ وہ راحیل سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔

''بتاؤ یہی کہ تم ہمیشہ کے لیے میری ہو جاؤ گی اور مجھ سے کبھی ہاتھ نہیں چھڑاؤ گی۔'' وہ جذباتی ہونے لگے۔

''پلیز ڈاکٹر! مجھے...... مجھے کچھ معلوم نہیں مجھے جانے دیجیے۔'' وہ حد درجہ گھبرا گئی۔

''ہاں......ہاں......تو تم میری بات کا جواب دے دو۔ ابھی راستہ چھوڑ دوں گا ورنہ کھڑی رہو ساری رات۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''بتاؤ نا صائمہ! تو پھر کب کر رہی ہو مجھ سے شادی خانہ آبادی؟'' وہ جھکتے ہوئے بولے۔

''آپ سے شادی......نہیں کبھی بھی نہیں کروں گی۔'' اچانک وہ سختی سے بولی اور ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی راحیل بیچارہ حیران ششدر سے کھڑے رہ گئے۔ کتنی دیر گزر گئی۔

''ڈاکٹر صاحب! میں کھانا بڑی بیگم صاحبہ کے کمرے میں لیے جا رہی ہوں جی آئیں آپ۔'' ملازم آ گیا جسے شاید صائمہ نے سمجھا کر بھیجا تھا کہ کھانا لے جائے وہ آ کر ٹرالی لے گیا۔

راحیل لٹا لٹا سا کھڑا تھا دل تو چاہ رہا تھا یہیں سے واپس لوٹ جائیں لیکن پھر وہ خود کو سنبھال کر کمرے میں داخل ہوئے۔

''آؤ راحیل بیٹے! کھانا شروع کرو ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ وہ صائمہ کہاں ہے کھانا لینے تو وہی گئی تھی۔ جاؤ فضل دین جلدی بلاؤ اسے۔'' بیگم مراد نے حکم دیا تو وہ چلا گیا۔

راحیل اور شارق نے کھانا شروع کر دیا تھا حالانکہ راحیل زبردستی کھانے کی کوشش کر رہا تھا بھوک تو ویسے ختم ہو چکی تھی۔

''جی بیگم صاحب! صائمہ بٹیا کہتی ہیں ان کی طبیعت اچھی نہیں ہے وہ کھانا نہیں کھائیں گی۔'' ملازم نے آکر بتایا۔

''راحیل بیٹے کھانا کھانے کے بعد اس کو ذرا دیکھ لینا کل بھی اسے حرارت تھی۔ بیٹے تم میرے لیے کسی نرس کا انتظام کروا دو۔ صائمہ دن رات جاگ جاگ کر بیمار ہو گئی ہے۔'' وہ پریشان ہو گئیں۔

''اچھا امی!'' راحیل نے پلیٹ سامنے سے ہٹا دی۔'' آپ صحیح کہتی ہیں میں مناسب نرس کا انتظام کرتا ہوں۔''

''ارے راحیل بیٹے اور کھاؤ نا تم نے تو آدھی چپاتی بھی نہیں کھائی ہے۔'' وہ راحیل کو زبردستی بٹھانے لگیں۔

''بس امی بالکل بھی خواہش نہیں ہے۔ ویسے میری کمی آپ کا یہ دوسرا بیٹا جو پوری کر رہا ہے اور ابھی کہتا تھا مجھے کھانا نہیں کھانا بھوک نہیں ہے اور تیسری روٹی کھا رہا ہے۔'' وہ مسکرا دیئے۔

''اچھا امی مجھے اب اجازت دیجیے۔ مجھے ایک مریض کو دیکھنے جانا ہے اب نو بجنے والے ہیں۔'' راحیل نے بیگ اٹھا لیا۔

''راحیل بیٹے! صائمہ کو دیکھتے جاؤ۔'' انہوں نے تاکید کی تو راحیل نے سر ہلا یا۔

''ہاں...... فضل دین تم حمیدہ کو میرے پاس بھیج دو وہ یہاں سو جائے گی۔ صائمہ کو آج رات آرام کرنا چاہیے۔'' امی آنکھیں موند کر بولیں۔

''چلو شارق! صائمہ کو دیکھ آئیں۔'' وہ نہ جانے کیوں تنہائی میں صائمہ کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔

''راحیل! جاؤ یار تم دیکھ آؤ۔ تمہیں راستہ نہیں آتا کیا اس کے کمرے کا؟'' شارق نے لاپرواہی سے کہا۔

''تم جاؤ مجھے دو تین ضروری آؤٹ آف کنٹری کالز کرنی ہیں۔'' وہ ہاتھ دھو کر فون کی طرف بڑھا۔ مجبوراً راحیل بیگ اٹھا کر اوپر چلا گیا تھا اوپر کے پورشن میں صائمہ کا کمرہ تھا۔

اس نے آہستہ آہستہ دستک تو دی جب کوئی آواز نہ آئی تو وہ کمرے کا بھاری پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا۔ صائمہ کے بیڈروم میں صائمہ اوندھے منہ تکیے میں چہرہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی راحیل کا دل دکھ گیا۔ وہ بیڈ کے قریب پہنچا۔

''صائمہ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں میری بات سے دکھ پہنچا ہے۔'' راحیل کی آواز سن کر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور انہیں تکنے لگی۔

''صائمہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ میں نے ہمیشہ سے یہی چاہا یہی سوچا تھا کہ تمہیں اپنی دلہن بناؤں گا۔ میں نے روز اول سے ہی دل کی گہرائیوں میں تمہیں بسا کر تمہاری پوجا کی ہے۔ بہت...... بہت چاہا ہے تمہیں۔ تمہارے ہی سپنے کھلی اور بند آنکھوں میں دیکھے ہیں۔

میں تمہارے قابل بننے کے لیے ہی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے امریکہ چلا گیا اور دنیا کی رنگینیوں سے منہ موڑ کر پڑھائی میں غرق رہا۔ اور پھر جب وہاں مجھے یہ اطلاع ملی کہ تمہاری شادی حامد سے ہوگئی ہے تو میں فرطِ غم سے دیوانہ ہوگیا۔ میری دنیا اندھیری ویران ہوگئی تھی۔

پھر میرا جی چاہتا تھا کہ میں اپنی بیکار زندگی ختم کر ڈالوں لیکن مرنے سے پہلے ایک بار تم سے ملنے تمہیں دیکھنے کی خواہش نے مجھے زندہ رکھا۔ اور میں ٹوٹے دل کو سنبھالے واپس آ گیا۔ مگر صائمہ تم کسی غیر کی ہوگئیں۔ تب بھی میں نے تمہارے تصورات سے دل کے ویرانوں کو سجائے رکھا تھا۔ شاید تم اسے میری خود غرضی کہو گی۔ لیکن مجھے بے پناہ خوشی ہوئی تھی جب حامد اور تمہاری علیحدگی ہوگئی تھی۔ صائمہ خدا کے واسطے مجھے بتاؤ تو اب تو ہمارے درمیان بظاہر تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے تو پھر تم مجھے میرے پیار کو ٹھکرا کر شادی سے مسلسل انکار کیوں کر رہی ہو؟'' انہوں نے صائمہ کو وحشت میں جھنجھوڑ ڈالا۔

''نہیں راحیل! میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔ کبھی بھی نہیں۔ میں شادی کر ہی نہیں سکتی۔'' وہ بے طرح سے ہچکیاں لینے لگی۔

''کیوں...... آخر کیوں؟'' راحیل حیران تھے۔

''نہیں راحیل میں نہیں بتا سکتی۔ بس آپ یہاں سے چلے جائیں مجھے تنہا چھوڑ دیجیے۔'' اس نے راحیل کو دھکیل دیا۔

''بہت اچھا...... جا رہا ہوں یار! ہم تو ہمیشہ سے یہی سنتے آئے تھے کہ صبر کا پھل نہایت میٹھا ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے صبر کا پھل تو انتہائی تلخ اور کڑوا نکلا۔ یہ ذائقہ بھولے نہیں بھلا سکوں گا۔'' وہ افسردگی سے ہنس کر باہر چلے گئے اور صائمہ کی سسکیاں تیز ہوتی گئیں نہ جانے اندر ہی اندر اسے کون سا دکھ و غم یا وسوسے اندیشے کھائے چلے جا رہے تھے اور اب بقول راحیل کے ان کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ تھی وہ شادی کر سکتے تھے۔ تو پھر صائمہ کیوں اس کو رفیقِ زندگی بنانے سے گریزاں تھی۔

○●○

زیب آفس سے واپس آئی تو ذہنی طور پر وہ نڈھال ہو چکی تھی اگرچہ وہاں کوئی زیادہ کام نہیں تھا بلکہ سارے دن میں اس نے چند ایک خط ہی ٹائپ کیے تھے لیکن شارق کے تلخ اور ڈراؤنے رویے نے اس کو ازحد پریشان رکھا تھا اور وہ ایک ہی دن میں ضبط کرتے درگزر کرتے کرتے تھک کر رہ گئی۔ شکر تو یہ ہوا کہ جس وقت وہ جاوید کے ساتھ گھر واپس آئی تھی اس وقت بھابھی کے پاس کالونی کی چند خواتین ملنے آئی ہوئی تھیں اور سیما ان کی خاطر مدارت میں مصروف تھی۔ کسی نے اس کی اتری ہوئی صورت پر غور نہ کیا تھا۔

سیما اس کے لیے گرم گرم چائے اور سموسے لے آئی تھی۔ زیب نے غسل کر کے لباس بدلا اور تھکاوٹ سے چور بستر پر گر گئی۔ کوئی گھنٹہ ایک وہ سوئی ہوگی کہ پھر اس کی آنکھ کھل گئی باوجود کوشش کے وہ دوبارہ نہ سو سکی۔ تو کتاب اٹھا کر پڑھنے لگی۔

''کہو زیب جان! دن کیسا گزرا؟'' سعدیہ بھابھی اندر آ گئیں اور زیب کی چارپائی پر آ کر بیٹھ رہیں۔

''وہ جاوید بتا رہے تھے کہ تمہارے باس آ گئے ہیں۔'' بھابھی کو دیکھ کر زیب نے کتاب بند کر دی تھی اور دن بھر کی کارگزاری کی رپورٹ دینے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔ بہت کچھ جو دن بھر میں ہوا تھا وہ تو اسے سنسر کرنا تھا۔ بلکہ زیادہ کچھ سنسر کرنا تھا ورنہ تو ملازمت کا سلسلہ ہی ٹھپ ہو جاتا۔

''ہاں...... باس آ تو گئے ہیں مگر بس بھابھی کچھ مت پوچھیے۔ بس یہ سمجھئے کہ اگر قسمت اچھی ہوئی تو زندہ سلامت رہ کر یہ نوکری کر لوں گی۔'' پھر بھی منہ سے نکل گیا۔

''زیب چارپائی پر زور لگا کر اونچی ہوئی تو دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور بمشکل مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔

''ہائیں...... وہ کیسے؟'' سعدیہ حیران ہو کر اس کی صورت تکنے لگیں۔

''وہ مسٹر شارق! بہت ہی بدمزاج اور چڑچڑے سے ہیں بات بات پر کھانے دوڑتے ہیں۔'' زیب نے بتایا تو سعدیہ ہمدردی سے بولیں۔

''اچھا ہائے...... چہ چہ...... بیچارے بڑھاپے میں سٹھیا گئے ہوں گے نا۔'' زیب کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

''ان کا بڑھاپا۔'' وہ ہنس رہی تھی۔ ''ارے کہاں بھابھی بوڑھے کہاں ہیں وہ شارق صاحب! وہ تو اپنے احمر بھیا کے برابر یا کچھ چھوٹے ہی ہوں گے۔'' زیب نے جلدی سے بتایا۔

''ہائیں...... وہ احمر کے برابر ہوں گے۔'' سعدیہ حیران رہ گئیں تو زیب نے سر ہلایا۔

''تو پھر وہ ایسے بدمزاج اور چڑچڑے کیوں ہیں بھلا اس جوانی میں؟'' بھابھی کو کھوج ہوئی۔

''یہی نہیں بھابھی! وہ بہت ہی شر......'' پھر زیب نے ایک دم زبان دانتوں تلے دبا دی۔ ''باپ رے باپ......'' اس نے پھر خود کو کوسا۔ ''یہ اگر میں نے بتا دیا کہ وہ ڈرنک کرتے ہیں اور وہ بھی گلاس میرے ہاتھوں سے ڈلوا بھروا کر تو باوجود غربت اور فاقوں کے بھابھی، بھیا مجھے ملازمت کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ پھر...... پھر میں کہاں کہاں بھٹکوں گی انہیں لے کر۔ کل جب ایڈوانس ملے ہوئے پیسوں سے میں بچوں کے لیے نئے کپڑے خرید کر لائی تھی تو وہ کتنے خوش ہو رہے تھے۔ سارے گھر میں کپڑے اٹھائے اٹھائے پھرے تھے۔ برسوں بعد گھر میں خوشی کی لہر دوڑی تھی کسی کے تن پر نیا کپڑا سجا تھا۔ اور جب میں احمر بھیا کا سلا سلایا سوٹ لے کر ان کے پاس گئی تھی تو جانے کتنی دیر وہ آنکھوں میں دکھ سمیٹے زیب کو سینے سے لگائے بیٹھے رہے تھے۔''

''ہاں تو تم کیا کہہ رہی تھیں زیب!'' بھابھی اسے خیالوں میں مگن دیکھ کر بے صبری و تجسس سے بولیں۔

''وہ...... وہ بھابھی سنا ہے اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ شارق صاحب پیٹنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔'' وہ جلدی سے بات بنا کر بولی۔

''دوسری پریشانی یہ ہے بھابھی کہ میں ان کی پرائیویٹ سیکرٹری ہوں۔ مجھے شارق صاحب کے ساتھ رات کو بھی دیر تک باہر رہنا پڑے گا۔ وہ بڑے بڑے تاجروں سے ملتے ملاتے ہوں گے نا؟ تو مجھے ان کی تمام مصروفیت کا ریکارڈ رکھنا ہو گا۔'' وہ دل کی بات زبان پر لے آئی۔

''تمہیں راتوں کو باہر رہنا پڑے گا۔''

''لیکن زیب رانی! یہ تو دیکھو وہ جوان آدمی ہے۔ اگر بوڑھا ہوتا تو تب بھی لوگ چپ نہ رہتے۔ ضرور باتیں

بناتے پھر اب تو معاملہ اور ہے۔ زیب ایسا نہ ہو ہم بدنام ہو جائیں۔ غریب کی عزت ہی اس کا سرمایہ ہوتی ہے۔ اور ہمارے پاس رکھا بھی کیا ہے؟ دیکھونا شارق صاحب کا کیا بگڑے گا۔ وہ تو مطلب نکل جانے کے بعد اور سیکرٹری رکھ لیں گے نا۔'' وہ پریشان ہو گئیں۔

لیکن وقت اور حالات کے ہاتھوں تھپیڑے کھا کر زیب تو ہر رشتے اور ہر ایک سے بدظن ہو چکی تھی۔ وہ بھنا کر بولی۔ ''اونہہ بھابھی! لوگوں کا کیا ہے وہ تو ہمیشہ باتیں بناتے رہتے ہیں ویسے باتیں کب نہیں بنی ہیں ہم پر کب لوگوں کے منہ بند ہوئے ہیں۔ لیکن کبھی ان باتیں بنانے اور تماشہ دیکھنے والوں نے ہمیں فاقوں سے نجات دلانے کی کوشش کی ہے۔ جب یہ خود غرض اور مطلبی لوگ ہمارا سہارا نہیں بن سکتے ہمارا پیٹ نہیں بھر سکتے تو ایسے بیکار فضول رشتہ داروں یا لوگوں سے خوفزدہ کیوں ہوں اور خود کو پھر سے مصیبتوں کے حوالے کیوں کریں؟'' وہ باغی انداز سے بولی۔

''ویسے...... پھر بھابھی کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے کیا؟'' وہ بڑے پراسرار انداز میں پوچھنے لگی۔

''بھابھی میں کبھی آپ کی عزت پر حرف نہیں آنے دوں گی۔ یہ دیکھیے بھابھی میں کل بازار سے یہ چاقو خرید کر لائی ہوں۔'' اس نے پرس سے بڑا سا چاقو نکال کر دکھایا۔

''خدانخواستہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گی۔'' وہ آبدیدہ ہو کر سعدیہ سے لپٹ گئی۔

''بالکل زیب میری جان! زیب گڑیا مجھے تم پر بے پناہ اعتماد ہے۔'' بھابھی نے اس کی اجلی پیشانی چوم لی اور سینے سے بھینچ لیا وہ چاقو دیکھ کر مسکرا دی تھیں۔

''اف کیوں...... کیوں بھابھی یہ کیا سازش ہو رہی ہے ہم دونوں مظلوم بھائیوں کے خلاف؟'' جاوید، احمر کو سہارا دیتے ہوئے اندر آ کر بولے۔

''بھیا! آیئے جاوید بھائی۔'' زیب دوپٹہ سنبھال کر اٹھ گئی چہرے سے تھکن ہویدا تھی۔

''زیب جی! یہ جاوید بھائی تو آ گئے ہیں لیکن خدا جانے وہ چائے اور سیما کہاں رہ گئی ہیں۔ بھئی بڑی سست ہے تمہاری بہن وہ دو گھنٹے پچیس منٹ پہلے چائے بنانے کا کہہ کر کچن میں گھسی تھیں۔'' جاوید شکایتی انداز سے بولا۔

''اچھا...... آپ بیٹھیں میں جا کر دیکھتی ہوں۔'' زیب نے ہنس کر کہا وہ جانتی تھی کہ جاوید کو تو چائے کا جیسے نشہ ہے۔ جیسے شارق کو شراب کا۔ دل نے سرگوشی کی۔

''ہائیں...... زیب آپ جا کر دیکھیں گی کچن میں؟'' جاوید نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ ''یعنی سارا دن باس کی ڈانٹ پھٹکار کھانے سننے کے باوجود آپ میں چلنے پھرنے کی طاقت رہ گئی ہے۔ بڑا اسٹیمنا ہے بھئی۔''

''زیب کو ڈانٹا پھٹکارا ارے کیا بہت تندمزاج ہیں شارق صاحب؟'' احمر نے گھبرا کر پوچھا۔

اس سے پہلے جاوید کچھ بتاتے زیب نے گھبرا کر انہیں اشارے سے کچھ کہنے سے روکا۔ تلخ حقیقت بتانے سے منع کیا۔

''ارے نن...... نہیں مزاج تو تیکھا یا تیز نہیں ہے ویسے کبھی کبھی انہیں دورہ پڑ جاتا ہے انسان کو کچا چبانے کا خون پینے کا ویسے باس دل کے بہت اچھے ہیں۔'' جاوید جلدی سے بولا پھر سیما کو دیکھ کر ایک دم بات بدلی اور احمر کا دھیان بھی

ہٹا دیا۔

''ارے......ارے شکر ہے کہ سیما بی آپ چائے تو لے کر آئیں۔'' جاوید کھل اٹھا۔

''میرا تو خیال تھا کہ آپ پتی لینے کے لیے خود سیلون سری لنکا تشریف لے گئی تھیں۔'' وہ اس کے سرخ اور پسینہ پسینہ چہرے کو دیکھ کر بولے۔

''ہوں ویری فنی...... جی ہاں آپ باتیں نہیں بنائیں گے تو کون بنائے گا؟'' سیما نے منہ بنایا اور جاوید کو ڈپٹا۔

''وہاں آپ کے گھر میں چولہا تو جلتا نہیں لیکن سوئی گیس لگی ہوئی ہے۔ یہ تو الٹا معاملہ ہے اور یہاں چولہا ہے اور جلتا بھی ہے لیکن گیس نہیں ہے۔ گیلی لکڑیاں سلگانی پڑتی ہیں۔ پھونکیں مارتے مارتے جان نکل جاتی ہے۔'' وہ ٹرے زور سے میز پر رکھ کر بولی۔

زیب کی نسبت سیما کی طبیعت میں تیزی تھی وہ خاصی منہ پھٹ بھی تھی بغیر سوچے سمجھے اپنی پسند ناپسند کا اظہار کر دیتی تھی۔ جاوید سے تو اکثر بحث مباحثہ ہو جاتا تھا۔ بلکہ نوبت تکرار تو پہنچ جاتی تھی۔

''ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ...... ویری فنی...... کہا ہے نا سیما بی نے......'' جاوید نے جیسے متاثر ہو کر سر ہلایا۔

''مطلب یہ کہ انہیں بہت اچھی انگریزی بھی آتی ہے واہ...... واہ۔ اچھا تو سوئی گیس نہیں ہے آپ کے کچن میں تبھی چائے دیر سے ملی تو جواباً ویری فنی...... چہ چہ...... بیچاری بچی...... بھئی یہ کون سی مشکل بات ہے ہم کل ہی آپ کا یہ کام کروا دیں گے۔ سوئی گیس بھی آ جائے گی آپ نے پہلے بتایا ہی نہیں۔ دراصل آپ لوگوں کے آنے سے پہلے جو لڑکیاں یہاں رہتی رہی ہیں۔ وہ اپنی فیملی کو اپنے ساتھ رکھنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ خود وہ باہر ٹور پر رہتی تھیں اور بڑے بڑے ہوٹلوں میں انواع اقسام کی ڈشز کھاتی تھیں۔ گھر میں کچھ پکاتی نہیں تھیں۔ اسی لیے کسی نے شکایت نہیں کی تھی۔ سوئی گیس کے نہ ہونے کی۔'' جاوید نے تسلی دی۔

''جاوید بھائی! ڈاکٹر راحیل سے اگرچہ بہت مختصر ملاقات ہوئی تھی لیکن وہ بہت اچھے انسان ثابت ہوئے۔ کل وہ آئیں گے نا۔'' احمر چائے پیتے ہوئے بولے۔

''ہاں...... ہاں ضرور آئیں گے۔ وہ بھی آپ سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ اے بی سیما ہمیں ایک پیالی اور بنا دیجیے نا۔'' جاوید نے فرمائش کی۔ سیما بڑبڑاتی ہوئی اٹھی اور چائے بنانے لگی ساتھ ہی ساتھ جاوید کو کڑی نظروں سے بھی دیکھ لیتی تھی۔

''اونہہ...... سامنے بیٹھی ہوں نا۔ بس فرمائشیں کرتے جائیں گے ایک ایک پیالی کہتے کہتے ساری چینک چڑھا جائیں گے۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''دیکھا سنا آپ نے احمر بھیا! یہ سیما نے کچھ دنوں سے بہت بڑبڑانا شروع کر دیا ہے۔ ایک سے دوسری پیالی مانگو تو دس صلواتیں سناتی ہے۔'' جاوید نے شکایت کی۔

''دراصل جو لڑکیاں سارا دن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہیں نا انہیں اگر تھوڑا سا بھی کام بتا دیا جائے تو وہ سستی اکساہٹ سے انہیں بہت تکلیف ہوتی ہے۔'' وہ سیما کو چھیڑنے لگا۔

''جی ہاں...... میں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہتی ہوں۔ پھر یہاں کھانا بھی آپ آ کر پکاتے ہوں گے۔ برتن بھی

دھوتے ہوں گے؟ صفائی بھی آپ جھاڑ و سنبھال کر کرتے ہیں اور یہ کپڑے بھی آپ نے دھوئے ہوں گے؟'' وہ سلگ اٹھی اور کاموں کی لسٹ گنا دی۔

''ہونہہ......خود تو نواب صاحب سارا دن آفس میں کرسی پر ڈٹ کر بیٹھے رہتے ہوں گے۔ آرڈر دیتے رہتے ہوں گے جونیئرز کو وہاں بھی چائے پی پی کر اپنا سینہ جلاتے ہوں گے۔ اور یہاں آ کر مجھ پر خوامخواہ دھونس جماتے ہیں۔'' وہ باقاعدہ بازو چڑھا کر بولی۔

''نہ......نہ......سیما بیٹے! ایسی باتیں نہیں کرتے ہیں بری بات ہے۔'' احمر نے ٹوکا۔

''سنیئے احمر بھیا! یہ مجھے بہت ستاتے ہیں۔۔دیکھیے نا ابھی کچھ دیر پہلے میں نے سب برتن دھو کر صاف کر کے رکھے تھے کہ یہ بازار سے پھلوں کے لفافے بھروالائے اور کچن میں گھس آئے برتن نکالے چھریاں سنبھالیں پھر بچوں کو اکٹھا کر کے اعلان کیا کہ چاٹ بناتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد سب برتن پھر سے خراب کر دیئے ہیں۔'' وہ باقاعدہ ہونٹوں اور تھوڑی کو پھڑکا پھڑکا کر بسورنے لگی تھی۔ بچوں کی طرح سے۔ تو جاوید کو بہت اچھی لگی۔

''ہائے......اچھا بابا! روتی اور لڑتی کیوں ہو؟ تو ہم خود جا کر دھو لیتے ہیں برتن......گڑیا......کامران بیٹے۔'' جاوید نے آواز دی۔ دونوں خوبصورت پیارے ستھرے ستھرے بچے بھاگتے ہوئے آ گئے۔

''جی انکل!'' سات سالہ سرخ پھولی پھولی گالوں والی گڑیا ان کی گود میں بیٹھ گئی۔

''بیٹے آپ نے اپنی سیما پھپھو جانی کو چاٹ نہیں کھلائی تھی نا۔ دیکھو وہ ناراض ہو گئی ہیں رو رہی ہیں شکایتیں کر رہی ہیں اور اب کہہ رہی ہیں جاؤ تم لوگ برتن دھوؤ جا کر۔'' جاوید نے گپ لگائی۔

''انکل ہم نے تو سب کو چاٹ دی تھی لیکن جب سیما پھپھو کھانے لگی تھیں تو آپ نے انہیں پیٹو کہہ دیا تھا۔ بس تو انہوں نے غصے میں ساری چاٹ گرادی۔'' دس سالہ کامران نے جلدی سے کہا۔

''ہاں گ......گرائی تھی مجھے کیا ضرورت ہے کسی کی فضول باتیں بھی سنوں اور کام بھی کروں۔ ایسی بہت سی چاٹیں کھائی ہیں میں نے۔'' سیما نے ڈپٹ کر کہا۔

''اور کوئی ضرورت نہیں دوبارہ کچن میں گھسنے کی میں نے چائے بناتے ہوئے دھو ڈالے تھے وہ گندے برتن۔ مت آپ مجھ پر احسان جتائیں۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''سنیئے احمر بھیا! یہ آپ سیما کو بھی سکول میں داخل کروا دیجیے نا۔ نہ یہ فارغ بیٹھیں گی نہ دماغ میں شیطانی فسادی خیالات جنم لیں گے۔'' جاوید نے مشورہ دیا۔

''ہائیں...... یہ مجھے سکول میں داخل کروائیں گے۔ کیوں بھلا؟'' وہ چیخی۔ سب ان کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''اے تو کیا آپ محترمہ یونیورسٹی میں ڈائریکٹ داخل ہونا چاہتی ہیں۔ مس جینیس؟'' وہ طنز سے بولا۔

''ارے نہیں جاوید بھیا! ہماری سیما تو بی اے میں پڑھتی تھی اس سال یہ فائنل کا امتحان دیتی۔'' بھابھی نے فخر سے کہا۔

''ہائیں یہ بی اے کی اسٹوڈنٹ تھیں۔'' جاوید نے حیرت و استعجاب سے منہ پھاڑ کر سیما کو بغور دیکھا۔ نہیں بھئی

نہیں۔ وہ تو بمشکل سولہ سال کی میٹرک کی طالبہ لگتی تھی۔ اس وقت بھی وہ پرنٹڈ کاٹن کا گولڈن سبز چھوٹے چھوٹے پھولوں والا سوٹ پہنے لمبے گھنے بالوں کی چوٹی گوندھے کانوں کے پیچھے چھوٹے چھوٹے بال اڑائے تھی چہرے پر حد درجہ معصومیت تھی۔ چھریرا بدن قد بھی مناسب نکلتا ہوا سا تھا۔ جاوید نے خجل ہو کر سر کھجایا سیما نے تفخرانہ انداز سے اسے دیکھ کر منہ چڑایا۔ زبان نکالی۔ وہ بے طرح خوش ہو گئی تھی۔

''اچھا...... تبھی یہ مس بی اے اس وقت انگلش میں طنز کر رہی تھیں۔ ویری فنی!'' جاوید نے سر ہلایا۔

''ویسے ہیں تو یہ پکی گریجویٹ لیکن حرکات اور مزاج تو بالکل الہڑ بچوں جیسا ہے۔ ایمان سے میں سمجھا تھا ہوں گی ساتویں آٹھویں جماعت کی طالبہ۔'' جاوید کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا پھر وہ سوچتے ہوئے ایک دم بولا۔

''میں نے کہا زیب! ابھی چار چھ مہینے رہتے ہیں بی اے کے فائنل امتحان ہونے میں۔ اگر یہ تیاری کر لیں تو پرائیویٹ امتحان دے سکتی ہیں پھر ڈگری ہاتھ میں پکڑ کر ہم پر باقاعدہ رعب ڈال سکتی ہیں۔'' جاوید نے کہا۔

''میں بی اے کر سکتی ہوں ارے ہائے ایمان سے جاوید بھائی کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ اس نے یہ پہلی دل خوش کرنے والی بات کی ہے میرے ساتھ۔ اللہ میری بھی دلی آرزو ہے کہ میں بہت سا پڑھوں علم حاصل کروں۔'' سیما جلدی سے پہلی بار ذرا نرمی سے بولی۔

''کیوں...... کیوں لڑائی ختم ہو گئی ہے ہم سے؟'' جاوید نے گھورا۔

''ویسے میں تم سے نہیں زیب سے بات کر رہا ہوں۔'' وہ رکھائی سے بولا اور سیما کی طرف سے منہ پھیر لیا جو بے قرار ہو رہی تھی۔

''تو سعدیہ بھابھی میں کل ہی داخلے کے فارم لیتا آؤں گا۔'' وہ کنکھیوں سے سیما کو دیکھ کر بولا جو خوشی سے تمتما اٹھی تھی۔

''اچھا اٹھو چلو بچو اب چل کر برتن دھو لیتے ہیں۔'' جاوید کھڑا ہو گیا تو سیما تڑپ کر اٹھی۔

''ارے نہیں نہیں جاوید بھیا! وہ تو اس وقت میں مذاق کر رہی تھی۔ میں نے بتایا تھا کہ میں وہ برتن دھو چکی ہوں ویسے بھی آپ بھلا برتن دھوتے ہوئے اچھے لگتے کیا؟'' وہ بڑے دلار سے بولی اس اچانک کایا پلٹ اور مزاج کی تبدیلی پر سب ہی ہنس رہے تھے۔

''اللہ! توبہ میرے مولا! لوگ کتنے مطلبی ہوتے ہیں ابھی چند منٹ پہلے پانی پت کی تیسری جنگ کے آثار تھے کوئی ایک پیالی چائے بنا کر دینے پر طعنے دے رہا تھا اور اب ایک دم ہی صلح کا سفید جھنڈا لہرا دیا گیا ہے۔'' احمر نے ہنس کر کہا تو سیما کچھ شرمندہ ہو گئی پھر ڈھٹائی سے بولی۔

''اچھا جو حکم سرکار کا۔'' جاوید نے سر خم کیا۔ ''تو پھر اسی خوشی میں ایک دو کپ چائے کے پلا دیں نا۔'' جاوید نے جھٹ موقع سے فائدہ اٹھایا۔

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں۔ میں ابھی گرم گرم الائچیوں والی مزیدار چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ خوشی خوشی باہر بھاگ گئی اور سبھی کے ہونٹوں پر بے ساختہ ہنسی بکھر گئی۔

غریب لوگوں کی تو خوشیاں بھی مختصر اور چھوٹی چھوٹی سی ہوتی ہیں ان کا تو دامن خواہشات بھی صبر و قناعت کے

پھولوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ وہ تھوڑی کو ہی بہت جان کر گھر میں چراغاں کر لیتے ہیں۔ بے پناہ سکھ و خوشی پا لیتے ہیں۔

○●○

شارق صبح آفس میں داخل ہوئے تو ان کے قدم رک سے گئے کمرے کی فضا بدلی بدلی نظر آ رہی تھی انہوں نے گہری نظروں سے اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ کھڑکیوں کے پردے ہٹا دیئے گئے تھے چمکیلی دھوپ نے ماحول کو منور کیا ہوا تھا۔ کمرے میں عجیب مسحور کن خوشبو پھیلی ہوئی تھی سامنے میز اور سائڈ ٹیبلوں پر پھولدانوں میں نہایت مہارت و نفاست سے مختلف قسم کے پھولوں کے گلدستے سجے تھے۔ ان کی اپنی میز پر بڑے سے شیشے کے پیالے میں نرگس کے ڈھیر سارے پھول سجے تھے۔ اور جس چیز کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھیل گئیں وہ یہ تھا کہ اس کا پسندیدہ مشروب اور گلاس بھی رکھا ہوا تھا۔ وہیں سائڈ بورڈ پر وہ مسکرا ہی تو دیئے بڑی اچھی پروگریس تھی یہ تو دیکھا اسے تند و تیز الفاظ میں ڈپٹا تو کیسی کایا پلٹی تھی۔

''وہ کل تک تو بوتل کو ہاتھ لگانے سے انکاری تھی اور آج خود ہی بوتل نکال کر میز پر سجا رکھی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کوٹ الماری میں لٹکا کر کرسی پر بیٹھ گئے اور زیب کو بلانے کے لیے انٹر کام کا بٹن دبایا۔

''گڈ مارننگ سر!'' وہ جلدی سے چلی آئی تھی گویا پلک جھپکتے ہی سامنے تھی۔

''مارننگ!'' وہ لاپرواہی سے بولے اور اسے بغور دیکھا۔ وہ نیلے پھولدار شلوار قمیص میں بہت پرکشش لگ رہی تھی۔ گھنے بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا کیا ہوا تھا جو اس کے چہرے پر بہت سج رہا تھا۔

''تم شلوار قمیص کے علاوہ کوئی دوسرا لباس نہیں پہنتیں؟'' انہوں نے بھنویں چڑھا کر پوچھا۔ البتہ لہجہ کچھ دھیما تھا۔

''وہ سر! میں ساڑھی پاجامہ کرتہ یہ سب لباس پہنتی ہوں اور میں کل جاوید صاحب کے ساتھ جا کر نئے کپڑوں کا آرڈر بھی دے آئی ہوں۔'' وہ جلدی سے بولی اور ٹائپ کیے ہوئے خط سامنے رکھ دیئے۔

شارق سر جھکا کر دستخط کرنے لگے۔ زیب انہیں مصروف پا کر ان کا جائزہ لینے لگی تھی اور آہستہ آہستہ کھوجتی جانچتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

براؤن پتلون سفید قمیص پر سرخ ڈیزائن والی ٹائی۔ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے چہرے پر بچوں جیسی معصومیت چھائی ہوئی تھی اور ان کی آنکھیں تو تھی ہی بڑی بڑی سحر انگیز سی مگر ان کی پلکیں کتنی لمبی اور گھنی گھنی تھیں۔

''اللہ...... پتہ نہیں اتنے بدمزاج اتنے بدزبان کیوں ہیں یہ؟'' اس نے سوچا اور خیالات کے دائرے پھیلنے لگے۔

''جی...... کہیے آپ کیا میرے چہرے پر تلاش کر رہی ہیں؟'' شارق کی تیز آواز نے اسے اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''کک...... کچھ بھی نہیں سر...... وہ...... وہ تو میں ویسے ہی دیکھ رہی تھی کہ...... آ...... آپ شکل سے تو اتنے اچھے لگتے ہیں ذرا بھی بدمزاج نہیں لگتے۔ پھر کیوں زہر اگلتے رہتے ہیں؟ بھلا زبان آپ کی اتنی تلخ کیوں ہے؟ مم...... میرا مطلب ہے کہ اف اللہ؟'' وہ ہوش میں آ کر بے تحاشہ گھبرا گئی اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ دبا لیا۔

''خدایا...... وہ کیا بک بیٹھی ہے۔ بس اب اس کی خیر نہیں ہے۔'' اس نے بوکھلا کر سوچا اور یہی ہوا۔

''مس زیب رحمان! آپ یہاں ملازمت کرنے کے لیے آئی ہیں۔ نہ کہ میری شکل و صورت اور عادات کا جائزہ

لینے۔ میرا ایکسرے کرنے۔ مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں ہے کہ کوئی لڑکی میرے ذاتی معاملات میں دخل دے یا میرے بارے میں تنقید کرے۔ یا میرے چہرے کو پسند کرے۔ آئندہ آپ نے میری چھان بین کرنے کی کوشش کی تو سخت سزا دوں گا۔'' اس نے درشتگی سے متنبہ کیا۔

''آئی ایم ویری سوری سر! آئندہ ایسا نہیں ہوگا رفتہ رفتہ سب سیکھ لوں گی جی۔'' وہ سر جھکا کر صلح کرنے والے موڈ میں بولی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہمیشہ کی طرح پھر دن کی ابتدا لڑائی جھگڑے سے ہو۔ شارق نے تیز نظروں سے اس کو دیکھا پھر خط پڑھنے لگے۔

''اندھی ہیں کیا آپ مس زیب!'' یکایک وہ تیزی سے بولے۔

''جی سر!'' وہ گھبرا کر آگے بڑھی دل سینے میں دھڑ دھڑا کر رہ گیا تھا۔

''آج تاریخ کیا ہے؟'' وہ تیوری چڑھا کر بولے اور سامنے دھرے خط پر زور زور سے انگلی ماری۔

''تاریخ سر! آج اٹھارہ ہے۔'' وہ جلدی سے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر تاریخ دیکھ کر بولی۔

''اچھا اور تم نے یہاں خط پر کیا لکھی ہے؟'' انہوں نے کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ بے خیالی میں قریب جھک کر پڑھنے لگی ''انیس تاریخ'' وہ بوکھلا کر بولی۔

''تو یہ ہے آپ کی قابلیت۔ آپ کو پہلا کام دیا تو وہ بھی ٹھیک طرح سے سرانجام نہیں دے سکی ہیں آپ؟ کام کرتے ہوئے آخر آپ کا دھیان کہاں ہوتا ہے؟ اگر تو راحیل اور جاوید کے متعلق سوچنا ہے نا تو گھر میں بیٹھ کر سوچا کریں۔ میں یہاں آپ کو کام کرنے کا معاوضہ دیتا ہوں بوائے فرینڈز کے متعلق سوچنے کا نہیں؟'' وہ گرجے تو زیب کو برا لگا۔

''سر! راحیل اور جاوید میرے بوائے فرینڈز نہیں ہیں۔ وہ تو...... وہ تو......''

''شیٹ اپ مجھے بحث سے نفرت ہے اور وہ ملازم جو سامنے جواب دے میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔''

شارق نے خط دور پھینک دیئے تھے اور ان کی نگاہوں میں سرخی چھانے لگی تھی۔

''پلیز سر! میں دوبارہ ٹائپ کر لیتی ہوں۔'' وہ جھک کر کاغذ سمیٹنے لگی پھر پسینہ پونچھتے ہوئے باہر نکل گئی۔

شارق تیز نظروں سے ہلتے ہوئے پردے کی سمت گھورتے ہوئے دانتوں سے سگار توڑنے لگے تبھی انٹرکام کا بزر بول اٹھا۔

''سر مس ٹیٹا رحیم تشریف لائی آپ سے ملاقات پر بضد ہیں۔'' انٹرکام پر جاوید کی آواز ابھری۔

''تم کہہ دو کہ میں فارغ نہیں ہوں یہ تو پیچھے ہی پڑ گئی ہے۔'' وہ جھنجلا کر بولے۔

''سوری سر اب آپ فارغ ہوں یا نہ ہوں وہ تیزی سے آپ کے آفس کی طرف بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ سونامی کی تند و تیز منہ زور ایک طوفانی لہر کی طرح۔ ہاں اب انہوں نے رک کر آپ کے آفس سے باہر آتی مس زیب سے کچھ پوچھا ہے اور دوبارہ آپ کے آفس کی طرف چل رہی ہیں۔ زیب بیچاری نے انہیں روکنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن مس ٹیٹا نے ان کا ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹایا اور اب آپ کے کمرے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ لیجیے یہاں سے اتنا نظر آ رہا ہے کہ انہوں نے آپ کے کمرے کا پردہ ہٹایا ہے اور کمرے میں غائب ہو کر پیچھے دروازہ زور سے بند کر دیا ہے۔'' جاوید کمنٹری

کرنے لگا تھا۔
''ہاں تو سر! اب اندر کیا ہو رہا ہے۔ یا ہونے والا ہے آپ بتانا چاہیں تو بتا دیں۔'' جاوید نے لوفرانہ انداز میں کہا۔
''بکواس بند کرو خبیث۔'' شارق دھاڑے اور جھٹکے سے فون بند کر دیا اور کرسی گھما کر ٹینا کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔
''منع کرنے کے باوجود اندر کیوں آئی ہیں آپ؟'' وہ سختی سے بولے۔
''تو بہ کسی ملک کے صدر، گورنر اور وزیر اعلیٰ سے ملنا اس قدر مشکل نہیں ہوگا جس قدر دشواری سے آپ ملتے ہیں۔ بگڑیئے مت۔ میں یہاں دن گزارنے نہیں آئی ہوں۔'' وہ پرس میں سے کارڈ نکال کر میز پر رکھ کر بولی۔
''اگلے ہفتے میری سالگرہ ہے آپ ضرور تشریف لائیے گا۔'' وہ اس کے قریب میز پر ہی ٹک گئی تھی اس کے گھٹنے شارق کے جسم کو چھو رہے تھے۔
''سوری...... میں فارغ نہیں ہوں نہیں آسکوں گا۔'' شارق نے بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ٹینا نے بوتل اٹھا لی اور گلاس میں وہسکی انڈیلی اور اپنے ہی ہاتھوں میں تھامے تھامے گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا۔ شارق نے سرخ نظریں اٹھائیں اور مسکرائے۔ پھر شارق نے اس کا بازو کھینچا وہ ان کے سینے سے آ ٹکرائی تھی۔ ''چلو وقت گزاری کے لیے کیا بری ہے۔'' شارق نے سوچا تھا۔
مگر ٹینا کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی وہ خود سپردگی کے لیے تیار تھی۔ شارق اسے دونوں بازوؤں میں جکڑ کر ہونٹوں پر جھکے۔ ٹینا ان کی قومی گرفت میں مچلنے لگی تھی پھر لمحے دبے پاؤں گزرتے چلے گئے تھے وہ دنیا جہاں سے غافل ہو چکے تھے۔
تھوڑی دیر کے بعد زیب خط ٹائپ کر کے شارق کے آفس میں داخل ہوئی پھر سامنے جو کچھ دیکھا تو اس کو زبردست جھٹکا لگا وہ آنکھیں پھاڑے سامنے صوفے پر دیکھتی رہ گئی۔ سبھی کچھ ناقابل یقین سا لگا۔
وہ تو وہاں سے منہ چھپا کر واپس بھاگی اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے کاغذات میز پر پھینکے اور سر میز سے ٹکا دیا۔
''خدایا اف خدایا......'' اس کا سر چکرا رہا تھا۔
یہ معصوم صورت شخص اس قدر نیچ بھی ہو سکتا ہے؟ اسے یقین نہیں آ رہا تھا وہ کپکپا رہی تھی جھرجھری آ رہی تھی اسے۔
اس کا دل وضمیر چاہ رہا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہاں سے بھاگ نکلے۔ وہ کن گندگیوں میں آن پھنسی تھی؟ اس نے اکثر جاوید کی وارننگ سنی تھیں لیکن وہ یہی سمجھتی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ ڈرنک کرتے ہوں گے یا باہر گرل فرینڈز بھی ہوں گی۔ لیکن شارق آفس کے تقدس کا بھی خیال نہیں رکھیں گے۔ یہاں بھی عیاشی کا اڈہ بنا لیں گے زیب کو امید نہ تھی۔ اس طرح تو زیب کی عزت بھی محفوظ نہ تھی۔
زیب نے پرس کھولا اور اس میں چھپائے ہوئے چاقو کو دیکھا اور کچھ مطمئن سی ہوگئی۔ اگر غلط طریقہ اختیار کیا تو میں یقیناً مار ڈالوں گی۔ وہ کتنی ہی دیر سر جھکائے گم صم پڑی رہی۔ ایک دم فون بجنے پر وہ بری طرح سے ڈر گئی۔
''یس سر!'' وہ کراہت آمیز شکل بنا کر بمشکل بولی۔

''تم جلدی آفس میں آؤ۔'' بوجھل اور گھٹی گھٹی سی آواز آئی تو زیب نے دل تھام لیا۔

''سر کیا وہ...... وہ ٹینا چلی گئی ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''اونہہ...... اگر وہ محترمہ وہاں موجود ہیں تو میں کبھی نہیں اندر جاؤں گی۔'' زیب نے طے کرلیا تھا۔

''کیا بکواس ہے۔ وہ جائے یار ہے تمہیں اس سے کیا؟'' شارق نے فون بند کردیا۔

زیب نے رومال سے پیشانی پر ابھرے پسینے کے قطرے صاف کیے اور کاغذات اٹھا کر چل دی۔

آفس میں داخل ہو کر اس نے چاروں طرف دیکھا ٹینا وہاں نہیں تھی نہ جانے کب گئی تھی؟ شارق اکیلا کھڑکی کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ آہٹ پا کر مڑا۔ زیب خاموش کھڑی تھی۔ مگر اس کے چہرے پر عجیب حقارت آمیز تاثرات تھے اسے شارق کے کرتوت دیکھ کر بہت نفرت محسوس ہو رہی تھی اور یہی جذبات وہ چھپا نہیں پا رہی تھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس گھناؤنے شخص کو خوب صلواتیں سنائے۔ آئینہ دکھائے۔

اور شارق اس کے چہرے کی بنتی مٹتی لکیروں کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگے۔ حقارتیں نفرتیں تو چہرے پر سج گئی تھیں۔ ''جناب یہ خط مکمل ہیں دیکھ لیجیے آپ......'' وہ سنبھل کر بولی اور کاغذ ان کی طرف بڑھائے مگر نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔

پھر نہ جانے کیسے زیب کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں آ گیا۔ دونوں ہی کے وجودوں میں عجیب سی سنسناہٹ پھیل گئی۔

شارق نے حیران ہو کر زیب کو دیکھا۔ جو حواس باختہ کھڑی تھی جسم جیسے زلزلوں کی زد میں تھا۔

زیب نے گھبرا کر ہاتھ کھینچا۔ اسے شدید گھن آئی ابھی کچھ دیر پہلے تک یہی ہاتھ ٹینا کے وجود کو جکڑے ہوئے تھے آلودہ تھے۔ لیکن اب شارق نے کاغذ تو میز پر پھینک دیئے اور اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ جیسے وہ خود کو کسی انہونی کا یقین دلانا چاہتے ہوں۔ جتنا زیب ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی گرفت بڑھتی جا رہی تھی۔

ہاں ان کے وجود میں عجیب سے جھٹکے لگ رہے تھے۔

''اتنی کشش...... یہ کیسے ہوسکتی ہے۔'' یہ ان کے سرد وجود میں تیز گرم سی لہریں یہ سنسناہٹ کیسی پیدا ہو رہی تھی؟ وہ تو عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھتے تھے۔ کیا کسی لڑکی کو چھونے سے اس طرح بے خودی چھا سکتی ہے؟ انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

وہ تو اب تلک ہزارہا لڑکیوں سے مل چکے تھے ایسا تو کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ کہ وجود ہی جھنجھنا اٹھے۔ اب پھر اس سادہ سی لڑکی میں بھلا کیسی مقناطیسی کشش تھی جو ان کے وجود کو اپنی اور کھینچے جا رہی تھی۔ ممکن ہے انہوں نے زیب سے پہلے ملنے والی ان گنت لڑکیوں میں سے کسی پر غور ہی نہیں کیا ہوگا۔ کہ وہ بھی اس قدر مقناطیسی کشش رکھتی ہوں گی۔ انہوں نے سوچا پھر سہمی ہوئی زیب پر نظر ڈالی جس کی حسین آنکھوں سے خوف ہویدا تھا۔ وہ گویا ڈر ڈر کر سانس لے رہی تھی۔

''سر! پلیز میرا ہاتھ چھوڑیئے۔'' زیب نے گھبرا کر ہاتھ کھینچ لیا اور دور ہٹ گئی اور گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے دوپٹہ ٹھیک کرنے لگی۔

شارق ٹکٹکی باندھے اسے کچھ سوچتی نظروں سے تک رہے تھے تبھی جاوید اندر چلا آیا اور گھبرا کر بولا۔ ''زیب...... زیب غضب ہو گیا ہے۔ احمر بھیا سیڑھیوں سے گر گئے ہیں۔ ابھی شہزاد نے آ کر بتایا ہے اور انہیں خاصی چوٹیں آئی

ہیں۔"

"اوخدایا!" وہ گھبرا کر باہر کی طرف بھاگی پھر ٹھٹک کر رک گئی اور ملتجانہ نظروں سے رک کر شارق کو دیکھا۔

"اللہ معلوم نہیں باس مجھے جانے بھی دیں گے یا نہیں؟" آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا ان گنت التجائیں تھیں۔تو شارق بول اٹھے۔

"جاؤ جاوید! تم سب کام چھوڑ دو اور انہیں گھر پہنچا دو۔ڈاکٹر کی ضرورت ہو تو بلوا لینا۔"

"اوکے سر! بہت بہت شکریہ۔" وہ نگاہوں میں نمی سمیٹے ممنون انداز سے کہہ کر پلٹ گئی۔

شارق کچھ سوچتے ہوئے پینے لگے۔ساتھ ہی وہ ٹینا کی سالگرہ کا کارڈ دیکھنے لگے۔پھر انہوں نے کارڈ ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا تھا۔

"ٹینا مجھے باسی پھول پسند نہیں ہیں ویسے بھی بھنورا جس پھول کا رس پی لیتا ہے تو دوبارہ اس پھول پر نہیں بیٹھتا۔" انہوں نے پھولدان میں سے آدھ کھلی کلی نکالی اور غور سے دیکھنے لگے۔پھر اسے انگلیوں میں مسل کر پھینک دیا ان کا ذہن الجھا ہوا تھا۔وہ ابھی تک اپنی کیفیت کو سمجھ نہیں سکے تھے۔جوں جوں وہ سوچتے جاتے ویسے ویسے ہی ان کی پریشانی اور بے چینی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔انہوں نے نیٹ (Neat) کتنے ہی ڈرنک بنائے اور پی گئے لیکن جلد ہی ان کا سر چکرانے لگا تھا۔تو یہ ان کا وجود اس زہریلے سیال کا اتنا تو عادی ہو گیا تھا نا۔

پھر بار بار زیب کا پریشان اور گھبرایا ہوا چہرہ نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا۔انہوں نے سختی سے آنکھیں میچ کر سر کو جھٹکے دیئے مخمور آنکھیں بار بار کھولیں اور بند کیں۔

"جاؤ چلی جاؤ۔ چلی جاؤ یہاں سے۔زیب رحمان! آئی ڈونا ٹ وانٹ یو ہیئر (I do not want you here)" انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔یوں جیسے وہ سامنے ہی موجود ہو۔پھر گھبرا کر شارق نے آنکھیں کھول دیں۔ انہوں نے اپنا ہاتھ آنکھوں کے سامنے کیا اور غور سے دیکھنے لگے۔

"یہ جب...... جب زیب نے مجھے چھوا تھا۔تو میرا دل کیوں ڈوبنے لگا تھا۔میں...... میں بے خود کیوں ہونے لگا تھا؟" تیز سرگوشی ابھری۔

"نہیں...... نہیں یہ سب فریب ہے۔دھوکہ ہے یہ سب عورتیں مل کر مجھے لوٹنا توڑنا چاہتی ہیں۔میرا مذاق اڑانا چاہتی ہیں۔نازیہ...... ٹینا اور یہ زیب بھی۔" انہوں نے سہم کر گلاس منہ سے لگا لیا۔پھر چکراتے سر کو کرسی کی پشت سے لگا دیا چند ہی لمحوں بعد وہ گہری نیند میں غرق تھے۔

○●○

جاوید نے جمائی لیتے ہوئے گھڑی دیکھی رات کے دس بجنے والے تھے شارق کے آفس میں مکمل خاموشی تھی۔ انہوں نے جاوید کو بلایا بھی نہیں تھا۔یہ کچھ ناممکن سی بات تھی۔اب تک تو وہ پچاس بار اسے طلب کر چکے ہوتے۔جاوید صبح زیب کو گھر چھوڑ کر آئے تھے وہ خود بھی کافی دیر احمر کے پاس رہے تھے گرنے کی وجہ سے ان کی ٹانگ اور کاندھے پر کافی چوٹ لگی تھی۔جاوید انہیں ہسپتال لے گئے زبردستی ان کے ایکسرے کروائے۔شکر ہوا کہ ہڈیاں محفوظ تھیں ٹوٹ پھوٹ سے بچ گئی تھیں۔

بیچاری زیب اور سعدیہ تو بری طرح سے گھبرائی ہوئی تھیں۔ جاوید احمر کو گھر چھوڑ کر انہیں تسلی دیتا اس خیال سے آفس لوٹ آیا تھا کہ شاید شارق اس کی آمد کے منتظر ہوں۔ وہ زیب اور احمر کی خیریت معلوم کرنا چاہتے ہوں۔ لیکن شارق کے آفس میں مکمل خاموشی تھی۔ شہزاد نے بتایا کہ شارق صاحب اندر ہی ہیں۔ پھر جاوید کام میں مصروف ہو گیا۔

''یار شہزاد! بھئی دیکھنا تو چاہیے کہیں پی پلا کر گر ور نہ گئے ہوں۔'' وہ کچھ پریشان ہو کر آفس میں داخل ہوا۔ پھر ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا۔

''شارق صاحب......شارق......'' جاوید نے نرمی سے ان کا کاندھا ہلایا۔ وہ بے خبر کرسی پر ہی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

''آں......ہاں کیا بات ہے؟'' وہ بوجھل آواز میں بولے۔

''اٹھیے سر گیارہ بجنے والے ہیں گھر چلیے۔ چلیں میں چھوڑ آؤں۔'' وہ تقریباً خالی بوتل کو تشویش سے دیکھ کر بولا۔

''نہیں یار جاوید! ہم خود چلے جائیں گے تم ہمارا کوٹ دے دو۔'' وہ لڑکھڑاتے ہوئے دروازے کی طرف چل دیئے۔ جاوید کے چہرے پر فکر کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔ وہ بھی پیچھے چل دیا۔

شارق نے کار اسٹارٹ کی اور ہاتھ ہلا کر چلے گئے۔ جاوید متفکرانہ انداز سے دیکھ رہا تھا۔ پھر جاوید کو اپنا مستقبل بھی تاریک نظر آنے لگا۔

''توبہ اتنے اچھے انسان کا ستیاناس ہو گیا ہے۔ جاوید بیٹے سوچ لو۔ اگر اتنے امیر کبیر شارق کی ماڈرن بیوی نازیہ اس کو برباد کر سکتی ہے تو پھر اس تیز طرار ماڈرن جینا سے شادی کر کے تمہارا بھی حشر خراب ہی ہو گا نا۔'' جاوید نے سہم کر کانوں کو چھوا۔

ہوا لگنے سے شارق کا نشہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ بمشکل کار ڈرائیو کر رہے تھے آخر کار وہ کلب پہنچ گئے اور کار دروازے کے قریب ہی پارک کر دی اور کوٹ ہاتھوں پر ڈالا اور لڑکھڑاتے قدموں سے اندر آ گئے تھے۔

پروگرام شروع ہونے کی وجہ سے ہال میں اندھیرا تھا لیکن اسٹیج پر روشنیوں کا سیلاب تھا۔ سارہ محو رقص تھی۔ اس کے جسم میں بجلی بھری ہوئی تھی۔ شارق بلوریں ستون سے ٹیک لگا کر اسے دیکھنے لگے۔

چند ہی لمحوں بعد ہال میں روشنی ہو گئی۔ سارہ تھرکتی ہوئی نیچے اتری۔ اور میزوں کے گرد ناچنے لگی۔ کچھ منچلے اٹھ کر اس کا ساتھ دینے لگے۔ شارق بدستور ستون سے پشت ٹکائے کھڑے اسے رقصاں دیکھ رہے تھے۔

ایک دم جو سارہ کی نظر اس پر پڑی تو وہ رقص کرنا بھول کر اس کی طرف لپکی۔ ''اف شارق یہ کیا حال بنایا ہوا ہے تم نے؟'' وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھتی ہوئی بولی۔ مسلے ہوئے کپڑے کھلا گریبان لٹکی ہوئی ٹائی۔ بکھرے بال، سرخ آنکھیں وہ تو کوئی دیوانہ لگ رہا تھا۔

''اے سارہ! تم ذرا میرے ہاتھ تو تھامو؟'' شارق نے چھوٹی سی فرمائش کی تھی گویا۔ ''میں تمہارا ہاتھ تھاموں؟'' وہ حیران رہ گئی۔

''ہاں میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس کے لمس میں ہی کوئی خاص بات تھی یا سبھی لڑکیاں کوئی برقی رو خارج کرتی ہیں جنہیں چھونے سے دل تیزی سے دھڑکنے لگتا ہے۔ دھڑکنیں ناہموار اور بے بس ہو جاتی ہیں دل ڈوبنے لگتا ہے۔ پوری

ہستی انجانے بھونچالوں کی زد میں آجاتی ہے۔'' وہ لڑکھڑاتے لہجے میں بولے۔

اس طرح رقص رکنے پر سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ کئی ایک نے تو باآواز بلند جملے کسے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا مگر پرنسز سارہ نے مڑ کر انہیں قہر آلودہ نظروں سے گھورا اور منہ ہی منہ میں انہیں صلواتیں سنائیں چند ایک تو دبک سے گئے باقی کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کرنے لگے۔ سارہ نے پروگرام منیجر کو اشارہ کیا تو دوسری اناؤنسمنٹ کرنے لگے جلد ہی دوسری رقاصہ اسٹیج پر نمودار ہوگئی۔

''آؤ شارق چلو باہر لان میں چل کر بیٹھتے ہیں وہیں باتیں کریں گے۔'' سارہ اسے سب کی چبھتی نظروں سے بچانا چاہتی تھی۔

''نہیں پہلے تم میری بات کا جواب دو۔ میں تمہیں چھونا چاہتا ہوں سارہ۔'' ضدی سے شارق بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گئے۔ بیرے نے اسے دیکھا تو شراب کی بوتل سامنے لا کر رکھ دی۔ وہ روزانہ کا گاہک تھا۔ بیرے اس سے مانوس تھے بھاری ٹپ دیا کرتا تھا وہ پھر وہ کیسے اس کی ضرورت کو نہ جانتے؟ وہ بن کہے اس کی طلب کو سمجھتے تھے ضرورت پوری کرتے تھے۔ ان کی مخصوص پسندیدہ برانڈ کو مہیا کرتے تھے۔

شارق گلاس بھرنے ہی لگا تھا کہ سارہ نے ہاتھ پکڑ کر روکنا چاہا۔ ''پلیز شارق تم پہلے ہی نشے میں دھت ہو اب اور مت پیو نا۔'' شارق نے گلاس رکھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر کتنے لمحے بیت گئے وہ ہاتھ کو گرفت میں لیے بیٹھے رہے۔ پھر بے بس ہو کر سر جھکا لیا۔

''آخر بات کیا ہے شارق؟'' سارہ نے نرمی سے پوچھا۔

''میں کچھ نہیں جانتا مجھے کچھ نہیں معلوم...... آخر...... آخر اس کے لمس نے مجھے یوں کیوں بے قابو کر دیا ہے؟'' وہ بے بسی سے بولے۔

''شارق میں تو پہلے بھی کہتی تھی کہ تم خود کو دھوکہ دے رہے ہو۔ کسی کو ہمسفر بنا لو یہ مشکل دشوار گزار راستے آسان ہو جائیں گے سنو دوست تم مت لڑو اپنے فطری جذبوں سے مت خود کو تباہ کرو۔'' وہ پیار سے بولی۔

''نہیں...... نہیں سارہ! میرا کوئی ہمسفر نہیں ہے۔ نازیہ نے میرے پیار کا مذاق اڑایا ہے۔ میرے ارمانوں کا گلا گھونٹ دیا۔ اس نے دولت کی خاطر مجھے ذلیل و رسوا کیا تھا۔ میں اپنا منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ لوگوں نے طنز کا تمسخر کا نشانہ بنایا۔ میرا گھر اجاڑ دیا گیا۔ میری لاڈلی بہن صائمہ بھی بری طرح سے برباد ہوئی۔ تو پھر میں کیسے کسی عورت پر اعتماد کروں۔ ہر عورت نازیہ اور میری سوتیلی ماں راشدہ ہے اور میں چھوڑوں گا نہیں انہیں۔ میں اپنی بدنامی بے عزتی کا ان سب سے انتقام لوں گا۔'' اس نے گلاس میز پر پٹخ دیا اور کھڑا ہو گیا۔

''رکو شارق!'' وہ پریشان ہو کر پیچھے لپکی اس نے رک کر ویٹر سے کچھ کہا۔ پھر شارق کا بازو تھامے باہر چلی آئی۔ شومئی تقدیر سامنے سے ٹینا رحیم اٹھلاتی بل کھاتی آ رہی تھی۔

''ہیلو شارق! ارے آپ اتنی جلدی واپس جا رہے ہیں؟'' اس کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا وہ خود کو فاتح سمجھ رہی تھی۔ مگر وہ جواب دیئے بغیر آگے بڑھنے لگے تو ٹینا سامنے آگئی اور اسے روکنا چاہا۔ اسے اپنا آپ تو سونپ چکی تھی تبھی حق سمجھ کر روکنا چاہا تھا۔

''تم...... ہٹ جاؤ ٹینا!'' شارق نے اسے دھکیلا۔ ''آئندہ میرے سامنے مت آنا'' وہ چڑ کر بولے پھر ایک دم ٹھٹک گئے۔

''اے ٹینا! ذرا اپنا ہاتھ تو دکھاؤ'' وہ ٹینا کی حیرت نظرانداز کر کے بولے۔

پھر خود ہی اس کا نرم و نازک ہاتھ تھام کر چپ چاپ کھڑے کچھ محسوس کرتے رہے۔ اچانک ان کے چہرے پر مایوسی سی چھا گئی۔ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھ گئے ٹینا ششدر رہ گئی تھی۔ اس کی کوششیں بیکار گئی تھیں۔ ٹینا نے سارہ کو روک کر پوچھنا چاہا تو وہ بھی جلدی سے سر ہلا کر شارق کے پیچھے لپکی۔ وہ شارق کو اس حالت میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ نہ جانے کیا چیز کھائے جا رہی تھی اسے۔ کیسا نیا روگ پال لیا تھا اس نے؟

سارہ نے ہال میں سے باہر آنے سے پہلے ویٹر سے اپنا کوٹ اور پرس لانے کے لیے کہا تھا۔ وہ لے آیا سارہ ابھی تک رقص کا لباس پہنے تھی اس نے جلدی سے بڑا کوٹ پہن لیا۔ ٹینا عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ہٹو شارق! مجھے ڈرائیو کرنے دو'' وہ اس کو نرمی سے ہٹا کر بولی۔ وہ بھی بغیر حجت کے دور ہٹ گئے۔ سارہ نے اسٹیئرنگ سنبھال کر کار چلا دی۔

''اے چاند! اپنی صبا کو کچھ نہیں بتاؤ گے تم؟ بتاؤ نا کیا ہوا ہے تمہیں؟'' وہ پیار سے بولی۔

''ہائے صبا...... صبا...... میرے سینے میں آگ لگی ہے دل و ذہن پر عجیب سا بوجھ پڑا ہے۔'' وہ سینہ مسلتے ہوئے بے بسی سے بولے۔

نرم دل سارہ کی آنکھیں جھلملا گئیں۔ اس کے اپنے زخم بھی جیسے رسنے لگے تھے۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کیے گئی پھر کار شارق کے گھر کے سامنے رک گئی۔ وہ کھڑکی سے سر لگائے گم صم سے بیٹھے رہے تھے۔

''ڈیئریسٹ (Dearest) شارق اٹھو چندا تمہارا گھر آ گیا ہے جاؤ جا کر آرام کرو'' سارہ نے اس کے کاندھے ہلائے۔

''گھر...... میرا گھر؟'' وہ عجیب کھوکھلی سی ہنسی ہنس دیئے۔

''گھر...... تو خوشی اور سکون کے گہوارے کو کہتے ہیں اور سارہ یہ...... یہ گھر نہیں بلکہ جہنم ہے میرے لیے یادوں کا قبرستان ہے۔ یہاں قدم رکھتے ہی مجھے نازیہ کی منحوس صورت قہقہے لگاتی تمسخر اڑاتی نظر آتی ہے۔ سارہ! جب میں یہاں آتا ہوں نا تو مجھے اپنی کم ہمتی بے غیرتی کا شدتوں سے احساس ہونے لگتا ہے۔ چاروں طرف سے سرگوشیاں ابھرنے لگتی ہیں۔ میں نامرد ہوں بزدل ہوں۔ تبھی تو میری بیوی نازیہ نے میرے بہنوئی میری اکلوتی بہن صائمہ کے شوہر کو پھنسا لیا۔ آخر حامد میں کیا خوبی تھی۔ کیا وہ کسی بھی لحاظ سے مجھ سے زیادہ بہتر تھا؟ کیا وہ مجھ سے بڑھ کر خوبصورت تھا؟ قابلیت لیاقت یا محبت میں کس چیز کی کمی تھی مجھ میں؟ ہاں صرف اس وقت اس کے پاس دولت مجھ سے زیادہ تھی۔

لیکن سارہ! میں نے کب نازیہ کو کسی چیز کی کمی ہونے دی تھی۔ اس نے جو بھی فرمائش کی میں نے فوراً وہی چیز مہیا کر دی۔ اپنی بیوی کو دنیا کا ہر سکھ مہیا کیا اسے دنیا کی سیریں کروائیں بے شمار تحائف دیئے از حد پیار توجہ دی۔ پھر میں نے تو اس کی خاطر دن رات مزید محنت شروع کر دی تھی۔ ایک اچھے شوہر کی طرح میں اس کا دامن خوشیوں سے بھرنا چاہتا تھا۔ مجھے وقت چاہیے تھا وہ بھی تھوڑا سا صرف دو یا تین سال تا کہ میں اپنی مل کو چلا سکوں۔ منافع حاصل کر سکوں۔

لیکن نازیہ آخر عورت تھی نا۔ اس نے انتظار نہ کیا دولت کی خاطر میرے پیار کو ٹھکرا دیا۔ میری مظلوم بہن کو طلاق دلوا کر اس کے امیر شوہر کے ساتھ بھاگ گئی کمبخت۔ میرا سب کچھ لٹ گیا برباد ہو گیا۔ عزت...... شرافت...... غیرت...... سکھ چین۔ ارے کیا چھوڑا ہے اس نے میرے پاس؟ میں تو دنیا بھر کے تمسخر کا نشانہ بن کر رہ گیا ہوں۔ دیکھو سارہ! اب میں شہر کا بلکہ ملک کا سب سے بڑا صنعت کار بے حد دولت مند آدمی ہوں۔ اس وقت حامد سے لاکھ درجہ زیادہ دولت ہے میرے پاس۔'' اس نے دونوں ہاتھ ہوا میں پھیلائے۔

''لیکن میں...... میں پھر بھی بھکاری ہوں میرا دامن بالکل خالی ہے۔ مجھے سکون نہیں قرار نہیں ہے۔ میرے اعتبار ختم ہو گئے ہیں۔ صبا! میں بہت تھک گیا ہوں بکھر رہا ہوں۔'' اس نے سارہ کے کاندھے پر پیشانی ٹیک دی۔ لہجے میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

''سارہ پلیز مجھے یہاں سے کہیں دور لے چلو۔ میں گھر نہیں جانا چاہتا۔'' وہ ذہنی طور پر اتنا منتشر تھا کہ کبھی صبا اور کبھی سارہ کہہ کر پکار رہا تھا۔ اس کی بے بسی پر وہ کڑھنے لگی تھی اس نے کار سٹارٹ کی اور تھوڑی دیر بعد دریا کے کنارے روک لی۔

دونوں کار سے باہر نکل آئے۔ شارق ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر بہتے ہوئے پانی کو دیکھنے لگے۔ ابتدائی مہینے کا چاند تھا ماحول میں نرم روپہلی چاندنی پھیلی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چلنے سے لہروں میں ارتعاش پیدا ہو رہا تھا۔

سارہ گہرے گہرے سانس لیتی دل کی دکھن و بوجھ کو ہوا میں تحلیل کرنا چاہ رہی تھی۔

''شارق! تم دل پر پڑے بوجھ کو ہلکا کیوں نہیں کرتے؟ کسی کو دکھوں میں شریک کرنے سے دکھ کم ہو جاتے ہیں۔ مجھے بتاؤ نا تمہیں کیا دکھ ہے کون سا پرانا یا نیا روگ ہے جو اب زیادہ بڑھ کر تمہاری روح کو گھن کی طرح چاٹ رہا ہے۔'' وہ شارق کے قریب بیٹھ گئی۔

شارق نے جیسے نڈھال ہو کر اس کے زانوؤں پر سر رکھ دیا۔ سارہ اس کے گھنے گھنے بکھرے بالوں کو سہلانے لگی۔

''یہ محبتوں کے جدائیوں کے دکھ یہ بے وفائیوں کے گھاؤ بہت جان لیوا ہوتے ہیں مضبوط سے مضبوط انسان کو بھی دیمک کی طرح اندر اندر سے چاٹ کر کھوکھلا کر دیتے ہیں۔

یہ بتاؤ صاحب! تم بھی تو عورت ہو تم نے بھی تو پرویز کو شدتوں سے چاہا تھا والہانہ محبت کی تھی اس سے اب...... اب وہ تم سے دور جا چکا ہے۔ کیا اب بھی تم...... اس کی کمی محسوس کرتی ہو؟ کیا اب بھی ان حالات میں بھی تم اس سے پیار کرتی ہو؟''

شارق کی نظریں اس کے چہرے پر یوں جم گئیں۔ جیسے اس کے ہاں یا نہ پر ہی اس کی زندگی کا دارومدار ہوگا۔ سارہ نے ٹھنڈا سانس لیا ہونٹ دانتوں تلے کچلتے ہوئے اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ وہ جیسے لمحوں کے عذاب سے گزرنے لگی اس کی بوسیدہ روح جیسے وجود کے پنجرے میں پھڑ پھڑانے تڑپنے لگی تھی۔

''آخر تم کیوں اس تکلیف دہ حقیقت سے پردہ اٹھانا چاہتے ہو شارق؟ وہ ننگی سچائی جس سے میں بھی نظریں چرائے چرائے پھرتی ہوں۔'' وہ دکھ و کرب کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔

''دیکھو شارق! پرویز نے مجھے نیست و نابود کر ڈالا۔ میری ہستی فنا ہو گئی۔ اس نے مجھے کیسا دھوکہ دیا؟ ہاں...... ہاں

میں اس سے پیار کرتی تھی۔ اندھا پیار کرتی تھی۔ یہ میری محبتوں کی انتہا تو تھی کہ اس کی خاطر میں نے سب کچھ چھوڑ دیا۔ میں نے جان دینے والے والدین کو بھائی بہن بے شمار دولت ہر طرح کا سکھ...... میں سب کچھ ٹھکرا کر پرویز کے ساتھ گھر سے فرار ہوگئی تھی۔ اور اسی بدفطرت عیاش کی خاطر میں نے اپنے اتنے اچھے منگیتر کو چھوڑ دیا تھا۔

لیکن اس شقی القلب نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ تمہیں تو بخوبی پتہ ہے۔ پھر کیا صلہ دیا مجھے میری وفاؤں کا میرے محبوب نے؟ وہ مجھے چھوٹے سے گھر خوبصورت سی جنت کے پیارے پیارے بچوں کے خواب دکھایا کرتا تھا نا۔ وہ کم ہمت مجھے میرے گھر سے تو بھگا لے گیا لیکن بیوی بنانے کی جرأت نہ کرسکا۔ ارے میں تو اچھے خاندان کی فرد تھی پھر ہچکچاہٹ کیا تھی؟ پھر اس نے کیا کیا دعویٰ کیے تھے؟ مگر مجھے نہ تو گھر کی جنت ملی نہ وہ معصوم بچے نہ سہاگ کا جوڑا نصیب ہوا۔ بیوی تو نہ بن سکی پرویز کی...... ہاں داشتہ اور راکھیل ضرور بنادی گئی۔'' صدمے سے سارہ کی آواز گھٹتی جارہی تھی۔

''شارق! میں پرویز کے پیار میں آنکھیں بند کیے اس کی جائز و ناجائز ہر خواہش کے سامنے جھکتی چلی گئی تھی اور پھر اس لیے بھی کہ میں اس کو اپنا مجازی خدا مان چکی تھی۔ تبھی اپنا آپ اسے بڑے اعتمادوں سے سونپ دیا تھا اور اس کی وفا دیکھو تم محبت کا ظرف آزماؤ کہ جب پرویز صاحب کو اس کے دولت مند باپ نے عاق کرنے کی دھمکی دی تو وہ مجھے دیار غیر میں اجنبی ملک امریکہ میں اجنبی لوگوں میں چھوڑ کر میرے سب پیسے اور میرے زیورات چرا کر واپس وطن بھاگ آیا۔ اور میں بے یارو مددگار بدحواس سی انجان لوگوں میں...... میں پھنس کر بے سہارا رہ گئی۔ پھر پرویز نے دوسرا ستم یہ کیا کہ جس ہوٹل میں ہم ایک ماہ سے مقیم تھے اس کا کرایہ بھی نہ ادا کیا۔ حالانکہ رقم موجود تھی لیکن وہ سب کچھ سمیٹ کر بھاگ آیا تھا۔

اور پھر...... اور پھر اس سرد ملک کے گورے بے حجاب مردوں نے کس طرح مجھ سے اپنی رقم وصولی؟'' سارہ نے جھرجھری لی۔

''اللہ...... شارق! میں کیا بتاؤں؟'' سارہ کی چیخ نکل گئی وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے کربناک انداز سے سسکنے لگی۔ شارق دنگ اور ششدر سے بیٹھے تھے اور بے یقینی سے اس نازک کومل لڑکی کو تک رہے تھے۔

صبا یا سارہ! پر کیا گزری تھی؟ یہ تو وہ جانتے ہی تھے خود سارہ نے بھی انہیں پرویز کی کمینگیوں سے آگاہ کیا تھا لیکن مختصر طور پر واقعات بتائے تھے اور اب...... اب تو گھناؤنے انکشافات ہورہے تھے۔ وہ دہل کر رہ گئے۔

سارہ نے کوٹ کی جیب سے رومال نکالا اور خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ پھر سنبھل کر بولی۔

''تم خود سوچو شارق! ان حالات میں میں کہاں پناہ لیتی؟ کس سائبان تلے اپنا شکستہ وجود چھپاتی۔ کون سی چھت تھی جو میرے ننگے سر پر سایہ کرتی؟ کوئی بھی نہیں تھا کوئی دوست کوئی آشنا...... نہیں۔ والدین نے بھی دنیا والوں کے سامنے یہ مشہور کردیا تھا کہ میں ایک حادثے کا شکار ہوگئی ہوں۔ مرگئی ہوں۔ وہ غیرت مند تھے مجھ جیسی بدکردار بیٹی سے کیسے کوئی تعلق رکھ سکتے تھے۔ وہ بدکار بیٹی جوان کی عزت پاؤں تلے روند کر اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہوگئی تھی۔'' وہ تلخی سے ہنسی۔

''شارق صاحب! جب سب سہارے ٹوٹ گئے میں دربدر ایک ہوٹل سے دوسرے ہوٹل ایک مرد سے دوسرے مرد کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن گئی تھی۔ تو میرے دماغ میں بھی یہی خیال پیدا ہوا کہ دنیا کا ہر مرد بے وفا دھوکہ باز ہے میں ان

سے بدلہ لوں گی۔ میرا دماغ انتقام وجنون کی بھٹی بن گیا تھا۔'' وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

''رضا! پھر میری قسمت اچھی تھی کہ لندن میں مجھے مشہور ڈانسر پرنسز شیبا مل گئیں۔ وہ میری دوست بن گئی اور مجھے اپنے ساتھ اپنے اپارٹمنٹ میں لے آئیں۔ وہ مجھے چھ ماہ تک رقص کی تربیت دیتی رہی۔ میں اس کے ساتھ ملک ملک گھومی ہم دونوں کی جوڑی بے حد مشہور ہوگئی۔ بڑے بڑے ہوٹل ہمیں پرفارمنس دینے کے لیے بڑی رقم پر کنٹریکٹ کرتے تھے۔ اس طرح میں نے نام بدل کر پرنسز سارہ کا روپ دھارلیا۔ میرے اس نئے روپ کے لاکھوں دیوانے ہیں۔

لیکن پرنسز شیبا اور میں اپنے اس نئے روپ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ہم جب تنہا ہوتے تھے تو گھنٹوں باتیں کرتے گھر بنانے کی سجانے کی۔ شیبا کو تو خبط سا ہو چلا تھا۔ جبکہ میں تازہ تازہ چوٹ کھائے تھی۔ میں بے دلی سے ہاں میں ہاں ملاتی تھی۔ بھلا کون سا گھر...... کیسے بچے یہ سب تو ہم جیسی عورتوں کے لیے خواب کی باتیں تھیں۔

آخر ایک دن شیبا کو ایک ترک نوجوان اس کے خوابوں کا شہزادہ مل ہی گیا۔ وہ اس سے شادی کرکے ترکی چلی گئی۔ اپنی شہرت دولت فن سب کچھ چھوڑ کر گھر بسا بیٹھی۔ وہ مجھے بھی ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ لیکن مجھے تو وطن کی سوندھی سوندھی مٹی کی خوشبو مہکا تڑپا رہی تھی۔ اس کی مقناطیسی کشش اپنی اور کھینچ رہی تھی۔ آخر کار میں نے ہتھیار ڈال دیئے اور یہاں برائٹ سٹار کلب میں پرفارم کرنے کا معاہدہ کرلیا اور اب ایک سال سے یہیں اپنا فن بیچتی ہوں مگر ایک جسم نہیں بیچتی ہوں۔

اور اب شارق! کتنے ہی نوجوان میری نگاہ التفات کے منتظر رہتے ہیں ہر طرح سے مجھ پر جال ڈالنے کی دوست بنانے کی سعی کرتے ہیں لیکن میرے دل کے دروازے پر تو ایک بڑا زنگ آلود تالا لگ چکا ہے۔ کھلتا ہی نہیں میں چاہوں تو اپنے ان پرستاروں سے انتقام لے سکتی ہوں لیکن نہیں۔ میں...... کسی سے بھی انتقام نہیں لے سکتی۔''

وہ بے بسی سے بولی۔ ''میں سب معاملے خدا کے سپرد کرکے خود شانت سی ہوگئی ہوں۔ وہی رب میرے دشمن پرویز سے نپٹے گا تو صرف عورت ہی قصوروار نہیں ہوتی پرویز نے مجھے کیسے تباہ و برباد کیا وہ تمہیں بتا چکی ہوں۔ میرا خیال ہے ہماری قسمت ہی خراب ہے۔ مگر پھر اسی طرح شارق تمہیں نازیہ نے دھوکہ دیا تمہیں برباد کیا۔ بے عزت کیا۔ مگر تم تو سب عورتوں سے انتقام لینے پر تل گئے ہو۔ دیکھو بدلہ تو میں بھی لے سکتی تھی نا۔ ظلم تو مجھ پر بھی ہوا ہے؟ تم مرد لوگ ایسا کوئی حادثہ گزرنے پر بے گھر تو نہیں ہوتے ہونا۔

تمہارے سر پر تمہارے گھر کی چھتیں تو سلامت رہی ہیں نا۔ عزت کا آئینہ تو چکنا چور نہیں ہو جاتا۔ یہ نہیں تو تمہیں کہیں بھی پناہ مل سکتی تھی۔ کئی سہارے مل سکتے تھے شارق! لیکن میں تو ایک کمزور بے سہارا عورت تھی۔ ایک غیر ملک میں جب پرویز مجھے چھوڑ بھاگا۔ خود تم انصاف کرو میں کتنے کڑے امتحانوں سے گزری ہوں گی۔ کیسے وقت گزارا ہوگا میں نے؟ مگر میں کسی غیر سے کیا انتقام لیتی؟ پھر بتاؤ کسی کی غلطی کی سزا دوسرے بے گناہوں کو دینا کہاں کی شرافت و انسانیت ہے؟

تمہاری مجرم نازیہ ہے جبکہ میرا مجرم پرویز ہے۔ ان سے بدلہ لینے کے بجائے ہم دوسرے بے گناہوں کو کیوں تباہ کریں؟'' شارق خاموش لب سیے اسے تک رہے تھے سوچ رہے تھے۔ اور سارہ بھی برسوں بعد جیسے دل کا بوجھ ہلکا

کرنے کا تہیہ کیے تھی۔ تمام غبار نکال کر اب وہ سر جھکائے بے طرح سے رو رہی تھی۔ شارق اسے نم نم آنکھوں سے تکتے رہے۔ کافی دیر بعد جب آنسوؤں کی طغیانی تھمی تو شارق نے اسے اٹھایا۔ گلے سے لگایا پیشانی پر پیار کیا۔

''آؤ چلو سارہ جان! میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر کار میں آ بیٹھے اور خاموشی سے ڈرائیو کرتے رہے سارہ بھی جیسے تھک سی گئی تھی۔ وہ کھڑکی سے سر ٹکائے چپ تھی کبھی اسے دیکھ لیتی۔ جلد ہی اس کا گھر آ گیا۔

''شارق پلیز......اب تم سیدھے گھر جانا۔'' وہ کار سے اترتی ہوئی بولی۔ مگر شارق نے انکار کر دیا۔

''نہیں یار! ابھی تو صرف دو بجے ہوں گے۔ میں چھمو بائی کے ہاں جا رہا ہوں۔'' وہ اسے گھر کے اندر تک چھوڑ کر آئے۔ سارہ دروازے پر رک کر آنکھوں میں نمی لیے اس کی دور ہوتی کار کی طرف دیکھتی رہی۔

''شارق میرے عزیز دوست! خدا تمہیں صبر دے ہمت و چین عطا فرمائے۔ اور تمہارے دل و دماغ میں فراخی لائے۔'' وہ اس کی سلامتی بہتری کی دعائیں مانگتی گھر میں داخل ہو گئی۔ اس کی ملازمہ اس کے انتظار میں قالین پر ہی سو گئی تھی۔ سارہ نے چند لمحوں تک اسے دیکھا پھر کمرے سے کمبل لا کر اسے اوڑھا دیا۔

○●○

راتوں کو دیر سے سونے کی وجہ سے شارق دیر سے بیدار ہوئے اور ظاہر ہے کہ دیر ہی سے آفس پہنچے۔ پھر انہوں نے کرسی سنبھالتے ہی زیب کو بلانے کے لیے فون کیا۔ گھنٹی بجتی رہی لیکن کسی نے ریسیور نہ اٹھایا تھا۔ بہت دیر وہ کوشش کرتے رہے۔ آخر جھنجھلا گئے فون پٹخ کر کرسی جھٹکے سے پیچھے ہٹائی۔ شکی دماغ کہانیاں گھڑنے لگا تھا نا؟ اچھا تو مجھے غیر موجود پا کر زیب رحمان صاحبہ اپنی سیٹ چھوڑ گئی ہوں گی۔ ضرور جاوید کے ساتھ اٹکھیلیاں ہو رہی ہوں گی۔ شیشے میں اتارنے کی کوشش کی جا رہی ہو گی؟

وہ جاوید اور زیب کے متعلق سوچتے غصے میں تلملائے کھڑے ہوئے تھے۔ آج اگر وہ جاوید کے آفس میں بیٹھی ہوئی ملی تو میں ہاتھ پکڑ کر یہاں سے باہر نکال دوں گا۔ شارق نے عہد کیا پھر انہوں نے جاوید کو انٹرکام پر بلایا اور آفس آنے کے لیے کہا۔

''یس سر! آپ نے بلایا ہے؟'' جاوید اندر آ گیا۔

''کیا تم سب لوگ بہرے ہو گئے ہو کچھ سنائی نہیں دیتا ہے تمہیں۔ مس رحمان کہاں ہیں؟ دیکھو اگر یہی طریقہ ہے ان کے کام کرنے کا تو وہ فوراً اپنا کوئی اور بندوبست کر لیں۔'' وہ گرجے

''لیکن سر! مس رحمان تو آج چھٹی پر ہیں۔ وہ تو آفس آئی نہیں ہیں۔''

''ہائیں......وہ کس کی اجازت سے چھٹی پر گئی ہیں۔'' شارق تلملا اٹھے۔

''سر! آپ تو ایک ہفتے سے شاد باغ گئے ہوئے تھے۔ وہ بیچاری روزانہ آتی رہی تھیں۔ ان کے بھائی احمر کو گرنے سے کافی چوٹیں آئی تھیں۔ تب بھی زیب آتی رہیں۔ لیکن کچھ دنوں سے ان کی بھتیجی بہت بیمار ہے۔ سو آج وہ گھر رک گئیں کیونکہ بچی کو ہسپتال لے جانا تھا۔ ویسے زیب تو آفس آنا چاہتی تھیں لیکن میں نے ہی منع کر دیا تھا۔ سوچا اگر آپ آ بھی گئے تو آپ کو بتا دوں گا اس کی مجبوری۔'' جاوید نے مطمئن انداز سے بتایا۔

''یہ بتاؤ جاوید اس مل کے مالک تم ہو یا میں ہوں۔ یہ تم خود سے فیصلے کیوں کرتے ہو؟ آخر پھر تم کون ہوتے ہو

یہاں حکم چلانے والے۔'' وہ سلگ اٹھے۔

''سر ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ آپ کی غیر موجودگی میں انچارج میں ہوتا ہوں۔ اور یہ چھٹی دینا اور دیگر کام میرے ذمے ہوتے ہیں۔ خیر آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' جاوید نے ان کی زیادتی کو محسوس کر کے سر جھکا لیا۔

''دیکھو تمہیں اس لڑکی سے اتنی ہمدردی ہے تو اس کی نوکری چھڑا کر اپنے گھر میں ڈال لو۔ میں نے غریبوں، یتیموں، اندھوں کو پالنے کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا ہے۔'' وہ تلخی سے بولے تو جاوید کا دل دکھ گیا۔

''سر میرے گھر کا آنگن بہت چھوٹا ہے وہاں چاند نہیں اتر سکتا۔ بہت خوش نصیب ہوگا وہ شخص جو زیب کا شریک سفر بنے گا۔ میں انہیں بہت عظیم اور بلند سمجھ کر ان کی ازحد عزت کرتا ہوں اور بس۔'' جاوید نے ذرا رکھائی سے کہا تو شارق نے تیوری چڑھا کر دیکھا۔

''ڈاکٹر راحیل بھی اس عظیم خاتون کے گھر جاتے ہیں یا نہیں۔'' شارق نے کھوج لگایا۔

''ڈاکٹر...... اکثر آتے جاتے رہتے ہیں اور مس زیب کی بھتیجی کا علاج بھی وہی کر رہے ہیں۔'' جاوید نے رکھائی ہی سے کہا۔

''خوب...... خوب...... تو تم دونوں ہی زیب کی زلفوں کے اسیر ہو چکے ہو۔ پھنس چکے ہو جال میں؟'' وہ طنز سے ہنسے۔

''خیر...... اب بہت جلد ان زیب لوگوں کی غربت ختم ہو جائے گی۔ تمہاری تنخواہ اور راحیل کی تمام تر آمدنی وہیں خرچ ہوگی۔'' انہوں نے نہایت یقین سے کہا ''اور پھر اندھے بھائی جان بھی بینائی پالیں گے۔'' وہ ہنسا۔ تو جاوید کو بہت غصہ آیا اس نے نظر بچا کر انہیں منہ چڑا دیا۔ دل چاہ رہا تھا ان کے سرخ سرخ کانوں کو کاٹ کھائے۔

''اونہہ...... بڑے عقلمند افلاطون صاحب ہیں نا یہ بدتمیز بدنظرے کہیں کے۔'' جاوید نے اس بار دل ہی دل میں صلواتیں سنائی تھیں۔

''جاوید دیکھو میں باہر جا رہا ہوں اور اگر کام نہیں ہے تو تم بھی چھٹی کرو۔'' وہ کوٹ اٹھا کر باہر نکل گئے۔

○●○

زیب کو آفس میں نہ پا کر انہیں عجیب سی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ان دنوں نہ چاہتے ہوئے بھی اسی کے متعلق سوچتے رہے تھے۔

اس کے ہاتھوں کے لمس کو یاد کر کے اب بھی دل عجیب طرح سے دھڑکنے لگتا تھا۔ وہ بہت دیر تک بے مقصد ہی کار کو سڑکوں پر گھماتے دوڑاتے رہے۔ کاروں میں محو سفر ہنستے مسکراتے جوڑوں کو حسرت و یاس بھری نظروں سے تکتے رہے۔

آج سے کچھ سال پہلے تک وہ کتنے گھریلو سے تھے۔ گھروں کی ملکہ بیوی ہوتی ہے۔ ان کا یہ موقف تھا۔ نازیہ سے شادی ہوئی تو شارق نے اسے اتنا گھمایا۔ ملک ملک کی سیریں کروائیں۔ کہاں کہاں نہیں لے گئے تھے وہ اسے۔ کیا کچھ نہیں دیا تھا اسے پھر بھی؟ ان کا دل غم سے بوجھل ہو گیا۔ اور اس ایک منحوس عورت نے ان کے نظریات کو بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔

انہیں بدل دیا تھا۔ انسان کے روپ میں راکھشس بنا دیا تھا انہیں۔ انا پرست تو تھے ہی مگر ساتھ ہی خود ترسی میں بھی مبتلا تھے اور یہی سب سے بڑا روگ ہوتا ہے۔ بندہ ماضی کے دیے دکھوں سے باہر ہی نہیں نکلتا۔

لیکن شارق بھی تو غضب کے انتہا پسند تھے اس خول سے باہر ہی نہیں نکل رہے تھے حالانکہ اس واقعے کو سالہا سال گزر گئے تھے۔ بس خود ترسی میں مبتلا اپنی زندگی کو روگ بنائے بیٹھے تھے۔ یہ سوچے بغیر کہ صرف وہی تنہا نہیں سلگ رہے ان کو دیکھ دیکھ کر ان کی بیوہ ماں اور غمزدہ بہن صائمہ بھی ختم ہوتی جا رہی ہیں۔

ارے مرد کو اتنا کم ہمت نہیں ہونا چاہیے۔ ایک بیکار سی عورت کے لیے مرے جا رہے ہو لعنت بھیجو۔ تمہاری جگہ کوئی دوسرا مرد ہوتا تو اب تک کتنی ہی لڑکیاں اس کی زندگی میں آ کر جا چکی ہوتیں۔ یا پھر وہ دوبارہ گھر بسا کر چار پانچ بچوں کا باپ ہوتا۔ سارہ اسے اکثر ٹوکتی۔ اسی لیے تو میں تمہیں بزدل یعنی بی بی (B.B) کہتی ہوں۔

''رضا تم سے تو زیادہ ہمت و جرأت ہے مجھ میں۔'' وہ غرور سے کہتی۔ اور یہ جھوٹ بھی تو نہیں تھا نا۔ جس طرح سے وہ تن تنہا ان بھوکے بھیڑیوں کے درمیان رہ رہی تھی۔ اپنے غموں کی صلیب پر گڑی تھی۔ لیکن شارق نے تو فرار کی راہ یہ تلاش کی کہ خود کو شراب میں ڈبو دیا تھا۔ نشے میں دھت رہتا اور حقیقتوں سے یوں تو پردہ پوشی نہیں ہوسکتی نا۔ سچائی تو اپنی جگہ اٹل ہے نا۔

شارق نے خیالوں سے نکل کر ایک ہوٹل کے سامنے کار روکی۔ وہاں کھانا کھا کر وہ دوبارہ گھومنے نکل گئے۔ بے خیالی میں ڈرائیو کرتے کرتے وہ شہر کے بارونق بازار کی طرف نکل آئے تھے۔ نئے نئے فیشن کے ملبوسات اور میک اپ سے لتھڑے چہروں کو وہ نفرت سے دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ کار چلا رہے تھے کہ اچانک انہیں جھٹکا سا لگا۔ اگر وہ فوراً کار کو بریک نہ لگاتے تو سامنے سے گزرنے والا راہگیر کچلا گیا ہوتا اور چند ایک زخمی ضرور ہوتے۔

لیکن وہ تو ششدر سے آنکھیں کھولے سامنے دیکھ رہے تھے انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا گویا مگر وہاں وہ زیب ہی تو تھی۔ جو رحیم سنز کی مشہور اور مہنگی دکان کی سیڑھیاں اتر رہی تھی اور اس کے پیچھے جاوید بڑے بڑے لفافے اور پیکٹ اٹھائے اس سے باتیں کرتا ہوا چل رہا تھا۔ مگر دو گھنٹے پہلے جاوید ان کے ساتھ تھا تو پھر اب؟

پھر زیب نے بڑی بے تکلفی سے اس کی ہنڈا سیوک (Honda Civic) کا دروازہ کھولا اور فرنٹ سیٹ پر بے تکلفی سے بیٹھ گئی تھی۔

جاوید نے لفافے پچھلی سیٹ پر پھینک دیئے۔ اور کچھ کہتا ہوا واپس پلٹ گیا۔ پھر وہ دوبارہ دکان سے باہر نکلا تو ہاتھ میں ایک لمبا سا پیکٹ تھا۔ اس نے کچھ کہتے ہوئے وہی پیکٹ زیب کے سر پر رسید کیا۔ تو وہ پیکٹ پکڑ کر زور سے ہنس دی۔ جاوید نے اسٹیئرنگ سنبھالا اور ہنستے ہوئے کار تیزی سے نکال لے گیا۔ شارق گویا سانس روکے زور زور سے پلکیں جھپکا جھپکا کر دیکھے جا رہے تھے۔

''اچھا...... ہوں تو آفس چھوڑ کر زیب، جاوید کے ساتھ گھوم رہی ہے۔ تبھی اسے آج چھٹی کروائی ہوگی۔ اور مجھ احمق کو دیکھو کہ جاوید کو بھی خود چھٹی دے دی ہے۔ تاکہ محبوبہ کے ساتھ جی بھر کر مزے اڑا سکے۔'' شارق شک و شبہ کی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھتے رہے اور غصے سے تلملاتے رہے۔

''جناب! کار آگے نکالیں آپ نے تو ساری ٹریفک روک دی ہے۔'' ڈیوٹی کانسٹیبل نے آ کر کہا۔

''ہا...... ہاں...... معاف کرنا دوست۔'' شارق کو ہوش آ گیا تو کار بڑھا دی۔

''سالے نے پی ہوئی ہے شاید؟'' ایک دل جلے نے قریب سے گزرتے ہوئے شارق کو غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔

ہاں جاوید کے ساتھ زیب کو دیکھ کر شارق کے تن بدن میں آگ ہی تو لگی ہوئی تھی بھڑک اٹھے تھے وہ تو۔

''اونہہ...... کتنی شریف بنتی تھی میرے سامنے۔'' وہ دانت پیس کر بولے۔

''سر میں سیکرٹری بننے آئی ہوں یا ساقی بننے۔ مجھ سے اس ناپاک چیز شراب کو نہیں چھوا جائے گا۔'' انہوں نے نقل کی اور اب راحیل اور جاوید کے ساتھ گل چھرے اڑاتی پھرتی ہے۔ وہ اپنی کار بھی اسی طرف بڑھاتے چلے گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے جاوید کی کار کو سامنے کھڑے دیکھا۔ وہ دونوں کار میں نہیں تھے۔

''ہوں تو یہ چکر ہے؟'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے تھوڑی دیر بعد گھر پہنچ گئے۔

''ارے شارق بھیا آپ؟'' انہیں بے وقت اور خلاف توقع گھر دیکھ کر صائمہ حیران رہ گئی۔

''یہ بتاؤ امی کیسی ہیں؟'' وہ ان کے کمرے کی سمت بڑھے۔

''بھیا! ان کی طبیعت تو سنبھلنے کا نام نہیں لے رہی ہر وقت غشی سی طاری رہتی ہے۔ ان کو جھنجھوڑ کر اٹھاؤ تو ایک آدھ بات کر کے غافل ہو جاتی ہیں۔ بھیا میرا تو دل گھبرانے لگا ہے۔'' صائمہ آبدیدہ ہو گئی۔

''چہ...... پگلی! گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے راحیل جو دوا دے رہے ہیں نا اس میں نیند کی سکون کی دوا ملی ہے۔ امی کو مکمل آرام کی ضرورت ہے نا؟'' وہ بہن کو سینے سے لگائے لگائے ماں کے پاس آ کر بیٹھ گئے وہ جاگ رہی تھیں۔

''امی جان! طبیعت کیسی ہے؟'' وہ پیار سے جھک کر بولے۔

''ٹھیک ہوں بیٹا! لیکن رضا تم آج جلدی کیسے آ گئے ہو؟'' وہ حیران تھیں۔

''امی! دراصل میری طبیعت کچھ اچھی نہیں تھی۔'' وہ کچھ خجل سے ہو کر جلدی سے بولے۔ اس عمر میں ماں کو تو ان کے ہر وقت کے ساتھ کی ضرورت تھی لیکن وہ اپنے فرائض سے چشم پوشی کرتے ہوئے گھر ہی نہیں گھستے تھے۔ تبھی تو سب اسے بے وقت دیکھ کر حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ شرمندہ ہو گئے۔

''رضا بچے! دیکھو تو سہی تمہاری صحت کس قدر خراب ہو گئی ہے۔ سرخ و سفید رنگ سنولا گیا ہے۔ آنکھوں تلے سیاہ حلقے ہیں۔ نہ ڈھنگ کا کھانا نہ سونا'' وہ رنجور ہو کر ان کی پیشانی چومتی ہوئی بولیں۔ پھر انہوں نے بتایا۔

''رضا! ہم نے ابھی منشی جی سے کہہ کر راحیل کو فون کروایا ہے۔ اتنے دن ہو گئے ہیں وہ ہمارے پاس نہیں آیا اس کا ساتھی ڈاکٹر شفیق آ کر مجھے دیکھ جاتا ہے۔ نہ ہی بچے نے فون پر ہماری خیریت دریافت کی ہے۔ ہمارا تو دل اداس و پریشان ہے راحیل کے لیے۔'' وہ واقعی اس کی کمی محسوس کر رہی تھیں۔

''آداب امی جان! دروازے کی طرف سے راحیل کی آواز آئی۔

''لیجیے امی! آپ یاد کر رہی تھیں ناں...... تو حاضر ہو گیا ہے شیطان۔'' شارق ہنس دیئے۔

''جیتے رہو بیٹے! بڑی عمر پاؤ گے۔'' وہ خوش ہو گئیں۔

''میں ابھی تمہارا تذکرہ کر رہی تھی۔ کیا بات ہے کیا اپنی امی سے ناراض تھے تم؟ اتنے دن آئے نہیں مجھ سے ملے نہیں۔'' انہوں نے شکوہ کیا۔

راحیل نے ایک اچٹتی ہوئی نظر مضطرب سی صائمہ پر ڈالی۔ جس نے سر جھکا لیا تھا۔

''واہ امی جانی! آپ سے...... آپ سے میں روٹھ سکتا ہوں بھلا؟ بچپن سے لے کر اب تک آپ نے اپنی مرحومہ سہیلی کے یتیم مسکین بیٹے کے سر پر ممتا بھرا شفقت بھرا ہاتھ رکھا ہے اولاد سے بڑھ کر چاہا ہے۔ میں تو آپ کے قدموں سے دور ہٹنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بس ان دنوں ہسپتال میں کام بہت بڑھ گیا ہے۔ نکلنے کا وقت ہی نہیں مل سکا۔'' وہ آہستہ سے بولے۔

''جی ہاں امی! ہمارے ڈاکٹر راحیل آج کل دل و جان سے ایک آدھے مریض اور اس کے گھر والوں کی تیمارداری کرنے میں مگن ہیں بیچارے کو فرصت ہی نہیں ملتی۔'' شارق نے طنز کیا لیکن خلاف فطرت راحیل چپ رہا تو امی کو شک ہو گیا۔

''کیا بات ہے راحیل تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہے؟'' آخر ماں تھیں پریشان ہو گئیں۔

''نہیں میری پیاری امی! وہم ہو گیا ہے آپ کو میں بھلا آپ سے کچھ چھپاؤں گا؟'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''نہیں...... راحیل تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ میں تمہاری اور شارق کی عادات سے واقف ہوں۔ یہ خاموشی پھر تمہارے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت اور اتنے دنوں کی غیر حاضری۔ راحیل بیٹے! یہ سب باتیں میں آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتی۔'' وہ تکیے سے پشت لگا کر اونچی ہو گئیں۔

''امی جان!'' راحیل ضبط نہ کر سکے اور بڑھ کر ان کے سینے میں منہ چھپا لیا۔

''یار راحیل! تم تو محبت میں بالکل بے قابو ہو رہے ہو لگتا ہے زیادہ اثر ہو گیا ہے۔'' شارق کا دماغ تو بس ایک ہی ٹریک پر دوڑتا تھا۔ جو خیال ذہن میں آ گیا بس اسی کو پتھر پر لکیر سمجھتے تھے اور پھر اپنے نظریات سے ہٹنا گناہ سمجھتے تھے۔ اس وقت راحیل کے دماغ کے کسی کونے میں دور و نزدیک بیچاری زیب کا خیال تک نہ تھا۔ بلکہ صائمہ کا عکس نمایاں تھا اور وہ تھے کہ راحیل کی بے قراری پر انہیں زیب کا ہیولہ رقصاں نظر آ رہا تھا اللہ تو بہ کیسا شکی مرد تھا وہ؟

''شارق میاں آپ کا فون ہے۔'' ملازم نے آ کر کہا۔ تو شارق نے گھڑی دیکھی انہیں سیٹھ عابد سے ملنا تھا شاید اسی کا فون ہو گا۔ وہ یاد دہانی کروانا چاہتا ہو گا۔ شارق فون سننے گئے۔ تو پھر چند منٹ بعد ان کی گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز آئی وہ چلے گئے تھے۔

''صائمہ بیٹی! جاؤ راحیل کے لیے چائے بنا لو۔'' بیگم مراد نے کہا۔

''نہیں امی! میں چائے نہیں پیوں گا دس منٹ بعد مجھے ایک مریض کو دیکھنے جانا ہے۔ میں تو آپ کو ایک نظر دیکھنے چلا آیا تھا۔'' راحیل کو کھڑا ہوتا دیکھ کر صائمہ کا رنگ زرد ہو گیا۔ اللہ کس قدر ناراض ہیں راحیل۔

''راحیل بیٹے! ذرا صائمہ کو بھی دیکھتے جاؤ۔ کچھ دنوں سے معلوم نہیں اسے کیا ہو گیا ہے ہر وقت سر منہ لپیٹے پڑی رہتی ہے۔ آنکھیں بھی متورم اور سرخ رہتی ہیں۔ بس مجھے تو یہی کہہ دیتی ہے کہ امی سر میں درد رہتا ہے۔'' وہ پریشانی سے بولیں۔

''اچھا...... میں ان کی دوا ابھی بھجوا دوں گا'' وہ بغیر دیکھے بولے۔

''اتنا تو روٹھا ہوا تھا وہ...... اچھا خدا حافظ امی! وہ ان کا ہاتھ عقیدت سے چوم کر بیگ اٹھائے چلا گیا۔

بیگم مراد نے اسے پھر آنے کی اور خوش رہنے کی تاکید کی اور پیار سے دیکھتے ہوئے دعائیں دیتی رہیں۔

''امی جان! میں...... میں ابھی آتی ہوں۔'' صائمہ کچھ سوچ کر راحیل کے پیچھے لپکی۔

''سنیے راحیل!'' اس نے سیڑھیاں اترتے ہوئے پکارا۔

وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکے پھر صائمہ کو مڑ کر دیکھا۔ برآمدے کی چھن چھن کر آتی ہوئی روشنی میں وہ پریشان اور پیاری لگ رہی تھی یوں ہراساں سی تیز تیز چلتی آ رہی تھی۔

پھر وہ مڑ کر پورچ میں کھڑی کار کی طرف بڑھے بھلا رکنے کا فائدہ ہی کیا تھا؟

''افو راحیل! پلیز رک جایئے نا'' صائمہ نے بے قرار ہو کر پکارا۔ لیکن وہ ان سنی کر کے بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا کہ اچانک اس کا بازو دو ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں آ گیا۔

''راحیل...... اللہ! آپ سنتے کیوں نہیں رک بھی نہیں رہے ہیں۔'' وہ ہانپ رہی تھی۔

''کیوں اب رہ کیا گیا ہے سننے کو اور رکوں تو کس کے لیے؟'' وہ دلگیر لہجے میں بولے۔

''راحیل! خدارا یوں تو نہ کہیے آخر آپ سمجھتے کیوں نہیں؟'' وہ بے بسی سے بولی۔

''اب سب سمجھ گیا ہوں آپ مجھ سے نفرت کرتی ہیں صائمہ! ناپسندیدہ ہوں میں آپ کے لیے۔ پھر ہمارا زندگی بھر کا ساتھ کیسا؟ اور میرا زیادہ یہاں آنا جانا بھی آپ کو پسند نہیں ہے اسی لیے میں نے آنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ تو منیجر صاحب نے فون کر کے پیغام دیا اور امی کی وجہ سے میں مجبور ہوں ورنہ کبھی نہ آتا۔'' وہ بات بڑھائے جا رہے تھے۔

''اف راحیل......'' صائمہ نے تڑپ کر اس کے بازو پر سر ٹیک دیا تھک گئی تھی ذہنی خلفشار سے وہ تو۔

''راحیل! دکھوں غموں نے تو پہلے ہی ہمارے دل کو گھائل کر رکھا ہے۔ اب آپ بھی گھاؤ لگا کر اذیت دینے لگے ہیں۔ اللہ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کیسے اپنی مجبوری بتاؤں۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''نہیں...... غلطی تو میری تھی صائمہ جو تمہیں دل میں بسا بیٹھا۔ اپنے شب و روز تمہارے تصور تمہارے ہیولوں سے سجا لیے تھے۔ جب تم کسی غیر کی ہو گئیں تب بھی میرے دل کے بند دروازوں پر کوئی اور لڑکی دستک نہ دے سکی۔ میں کسی کی طرف راغب ہی نہ ہوا ان دل کے معبد خانوں میں تو صرف ایک ہستی براجمان تھی صرف تمہارا ہی راج تھا تمہارا پیار تھا۔ صائمہ میں تم پر کوئی زبردستی تو نہیں کر سکتا نا؟

لیکن میں تمہیں ایک بات ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ اب کبھی کوئی بھی لڑکی تمہاری جگہ نہیں لے سکتی۔ میرا دل و گھر ویران ہی رہے گا۔ اور آج کے بعد میں یہاں کبھی نہیں آؤں گا۔ میں ہمیشہ کے لیے لندن جا رہا ہوں میری تیاری مکمل ہو چکی ہے۔''

وہ بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولے تو صائمہ تھرا کر رہ گئی۔ راحیل اس کی زندگی سے چلا جائے یہ کب گوارا تھا اسے؟

''اسے...... وہ کیسے جی پائے گی؟'' اس نے راحیل کو سچ بتانے کی ٹھان لی۔ سسک سسک کر جینے سے تو ایک بار

موت کو گلے لگانا اچھا تھا۔
''اللہ......راحیل! آپ تو بالکل پاگل ہیں۔'' صائمہ نے اس کو زبردستی روک کر بازو تھام لیا۔
''ایک آپ ہی کا تو سہارا ہے مجھے راحیل! اب اگر آپ بھی مجھے تنہا چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں تو پہلے آپ میرا خاتمہ کیجیے اور میرا گلا گھونٹ دیجیے۔'' وہ سامنے آ گئی اور راحیل کے ہاتھ پکڑ کر اپنے گلے پر رکھ دیئے۔
راحیل کچھ پریشان ہو گیا ہاتھ کپکپا گئے۔ یہ تو انہونی......ہونی ہو رہی تھی۔
''صائمہ! تمہیں خود ہی تو میرا ساتھ گوارہ نہیں ہے۔ میں تمہیں دیکھ دیکھ کر ترسنا نہیں چاہتا ہوں اسی لیے میں نے ملک چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں دیکھ کر قریب پا کر بھی میں تمہیں چھو نہیں سکتا۔ اپنا نہیں سکتا۔ تو پھر یہاں رہنے کا فائدہ؟''
''جی نہیں......آپ کہیں نہیں جائیں گے میں آپ کو کبھی نہیں جانے دوں گی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔
''لیکن صائمہ!'' وہ حیران تھے۔
''نہیں......میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔'' صائمہ نے بازو چھوڑ کر ان کے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔
''صص......صائمہ......میں......میں تو کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔'' بدحواس سے راحیل نے اس کے کاندھوں کو تھاما۔ صائمہ کچھ نہ بولی لیکن اس کے آنسو راحیل کی قمیص میں جذب ہو رہے تھے۔ وہ روئے جا رہی تھی۔ راحیل اسے بازوؤں میں گھیرے خاموشی سے اسے دل کا بوجھ ہلکا کرتے دیکھتے رہے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ خود بھی سخت تذبذب میں مبتلا تھے۔ وہ ابھی تک کچھ سمجھ نہیں سکے تھے۔ کہ یہ تبدیلی کیسی ہے؟
''آہا......صائمہ نے ان کا ساتھ قبول کر لیا ہے کیا؟ وہ اپنا فیصلہ تنہا زندگی گزارنے کا عہد توڑ بیٹھی ہے۔ کیا وہ ان کی شریک زندگی بننے پر رضامند ہو گئی ہیں؟'' وہ ایک دم بے چین ہو گئے۔
''صائمہ! پلیز کچھ تو بولو کچھ بتاؤ تو ورنہ میں تو بس فوت ہونے لگا ہوں۔'' وہ تیزی سے بولے۔
صائمہ کا ہاتھ ان کے لبوں تک جا پہنچا۔ ''خدارا......راحیل! ایسی بدفال منہ سے مت نکالیے مجھے خوف آتا ہے۔''
راحیل نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر چہرہ اونچا کیا اور صائمہ کی آنکھیں رومال سے صاف کرنے لگے۔
پھر اس کا ہاتھ تھام کر باغ میں چلے آئے۔ اسے فوارے کے قریب بنچ پر بٹھا دیا اور خود سامنے جھک گئے۔
''ہاں......اب بتاؤ جانم! یہ سب کیا ہے؟ کہیں میں جاگتی آنکھوں سے خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ کیا واقعی تم نے میری زندگی میں آنا قبول کر لیا ہے؟ سیدھی طرح بتاؤ......ورنہ تمہاری قسم میں اسی فوارے میں چھلانگ لگا کر جان دے دوں گا بتاؤ نا؟'' وہ بے صبرے ہو گئے اور اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر زور زور سے ہلانے لگے۔
''ہاں......میں نے فیصلہ بدل لیا ہے۔'' صائمہ نے معصومیت سے سر ہلایا پھر اپنا چہرہ ہاتھوں کے پیالوں میں چھپا لیا۔
''ہرا؟'' بے اختیار راحیل اچھل کر کھڑے ہو گئے۔
''خدا کے واسطے آہستہ تو بولیے۔'' وہ گھبرا گئی۔
''ارے جان میری! اب سننے دو اس جگ کو سماج کو معاشرے کو۔ ہمیں ڈر کس کا ہے؟ میں تو خود سب کو چیخ چیخ کر

بتاؤں گا۔ منادی بلواؤں گا اعلان کرواؤں گا۔ شور مچاؤں گا۔ ارے لوگو مجھے تو پانچ سال کی کٹھن تپسیا کا پھل ملا ہے۔'' وہ خوشی سے حقیقتاً دیوانے ہو رہے تھے۔ راحیل نے لپک کر صائمہ کو اٹھایا اور ہوا میں چکر دیتے ہوئے قہقہے لگانے لگے۔ لیکن وہ سسکیوں سے رو رہی تھی۔

''ہائیں...... ہائیں...... سویٹ ہارٹ تم تو رونے لگیں۔'' وہ گھبرا گئے۔

''راحیل میرے ذہن پر بہت بوجھ ہے خدارا آپ بھی سوچ لیجیے میں نہیں چاہتی آپ بعد میں پچھتائیں۔ مجھ سے لوگوں نے بہت سے فسانے وابستہ کر رکھے ہیں۔ بہت الزام تراشیاں بہتان ہیں میرے دامن پر۔ آپ کو پتہ ہے کہ مجھے طلاق مل چکی ہے۔ لوگ آپ کے اور میرے بارے میں جان کر طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ اب بھی وقت ہے۔ آپ کو مجھ سے لاکھ درجہ بہتر سے بہتر لڑکیاں مل سکتی ہیں۔ ان چھوٹی تر و تازہ حسین۔ پھر آپ کیوں رسوائیوں کو گلے لگانے پر تلے ہوئے ہیں۔ کس لیے اپنا اجلا دامن داغدار کرنا چاہتے ہیں؟'' وہ رو رہی تھی۔

''اف صائمہ! سیدھی طرح کہو کہ تم مجھے ناپسند کرتی ہو خوامخواہ بہانے بنانے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟'' وہ اچھی بات کا الٹا اور غلط مطلب اخذ کر رہے تھے اور بری طرح سے چڑ گئے تھے۔

''نہیں...... نہیں...... ایسا مت کہیں۔ خدا کی قسم میں آپ سے بے حد پیار کرتی ہوں۔ بلکہ...... بلکہ آج سے نہیں ہمیشہ سے پیار کرتی آئی ہوں۔'' وہ جلدی سے زندگی کا اکلوتا راز افشا کرتی ہوئی بولیں۔

''ہائیں...... اوئے یہ تو نیا ہی انکشاف ہوا ہے؟'' راحیل تو آسمان کی وسعتوں میں بغیر پروں کے پرواز کرنے لگے۔ وہ تو ایسی کوئی بات سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ کبھی بھی تو اس لڑکی نے اپنے گہرے جذبوں کا عکس چہرے سے یا حرکات و سکنات سے پتہ نہیں لگنے دیا تھا۔ چہ جائیکہ محبت کی گہرائیوں میں اترنے دیتی۔

راحیل نے اسے سینے سے لگا لیا اور بالوں کو پیار سے تھپتھپاتے ہوئے ہونٹوں سے چھوا۔ ''احمق پاگل لڑکی! اگر مجھ سے اتنا پیار کرتی تھیں تو مجھے خوامخواہ نچایا کیوں ہوا تھا؟ خودکشی کیوں کروانا چاہتی تھیں مجھ سے؟ اچھا تو خالی خولی دھونس جماتی رہیں مجھ عاشق دلگیر پر...... کیسا کیسا ترسایا ہے تنگ کیا ہے تم نے مجھے۔ سچ دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں فوراً اس زیادتی کی سزا دی جائے اور فوراً تم سے شادی کر لی جائے۔''

صائمہ نے کچھ کہنے کے لیے راحیل کے سینے سے سر ہٹانا چاہا لیکن اب تو راحیل کے حوصلے بلند ہو چکے تھے۔

''نہ...... نہ...... صائمی کوئی فضول منطق جھاڑنے کی کوشش مت کرنا۔ اب مزید ایک بھی لفظ انکار کا یا حجت کا نہیں سنوں گا میں۔'' وہ اسے سر ہٹانے کی کوشش کرتے دیکھ کر بولے۔

''میں تم پر واضع کر دینا چاہتا ہوں کہ تمہارا نہ ملنا میری موت کا سبب بن سکتا ہے۔ مجھے تو تمہارے بنا جینا ہی اب محال لگنے لگا تھا۔ منتوں مرادوں سے تو میں نے اپنی محبت کا تم سے اقرار کروایا ہے۔ صائمی! اب اگر تم نے اقرار کو انکار میں بدلنے کی کوشش کی یا کسی بھی وجہ یا دباؤ کے باعث تم اپنی زبان سے اقرار محبت سے پھریں تو خدا کی قسم میں جان دے دوں گا۔ اللہ قسم خودکشی کر لوں گا۔ نہ...... نہ...... میرا منہ بند کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولے۔

''اور سچ صائمہ اب مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ کوئی کچھ کہے کچھ بھی بکے یا کیچڑ اچھالے۔ میں قسم کھاتا ہوں۔ اگر کوئی ہاتھ تمہاری عزت کی طرف بڑھا تو میں اس کو زہر کا انجکشن لگا دوں گا بلکہ کاٹ ڈالوں گا۔ جو زبان تمہارے خلاف زہر اگلے گی۔ میں اس کا اپریشن کر کے جڑ سے کاٹ ڈالوں گا۔'' گو وہ سنجیدگی سے بول رہے تھے لیکن نگاہوں میں شوخی رقصاں تھی۔

صائمہ ان کے انداز پر بے اختیار ہنس دی اور ان سے دور ہٹ کر بینچ پر بیٹھ گئی اور آنسو خشک کرنے لگی۔ ''سن رہی ہو نا بی صائمہ! اب اگر تم نے فضول بات کی یا لوگوں سے ڈر کر رونے کی کوشش کی تو میں...... میں......'' وہ رکے۔

''تو آپ مجھے کف مکسچر پلا دیں گے؟'' وہ مسکرا کر بولی تو راحیل نے تعریفی نظروں سے دیکھا۔

''ارے واہ...... واہ سبحان اللہ میرے منہ کی بات چھین لی ہے۔ یار تم تو واقعی ڈاکٹر کی بیوی بننے کے قابل ہو۔''

ان کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا۔ پھر وہ سنجیدہ ہو کر اس کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھ رہے اس کا نرم ہاتھ تھام لیا۔

''صائمہ میری زندگی...... میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم اپنے فیصلے پر کبھی نہیں پچھتاؤ گی کوئی ندامت شرمندگی نہ ہو گی تمہیں۔ ان شاء اللہ میں تمہارے تمام دکھوں کی تلافی کروں گا۔ تمہیں خوش رکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔ میری زندگی کا ایک ایک لمحہ تمہاری خوشیوں کے لیے وقف ہو گا۔ اور پھر کبھی ان خوبصورت آنکھوں میں آنسو نہیں آئیں گے۔ بلکہ محبت کے جگنو چمکا کریں گے۔''

انہوں نے پرعزم بااعتماد انداز سے کہا اور پھر جھک کر نہایت عقیدت سے صائمہ کے ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیے۔ تو وہ اترا گئی۔

''بس...... بس زیادہ دعوے مت کریں اتنے دنوں سے پریشان کر رکھا تھا آپ نے۔ کس قدر ناراض ہو گئے تھے آپ؟ اور نہ میں سو سکتی تھی نہ کھا سکتی تھی جینا مشکل ہو کر رہ گیا تھا۔'' وہ سرخ چہرہ لیے اپنے ہاتھ چھڑاتی ہوئی بولیں۔

''سچ راحیل! جب آپ نے گھر آنا چھوڑ دیا تھا تو مجھے شدتوں سے احساس ہوا کہ آپ کے بغیر تو میرا وجود ادھورہ ہے۔ پیاسے ترسے ہوئے انسان کی طرح ہے جسے صحرا کی تپتی دھوپ میں چھوڑ دیا گیا ہو۔ مجھے لگتا تھا شاید جی ہی نہیں سکوں گی میں آپ کے بغیر...... آپ کی آواز سننے کے لیے کتنی بار فون اٹھایا۔ لیکن پھر خوفزدہ ہو کر رکھ دیا کرتی تھی کہ آپ نہ جانے کس قدر برا بھلا کہیں مجھے کہیں نفرت کا اظہار نہ کر دیں لیکن ساری ساری رات چھ فٹ لمبا بھوت میری نظروں کے سامنے ناچتا رہتا تھا۔'' وہ دبے ہوئے لہجے میں بولی۔

''کیسے عظیم و پوتر ہوتے ہیں محبت کے جذبے ایک سائبان سا تن جاتا ہے سر پر اگر کوئی مخلص ساتھ چلنے کا وعدہ کرے تو بے پناہ حفاظتوں کا خود اعتمادیوں کا شعور مل جاتا ہے اور خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں سچے رفیق اور مضبوط سہارے مل جاتے ہیں۔ پھر تو ہر کٹھن منزل بھی سہل ہو جاتی ہے۔'' وہ گم صم رہنے والی کم زبان سی صائمہ جو اپنی ہی ذات کے خول میں بند تھی۔ اس وقت محبتوں کی پناہ پا کر دل میں چھپے جذبے اپنے احساسات سبھی جذبوں سے تو اپنے ساتھی اپنے محبوب کو آشنا کروا رہی تھی۔ بول رہی تھی۔ ہنس رہی تھی۔ خوشی اور محبتوں کی آبشاریں تو جیسے وجود سے پھوٹ رہی تھیں۔

''خوب بہت خوب...... تو یہ ہو رہی ہے ہونے والے شوہر نامدار کی عزت افزائی۔ اسے چھ فٹ لمبا بھوت بنایا جا

رہا ہے؟‘‘ وہ قریب ہی بینچ پر بیٹھ گئے اور شوخی سے اس کا ہاتھ دبا کر بولے۔

’’اور سچ تو یہی ہے صائمہ بی! کہ اگر میں نے آنا جانا نہ چھوڑا ہوتا تو تمہیں میری غیر موجودگی۔ میرے وجود کی اہمیت کا احساس ہی نہیں ہونا تھا۔ وہ کہتے ہیں نا گھر کی مرغی دال برابر۔ تو ہمارے ساتھ یہی معاملہ تھا۔ ویسے جانمن! تم سے دور رہ کر میں کون سا خوش رہا ہوں۔ کئی بار تو گھر کے باہر ہی سے واپس پلٹ جاتا تھا۔ بچپن سے لے کر جوانی تک نہ جانے یہ قدم کتنے کروڑوں بار ان راستوں کے مسافر رہ چکے ہیں۔ عادت سی ہوگئی تھی اس راہ گزر سے گزرنے کی اس گھر کی دہلیز پار کرنے کی انس و اپنائیت سی ہوگئی ہے ان راستوں سے۔ محبوب کے کوچے کی مٹی و سنگ سے بھی ان پتھریلے فرشوں سے ان ہری بھری روشوں سے۔‘‘ وہ ہنسے۔

’’اللہ...... شرم تو نہیں آتی نا گھر کے باہر سے ہی چلے جاتے تھے آتے کیوں نہیں تھے اندر۔ خوامخواہ ترسایا ہمیں۔‘‘ وہ روٹھ گئی۔

’’صائمہ بی بی...... صائمہ بی بی! بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں جی۔‘‘ ملازمہ حمیدہ نے پکارا تھا۔

’’اچھا جان میں بھی اب چلتا ہوں۔‘‘ راحیل اس کا ہاتھ تھام کر اٹھ گئے۔

’’ہائے...... نہیں راحیل! ابھی تو نہ جائیں نا۔‘‘ صائمہ نے التجا کی اور روکنے پر بضد ہوگئی۔ اب جبکہ تکلیف کی دیواریں گر چکی تھیں تو وہ برملا اپنے جذبوں کا اظہار کیوں نہ کرتی۔ پہلے کی مانند دل ہی دل میں سلگتی کیوں رہتی۔ جذبوں پر پتھریلے بند کیوں باندھتی۔

’’راحیل دیکھیے نا امی جان تو بیمار ہیں وہ بمشکل بات کرتی ہیں بلکہ نیم بیہوشی پڑی رہتی ہیں پھر رہے شارق بھائی تو ان کے نہ تو آنے کا پتہ چلتا ہے نہ جانے کا۔ ان خاموشیوں تنہائیوں، وحشتوں اور اکیلے پن کے زہر نے میرے وجود میں سرایت کرنا شروع کر دیا ہے۔ گھبرا گئی ہوں میں۔‘‘ وہ لرز کر بولی۔

’’تو جان تم اپنی سہیلیوں کو بلوا لیا کرو یا خود ان سے ملنے چلی جایا کرو گھوما پھرا کرو نا۔‘‘

’’جی نہیں میری کوئی سہیلی نہیں ہے۔ میں نے سب سے ملنا جلنا چھوڑ دیا ہے۔‘‘ صائمہ نے افسردہ ہو کر بتایا۔

’’جب سے میری...... جب سے مجھے......‘‘ وہ ایک دم سہم کر چپ ہوگی۔ خود راحیل بھی سمجھ گئے تھے کہ وہ یہی کہنے والی تھی۔ ’’کہ جب سے مجھے طلاق ہوئی ہے۔‘‘ لیکن یہ الفاظ ادا کرنے کی سکت نہیں تھی اس میں۔

’’اچھا تو رہنے دو سہیلیاں دفع کرو ملنے والوں کو یہ میں جو ہوں تمہارا اتنا لمبا چوڑا سہیلا، چھیل چھبیلا، یعنی ٹو ان ون (Two in one) سہیلا بھی اور محبوب بھی۔‘‘ وہ کار میں بیگ رکھ کر مڑے۔ صائمہ ان کی بات پر بے اختیار ہنس رہی تھی۔

راحیل کو وہ ہنستی مسکراتی ہوئی بے اختیار اچھی لگی دل چاہا وہ اسے سمیٹ کر دل میں ہی بھر لیں بازوؤں کے حصار میں چھپا لیں۔

خدایا...... انہوں نے دل کی گہرائیوں سے رب العزت اس رحیم و کریم خالق کائنات کو پکارا۔

’’اے رب! اپنے محبوب کے صدقے میں...... اس لڑکی کی آئندہ زندگی بس یونہی ہنستے مسکراتے خوشیوں میں ہی بسر ہو۔ اور مجھے اس عاجز و گناہگار کو اتنی بھیک دے دینا پوری سچائیوں کے ساتھ توفیق دینا کہ یہ صائمہ اس کی صرف اس

کی شریک سفر ہو۔'' لمحہ بھر کے لیے راحیل نے آنکھیں موند کر دعا مانگی۔ پھر صائمہ کا ہاتھ تھامے اندر چلے آئے تھے۔

''ہاں تو صائمہ تم یوں کرنا کہ کبھی کبھی اپنے اس لاڈلے سہیلے سے ملنے کلینک آ جایا کرنا۔ پھر کہیں گھومنے گھامنے چلیں گے۔'' صائمہ اور راحیل کے ملے جلے قہقہے کی آواز جب اندر امی کے کانوں تک پہنچی تو وہ چونک گئیں ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

''ارے راحیل! تو اس وقت بہت جلدی میں کہیں جانا چاہ رہا تھا۔ پھر ابھی تک یہاں ہے۔ گیا نہیں ہے؟'' ایک دم ان کی نگاہوں میں راحیل کا عجیب سا رویہ، صائمہ کا بات بات پر رونا اور دونوں ہی کے اترے اترے زرد چہرے گھوم گئے۔

''تو پھر یہ قہقہے......'' وہ حیران رہ گئیں۔ اس گھر کے در و دیوار تو جیسے ہنسی کی آواز سننے کے لیے ترس کر رہ گئے۔ پھر گھر کے مکین بھی تو دکھوں غموں کے پہاڑ تلے دبے سسکیاں لے رہے تھے۔ سبھی اپنے آپ کو ایک دوسرے کا مجرم گردانتے تھے۔ شارق خود کو صائمہ کا دین دار گناہ گار سمجھتے تھے۔

کیونکہ ان کی بیوی نازیہ نے صائمہ کے شوہر حامد کو اپنے چنگل میں پھنسا لیا تھا اور اس کے ساتھ گھر سے فرار ہو گئی تھی اور پھر اس سے شادی کر کے صائمہ کو طلاق بھجوا دی تھی۔

بیگم مراد تھیں تو بیٹے سے نظریں نہیں ملا سکتی تھیں کیونکہ نازیہ ان کی سہیلی حمیرہ کی بیٹی تھی۔ اور یہ رشتہ انہوں نے بضد ہو کر شارق سے زبردستی ہاں کروائی اور بیاہا تھا۔

رہ گئی صائمہ! تو وہ خود کو ایک بوجھ سمجھنے لگی تھی اور ایک طرح سے منحوس بھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی وجہ سے بھائی کا گھر برباد ہوا۔ اس کے شوہر حامد نے سب کو تباہ کر دیا اور وہ ماں کے دکھوں میں اضافہ کرنے۔ اس کے بڑھاپے کو خراب کرنے واپس آ گئی ہے۔

بس ہر شخص اپنے دماغ کے مطابق خود کو مورد الزام ٹھہرا کر ایک دوسرے سے نظریں بچانے کی کوشش میں دور ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اجنبی اجنبی سے ہو گئے تھے بمشکل آمنا سامنا یا کھل کر کلام کرتے تھے۔ پھر آج جب بیگم مراد نے صائمہ اور راحیل کے جاندار قہقہوں کی بازگشت اس خوشیوں کو ترسے گھر میں سنی تو وہ چونک گئیں۔ انہونی بات تھی یہ تو پھر ان کے کان اور اس بڑے گھر کی دیواریں کب عادی رہی تھیں۔ ہنسی قہقہوں کی۔

پھر ان کی تمام تر حسیات بیدار ہو گئیں ان کے کانوں میں تیز تیز سرگوشیاں ابھریں راحیل کی آواز انہوں نے پہچان لی تھی۔ ''ہائے صائمہ! میں نے تو امی جان سے بہانہ کیا تھا کہ میں نے مریض کو دیکھنے جانا ہے دس منٹ کے اندر اندر پھر یار! اب جو انہوں نے مجھے یہیں براجمان دیکھا تو وہ کیا سوچیں گی؟'' وہ متفکر تھے۔

''اے لو......بس ہو گئی بہادری ختم ڈاکٹر صاحب کی۔ کچھ دیر پہلے تک تو بڑے دعوے کر رہے تھے جناب!'' وہ منہ دبا کر ہنسنے لگی تھی۔

''میں اور بزدل......اچھا تو یہ بات ہے؟'' راحیل نے صائمہ کو جھنجھوڑ ڈالا۔

''آپ ہمیں ڈرپوک اور جھوٹا سمجھتی ہیں یعنی کچھ دیر پہلے ہم نے جھوٹے دعوے کیے تھے آپ کی خوشیوں کے لیے۔'' ان کی مردانگی جاگ اٹھی۔

''آپ بہادر بنو بھئی ہمیں کیا خبر؟ ڈر تو آپ ابھی سے رہے ہیں۔'' وہ مسکرائی اور انہیں چڑایا۔

''ڈر......ارے میں بھلا اپنی ہونے والی ساس سے ڈروں گا۔ وہ اتنی شفیق اور پیاری خاتون ہیں نازک کومل سی۔ اور تم سے زیادہ محبت کرتی ہیں مجھ سے ہاں۔'' راحیل نے بہت اترا کر جتایا۔

''شش......شش......چیخئے مت......تو صاحب اگر آپ ڈرتے نہیں تو اندر تشریف لے چلیں نا۔ امی کا سامنا کیجیے۔'' صائمہ کی آواز میں شرارت تھی۔

''ہاں......آں......اندر تو میں ضرور جاؤں گا۔ مگر......مگر......صائمی دیکھو نا ڈرتا تو میں نہیں ہوں مگر تم میرے سامنے ذرا آگے آگے چلو نا'' بے اختیار صائمہ کا قہقہہ بلند ہوا اور جیسے کسی نے منہ پر ہاتھ رکھا ہو پھر دونوں کی دبی دبی ہنسی کی آوازیں آنے لگیں۔ بیگم مراد کی آنکھوں سے گویا پردے ہٹتے چلے گئے تھے۔ بہت کچھ روز روشن کی طرح سے عیاں ہو گیا تھا ان پر۔ ہر سو اجالے ہی اجالے پھیل گئے تھے۔

''الٰہی اب تک وہ ان محبتوں سے بے خبر کیسے رہ گئیں۔ ان کی آنکھوں پر لاعلمی کے کیسے پردے تنے تھے۔ راحیل کا صائمہ سے خصوصی برتاؤ۔ اس کا ہر طرح سے خیال رکھنا پریشان ہونا۔ اسے خوش رکھنے کی بہلانے کی کوشش کرنا۔ بہانے بہانے سے تحائف لا کر دینا۔ پھر صائمہ کی شادی کے بعد سے شوخ شریر کھلنڈرے سے راحیل کی پراسرار خاموشی ہر وقت مصروف رہنا۔ اداسیاں وہ تو یکسر بدل کر رہ گیا تھا'' کیا کچھ نہیں یاد آ رہا تھا اب انہیں۔ انہوں نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''لیکن اس وقت سب سے اہم اور سوچنے کی بات تو یہ تھی کہ وقت کے اتار چڑھاؤ نے جذبوں کو زنگ آلود تو نہیں کر دیا تو۔ تو کیا راحیل اب بھی اس حال میں بھی صائمہ کو اپنانے کے لیے تیار ہے۔ طلاق کے داغ کے باوجود۔

ایسا ہی ہے ہاں ہاں......محبتوں کے اعتماد کو زبان مل گئی دل کی گہرائیوں سے آواز اٹھی انہیں راحیل کے سچے پن پر پکا یقین تھا پھر ان کا دل بے پناہ خوشیوں سے لبریز ہو گیا بند بند آنکھیں جھلملا اٹھیں۔ شاید رب الکریم نے ان کی آہ و زاریاں سن لی تھیں۔ بھلا راحیل سے بڑھ کر انہیں کون عزیز ہو سکتا تھا۔ سگے بیٹوں جیسا تو تھا وہ۔

طویل عرصے بعد تو انہوں نے اپنی بچی اپنی نور نظر صائمہ کو یوں ہنستے قہقہے لگاتے سنا تھا۔ ورنہ وہ تو جیسے ہنسنا ہی بھول چکی تھی۔ خاموشیوں تنہائیوں کو اپنا مقدر سمجھ بیٹھی تھی گھر کی چار دیواری میں قید ہو گئی تھی۔

بیٹے کو گنوانے کے بعد......اب بیٹی کا اکیلا پن دیکھ کر دل لرز لرز اٹھتا تھا۔ بیگم مراد کا۔ ان کا تو گھر ہی برباد ہو گیا تھا۔ بیٹا بیٹی دونوں کے ساتھ رشتوں نے دروغ کیا دھوکہ دیا۔ رشتوں کی حرمت پاکیزگی کو داغدار کیا۔

وہ بارہا صائمہ کو ضد کر کے ملنے والیوں اور سہیلیوں کے ہاں بھیجتی تھیں لیکن واپسی پر صائمہ سوجی آنکھیں اور سر کا درد لیے واپس آتی تھی اور سیدھی کمرے میں جا بند ہوتی تھی۔ وہ سب سہیلیاں، ملنے جلنے والے، یہ جاننا چاہتے تھے کہ اس قدر خوبصورت اور امیر کبیر والدین کی بیٹی کو آخر کس جرم کی پاداش میں طلاق دی گئی تھی۔ اس کا شوہر اسے کیوں قبول نہ کر سکا تھا؟

وہ صائمہ سے بحث و جرح کرنے سے بھی باز نہ آتیں۔ کسی طرح سے اس کا قصور نکالنے کی تگ و دو میں لگی رہتیں۔ معلوم نہیں لوگ اتنے ظالم و سنگدل ہو کیسے جاتے ہیں۔ وہ محض دل لگی کے لیے ہی ذرا تمسخرانہ اور طنزیہ تفریح

دینے کے لیے خوامخواہ بات کو طویل کھینچ دیتے ہیں۔

اور یہ مذاق اڑاتے ہوئے لوگ اس وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ بھی کسی کی بیٹیاں ہیں۔ دن بدلتے اور مزاج بدلتے دیر کب لگتی ہے۔ ایک کمزور لمحہ ہی جذبوں کو بدلنے اور طویل رفاقت والے ساتھی کو دل سے اتارنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور مرد جیسے آزاد پنچھی کی رفاقت پر تو اتنا مان کرنا ہی فضول ہے۔ کہ یہ ڈال ڈال دیس دیس پھرتا ہے نئے پھولوں نئے مرغزاروں اور اچھوتے چہروں کی تلاش میں اور پھر تلاش بسیار کے بعد اپنا گوہر مقصود پا ہی لیتا ہے۔

چاہے وہ جنگلوں میں ملے یا بیابانوں میں
صحرا میں ملے یا سمندروں میں غوطے لگانے کے بعد گوہر مقصود حاصل ہو
کسی بھی بند سیپی سے وہ اپنے من کا موتی نکال کر گلے کا ہار بنالیتا ہے

جس طرح بدلتی رتیں بے اعتماد ہیں...... اسی طرح مرد کے موسموں کا بھی کوئی بھروسہ نہیں۔ جو حادثہ صائمہ پر ٹوٹا جس شاک سے وہ دوچار ہوئی تھی۔ ایسا ہی کوئی حادثہ یہی شاک..... اس سے ان کی بیٹی...... بہن اور ماں بھی دوچار ہو سکتی تھیں۔ ان کے گھر ویران آنگن سونے ہو سکتے تھے۔

ارے عورت ہو کر تم تو عورت کا دکھ سمجھو نا تم گھاؤ مت لگاؤ۔ زبان کے نشتر مت گھونپو ان کے چھلنی سینے میں تمہیں تو عورت ذات کے عذابوں سے زیادہ واقف ہونا چاہیے۔ ہمدردی کرنا چاہیے۔ لیکن نہیں...... یہاں تو عورت ہی عورت کی دشمن بن بیٹھی ہے۔ وہ کسی بھی سہاگن کے سر سے شگنوں کا روپیلا دوپٹہ اتار کر زبردستی خود اوڑھ کر اس سہاگن کو ابھاگن بنا کر اس کا سر ننگا کر دیتی ہے۔

اس کے دکھوں کو دنیا کے تمسخر کا نشانہ بنانے کے لیے خود بھی تماش بین بن جاتی ہے۔ آخر نتیجہ یہ نکلا تھا کہ صائمہ گھر میں مقید ہو گئی اس نے کہیں آنا جانا ترک کر دیا گوشہ نشین ہو کر رہ گئی تھی اور یہی دکھ بیگم مراد کو نڈھال کر رہا تھا۔ ان کی بیٹی اس قدر تنہا ہو گئی تھی۔ وہی صائمہ جو محفلوں کی جان ہوتی تھی ہنستی ہنساتی رہتی تھی۔

تبھی دروازہ کھلا اور صائمہ نے پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔ پیچھے ہی راحیل سر نکال کر جھانک رہے تھے دونوں کے چہرے تمتما رہے تھے۔ بیگم مراد کو وہ چہرہ اس قدر عزیز اور مقدس لگا۔ بے اختیار چاہا وہ اسے چوم لیں دل سے لگا لیں۔

راحیل وہ مسیحا جوان کا دکھ بانٹنے لگا تھا۔ ان کو ایک بار پھر زندگی کی نوید دے رہا تھا۔ ان کی لاڈلی بیٹی کو خوشی سے روشناس کروا رہا تھا۔ یہ دو بلیاں کیا تاک جھانک کر رہی تھیں۔ مراد رخ پھیر کر اونچی ہو کر بیٹھ گئیں اور بے اختیار اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔

صائمہ اور راحیل پہلے تو دونوں ہی ٹھٹکے۔ پھر بے اختیار ان کے بازوؤں میں سماتے چلے گئے۔

مشکلیں آسان ہو گئی تھیں راہیں خود بخود منزلوں کا پتہ دے رہی تھیں شاید بارگاہ ایزدی میں راحیل کی دعا قبول ہو گئی تھی۔

تبھی تو اسے اپنی امی سے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی اور وہ از خود سب دلی جذبے جان گئی تھیں۔

○●○

شارق دوسرے روز آفس ذرا جلدی چلے گئے تھے۔ کمرے کی حالت بتا رہی تھی کہ زیب آفس آ چکی ہے۔ خوب

تر و تازہ منور منور سا ماحول تھا۔ گلابوں اور نرگس کی خوشبو ہر سو پھیلی تھی۔ وہ کوٹ الماری میں لٹکا کر کرسی پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے بجائے زیب کو خود فون کرنے کے جاوید کو انٹر کام پر کال کی۔

شارق کے شاکی دماغ کو یہ پختہ یقین تھا کہ زیب، جاوید ہی کے آفس میں ہو گی اور اسے ناز و انداز دکھا رہی ہو گی۔

''جاوید! مس رحمان تمہارے پاس ہیں کیا؟'' انہوں نے خشک انداز میں پوچھا۔

''نہیں تو سر! کیوں کیا ان کے کمرے سے کوئی فون نہیں اٹھا رہا ہے کیا میں جا کر دیکھوں۔'' وہ حیران ہو کر بولا۔

''نہیں...... کوئی ضرورت نہیں۔'' انہوں نے پھر زیب کا نمبر لگایا اس نے فوراً جواب دیا تو شارق نے اسے اپنے کمرے میں آنے کے لیے کہا۔ پھر وہ اپنے شغل میں مصروف ہو گئے۔ جام کا دور دورہ تھا۔ وہ تو شاید پینے سے تھکتے ہی نہ تھے۔

''گڈ مارننگ سر!'' شارق نے سر اٹھایا پھر تو جیسے وہ پلکیں جھپکانا بھول گئے۔

قیمتی ریشمی کپڑے سے بنا ہوا تنگ تنگ سا ڈیزائن دار قمیص جس کے آستین اور گلے پر گولڈن کڑھائی کا خوبصورت کام تھا۔ قیمتی شفیون کے دوپٹے پر بھی کشیدے سے گولڈن رنگ کی بیل بنی ہوئی تھی اس کی بھری بھری ٹانگوں پر چست پاجامہ بے طرح سے پھب رہا تھا۔ بالوں کو اونچا کر کے نئے انداز کا جوڑا بنایا ہوا تھا کانوں میں سونے کے گول رنگ تو وہ پہنے ہی رہتی تھی۔ پھر ہلکا ہلکا سا میک اپ اس کی جاذبیت میں بے پناہ ہی اضافہ کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ اندرونی تپش سے جگمگا رہا تھا۔

عجیب سی معصومیت اور کشش انہیں اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ کیسی حسین و دلکش لگ رہی تھی زیب۔ بے اختیار وہ اپنی کرسی سے اٹھے اور میز سے ہٹ کر اس کی طرف بڑھے۔

''زیب زرا یہاں آؤ۔'' انہوں نے حکم دیا وہ جھجکتی ہوئی قریب ہو گئی۔ وہ بتدریج اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگے۔

وہ بلاشبہ اس قدر حسین و دلکش تھی کہ شارق جیسے پتھر بھی پگھل سکتے تھے۔ اور شاید یہ پتھر بھی موم ہونے لگا تھا۔ شارق نے بڑی نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھ لیے۔ زیب کا وجود تھرا اٹھا۔ یہی حال شارق کا بھی ہوا تھا۔ وہ لڑکھڑا سے گئے تھے۔

زیب نے ڈرتے ڈرتے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ پھر جیسے نگاہیں ٹک کر رہ گئیں۔ شارق کے چہرے کی خشونت نجانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔

اس کے چہرے پر تو معصومیت اور نہایت مدھری نرماہٹ تھی اور زیب کے لیے تو ان کا یہ روپ بالکل نیا تھا۔ نرالا تھا۔ اچھوتا اور قابل دید تھا۔

بظاہر تو وہ پرسکون نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن نگاہوں کا اضطراب چھپا نہ رہ سکا زیب کا صبر جواب دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ٹینا کا چہرہ گھوم گیا تو غضب ہی ہو گیا۔

زیب کے چہرے کے تاثرات اب بالکل بدل گئے تھے۔ اس نے ایک قدم پیچھے ہٹایا اور ہاتھ چھڑانے کی کوشش

کرنے لگی۔اس کی کشمکش نے شارق کو ہوش کی دنیا میں لا کھڑا کیا۔ان کی آنکھوں کی چمک مانند پڑ گئی دل میں ابھرے لطیف جذبے دوبارہ مدفن ہونے لگے۔ان کے تصور میں جاوید کے پہلو میں اس کی کار میں بیٹھی ہنستی کھلکھلاتی ہوئی زیب کی تصویر نگاہوں کے سامنے ابھرا بھر آئی۔دونوں ہی شکوک میں مبتلا ہو کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔

پھر وہ چونک گئے بپھر گئے۔چہرے کی اجلی رنگت تابنائی ہو گئی انہوں نے ایک جھٹکے سے زیب کا ہاتھ جھٹکا۔تو وہ لڑکھڑا کر میز سے ٹکرائی۔ابھی وہ سنبھل بھی نہیں سکی تھی کہ گویا رانی توپ کی زد میں آ گئی۔

''محترمہ! آپ کل آفس کیوں نہیں آئی تھیں؟'' وہ گرجے۔

''جی میں...... جی وہ......'' وہ سٹپٹا گئی۔عجیب بات تو یہ تھی کہ ٹینا کا تصور کر کے متنفر ہو کر تو زیب ہٹی تھی۔اس وقت تو شارق کے چہرے پر نزی تھی۔پھر یکایک وہ کس بات پر آگ بگولہ ہو گئے ہیں۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی شارق نے اس کی یہ مشکل بھی آسان کر دی خود ہی بولے۔

''آپ کے بھائی احمر بیمار تھے اسی لیے کل آپ آفس نہیں آ سکی تھیں نا؟'' زیب نے جلدی سے سر ہلایا۔

''بہت خوب......تو بھائی کی بیماری کا جشن منانے گئی ہوئی تھیں جاوید کے ساتھ بازار شاپنگ کرنے۔میں نے تمہیں گل چھڑے اڑاتے خود دیکھا ہے۔'' زیب ششدر رہ گئی تھی وہ تو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دے رہے تھے۔وہ انہیں منہ کھولے تکتی رہ گئی۔

''ہاں تو عظیم خاتون۔'' اس نے تمسخرانہ انداز سے کہا۔

''کیا میں پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ کل جاوید نے آپ کو کتنے قیمتی تحفے خرید کر دیئے ہیں کتنا پیسہ خرچ کیا ہے؟ اور آپ کے اکاؤنٹ میں کتنی رقم جمع کروا کر کھاتہ کھلوایا ہے؟ اور آپ نے ان تمام تحفوں کے بدلے میں جاوید کو کیا پیش کیا ہے؟ اپنا پیار، اپنی جان یا جسم؟'' ان کا لہجہ نہایت تحقیر آمیز تھا وہ تھرا اٹھی۔

''شارق صاحب! یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ حیران ہو کر ان کا چہرہ تکنے لگی۔

''اچھا......تو تمہیں حیرت ہو رہی ہو گی کہ مجھے حقیقت کا پتہ کیسے چل گیا ہے؟'' وہ ہنسے، انداز تمسخرانہ تھا۔

''زیب رحمان! میں تو پہلے دن ہی تمہیں دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ اس معصوم چہرے کے پیچھے ایک فتنہ ایک شیطان صفت لڑکی ہے۔ایک ناگن ہے۔بلکہ میں نے تو راحیل سے بھی برملا کہا تھا کہ......تمہاری تباہ خیز جوانی یہ جسم ایسا سحر انگیز ہے کہ تم تو ہزاروں مردوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ سکتی ہو۔'' انہوں نے ہونٹ ترکیے۔

''سچ بتاؤ تمہیں جاوید نے کتنا روپیہ دے کر حاصل کیا ہے۔ایمان سے میں تمہیں دگنا بلکہ دس گنا زیادہ دوں گا۔ اگر تم میرے ساتھ بھی وقت گزارو۔''

''بس کیجیے شارق صاحب!'' وہ چیخ اٹھی۔

''اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ مت اٹھایئے۔زبان سنبھال کر بات کیجیے ذرا۔'' وہ بھر کر رہ گئی۔

''واللہ......آپ......آپ اس قدر نیچ گھٹیا انسان ہیں۔توبہ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' اس نے کانوں کو چھوا۔

وہ شارق کا مطلب سمجھ کر آپے سے باہر ہو گئی۔نفرتیں اس کے چہرے سے ہویدا تھیں۔مگر شارق بھی ایک ڈھیٹ

تھا۔
''شارق نیچ انسان نہیں ہے۔ بلکہ چالاک انسان کہو۔ جو تمہاری چالوں اور تمہارے ناز و انداز کے جال میں پھنس ہی نہیں سکا ہے۔ بیوقوف لڑکی جاوید تو میرا ملازم ہے بھلا تمہیں زیادہ سے زیادہ کیا دے سکے گا؟ ہاں...... بتاؤ؟ صرف چند ہزار روپے اور میرے پاس تو تمہیں سب کچھ ملے گا۔ تم جو حکم دو گی۔ جو بات منہ سے نکالو گی وہ پوری ہو جائے گی ایک سیکنڈ میں۔ لاکھوں کے تحفے۔ سنو زیب! میں تمہاری اصلیت جان کر بھی لٹ جانا پسند کروں گا۔'' وہ جیسے فراخدلی سے بولے۔

''کہو میری جان کیا یہ سودا منظور ہے؟'' وہ جھکے تو زیب نے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ جھٹک دیئے۔

''مسٹر شارق! آپ نے شاید بہت پی ہوئی ہے آپ ہوش میں نہیں لگتے آپ نہیں جانتے کہ کیا بک رہے ہیں۔''

وہ اسے بڑھتا دیکھ کر پیچھے ہٹ گئی۔ اور خفگی سے کہا۔ ''اور یہ آپ میری کون سی اصلیت جان گئے ہیں بھلا؟'' وہ حیران تھی۔ لیکن شارق نے لپک کر اسے بازوؤں میں جکڑ لیا اور اس کے چہرے کی طرف جھکے۔

''پلیز چھوڑ دیجیے مجھے۔ خدا کے لیے ہوش میں آئیں۔'' وہ تڑپتی ہوئی بولی۔

''ہوش میں ہی تو آیا ہوں آج...... لیکن زیب تمہاری یہ بناوٹ یہ اداکاری مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتی۔''

''شارق صاحب! چھوڑ دیجیے کیا آپ دیوانے ہو گئے ہیں؟'' اس نے شارق کے جھکے ہوئے چہرے کو پرے دھکیلا تو شارق نے ہنس کر شعر پڑھا۔ وہ تو زیب کو ایک آسانی سے نگلی جانے والی ہڈی سمجھ رہے تھے۔ ایزی کیچ سمجھ رہے تھے۔

چلو اچھا ہوا کام آ گئی دیوانگی اپنی
وگرنہ ہم تو زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے

ہم زمانے سے کیا کہتے کس طرح سمجھاتے کہ جسے وہ عظیم خاتون۔ مختلف معصوم تر لڑکی کا خطاب دیتے ہیں وہ بھی پہلی لڑکیوں سے مختلف نہیں ہے بلکہ ان تمام خواتین سے زیادہ خطرناک ہے چالاک ہے۔ نقاب اوڑھ کر شب خوں مارنا جانتی ہے۔'' وہ سختی سے بولے۔

''اف...... حد ہو گئی ہے کمینگی کی شارق صاحب! فوراً چھوڑ یئے مجھے ورنہ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں شور مچا دوں گی۔'' وہ انہیں دھکیلنے لگی۔

''کیوں...... کیا میں جاوید سے بھی زیادہ گیا گزرا...... برا ہوں۔'' شارق اپنے ٹریک پر واپس آ گیا تھا۔

''تم سمجھتی ہو کہ راحیل مجھ سے اچھا ہے۔'' پھر ان کی ذہنی رو بہک گئی وہ نہ جانے کیا اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگے۔

''تو کیا حامد مجھ سے اچھا تھا خوبصورت تھا؟'' شارق کے دل کا زخم پھٹ پڑا تو وہ بے قابو ہو گئے۔

''تم بھی نازیہ ہو...... ویسے ہی کٹیلی ادائیں ہیں تمہاری۔ پھنسانے رجھانے تڑپانے کا گر خوب آتا ہے تمہیں لیکن یاد رکھو۔ تم مجھ سے نہیں کھیل سکو گی۔ مر کر بھی میرا مذاق نہیں اڑا سکو گی۔ میں تمہیں تباہ و برباد کر دوں گا۔ فنا کر دوں گا۔ گلی گلی تمہیں ذلیل و رسوا کروں گا۔ بے نقاب کر دوں گا تمہیں۔''

اس نے زیب کو زور سے دھکیلا۔تو وہ پشت کے بل اس بڑی ٹیبل پر جا گری۔اس کے دونوں ہاتھ ابھی بھی شارق کے شکنجے میں تھے۔وہ بے طرح سے خود کو چھڑانے اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔مگر وہ بے دم ہو رہی تھی۔شارق کی سرخ قہر برساتی آنکھیں اور جھلستا وجود اس پر جھکا جا رہا تھا۔حاوی ہو رہا تھا۔

آج وہ اس موذی کے ہاتھوں نہیں بچ سکے گی۔کوئی معجزہ ہی رونما ہو تو ہو زیب نے بے بس ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اللہ وہ کس کو مدد کے لیے پکارے؟ کون آئے گا اسے بچانے کو؟

''جاوید...... جاوید......''اس نے آواز دینی چاہی لیکن خوف وحشت سے قوت گویائی سے بھی محروم ہو گئی تھی وہ۔ آواز گلے میں ہی پھنس گئی تھی۔تب چوڑا اور مضبوط ہاتھ اس کے ہونٹوں پر آرکا۔تو اس کی سانسیں گھٹنے لگیں۔

''خبردار......اگر ذرا سی آواز بھی نکالی تو گردن دبا دوں گا تمہاری۔پھڑکا دوں گا تمہیں۔'' جیسے ہی شارق نے اس کے ہاتھ چھوڑے زیب نے منٹ ضائع کیے بغیر اور اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر قریب پڑی شراب کی بوتل اٹھائی اور شارق کے جھکے ہوئے سر پر پوری قوت سے کھینچ ماری تھی۔ بلکہ قوت و ہمت ہی کہاں باقی رہ گئی تھی خوف کی وجہ سے ہاتھ تو ویسے ہی لرز رہے تھے اس کے۔پھر بھی ضرب کافی شدید تھی۔خاصی زوردار چوٹ لگی تھی شارق کو کہ اس کی چیخ نکل گئی تھی۔

پھر ان کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت سی ابھری اور وہ سر پر ہاتھ رکھے بے اختیار پیچھے کی طرف ہٹتے چلے گئے تھے۔ان کے سر سے خون ابل ابل کر ان کے چہرے اور اجلی قمیص کو داغدار کر رہا تھا۔اور زیب ایک ہرن کی طرح میز پر بے سدھ پڑی کھلی کھلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔پھر بہت ہمت کر کے وہ آہستہ آہستہ اٹھی۔پھر نہ جانے کیوں اس کا دل ڈوبنے لگا۔

اس نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے دل تھام لیا تھا۔شارق اپنی چوٹ بھول گئے اور اسے حیران حیران نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ان کی نگاہوں میں عجیب سی بے چینی اور بے یقینی تھی۔جیسے کوئی نہ ہونے والی ناممکن بات رونما ہو گئی ہو۔تبھی زیب کو اپنی نازک حالت کا احساس ہوا اس نے ہاتھ میں پکڑی ٹوٹی ہوئی بوتل کو دیکھا وہ خون آلود تھی۔

اس نے سہم کر بوتل قالین پر پھینک دی۔شارق کا چہرہ خطرناک حد تک سپید سا بے رنگ سا ہو رہا تھا۔قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

''نہیں...... زیب تم یقیناً نازیہ تو نہیں ہو۔تو پھر تم...... کون...... کون ہو؟'' وہ حیرت سے بولے۔زیب ان کی بات کا مطلب نہ سمجھ پائی تھی۔پھر شارق زخمی سر ہاتھوں میں تھامے قالین پر جھکتے چلے گئے ان کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔

زیب ان کی حالت دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی وہ تو خون و خون زمین پر بے سدھ پڑے تھے۔بالکل غافل بیہوش۔

''ہائے زیب! یہ تو نے کیا کر دیا اگر یہ مر گئے تو کیا ہو گا؟ تم تو ساری عمر جیل میں سڑتی رہ جاؤ گی پھر...... پھر تمہارے بعد تمہارے خاندان والوں کا کیا بنے گا؟'' وہ لرز لرز گئی۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی تو وہ بری طرح سے اچھل گئی چیخ روکنے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

''ہ...... ہیلو......'' وہ آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے بولی اور دوسرے ہاتھ سے میز کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''شکر ہے زیب تم زندہ ہو۔ تم اتنی دیر سے باس کے پاس تھیں میں تو پریشان ہو رہا تھا کہ کہیں انہوں نے تمہیں قتل ہی نہ کر دیا ہو کل سے ان کا موڈ بہت خونخوار ہو رہا تھا۔'' جاوید ہنسا تو وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔

''ہاں......سنو اب اگر باس پوچھیں تو کہنا رانگ نمبر تھا۔'' جاوید نے فون بند کر دیا۔ وہ اسے کچھ بتا بھی نہ سکی۔ کہ شارق نے تو مجھے قتل نہیں کیا بلکہ میں نے ہی اسے ہلاک کر ڈالا ہے۔ وہ جھرجھری لے کر جاگی۔

اس نے وحشت سے بے حس ساکت پڑے شارق کو دیکھا۔ پھر وہ خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگ نکلی اور اپنی کیبن اپنی اس سیٹ پر آ کر میز پر سر رکھے بے تحاشہ رو دی۔ ''کیا کروں...... ہائے اب میں کیا کروں؟ ظاہر ہے اب ملازمت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پھر...... پھر اب کیا ہو گا؟ پتہ نہیں وہ بچ بھی سکیں گے یا نہیں۔'' اس کی سسکیاں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

''نہیں......نہیں وہ مر نہیں سکتے۔ ضرور بے ہوش ہوں گے؟ ان کے ہوش میں آنے سے پہلے مجھے یہاں سے چلا جانا چاہیے۔ اگر انہوں نے گھر خالی کرنے کا حکم دیا تو میں جاوید سے کہوں گی کہ جب تک ہمیں کوئی مکان نہیں مل جاتا وہ ہمیں پناہ دے دیں۔'' وہ پرس اٹھا کر باہر جانے لگی تھی کہ شارق کے آفس کے سامنے ٹھٹک کر رک گئی۔ بے چین سی ہو گئی۔

''اگر شارق اسی طرح بیہوش پڑے رہے تو زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ تو مر جائیں گے۔ واقعی مر جائیں گے۔ پھر...... پھر پولیس مجھے تلاش کرے گی۔ میں پکڑی جاؤں گی۔ وہ گرفتار کر لیں گے اور جیل میں پھینک دیں گے۔ نہیں......نہیں'' وہ خوفزدہ ہو کر چیخ اٹھی اور ان کے کمرے کی طرف بھاگی۔ وہ اسی طرح قالین پر بے سدھ پڑے تھے۔ زیب نے غسل خانے میں جا کر تولیہ اٹھایا اسے اچھی طرح سے پانی میں بھگویا۔

پھر آ کر ان کے قریب قالین پر بیٹھ رہی اور نہایت نرمی سے ان کا چہرہ صاف کرنے لگی۔ پھر گردن پر گیلا تولیہ پھیرا۔ قمیص کے بٹن کھول کر سینے پر پھیرا۔

کچھ دیر بعد شارق نے پلکیں جھپکائیں اور کراہتے ہوئے اپنا ٹوٹا پھوٹا ڈیمیج (damage) سر تھام لیا۔ شارق کو ہوش میں دیکھ کر زیب نے دل ہی دل میں شکر پڑھا۔

''اٹھیے شارق صاحب!'' زیب نے چکراتے ہوئے شارق کو سہارا دے کر صوفے پر بٹھا دیا۔ ذرا سا چلنے سے سر میں دھماکے ہونے لگے تھے سر چکرا رہا تھا۔ انہوں نے آنکھیں موند کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ زیب نے ان کی خون آلود پیشانی کو پھر صاف کیا۔ بار بار خون رس رہا تھا۔

''میں نے ڈاکٹر راحیل کو فون کر دیا ہے وہ بس آتے ہی ہوں گے؟'' اس نے نرمی سے بتایا تو وہ غصے سے بولے۔

''تم نے راحیل کو کیوں بلوایا؟'' وہ بمشکل آنکھیں کھولتے ہوئے بولے۔

''اب تم یقیناً اس پر یہ ظاہر کرنا چاہتی ہوں گی کہ اس کی خاطر تم نے مجھے مارنے قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا ہے۔ اب کیا تم میری سگی میری توہین کروانا چاہتی ہو؟'' انہوں نے سختی سے کہا تو زیب نے ٹھنڈی سانس لی۔

''ارے......آپ یقیناً پاگل ہیں۔ سنیے شارق صاحب! خدا گواہ ہے میں نہیں جانتی آپ اتنے برے اور غلیظ انداز سے کیوں سوچتے ہیں۔ یا پھر شاید آپ نے وہ سب گھناؤنی باتیں شراب کے نشے میں کی ہیں یا واقعی آپ کو مغالطہ ہوا

ہے؟'' وہ حیران تھی۔

''ہاں سر میں یہ تو جانتی ہوں کہ آپ مجھے نوکری سے نکال دیں گے۔ مجھے پھر سے دھکے کھانے پڑیں گے لیکن جانے سے پہلے میں آپ سے کھری کھری چند باتیں کرنا چاہتی ہوں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ وہ یہ کہ میرا جاوید سے تعلق اتنا ہے کہ میں انہیں احمر بھیا کی طرح سمجھتی ہوں۔ اپنا بڑا بھائی۔ وہ نہایت ہمدرد اور اچھے انسان ہیں۔ ہاں میں کل ان کے ساتھ بازار گئی تھی۔ بلکہ میں تو اپنی چھوٹی بہن سیما کے ساتھ جانا چاہ رہی تھی کہ جاوید مل سے جلدی چھٹی کر کے آ گئے تب احمر بھیا نے کہا کہ میں جاوید کے ساتھ چلی جاؤں کہ ان کی ایکسرے رپورٹ بھی لینی تھی۔ اس کے علاوہ جن ملبوسات کو بنوانے کا آپ نے حکم دیا تھا۔ وہ بھی تیار ہو چکے تھے وہ بھی ٹرائے (Try) کر کے لینے تھے۔ یاد ہے نا آپ نے ہی نئے کپڑے بنوانے کا کہا تھا۔ اور بینک میں میں کوئی اکاؤنٹ کھلوانے نہیں گئی تھی بلکہ اس لیے جانا ہوا تھا وہاں کہ میری چھوٹی بہن سیما بی اے کا پرائیویٹ امتحان دے رہی ہے۔ ہم نے اس کے داخلے کی چالان فیس دینی تھی۔ آپ نے بینک تو دیکھا ہی ہے میرا نام بھی پتہ ہے جا کر وہاں پتہ کیوں نہیں کر لیتے میرے بینک بیلنس کا۔

مسٹر شارق! میں سمجھ نہیں سکتی آخر آپ نے میرے متعلق اس قدر گھناؤنی باتیں کیوں سوچی ہیں؟ میں اگر گھر کی چار دیواری سے نکل کر ملازمت کر رہی ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنی عزت کو داؤ پر لگانے نکلی ہوں۔ خود کو بیچ کر بینک بیلنس بڑھانا چاہتی ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو نوکری کے لیے دھکے نہ کھاتی ایکٹریس یا ماڈل بن جاتی۔ نہیں صاحب! میں صرف اپنی محنت بیچنا چاہتی ہوں اپنی مجبوری نہیں۔'' وہ بے اختیار رونے لگی۔

شارق سر تھامے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ آنکھوں پر تنے پردے اٹھتے چلے گئے تھے۔ وہ واقعی ندامت محسوس کر رہے تھے۔

''نہیں......نہیں زیب! میں آپ کو ملازمت سے نہیں نکالوں گا۔ خدارا آپ روئیں مت۔'' انہوں نے نرمی سے کہا۔ پھر اس کا ہاتھ تھامتے تھامتے جھجک گئے۔ ان کے ذہن میں ایک گونج سی اٹھی اور ان کے وجود میں دوڑ گئی۔

ہاں شارق! اس کا مطلب تو یہی ہے نا کہ آخر کار نہ چاہتے اور نہ مانتے ہوئے بھی وہ زیب کی شرافت کے معترف ضرور ہو گئے تھے۔ پہلے تو وہ ہر چیز کو اپنی دسترس میں سمجھتے تھے۔ تبھی اس کی تقدس کا خیال کیے بغیر ہاتھ بڑھا کر توڑنا...... نوچنا......اور چھیننا جابر سمجھتے تھے۔ مگر اب وہ جابر بے صبر ہاتھ زیب کی سمت عادتاً بڑھتے ہوئے جھجک رہے تھے۔ اچھی علامت تھی یہ تو؟

تبھی دروازہ زور سے کھلا اور راحیل گھبرائے ہوئے اندر آ گئے تو وہ دونوں چونک گئے۔ ''خیریت ہے نا ارے زیب تم تو رو رہی ہو۔ اشارق یہ تمہارا کیا حال ہو گیا ہے کیسے ہوا یہ سب کچھ۔ تم اتنے زخمی کیسے ہو گئے ہو؟''

راحیل اس کی خون آلود پیشانی اور داغدار قمیص دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔ ''ڈاکٹر راحیل! ہوا یہ کہ شارق صاحب......غسلخانے میں پھسل کر گر گئے تھے اور ان کا سر بیسن سے جا ٹکرایا۔ پھر جب میں آفس میں داخل ہوئی تو یہ قالین پر بے ہوش پڑے تھے۔ میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔'' زیب نے جلدی سے بات بنانے کی کوشش کی اور ایک کہانی گھڑ کر سنا دی۔

''اچھا...... میں کار میں سے پٹیاں بینڈ یج نکال آؤں۔ یہ تو معاملہ کافی سیریس ہے۔'' راحیل جلدی سے باہر گئے

تو شارق بول اٹھے۔

''مس زیب! آپ کو بھلا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ راحیل کو سچ بتا دیتیں کہ میں نے دست درازی کی تھی اور آپ نے اپنی عزت بچانے کے لیے مجھے زخمی کر دیا ہے۔ آپ شاید یہ سوچ رہی ہوں گی کہ جھوٹ بول کر آپ نے میری پوزیشن راحیل کی نظروں سے بچا کر مجھ پر احسان کیا ہے۔'' شارق نے تلخی سے کہا۔

''شکریہ مجھے آپ کے احسان کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود راحیل کو بتا دوں گا کہ میں کیسے زخمی ہوا ہوں۔ وہ مجھے بھی اچھی طرح جانتا ہے۔ اور میرے عیبوں، کرتوتوں کو بھی۔'' شارق پھر پٹڑی سے اتر گیا تھا۔ زیب کو غصہ آنے لگا تھا۔

''دیکھیے مسٹر شارق! مجھے آپ پر احسان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی میں نے آپ کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔ بلکہ یہ کہہ کر میں نے اپنی عزت پر حرف آنے سے بچایا ہے کہ آپ پھسل کر زخمی ہوئے ہیں۔ ویسے آپ تو عجیب ڈھیٹ مرد ہیں۔ خاصے باحوصلہ ہیں کہ اپنے عیبوں گناہوں کا خود ہی ڈھنڈورا پیٹ سکتے ہیں۔ لیکن میں ایک کمزور بے بس عورت ہوں۔ میری عزت میرے تقدس پر اچھالا گیا کیچڑ یا کوئی بھی گندہ الزام مجھے تو زندگی بھر کے لیے اندھیروں میں پھینک دے گا۔'' وہ بے رخی سے بولی۔

''اچھا...... اچھا...... خوب تو یہ سارا ڈرامہ راحیل کی نظروں میں پارسا اور نیک پروین بی بی بننے کے لیے رچایا گیا ہے۔'' وہ چند لمحے پہلے والی ندامت وغیرہ سب بھلا کر طنز سے بولے۔ توبہ ان کا دماغ تو پل پل بدلتا رہتا تھا۔ زیب نے دانت کچکچائے۔

پھر راحیل کے ساتھ جاوید بھی پریشان سا اندر آ گیا تھا اسے راحیل نے باہر ہی سب کچھ بتا دیا تھا۔

''زیب کمال کیا ہے تم نے تو مجھے کیوں نہیں بتایا کہ شارق صاحب گر گئے ہیں۔'' اس نے خفگی سے پوچھا۔

''دراصل جاوید صاحب! میں تو بوکھلا گئی تھی کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا نہ ہی ان کو اس حالت میں اکیلا چھوڑ سکتی تھی بڑی مشکل سے ڈاکٹر راحیل کو رِنگ کر کے بلایا۔'' زیب نے بہانہ کیا لیکن جاوید اسے گہری نظروں سے تک رہے تھے۔ بے یقینی سے۔

''نہیں...... بات کچھ اور ہی ہے؟ ورنہ کیا زیب راحیل کا نمبر فون بک سے تلاش کرنے کے بجائے انٹرکوم پر مجھے نہیں بتا سکتی تھی؟'' جاوید نے سوچا لیکن چپ رہا۔

''شارق پٹی کروانے کے بعد تم سیدھے گھر جاؤ اور کپڑے بدل کر بستر میں دبک جانا۔ چوٹ کافی گہری ہے اور خون بھی خاصا ضائع ہوا ہے۔ چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔ میں خود آج رات تمہارے پاس رک جاتا لیکن مجھے دو بہت سیریس قسم کے آپریشن کرنے ہیں۔ خیر میں صائمہ کو تمہاری گردن پر سوار کر کے جاؤں گا۔'' راحیل بینڈیج کرتے ہوئے شارق سے محو گفتگو بھی تھے۔

''بندہ خدا! کچھ تو عقل کر و یہ دن رات کی شراب نوشی پتہ نہیں تمہارا کیا حشر ہو گا؟ امی تمہاری وجہ سے اتنی پریشان رہتی ہیں اور صائمہ بیچاری چھپ چھپ کر آنسو بہاتی ہے۔ لیکن تم پر تو کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ خدا جانے تم کیوں پتھر ہو گئے ہو؟'' راحیل کو حقیقتاً غصہ آ رہا تھا۔

''چلو...... راحیل! اگر میں امی کے پاس نہیں رہتا تو کیا ہوا تم جو ان کے پاس ہوتے ہو۔'' وہ رنجیدگی سے بولے۔

''بس اب مکھن مت لگاؤ مجھے اور اٹھو۔'' راحیل اسے ساتھ لے جانے پر بضد تھے۔ جبکہ شارق نے صاف انکار کر دیا تھا۔ بہت ہی مشکلوں سے انہوں نے راحیل کو ٹالا اور کرسی پر جا بیٹھے۔

زیب پریشان نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کا بھی یہی خیال تھا کہ شارق کو آرام کرنا چاہیے۔ جاوید آخر شارق کا دوست تھا اور دل میں اس کے لیے باوجود لڑائی جھگڑوں ڈانٹ ڈپٹ کے ایک خاص انس رکھتا تھا۔ وہ بہت بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ بار بار ان کی سمت تشویش بھری نظروں سے دیکھتا تھا۔

''شارق صاحب! آپ کپڑے تو بدل لیجیے یہ تو بالکل خراب ہو گئے ہیں۔ سارا خون لگا ہوا ہے۔'' جاوید نے منت کی۔

''ارے نہیں یہی ٹھیک ہیں یار! بس تم مجھے سب ضروری کاغذات اور خط لا کر دو میں جواب لکھوں گا۔'' شارق نے ضد کی۔

''پلیز سر! آپ آرام کریں میں سب کام کر لوں گا نا؟'' جاوید تشویش بھرے انداز سے دیکھ رہا تھا۔

''بھئی جاوید! تمہیں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو حجت مت کرو۔'' وہ بیزاری سے ہاتھ اٹھا کر بولے ''اور محترمہ آپ میرے سر پر کیوں سوار ہیں کہیں بیٹھ کیوں نہیں جاتیں؟'' وہ جھنجھلا کر بولے۔ زیب گھبرا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ جاوید بھی خط دے کر واپس چلا گیا تھا۔

شارق سر جھکائے پڑھنے لگے پھر وہ دیر تک زیب کو کاروباری خطوط ڈکٹیٹ کرواتے رہے۔ زیب لکھتے لکھتے ان کی طرف بھی دیکھ لیتی تھی۔ ان کی آنکھیں سرخ اور بوجھل ہوتی جا رہی تھیں آواز بھی بھرا رہی تھی بار بار جیسے سر میں اٹھتی ٹیسوں کو وہ دبانے اور ضبط کرنے کی کوشش میں ہونٹ کاٹ رہے تھے۔

''اف خدایا...... یہ گھر کیوں نہیں چلے جاتے۔ انہیں اس طرح دیکھ کر تو مجھے اپنی زیادتی کا احساس ہو رہا ہے۔'' زیب نے سوچا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ شارق کا گھر تو یادوں کا قبرستان تھا۔ وہاں تو محبتوں کی بربادی کے ویرانے پھیلے تھے۔ پھر کس آنچل کی چھاؤں تلے سکھ کا سانس لینے پناہ پانے جاتے وہ؟

''کون تھا جو بانہیں پھیلائے ان کا منتظر ہوتا ان کے تھکے ماندے وجود کو چین کا احساس دلاتا۔ وہ تو بہت ہی اکیلا تھا اور اب تو وہ جیسے آدم بیزار ہو گیا تھا۔ خود سے بھی خفا ہی رہتا تھا۔ بیزار ا کھڑا اکھڑا سا۔''

''پلیز سر! آپ آرام کریں آپ کا چہرہ بہت زرد ہو رہا ہے۔'' آخر زیب رہ نہ سکی تو بول پڑی۔

''لڑکی تم دیکھو میرا چہرہ زرد ہو یا سرخ آپ بس اپنے کام سے مطلب رکھیے اور یہ ٹوٹی ہوئی بوتل ہٹا کر دوسری لا دیجیے۔'' وہ گرجے اور انگلی سے شراب کی کرچی کرچی بوتل کی طرف اشارہ کیا۔

زیب نے محسوس کیا کہ اس حادثے کے بعد سے شارق اس کو ذرا ادب احترام ہی سے مخاطب کر رہے ہیں۔

''مس رحمان! یا مس زیب...... محترمہ......'' چاہے وہ طنز ہی کر رہے ہوں لیکن یہ فرق وہ محسوس کر رہی تھی۔ وہ ہچکچاتی ہوئی اٹھی بوتل اٹھا کر ٹوکری میں پھینکی۔ بار میں سے نئی بوتل لا کر سامنے رکھ دی۔

شارق نے خط پڑھتے پڑھتے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔گلاس میں وہ تیز بدبودار سیال شے انڈیلتے ہوئے زیب کے ہاتھ ٹینشن کے زیر اثر لرز رہے تھے۔شراب پیانے میں سے چھلک کر شارق کا ہاتھ بھگو گئی۔شارق نے بھنا کر زیب کو دیکھا۔

''مس! کیا آپ کو دکھائی نہیں دے رہا ہے۔سب نیچے گرا رہی ہیں۔دھیان کدھر ہے آپ کا؟'' ان کی سب نرمی اور وقتی خوش اخلاقی ہوا ہوگئی۔وہ اپنے اصلی تند کٹیلے بے لحاظ روپ میں آ کر گرجے۔وہ بھی بے قابو ہوگئی آخر ٹینشن نے تو اسے بھی بدحواس کیا ہوا تھا۔

''دیکھیے مسٹر شارق! اس سے پہلے میں لوگوں کو شرابیں نہیں پلاتی پھرتی تھی۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں ملازمت کے ساتھ ساتھ مجھے یہ سب رذیل کام بھی کرنے ہوں گے اور اپنی عزت کو بھی بچانا پڑے گا۔سیکھ ہی لوں گی جلد یا بدیر؟''

''گٹ آؤٹ......فوراً نکلو یہاں سے۔'' وہ بے قابو ہو کر چیخے۔تو زیب جیسے ہوش میں آئی لیکن تیر تو نکل ہی چکا تھا۔

''آئی ایم سوری......سر! میں کہہ رہی تھی کہ سیکھ ہی جاؤں گی۔'' احساس شرمندگی سے اس کی آواز بھرا گئی۔اللہ کتنا ذلیل کرتے ہیں یہ دو کوڑی کا کر دیا ہے مجھے اور میری عزت نفس کو۔

''سنو جاوید!'' شارق فون اٹھا کر دھاڑے۔

''تم فوراً میرے پاس آؤ۔'' جلد ہی جاوید بیچارہ گھبرایا ہوا بھاگا چلا آیا۔

''دیکھو جاوید! یہ شریف زادی یہاں ملازمت کرنے کے قابل نہیں ہے ان کا حساب بے باق کر دو اور دھکے دے کر مل سے باہر نکال دو انہیں۔اور تم فوراً میرے لیے نئی سیکرٹری کا انتظام کرو انہیں وہ پہلے والی مراعات دی جائیں گی یعنی پچپن ہزار روپیہ تنخواہ۔بونس علاوہ۔لندن فرانس کے فری ٹرپس (Free Trips)'' انہوں نے چڑ کر حکم صادر کیا۔

''اوہو......اچھا تو یہ کہیے نا کہ آپ اپنی اصلیت کی طرف لوٹ آئے ہیں شارق صاحب!'' جاوید بھی زیب کی دگرگوں حالت دیکھ کر بھنا گیا تھا۔

''ہاں......سچ کہتے ہیں آپ زیب واقعی یہاں کام کرنے کے قابل نہ تھی نہ ہے۔ایک شریف لڑکی یہاں اس آلودہ ماحول میں سانس بھی کیسے لے سکتی ہے؟ اور آپ جیسے مالک اسے ٹکنے ہی کب دیں گے اور شریف کب رہنے دیں گے؟ سر! یہاں تو طوائفیں اور بدکردار آوارہ عورتیں ہی گزارہ کر سکتی ہیں۔'' جاوید کو زندگی میں پہلی بار شارق پر بے تحاشہ غصہ آیا لیکن وہ تو ضبط کی تصویر بنے بیٹھے تھے جانے کیوں کچھ بولے نہیں تھے بس کنپٹی دبا رہے تھے۔

''اٹھو......چلو زیب میں تمہیں گھر چھوڑ آتا ہوں۔'' جاوید نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

''آج ہی تم سب لوگ میرے گھر شفٹ ہو جاؤ ظاہر ہے نوکری ختم ہونے کی صورت میں تمہیں مکان تو اب چھوڑنا پڑے گا نا؟'' وہ اپنائیت سے بولا مگر زیب نے انکار کر دیا۔

''شکریہ......مگر جاوید! میں کسی کا احسان نہیں لینا چاہتی۔ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ جب تک میں کسی دوسری ملازمت کا انتظام نہیں کر لیتی آپ ہمیں تب تک سر چھپانے کی جگہ دے دیں۔'' وہ آنسو خشک کرتی ہوئی بولی۔

''خیر...... وہ سب تو بعد میں دیکھا جائے گا اس وقت تو تم میرے ساتھ چلو۔'' جاوید شارق کو مکمل نظر انداز کر رہا تھا۔ زیب ساتھ چل دی۔

''ذرا ٹھہریئے جاوید میں ابھی آتی ہوں۔'' زیب اسے وہیں شارق کے آفس میں روک کر باہر چلی گئی پھر اپنے کمرے میں سے کچھ لفافے اٹھا کر واپس آگئی اور سب بنڈل شارق کی میز پر پھینک دیئے۔

''یہ لیجیے سر! یہ سب وہ ملبوسات ہیں جو میں نے آپ کے حکم کے مطابق سلوائے تھے اور یہ سل کر آئے تھے میں نے انہیں ابھی پہنا نہیں ہے۔ سوائے اس ایک جوڑے کے۔ سنبھال لیے اپنی چیزیں میں ایک دو روز میں یہ کپڑے بھی ڈرائی کلین کروا کر بھیج دوں گی۔'' اس نے جو کپڑے پہنے تھے ان کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا ہے؟ یہ سب کیا ہے؟'' شارق نے میز پر بکھرے لفافوں اور زیب کو حیرت سے دیکھا۔

''بتایا نا آپ نے جو ملبوسات بنوانے کا حکم دیا تھا یہ وہی ہیں اور یہی سب درزی سے اٹھانے میں جاوید کے ساتھ بازار گئی تھی۔ ظاہر ہے جب میں ملازمت چھوڑ رہی ہوں تو یہ احسان بھی کیوں چڑھاؤں اپنے سر پر؟'' وہ نفرت سے بولی۔

''تم لے جاؤ انہیں مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے یہ تم رکھ سکتی ہو۔'' وہ قیمتی کپڑوں کو دیکھ کر نخوت سے بولے جیسے بخشش دے رہے ہوں۔

''جی...... بہت بہت شکریہ...... لیکن مجھے خیرات لینے کی عادت ہے نہ ہی ضرورت ہے آپ ہی رکھ لیجیے آپ کی نئی سیکرٹری کے کام آجائیں گے۔'' وہ دل کی جلن کم کرتی ہوئی بولی۔ زبان کو تو جیسے پر لگ گئے تھے۔

''اونہہ...... جب نوکری چھوٹ رہی ہے تو پھر باس صاحب کا لحاظ کیسا؟ دل پہ پڑا بوجھ تو ہلکا کروں ذرا ان کو بھی تو آئینہ دکھا دوں شاید آئندہ آنے والی لڑکیوں کے لیے مثبت نتائج حاصل ہوں اور وہ ساقی گری اور ان کی دست درازیوں سے بچ جائیں۔'' اس نے سوچا۔

''چلیے جاوید!'' زیب اس کے ساتھ باہر چلی گئی پھر اچانک جیسے اسے کچھ یاد آ گیا اس نے جاوید سے کہا کہ وہ ذرا اس کا باہر انتظار کرے وہ شارق سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ شارق سر جھکائے ان قیمتی ریشمی کپڑوں کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے کہ زور سے دروازہ کھلا اور زیب کی شکل دوبارہ نظر آئی اس نے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

''کیوں شارق صاحب! آپ کو یاد ہے جب پہلی بار میں یہاں انٹرویو دینے کے لیے آئی تھی تو آپ نے مجھے کار کے نیچے کچل کر زخمی کر دیا تھا؟ میری پیشانی کو عیب دار کر دیا ہے آپ نے۔'' وہ بالوں کو ہٹا کر نشان چھو کر بولی۔

''مگر آج میں تو واپس جا رہی ہوں لیکن وہی زخم آپ کو دے کر۔'' وہ ان کی داغدار پیشانی کی طرف اشارہ کر کے بولی اس کے لبوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''میری بات یاد رکھیے گا شارق صاحب! عورت کو دولت کے ترازو میں تولنا چھوڑ دیجیے آپ...... جس طرح سب مرد آپ کی طرح لفنگے بے اصولے اور بدمعاش نہیں ہوتے کچھ ان میں سے رشتوں کی پہچان رکھتے ہیں اسی طرح سب عورتیں بھی آبرو بیچنے والی نہیں ہوتی ہیں۔'' وہ تمتمائے ہوئے چہرے کے ساتھ زہر اگل رہی تھی۔

اپنے دل و دماغ کو پاک روشن کیجیے نکال پھینکیے یہ تمام غلاظتیں، گندگیاں میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنے

قیمتی ستھرے لباس پہننے والے لوگ اندر سے اس قدر بدنما اور گھناونے، غلیظ بدبودار ہوں گے۔ ہونہہ غلاظت کے گٹر جیسے؟'' وہ یہ تمام تر انکشافات کرتی تمتمائے چہرے کے ساتھ واپس لوٹ گئی۔
شارق پھٹی پھٹی آنکھوں سے بند دروازے کی طرف دیکھتے رہ گئے۔ اف کیسی گندگی کیسا کیچڑ اچھال کر گئی تھی ان پروہ۔
''زیب یہ کیا کہہ رہی تھی؟ کیا کچھ کہہ گئی ہے مجھے؟'' شارق کا وجود لرز گیا کانوں میں لفظوں کی بازگشت گونج رہی تھی۔

○●○

جاوید کار چلاتا ہوا خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ زیب بھی قریب ہی بیٹھی تھی اور بے خیالی میں اپنے سامنے شیشے کے پار دیکھے جارہی تھی۔ اضطراری حالت میں بار بار اپنے ہاتھ مسل رہی تھی۔
''جاوید بھیا! اب کیا ہوگا؟'' وہ مضطرب ہوکر بولی۔
''احمر بھیا کا علاج ہورہا ہے وہ نارمل نہیں کیا جاسکتا پھر گڑیا بھی سخت بیمار ہے؟'' زیب روہانسی ہوگئی۔
''نہیں زیب تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس وقت باس نشے میں ہیں۔ بس صبح تک تو انہیں کچھ یاد بھی نہیں ہوگا۔'' جاوید مسکرا کر حوصلہ افزا لہجے میں بولا۔ لیکن جاوید نہیں جانتا تھا کہ اس وقت شارق کے دل ودماغ پر کیا ستم ڈھائے تھے۔
''مسٹر شارق! جس طرح سب مرد تمہاری طرح بدمعاش بدکار نہیں ہوتے اسی طرح سب عورتیں بھی ضرورتوں کے ہاتھوں بکنے والی اور خراب نہیں ہوتیں۔'' بار بار یہی فقرے ان کے ذہن میں گونج رہے تھے۔ گھبرا کر انہوں نے بوتل منہ سے لگالی تھی۔
سچ ہی تو کہتی تھی سارہ کہ حقیقتوں سے فرار حاصل کرکے تلخ سچائیوں سے نظریں بچا کے وہ بزدلوں کی طرح اس بوتل میں بند مکروہ سیال میں پناہ ڈھونڈتے تھے۔
شارق اسی حالت میں آفس سے اٹھے اور سیدھے کلب جا پہنچے۔ پرنسز سارہ کا آج پروگرام نہیں تھا وہ شارق کی ریزروٹیبل پر اسی کی منتظر تھی۔ اور پھر شارق جس حالت میں کلب کے وسیع ہال میں داخل ہوئے وہ ان کی حالت ہیئت دیکھ کر لرز گئی۔ کرسی سے اٹھ کر تیر کی طرح ان کی طرف بڑھی اور ان کے جھولتے لڑکھڑاتے وجود کو تھام لیا۔ ان کے کپڑے خون آلود تھے اور سر کی پٹی بھی خون سے بھری ہوئی تھی۔
''یہ کیا ہوا ہے؟ شارق چلو میرے میک اپ روم میں چلو۔'' سارہ اسے لوگوں کی کھوجتی آنکھوں سے بچاتی ہوئی سہارا دے کر اپنے کمرے میں لے آئی۔
''کیا ہوا ہے شارق! کیا ایکسیڈنٹ کرآئے ہو؟'' سارہ نے پوچھا مگر شارق نے نفی میں سر ہلایا۔
''تو پھر کیا ہوا ہے شارق! یہ کیا حالت ہوگئی ہے یہی حال رہا تم تو مرجاؤ گے۔'' وہ دکھ سے بولی۔
''سارہ...... صباحت! اس نے مجھے بہت زور سے مارا ہے۔ سر پر بھی اور دل پر بھی گھاؤ لگائے ہیں بہت سے۔ وہ کہتی ہے کہ سب عورتیں روپے پیسے کی بھوکی نہیں ہوتیں اور وہ کہتی ہے کہ میں بدمعاش ہوں لفنگا ہوں۔'' وہ بچوں کی

طرح ہکلا ہکلا کر بولے۔

''اللہ......کون ہے وہ کس نے مارا ہے تمہیں؟'' سارہ نے بڑے درد سے پوچھا تو شارق نے بے بسی سے ہاتھ پھیلاتے ہوئے سر جھکا۔

''وہ......وہ......نازیہ تو نہیں ہے نہ ہی وہ راشدہ امی ہے۔ مگر وہ کہتی ہے کہ وہ اپنی محنت بیچتی ہے اپنی عزت داؤ پر نہیں لگاتی۔'' وہ صوفے سے پشت لگا کر بولے۔

سارہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ خاموشی سے اسے تکے گئی۔ پھر اس نے فون کر کے بیرے کو بلایا اور شارق کی کار میں سے ان کا سوٹ نکال لانے کو کہا۔ پھر وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''ہاں شارق! وہ لڑکی ٹھیک ہی کہتی ہے جس طرح سے سب مرد برے نہیں ہوتے ویسے ہی سب عورتیں بھی بدقماش نہیں ہوتی ہیں لیکن اس نے تمہیں مارا کیوں بھلا؟'' وہ حیران اور پُر تجسس تھی۔

''دیکھو نا صباحت! وہ جاوید کے ساتھ گھومتی ہے۔ راحیل کے ساتھ بے حد بے تکلف ہے تحائف وصول کرتی ہے۔ پھر آخر وہ میرے ساتھ بے اعتنائی کیوں برتتی ہے۔ مجھے پیار کیوں نہیں کرتی؟ میرے قریب کیوں نہیں آتی؟ وہ کہتی ہے کہ جاوید اس کا بھائی جیسا ہے لیکن مجھے پتہ ہے کہ سب عورتیں جھوٹ بولتی ہیں۔ وہ نازیہ بھی تو حامد کو اپنا بھائی کہتی تھی نا'' وہ بچوں کی سی معصومیت سے شکایتی انداز میں بولے۔

''اف خدا......اس نازیہ کو چین نہ لینے دے۔ جس نے تمہیں تباہ کر ڈالا'' سارہ نے اسے بددعا دی۔ ''لیکن شارق اس نے تمہیں مارا کیوں؟ کیا تم نے اس سے کوئی زیادتی کی تھی میرا مطلب ہے اس لڑکی سے؟''

''ہاں......'' شارق نے سر ہلایا۔

''میں نے اس کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا تو اس نے خود کو بچانے کے لیے شراب کی بوتل میرے سر پر دے ماری۔ مجھے بہت چوٹ لگ گئی ہے۔'' وہ اپنے سر کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''اوہو شارق۔'' سارہ نے ان کا معصوم چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا۔ شراب کی بدبو چہرے سے ٹکرائی تو سارہ نے منہ بنایا۔

''اللہ......تم نے آج پھر بہت پی ہوئی ہے۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ بیرا کار میں سے سوٹ نکال کر لے آیا تھا۔ سارہ نے کافی اور سینڈوچ وغیرہ بھی منگوا لیے تھے۔

وہ بڑی نرمی سے اس کی خون آلود قمیص بدلنے لگی۔ ''جاؤ شارق! غسل خانے میں جا کر کپڑے بدل لو'' اس نے ٹپسی (Tipsy) سے شارق کو غسل خانے میں دھکیلا۔ وہ تھوڑی دیر بعد نہا دھو کر انسانوں کے جون میں واپس آ گیا۔ پھر سارہ نے بچوں کی طرح بہلا پھسلا کر کافی کے دو تیز کپ پلائے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد شارق اپنے حواسوں میں آ گیا تھا۔

''سارہ! آج تمہارا پروگرام جلدی ختم ہو گیا ہے کیا؟'' وہ اسے ساڑھی میں ملبوس دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''نہیں......آج میرا آئٹم نہیں تھا میں تو تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ سوچا تھا تمہارے ساتھ ٹینا کی پارٹی میں چلی جاؤں گی۔ شارق بھئی تم پر تو وہ دل و جان سے فدا ہو چکی ہے۔ جب بھی وہ مجھ سے ملتی ہے بس تمہارا ہی تذکرہ ہوتا

ہے۔'' وہ مسکرا کر بتانے لگی۔اسے بہلانے لگی۔

''وہ ٹینا! اونہہ......احمق سی لڑکی ہے خیر چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔'' وہ ہونٹ سکیڑ کر بولا۔

''تم مجھے چھوڑ آؤ گے۔یعنی خود پارٹی اٹینڈ نہیں کرو گے؟'' وہ حیران ہو کر بولی۔

''اونہوں......نہ مجھے وہ لڑکی اچھی نہیں لگتی میں وہاں جا کر بور نہیں ہونا چاہتا۔'' وہ اکتائے انداز سے بولے۔

''تو رہنے دو میں بھی نہیں جاتی چلو میرے گھر چلو وہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ویسے یہ تو بتاؤ وہ لڑکی کون تھی؟ کہاں ہے؟ جس نے تمہارا یہ حال کر دیا ہے؟'' وہ اپنے سٹائلش بالوں پر نرمی سے ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔

''چھوڑو بھی صبا! چلو ٹینا کے ہاں چلے چلتے ہیں ذرا فلرٹ ہی سہی۔'' وہ ٹالنے لگے۔اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر اپنے بال ٹھیک کرنے لگے پیشانی پر پٹی کو ٹھیک کیا۔

''اچھا......تو یہ کہو مجھ سے چھپانا چاہتے ہو؟'' وہ قریب چلی آئیں۔

''یار! وہ میری نئی سیکرٹری تھی بہت شریف بنتی تھی کمبخت۔'' وہ حقارت سے ہونٹ سکیڑ کر بولے۔

''ہائیں......یہ ''تھی'' کا کیا مطلب؟ کہیں تم نے نشے کے عالم میں اس کی گردن تو نہیں دبا ڈالی قتل تو نہیں کر دیا ہے؟'' مگر شارق نے سر ہلایا اور تسلی دی۔

''رضا! ویسے تم نے جو باتیں نشے میں کی تھیں ان سے تو میں نے یہی اندازہ لگایا ہے کہ وہ خاصی سلجھی ہوئی خوددار لڑکی ہے مجھے ملوانا اس سے؟'' صبا نے فرمائش کی۔

''اونہہ......معصوم چہرے ہمیشہ دھوکہ دیتے ہیں۔ویسے سارہ تم اس سے نہیں مل سکتیں میں نے اسے بے عزت کر کے نوکری سے نکال دیا ہے۔'' وہ بھنویں چڑھا کر بولے۔

''اوہو......رضا! یہ کیا حماقت کی ہے تم نے؟ اب بھی وقت ہے اگر وہ نہیں گئی تو اسے روک لو۔کبھی مت جانے دینا۔نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ لڑکی تمہاری زندگی میں کوئی اہم جگہ بنا چکی ہے۔'' صبا نے منت کی۔

''چہ......فضول باتیں مت کرو۔اب کوئی بھی عورت میری زندگی میں اہم مقام نہیں بنا سکتی۔اونہہ......اس شریف زادی سے زیادہ اہمیت تو میں چھمو بائی کی لڑکیوں کو دیتا ہوں جو میرا دل بہلاتی مجھے رجھاتی ہیں۔'' وہ سختی سے بولے۔

''شارق بکو نہیں......بڑی گھٹیا بات کی ہے تم نے۔'' وہ سختی سے ڈپٹنے لگی۔

''تم ایک شریف لڑکی کو پیشہ ور طوائفوں سے ملا رہے ہو یہ تو ان عورتوں کا کاروبار ہے کہ جوان کی جھولی میں نوٹ ڈالے گا۔وہ اسی گاہک کا جی بہلائیں گی۔جس دن ان پرستاروں کی جیب خالی ہوئی وہ تو دھکے کھا کر باہر جا گریں گے۔سو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔شارق یہ تجربہ کار عورتیں تمہیں نہیں بہلاتیں۔بلکہ تم خود اپنے آپ کو بہلا رہے ہو۔میرے عزیز!'' وہ پرس اٹھا کر ان کا بازو تھامے باہر پارکنگ تک آ گئی۔پھر سارہ نے شارق سے کہا کہ بازار سے ہوتے چلو ٹینا کے لئے تحفہ خریدنا ہے۔شارق نے فرحت ساڑھی ہاؤس کے سامنے کار روک لی۔

''آیئے سر!'' مالک شارق کو دیکھ کر خود اٹھ آیا اور ان سے ہاتھ ملایا۔پیشانی کے زخم کے بارے میں پوچھا۔پھر وہ سارہ کی فرمائش پر ساڑھیاں دکھانے لگا۔

''ہاں شارق صاحب! پچھلے ہفتے جاوید صاحب اپنی بہن کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ان کی بہن کو یہ ساڑھی بہت پسند آئی تھی۔مسٹر جاوید نے بہت اصرار کیا کہ خرید لیتے ہیں لیکن بیگم صاحبہ نے انکار کر دیا کہنے لگیں وہ پھر کبھی آ کر لے جائیں گی۔''

دکاندار نے انہیں سیاہ ساڑھی دکھائی جس پر بہت ہی نفیس اور دیدہ زیب ملٹی کلر ستاروں مقیش اور ریشمی دھاگوں سے کشیدہ ہوا تھا۔بہت ہی بھلی لگ رہی تھی ساڑھی۔

''لیکن جاوید کی تو کوئی بہن نہیں ہے؟'' شارق نے حیران ہو کر سوچا۔

''اوہو......'' زیب کی شکل نگاہوں کے سامنے ابھر آئی۔پھر تو سیاہ ساڑھی پر بار بار شارق کی نظریں پڑنے لگیں۔وہ غیرارادی طور پر زیب کے تصور کو وہ ساڑھی پہنا کر دیکھنے لگے تھے۔

اس پر؟ ہاں بہت دلکش بہت خوبصورت لگے گی اسے؟ وہ بے خیالی میں زور سے بولے۔تو سارہ نے معنی خیز نظروں سے دیکھا مگر وہ تو کھوئے کھوئے سے بیٹھے بڑبڑا رہے تھے۔

''شارق! چلو تمہیں بھی پسند ہے تو پھر یہی ساڑھی ٹینا کے لیے خرید لیتے ہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔تو شارق کی آنکھوں کے سامنے ٹینا اور زیب کا تصور ٹھہرانے لگا۔وہ موازنہ کرنے لگے۔

''نہیں......نہیں صبا! تم ٹینا کے لیے کوئی دوسری پسند کر لو۔یہ تو زیب پر بہت سجے گی۔'' وہ جلدی سے بولے۔

''کون زیب؟'' سارہ نے جان بوجھ کر پوچھا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

سارہ! ان کی خود فراموشی پر مسکرا دی اور دوسری ساڑھی پیک کروالی۔

''دیکھیے آپ یہ سیاہ ساڑھی رکھ لیجیے شارق صاحب پھر کسی وقت آ کر لے جائیں گے۔'' سارہ نے دکاندار کو تاکید کی۔

''تو ابھی لے لیجیے نا بیگم صاحبہ۔''

''نہیں......ابھی نہیں ویسے آپ یہ کسی کو دے مت دیجیے گا۔'' وہ مسکرائی اور شارق کے ساتھ کار میں آ بیٹھی۔پتہ تھا کہ شارق چوری چھپے ضرور آ کر لے جائے گا۔

''سارہ تم نے وہ ساڑھی کیوں رکھوا دی ہے؟'' شارق نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بس ویسے ہی میں نے سوچا شاید تمہیں ضرورت پڑ جائے اپنی زیب کے لیے۔'' وہ شوخی سے ہنسی۔لیکن شارق کے چہرے پر سختی ابھرتی دیکھ کر بات تبدیل کر دی۔

''شارق! کیا تم ٹینا کے لیے کچھ نہیں خریدو گے؟''

''ظاہر ہے تحفہ تو خریدوں گا اب ایسا بھی بدتہذیب نہیں ہوں۔ویسے بھی وہ تمہاری سہیلی تو قیمتی تحفے کی امید لگائے بیٹھی ہو گی پھر اسے مایوس کیسے کروں؟'' وہ ہنس کر بولے۔

''اے شارق! کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے اس تحفے کے بدلے اپنی بہت قیمتی چیز میرے حوالے کرنی پڑے۔'' وہ ہنسے۔

''ہائے......ایمان سے جب تم اس طرح کی باتیں کرتے ہو نا تو بہت مکروہ اور گندے لگتے ہو۔انتہائی قابل نفرت؟'' سارہ نے منہ بنا کر کہا۔پھر شارق نے ٹینا کے لیے قیمتی نیکلس خریدا۔جلد ہی وہ ٹینا کے گھر پہنچ گئے وہ شاید ان

ہی کی منتظر تھی۔

گھر کے در و دیوار پر روشنی کے رنگین قمقمے جگمگا رہے تھے درختوں پر لان کے باڑوں پر چھوٹی رنگین بتیاں ٹمٹما رہی تھیں گھر کے اندر اور باہر بہت سی گاڑیاں پارک ہوئی تھیں خاصی چہل پہل تھی۔

''اوہ شارق! میں تو اب مایوس ہو چکی تھی تم تو بہت دیر سے آئے۔'' وہ اسکے بازو پر جھول گئی۔

''سچ تمہارے بغیر میرا دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ میں بار بار پارٹی چھوڑ کر باہر بھاگ آتی تھی۔'' وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔ ان کی کار رکتے ہی ٹینا پہچان کر دوڑی چلی آئی تھی۔ کیونکہ شارق نے جگہ کم ہونے کی وجہ سے کار ذرا آگے اندھیرے میں لے جا کر روکی تھی۔ تبھی وہ شارق کی زخمی پیشانی اور بینڈیج نہیں دیکھ سکی تھی۔

''ارے ٹینا! سب محبتیں شارق پر نچھاور کر رہی ہو کچھ میرے لیے بھی بچا کر رکھو بھئی ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔ ایسا نہ ہو میں خود کو نگلیکٹڈ فیل (Neglected feel) کر کے واپس چلی جاؤں۔'' سارہ ہنس دی اور اسے متوجہ کیا۔

''ہائے مائی ڈارلنگ سارہ! (Hi my darling)'' ٹینا، سارہ کی طرف بڑھی دونوں آگے جھکیں جیسے رخسار چوم رہی ہوں۔ لیکن نہیں اس طرح تو اتنی محنت سے لگی ڈبل شیڈ والی لپ اسٹک اور لپ لائنر سب ہی ملیا میٹ ہو جاتے انہوں نے رخسار ملا کر ہوا میں پچک پچک کر کے بوسہ اچھالا۔

کہ اونچی سوسائٹی ہمارے بورژا طبقہ میں یہی طریقہ ہے کسی کو گریٹ (Greet) کرنے کا پیار جتانے کا۔'' ہیپی برتھ ڈے ٹینا'' سارہ نے اسے تحفہ پکڑایا۔ شارق نے بھی ڈبہ اس کے حوالے کر دیا۔

''کیوں شارق! آپ مجھے وش نہیں کریں گے؟'' وہ شارق کا بازو جکڑ کر بولی۔

''سوری...... میں ان فضولیات کا کچھ قائل نہیں رہا ہوں۔'' وہ ہونٹ دبا کر بولے۔

جب وہ تینوں روشنیوں سے جگمگاتے وسیع و عریض ہال میں پہنچے تو سب کی نظروں کا مرکز بن گئے۔

''ارے شارق! یہ آپ کی پیشانی پر کیا ہوا ہے؟'' ٹینا چیخ اٹھی کہ نظر ہی اب پڑی تھی۔

''ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا ٹینا! تبھی ہمیں دیر ہو گئی ہے۔'' سارہ جلدی سے بولی تو شارق اس جھوٹ پر ہنس دیئے۔

بہت سے لوگ ان سے ملنے اور شارق سے ایکسیڈنٹ سے متعلق پوچھنے کے لیے انہیں گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ شارق تو کم ہی حادثے پر روشنی ڈال رہے تھے بس یہی کہنے پر اکتفا کیا تھا۔

''کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔ اٹ از جسٹ نتھنگ (It is jut nothing)'' جبکہ سارہ کو خوامخواہ کہانی گھڑنی پڑ رہی تھی۔ لوگوں کو تفصیل بتانی پڑ رہی تھی۔

ٹینا کے تمام نئے پرانے عاشق آشنا باقاعدہ اس تقریب میں موجود تھے۔ کچھ نئے دوست تو اب بھی اسے رجھانے پرچھانے کے لیے آگے پیچھے پھر رہے تھے جبکہ جو پرانے ریٹائرڈ مال ہو چکے تھے وہ دور کھڑے کڑی نظروں سے تک رہے تھے۔ ان میں سے وہ جمی بھی تھا۔ جس کو ٹینا کے ساتھ دیکھ کر شارق نے دخل اندازی کی تھی اور اسے وارن کیا تھا۔ اب کی بار وہ ذرا فاصلے پر ایک واجبی صورت والی لڑکی کے ساتھ شارق کو کینہ توز نظروں سے تک رہا تھا۔

کیونکہ ٹینا، شارق کو متوجہ کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی اور چونکہ شارق نے کافی دیر سے ڈرنک نہیں کیا تھا۔ وہ اس وقت خاصے سوبر ہو گئے تھے۔ سارہ کو پہلو میں لیے صوفے پر بیٹھے سگار پی رہے تھے اور ٹینا بھی پہلو با پہلو بیٹھی تھی۔ کئی جوڑے میوزک کی لے پر رقص کر رہے تھے اور بڑی بے تکلفی سے ڈرنک کر رہے تھے۔

بیرے ٹرے اٹھائے قریب آئے تو ٹینا نے دو پیگ اٹھا لیے۔ اور ان کے سامنے کیے۔ شارق نے تو شیمپین کا ایک پیگ اٹھا لیا جبکہ سارہ نے انکار کر دیا۔

''پرنسز! آپ بھی کچھ لیجیے نا؟'' ٹینا نے بیرے کو اشارہ کیا۔

''شکریہ ٹینا! میں یہ ہارڈ ڈرنک ڈائجسٹ نہیں کر پاؤں گی۔'' وہ ہنس کر بولی تو ٹینا نے نہ سمجھتے ہوئے بھنویں اچکائیں۔

''ٹینا! میں شراب یا اس سے ملتی جلتی کوئی بھی نشہ آور چیز نہیں پیتی ہوں۔'' سارہ نے بڑے وقار سے کہا مگر ٹینا کو یقین نہ آیا۔

''واٹ ڈونٹ ٹل می (What! dont tell me)'' ٹینا نے بے یقینی سے سریلی سی چیخ ماری۔

دولت والوں کی یہ بھی تو ایک ادا ہے نا کہ اپنی مادری زبان میں بھی ملاوٹ سے باز نہ آو۔ انگریزی ان کا اوڑھنا بچھونا ہوتی ہے۔

پھر غضب تو یہ کہ بلکہ اسے کمال کہنا چاہیے کہ ہمارے وطن عزیز کے باسی اس غیر ملکی بلکہ بالغرض اگر امریکہ برطانیہ سے تعلق رکھنے والا کوئی گورا اس محفل میں موجود ہوتا اور ہمارے نونہالوں کو اپنی زبان برتتے سنتا تو ششدر رہ جاتا۔ ان کی مہارت قابلیت پر سر دھنتا۔ بلکہ اکثر انگریزی کے الفاظ چاہے وہ اس کی مادری زبان کے کیوں نہ ہوتے اس انگریز نے بھی وہ الفاظ پہلی بار یہاں روسا کی محفلوں میں سنے ہوتے۔ اور گھر جا کر ڈکشنری کے ضخیم پھرولتے دیکھتے ہوئے انگریزوں کے اِن اَن سنے لفظوں کو تلاشتے ہوئے خود بھی سیکھتے۔

ویسے بھی ان کی زبان کون سی خالص ہے۔ آئرش سکاٹش لوگوں نے خاصی جڑ مار دی ہے۔ ملاوٹ ہو چکی ہے اتنی پھر ہمارے پاکستانی اور ہندوستانی لوگ تو کتابیں پڑھ پڑھ کر سیکھے تھے یہ زبان تو کیسے نہ قابلیت میں زیادہ ہوتی۔ اس محفل میں موجود لوگ زیادہ تر یہی بدیسی زبان بول رہے تھے۔

تبھی ٹینا نے ان سے معذرت کی کہ اس کے اور مہمان آئے ہیں وہ انہیں ریسیو کر لے پھر ابھی آ جائے گی۔ تو شارق نے کہا کہ وہ پرواہ مت کرے وہ اس کی کمی کو محسوس نہیں کریں گے۔ تو وہ اپنے دیگر مہمانوں کو سنبھالے۔

اچانک سارہ نے گھبرا کر شارق کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا جیسے وہ کوئی سہارا چاہتی ہو اپنی ہمت بڑھانا چاہتی ہو۔

''کیوں سارہ! کیا بات ہے کیا ہوا؟'' شارق اسے سر تا پا کپکپاتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''شارق! وہ پرویز اور اس کی بیوی بھی اس پارٹی میں مدعو ہیں۔'' اس کی آواز تک تھرا رہی تھی۔

''تو کیا ہوا؟ تم اپنے آپ کو سنبھالو۔'' شارق کو اس سے بے پناہ ہمدردی محسوس ہونے لگی۔ اس نے سارہ کا ہاتھ جکڑ لیا۔

''اللہ...... شارق! پرویز تو ہماری طرف آ رہا ہے۔'' وہ سہمی ہوئی بولی۔ ہاتھ یخ ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ ''الو کی پٹھی

ٹینا اسے یہیں لا رہی ہے۔''
''پلیز شارق! ان سے ملو یہ ہیں مسٹر پرویز احمد اور ان کی بیگم رخسانہ یہ سیٹھ رحمت کی اکلوتی بیٹی ہیں۔'' ٹینا نے انہیں ملوایا۔
''تم تعارف کی زحمت نہ ہی کرتیں ٹینا! کیونکہ میں ان لوگوں سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔ پرویز میرے کلاس فیلو تھے۔ اور رخسانہ کلب میں کسی زمانے میں ہمارے ساتھ ٹینس کھیلا کرتی تھی اچھے مراسم تھے ہمارے۔'' شارق نے پرویز کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں کہا۔ پرویز کا رنگ تو ویسے بھی انہیں دیکھتے ہی پھیکا پڑ گیا تھا۔
''ہیلو ہینڈسم...... ہیلو شارق!'' واجبی شکل وصورت کی انتہائی منحنی سی عورت رخسانہ نے زوردار نعرہ لگایا اور شارق کے پہلو سے لگ گئی۔ رخسانہ تو شارق کو دیکھ کر نہایت پرجوش انداز میں ملی۔ شارق نے بھی پرویز کو جلانے کی خاطر گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔
''اور رخسانہ ان سے ملو۔ یہ ہیں میری اچھی دوست اور ہمارے ملک کی مشہور آرٹسٹ پرنسز سارہ۔'' ٹینا نے تعارف مکمل کیا۔
''یہ پرنسز سارہ ہیں؟'' ایک دم پرویز نے دہرایا۔ پھر حیرانی سے سارہ کو دیکھنے لگا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔
''ہیلو پرنسز!'' رخسانہ نے مسکراتے ہوئے سارہ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس وقت تک سارہ خود پر قابو پا چکی تھی۔ اس نے نہایت خندہ پیشانی سے رخسانہ کے وجود کو برداشت کرلیا مسکرا کر ہاتھ ملایا۔
''ہاں بھئی پرویز! مجھے تو تمہاری شادی کا پتہ ہی نہیں چلا۔ کیا مدعو نہیں کیا تھا ہمیں؟'' شارق نے ابرو چڑھا کر پوچھا۔
''بس شارق! آپ ان دنوں امریکہ گئے ہوئے تھے ویسے راحیل تو شادی پر آئے تھے۔'' وہ کٹھور بے حمیت شخص سارہ سے نظریں چرا کر بولا۔
''شارق کم ان لیٹس ڈانس؟'' رخسانہ، ٹینا کے ناک کے نیچے سے اس کا شکار نکال کر لے گئی۔ تو جمی کو بھی موقع مل گیا قبضہ کرنے کا۔ اس نے ٹینا کا ہاتھ تھام لیا اور ناچنے والوں میں شامل ہو گئے۔ کافی دیر وہ ناچتے رہے پھر میوزک بدلا۔ تو جوڑے بھی تبدیل ہو گئے۔ ٹینا، شارق کے مقابل آ گئی تھی۔ بلکہ خود ہی اس نے جمی سے خلاصی حاصل کر کے شارق کو پکڑ لیا تھا۔
''بہت ہو گئی۔ بس ٹینا! کافی ناچ لیے آج تمہارے اشارے پر۔'' شارق نے اسے بازوؤں کی گرفت سے آزاد کیا۔ دراصل وہ سر میں درد محسوس کر رہے تھے۔
''اچھا چلیں میں آپ کو اپنا بیڈروم دکھاؤں۔'' وہ ان کا بازو کھینچنے لگی۔
''تو کیا میں تمہارے بیڈروم میں...... میں اکیلا چلوں۔'' شارق نے نیم وا آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔ انداز معنی خیز تھا۔
''کیوں...... کیا مجھ سے خوف آتا ہے آپ کو؟'' ٹینا نے چیلنج کیا تو شارق طنزیہ انداز سے ہنسے۔
''تو چلیں پھر میں آپ کے ساتھ تنہائی کے چند لمحے گزارنا چاہتی ہوں۔ آپ میرے لیے جو تحفہ لائے ہیں نا دو

اپنے ہاتھوں سے پہنایئے گا مجھے۔'' وہ جذبات سے چور چور آواز میں بولی۔تو شارق کو تحفہ خریدتے ہوئے اپنے کہے الفاظ یاد آنے لگے۔

''سارہ! کہیں ٹینا کو اس تحفے کے بدلے میں اپنی کوئی نایاب چیز میرے حوالے نہ کرنی پڑے۔'' شارق تو اپنے الفاظ یاد کرتے مسکراتے ہوئے ساتھ چل دیئے۔ سارہ کی نظریں ان ہی پر گڑی تھیں۔اسے غصہ آرہا تھا کہ شارق کیسے بے حس ہیں کیوں اسے پرویز کے ساتھ اکیلا چھوڑ گئے؟ وہ وہاں سے اٹھی اور ویٹر سے جوس منگوالیا پھر گلاس ہاتھوں میں لیے ذرا ہٹ کر کھڑی ہوگئی اور دیوار پر نصب پینٹنگ جانچنے لگی۔

مگر پرویز تو سارہ کو اتنے عرصے بعد سامنے دیکھ کر دم بخود کھڑا تھا اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ صباحت ہی ہے۔ بار بار اس کی بہکی نظریں سارہ کے بے پناہ حسین سراپے پر پھسل رہی تھیں۔وہ کھڑا ہوا بلائیں لے رہا تھا۔شارق کے جانے کے بعد پرویز کے ساتھ تنہا نہیں رہنا چاہتی تھی۔جو اسے والہانہ انداز سے دیکھ رہا تھا۔بلکہ گھونٹ گھونٹ اس کے حُسن کی شراب پی رہا تھا۔وہ اب بھی اس کی نظروں کی زد میں تھی اور خاصی بے چینی محسوس کر رہی تھی۔

وہ جوس کا گلاس لے کر ٹیرس کی طرف آ کر کھڑی ہوگئی جہاں نسبتاً اندھیرا تھا۔وہ ریلنگ پر جھکی نیچے جھانکنے لگی۔

''ہوں تو یہ ہے مسز پرویز احمد!'' اس نے ایک بار گردن موڑ کر ناچتی لہراتی بل کھاتی ہوئی اس تیز طرار اور خاصی معمولی صورت کی رخسانہ کو دیکھا۔جو بلند قہقہے لگا رہی تھی۔جو ذرا بھی پرویز کے ساتھ نہیں سج رہی تھی۔

اور وہ نخریلا سا ہر ایک کی شکل وصورت کا مذاق اڑانے والا لڑکیوں کو چوہیا، پرکٹی ٹھگنی جیسے خطاب دینے والا پرویز۔ وہ حُسن پرست پروانہ۔جو ہر خوش شکل شمع کا دیوانہ ہو کر اس کے گرد طواف کرنے سے خود کو باز نہیں رکھ سکتا تھا۔کالج کی ہر دوسری لڑکی کو وہ تنقید کا مذاق کا نشانہ بناتا تھا۔انہیں عجیب وغریب نام بخشتا تھا اور پھر وہ نام کالج کے ہر طالب علم کی زبان پر یوں جمتے تھے کہ ان کے سائے میں اصلی نام کہیں گم ہو جاتے تھے۔

اب قدرت نے اس گھمنڈی لڑکے سے کیسا انتقام لیا تھا کہ چوہیا، پرکٹی، ٹھگنی ناٹی یہ تینوں خوبیاں اس کی اپنی بیوی میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔سارہ بے ساختہ مسکرا دی دل کا بوجھ کچھ تو اٹھ گیا۔اچانک اسے اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔گھومی تو پرویز پر نظر پڑی۔جو بالکل قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

''او صباحت...... صبا! یہ تم ہی ہو نا؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا تو سارہ نے منہ پھیر لیا۔

''پلیز...... پلیز...... صبا تم خدارا مجھے معاف کر دو۔'' وہ عاجزی سے بولا۔

''تم پرویز! فوراً یہاں سے چلے جاؤ میں تمہاری مکروہ شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔'' وہ نفرت سے بولی لیکن وہ بھی ایک ہی ڈھیٹ اور گھاگ شکاری تھا۔منتیں عاجزیاں کرنے لگا۔

''خدارا! جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ صبا! مجھے بھی میری غلطی کی کڑی سزا مل چکی ہے۔بری طرح سے تباہ و برباد ہوا ہوں میں۔دیکھا ہے تم نے میری بیوی کو؟'' وہ حقارت سے بولا تو صبا نے منہ پھیر لیا۔

''صبا...... صبا! میں تو پچھتاوؤں کے بھنور میں ڈولتا رہا تمہیں چھوڑنے کے بعد میں نے جانا کہ میں تو تمہیں بھلا ہی نہیں سکا ہوں۔پھر ڈیڈی نے میری شادی رخسانہ سے کر دی۔لیکن میں اپنی بیوی کا پیار نہ پا سکا۔'' وہ دردناک طریقے سے بتا رہا تھا۔یہ دردناک قصہ سن کر صبا کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تو بہ...... کتنے کم ظرف اور بے حوصلہ ہو جاتے ہیں یہ کرپل مرد۔ جب انہیں بیوی سے یہ شکایت پیدا ہو جائے کہ وہ ان سے اپنے مجازی خدا، کما کر لانے والے مرد سے محبت نہیں کرتیں قابل اعتنا نہیں سمجھتیں۔ حالانکہ ہمارے گھسے ہوئے ماحول و معاشرہ میں یہ دلیرانہ واردات شاذ و نادر ہوتی ہے بلکہ سو میں سے ایک آدھا ایسا کہیں ایسا رونما ہو جاتا ہے جیسے انگریزی میں کہتے ہیں نا'' آؤٹ آف دی بلوز (Out of the Blues) ناممکن کو غیر متوقع طور پر رونما ہونا۔ تو کوئی سینکڑوں میں سے چند ایک عورتیں بھی ایسی شوہر مار یا مرد مار کہلائی جاتی ہیں۔

جبکہ یہ ستم تو ہر دوسری عورت پر ٹوٹتا ہی ہے۔ مرد جب اپنی بیوی سے یہی سلوک روا رکھتے ہیں ان پرائی اولادوں کو لیکن اپنی نکاحی بیوی کو گھر کی چار دیواری میں مقید کر کے اسے اپنی توجہ اور محبت کو ترساتے ہیں۔ باہر اپنا ہر اثاثہ لٹا کر خالی ہاتھ گھر لوٹ آتے ہیں۔

تب وہ گھر والیاں کس سے اس ظلم کا شکوہ کریں۔ کس عدالت کے منصف سے اپنے لیے انصاف طلب کریں؟ تو پھر ان میں سے چند عورتیں اپنے لیے کسی ساتھی کو منتخب کر کے من پسند زندگی گزارتی ہیں۔'' کچھ دیر کے لیے صبا کا ذہن کافی دور تک بھٹک گیا تھا وہ سن نہ سکی پرویز مسلسل کچھ کہہ رہا تھا اس نے ٹوٹی کڑی کا سلسلہ دوبارہ جوڑا۔ پرویز ابھی بھی بیوی کی برائیاں کر رہا تھا۔

''صبا! وہ نہ صرف بدصورت ہے بلکہ......'' سارہ نے ایک دم بات کاٹی اور پرویز کو ٹوک دیا۔

''تمہارا مطلب ہے چوہیا پرکٹی اور ٹھگنی ہے؟'' سارہ نے برسوں بعد اس کے جملے واپس لوٹا کر قرض اتار دیا۔ وہ بے حد شرمندہ ہو گیا۔

''ہاں...... مجھے بڑے بول بولنے کی خوب سزا ملی ہے۔'' اس نے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اعتراف کیا۔

''صبا! یہی نہیں وہ سخت بدزبان اور گستاخ عورت ہے۔ میرا گھر تو جہنم ہے روزانہ جھگڑے پنپتے ہیں جو تم بیزار ہوتی ہے۔ خدا کی قسم سارہ! میں تمہیں فراموش نہیں کر سکا میں نے تمہارا کھوج لگانے کی بہت کوشش کی تھی بہت ڈھونڈا تلاش کیا تمہیں۔ لیکن تمہارا پتہ نہ چل سکا۔ میں لندن گیا سب پتہ کیا مگر تم تو لاپتہ ہو چکی تھیں پھر مجھے کیا خبر تھی کہ جسے میں جگہ جگہ ڈھونڈ رہا ہوں وہ میرے قریب ہی ہے۔ بلکہ میرے ہی شہر میں ہے۔'' وہ خوشامدی انداز سے بولا۔ تو سارہ کو اس سے گھن آنے لگی۔

''او اچھا...... کیوں مجھے تلاش کرنے کی ضرورت کیسے پیش آ گئی تھی؟'' سارہ کے چہرے پر بڑی پراسرار مسکراہٹ تھی۔

''کیونکہ صبا! میں اپنی غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتا تھا۔ اب بھی ازالہ کروں گا۔ تمہارے پیروں پر گر کر معافی مانگ لوں گا۔ صبا...... صبا! میں آج بھی تمہیں اپنانا چاہتا ہوں۔ میں تو ہر لمحہ ہر گھڑی رخسانہ کا موازنہ تم سے کرتا رہتا ہوں۔ شکل وصورت، عادات اور تب دل چاہتا ہے کہ رخسانہ کو گولی مار کر خود بھی خودکشی کر لوں۔ اف کیسی سنگین غلطی ہوئی تھی تمہیں ٹھکرا کر؟'' وہ پچھتایا۔

''تو پھر دیر کس بات کی ہے کس نے تمہیں ایسا نیک کام کرنے سے منع کر دیا تھا تم آج بھی باشوق خودکشی کر سکتے ہو۔ ایک موذی کے ہلاک ہونے سے دھرتی سے گناہوں کا بوجھ تو کچھ کم پڑ جائے گا۔'' وہ نفرت سے بولی تو وہ عاجزی پر

اتر آیا۔
''صبا میری جان! میں جانتا ہوں تم مجھ سے سخت ناراض ہو واقعی تم حق بجانب ہو۔ میں ہوں ہی گردن زدنی کے قابل۔ پر مجھے معاف کر کے ایک موقع ضرور دو تلافی کرنے کا اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کا۔'' وہ اس کی سمت کھسکا۔
''اف صبا! میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ان چند سالوں میں اس قدر خوبصورت ہو جاؤ گی۔ تمہاری اس دلکشی نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔'' وہ مزید قریب آ گیا اور خوشامدی انداز میں پھسلانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر سارہ کی آنکھیں بھیگ گئیں وہ پیچھے ہٹ گئی اس نے سوچا۔
''صباحت عرف پرنسز سارہ! یہی تو ہے وہ شخص جسے تو نے اپنی زندگی سمجھا تھا اور اس بدکردار نے تیری زندگی تباہ کر ڈالی۔ مجھے گردن گردن تک گندگیوں غلاظتوں میں پھینک دیا ہے۔ کیا واپس مل سکتا ہے تجھے وہ قیمتی خزانہ وہ انمول موتی۔ جو تو لٹا بیٹھی ہے جو تجھ سے زبردستی چھین لیے گئے؟ اور یہ تلافی؟ دنیا کی تمام تر دولت اور کسی بھی محبوب کی تمام تر محبتیں اکٹھی کرنے کے بعد بھی مل سکتی ہے کیا؟ اور پھر کتنے دھکے کھائے خالی پیٹ ٹھنڈ میں باریک لباس پہنے تو لندن کی ٹھٹھرتی سڑکوں پر بھٹکتی پھری تھی۔
پھر یہاں وطن آ کر تو اپنے عزیزوں کو دیکھنے کے لیے ان سے ملنے کے لیے کس قدر ترستی رہتی ہوں میں۔ مگر ان کے سائے تک بھی نہیں پہنچ پائی۔ مُردوں پر تو سب رو دھو کر چپ ہو بیٹھتے ہیں لیکن زندہ رشتوں سے جدائیاں دوریاں انسان کو بے موت مار دیتی ہیں۔ قطرہ قطرہ روز مرتا ہے وہ شخص اندر سے کھوکھلا پھوکا ہو جاتا ہے۔
صبا بھی اپنے گھر والوں سے ملنا چاہتی تھی واپس اس قلعے نما حویلی کی بلند اونچی مضبوط دیواروں کے پیچھے محصور ہونا چاہتی تھی ان کی پناہوں میں چھپ کر سکھ کا سانس لینا چاہتی تھی۔ اپنے وجود کو ان ننگی ہوس زدہ نگاہوں سے بچا لینا چاہتی تھی دفن کر دینا چاہتی تھی اپنا وجود۔ ان مٹی گارے کی دیواروں کے پیچھے جہاں کوئی ہوس زدہ ہاتھ اس کا گریبان نہ پکڑتا۔
پھر اس نے کتنی راتیں روتے گزاری تھیں اور شارق سے کتنی ضد کی کہ وہی اسے اس کے گھر لے چلے والدین سے معافی دلوا دے۔ شارق نے وعدہ کیا کہ وہ کوشش کرے گا لیکن پہلے اسے اس کے خاندان والوں کی مرضی کا تو پتہ چلے۔
پھر شارق نے باتوں باتوں میں اپنی ماں سے گول مول بات کی تھی ان کا عندیہ لینا چاہا تھا کہ بیگم مراد تو صبا کی والدہ کی گہری سہیلی تھیں راز دار تھیں۔
''امی یہ جو صباحت وغیرہ کے والدین نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ صبا ٹرین ایکسیڈنٹ میں مرگئی ہے تو بالفرض کسی روز صباحت کے زندہ سلامت واپس آ جائے تو پھر وہ لوگ کیا کریں گے؟'' وہ گہری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا تھا۔
''نہیں بیٹا! اب صبا زندہ واپس آ بھی گئی تو اس حویلی کے بلند ٹھوس دروازے سے سر ٹکرا ٹکرا کر جان بھی دے دے لیکن وہ در اس کے لیے نہیں کھل سکتا ہے۔ بھائی ارشاد علی یعنی صبا کے والد نے تو رشتہ داروں کی تسلی کے لیے آبائی قبرستان میں ایک قبر بھی تیار کروائی ہوئی ہے۔ صباحت کے نام کا کتبہ بھی لگا ہے وہاں۔ نہ شارق بیٹا! بہت مشکل ہے۔ وہ تو اسے رو پیٹ بیٹھے ہیں۔'' بیگم مراد نے بتایا تھا۔
آخر ارشاد علی کے خاندان کو برسوں سے جانتی تھیں۔ صباحت کی والدہ اور وہ اکٹھی ایک سکول میں تعلیم پانے کے

علاوہ گھریلو مراسم بھی تھے اور اسی طرح سے خان بہادر مراد، مراد احمد شارق کے والد کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کو ہی وہ دکھ سکھ میں شریک کرتے۔ اور صباحت کے واقعے کا صحیح حال صرف بیگم مراد وغیرہ کو ہی پتہ تھا ورنہ دنیا تو یہ جانتی تھی کہ ارشاد علی کی جوان سال بیٹی ٹرین کے حادثے میں مرگئی تھی۔ اور پھر ایک روز شارق سے صبا نے دوبارہ منت کی کہ وہ کسی طرح سے اس کے خاندان والوں کی اس سے صلح کروادے۔

''صبا! تمہارے والدین اور تمہارے بھائی نے یہاں ایک تمہاری قبر بنوائی ہوئی ہے جس پر تمہارے نام کا کتبہ بھی لگا ہے۔ ارے کمبخت مرچکی ہو تم ان کے لیے اور تم جانتی ہو کہ حشر سے پہلے قبروں سے مردے نہیں نکلیں گے تو تم پھر کس طرح زندہ ہو کر واپس جاسکتی ہو؟'' وہ معنی خیز انداز سے بولے تھے اور اس پر جیسے منوں مٹی پھینک دی تھی۔

تو بے تحاشہ روتی ہوئی سارہ اس کا مطلب سمجھ گئی۔ مگر اس نے اتر کر اپنی قبر بھی ضرور دیکھی جس پر اس کی سن پیدائش تو درج تھی ہی اور جس روز وہ گھر سے فرار ہوئی تھی وہ تاریخ وفات بھی لکھی تھی۔

تو اس کے میکے کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے تھے۔ کبھی نہیں دیکھ پائے گی ان اپنوں کو وہ؟ نہ ہی کبھی اپنے والدین اور بہن بھائی سے لپٹ کر رو سکے گی؟ انہوں نے نہ صرف دل کے بلکہ گھر کے دروازے بھی اس پر بند کردیئے تھے۔ اور تب سے اس نے صبر کرلیا تھا۔ واقعی صباحت علی کو مار کر سارہ کو جنم دیا تھا اس نے۔

مگر اب پرویز مسلسل چکنی چپڑی باتیں کر کے اس صباحت کو تو زندہ نہیں کرسکتا تھا مگر سارہ کو ایک بار پھر ورغلانے کی کوشش کر رہا تھا منتیں کر رہا تھا۔ سارہ نے اس کا ظرف آزمانے کی ٹھانی اور مطمئن انداز سے اس کی سمت مڑی۔

''تو تم مجھے اپنانا چاہتے ہو پرویز! لیکن میری حیثیت کیا ہوگی کیا اب تم مجھ سے شادی کرو گے؟'' اس نے کڑی نظروں سے دیکھا۔

''تم سے شادی؟'' وہ ذرا ٹھٹک گیا پھر جلدی سے بولا۔

''ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں ڈارلنگ! لیکن ہمیں کچھ انتظار ضرور کرنا پڑے گا صرف چند ایک مہینے یا بمشکل سال دو...... ابھی میں تم سے شادی نہیں کرسکوں گا۔ فی الحال میں رخسانہ کی وجہ سے مجبور ہوں۔ ایسا ہے کہ وہ بہت بڑے باپ کی بیٹی ہے اس کے نام کروڑوں روپے کی جائیداد ہے۔ اور...... اور...... عنقریب اس کے ڈیڈی مجھے ٹیکسٹائل مل لگوا کر دے رہے ہیں۔ بس میری جان جب تک وہ مل نہیں لگ جاتی ہمیں اپنے تعلقات لوگوں سے پوشیدہ رکھنے ہوں گے۔ اس میں ہمارا اپنا ہی فائدہ ہوگا ڈارلنگ!'' وہ دلار سے بولا۔

''بس اس وقت تک مجھے مہلت دو جب تک مل بن کر میرے نام نہیں ہو جاتی۔ تب تک میں مجبوراً رخسانہ کے وجود کو برداشت کرتا رہوں گا۔ مقصد حل ہوتے ہی اسے کسی طریقے سے اپنے راستے سے ہٹا کر تمہیں اپنا لوں گا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پھر ہم عیش کریں گے۔ میں بھی اپنی تمام زیادتیوں کی تلافی کروں گا تم دیکھنا تمہیں دل کی رانی بنا کر رکھوں گا۔'' پرویز بڑے یقین سے اسے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''او...... اچھا تو تمہاری رخسانہ بڑے باپ کی بیٹی ہے اور کروڑوں کی مالک ہے؟'' وہ طنز سے ہنسی۔

''مسٹر پرویز احمد! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم لوگ بھی پشتی رئیس ابن رئیس ہیں میں بھی کروڑوں کی مالک تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ رخسانہ کے باپ صاحب تو پرچون کی دکان کرتے تھے۔ ہاں تقسیم ہند کے بعد انہوں نے ہندوؤں

کی دولت لوٹی تھی ان کے چلتے کاروبار پر قبضہ کر کے مالک بن بیٹھا تھا۔ وہ نو دولتہ سیٹھ رحمت۔'' سارہ نے دیکھا کہ پرویز ذرا مضطرب سا ہونے لگا ہے۔

''ہاں...... ہاں وہ تو ٹھیک کہتی ہو تم لیکن پھنس جو گیا ہوں مجبوری ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''مجبوری کیسی پرویز احمد! میں اس وقت بھی تمہاری بیوی سے زیادہ امیر ہوں اور یہ تمام تر دولت میری اپنی پیدا کردہ ہے اور تمہاری مہربانیوں کا نتیجہ ہے۔'' وہ ہونٹ کاٹ کر بولی۔

''اچھا تو میری مہربانیوں کا نتیجہ ہے۔'' وہ ہنسا۔ وہ صبا کی بات کی گہرائی تک نہیں پہنچا تھا۔

''صبا پھر تو ہمیں وہ رقم مل بانٹ کر استعمال کرنی چاہیے نا؟'' وہ لالچی ہو گیا۔

''اچھا تو پھر تم کیا کہتی ہو؟ اس پیشکش میں آخر برائی کیا ہے ہم اپنے تعلقات پھر سے قائم کر لیتے ہیں۔'' وہ ملتجانہ انداز سے بولا۔

''لیکن ہمیں اپنے تعلقات دنیا سے پوشیدہ بھی رکھنے ہوں گے ہیں نا؟'' وہ بامعنی انداز سے بولی۔

''ہاں...... آخر اس میں حرج کیا ہے صبا! تم پہلے بھی تو اسی طرح میرے پاس رہ چکی ہو۔'' وہ گندے طریق سے ہنسا تو سارہ کا ضبط جواب دے گیا۔

''حرامزادے، کمینے، ذلیل۔'' سارہ نے پوری طاقت سے اس کے منہ پر بے تحاشہ طمانچے برسا دیئے۔

''بدکار...... دھوکے باز انسان میں تو آئندہ تمہاری منحوس شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی ہوں۔ چہ جائیکہ تم سے شادی کروں۔ تم نیچ گھٹیا انسان ہو۔ میرا تو جی چاہتا ہے تمہیں شوٹ کر دوں۔ تمہاری ہستی کو صفحہ ہستی سے مٹا دوں۔ اللہ...... حیران ہوں میں اپنے آپ پر۔'' صبا نے جھرجھری لی۔

''ارے...... میں تو اپنے انتخاب پر ششدر و پشیماں ہوں۔ اللہ میری پسند اس قدر گھٹیا اور گری ہوئی تھی۔ مجھے تو تجھ سے لعنتی انسان گھن آ رہی ہے۔ اور تم کان کھول کر سن لو اب کبھی مجھ سے بات کرنے کی کوشش مت کرنا ورنہ خدا پاک کی قسم میں تمہیں گولی سے اڑا دوں گی۔'' وہ اس پر نفرت کی نگاہ ڈال کر بولی۔ پرویز منہ پر ہاتھ رکھے ششدر کھڑا تھا۔

''کیوں سارہ میری مدد کی ضرورت تو نہیں ہے؟'' شارق نہ جانے کب وہاں آیا تھا اور ان کے درمیان ہونے والا یہ معرکہ دیکھ رہا تھا۔

''نہیں شارق میں اب اتنی حوصلہ مند ضرور ہو گئی ہوں کہ اپنا انتقام لے سکوں۔ بس تم مجھے یہاں سے لے چلو اب۔'' سارہ واقعی ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح تنی کھڑی تھی۔ شارق اس کا ہاتھ تھامے باہر نکل آیا اور پرویز وہ تو منہ پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا صبا کا یہ بدلا ہوا روپ یہ انداز۔

شارق کے ساتھ کار میں بیٹھتے ہی سارہ کا ضبط جواب دے گیا۔ اپنے ہاتھوں سے سپنوں کے شیش محل کو ٹھوکریں مار مار کر ریزہ ریزہ کر دو۔ تو پھر اپنا وجود کب شیشے کی کرچیوں کی زد میں آنے سے بچتا ہے۔

سارہ کا وجود بھی اس وقت تو لہولہو داغ داغ تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ارمانوں کی کرچیاں وجود میں دھنس گئی تھی۔ سارہ بے اختیار شارق کے کاندھے سے لپٹ کر رو دی۔ شارق کا دل بھی بوجھل ہو گیا اس نے خاموشی سے اسے اپنی دوست کی کمر میں بازو ڈال کر قریب کر لیا۔ بہت عزیز تھی اسے یہ لڑکی۔ اس کی اکلوتی اس کا درد سمجھنے والی دوست۔

''شارق تم نے سنا پرویز کیا کہہ رہا تھا؟'' وہ آنسو اس کے کالر میں جذب کرتی ہوئی بولی۔
''وہ اب بھی مجھے اپنانا چاہتا ہے کیونکہ میں پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوگئی ہوں۔طرحدار ہوگئی ہوں۔لیکن شارق وہ اب بھی مجھ سے نہیں کرنا چاہتا بلکہ پہلے کی طرح مجھے اپنی راکھیل بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔اپنی داشتہ۔کہتا ہے کہ ابھی بھی دنیا سے چھپا کر رکھنا ہوگا ہمیں اپنا تعلق۔دیکھو شارق تم نے اس کی گندگی سنی تم نے اس کے ارادے۔'' وہ فریاد کر کے بولی۔
''نہیں......اگر میں سنتا تو مار مار کر اس کا بھرتہ بنا دیتا تم نے بھی اچھا کیا جو اس کا منہ توڑ دیا ہے۔'' شارق نے پیار سے اس کے بال سہلائے۔
''پلیز شارق! تم مجھے میرے گھر چھوڑ آؤ پلیز۔'' وہ تو تنہائی میں اپنی حماقتوں کا ماتم کرنا چاہتی تھی۔
''جی نہیں...... میں تو تمہیں گھر لے جاتا تم وہاں بیٹھ کر اپنی قسمت کو روتی رہو گی چلو کلب چلتے ہیں۔'' شارق نے پوچھا۔
''نہیں رضا! میں کہیں نہیں جانا چاہتی میرا دل بہت اداس ہو رہا ہے۔'' وہ آنکھیں صاف کرتی ہوئی بولی۔
اس کا اصرار بڑھا تو شارق نے اس کے خوبصورت جدید طرز کے بنے ہوئے بنگلو کے باہر کار روک دی۔وہ اترنے سے پہلے مڑی۔
''شارق! اب بتاؤ کہ پرویز کی بے وفائی کے بعد اب میں سب مردوں سے بدلہ لینے بیٹھ جاؤں کیا؟ اس کی گندی فطرت دیکھو مجھے برباد کرنے کا تو اسے کوئی دکھ کوئی پچھتاوا ہی نہیں۔پلیز دیکھو شارق اب بھی وقت ہے تم خدا کے لیے سنبھل جاؤ اور نازیہ کا انتقام سب لڑکیوں سے لینے کا ارادہ ترک کر دو۔تم اس لڑکی زیب کو بھی روک لو۔مجھے یقین ہے کہ تمہارے سب دکھ اپنے دامن میں سمیٹ لے گی۔'' اس نے منت کی۔
''اف...... حد ہے سارہ ابھی تو تم دل پر چوٹ کھا کر رو رہی تھیں اور اب مجھے نصیحتیں کرنے لگی ہو۔توبہ بھئی تم عورتوں کو سمجھنا بہت ہی مشکل کام ہے۔'' وہ سر جھٹک کر بولے۔
''شارق میں تمہیں پیار کرتی ہوں تمہاری خیر خواہ تمہاری دوست ہوں۔تبھی نصیحت کرتی ہوں سمجھاتی ہوں۔تمہیں یوں بدحال دیکھنے کی سکت خدا گواہ ہے تمہیں خوش دیکھ کر میں اپنے دکھ درد بھول جاؤں گی۔'' وہ پیار سے اس کے بال پیشانی سے اونچے کر کے بولی۔پھر اپنا پرس اٹھا کر اتر گئی مگر اسے سیدھے گھر جانے آرام کرنے کی ہدایت کرنا نہ بھولی تھی۔

شارق اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے۔یہ من موہنی سندر سی لڑکی۔کتنے خوبصورت دل کی مالکہ ہے۔وہ کار چلاتے ہوئے سوچتے رہے۔پھر تھوڑی دیر بعد وہ کلب پہنچ کر اپنے شغل میں مصروف ہو گئے۔تبھی کسی نے انہیں پکارا۔
''ہیلو شارق رضا! ہائے یہ آپ کی پیشانی پر کیا ہو گیا ہے۔'' شارق نے بیزاری سے سر اٹھا کر دیکھا۔
بھاری بھرکم مسز نیازی جوان کی بیوی نازیہ کی گہری راز دار سہیلی تھی۔وہ قریب آ کر پوچھنے لگی۔شارق کو تو وہ زہر لگتی تھی وہ انہیں جلی کٹی سنانا چاہتا تھا جبکہ نیازی صاحب ایک اچھے انسان تھے اور شارق کے اچھے دوست بھی تھے۔اور بیوی کی جلی کٹی باتوں سے نالاں۔تبھی جب شارق ان کی بیگم کو آڑے ہاتھوں لیتا تو وہ بہت محظوظ ہوتے تھے۔

''مسز نیازی! ہوا یہ کہ کل سوتے میں خواب ہی میں میں ناتواں سے ٹکرا کر چکنا چور ہو گیا ہوں۔'' شارق ان کے دیو قامت جثہ جسامت پر نظر ڈال کر تمسخرانہ انداز سے بولے۔ تو وہ جھینپ گئی۔

''شاید کوئی نازیہ کی خیر خبر۔'' وہ محض سن گن لینے کی خاطر وہیں کرسی پر پھیل گئیں۔

''مسز نیازی! دماغ تو نہیں چل گیا آپ کا؟'' شارق کی پیشانی کی رگیں تن گئیں۔

''نازیہ...... یہ نازیہ سے میرا کیا رشتہ کیا واسطہ رہا ہے اب۔ میں تو اس کے نام سے بھی نفرت کرتا ہوں میں اسے دیکھنے تک کا روادار نہیں ہوں۔'' وہ حقارت سے بولے۔

''ہاں...... سچ ہو تم شارق! واقعی نازیہ نے بڑی ذلیل حرکت کی تھی۔'' مسز نیازی نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''ہاں تم نے سنا وہ حامد اپنی مل فروخت کر رہا ہے انہیں کاروبار میں بہت ہی گھاٹا ہوا ہے نا۔ ازدواجی تعلقات بھی ٹھیک نہیں چل رہے۔ نازیہ نے مجھے امریکہ سے فون کر کے کہا تھا۔ کہتی ہے کہ وہ تمہیں چھوڑ کر بے حد پچھتا رہی ہے۔ ہاتھ ملتی ہے وہ اب تو۔''

مسز نیازی ٹوکنے والی نظروں سے اسے غور سے دیکھ کر بولی تھیں۔ یہ سنتے ہی شارق کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ اس نے بلند قہقہہ لگایا۔

''مسز نیازی! اپنی سہیلی کو کہیے کہ ابھی تو ابتدا ہے وہ تو اور زیادہ پچھتائے گی ہاں اسے کہیے کہ وہ مستقل سکونت امریکہ میں ہی اختیار کر لے۔ کیونکہ جس دن وہ وطن واپس آئی نا میں اسے گولی مار دوں گا۔ کہ وہ مجھے ٹھکرا چکی ہے۔ بلکہ میں اپنی بہن صائمہ کا گھر برباد ہونے کا انتقام لیے بنا نہیں بیٹھوں گا۔''

''چہ چہ...... ہائے شارق! کیا تم اب نازیہ سے محبت نہیں کرتے۔'' مسز نیازی کو کچھ مایوسی سی ہوئی تھی۔ عجیب بیوقوف عورت تھی۔

''میں اور نازیہ سے محبت؟'' انہوں نے قہقہہ لگایا۔

''ارے مجھے نہ تو اس مکار لومڑی سے پہلے محبت تھی اور نہ اب کوئی لگاؤ ہے۔ مسز نیازی! وہ میری نہیں بلکہ میری ماں کی پسند پر میری بیوی بنی تھی اور مجھے اپنی ماں کی پسند کا احترام تھا۔ تبھی میں نے اسے قبول کیا برداشت کیا۔ بہرحال مجھے اس سے محبت ہوتی یا نفرت وہ اب تو میری عزت بن چکی تھی میری منکوحہ تھی نا۔ پر اس بدچلن آوارہ عورت نے میری معصوم بہن کے شوہر حامد کو اپنے چنگل میں پھنسا لیا اور میری عزت کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ اس کے ساتھ بھاگ گئی اس کا ازحد غم ہے۔ سخت غصہ ہے۔ کھولتا پھرتا ہوں میں۔

ہاں...... اگر وہ کمبخت میرے بہنوئی حامد سے شادی کرنے کی بجائے اپنے نیازی صاحب سے بیاہ رچا لیتی بھگا کر لے جاتی تب تو مجھے ذرا بھی دکھ نہیں ہونا تھا۔'' وہ طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر مسز نیازی کو چھیڑتے ہوئے بولے تو وہ اچھل گئیں۔

''اوئی...... ہائے خدا نہ کرے جو وہ کلموہی نازیہ، نیازی سے نکاح کرتی میرا بستا گھر اجاڑتی۔ اللہ میں جان سے نہ مار دیتی کمبخت ماری کو۔'' بیگم نیازی ایک دم اچھل کر بولیں ان کے بے ساختہ انداز پر شارق نے قہقہہ لگایا۔

''مسز نیازی! کیوں اپنے دل پر ہاتھ پڑا ہے تو اوئی...... ہائے منہ سے نکل رہی ہے اور وہ عزیز سہیلی کمبخت ماری

ہوگئی ہے اب؟ کلموئی بھی؟ تو بس یہی جذبات ہیں میرے میں بھی اس نازیہ کی جان کا دشمن ہوں۔'' شارق نے نفرت سے ہونٹ بھینچے تو مسز نیازی جھینپ گئیں۔ مگر تھیں ڈھیٹ۔

''لیکن شارق! سب لوگ کہتے ہیں کہ تم اس سے محبت کرتے تھے تبھی اب انتقاماً تمہارا رویہ عورتوں کے ساتھ بہت درشت، بہت وحشیانہ اور اکھڑا ہوتا ہے۔'' مسز نیازی بھی ایک ہی ڈھیٹ تھیں پھر جاسوسی کرنے لگیں۔

''اچھا...... مسز نیازی فرض کریں کہ آپ کی اکلوتی بھابھی طاہرہ ہمارے مسٹر نیازی کو ورغلا کر ان سے شادی کر لیتی ہیں آپ بتائیے تب آپ کے جذبات اپنی سابقہ بھابھی کے لیے کیسے ہوں گے؟'' شارق نے بھی بے رحمی سے کہا تو وہ کسمسانے لگیں۔

''سو میرا بھی یہی حال ہوا ہے تو اب عورت کو بے وفا اور کھوٹا سکہ سمجھتا ہوں۔ جو ایک بھیک کی طرح ایک کشکول سے دوسرے کشکول تک بھٹکتا اور منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ہاتھوں ہاتھ پھرتا ہے۔ ہاں اور اگر اب بھی میری بات کا یقین نہیں آ رہا تو آپ اپنی بھابھی کی شادی نیازی سے کروا دیجیے نا۔ پھر مزا چکھیے گا۔ چلیے تجربے کے طور پر ہی سہی۔ ایمان سے بہت جلد پھر اس ٹیبل پر آپ اور میں اکٹھے پیتے پلاتے جام ٹکراتے نظر آیا کریں گے۔'' وہ خباثت بھرے انداز سے اسے سلگا کر بولے پھر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''اللہ...... شارق! تم نیازی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟'' وہ غصے سے بولیں تو شارق نے قہقہہ لگایا اور مڑے ''تو تم نازیہ کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔''

پھر وہ پیچھے سے آتے ہوئے دبلے پتلے سے نیازی سے ٹکرا گئے جس نے شارق کو کاندھے سے پکڑ لیا۔

''شارق! سنبھل کے یار میرے...... ہاں یہ میری بیگم خلاف توقع تم سے کیا راز و نیاز کر رہی تھیں؟ یہ مخالف پارٹی یعنی نازیہ کی خاص سہیلی ہیں۔'' انہوں نے پوچھا۔

''ہیلو نیازی! یار بڑے باہمت ہو تم جو اس بل ڈوزر کے ساتھ گزارہ کر رہے ہو۔'' شارق موٹی تازی مسز نیازی کی طرف اشارہ کر کے بے رحمی سے بولے۔

''ہاں یار! دیکھ لو ہمارا جگرا...... ہمارا حوصلہ۔'' نیازی نے ٹھنڈی سانس لی۔ مائی پور فرینڈ (My poor friend) شارق اس کا کاندھا تھپتھپا کر باہر چل دیئے۔

''بدتمیز...... بدتہذیب ایڈیٹ......'' بیگم نیازی گالیاں دینے لگی تھیں جبکہ شارق دور چلے گئے تھے۔ ورنہ پلٹ آتے اور حشر کرتے۔

''نہ بیگم یہ تمہیں کس دشمن نے مشورہ دیا تھا اس عورت خور سے بات کرنے کا؟'' نیازی مسکراہٹ دبا کر بولے۔ دل میں تو وہ خوش ہو رہے تھے بیگم کی درگت بننے پر۔

''اونہہ...... مجھے اس بیوقوف نازیہ نے کہا ہے کہ تم میرے بارے میں شارق کے خیالات پتہ کر کے مجھے جلد بتاؤ۔ اب وہ حامد سے اکتا گئی ہے۔ پوچھ رہی تھی کیا شارق مجھے دوبارہ قبول کر لے گا۔ یہی جاننے کے لیے میں اس فول بدتہذیب سے باتیں کرنے لگی تھی۔'' وہ سلگ کر بولیں۔

''ہائیں نازیہ! وہ شارق سے دوبارہ بیاہ رچانے کا پروگرام بنائے ہے کیوں کیا حامد کنگال ہو گیا ہے؟'' نیازی

اچھل گیا۔

''ویسے بیگم مجھے تمہاری یہ دوست بالکل پسند نہیں تھی۔ چہ چہ......شارق جیسے بہترین انسان کو تباہ کر دیا ہے بد بخت نے۔'' وہ تاسف سے بولے۔

''اچھا......وہ شرابی تمہاری بیوی کو بل ڈوزر کہہ کر بے عزتی کر گیا ہے اور تم اس کی تعریفیں کر رہے ہو؟'' وہ چڑ گئیں۔

''ارے ٹھیک تو کہتا ہے شارق! تم بھی ذرا دبلی ہو جاؤ نا ایمان سے اب وزن برداشت نہیں ہوتا ہے۔'' وہ بسورنے لگے پھر ذرا ہنس کر بولے۔

''بیگم! ویسے اگر نازیہ جیسی تمہیں اتنی پسند ہے نا تو تم میرا بیاہ اس سے رچا دو۔ بیچارے شارق کی جان بچ جائے گی اور مجھے بھی کچھ چینج مل جائے گا۔''

''ہائیں......اچھا تو یہ ارادے ہیں آپ کے۔ وہ شارق بھی یہی کہہ رہا تھا کہ نیازی کو بیاہ دو۔ سہیلی سے نازیہ سے۔''

''اچھا......تو بہت چاؤ چڑھا ہے دوسرے بیاہ کا۔ ذرا چلو تو سہی گھر۔'' وہ لال بھبھوکا ہو گئیں۔ اور نیازی نے کان پکڑ لیے۔ ''مذاق کر رہا تھا میری خونخوار بیگم۔''

○●○

بستر پر لیٹتے ہی شارق کے سر کے زخموں میں درد ہونے لگا تھا۔ وہ کلب سے اٹھ کر گھر آ گئے تھے۔ لیکن دل و دماغ سے اٹھتے ہوئے زیب کے فقروں کی بازگشت اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ ساتھ ہی انہیں مسز نیازی کی باتیں یاد آنے لگی تھیں۔

''اچھا تو حامد کا کاروبار تباہ ہو گیا ہے وہ اپنی مل بیچ رہا ہے۔ اچھا ہوا ہے ابھی تو خدا اسے بری طرح برباد کرے گا۔ نازیہ تمہیں چھوڑ کر پچھتا رہی ہے ان کے ازدواجی تعلقات ٹھیک نہیں ہیں۔'' کانوں میں مسز نیازی کی آوازیں آئیں۔ اس نے جھنجھلا کر کروٹ بدل لی۔ دماغ سوچوں کی آماجگاہ تھا۔

''نازیہ......نازیہ! ابھی تو تم اور تڑپو سسکو گی۔ اس دن کو روؤ گی جب تم مجھے چھوڑ بھاگی تھیں۔'' اچانک انہیں کچھ خیال آیا۔ انہوں نے فون اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگے۔ بہت دیر بعد دوسری طرف سے کسی نے بالآخر فون اٹھایا۔ آخر اتنی رات ہو چکی تھی سبھی لوگ سو رہے تھے۔

''ہاں جی فرمائیے کہ قیامت آنے میں کتنے گھنٹے باقی ہیں اور اگر آ بھی رہی ہے تو کس رفتار سے آ رہی ہے وہ کمبخت قیامت؟'' دوسری طرف سے جل کر کسی نے پوچھا تھا۔ شارق کی تیوری چڑھ گئی۔

''یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو جاوید؟'' وہ دھاڑے۔

''ارے......ارے باپ رے باپ یہ تو قیامت خود بول رہی ہے۔'' وہ بوکھلا گیا تھا اور جلدی سے اٹھ بیٹھا تھا نیند آنکھوں سے غائب ہو گئی۔

''یس سر! فرمائیے سر! وہ تو میں سوتے میں بڑبڑا رہا تھا جی۔ جی......حکم کیجیے آدھی رات کو کیوں یاد کیا؟'' جاوید کی

نیند بالکل غائب ہوگئی تھی اب تو۔

''دیکھووہ حامد اپنی ٹیکسٹائل مل فروخت کر رہا ہے تم سب تحقیقات کرواور جس طرح بھی ہو اس کا سودا طے کرلو لیکن میرا نام بیچ میں نہ آنے پائے۔''انہوں نے ہدایت کی۔

''کون حامد! وہ آپ کی پہلی بیوی کا دوسرا شوہر۔'' جاوید بڑبڑایا تو شارق نے دانت بھینچ لیے پر چپ رہے۔

''اوکے سر! میں پہلا کام یہی کروں گا صبح پتہ کرلوں گا۔''اس نے یقین دلایا۔

''ہاں شارق صاحب! ایک درخواست ہے التجا ہے پلیز سن لیجیے۔''وہ عاجزی سے بولا۔

''جلد بکو۔''وہ بھاری لہجے میں بولے۔

''سر پلیز......مس زیب کو معاف کر دیجیے اس بیچاری کا تو برا حال ہے پریشانی سے آخر ضرورت مند جو ہے۔ دیکھیے آپ ایسا کریں کہ زیب سے آفس ورک کروالیں گے آپ بے شک کم تنخواہ دیجیے گا۔ سیکرٹری شپ سیکرٹری چھوڑیں۔ پھر میں آپ کے لیے دوسری سیکرٹری کا انتظام کیے لیتا ہوں۔ جو آپ کے مخصوص کام کرلیا کرے گی میرا مطلب ہے کہ......''

شارق نے پوری بات سنے بغیر فون بند کر دیا اور سر تھام کر لیٹ گئے۔

''شارق صاحب! دنیا کے سب مرد آپ جیسے بدکردار نہیں ہوتے۔'' کانوں میں زیب کی آواز آئی۔

''میں بخوبی اپنی حفاظت کرسکتی ہوں۔'' شارق اٹھ گئے پھر ماتھے پر بل ڈال کر جاوید کو دوبارہ فون کرنے لگے۔ جاوید لیٹا ہی تھا کہ اٹھ گیا۔

''ہیلو جاوید! سنو میں تمہاری لاڈلی زیب کی ملازمت بحال تو کرسکتا ہوں۔ لیکن اسے صرف دس ہزار روپے تنخواہ ملے گی اور سارا آفس ورک سنبھالنا ہوگا۔''وہ انتقام لینے پر اتر آئے تھے۔

''سواگر وہ کام کرنا چاہتی ہیں تو کل آجائیں۔ ورنہ چھٹی کریں اور تم پرسوں تک سیکرٹری کا بندوبست کرلو گے نا۔''

''لیکن سر! دس ہزار روپے تو بہت ہی کم ہیں اتنے میں تو اس کے بھائی کے صرف چھ ٹیکے آئیں گے۔ ذرا سخاوت دکھایئے نا۔'' جاوید نے منت کی۔

''نہ......نہیں......صرف دس ہزار روپیہ یہ بھی میں نے رعایت کی ہے ورنہ اس سے بھی کم دیتا۔'' شارق نے فون بند کر دیا۔

''ہوں......اب دیکھوں گا کیسے اکڑتی ہے سب کس بل نکال دوں گا۔ شریف زادی کے۔'' وہ اپنی زخم زدہ پیشانی چھو کر بولے۔

شارق، زیب کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کا طے کر چکے تھے اسے زچ و ذلیل کرنے کا پروگرام بنالیا تھا۔

''اونہہ......بچ کر کہاں جائے گی۔'' شارق رضا نے زیب کو تصور میں لا کر کہا بلکہ ایک طرح دھمکی دی تھی اس کو۔ اور بے چاری زیب ان کے گھر سے کوسوں دور اپنے کھردرے سخت سے بستر پر لیٹی پریشانی کے عالم میں کروٹیں بدل بدل کر اپنی بے روزگاری اور بھائی کے علاج کے سلسلے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی۔

''یا اللہ......میں کیا کروں......کیا کروں؟'' وہ سسکنے لگی۔

''وہ تو یقیناً اب میری کسی معذرت کو قبول نہیں کریں گے اور ضرور نئی تیز طرار سی سیکرٹری رکھ لیں گے ایک طرح سے تو یہ میرے حق میں اچھا ہی ہوتا اگر وہ مجھ سے صرف آفس کا کام کرواتے اور سیکرٹری سے ناز و انداز اٹھواتے شرابیں پیتے اٹکھیلیاں کرتے مگر...... مگر ایسا تو نہیں تھا۔ وہ تو اسے ملازمت سے نکال چکے تھے۔'' زیب نے گہرا سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔

''اے اللہ...... اے پالن ہار آپ ہی میری مدد کیجیے۔'' اور پھر دوسرے دن ہی جاوید نے ایمرجنسی میں بھاگ دوڑ کر کے ایک قبول صورت سیکرٹری روزی کا انتظام کر کے زیب کی جان چھڑوا تو دی تھی مگر پھر بھی آفس ورک میں بھی زیب کو شارق کا سامنا کرنا تو پڑتا تھا۔

○●○

''لیجیے پلیز سر! ان کاغذات پر دستخط کر دیجیے۔'' زیب نے فائل شارق کی طرف بڑھائی لیکن انہوں نے ہاتھ مار کر ہٹا دی۔ اور گرجے۔

''کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ الو کے پٹھے جاوید کو بھی تاکید کی تھی کہ میرے آفس میں کسی کو نہ بھیجے۔ میں آج کوئی کام کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' شارق نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔ تو زیب نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''سر میں تو آپ کو ڈسٹرب نہ کرتی بلکہ آپ کے عیش میں خلل ڈالنے کا مجھے ذرا شوق نہیں تھا۔ مجبوری یہ تھی کہ میری ایمانداری اور میرے فرض نے مجھے زبردستی یہاں آنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اگر آپ پچاس کروڑ روپے کا نقصان اٹھانا چاہتے ہیں برداشت کی ہمت ہے تو میں کون ہوتی ہوں روکنے والی۔ مجھے تو پرواہ بھی نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ فائل اٹھانے لگی اور مڑ کر باہر چل دی۔

''ٹھہرو زیب! ذرا ٹھہرو۔'' پچاس کروڑ کی رقم سن کر شارق نے فائل پکڑ لی تھی۔

''ہٹو روزی!'' انہوں نے اپنی نئی سیکرٹری کو کرسی کے ہتھے سے اٹھایا پھر جھک کر فائل دیکھنے لگے۔

زیب، روزی کی تیز نظروں کو نظر انداز کرتی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ پتہ نہیں یہ نئی سیکرٹری سامنا ہونے پر مجھے کیوں گھورتی رہتی ہے۔

''توبہ اللہ کیسے اجڑے ہوئے حلیے میں بیٹھے ہیں شارق صاحب اس وقت۔'' وہ جائزہ لینے لگی۔

''لال بھبھوکا چہرہ گریبان کھلا بال بکھرائے۔ خاصے دیوانے سے لگ رہے ہیں۔'' زیب نے گہری نظر ڈال کر سوچا۔

''زیب گڈ......'' وہ سب کاغذات غور سے دیکھتے ہوئے دستخط کرنے لگے۔ ''یار بھٹہ بیٹھ جاتا۔ خوامخواہ بے حد نقصان ہو جاتا۔ یہ تو نہایت اہم کاغذات ہیں زیب! انہیں فوراً پوسٹ کرواؤ میں تو بھول ہی گیا تھا۔'' وہ نرمی سے بولے۔

''اونہہ...... جو شخص کبھی ہوش و حواس میں آتا ہی نہ ہو۔ وہ کام بھولے گا نہیں تو اور کیا کرے گا۔ خدا جانے آپ کا کاروبار کیسے معجزاتی انداز میں چل رہا ہے۔'' وہ دبی زبان میں کہہ کر کھڑی ہوگئی۔

''کیا کہا ہے آپ نے؟'' شارق کا پارہ چڑھ گیا۔ ارے وہ تو خاصی زبان چلانے لگی تھی ان سے۔

''سچ کے سوا کوئی خاص بات نہیں کی ہے میں نے۔'' وہ لاپرواہی سے دروازے کی طرف چل دی تھی۔

''بہت ہی بدتمیز ہے یہ لڑکی سیدھی طرح تو بات ہی نہیں کرتی۔ ہونہہ دس ہزار روپے تنخواہ ہے اور مزاج مینجنگ ڈائریکٹر جیسے۔'' روزی جو زیب کے معصوم حُسن سے جلتی تھی۔ موقع مناسب دیکھ کر اسے ڈانٹ پلانے کے لیے بولی۔

''رکیے مس رحمان!'' شارق زور سے گرجا تو زیب کے قدم رک گئے۔ وہ مڑ آئی شارق کی تیوری چڑھی ہوئی تھی وہ فوراً باتوں میں آ گیا تھا۔

''میں...... میں بہت دنوں سے آپ کا بدلا ہوا رویہ نوٹ کر رہا ہوں میں آپ کو آخری وارننگ دیتا ہوں۔ پلے سے باندھ لیں آپ کہ آئندہ میں کوئی کمنٹ کوئی بدتمیزی برداشت نہیں کروں گا۔'' وہ انگلی اٹھا کر بولے۔ زیب کا چہرہ شرمندگی سے پھیکا پڑ گیا۔

''سر اب بھی میں کروڑوں کے نقصان سے بچانے آئی تھی۔ اگر یہ میری غلطی ہے تو ٹھیک ہے سر۔'' وہ ضبط کیے سر جھکائے جانے لگی وہ روزی کے سامنے کوئی پھڈا نہیں چاہتی تھی۔

''اے سنو زیب! ذرا جاوید صاحب سے کہو کہ امریکن ٹیلرز سے میرے کپڑے لے آئیں۔'' روزی نے نہایت نخوت اور شان سے حکم دیا تو زیب بھنا کر مڑی۔ کیونکہ روزی بارہا اس پر رعب ڈال کر حکم چلا چکی تھی۔ آخر برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

''یہ تو خوب رہی۔ واہ یہ تو میں نوکروں کی بھی نوکر ہو گئی ہوں۔'' وہ غصے میں یہ بھی بھول گئی کہ ابھی کچھ دیر پہلے شارق وارننگ دے چکے ہیں۔

''مس روزی! یہ حکم کسی اور پر چلایئے گا۔ میں آپ کی نہیں مسٹر شارق کی ملازم ہوں۔ صبح بھی آپ نے اپنے ذاتی کاموں کی لسٹ مجھے پکڑا دی تھی۔ برائے مہربانی آئندہ انسانیت کے جامے میں رہ کر مجھے مخاطب کیا کریں۔'' زیب نے ڈپٹ کر کہا۔

''اف...... آگ بگولہ کیوں ہوتی ہو۔ مسٹر سنا آپ نے۔'' روزی نے جھٹ شکایت کی۔ تو شارق بھنا کر کھڑے ہو گئے۔ الہڑ ماڈرن روزی جس کا کام ہی ان کا جی بہلانا تھا۔ اس کے سامنے زیب کی بھلا کیا حیثیت تھی۔ وقعت تھی۔

زیب وہ سیدھی سادھی گنوار اور اجڈ سی لڑکی جوان کے چھونے پر بدکنے لگتی تھی۔ کانپنے لگتی تھی۔ ان کو مارنے زخمی کرنے سے بھی نہیں ہچکچائی تھی۔ جس دن سے روزی آئی تھی زیب نے باقی تمام نئے کپڑے شارق کے حوالے کر دیئے تھے اور جرأت سے بولی۔

''سر میری حیثیت یہاں ایک کلرک کی سی ہے۔ آپ یہ کپڑے روزی کو پہنایئے گا اور دل خوش کیجیے گا اپنا۔'' اور اب جب زیب اپنے معمولی سے کپڑوں میں بھی چاند کی طرح چمکتی تو شارق کی نظریں روزی کے اعلیٰ ملبوسات سے پھسل کر زیب کے چہرے کا طواف کرنے لگتیں۔ وہ ڈسٹرب و بے چین ہو ہو جاتے تھے۔ دل میں خفگی اترنے لگتی تھی۔

وہ چاہتے تھے کہ زیب ان کے فیصلے کے خلاف احتجاج کرے۔ بغاوت کرے۔ اپنا حق طلب کرے۔ لیکن اس صابر لڑکی نے تو ایک خاموشی لبوں پر سجالی تھی۔ [illegible] کر اس کے ساتھ الجھتا، بے عزتی کرتا لیکن [illegible] میں

اشکوں کا سیلاب چھپائے سر جھکا لیتی تھی۔ من مار کر ضبط کر لیتی شکر ہے نوکری تو بحال تھی۔ تب شارق اور چڑ جاتا۔ یہ بولتی کیوں نہیں۔ لڑے جھگڑا کرے میرے ساتھ۔

وہ اسے ڈھیروں کام پکڑاتے۔ زیب سارا دن مصروف رہتی۔ اکثر تو آفس ٹائم کے بعد بھی اسے بیٹھنا پڑتا۔ کئی بار تو شارق بھی مضطرب ہو جاتا۔ ندامت ہوتی کہ وہ زیادتی سے کام لے رہے ہیں صرف دس ہزار روپے کے بدلے میں وہ زیب سے نوکروں سے بھی بدتر سلوک کر رہے تھے۔ ان کا تو چپڑاسی بھی زیب سے ڈیڑھ گنا زیادہ تنخواہ لیتا تھا۔

''مے آئی کم ان سر!'' جاوید کی آواز سن کر سب ہی چونک گئے تھے۔ شارق نے تمتمائے چہرے سے دیکھا۔ پھر زیب کو دیکھا جو سہمی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اندر تو خونخواری والا جنگی ماحول تھا۔ اب کیا ہوا؟ جاوید نے سوچا۔

''اینڈ یو زیب! جاؤ تم چلی جاؤ یہاں سے۔'' انہوں نے انگلی اٹھا کر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ تقریباً دوڑتی ہوئی نکل گئی۔ اور اپنے کمرے میں جا کر میز پر سر ٹکائے بے اختیار رو دی۔

شارق کی ہر زیادتی کو وہ خاموشی سے برداشت کیے جا رہی تھی۔ لیکن ان کا عتاب تو بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ کبھی کبھار تو وہ انہیں دیوانہ سمجھنے لگتی تھی۔ یا پچھلے جنموں کا اپنا کوئی جانی دشمن جو اس جنم میں بدلا چکا رہا تھا۔

شارق سے جھڑپ اور سر پھٹول کے بعد تیسرے دن جاوید منہ لٹکائے اس کے پاس آیا اور باس کی شرط سنا دی کہ وہ اگر دس ہزار روپے پر راضی ہے تو ملازمت کر سکتی ہے کوئی اور راہ نہ پا کر زیب کو حامی بھرنی پڑی۔ اپنی غیرت و اَنا کو کچلنا پڑا کم از کم سر پہ چھت تو تھی۔ پھر جاوید نے سر توڑ کوشش کر کے شارق کے لیے سیکرٹری روزی کا انتظام کر دیا تھا اور زیب کی جان چھڑوا دی تھی۔

کئی بار شارق نے زیب کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر روزی کے ساتھ بے تکلفی کا اظہار کیا رومانٹک سین کیے تھے۔ تو وہ جھینپ کر منہ دوسری طرف موڑ لیتی۔ اسے جھنجھلاہٹ بھی ہوتی۔ آخر وہ اتنے بے حجاب ڈھیٹ کیوں ہیں۔ کسی کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر بوس و کنار میں مصروف ہیں۔ اور وہ عورت روزی بھی نسوانیت کے نام پر دھبہ تھی۔

پھر جب اکثر ہی زیب کو یہ نظارے دیکھنے کو ملنے لگے تو زیب بھی ڈھیٹ ہو گئی۔ بہرحال نوکری تو کرنی ہی تھی نا۔ وہ تو یہ شکر پڑھتی تھی کہ اب شارق کی توجہ روزی پر مبذول ہو گئی تھی اور اس کی جان بخشی ہو گئی تھی ساقی بننے سے۔ اسی خیال سے وہ روزی کے وجود کو برداشت کرتی تھی۔ پھر تو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے شارق کے غصے میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ جھنجھلاہٹ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ وہ جان بوجھ کر اسے اپنے آفس میں زیادہ سے زیادہ روکتے تھے۔

تو کیا وہ چاہتے ہیں کہ میں سب کچھ تماشبین بن کر دیکھوں۔ اسے شرم آنے لگی۔ ''خدایا میں کس مصیبت میں پھنس کر رہ گئی ہوں۔ اتنی محنت کرنے کے باوجود شارق خوش نہیں ہوتے۔'' ڈانٹ پھٹکار سن کر وہ چڑچڑی ہو گئی تھی اور پھر کام بھی اس قدر زیادہ ہوتا تھا کہ وہ بری طرح سے تھک جاتی تھی۔

''ارے جب باس کو خود آفس کے ڈسپلن کا خیال نہیں ہے تو میں کیوں پابندی کروں۔'' اس نے چڑ کر فیصلہ کیا۔ مگر وہ روزی کے حکم چلانے پر آگ بگولہ ہو جاتی اور طنز کرنے سے بھی باز نہ آتی تھی۔ آج بھی اس نے شارق کے عتاب کو آواز دی تھی۔

''کیا بات ہے زیب؟'' جاوید کی خلوص بھری آواز سن کر آنسو زیادہ شدت سے بہنے لگے تھے۔

''بس چپ ہو جاؤ بتاؤ آخر بات کیا ہوئی ہے؟'' وہ قریب صوفے پر بیٹھ گیا اور شفقت بھرے انداز میں پوچھنے لگا۔

''جاوید! شارق صاحب کا رویہ نا قابل برداشت ہو گیا ہے وہ پہلے خود تو مجھے بے عزت کرتے ہی رہتے ہیں۔ مگر اب اپنی چہیتی روزی سے بھی میری توہین کرواتے ہیں۔ میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی۔ میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے۔ سچ آج نہ میں مجبور ہوتی تو نہ ان حالات سے دوچار ہوتی میں تو اپنی زندگی سے تنگ آ گئی ہوں۔'' وہ رو دی۔

''احمر بھیا کا علاج بمشکل ہو رہا تھا کہ اب گڑیا کی بیماری بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ چار ہفتوں سے بخار ہی کم نہیں ہو رہا۔ اس کی کمر اور ٹانگوں میں شدید درد رہتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہیں ٹانگیں مفلوج نہ ہو جائیں۔ کل ڈینگی فیور کے ٹیسٹ لیے ہیں ڈاکٹر راحیل نے۔ ہماری تو جان پر بنی ہے۔ نہ گھر میں سکون ہے نہ یہاں قرار۔'' وہ دکھ کی شدت سے روئے جا رہی تھی۔

''دیکھو زیب! میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ تم نوکری چھوڑ دو۔ میرے گھر میں کیا تم لوگوں کے لیے جگہ نہیں ہے۔ مجھے اتنی ڈھیر ساری تنخواہ ملتی ہے ہم سب کا ٹھیک ٹھاک گزارہ ہو جاتا۔ احمر بھیا کا علاج بھی ہوتا رہتا۔ لیکن تم تو مجھے غیر سمجھتی ہو نا۔'' وہ شکایتی لہجے میں بولا۔

''ہاں...... کل بھی راحیل کہہ رہے تھے کہ وہ تمہیں نرسنگ ٹریننگ کروا کر اپنے کلینک میں جاب دیں گے۔ ارے واہ ہاں...... ہاں کیا سمجھتی ہو انہیں راحیل خیر جاوید کو یہ بیچارا تو اپنی تمام تر محبت اور بینک بیلنس تمہاری نذر کر رہا ہے۔ پھر کیا ضرورت ہے دفتروں کی خاک چھاننے کی۔ مجھ سے بے عزتی کروانے کی تمہیں وہ بھی دس ہزار روپلی کی خاطر۔''

شارق کی تیز آواز سن کر وہ دونوں اچھل گئے۔ جاوید جلدی سے کھڑا ہو گیا لیکن زیب ان پر نظر ڈال کر بیٹھی رہی وہ تعظیم کے لیے بھی نہ اٹھی بلکہ بپھری بیٹھی رہی۔ آج اگر کوئی معرکہ ہونا ہی ہے تو پھر ہو ہی جائے۔

''ارے دل چاہتا ہے اس کمبخت کی گردن مروڑ دوں۔'' زیب نے دانت بھینچ کر سوچا۔

''کیوں جاوید! کیا میں نے تمہیں پہلے وارننگ نہیں دی تھی کہ یہاں رومانس نہیں چلے گا۔'' شارق نے استفسار کیا۔

''جی ہاں...... رومان پر تو صرف آپ کا پیدائشی حق ہے نا اجارہ داری ہے۔'' جاوید بڑبڑایا اور وضاحت کرنا چاہی۔

''سر آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مس زیب کی میں بہت عزت کرتا ہوں اور انہیں اپنی......''

''بہن سمجھتا ہوں۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا تم؟'' شارق گرجے۔

''سر! اس میں شک ہی کیا ہے؟'' زیب تلخی سے بولی۔ اسے غصہ آ گیا تھا۔ ''سر امیر لوگوں کے نزدیک رشتوں کی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ ہم غریب لوگ پریت پال ہوتے ہیں منہ بولے رشتوں کو نبھاتے ہیں۔ حد ہے یہ شخص خود اس قدر عیاش بدکار ہے۔ پھر بے قصور لوگوں پر کیچڑ اچھالتا تہمتیں لگاتا پھرتا ہے۔ غلیظ ذہنیت کا کمینہ بندہ۔''

''چپ...... زیب میں ابھی آپ سے بات نہیں کر رہا آپ ذرا خاموش رہیں۔'' شارق نے ڈپٹا۔

''میں کیوں خاموش رہوں اگر بات میری ہو رہی ہے تو پھر جواب بھی میں ہی دوں گی۔'' وہ تلخی سے بولی۔
شارق نے اسے قہر آلود نظروں سے دیکھا پھر جاوید کو وہاں سے جانے کا حکم دیا۔ وہ خاموشی سے باہر چلا گیا۔
شارق بھپرے ہوئے تھے۔ شارق آہستہ آہستہ قریب آئے۔ وہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی جب وہ بالکل ہی سر پر آپہنچے تو وہ پیچھے ہٹنے کی کوشش میں صوفے سے ٹکرا کر گرنے لگی تھی کہ شارق نے کاندھے تھام کر سنبھال تو لیا۔ پر دوسرے ہی جھٹکے میں وہ ان کے فراخ سینے سے بری طرح سے ٹکرائی تو وہ بولے۔
''زیب! میں تو آج تمہیں ڈانٹنے کے بعد بہت پچھتایا تھا۔ سوچا تمہارے ساتھ میں نے زیادتی کی ہے۔ میں فوراً اٹھ کر پیچھے آیا کہ تلافی کروں اور تمہاری تنخواہ میں اضافہ کروں لیکن یہاں آکر جو کچھ دیکھا ہے سنا ہے۔'' وہ رک گئے پھر حیرت سے بولے۔
''زیب میں سمجھ نہیں سکتا کہ تم اس قدر بدذوق اور خودسر احمق کیوں ہو؟ کہ مالک کو چھوڑ کر نوکر سے عشق لڑا رہی ہو؟''
''میں عشق لڑا رہی ہوں؟'' یہ سنتے ہی زیب نے غصے سے بے قابو ہو کر مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا لیکن ہاتھ شارق کے چہرے تک پہنچنے سے پہلے اس کے ہاتھوں میں آ گیا۔ شارق نے اس کو دھکیلا اور بازو مروڑ کر پشت سے لگا دیا۔ درد کی شدت سے زیب کی چیخیں نکل گئیں۔ کیسا اذیب پسند تھا وہ ظالم وحشی۔
''زیب! اب بھی موقع ہے سوچ لو۔ اگر تم مان جاؤ تو آج ہی میں روزی کو کک آؤٹ کر کے اس کی تنخواہ اور دوسرے تحائف بھی تمہیں پیش کر دیئے جائیں گے۔ ورنہ تم خود بتاؤ کہ تمہیں کیا چاہیے میں فوراً لے دوں گا۔'' انہوں نے فراخدلانہ پیشکش کی۔
''حیرت ہے آپ غریبوں کی ضرورتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کبھی تنخواہ کم کر دی تو کبھی زیادہ کی پیشکش۔ بس یہی ہے آپ کے اختیار میں۔ بڑے کم ظرف ہیں میں...... میں سب چیزوں پر لعنت بھیجتی ہوں۔'' وہ سسکی اور بازو چھڑانے کے لیے کشمکش کرنے لگی۔
شارق کے ماتھے کی رگیں پھول گئیں اس نے زیب کو دھکا دیا تو وہ اوندھے منہ صوفے پر گری۔
''ضدی، خودسر ناگن، تمہارا یہ سر تو میں جھکا کر ہی دم لوں گا۔'' وہ اپنی بے بسی پر تلملا کر رہ گئے تھے اور بودی دھمکیاں دے رہے تھے۔
''ہونہہ...... روزی کی جگہ لے لو۔ پچیس ہزار دوں گا۔'' زیب نے انہیں حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اپنا بازو مسل رہی تھی جو بری طرح دکھ رہا تھا۔ وہ دندناتے باہر چلے گئے۔
''اونہہ...... مسٹر شارق! میرے جیتے جی تو یہ سر جھکنے کا نہیں ہے۔'' زیب نے عزم سے کہا پھر پرس اٹھا کر باہر نکلی۔
اس نے جاوید کو بتایا کہ وہ گھر جا رہی ہے جاوید نے کہا کہ وہ ڈرائیور سے کہتا ہے کہ وہ اسے چھوڑ آئے لیکن زیب نے انکار کر دیا اور کہا کہ قریب ہی تو ہے گھر وہ پیدل چلی جائے گی۔ جاوید اس کی ذہنی کیفیت سمجھ رہا تھا اسے عقیدت سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو لرز کر رہ گئی۔ سیما اور بھابھی رو رہی تھیں۔
''کیا بات ہے کیا ہوا؟'' وہ گھبرا گئی۔ لیکن بھابھی شدت گریہ سے کچھ بول نہ سکیں۔

''باجی ہم لوگ کام کرنے میں مصروف تھے کہ گڑیا کو پیاس لگی یہ خود پانی پینے کے لیے اٹھی لیکن بری طرح سے گری۔ آواز سن کر ہم سب بھاگے اسے اٹھایا تو یہ کہنے لگی کہ اس کی ٹانگیں بے حس ہوگئی ہیں۔'' سیما بتاتے ہوئے روئے جارہی تھی۔ زیب ہول کر رہ گئی۔

''خدا جانے بدنصیبیوں نے ہمارے گھر ڈیرے کیوں ڈال لیے ہیں۔ ہر دکھ ہمارے مقدر میں کیوں لکھ دیا گیا ہے؟ اور ہماری وجہ سے تم بھی بے حال ہورہی ہو زیب؟'' سعدیہ بھابھی رودیں۔

''نہیں ایسی بات مت کیجیے بھابھی! ہم نے کبھی آپ کو اپنے سے الگ نہیں سمجھا اگر یہ آزمائش کا وقت آہی گیا ہے تو سب مل کر مقابلہ کریں گے۔'' زیب نے بھابھی کو گلے لگالیا۔ تبھی شہزاد، ڈاکٹر راحیل کو لے کر آگئے۔

''ڈاکٹر راحیل! میری بچی کو ٹھیک کردیجیے۔'' سعدیہ رورہی تھیں احمر بھی پریشان کھڑے تھے کہ معلوم نہیں ڈاکٹر کیا کہے گا۔ ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد تسلی دی اور کہا کہ گڑیا رانی بالکل ٹھیک ہوجائے گی اور سعدیہ وغیرہ کو ہدایت دی کہ اس کے ڈینگی بخار نہیں ہے بلکہ ٹائفائیڈ ہے اس میں ٹھنڈ کا ہوا لگنے کا خطرہ ہوتا ہے کمزوری بھی ہے وہ احتیاط رکھیں۔ اور ننھی گڑیا کی ٹانگوں میں کمزوری کی وجہ سے سکت نہیں ہے۔

پھر راحیل کے استفسار پر پتہ چلا کہ گڑیا کو پولیو کے انجکشن بھی نہیں دیئے گئے۔ تو راحیل نے انہیں ملامت کی اور بتایا کہ پولیو کے کیس بہت زیادہ ہورہے ہیں۔ انہیں چاہیے تھا کہ بچوں کو حفاظتی ٹیکے ضرور لگوانے چاہئیں تھے۔

پھر راحیل نے کہا کہ وہ خود انجکشن لاکر بچوں کو روز دے دے گا جو وقفے وقفے سے دیئے جاتے ہیں۔ زیب نے انہیں پیسے دینے چاہے تو انہوں نے سختی سے انکار کردیا۔ ''پاگل ہوئی ہو کیا؟'' لیکن زیب اپنا خالی پرس دیکھ کر بہت پریشان ہوگئی۔ پیسے تو تیزی سے ختم ہورہے تھے۔ راحیل نے احمر کو آرام کرنے کے لیے بھیج دیا پہلے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ بھابھی انہیں لے گئیں۔ سیما ان کے لیے چائے بنانے چلی گئی۔ راحیل، زیب سے باتیں کرنے لگے۔

''کیا بات ہے زیب آج آفس سے جلدی آگئیں۔ پریشان بھی لگ رہی ہو کیا شارق نے کچھ کہا سنا ہے اس نے سیکرٹری بدل لی ہے۔'' سب کے جاتے ہی راحیل نے پوچھا وہ بہت کمزور اور اپ سیٹ بھی لگ رہی تھی۔

''ہاں ڈاکٹر راحیل! میں تو تنگ آگئی ہوں۔ شارق تو مجھ سے ایسا سلوک کررہے ہیں جیسے کوئی پرانا بدلہ چکانا تھا۔ میں صبح آٹھ بجے آفس جاتی ہوں اور رات کو دس یا گیارہ بجے تک واپس آتی ہوں۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ جان بوجھ کر مجھے ستانے کے لیے کام بڑھاتے جاتے ہیں۔ دو...... دو بندوں کا کام میں اکیلی کرتی ہوں۔ کام کرکے میرے دماغ کی چولیں ہل گئی ہیں۔ تھکاوٹ کے مارے میں آنکھیں نہیں کھول سکتی۔ لیکن وہ مطمئن ہی نہیں ہوتے ماتھے سے بل نہیں جاتے ان کے۔ ہمیشہ خفا رہتے ہیں۔ ہونہہ دس دس سو روپلی پکڑا کر جیسے مجھ پر احسان عظیم کررہے ہوں۔ جی چاہتا ہے ان کے منہ پر دے ماروں وہ روپے۔''

''ہائیں...... صرف دس ہزار روپے۔'' راحیل حیران رہ گئے۔

''اس سے کہیں زیادہ تو شارق کا چوکیدار اور چپڑاسی لیتا تھا تنخواہ۔ پھر یہاں کیسے کنجوسی سوجھ گئی تھی۔''

''جی ہاں...... یہ ہوئی ہے میری ترقی کہ پچیس تیس ہزار سے دس ہزار تک پہنچ گئی ہوں۔'' زیب نے شکوہ کیا۔

''ڈاکٹر راحیل! میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں انہیں اپنے ہاتھ سے شراب نہیں پلاسکتی تھی۔ اپنی سمت بڑھے ان

کے ہاتھ جھٹک دیتی ہوں۔ اور اب تو وہ مجھے اپنی سیکرٹری سے بھی بے عزت کروانے لگے ہیں۔ وہ روزی مجھے اتنے طنطنے سے حکم دیتی ہے جیسے میں اس ذلیل ملازمہ کی بھی ملازمہ ہوں۔'' وہ غصے سے بھری ہوئی اسے شارق کے کرتوت بتانے لگی۔

''زیب! دراصل شارق بیچارے کا قصور نہیں ہے اس بدنصیب کے ساتھ نہایت جان لیوا المیے گزرے ہیں۔ بہت سی ٹریجڈیز نے اسے دیوانہ اور خبطی سا کر دیا ہے۔ وگرنہ اس قدر ہنس مکھ اور شوخ و شریر آدمی تھا وہ۔'' راحیل دوست کی طرف داری کرنے لگے۔

''ہونہہ...... کبھی ہوں گے وہ شوخ طرار ہمیں اس سے کیا؟'' زیب نے لاپرواہی سے کاندھے جھٹکے۔

''ہم نے تو انہیں ہمیشہ غصے کی بدزبانی کے عالم میں ہی دیکھا ہے۔ بدتمیزی کی حد تک بے لحاظ پایا ہے انہیں بدقماش شخص ہے وہ۔ ہمیشہ ان کی قہر برساتی آنکھیں ان کی پیشانی پر ہی چپکی دیکھی ہیں۔'' وہ جل کر بولی تو راحیل سوچتے ہوئے بولے۔

''ویسے یہ دس ہزار روپے تنخواہ تو کم ہے۔ بھئی حد ہوگئی ہے وہ تو اپنی سیکرٹری کو ہزاروں روپے دیا کرتا تھا۔ پھر تمہاری باری یہ کنجوسی کیسی؟'' راحیل نے کہا کہ وہ شارق سے بات کرے گا۔ تو زیب نے منع کر دیا۔

''خدا کے واسطے ڈاکٹر راحیل! یہ ظلم مت کیجیے گا آپ کیوں مجھے بے موت مارنا چاہتے ہیں۔ وہ شارق مجھ پر اس قدر گھناؤنے الزام لگاتے ہیں۔ میں جس سے بھی ہنس کر بات کرلوں وہ مشکوک ہو جاتے ہیں اور پھر کئی بار تو آپ کے سامنے بھی وہ ایسی دل شکن باتیں کر چکے ہیں۔'' وہ ڈر کر بولی۔

''تو پھر تم علم بغاوت بلند کر دو احتجاج کرو کہ تمہیں تمہاری محنت کا اتنا کم معاوضہ کیوں دیا جاتا ہے؟ دیکھو زیب! تمہاری خاموشی تمہارا پڑا کر دے گی۔ نقصان میں رہو گی۔'' راحیل نے سمجھایا تو زیب کے خون نے جوش مارا۔

''ڈاکٹر! تو ٹھیک ہے تو پھر کل میں ضرور ان سے صاف صاف بات کروں گی۔ اپنا جائز حق طلب کروں گی۔ میں کہوں گی کہ مجھے میری محنت کا معقول معاوضہ ملنا چاہیے۔ میں بھلا کب تک بھیا کی اور بچوں کی بے بسی دیکھتی رہوں گی۔ ارے محنت کرتی ہوں محنت تو پھر کیوں اپنے حق سے محروم رہوں۔

آج کل دس ہزار روپے میں گھر کا خرچ نہیں چلتا پھر دواؤں کا کیا بنے گا؟ میں تو کل ہی شارق کے بچے کا مزاج درست کر دوں گی۔'' وہ مارے جوش کے آستین چڑھا کر بولی تنگ آمد بجنگ آمد۔

''افوہ...... یہ ہماری بہن کس سے دنگل لڑنے جا رہی ہے بھلا؟'' اندر آتے ہوئے جاوید ٹھٹک کر دروازے کے پاس رک گئے۔ زیب کے تیور تو بہت خطرناک تھے۔ انتہائی مرنے مارنے والے۔

''آ جاؤ جاوید! تم آ جاؤ یار! تمہاری شامت نہیں آ رہی ہے۔'' راحیل ہنس کر بولے۔

''نہ...... نہ راحیل بھیا! بھلا ان عورتوں کا کیا بھروسہ کیا اعتبار بھلا اللہ کی اس مخلوق کا؟ ایسا نہ ہو پرائے غصے میں میں دھر لیا جاؤں۔ زیب غصے میں تو ہیں ہی کہیں مارے جوش کے ایک ہاتھ ہماری کھوپڑی پر جما دیں تو خوامخواہ ہمیں رات کو چمکیلا سورج دمکتا چمکتا نظر آنے لگے گا۔'' جاوید نے سہم کر وضاحت کی اور دروازے ہی میں رک کر کان پکڑ لیے تھے۔

"بھیا راحیل! اس لیے بہتر ہے کہ کمرے کی مکین سے اجازت لے کر اندر آنا چاہیے۔ ہاں...... تو کیا میں اندر آ سکتا ہوں زیب صاحبہ؟" اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"دل تو چاہتا ہے جاوید! کہ آپ کو خوب کراری باتیں سناؤں سخت سست کہوں کہ شارق کی صحبت بد میں رہ کر آپ نے ویسی دل جلی باتیں کرنی شروع کر دی ہیں کیا؟" زیب نے طنز کیا۔

"مثلاً ان عورتوں کا کیا بھروسہ؟ کھوپڑی پر ہاتھ جما دیں تو تارے نظر آنے لگیں۔ خیر آپ تشریف لے آیئے۔ کچھ نہیں کہا جائے گا آپ کو؟" زیب نے تسلی دی۔

"شارق...... ہائے زیب! یہ آپ نے کس جلاد سفاک قاتل کا نام لے لیا ہے اس وقت اور پھر مجھے اس سے عادتاً ملا دیا ہے۔ اب تو چائے پینی دشوار ہو جائے گی۔" جاوید کراہا پھر سیما کو ٹرے لاتے دیکھ کر بولا۔

"جی نہیں...... میں چائے آپ کے لیے تو نہیں لائی یہ تو ہمارے اپنے ڈاکٹر صاحب کے لیے ہے۔" سیما نے چڑایا۔

"ہائے...... ہائے اپنے ڈاکٹر صاحب!" جاوید نے جھوم کر دہرایا۔

"اب اپنے ڈاکٹر صاحب ہی کو چائے پلاؤ گے بھئی اپنے جاوید صاحب پر بھی رحم کرو نا۔ ہمارے منہ کو نشہ لگا کر اب ہٹ رہی ہیں۔ ہمیں بھی دے دیجیے نا چائے کی ایک گرما گرم پیالی۔" وہ بات کھینچ کھینچ کر بولنے لگے۔ مگر سیما نے ڈھٹائی سے نفی میں سر ہلایا۔

"ہائے ویسے دیکھو نا زیب! یہ آپ کی بہن ہے کتنی مطلبی، کتنی چالاک۔" جاوید نے شکوہ کیا۔

"جب تک بی اے کے فارم نہیں بھرے تھے ہماری کتنی خاطریں ہوتی رہی تھیں۔ گھڑی مڑی بعد پوچھا جاتا تھا۔ جاوید صاحب سموسے کھایئے گا۔ کوفتے کھایئے، ایمان سے ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔ اللہ آپ کے بال گر رہے ہیں۔ ہمیں بادام لا دیجیے۔ ہم آپ کو شربت بنا دیں گے۔ مقوی دماغ ہے افاقہ ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور ادھر ہم نے امتحان کا فارم بھروایا ادھر ان کے تیور بدل گئے ہیں ایک کپ چائے بھی ہم پر جائز نہیں رہی ہے۔" انہوں نے منہ بسورا پھر دھمکی دی۔

"اچھا بچو سیما! ابھی تو میں تمہارے لیے ٹیوٹر کا انتظام کروا رہا تھا مگر اب تم بھی چھٹی کرو۔ امتحانوں میں خالی چٹے صفحے چھوڑ کر آؤ گی۔" وہ سر ہلا کر بولے۔

"ہائے نہیں...... نہیں...... میں تو آپ کو تنگ کر رہی تھی۔ میں احسان فراموش تھوڑی ہوں جاوید صاحب! بس مذاق کر رہی تھی دیکھیے آپ کی پیالی بنا تو رہی تھی۔ ارے آپ جتنے لٹر چائے کہیں گے میں بنا بنا کر پلاؤں گی۔" سیما نے مسکراتے ہوئے دوپٹے کا پلو چہرے کے سامنے کر لیا۔

"اچھا...... تو آپ مذاق کر رہی تھیں۔ بہت اچھے بھئی۔ ہاں پیلا یرقان ہو گیا تو میرا ذمہ نہیں ہوگا۔ ویسے میں بھی تم سے مذاق کر رہا تھا۔" جاوید پورے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بولے۔

"کیسا مذاق؟" سیما نے چائے میں چینی گھولتے ہوئے ہاتھ روک لیے۔

"یہی کہ اطلاع ہے آپ کے لیے ٹیوٹر کا انتظام نہیں ہو سکا۔ وہ تو ایک گھنٹہ پڑھانے کے دو ہزار روپے تک مانگتے

ہیں۔'' وہ جلدی سے اپنی پیالی اٹھا کر بولے۔ مبادا سیما انہیں پینے ہی نہ دے۔

''ہائے یہ تو بہت رقم ہے۔ اب میں کیا کروں گی؟'' سیما ازحد پریشان ہوگئی۔ سبھی ان کی باتیں سن کر زیرلب مسکرا رہے تھے راحیل تو انتہائی دلچسپی لے رہے تھے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے جاوید کے بشاش چہرے کو تک رہے تھے۔

''بھئی ہونا کیا ہے مس رحمان! اب آپ کی انگلش میں تو کمپارٹ آجائے گی۔'' وہ مطمئن ہو کر بولے۔

''ہائے اللہ جی! جاوید صاحب آپ کتنے آرام سے فرما رہے ہیں کہ کمپارٹ آجائے گی۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''اچھا بابا! یہ بتاؤ کمپارٹ نہیں آئے گی تو کیا اسکالرشپ آئے گی؟ جب آپ کمرہ امتحان میں خالی پیپر چھوڑ کر اٹھیں گی تو؟'' جاوید نے منہ بنا کر کہا۔

''ہائے باجی!'' سیما اب زیب کی طرف مڑی اور انہیں روہانسے ہو کر دیکھا۔

''اللہ...... اب میں کیا کروں؟ آپ کو تو فرصت نہیں ہے ورنہ آپ ہی مجھے پڑھا دیتیں۔'' اس نے دہائی دی تو ڈاکٹر راحیل کو ترس آ گیا۔

''یار جاوید! تم نے بھی تو ایم اے کیا ہے انگلش مضمون میں۔ تم کیوں نہیں پڑھا دیتے سیما کو؟'' راحیل نے پوچھا۔

''ڈاکٹر بھیا! ایم اے انگلش گولڈ میڈلسٹ ہو کر ہم نے کون سا تیر مار لیا ہے۔ سارا دن آپ کے دوست شارق صاحب کا ایک فٹ لمبا جوتا ہمارے سر پر بجتا رہتا ہے۔ اور یہ سیما بی اے کر کے کون سا کارنامہ انجام دے لیں گی۔ ہم تو احمر بھیا اور زیب بھابھی کو یہی مشورہ دیں گے کہ دو ٹکے وقت پر ان کا بیاہ کر دیں تو بہت اچھا ہوگا۔'' وہ شرارت سے سیما کو دیکھ کر بولے۔

''ہائیں...... ارے شرم نہیں آتی ایسے الٹے واہیات مشورے دیتے ہوئے۔'' وہ ان کی جسارت پر حیران رہ گئی۔

''بس ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے آپ سے پڑھنے کی۔ بے شک کمپارٹ آ جائے اور آپ ذرا یہ بات کر کے تو دیکھیں احمر بھیا یا بھابھی سے آپ کی شامت لے آؤں گی۔'' وہ شرمندہ ہو کر بڑبڑاتی ہوئی چائے دانی پٹخ کر باہر چل دی۔ سب ہنسنے لگے۔

''ارے...... رے سیما! تمہیں کیا ہوا؟'' کمرے میں اندر داخل ہوئی سعدیہ بھابھی سے سیما ٹکرائی تو انہوں نے اسے سنبھال لیا۔ ''غصہ کیسا ہے؟''

پھر وہ راحیل، زیب اور جاوید کو کھلکھلا کر ہنستے دیکھ کر اسے پکڑ کر اندر آ گئیں۔ ''انہیں لوگوں نے چھیڑا ہوگا۔''

''کیوں بھئی میری پیاری سی بہن کو کس نے تنگ کیا ہے؟'' وہ مسکرا کر پوچھنے لگیں۔

''ہمارے علاوہ یہ گستاخی اور جرأت اور کون جیالا کر سکتا ہے بھابھی؟'' جاوید سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکے۔

''توبہ اللہ...... جاوید! تم دونوں تو ہر وقت بچوں کی طرح لڑتے جھگڑتے رہتے ہو۔ ہر لمحے جنگ و جدل کے لیے تیار؟'' وہ ہنسیں تو سیما منہ پھلائے ان کے پہلو سے لگ کر بیٹھ گئی۔ اس کا موڈ نہ صرف خراب تھا بلکہ وہ بڑبڑائے جا رہی تھی۔

''ہائے بھابھی جان! لڑتے ہی تو گھر بستے ہیں۔'' جاوید نے معنی خیز انداز میں ان کے کان میں سرگوشی کی۔ تو

بھابھی نے حیران ہو کر جاوید کی طرف دیکھا جو لجاجت سے انہیں دیکھ رہا تھا نگاہوں میں ایک سوال لیے۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بھابھی کو دیکھتے ہوئے یوں سر ہلایا۔ جیسے وہ کوئی التجا کر رہا ہو۔

سعدیہ حیرانی و تذبذب کے عالم میں چند لمحوں تک گم صم اسے کھوجتی نظروں سے تکتی رہیں۔ پھر جاوید کی پرخلوص آنکھوں میں وفا اور سچائیاں موجزن دیکھ کر ہنس دیں۔ پھر انہوں نے تصدیق چاہی تو جاوید نے اثبات میں سر ہلایا۔

''سچ...... کیا واقعی جاوید؟'' ان کے چہرے پر ابدی خوشیاں پھیل گئیں۔ انہوں نے جاوید کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب صوفے پر بٹھالیا۔

سب حیران ہو کر یہ نیا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ لیکن راحیل، سعدیہ بھابھی اور جاوید کے بیچ گزرنے والے قصے کو جان گئے تھے۔ انہوں نے مسکرا کر یوں سر ہلایا۔ جیسے جاوید کو اس کے صحیح فیصلے کی داد دے رہے ہوں۔ پھر مسکراتے ہوئے سگریٹ ہونٹوں میں دبالیا۔

زیب بھی الجھی نظروں سے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ سیما ایک دم شک میں مبتلا ہو کر بول اٹھی۔ ''کیوں بھابھی! کیا الٹی سیدھی ہانک رہے ہیں آپ سے یہ مسٹر جاوید؟'' وہ غصے سے بولی۔

''چپ سیما کی بچی تم ہر بات میں اپنی سوافٹ کی ٹانگ مت اٹکایا کرو۔ یہ بڑوں کی بات ہے تم جیسی احمق لڑکی کی چغلی نہیں لگائی۔ تم جاؤ جا کر اپنی گڑیوں سے کھیلو؟'' جاوید نے چمکارتے ہوئے چھیڑا۔

''دیکھا...... دیکھا بھابھی یہ تو جیسے ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ رہے ہیں۔ اب میں گڑیوں سے کھیلتی ہوں کیا؟'' سیما نے شکایت کی۔

''بھابھی دراصل میں نے آپ کے کان میں جو بات کی ہے نا یہ سیما وہی سننے کے لیے بے قرار ہو رہی ہے۔ چہ...... چہ تو یہ پتہ نہیں یہ لڑکیوں کی شرم کہاں غائب ہو کر رہ گئی ہے۔'' جاوید نے اپنے گال پیٹے تو سیما کے تن بدن میں شعلے دہکنے لگے۔

''ارے مجھے کیا ضرورت ہے آپ کی فضول باتیں سنتی پھروں آپ خود تو میرے دشمن ہیں ہی۔ اب بھابھی اور احمر بھیا کو بھی میرے خلاف اکسائیں گے بہکائیں گے۔'' وہ غصے میں زور زور سے پاؤں مارتی باہر چلی گئی۔

''اف...... ہائے لڑکی آہستہ آہستہ قدم اٹھاؤ۔ کیوں دھرتی کا سینہ چیرتی دہلاتی ہوئی جا رہی ہو۔ اللہ نہ معلوم یہ فتنہ پرور لڑاکی لڑکی کس بدنصیب کے پلے پڑے گی۔'' جاوید چیخے۔

''ارے آپ بے فکر رہیے آپ کے پلے تو نہیں پڑ رہی ہوں جناب جاوید فسادی صاحب! اور میں جس کے پلے بھی پڑوں گی جو بھی ہونا ہوگا آپ سے زیادہ خوش نصیب ہوگا۔'' یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ سن کر چپ رہتی وہ جاتے جاتے واپس پلٹی۔ اور پردہ ہٹا کر بغیر سوچے سمجھے چلائی۔

''ہاں...... ہاں ان شاء اللہ ضرور خوش نصیب ہوگا۔'' جاوید نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''ہونہہ......'' وہ زور سے دروازہ بند کر کے دندناتی ہوئی باہر چلی گئی۔ جاوید ہنستا ہوا بھابھی کے حوالے ہو گیا ان کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

''سعدیہ بھابھی! آپ میرا مطلب سمجھ گئی ہیں نا؟ پلیز مجھے اس گھر کا فرد بننے دیں۔ اپنے خاندان کا حصہ۔ پلیز

آپ مجھ یتیم غریب کو مت ٹھکرایئے گا۔'' وہ باقاعدہ ان کے گھٹنے پکڑ کر بیٹھ گیا تھا اور منت آمیز لہجے میں بول رہا تھا۔

''یہ کیا بات ہے بھابھی؟'' زیب نے کچھ حیران ہو کر پوچھا تو سعدیہ بھابھی مسکرا دیں۔

''ارے زیب بی! بات یہ ہے کہ مابدولت سچے اور پکے طریقے سے تمہارے رشتہ دار بننا چاہتے ہیں۔ بھائی نہیں تو بہنوئی بننا چاہتے ہیں۔ یعنی وہ شارق میاں بھی اس رشتے کی حقیقت اور تقدس کو نہ جھٹلا سکیں گے۔ اچھی بہن تم میری سفارش بھیا بھابھی سے کرو نا؟'' جاوید نے منت کی۔

''اوئے ہوئے۔ میں اب مطلب سمجھی ہوں۔'' وہ تو بے تحاشہ خوش ہو گئی پھر اٹھ کر جاوید کے پاس بیٹھ گئی۔

''جاوید بھیا! یہ فیصلہ تو بھابھی اور بھیا نے کرنا ہے ویسے میرا ووٹ صرف آپ کے لیے ہو گا اتنی تسلی کر لیجیے میری طرف سے۔'' زیب بے انتہا خوش تھی۔ اگر اس کی بہن سیما کو جاوید جیسا پرخلوص محنتی شریف شخص مل جائے۔ ایک مضبوط سہارا بن جائے وہ سب اس کے علاوہ بھلا اور کیا مانگتی تھیں ان حالات میں انہیں بھلا اعتراض بھی کیوں ہوتا؟

''جاوید! میں آج ہی احمر سے بات کروں گی؟'' سعدیہ نے یقین دلایا۔

''آپ بات بھی ضرور کریں اور میری سفارش بھی۔'' جاوید محبت سے بولا۔

''بھابھی جان نہ معلوم کیوں مجھے آپ سب سے اس قدر انس و پیار ہو گیا ہے۔ دراصل میں خوشیوں کے لیے ترسا ہوا تنہا انسان ہوں۔ میرے والدین عزیز واقارب کراچی کے فسادات کا شکار ہو گئے۔ تو لواحقین عزیز واقارب جن کا کاروبار کراچی میں تھا۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جان بچا کر بھاگے۔ غیر ممالک کو نکل کے باقی صرف ایک چچا زندہ بچے تھے انہوں نے کراچی میں مجھے اپنے ساتھ رکھا۔ پرورش کی اور جب میں ان کی خدمت کرنے کے قابل ہوا تو وہ مجھے چھوڑ کر موت کی وادیوں میں کھو گئے اور مجھے اتنا تنہا کر گئے چچی کے خاندان والے چچا کے گھر پر قابض ہو گئے۔ نکال دیا مجھے اب اس بھری دنیا میں میرا کوئی بھی نہیں ہے۔ دردر کی ٹھوکریں کھانے کے باوجود چھوٹی موٹی مزدوری کر کے پلا بڑھا اور پڑھا ہوں۔ آپ لوگوں کے خلوص واخلاق نے میرا دل جیت لیا ہے۔ یہاں آ کر آپ کے گھر میں مجھے وہی سکون اور سکھ ملتا ہے۔

جو کبھی اپنے والدین کے گھر آنگن میں ملتا تھا۔ سعدیہ بھابھی میری ماں جیسی شفقت دیتی ہیں۔ سچ بھابھی سعدیہ آپ کی اور احمر بھیا کی شفقت میں مجھے ماں باپ کا سایہ نظر آتا ہے اور زیب مجھے بالکل اپنی بہن رینا جیسی لگتی ہے۔'' جاوید کی بڑی بڑی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری تھیں۔

''بھابھی میں آپ لوگوں سے دور نہیں رہنا چاہتا۔'' وہ سب پہلی بار جاوید کو سنجیدہ دیکھ رہے تھے۔ ساتھ میں زیب اور سعدیہ کی آنکھیں بھر بھر آ رہی تھیں۔

''جاوید! تم مجھے بہت عزیز ہو۔ تم مطمئن رہو۔ ان شاء اللہ میں احمر کو رشتے پو رضا مند کر لوں گی۔'' بھابھی نے اس کی آنکھیں اپنے آنچل سے صاف کیں۔ تو جاوید نے بے یقینی سے انہیں دیکھا پھر بے پناہ خوش ہو گیا۔

''ہُرے (Hurrah) میری پیاری بھابھی! میری سویٹ بھابھی۔'' وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہ سب تو ناقابل یقین تھا۔ بیٹھے بٹھائے اللہ نے دلہن سمیت پورا خاندان بخش دیا تھا۔ جاوید نے بسکٹوں کی پلیٹ اٹھا کر ایک ایک بسکٹ سب کے منہ میں ٹھونس دیا۔

"جاوید یار! تم کیا ہمیں خالی بسکٹوں پر ٹرخا رہے ہو؟" راحیل بسکٹ چباتے ہوئے بولے۔

"ارے ڈاکٹر راحیل! بات پکی ہو جانے دو ان شاء اللہ لڈوؤں سے تمہارا منہ بھر دوں گا۔" وہ دو بسکٹ اٹھا کر باہر چل دیا۔

"جاوید جا کہاں رہے ہو تم؟" راحیل نے پوچھا۔

"میں ذرا سیما بیگم کا منہ میٹھا کروا آؤں۔ ہاں بھابھی میں چاہتا ہوں فی الحال سیما کو ان باتوں کی بھنک نہ پڑے۔ وہ خوامخواہ شرمائے گی سامنے نہیں آئے گی اور مجھے اس سے لڑے بغیر چین نہیں آئے گا۔ ویسے بھی میں چاہتا ہوں وہ مطمئن رہے اور مکمل یکسوئی سے امتحانوں کی تیاری کرے لیکن اگر اسے پتہ چل گیا تو وہ مجھ سے پڑھے گی نہیں۔ اور اسے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا ہر شوق پورا ہو۔" وہ یہ کہہ کر باہر چلا گیا اور سیما کو ڈھونڈنے لگا۔ احمر کے کمرے میں۔ باورچی خانہ میں۔ ہر جگہ تلاش کرنے پر بھی وہ کہیں نہ ملی۔ تو وہ لان کی طرف چل دیا۔ اچانک اس کی نظر اپنے گھر کی سیڑھیوں پر پڑی۔

وہ کتاب کھولے بیٹھی تھی اس کی پشت ان کی طرف تھی۔ وہ دبے پاؤں آگے بڑھے۔ اگرچہ کتاب گود میں کھلی رکھی تھی لیکن وہ پڑھ نہیں رہی تھی بلکہ انتہائی سُر میں گانے میں مگن تھی جاوید مسکرا دیئے پھر دبے پاؤں بڑھے۔

"پائل میں گیت ہیں چھم چھم کے
تو لاکھ چلے ری گوری تھم تھم کے
پائل میں گیت ہیں"

سیما کی پرسوز آواز ان کے کانوں میں پہنچی تو وہ بے ساختہ ہنس دیئے وہ چونک کر گھبرا کر مڑی پھر انہیں قریب دیکھ کر بری طرح سے جھینپ کر رہ گئی۔

"واہ......واہ سیما بی! یہ تم ولی کب سے ہو گئی ہو؟" جاوید نے ہنستے ہوئے پوچھا تو وہ حسب عادت چڑ گئی۔

"آخر کیا مطلب ہے کیوں فضول باتیں کرتے رہتے ہیں آپ؟" اس نے منہ بنایا۔

"اچھا تو کیا کچھ دیر پہلے تم میرے لیے گانا نہیں گا رہی تھیں وہی "تو لاکھ چلے ری گوری تھم تھم کے"

"لو مجھے کیا پڑی ہے آپ کے لیے گاؤں بس آپ میرے منہ مت لگا کریں۔" وہ ناراض ہو گئی۔

"اچھا بابا! لڑو تو نہیں مجھے ہی غلط فہمی ہو گئی تھی۔ دراصل میں ہی تھم تھم کر چوری چوری قدم اٹھاتا تمہیں ڈرانے کے لیے آرہا تھا۔ جب قریب پہنچا تو یہی سمجھا شاید تمہیں میری آمد کا الہام ہو گیا ہے اسی لیے گا رہی ہو۔ خیر مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ گانا تم گوری کے لیے گا رہی ہو سانولے کے لیے نہیں۔" وہ اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہوئے سیما کے قریب ہی بیٹھ گئے تو وہ بھنا کر اٹھ کھڑی ہوئی لیکن جاوید نے ہاتھ تھام لیا۔

"ارے......رے گوری کہاں جا رہی ہے میں تو تم سے صلح کرنے آیا ہوں۔ لو بسکٹ کھاؤ۔" وہ پیار سے بولے۔

"نہ تو بسکٹ کھاؤں گی نہ ہی کوئی صلح ولاح کروں گی۔" وہ ہاتھ چھڑانے لگی۔

"اچھا بابا کان پکڑ رہا ہوں اب تو غصہ جانے دو۔ ایمان سے میں تمہیں پڑھا دیا کروں گا تبھی منہ میٹھا کروا رہا ہوں۔"

''توبہ کریں جی! نہ اب تو میں مر کر بھی آپ سے نہیں پڑھوں گی۔'' وہ اکڑ گئی۔

''لو بھلا کیوں نہیں پڑھو گی۔ ارے بیوقوف مجھ سے اچھا تو تمہیں کوئی بھی نہیں پڑھا سکتا۔ کوئی ٹیوٹر بھی نہیں۔ جانتی ہو نہیں جانتیں؟'' اس نے خود سوال کا جواب دیا۔

''بس سارے پاکستان میں اول آیا تھا گولڈ میڈل ملا تھا مجھے انگلش لٹریچر میں پھر میں نے انگلش ایم اے کی ویلیو نہ دیکھی تو ایم بی اے کرلیا تب بھی ٹاپ کیا تھا میں نے۔'' وہ اکڑ کر بولے۔

''اونہہ...... شکل سے تو نہیں لگتا کہ گولڈ میڈل ملا ہوگا دو بار؟'' سیما سر سے پاؤں تک دیکھ کر تمسخر سے بولی۔

''ہاں ٹھیک کہا تم نے۔ شکل سے تو میں کوئی فلمی ہیرو لگتا ہوں نا'' وہ اترا کر بولے۔

''ہاں...... آج کل بدصورت ہیروز کا دور چل رہا ہے نا۔ ویسے بڑی خوش فہمی ہے اپنے بارے میں آپ کو۔'' وہ ہنس دی۔

''ارے سیما! تمہیں تو احمر بھیا نے بلوایا ہے۔ وہ تو سخت غصے میں تھے دراصل انہوں نے تمہاری سب باتیں اپنے کانوں سے سنی ہیں یہ جو تم مجھ سے لڑتے ہوئے بدتمیزی کر رہی تھیں نا۔ اور میں بھی خوب مرچ مصالحے لگا کر آیا ہوں۔ اب تمہاری شامت اور گت بنے گی تم چلو تو سہی۔'' وہ ایک دم کھڑے ہو کر دھمکا کر بولے تو سیما تمتما اٹھی۔

''آپ کو اور کام ہی کیا ہے بس ہر وقت مرچ مصالحے ہی لگاتے رہتے ہیں۔ اب بھلا کیا ضرورت تھی چغل خوری کرنے کی۔'' اسے بے پناہ غصہ آ گیا۔

''اچھا تو اب چلتی کیوں نہیں ہو اس وقت تو بڑے طنطنے سے فرمایا جا رہا تھا کہ میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ چلو نا تو پھر اب کیوں دبک کر بیٹھی ہو۔'' اس نے مزید شہ دی۔

''ارے ڈرتی ہے میری...... میری......'' وہ رک کر ہکلا کر بولتے بولتے رہ گئی پھر تنتناتی ہوئی باہر چل دی۔

''ہاں...... ہاں کہہ دو ڈرتی ہے میری جوتی۔'' جاوید نے نقل کی۔

''بدتہذیب لڑکی! مجھے تو تمہارے مستقبل کا فکر کھائے جا رہا ہے آخر پرائے گھر جا کر کیا کرو گی تم؟ نصیب جل جائیں گے اس بدبخت کے۔'' وہ نہایت افسوس سے بولا تو سیما کا بس نہیں چل رہا تھا کہ انہیں نوچ کھسوٹ لے۔

''آپ کو بھلا کیوں ہمدردی ہو رہی اس بدبخت سے۔'' وہ چیخی۔

''ہائے تقدیر کی خبر کس کو ہے۔ شاید وہ بیچارہ کم نصیب میں ہی ہو جاؤں تو۔'' وہ منہ لٹکا کر بولے۔

''اونہہ...... دریا میں کود کر خودکشی کرلوں گی۔ لیکن کبھی بھی آپ سے...... آپ سے......'' وہ غصے سے سرخ ہوگئی۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتی کمرے میں داخل ہوگئی۔ جاوید کے جانے کے بعد احمر بھی اپنے کمرے سے اٹھ کر وہیں چلے آئے تھے اور راحیل سے مصروف گفتگو تھے۔ سیما بیچاری انجان دندناتی ہوئی اندر گھسی وہ تو جاوید کی گپ کو سچ سمجھے ہوئی تھی۔

''بھیا! خدا کی قسم میں نے تو ان کو کچھ بھی نہیں کہا ہے۔'' وہ عین ان کے سامنے جا ٹھہری۔ ''خوامخواہ یہ مجھے ستاتے جلاتے رہتے ہیں۔ پھر اگر میں چڑ کر کوئی منہ توڑ کرارا جواب دوں تو یہ شکایتی ٹٹو جھٹ آپ کو شکایت لگا دیتے ہیں۔'' وہ آنکھوں میں آنسو بھرے بولتی چلی گئی۔

''ارے کیا بات ہے سیما کس سے جھگڑا ہو گیا ہے تمہارا؟ کون شکایتی ٹٹو ہے؟ مجھے تو تمہاری بات کی سمجھ نہیں آ رہی

ہے۔'' احمر حیران رہ گئے۔
''لو بھلا اور کس سے ہوگا جھگڑا احمر بھیا! یہی آپ کے دوست شرپسند تخریب کار جاوید صاحب ہیں! جو آپ سے میری جھوٹی شکایتیں لگاتے رہتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہوئے خدا کے قہر سے بھی نہیں ڈرتے۔'' وہ دانت پیس کر اسے دیکھنے لگی جو مزے سے بسکٹ کھا رہا تھا۔ پردے کے پیچھے کھڑا۔
''اوہو...... سیما! یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' احمر نے ڈانٹا۔
''مجھے تو جاوید نے کبھی کوئی شکایت نہیں کی ہے تمہاری۔ بلکہ وہ ملا ہی نہیں ہے تو پھر تم کیا واہی تباہی بک رہی ہو؟'' وہ خفگی سے بولے۔
''احمر بھیا! تو کیا...... کیا آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں اور...... اور ابھی آپ نے مجھے بلوایا نہیں تھا۔'' وہ دنگ رہ گئی۔
''نہ تو میں تم سے ناراض ہوں نہ ہی تمہیں بلوایا ہے۔'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولے۔
''اچھا تو یہ سب شرارت جاوید صاحب کی ہے؟'' انہیں ہی کہیں چین نہیں آتا۔'' سیما تیزی سے بولی۔
''سیما...... سیما! پھر تم نے جاوید کی بات کی ہے۔'' سعدیہ بھابھی نے ٹوکا۔
''کیا بات ہے؟ یہ میرا ذکر خیر کس سلسلے میں ہو رہا ہے۔'' جاوید جو پردے کے پیچھے چھپا منہ دبائے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ منہنی سی شکل بنائے لاپرواہی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر مسکراتے ہوئے اندر آ گئے۔
''یہ...... یہ پوچھیے ان سے جاوید صاحب! آپ نے جھوٹ کیوں بولا تھا کہ بھیا ناراض ہیں اور مجھے بلوایا ہے۔'' سیما نے آنکھیں نکال کر گھورا۔
''ہائیں...... بھیا نے کب بلایا ہے۔ وہ تو میں کہہ رہا تھا کہ جا کر بسکٹ کھا لو۔ تم اس وقت اتنی بھوکی نظروں سے جو مجھے کھاتے دیکھ رہی تھیں مجھے تو نظر لگنے کا اندیشہ تھا۔ میں نے سوچا تمہیں ضرور چکھنے چاہئیں۔ ورنہ ہمیں بھی بمشکل ہضم ہوں گے۔'' وہ معصومیت سے بولے۔
سیما کا دل تو چاہ رہا تھا انہیں خوب کو سنے دے ایسی ایسی جلی کٹی سنائے کہ وہ کان بند کر کے بھاگ نکلیں مگر جو جاوید کی ڈھٹائی دیکھتے ہوئے مسلسل لگتا تھا۔ کہ بھیا، بھابھی سے جوتے لگنے کے امکان تھے۔ وہ جاوید کو دیکھ کر دانت پیس کر رہ گئی۔ مٹھیاں بار بار بند کر رہی تھی کھول رہی تھی۔
''احمر بھیا! یہ سیما پیچھے پڑی ہوئی ہے کہہ رہی تھی کہ میں انہیں انگلش پڑھا دیا کروں کیونکہ امتحانوں میں چند ہفتے رہ گئے ہیں۔'' جاوید نے یکا یک سیریس ہو کر کہا۔
''تو بھیا میں نے مناسب سمجھا کہ آپ سے اجازت لے لوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو۔''
''واہ...... جاوید بھیا! یہ تو تمہاری بڑی مہربانی ہوگی اگر تم اپنی مصروفیت کے باوجود کچھ وقت اسے دے سکو؟'' احمر نے کہا۔ اور سیما وہ جو اتنے غصے میں کھڑی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے نرمی و بے چینی سی رخ پر چھانے لگی۔
''بھئی اب وہ مشین یا ٹیپ ریکارڈ تو نہ تھی کہ آن آف سسٹم ہوتا۔ انسان تھی اپنے جذبات تاثرات کو آہستہ آہستہ

ہی کنٹرول کرنا تھا۔ اور پھر حسب منشاری ایکٹ کرنا تھا۔ اب بھی کیوں کہ پسندیدہ ٹاپک زیر بحث تھا۔ وہ ایک دم خوش ہوگئی غصہ گیا بھاڑ میں۔ سیما ایک دم ہی موم کی طرح سے پگھلنے لگی تھی۔

پڑھائی لکھائی کا شروع ہی سے بے حد شوق تھا اور غیر معمولی ذہین بھی تھی جب سے پڑھائی چھوٹی تھی۔ اسے بے پناہ دکھ پہنچا تھا چھپ چھپ کر روتی تھی وہ لیکن مجبوریاں آڑے آرہی تھیں۔ اب جو اچانک اللہ تعالیٰ نے سبب ایک ذریعہ بنا دیا تھا تو وہ بے پناہ خوش ہورہی تھی۔

''احمر بھیا پڑھا تو میں دوں گا اسے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس لڑکی سیما کو بدعادت ہے بحث تکرار کرنے کی۔ جھگڑنے کی جو بھی بات کرو' یہ انکار کرتی لڑتی ہے اور ایسے بے ادب گستاخ شاگرد کی میں تو خوب پٹائی کرتا ہوں۔ پھر کیا فائدہ میں جو کبھی غصے میں ان کا کان پکڑ لوں اور یہ برا مان کر لڑ پڑیں۔'' وہ کنکھیوں سے بے چین ہوتی سیما کو دیکھ کر بولے۔

''نہیں......نہیں جاوید صاحب! میں تو......'' لیکن جاوید نے جھٹ بات کاٹی۔

''دیکھا...... دیکھا احمر بھائی! ابھی انہوں نے ''نہیں نہیں'' کی تکرار شروع کر دی ہے یہ تو میرا بلڈ پریشر بڑھائے رکھے گی۔ جہ جی میں تو بمشکل پڑھا پاؤں گا۔'' جاوید نے بن کر کہا۔

''اللہ......کوئی میری بھی تو سنے۔ میں تو کہہ رہی تھی کہ میں آپ کی ہر بات مانوں گی۔ چائے بنا کر پلاؤں گی۔ جھگڑا نہیں کروں گی۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''سیما ویسے یقین تو نہیں آتا خیر کیا تم پڑھائی سنجیدگی سے کرو گی مجھ سے تمیز سے بات کیا کرو گی۔'' جاوید نے یقین کرنے کی خاطر پوچھا۔

''ہاں جی......'' اس نے بڑے خلوص سے سر ہلایا۔

''اچھا میں تمہیں پڑھاؤں اس کے بدلے تم مجھے روزانہ چائے پلایا کرو گی اور کھانا پکانا سکھاؤ گی۔'' جاوید نے عجیب شرط رکھی۔

''کھانا پکانا سکھاؤں۔ ہاں......ہاں......کیوں نہیں۔'' اس نے کچھ حیران ہو کر حامی بھری۔

''ویسے کیا تم دیوانی ہو کوئی پیچ ڈھیلا ہے نا تمہارا۔'' چونکہ وہ جلدی جلدی بول رہے تھے اور سیما بھی تیزی سے جواب دے رہی تھی۔

''ہاں......جی......ی ی......'' وہ اسی جھونک میں بولی۔ پھر اپنی غلطی اور جاوید کی زیادتی کا احساس ہونے پر پیشانی پر بل پڑ گئے۔ سب بے اختیار ہنسنے لگے۔ سیما بڑبڑانے لگی۔

''اونہوں......سیما بی! آج سے تم باقاعدہ میری شاگرد ہو۔ اب بدتمیزی نہیں چلے گی کل سے تم شام چھ بجے تیار رہنا۔'' انہوں نے حکم دیا۔

''ہاں......اب فوراً اٹھو کھانا لگواؤ بھوک لگی ہے۔'' جاوید رعب سے بولے۔

''جی سر! بس ایک منٹ میں گرم کر کے لگاتی ہوں۔'' وہ نہایت ادب سے بولی اور وہاں سے بھاگ نکلی۔

''اب قابو آئی ہے شیرنی۔'' جاوید ہنسے۔

"جاوید تم اس کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو تمہیں پتہ ہے نا کہ اسے تعلیم حاصل کرنے کا دیوانگی کی حد تک شوق ہے۔" بھابھی نے کہا۔

"ہاں...... یہ آپ کھانا پکانا کیوں سیکھ رہے ہیں بھلا؟" راحیل نے پوچھا۔

تو جاوید نے بتایا۔ "افسروں کا کھانا خاص طور پر وہ جو چھڑے کنوارے ہیں ان کا کھانا میس میں پکتا ہے اور جس دن شارق کا موڈ خراب ہوتا ہے تو وہ نمک سالن میں ڈلوانا بند کروا دیتے ہیں جس سے کھانا بدمزا ہو جاتا ہے تو اب اگر سزا ملی تو وہ کم از کم اپنا کھانا خود گھر میں تیار تو کر سکیں گے نا۔" جاوید نے یہ بھی بتایا کہ جب سے احمر بھیا وغیرہ آئے ہیں وہ روزانہ ان کے ہاں سے عرصے کے بعد مزیدار کھانے کھا رہا ہے۔

"جاوید یار! شارق کا تو مجھے بہت زیادہ فکر ہے۔ وہ بیچارہ تو نفسیاتی مریض بن کر رہ گیا ہے۔" راحیل نے افسردگی سے کہا۔

"کیوں کیا ہوا ہے انہیں؟" احمر نے دلچسپی سے پوچھا زیب اور بھابھی کا چہرہ بھی سوالیہ انداز میں اٹھا ہوا تھا۔

"بیچارے کی قسمت ہی خراب تھی۔ یہی ہوا کہ شادی کے بعد بیوی سے بن نہ آئی۔ یہ سیدھے سادھے شریف سے تھے۔ بے انتہا محنتی انسان اور بیوی تیز وطرار عورت تھی۔ اس نے ان کے بہنوئی سے افیئر چلا کر ان سے طلاق لے لی اور شارق صاحب کے بہنوئی کے ساتھ فرار ہو گئی۔ ظاہر ہے غیرت مند مرد تھے۔ انہیں بہت بے عزتی محسوس ہوئی۔ بالکل ہی بدل کر رہ گئے عورتوں سے سخت نفرت کرنے لگے۔ کچھ اذیت پسند سے ہو گئے ہیں انہیں تکلیف دے کر دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔" راحیل ٹالنے والے انداز سے بولے۔ "اب بات غلطی سے شروع کر بیٹھے تھے۔ تو سب ہی خاموش ہو گئے۔ پھر چند لمحوں بعد کھانا کھانے کے لیے اٹھ گئے۔ سیما بلانے آئی تھی۔

اگرچہ وہ سب ہی کھانا کھاتے ہوئے خوش گپیوں میں مگن تھے جاوید اور سیما کی نوک جھونک سے محظوظ ہوتے رہے تھے۔ لیکن زیب گم صم تھی۔ بار بار شارق کی شکل کبھی اس کا خون آلود چہرہ نیون سائین کی طرح جل بجھ رہا تھا۔

راحیل کے منہ سے شارق کی مختصری کہانی سن کر وہ کچھ کھوئی کھوئی اور سوچوں میں غلطاں تھی۔

"اچھا...... تو یہ ہے شارق کے اس قدر اکھڑ بدزبان اور بے اعتبار ہونے کی وجہ بیوی کی بے وفائی نے دل داغدار کر دیا ہو گا تبھی تو وہ صنف نازک کے جانی دشمن ہو گئے ہوں گے؟" زیب کا ذہن چکرا رہا تھا۔ مگر یہ بھی تو کوئی نارمل رویہ نہیں تھا۔ جس کے وہ عادی ہو چکے تھے وہ گندگی کے ڈھیر میں اترتے جا رہے تھے۔

○●○

چند دنوں سے پرنسز سارہ کی طبیعت کچھ گری گری سی تھی دو دن سے وہ کوئی پروگرام نہیں کر رہی تھی۔ ویسے بھی ہفتے میں چار ہی دن وہ پرفارم کرتی تھی۔ جب سے پرویز سے وہ تلخ سی ملاقات ہوئی تھی ٹینا کے ہاں وہ بہت اداس اور بجھی بجھی رہنے لگی تھی۔ اپنی ذات کا اکیلا پن اگرچہ اپنے جدید خوبصورت بڑے ماڈرن سے بنگلے میں وہ اپنے چار پانچ ملازموں کے ہمراہ رہتی تھی۔

ایک خانساماں ایک بیرا پھر ایک ادھیڑ عمر کی ملازمہ رحمت اور اس کا بیٹا شکورا پھر چوکیدار یہ سب وہیں سرونٹ کوارٹر میں رہتے تھے اور اس گھر میں ان لوگوں کی بدولت ذرا زندگی کا احساس رہتا تھا۔ چہل پہل رہتی تھی۔ اگرچہ سارہ کی

طبیعت مضمحل سی تھی لیکن گھر کے سناٹے بھی تو دل کو ویران قبرستان کے مانند ہراساں کرتے تھے۔ ہر جانب آرزوؤں اور ارمانوں کے لاشے تھراتے تھرکتے نظر آتے تھے۔ تبھی تو وہ اس مرگھٹ سے نکل بھاگتی تھی بے مقصد ہی کار سڑکوں پر دوڑاتی ساحل پر چلی جاتی آتی جاتی تیز تند لہروں میں کھڑی بھیگتی رہتی۔

لیکن جلد ہی دل کے طوفان اس منہ زور سمندر کی لہروں سے زیادہ تند اور خوفناک ہو جاتے۔ اپنے ہی عذابوں میں اپنے ہی من کے سمندر میں وجود ڈوبنے لگتا تو وہ وہاں سے بھی راہ فرار اختیار کرتی۔

کوئی سہیلی نہ تھی جس کے پاس وہ چند گھڑیاں سکون کی بیتا سکتی دکھ سکھ بانٹ سکتی۔ جب کوئی رشتہ دار عزیز اس کی شکل تک دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا تو پھر وہ کس منہ سے وہاں جاتی؟

ہاں...... لے دے کہ ایک بھٹکا ہوا شکستہ سا دوست شارق ہی تھا جس کی قربت میں اسے پناہ ملتی تھی۔ تب وہ کلب چلی جاتی شارق کا موڈ اچھا ہوتا تھا تو چند ایک گھنٹے اچھے گزر جاتے۔ وہ کچھ ہنس بول کر دل کا بوجھ کچھ ہلکا کر لیتی۔ وگرنہ تو شارق خون کا پیاسا ہو بیٹھتا تھا۔ کمینے پن اور طوطا چشمی سے کام لیتے ہوئے انتہائی زہریلی قسم کے طنز کرتا گھاؤ لگاتا۔ کبھی تو سارہ اس کی مدہوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے چشم پوشی سے کام لیتی۔ اس کی لغو باتوں کو ان سنی کر دیتی اور کبھی جب اس کا اپنا موڈ خراب ہوتا تھا تو وہ بھی شارق کو ترکی بہ ترکی جواب دیتی اور کراری سناتی۔ یا تو وہ چپ ہو جاتا یا پھر اٹھ کر چلا جاتا تھا۔

آج بھی سارہ، شارق کی ٹیبل پر تھی وہیں بیٹھے تھے نہ جانے شارق کیوں بے چین اور اپ سیٹ سا تھا۔ بے تحاشہ مہ نوشی ہو رہی تھی اور اسے اس حال میں دیکھ کر سارہ بھی مضطرب ہو رہی تھی۔ اسے روکنا منع کرنا چاہتی تھی۔

''ان دنوں شارق تم نے بہت پینی شروع کر دی ہے پلیز بس کرو۔'' سارہ نے بوتل اس کے سامنے سے ہٹا دی لیکن شارق نے اس کا ہاتھ روک لیا اور خفگی سے دیکھا۔

''دیکھو سارہ! تمہاری میری دوستی اور ساتھ اس وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک کہ تم مجھے روک ٹوک نہیں کرو گی۔ اگر تمہیں میرا پینا پلانا ناگوار گزر رہا ہے تو اٹھ کر دوسری ٹیبل پر چلی جاؤ۔'' وہ رکھائی سے بولا۔

''اف......توبہ اللہ پورے طوطے ہو تم تو ایک منٹ میں آنکھیں بدل لیتے ہو۔'' اس نے شارق کے ناتھ پر مکا مارا۔

''سارہ! میں تو کہتا ہوں تم مجھے روکنے کے بجائے خود کیوں نہیں پینا شروع کر دیتیں۔'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''تم بھی شکستہ دل ہو۔ وجود چھید چھید ہے تمہارا بے سکون ہو کر سڑکوں ساحلوں پر بھٹکتی پھرتی ہو۔ تم بھی دنیا کی ٹھکرائی ہوئی ہو۔ میری مانو تو خوب پیا کرو غم و فکر بھول جاؤ گی۔'' اس نے خلوص سے مشورہ دیا۔

''اچھا...... میں یہ تلخ گھونٹ پی کر غم بھول جاؤں گی۔'' وہ ہنس دی تھی۔

''پہلے شارق تم مجھے یہ یقین دلا دو کہ پینے کے بعد میں ہمیشہ کے لیے دکھوں تفکرات سے آزاد ہو جاؤں گی۔ تو خدا کی قسم میں بھی تمہارا ساتھ دیا کروں گی۔ ضرور پیوں گی۔'' وہ پر یقین انداز سے بولی۔

''لیکن شارق! اس مدہوشی کا کیا فائدہ جو ہوش آنے پر زیادہ اذیت پہنچائے۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''ارے صبا! بھلا ہوش میں آنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟'' شارق نے پوچھا۔ ''تم پیئو دن رات پیئو اور اپنی دنیا میں گم رہو یار! میں تو حیران ہوں کہ تم اب تک زندہ کیسے ہو؟ یہ غموں کے دکھوں کے انباروں تلے دبی نرم نازک سی لڑکی کیسے اس قدر بوجھ برداشت کیے بیٹھی ہے۔ کیسے زندگی کی سانسیں لے رہی تھی۔'' وہ واقعی حیران تھے اور سارہ بے ساختہ ہنس دی۔

''اچھا تو شارق! پھر تم میری ہمت کی داد تو دو کہ عورت ہو کر بھی میرے اعصاب فولاد کی طرح مضبوط ہیں۔ جو ستم گزرے دل پر سہہ جاتی ہوں تمہاری طرح مصنوعی سہارے تو نہیں ڈھونڈتی نا۔'' اس نے طنز کیا۔

''اونہہ...... تم بہادر نہیں بالکل پاگل ہو دیوانی ہو۔'' شارق جھوم کر بولے۔ کثرت مے نوشی سے آنکھیں انگارہ سی ہو رہی تھیں۔

''خیر شارق! یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ پاگل تم ہو یا میں۔'' سارہ نے کاندھے جھٹکے۔

''ہاں شارق! وہ جو تمہاری سیکرٹری ہے اس کا کیا حال ہے؟''

''کون...... وہ روزی! بالکل ٹھیک ہے مجھ سے خوب محبت جتا جتا کر دولت سمیٹ رہی ہے۔'' وہ لاپرواہی سے بولے۔

''خیر...... خیر...... جب تم لٹ کر مطمئن ہو تو میں کون ہوتی ہوں تمہیں روکنے سمجھانے والی۔ ویسے میں روزی نہیں زیب کی بات کر رہی تھی۔ کہاں ہے وہ؟'' سارہ نے منہ بنایا۔

''اچھا...... وہ لڑکی زیب!'' شارق نے کاندھے جھٹکے۔

''یار! وہ تو ایک دم احمق ہے۔ اس نے میری بات نہیں مانی تو میں نے اس کی تنخواہ کم کر کے صرف دس ہزار روپے کر دی ہے۔ اب وہ آفس میں صبح سے شام تک گدھوں کی طرح کام میں جتی رہتی ہے۔ لیکن وہ اڑیل ٹٹو منہ سے کچھ پھوٹتی ہی نہیں۔ کچھ تو بکے وہ کمبخت برف کا تودہ...... ارے بھئی ذرا تو احتجاج کرے نا۔'' شارق جھنجھلا کر بولے۔

''دیکھو نا اگر وہ میری بات مان لیتی تو اب روپیوں سے کھیل رہی ہوتی کمبخت۔'' وہ شان تفاخر سے بولے سارہ کی طبیعت مکدر ہو گئی تھی۔

''بھئی شارق! بڑے ہی بے غیرت انسان ہو تم تو۔'' وہ غصے سے بولی۔

''اس بیچاری کی مجبوری اور ضرورت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے تھی صرف دس ہزار روپے دیتے ہو تم اسے۔'' سارہ کے غصے سے لال بھبھوکے چہرے کو دیکھ کر وہ ہنس دیئے۔

''یار! کوئی بھی شراب پینے والا بندہ کبھی بھی غیرت مند نہیں ہو سکتا۔'' اس نے گویا انکشاف کیا۔ خود بھی تو اس کیٹگری میں شامل تھا۔

''اب رہی سارہ ڈیئر وہ مجبوری خریدنے والی بات تو یہ مسئلہ اب میری انا کا سوال بن چکا ہے۔ عزت مردانگی کا۔ میں اس شریف زادی کو مجبوریوں سمیت اتنا خریدنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنا پُرغرور سرکش سر، میرے قدموں میں جھکانے میرے تلوے چاٹنے پر مجبور ہو جائے۔'' وہ کرختگی سے کہتے ہوئے مسکرائے۔

''توبہ...... تمہارے یہ پرتکبر الفاظ سن کر میرے وجود میں کپکپی دوڑ گئی ہے۔ شارق ایسا لگتا ہے جیسے اس شریف

زادی کا سر جھکاتے جھکاتے اپنے پاؤں چٹواتے دھلواتے ہوئے کہیں تم اپنا ہی یہ پتھر سا دل اس کے قدموں میں نہ رکھ بیٹھو۔" وہ وثوق سے بولی۔

"اوشیٹ اپ......" وہ اچھل ہی تو گیا۔ یہ تو ان کے لیے انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔ پھر وہ شکست کا تصور کیسے کرتے۔

"نہیں......ایسا نہیں ہو سکتا؟" وہ یقین سے بولے۔

"سارہ! غصہ تو مجھے اس بات پر آتا ہے کہ وہ جاوید جیسے دو ٹکے کے ملازم کے کندھے سے لگ کر رو لیتی ہے۔ اسے اپنا ہمدرد اور دوست سمجھتی ہے۔ دکھ سکھ اس سے بانٹتی ہے بازاروں میں گھومتی شاپنگ کرتی پھرتی ہے۔ اس کو گھریلو راز بتاتی ہے اپنے مسائل میں شامل کرتی ہے۔ وہ دونوں سر جوڑے گھل مل کر باتیں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن میرے ساتھ؟" اس نے غصے سے گلاس میز پر رکھا۔ "میرے ساتھ اس نے کبھی سیدھے منہ بات نہیں کی ہمیشہ محتاج رہتی ہے۔ کیوں آخر کیوں؟" وہ جھنجھلا کر بولے۔

"ممکن ہے بلکہ یقیناً اسے جاوید میں وہ شرافت وہ آدمیت نظر آتی ہوگی جو تم میں سرے سے ہے ہی نہیں۔ جس سے تم فارغ ہو۔" پھر شارق کے بدلتے تیور دیکھ کر تنبیہی انداز میں بولی۔ جو یہ بات سن کر ایک دم لال بھبھوکا ہو گیا تھا۔

"دیکھو......دیکھو مسٹر شارق رضا! غلطی سے بھی مجھ سے جھگڑا کرنے الجھنے کی کوشش مت کرنا تم۔ ورنہ شدتوں سے پچھتاؤ گے اور میں ابھی اسی بوتل سے تمہارا سر پھوڑ کر رکھ دوں گی ہاں۔"

سارہ نے نہایت خطرناک انداز سے کہا تو شارق کو یقین آ گیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے اس پر عمل بھی کر ڈالے گی۔ وہ ضبط کر گئے اور تبھی اسے گھورتے ہوئے گلاس اٹھا لیا۔ پھر پر تکبر نظروں سے دیکھنے لگے۔

"سارہ! کبھی تو تم بھی مجھے اس زیب کی طرح نظر آتی ہو۔ اس کی دوسری کاپی۔ اس نے بھی تو میرا سر پھوڑ دیا تھا۔ تم ویسی ہی ہو۔ اجڈ، گنوار بیوقوف ڈھیٹ۔ دل چاہتا ہے تمہاری گردن دبا دوں۔" وہ غرائے۔

اس سے پہلے کہ سارہ کوئی تلخ سا جواب دیتی اس کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ اور پرویز پر پڑیں پھر اسے اپنی سمت بڑھتا دیکھ کر سارہ کا ہشاش بشاش چہرہ کملا گیا۔ وہ گھبرا کر بولی۔

"شش......شارق! وہ......وہ پرویز......ہماری طرف آ رہا ہے۔" وہ گویا سہم سی گئی تھی۔

"ویری گڈ......اچھا ہے آنے دو۔ پھر سے کر لو اس سے دوستی خوب فلرٹ کرو اس سے رچا لو چپکے سے بیاہ مزے کرنا۔ تم مان لو نا ان کا مطالبہ؟" وہ فوراً انتقامی انداز سے بولا۔ "بہت طرفداری کر رہی تھی نا زیب کی یہی موقع تھا بدلہ لینے کا؟"

سارہ نے جھلا کر میز کے نیچے سے اس خود غرض انسان کو اپنی جوتی کی ہیل سے اس کے بوٹ پر ٹھوکر دے ماری۔

"کمینے شرابی کم ظرف مجھے تمہارے مشوروں کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ میں...... میں اپنی حفاظت کر ہی لوں گی۔" وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر دوسری ٹیبل پر جا بیٹھی اور شارق پر ایک قہر آلود نظر ڈال کر بڑبڑاتے ہوئے منہ پھیر لیا۔ "یار مار کمینہ کہیں کا۔"

"اللہ اس طرح بات کرتے ہوئے تو یہ بالکل زیب لگ رہی ہے کمبخت۔" وہ بڑبڑائے پھر گردن موڑ کر پرویز کو دیکھا۔

''ہیلو صبا ڈارلنگ۔'' پرویز نے قریب آتے ہی زور سے وش کیا تھا۔ وہ بڑا پرجوش نظر آرہا تھا۔ بہت سے لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پہلے بھی بہت سی نظریں سارہ کے دلکش سراپے میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ جو پلین گلابی کُرتے پاجامے میں سب سے زیادہ ممتاز نظر آرہی تھی۔ پرویز میز پر دونوں ہاتھ ٹکا کر جھکا تھا۔

''صبا! تو پھر تم نے میری درخواست پر غور تو ضرور کیا ہوگا؟'' وہ نہایت وثوق سے پوچھتا ہوا کرسی پر بیٹھنے لگا تو سارہ کا لہو رگ رگ میں گویا کھول اٹھا۔

''اے مسٹر! تم یہاں نہیں بیٹھ سکتے فوراً اٹھ جاؤ یہاں سے۔'' سارہ کے لہجے کی سختی کو محسوس کر کے پرویز تو کیا شارق نے بھی چونک کر سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ مگر وہ یا تو حواسوں میں نہ تھا۔ یا پھر ڈھٹائی دکھا رہا تھا۔

''پلیز صبا! تمہارا یہ دمکتا ہوا حُسن یہ تمہارا گدرایا خوبصورت سراپہ، یہ کشش مجھے تمہاری طرف کھینچتی ہے۔ بے بس ہو گیا ہوں میں بس تم ایک بار مان جاؤ میں تم سے شادی کرنے پر بھی تیار ہوں۔'' پرویز نے صبا کا ہاتھ جکڑ لیا۔ وہ شاید نشے میں تھا۔

سارہ تڑپ کر اٹھی اس نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا لیا اور اسے دور دھکیلا۔ مگر پرویز نے آگے بڑھ کر دوبارہ اس کا ہاتھ تھامنا چاہا۔ سارہ نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر پوری طاقت سے اس شیطان کے منہ پر طمانچہ مارا۔ تو پرویز کے قدم جیسے ضرب سے اکھڑ گئے وہ چکراتا ہوا الٹے قدموں پیچھے ہٹا لیکن کرسی سے ٹکراتا نیچے جا گرا تھا۔

ایک شور سا برپا ہو گیا بہت سے لوگ کھڑے ہو گئے۔ سارہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح گرے ہوئے پرویز کے سر پر تنی ہوئی کھڑی تھی اس کا چہرہ طیش و صدمے سے گویا آتشیں سا ہو کر دمک رہا تھا نگاہوں میں سے شعلے نکل رہے تھے۔

''کیا بات ہے کیا ہوا پرنسز؟'' بہت سے لوگ لپک کر آ گئے۔ سارہ کلب کی ہر دلعزیز فنکارہ تھی۔ منیجر بھاگتا ہوا آ گیا۔ سب اسٹاف اکٹھا ہو گیا۔

''کچھ نہیں منیجر صاحب! مسٹر پرویز نے میری انسلٹ کی ہے اس لیے مجھے اپنے ہاتھوں کو تکلیف دے کر انہیں ذرا حد میں رکھنے کی کوشش کرنی پڑی۔'' وہ بڑے وقار سے بولی۔

پرویز منہ سہلاتا چکراتا ہوا سر جھٹکتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا۔ کچھ لڑکوں نے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔ آخر پرستار تھے سارہ کے۔ لیکن سارہ بات بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔ پرویز جیسے مرد کے منہ لگنا خطرے سے خالی تو نہ تھا۔ وہ تو اب بھی شدید نقصان پہنچا سکتا تھا۔ کیا خبر جھنجلا کر وہ لوگوں کے سامنے ہی صباحت علی سے سارہ تک کی کہانی سب لوگوں کو سنا دیتا اپنے تعلق کا چرچا کرتا۔ اس کے خاندان کا نام ان سب لوگوں کے سامنے افشا کر دیتا۔ پھر کیا ہوتا۔ بے بس سارہ کا دل تو چاہتا تھا کہ وہ اس بے وفا بے غیرت مرد کے ہاتھوں سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دے لیکن اس نے ضبط کے دامن کو ہاتھوں سے نہ چھوڑا اور جو لوگ اب پرویز کا گریبان تھامے صبا کے منہ سے نکلے ایک لفظ کے منتظر تھے۔ ان سے مخاطب ہوئی۔

''پلیز اسے چھوڑ دیجیے اس ذلیل انسان کے لیے یہی کافی ہے۔'' سارہ کے کہنے پر وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے۔

''اور سن لو پرویز! آئندہ تم نے مجھ سے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ حقارت سے بولی تو پرویز احساس توہین سے لرز اٹھا آخر کم ظرف اور گھٹیا انسان تھا نا بھڑک گیا تھا۔

''صباحت! تم نے مجھے تماشہ بنا کر ان لوگوں سے میری بے عزتی کروا کر اچھا نہیں کیا ہے۔'' وہ غرایا۔ ''میں اب تم سے بدلہ ضرور لوں گا چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔'' وہ نگاہوں میں سفاکی رچائے بولا۔

''مسٹر سنا نہیں ہے تم نے پرنسز تم سے بات نہیں کرنا چاہتیں۔ چلو کھسکو چلتے پھرتے نظر آؤ۔'' ہوٹل کے منیجر نے پرویز کا کاندھا ہلا کر غصے سے کہا تو پرویز کڑی نظروں سے سارہ کو دیکھتا باہر چلا گیا۔

سارہ نے منیجر اور اسٹاف کا شکریہ ادا کیا۔ شارق اس تمام ڈرامے کے دوران لاپرواہی سے بیٹھا دیکھتا رہا تھا۔

سارہ نے میز پر پڑا اپنا پرس اٹھایا اور پھر شارق کے پاس آکر دھپ سے بیٹھ گئی اور ہونٹ بھینچے دل کو قابو کرنے لگی۔

''واہ...... سارہ واہ...... بڑی ہمت ہے بھئی چھ فٹ لمبے جوان کو پیٹ دیا ہے تم نے؟'' شارق نے سراہا۔

''سنو مسٹر بے غیرت! پیٹ تو میں تم جیسے سوا چھ فٹ کے جوان کو بھی سکتی ہوں۔ عورت کی آن...... انا اور وقار کا آ پڑے نا تو پھر وہ پرویز جیسے معمولی گوشت پوست کے انسان تو کیا وہ پہاڑوں سے ٹکرانے سمندروں کے سینے چیرنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔'' وہ حقارت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''شارق! خدا گواہ ہے کہ مجھے اس وقت تم سے شدتوں سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔ سخت گھن سی آ رہی ہے۔ میرے کیسے دوست ہو تم۔ کتنے بے حس انسان ہو کہ میں ابھی چند منٹ پہلے شدید قسم کے ذہنی عذابوں سے گزر رہی تھی۔ غیر لوگ بھی مجھے پریشانی میں گرفتار دیکھ کر مدد کرنے کے لیے اٹھ آئے تھے۔ میرے سامنے ڈھال بن گئے تھے۔ جبکہ تم...... جسے میں اپنا ہمدم ورفیق سمجھتی ہوں۔ تمہاری تکلیف پر تڑپ اٹھتی ہوں پریشان دیکھ کر گھبرا جاتی ہوں بلکہ تم میرے دکھوں میں کیا شریک ہوتے ہوگے؟ لیکن میں نے قدم قدم پر ہر دکھ میں تمہارا ساتھ نبھایا ہے۔

لیکن شارق! تم نے ضرورت پڑنے پر ہر بار مجھے دھوکہ دیا ہے۔ منہ پھیر لیا ہے دغا دے گئے مجھے۔ اب میں تم پر کبھی اعتماد نہیں کروں گی۔ تم کتنے خود پسند ہو۔ بس اپنے ہی وجود کے لیے زندہ ہو تم۔ بے فیض شخص۔'' وہ منہ چڑا کر بولی تو شارق کو یہ حقیقت کھل گئی وہ چڑ کر رہ گئے۔

''ارے یہ تم میرے پیچھے کیوں پڑ رہی ہو میری طرف سے تم جہان بھر کی عورتیں جہنم واصل ہو جاؤ۔ اور تم بھی ص اپنی کرنیوں کے پھل اب چکھ رہی ہو۔ جو برائیاں بیجی بوئی تھیں تم نے اب اس کا کڑوا تلخ پھل خود ہی کھاؤ۔ میرے منہ میں کڑواہٹ کیوں بھر رہی ہو۔ صبا! مجھے ابھی تک یاد ہے کہ کالج کے زمانے میں جب تم اپنی یہی جھیل سی آنکھیں پرویز کی طرف دیکھ کر پٹ پٹایا کرتی تھیں۔

اور اس حرامزادے کو غوطے لگانے ڈوبنے کی دعوت دیتی تھیں۔ تب تم پر کیا افتاد پڑی تھی؟ اور آج تم جیسی ہو اور جس حالت میں ہو یہ سب تمہاری اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس وقت نہ تم پرویز کو پھنسا کر اپنے اچھے بھلے منگیتر کو چھوڑ بھاگتیں نہ آج تم...... یہاں...... اس حالت میں موجود ہوتیں۔'' ان کا لہجہ ایسا زخم لگانے والا تھا کہ سارہ گم صم سی رہ گئی۔ کوئی اسے یوں ان الفاظ میں آئینہ دکھائے گا اسے یقین نہ تھا۔

دکھے دل سے گویا ٹیسیں سی اٹھنے لگیں وجود کچوکوں کی زد میں آ گیا۔ نشتر سے لگنے لگے اس نے بڑی افسردگی سے شارق کی طرف دیکھا۔

''بھئی شارق! بڑے ہی کم ظرف انسان ہو تم؟'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''ہر بات کا الزام ہمیں ہی دیتے رہتے ہو۔ چلو اگر میں ہی پرویز کو اپنی جھیل جیسی آنکھوں میں ڈوبنے کی دعوت دیتی تھی اور اسے اپنے ناز و انداز سے لبھاتی رجھاتی تھی تو اس کی وجہ کیا تھی؟ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اس سے محبت کرتی تھی۔ بہت چاہا تھا میں نے اسے یہ محبت کی انتہا ہی تو تھی کہ اس کی خاطر میں نے اپنا خاندان اور......اور اپنا گھر بار عزیز و اقارب اور چاہنے والا منگیتر تک چھوڑ دیا تھا۔

پھر شارق رضا! تم اس بہروپیے پرویز کو قابل گرفت نہیں سمجھتے ہو۔ جس نے میرے سچے کھرے جذبوں کا خون کر کے مجھے محرومیوں کی دلدل میں دھکیل دیا۔ گندگیوں میں آلودہ کر دیا۔ وہ پاپی مجھ سے جھوٹے پیار کا ڈھونگ رچاتا رہا۔ میری سادگی سے کھیلتا رہا۔ مجھے میرے گھر والوں اور منگیتر کے خلاف اکساتا رہا۔ تم انصاف سے بتاؤ دھوکہ اس نے مجھے دیا ہے یا میں نے اسے فریب کا گھاؤ لگایا ہے۔ کیا دیا ہے اس نے مجھے میری قربانیوں کا وفاؤں کا صلہ؟

یہی نا ایک شریف گھرانے کی شریف لیکن سیدھی بھولی بھالی لڑکی کو شمع محفل بنا دیا۔ شارق! میں نے صرف پرویز ہی سے محبت کی تھی نا۔ اگر میں بدکردار اور عیاش ہوتی تو دوسرے لڑکوں کو کیوں نہ اپنے جال میں پھنسایا۔ تم بھی میرے قریب تھے تمہیں بھی آنکھیں پٹ پٹا کر کیوں نہ دیکھا؟ اور بھی ہزاروں لڑکے میرے پرستار تھے میرے روپ کے شیدائی تھے۔ میں نے انہیں کیوں نہ پھنسایا؟'' وہ بے اختیار رو دی۔

''پلیز......رونا دھونا بند کرو۔ تمہارے پرستار تمہیں دیکھ رہے ہیں۔'' شارق نے بیزاری سے کہا۔

''ویسے اب سارہ! رونے دھونے کا کوئی فائدہ تو نہیں ہے۔ خوامخواہ اپنا تماشا بنوا رہی ہو لوگ قیاس آرائیاں کر رہے ہوں گے۔'' وہ تسلی تشفی دینے کے بجائے انتہائی لاپرواہی سے بولے۔

''ویسے سچائی تو یہ ہے کہ تمہیں پرویز یا کسی دوسرے مرد سے عشق کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟'' وہ تمسخرانہ خانہ ہنسی ہونٹوں پر سجا کر بولے۔ سارہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا وہ جھنجھلا کر کھڑی ہو گئی اور دانت پیس کر بولی۔

''لو حد ہو گئی ہے شارق! تم......تم تو انتہائی کمینے اور......اور گھٹیا بندے ہو ایک طرح سے اس حرامزادے پرویز جیسے ہی ہو۔ خیر کوئی فائدہ نہیں ہے تمہیں کوسنے گالیاں دینے کا۔ لیکن آج اپنے دکھے دل اور مجروح جذبوں کے ساتھ تمہیں ایک بددعا ضرور دوں گی میں۔ کہ میرے دل پر تم نے غموں کا انبار ڈال دیا ہے۔ تہمت لگائی ہے مجھ پر۔ تو خدا کرے شارق! تمہیں بھی کسی سے عشق ہو جائے محبت ہو جائے۔

اور ایسا والہانہ پیار ہو کہ تم شراب پینے کے بعد اس مدہوشی میں بھی اس کے خیال اس کے تصور کو لمحہ بھر کے لیے بھی دل سے نہ نکال سکو۔ تب شارق......تب تمہیں میرے جذبوں کی قدر ہو گی۔ میرے دل کی گھٹن و عذابوں کا پتہ چلے گا۔ تب اس دن تم جانو گے میں کیوں پرویز کی محبت میں دیوانی ہوئی تھی؟'' وہ اپنا پرس اٹھا کر بولی۔

لیکن شارق تو آج ڈھٹائی کے تمام ریکارڈ توڑنے کے موڈ میں تھا اس نے سارہ کو غصے اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا دیکھ کر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ طنزیہ طریقہ سے بھنویں اچکا کر دیکھا۔ جیسے مذاق اڑا رہا ہو۔

سارہ بپھر سی اٹھی اس نے کھا جانے والی نظروں سے شارق کو گھورا۔ دل چاہا وہ اس موذی وحشی درندے کا منہ تھپڑا دے۔ لیکن اس نے اپنے ہونٹ دانتوں تلے کچل ڈالے اور پھر بڑی پراسرار مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری۔

''ہونہہ......بدلہ تو میں بھی ضرور لے کر رہوں گی تم سے شارق!'' وہ ہنس دی۔

پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر وہسکی کی بوتل اٹھائی اور ایک دم گرفت ڈھیلی کر دی تو بوتل ہاتھ سے نکل کر میز کی سطح سے ٹکرائی نازک شیشہ کرچی کرچی ہو گیا۔ تمام سیال مشروب میز سے پھسل کر شارق کے تھری پیس سوٹ پر گرنے لگا۔ وہ اچک کر سیدھے ہوئے لیکن لباس کافی جگہ سے داغدار ہو گیا تھا اور بوٹ تک گیلے ہو رہے تھے۔ وہ بے بسی سے دیکھنے لگے۔

''اف سوری ویسے ہاں...... کیوں مسٹر شارق! بدلہ کیسا رہا؟'' سارہ نے ہونٹ بھینچ کر پوچھا پھر اسی طرح مڑ کر تیزی سے باہر چلی گئی۔

لیکن شارق کو سارہ کے غصے اور اس طرح کی انتقامی کارروائی پر بری طرح سے ہنسی آ گئی تھی انہوں نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور نیپکن سے کپڑے صاف کرنے لگے۔

''کیوں شارق! کس بات پر ہنسی آ رہی ہے؟'' ٹینا آ کر سارہ کی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''میں...... تم جیسی احمق لڑکیوں عورتوں کی عقل پر ہنس رہا ہوں۔ کہ مردوں کو پھانسنے کے لیے کیا کیا انداز اپناتی ہو؟''

وہ اس کے عریاں لباس کو دیکھ کر بولا پھر ویٹر کو اشارے سے بلایا وہ میز صاف کرنے لگا۔ شیشے اٹھانے لگا۔

''ارے یہ کیا ہوا ہے لائیے میں کپڑے صاف کر دوں۔'' ٹینا ان کے داغدار لباس کو دیکھ کر بولی لیکن شارق نے منع کر دیا۔ اور کھڑے ہو گئے۔

''مگر شارق کہاں جا رہے ہیں آپ؟'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولی۔ ''ظاہر ہے جا کر کپڑے تبدیل کروں گا۔ ویسے دیکھو ٹینا! تم جاؤ کسی دوسرے شکار کو پھنساؤ۔ ویسے بھی میں مسلے ہوئے پھولوں کا شیدائی نہیں ہوں۔ مجھے ان عورتوں سے شدید نفرت ہونے لگتی ہے جو خود سے میرے بازوؤں میں گرنے کو بے قرار ہوں۔'' وہ ٹینا کا ہاتھ جھٹک کر بولے۔

''آپ مجھے غلط مت سمجھئے شارق! میں بھی ان لڑکیوں میں سے تو نہیں ہوں جو ہر شخص کو اپنا بدن سونپتی پھرتی ہیں۔ آپ ہی وہ مرد واحد ہیں جسے دل کی گہرائیوں سے میں نے پسند کیا ہے۔ تبھی جذبات کی رو میں بہک کر اخلاقی حدوں کو پھلانگ گئی تھی کچھ...... اپنی حدوں سے تجاویز تو کیا ہے میں نے لیکن آپ کو اپنا جان کر آپ کو اپنانے کی آرزو میں۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ لڑکوں سے بے تکلفی سے ملتی ہوں میرے بوائے فرینڈز بھی ہیں لیکن جس ماحول کی میں پروردہ ہوں وہاں یہ سب چیزیں معیوب تو نہیں سمجھی جاتیں نا۔ بلکہ ایسے تعلقات کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔''

''ٹینا! تم مجھے اب یہ سب تفصیل کیوں بتا رہی ہو آخر؟'' وہ ناگواری سے بولے۔

''صرف اس لیے کہ میں نہیں چاہتی کہ آپ میرے بارے میں کوئی غلط سلط رائے قائم کریں۔ میں نے اکثر محسوس کیا ہے کہ آپ کا رویہ میرے لیے بہت توہین آمیز ہو جاتا ہے۔ اور میں......'' لیکن شارق نے ٹینا کی بات کاٹ دی۔

''تو مس ٹینا! آپ کو کس نے مشورہ دیا ہے کہ مجھ سے کوئی تعلق رکھیں آپ دور رہیں مجھ سے یہی بہتر ہے آپ کے لیے۔'' وہ کھڑے ہو گئے۔

پھر مڑ کر باہر چلے گئے اور ٹینا نے سختی سے اپنا نچلا ہونٹ کچل ڈالا اور گہری سانس لیتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔

○●○

ہمیشہ سے وقت کی پابند زیب صبح جب آفس خلاف معمول بہت دیر سے پہنچی تو جاوید گویا اس کا منتظر ہی تھا اس نے پوچھا۔ کہ وہ زیب آج لیٹ کیوں ہوگئی ہے جبکہ شارق صاحب تین چار بار فون کر کے اس کے بارے میں پوچھ چکے ہیں۔

تب زیب نے بتایا کہ آج سے وہ تہیہ کر کے آئی ہے کہ اب شارق صاحب کے ناجائز دباؤ میں نہیں آئے گی۔ جب تک کہ وہ اسے اتنی کم تنخواہ دیں گے تو وہ اس وقت آیا کرے گی جب مل کے مزدور آتے ہیں اور شام کو ٹھیک تین بجے چھٹی کر کے گھر چلی جایا کرے گی۔ اور اگر آفس ٹائم کے بعد بھی اسے روکا گیا تو وہ اوور ٹائم لیا کرے گی۔ اس نے بتایا کہ شارق سے اس کی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ یہ سن کر جاوید حقیقتاً گھبرا گیا۔

''ہائے...... باپ رے باپ آج تو جنگ عظیم کا خطرہ ہے۔ ارے زیب تم اگر پہلے ہی مجھے اپنے خطرناک ارادوں سے آگاہ کر دیتیں تو میں اپنے بچاؤ کا کوئی تو انتظام کر کے آتا۔'' وہ گھبرا کر بولا۔

وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ باہر سے آتے ہوئے شارق نے ان کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ جاوید کے آفس کے دروازے کے قریب کھڑے تھے۔ زیب وہاں سے باہر نکلی تو ان سے ٹکراتی ٹکراتی بچی پھر شارق کے چٹانوں سے سخت چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ گھبرا گئی۔ پھر سنبھل کر بولی۔

''گڈ مارننگ سر!'' یہ کہتی ہوئی بڑے وقار سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اور شارق کی تیوری مزید چڑھ گئی۔

''جاوید!'' وہ کچھ سوچتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔

''یس سر!'' وہ کرسی چھوڑ کر ایک دم کھڑا ہوگیا اور غیر متوقع طور پر انہیں دیکھ کر گھبرا بھی گیا۔

''تم فوراً مجھے یہ ایگریمنٹ ٹائپ کر کے دو کہ زیب رحمان کسی بھی مجبوری یا دباؤ کے تحت تین سال تک شارق صاحب کی ملازمت نہیں چھوڑ سکیں گی اور وہ ہم سے ایک سال کی تنخواہ ایڈوانس اس کے علاوہ تین لاکھ پچاس ہزار بھائی کے علاج کے لیے لے چکی ہے۔ اور اب اگر اس نے بغیر نوٹس دیئے ملازمت چھوڑی تو مسٹر شارق کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکیں گے۔'' شارق نے ڈکٹیٹ کرواتے ہوئے کہا۔

''اور جاوید! تم ذرا کان کھول کر سن لو اگر تم نے زیب کو پہلے سے وارن کیا اسے کچھ بتانے کی کوشش کی تو خدا کی قسم مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں بولے اور تیز تیز قدم اٹھاتے باہر چلے گئے۔

جاوید اس نئی افتاد پر سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا وہ اب ان حالات میں کرے تو کیا کرے؟ اس کا دماغ چکرانے لگا شارق کے تیور بہت خطرناک تھے۔

''اچھا زیب! تمہیں اللہ کے حوالے کیا۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا پھر بیٹھ کر ایگریمنٹ ٹائپ کرنے لگا۔

زیب اپنے آفس میں بیٹھی فائلیں دیکھ رہی تھی کہ انٹرکام کی گھنٹی بج اٹھی اور روزی کی تیز نخریلی آواز ابھری۔ ''مس زیب رحمان! تمہیں باس بلا رہے ہیں فوراً آفس میں آؤ۔'' اس نے حکم صادر کیا تو زیب نے غصے سے فائل پھینکی اور

پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر وہسکی کی بوتل اٹھائی اور ایک دم گرفت ڈھیلی کر دی تو بوتل ہاتھ سے نکل کر میز کی سطح سے ٹکرائی نازک شیشہ کرچی کرچی ہو گیا۔ تمام سیال مشروب میز سے پھسل کر شارق کے تھری پیس سوٹ پر گرنے لگا۔ وہ اچک کر سیدھے ہوئے لیکن لباس کافی جگہ سے داغدار ہو گیا تھا اور بوٹ تک گیلے ہو رہے تھے۔ وہ بے بسی سے دیکھنے لگے۔

''اف سوری ویسے ہاں...... کیوں مسٹر شارق! بدلہ کیسا رہا؟'' سارہ نے ہونٹ بھینچ کر پوچھا پھر اسی طرح مڑ کر تیزی سے باہر چلی گئی۔

لیکن شارق کو سارہ کے غصے اور اس طرح کی انتقامی کارروائی پر بری طرح سے ہنسی آ گئی تھی انہوں نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور نیپکن سے کپڑے صاف کرنے لگے۔

''کیوں شارق! کس بات پر ہنسی آ رہی ہے؟'' ٹینا آ کر سارہ کی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''میں...... تم جیسی احمق لڑکیوں عورتوں کی عقل پر ہنس رہا ہوں۔ کہ مردوں کو پھانسنے کے لیے کیا کیا انداز اپناتی ہو؟''

وہ اس کے عریاں لباس کو دیکھ کر بولا پھر ویٹر کو اشارے سے بلایا وہ میز صاف کرنے لگا۔ شیشے اٹھانے لگا۔

''ارے یہ کیا ہوا ہے لائیے میں کپڑے صاف کر دوں۔'' ٹینا ان کے داغدار لباس کو دیکھ کر بولی لیکن شارق نے منع کر دیا۔ اور کھڑے ہو گئے۔

''مگر شارق کہاں جا رہے ہیں آپ؟'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولی۔ ''ظاہر ہے جا کر کپڑے تبدیل کروں گا۔ ویسے دیکھو ٹینا! تم جاؤ کسی دوسرے شکار کو پھنساؤ۔ ویسے بھی میں مسلے ہوئے پھولوں کا شیدائی نہیں ہوں۔ مجھے ان عورتوں سے شدید نفرت ہونے لگتی ہے جو خود سے میرے بازوؤں میں گرنے کو بے قرار ہوں۔'' وہ ٹینا کا ہاتھ جھٹک کر بولے۔

''آپ مجھے غلط مت سمجھئے شارق! میں بھی ان لڑکیوں میں سے تو نہیں ہوں جو ہر شخص کو اپنا بدن سونپتی پھرتی ہیں۔ آپ ہی وہ مرد واحد ہیں جسے دل کی گہرائیوں سے میں نے پسند کیا ہے۔ تبھی جذبات کی رو میں بہک کر اخلاقی حدوں کو پھلانگ گئی تھی کچھ...... اپنی حدوں سے تجاویز تو کیا ہے میں نے لیکن آپ کو اپنا جان کر آپ کو اپنانے کی آرزو میں۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ لڑکوں سے بے تکلفی سے ملتی ہوں میرے بوائے فرینڈز بھی ہیں لیکن جس ماحول کی میں پروردہ ہوں وہاں یہ سب چیزیں معیوب تو نہیں سمجھی جاتیں نا۔ بلکہ ایسے تعلقات کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔''

''ٹینا! تم مجھے اب یہ سب تفصیل کیوں بتا رہی ہو آخر؟'' وہ ناگواری سے بولے۔

''صرف اس لیے کہ میں نہیں چاہتی کہ آپ میرے بارے میں کوئی غلط سلط رائے قائم کریں۔ میں نے اکثر محسوس کیا ہے کہ آپ کا رویہ میرے لیے بہت توہین آمیز ہو جاتا ہے۔ اور میں......'' لیکن شارق نے ٹینا کی بات کاٹ دی۔

''تو مس ٹینا! آپ کو کس نے مشورہ دیا ہے کہ مجھ سے کوئی تعلق رکھیں آپ دور رہیں مجھ سے یہی بہتر ہے آپ کے لیے۔'' وہ کھڑے ہو گئے۔

پھر مڑ کر باہر چلے گئے اور ٹیٹا نے سختی سے اپنا نچلا ہونٹ کچل ڈالا اور گہری سانس لیتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔

○●○

ہمیشہ سے وقت کی پابند زیب صبح جب آفس خلاف معمولی بہت دیر سے پہنچی تو جاوید گویا اس کا منتظر ہی تھا اس نے پوچھا۔ کہ وہ زیب آج لیٹ کیوں ہو گئی ہے جبکہ شارق صاحب تین چار بار فون کر کے اس کے بارے میں پوچھ چکے ہیں۔

تب زیب نے بتایا کہ آج سے وہ تہیہ کر کے آئی ہے کہ اب شارق صاحب کے ناجائز دباؤ میں نہیں آئے گی۔ جب تک کہ وہ اسے اتنی کم تنخواہ دیں گے تو وہ اس وقت آیا کرے گی جب مل کے مزدور آتے ہیں اور شام کو ٹھیک تین بجے چھٹی کر کے گھر چلی جایا کرے گی۔ اور اگر آفس ٹائم کے بعد بھی اسے روکا گیا تو وہ اوور ٹائم لیا کرے گی۔ اس نے بتایا کہ شارق سے اس کی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ یہ سن کر جاوید حقیقتاً گھبرا گیا۔

''ہائے...... باپ رے باپ آج تو جنگ عظیم کا خطرہ ہے۔ ارے زیب تم اگر پہلے ہی مجھے اپنے خطرناک ارادوں سے آگاہ کر دیتیں تو میں اپنے بچاؤ کا کوئی تو انتظام کر کے آتا۔'' وہ گھبرا کر بولا۔

وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ باہر سے آتے ہوئے شارق نے ان کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ جاوید کے آفس کے دروازے کے قریب کھڑے تھے۔ زیب وہاں سے باہر نکلی تو ان سے ٹکراتی بچی پھر شارق کے چٹانوں سے سخت چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ گھبرا گئی۔ پھر سنبھل کر بولی۔

''گڈ مارننگ سر!'' یہ کہتی ہوئی بڑے وقار سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اور شارق کی تیوری مزید چڑھ گئی۔

''جاوید!'' وہ کچھ سوچتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔

''یس سر!'' وہ کرسی چھوڑ کر ایک دم کھڑا ہو گیا اور غیر متوقع طور پر انہیں دیکھ کر گھبرا بھی گیا۔

''تم فوراً مجھے یہ ایگریمنٹ ٹائپ کر کے دو کہ زیب رحمان کسی بھی مجبوری یا دباؤ کے تحت تین سال تک شارق صاحب کی ملازمت نہیں چھوڑ سکیں گی اور وہ ہم سے ایک سال کی تنخواہ ایڈوانس اس کے علاوہ تین لاکھ پچاس ہزار بھائی کے علاج کے لیے لے چکی ہے۔ اور اب اگر اس نے بغیر نوٹس دیئے ملازمت چھوڑی تو مسٹر شارق کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکیں گے۔'' شارق نے ڈکٹیٹ کرواتے ہوئے کہا۔

''اور جاوید! تم ذرا کان کھول کر سن لو اگر تم نے زیب کو پہلے سے وارن کیا اسے کچھ بتانے کی کوشش کی تو خدا کی قسم مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔'' وہ انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں بولے اور تیز تیز قدم اٹھاتے باہر چلے گئے۔

جاوید اس نئی افتاد پر سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا وہ اب ان حالات میں کرے تو کیا کرے؟ اس کا دماغ چکرانے لگا شارق کے تیور بہت خطرناک تھے۔

''اچھا زیب! تمہیں اللہ کے حوالے کیا۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا پھر بیٹھ کر ایگریمنٹ ٹائپ کرنے لگا۔

زیب اپنے آفس میں بیٹھی فائلیں دیکھ رہی تھی کہ انٹر کام کی گھنٹی بج اٹھی اور روزی کی تیز نخریلی آواز ابھری۔ ''مس زیب رحمان! تمہیں باس بلا رہے ہیں فوراً آفس میں آؤ'' اس نے حکم صادر کیا تو زیب نے غصے سے فائل پھینکی اور

بڑبڑاتی ہوئی شارق کے آفس میں داخل ہوئی وہ اپنی بڑی سی میز کے پیچھے اپنی آرام دہ کرسی پر براجمان تھے۔ زیب کو تمسخرانہ انداز سے دیکھا۔ جیسے کہہ رہے ہوں ''بچو پوچھ لوں گا تم سے'' اور روزی بھی کرسی کے پیچھے قریب ہی کھڑی تھی۔

''یس سر! مجھے بلوایا ہے آپ نے؟'' وہ روزی پر تیز نگاہ ڈال کر بولی۔

''ہاں مس رحمان! ذرا ان کاغذات پر دستخط کر دیجیے آپ؟'' شارق نے کچھ کاغذات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مگر یہ کیسے کاغذات ہیں سر!'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیران سی کاغذات الٹنے پلٹنے لگی۔

''تم دستخط کرو تمہیں اس سے کیا۔ کہ یہ کیسے کاغذات ہیں کیوں ہیں؟'' وہ بدمزاجی سے بولے۔

''سر! آخر مجھے پتہ تو چلے کہ آپ مجھ سے کس قسم کے کاغذات پر دستخط کروا رہے ہیں؟'' وہ محتاط لہجے میں بولی تو وہ سلگ گئے۔

''کیوں تمہارے خیال میں یہ تمہارے میرے نکاح کے کاغذات ہیں کیا؟'' وہ گرجے۔

یہ سنتے ہی زیب کا رنگ تمتما کر سرخ ہو گیا۔ اس نے بوکھلا کر کاغذات لیے اور جلدی جلدی ان پر دستخط کر دیئے بلکہ اپنے سر بلا مول لے لی۔

شارق کڑی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ روزی اس کی کرسی کے ہتھے پر بیٹھی طنز بھری نظروں سے زیب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ زیب نے کاغذات شارق کی طرف بڑھائے اور کھڑی ہو گئی۔

''ہاں مس زیب رحمان! آج شام کو سات بجے ہمیں ڈائریکٹرز کی میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔ اور آپ میرے ساتھ جائیں گی وہاں پر۔'' انہوں نے حکم دیا تو وہ استعجاب کے عالم میں رک گئی۔

''کیوں سر! میں آپ کے ساتھ کیوں جاؤں گی بھلا؟'' اس نے استفسار کیا۔

''واٹ......'' وہ چیخے۔ ''تم ہوش میں ہو یا نہیں تمہیں انکار کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟'' وہ میز پر ہاتھ مار کر بولے۔

''جی...... میں ہوش ہی میں ہوں سر! لیکن شاید آپ نشے کے عالم میں یہ بھلا بیٹھے ہیں کہ آپ کی سیکرٹری روزی ہے۔ زیب رحمان نہیں آپ میٹنگ پر اسے لے جایئے میں کیوں جاؤں؟''

زیب نے بڑی ہمت و حوصلے سے کہا تو طیش کے عالم میں شارق نے مٹھیاں بند کر لیں۔ انہوں نے اپنے کاندھے پر لدھی روزی کو دور دھکیل دیا اور تڑپ کر کھڑے ہو گئے اور جبڑے بھینچے زیب کی طرف بڑھے۔

''کیا کہہ رہی ہو تم؟ کیا سن رہے ہیں ہم؟'' وہ بے یقینی سے بولے۔

''ہاں...... ٹھیک ہی سن رہے ہیں آپ سر! میں کوئی فالتو کام نہیں کرنے کی میری تنخواہ صرف دس ہزار روپے ہے۔ پچیس تیس ہزار نہیں۔ پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ اپنا سبھی کام تو مجھ سے کروائیں اور یہ آپ کی پرسنل سیکرٹری کے کام بھی مجھے بھگتانے پڑیں۔'' وہ حوصلے مجتمع کر کے بولی۔

''ہاں سر! اگر مجھ سے اتنا کام کروانا ہے تو مجھے معاوضہ بھی معقول دیجیے ورنہ مس روزی کو بھی ذرا مشقت کرنے دیجیے حلال کی کمائی کھانے دیجیے۔ ذرا روزی کو بھی پتہ چلے کہ روزی حلال کمانا کس قدر دشوار ہے ورنہ یہ تو مجھے زرخرید سمجھ کر رعب چلاتی ہیں۔''

''ارے بہت ہی بولنا آ گیا ہے تمہیں نہایت بے لحاظ ہو گئی ہو تم تو؟'' وہ حیرت زدہ رہ گئے تھے۔
''جی...... سچ کہتے ہیں آپ! ہم جیسے ضرورت مندوں سے تو مجبوری سب کام کرواتی ہے۔'' وہ ٹھنڈا سانس لے کر بولی۔
''لیکن آپ کو کیا احساس آپ تو اپنے ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر محض حکم جاری کرتے ہیں نا۔ روزانہ لاکھوں روپے اوباش لوگوں میں اور شراب پر لٹا آتے ہیں۔ ذرا ہم سے ان کاغذ کے ٹکڑوں کی قدر و قیمت پوچھیے آپ! ہم جیسے بے بس اپنی محنت اور مجبوری بیچ دیتے ہیں۔ چند روپوں کی خاطر۔'' زیب نے گہرا سانس لیا۔
''سنیے سر! میں زبان کبھی نہ کھولتی لیکن اب مجھ سے اپنے عزیزوں کا دکھ دیکھا سہا نہیں جاتا۔ تبھی آج مجھے اپنے حقوق کے لیے بولنا پڑا بے لحاظ بھی ہونا پڑا۔ تو اب آپ کی مرضی ہے مجھے ملازمت میں رکھیں یا نکال دیں ویسے بھی ڈاکٹر راحیل نے مجھے بہت اچھی آفر دی ہے اور آپ کے دوست سیٹھ ہمایوں نے بھی۔'' وہ جوش سے بولی پھر شارق پر کڑی نظر ڈال کر چلی گئی۔
شارق گویا گم صم سے کھڑے سوچ رہے تھے کہ اسے کیا ہو گیا ہے کہ روزی نے آ کر چونکا دیا اور ان کے ہاتھ میں گلاس پکڑا کر ان کے گلے میں بازو حمائل کر دیے لیکن شارق کی طبیعت مکدر تھی اور انہیں روزی کے چونچلے اچھے نہیں لگ رہے تھے۔
''سر! مس رحمان نے تنخواہ لینے سے انکار کر دیا ہے۔'' شہزاد نے اندر آ کر بتایا۔
''کیوں؟'' وہ مڑے اور ان کی حیرتوں میں اضافہ ہو گیا۔
''سر! وہ کہتی ہیں کہ پہلے تین ماہ سے وہ اوور ٹائم کرتی رہی ہیں۔ انہیں اس کا معاوضہ بھی ادا کیا جائے۔'' شہزاد نے بتایا۔
''ٹھہرو میں اس کے دماغ کو ٹھیک کرتا ہوں۔'' وہ حیرت زدہ سے دروازے کی طرف بڑھے جب زیب کے آفس میں پہنچے تو سیٹ تو خالی پڑی تھی وہ وہاں تو موجود نہیں تھی۔
''وہ ضرور جاوید کے کمرے میں گھسی ہوئی ہو گی۔'' انہیں یقین آ گیا تھا۔
وہ تیوری چڑھائے ادھر چلے آئے بیچارہ جاوید سر جھکائے کچھ لکھنے میں مصروف تھا کہ وہ سر پر جا پہنچے۔
''کیوں جاوید! تمہاری مس رحمان صاحبہ کہاں ہیں؟'' وہ گرجے تو جاوید اچھل کر رہ گیا اور پھر شارق کی شکل دیکھ کر روح فنا ہونے لگی۔
''سر! مم...... مجھے تو پتہ نہیں ہے شاید اپنے کمرے میں ہوں گی۔'' وہ گھبرا کر بولا۔
''نہیں سر! وہ تو گھر چلی گئی ہیں کہہ رہی تھیں کہ ان کی ڈیوٹی ختم ہو گئی ہے۔ جب مل کے مزدوروں کی چھٹی کا سائرن بجا تو وہ بھی چلی گئی تھیں۔'' شہزاد نے بتایا۔
''مس رحمان کہہ رہی تھیں ان کی تنخواہ مل مزدور سے بھی کم ہے تو وہ اتنا ہی کریں گی۔ اور چھٹی کا ٹائم بھی وہی ہو گا۔''
یہ سنتے ہی شارق کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ زیب ان کے حکم کو یوں ٹھکرائے گی انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ اور

جاوید، شہزاد کے اوسان خطا ہو رہے تھے وہ پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''مسٹر شارق! آپ نے بھی تو اسے بہت زیادہ ڈھیل دے کر سر چڑھا لیا تھا ہو نہہ خود کو نہ جانے کہاں کی حسینہ عالم سمجھتی ہے وہ۔ اور وہ آپ کی نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہے۔'' روزی نے منہ بنا کر ورغلانا چاہا۔

''اے روزی! تم اپنی بکواس بند رکھو کسی نے تم سے تمہاری رائے نہیں پوچھی۔'' وہ جھلا کر اس پر قہر بن کر برسنے لگے۔

''سنو جاوید! تم ابھی اسی وقت مس روزی کا حساب بے باک کر دو۔'' وہ اپنا غصہ نکالنے لگے تھے۔

''واٹ...... لیکن مسٹر شارق! آپ مجھے کیوں نکال رہے ہیں میں نے کیا قصور کیا ہے؟'' روزی بری طرح سے گھبرا گئی۔

''تم...... تم ہماری ہر بات میں دخل اندازی کرنے لگی ہو ویسے بھی تمہیں یہاں آئے بہت دن ہو چکے ہیں ہم تمہاری صورت اور ناز انداز سے اوبھنے لگے ہیں۔'' وہ اپنا کوٹ اٹھا کر باہر چلے گئے اور روزی سر پیٹتی رہ گئی۔

شارق نے کار میں بیٹھنے سے پہلے جاوید سے کہا کہ وہ زیب کو دوبارہ اپنی پرسنل سیکرٹری بنا رہے ہیں اور اسے روزی والی تنخواہ ملے گی۔ اور وہ اس گنوار لڑکی کا دماغ اب درست کر کے دم لیں گے اور اسے اس تبدیلی کی اطلاع دے دی جائے۔

○●○

زیب دفتر سے جلدی اٹھ کر چلی آئی تھی جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو پورٹیکو میں کسی کی کار دیکھ کر حیران رہ گئی۔ یہ کار کس کی ہو سکتی ہے اس نے سوچا اور اندر چلی آئی سامنے ہی سعدیہ بھابھی کھڑی تھیں۔

''بھابھی یہ باہر کار کس کی ہے؟'' وہ پیچھے مڑ کر اشارہ کرتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''اپنا سمجھو تو کار تمہاری ہی ہے بھئی۔'' وہ پراسرار طریقے سے ہنسیں پھر زیب کے چہرے پر الجھن کے سائے دیکھ کر بولیں۔

''بس زیب تم اپنے کمرے میں جاؤ وہاں کوئی تمہارا منتظر ہے۔'' وہ راز داری سے بولیں۔ ''میرا کون منتظر ہے وہ کون ہے کیا ہے؟ بھئی یہ مجھ سے مت پوچھنا کیونکہ میں نے راز داری کا وعدہ کیا ہے کچھ بتا نہیں پاؤں گی؟'' وہ مسکرا کر بولی۔

''افو...... آخر کون آ گیا ہے؟'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اپنے کمرے کی سمت میں لپکی۔ ''آخر کس کے آنے پر بھابھی یوں خوش تھیں؟''

دروازہ کھولتے ہی اس کی نظر پلنگ پر اوندھی لیٹی رسالہ پڑھتی ایک خوبرو حسین لڑکی پر پڑی اس کا چہرہ دروازے کی طرف تھا شاید وہ بھی اس کی منتظر ہی تھی۔ بار بار دروازے کی سمت تکتی تھی۔ کہ اچانک دونوں کی نظریں ملیں۔

''ہائے عالیہ! تم......'' زیب کی مارے خوشی کے چیخ ہی تو نکل گئی تھی۔ وہ لڑکی بھی اسے دیکھ کر گویا بڑبڑا کر اٹھی اور رسالہ پھینک کر چھلانگیں لگاتی زیب سے جا لپٹی۔

''ارے عالیہ! تم کب آئیں مجھے آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی تم نے؟'' زیب اس کے سینے سے لپٹی خوشی سے بے قابو ہو رہی تھی۔

''اے جان! میری اگر تمہیں اطلاع دیتی تو تم کیا استعجاب کے عالم میں یوں مجھے دوڑ کر گلے ملتیں؟'' وہ اس کی پیشانی رخسار چوم کر بولی۔ فرط محبت سے دونوں کی آنکھیں نم تھیں۔

''دیکھو ویسے زیب! میں سیدھی تمہارے پاس آئی ہوں حالانکہ ہمارے دیور صاحب کا گھر بھی یہیں ہے لیکن میں نے شہریار سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں تو سب سے پہلے اپنی پیاری زیب جانم کو ملوں گی اور اسی کے پاس رہوں گی ہاں آپ بے شک اپنے بھائی خرم کے پاس چلے جایئے گا۔'' وہ تفصیل بتانے لگی۔

''اجی بڑی نوازش ہے عالیہ جان آپ کی۔'' زیب نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

''اچھا عالیہ! تم ذرا بیٹھو میں تمہارے لیے مزیدار سی چائے لاتی ہوں۔'' زیب اسے بیڈ پر بٹھا کر بولی۔

''جی نہیں...... تم چپکی بیٹھی رہو بھابھی سعدیہ مجھے خوب کھلا پلا چکی ہیں۔'' عالیہ نے اسے کھینچ کر قریب ہی لپٹا لیا تھا۔ زیب دوبارہ اس سے لپٹ گئی۔ وہ تو اپنی عزیز از جان سہیلی کو بے گمان دیکھ کر خوشی سے بوکھلائے جا رہی تھی۔

''زیب! ہاں...... تم بتاؤ آج کل تمہارے کیا رنگ ڈھنگ ہیں بھابھی سعدیہ مجھے بتا چکی ہیں کہ تم ملازمت کر رہی ہو۔''

''کیسے ہیں تمہارے باس؟'' عالیہ نے پوچھا اور زیب کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''دوست ہاں حالات کے پیش نظر مجھے ملازمت تو کرنی ہی تھی اور رہ گئی بات ہمارے باس صاحب کے مزاج کی تو وہ انتہائی منہ پھٹ بیہودہ اور جھگڑالو انسان ہیں روزانہ میری ان سے ایک آدھ جنگ ہو جاتی ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''ہائے اللہ! آخر کون بدذوق بندہ ہے جو تم جیسی خوبصورت دلکش لڑکی سے پیار کرنے کے بجائے لڑتا جھگڑتا ہے۔'' وہ حیران تھی۔

''اللہ...... عالیہ! جھگڑا بھی کوئی ایسا ویسا نہیں ہوتا بلکہ خون خرابے تک نوبت آ جاتی ہے میں نے تو ایک دن طیش کے عالم میں اس کی کھوپڑی میں سوراخ کر دیا تھا سر پھاڑ دیا تھا اس کا۔'' زیب ہنسی تو عالیہ اچک کر بیٹھ گئی اور بے یقینی سے دیکھا۔

''سچ...... تم یقین کرو عالیہ وہ خبیث میرے ساتھ دست درازی کرنے کی کوشش کر رہا تھا جب میرے منع کرنے کے باوجود باز نہیں آیا تو میں نے شراب کی بوتل ان کے سر پر دے ماری۔'' وہ اطمینان سے بولی عالیہ کا منہ کھلا تھا۔

''ہائے زیب! پر وہاں آفس میں شراب کی بوتل کہاں سے آ گئی؟'' وہ حیران تھی۔

''بس یار! کچھ کم ظرف بدخصلت لوگ کہیں بھی ماحول ستھرا نہیں رہنے دیتے وہ ہر جگہ کو رنڈی کا کوٹھا بنانے کی سعی کرتے رہتے ہیں اپنی عیاشیوں کی بدولت ہر ماحول کو بدبودار اور داغدار بنا دیتے ہیں۔ ہمارے باس صاحب بھی ان انسانوں میں سے ایک ہیں موصوف پیتے ہیں اور خوب پیتے ہیں۔ سو بوتل تو موجود بھی رہتی ہے اور گلاس بھی یقیناً چوبیس گھنٹے منہ پر لگا رہتا ہے ان کا۔'' وہ حقارت سے بولی۔

''ہائے توبہ...... لیکن زیب وہ ایسا بدمزاج کیوں ہے؟'' عالیہ کو بے حد دلچسپی ہو گئی تھی۔ ''یار سنا ہے کہ ان کی بیگم

صاحبہ نے انہیں دھوکہ دیا اور کسی مرد سے تعلقات استوار کر لیے تھے اور نتیجتاً انہیں سب عورتوں سے شدید نفرت ہوگئی ہے وہ سبھی کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ دولت کا بھوکا سمجھتے ہیں اور اب ان کا خیال ہے کہ دنیا کی کوئی بھی عورت شریف اور قابل اعتماد نہیں ہے سبھی موقع پرست اور ہوس زر میں مبتلا لالچی بلائیں ہیں۔ تبھی اب وہ ہر عورت سے اپنی بے عزتی کا انتقام لیتے پھرتے ہیں۔'' زیب نے بتایا۔

پھر عالیہ کے بہت اصرار پر اسے شارق کے سبھی کرتوت ان کی سیکرٹریوں کے قصے تفصیل سے سنانے لگی۔ اور بیچاری عالیہ وہ تو مارے حیرت سے آنکھیں پھاڑے بیٹھی تھی مگر چہرے پر بے پناہ دلچسپی کے تاثرات تھے۔

''اف یار زیب! بڑی ہمت ہے تمہاری جو اس شارک جیسے پلے بوائے کے پاس ٹکی ہوئی ہو تم باوجود اتنے خطرات کے میں تو کہتی ہوں لعنت بھیجو ایسی ملازمت پر اور آرام سے گھر بیٹھو۔ ارے کیا معلوم کب اس خبیث کا داؤ لگ جائے؟ ارے شارک نہیں...... شارق...... شا...... رق ہے ان کا نام؟'' زیب نے ہنستے ہوئے بتایا۔ وہ شارک کا تصور خاصہ دلچسپ لگا تھا اسے۔

''ایسے رہنے دو میں تو شارک ہی بلاؤں گی۔ اس سے کیا کم بھیانک ہیں یہ حضرت؟'' عالیہ نے جھرجھری لی۔

''ویسے زیب ڈارلنگ! تم ہو بہت ہی ضدی اچھی بھلی تم سے منتیں کی تھیں۔ کہ ہمارے دیور خرم سے شادی کرلو۔ اب تو خیر سے وہ میجر ہو گیا ہے اور ویسے بھی وہ تمہیں ازحد پسند بھی کرتا ہے۔ لیکن تمہیں تو عقل ہی نہیں آتی سچ بیاہ ہو جاتا تو اب مزے سے گھر بار سنبھال کر بیٹھی ہوتیں۔ پیا جی کے آنگن میں۔

بیچارہ خرم تو میری شادی پر تمہیں دیکھ کر لوٹ پوٹ ہی ہو گیا تھا اس کی نظریں تمہارے سراپے سے نہیں ہٹتی تھیں۔ میرے پیچھے ہی پڑ گیا۔

''سنیے عالیہ بھابھی! کون ہے وہ لڑکی؟ رہتی کہاں ہے؟ وہ تمہاری طرف دیکھ دیکھ کر سوالات کیے جا رہا تھا۔

یار زیب! ویسے ابھی تک خرم کی شادی ہوئی نہیں ہے اب بھی اکثر تمہاری بابت پوچھتا رہتا ہے۔'' اس نے گویا انکشاف کیا۔

''زیبو یار! میں تو کہتی ہوں تم اسی سے شادی کرلو۔ جان چھوٹ جائے گی ملازمت اور اس ڈریکولا نما باس شارک سے۔'' عالیہ نے زیب کے قریب کھسکتے ہوئے اس کا عندیہ معلوم کرنا چاہا۔

''جی بہت بہت شکریہ آپ کے قیمتی مشوروں کا ویسے میں ابھی بھی شادی نہیں کر سکتی ہوں۔'' زیب نے آہستہ سے کہا۔

''بھلا کون سی آنکھیں ہیں جو خواب نہیں دیکھتیں۔ حسین سنہری خواب۔ ایسا کون سا دل پتھر ہے جو ارمانوں آرزوؤں کا مسکن نہ ہوگا۔ لیکن یہ مجبوریاں انسان کو پابہ زنجیر کیے ہوتی ہیں بہت کچھ چاہنے کے باوجود کچھ نہیں ملتا ہے۔ کون سی نوجوان لڑکی! خوبرو دوشیزہ ایسی ہوگی۔ جو یہ نہ چاہتی ہو کہ اس کے کومل نازک وجود کو کوئی اپنی مضبوط پناہ میں لے لے۔ اسے دکھوں مشقتوں کی کڑی دھوپ سے بچانے کے لیے اس کے سر پر ایک چھتنار درخت کے مانند سایہ فگن ہو جائے؟ اس جھلسا دینے والی حوادث کی لو سے بچا کر ٹھنڈی ٹھار چھاؤں کر دے۔ ہائے...... یہ مجبوریاں۔'' زیب بھی اداس ہونے لگی۔

بہت ذمہ داریاں تھیں اس کے نازک کاندھوں پر بہت قربانیاں دینی تھیں اسے۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔

''کیوں جی یہ کس کی شادی ہو رہی ہے عالیہ بیگم! کس کے سہرے کے پھول کھلا رہی ہیں؟'' دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

''آہا...... ہماری سالی صاحبہ تشریف لے آئی ہیں ہیلو زیب!'' درمیانے قد وقامت کے گورے چٹے قبول صورت شہریار نے دروازے پر رک کر نعرہ لگایا عالیہ کا شوہر تھا وہ۔

''السلام علیکم دولہا بھائی۔'' زیب دوپٹہ سر پر اوڑھتی ان کے قریب چلی گئی۔

''جیتی رہو۔ جیتی رہو نور چشمی۔'' شہریار نے زیب کا سر تھپتھپایا اور ہنس کر بولے۔

''کیوں بھئی زیب! اب تو تمہیں شکایت نہیں ہے نا کہ میں تمہاری لاڈلی عالیہ کو لاتا نہیں ملواتا نہیں ہوں؟ ادھر آپ جناب کا ایک شکایت شکوؤں بھرا فون پہنچا اور ہماری بیگم صاحبہ نے شور مچا دیا۔ شہریار! چلیے مجھے زیب کے پاس لے چلیے۔ میری زیب بہت پریشان ہے۔ میں بھی بہت اداس ہوں میں زیب کے لیے۔ اور میری سہیلی بھی مجھے بہت مس کر رہی ہے۔''

شہریار مسلسل محو گفتگو تھے کہ ان کی بات کو کسی نے کاٹا۔ سب مسکراتی ہوئی ان کو دیکھ اور ہنس رہی تھیں۔

''اوہو...... شہری بھیا! آپ ذرا گفتگو کو بریک لگا دیں تو میں بھی ان محترمہ سے مل لوں گا۔ کتنی دیر سے آپ کے پیچھے چھپا کھڑا ہوں۔''

خرم کی شوخ آواز سن کر زیب نے چونک کر مڑ کر دیکھا وہ نگاہوں میں تمام تر فرمائشیں مسکراہٹیں سموئے تک رہا تھا۔

''آداب بجالاتا ہوں محترمہ زیب رحمان صاحبہ!'' وہ پیشانی کو چھوتا ہوا جھکا۔

''آداب...... کیسے ہیں آپ؟'' زیب نے آہستہ سے پوچھا۔

''بفضل خدا بالکل ہشاش بشاش...... آپ خود دیکھ لیجیے نا۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''واقعی خرم خوبروئی اور دلکشی کا مکمل نمونہ لگ رہے تھے اونچا لمبا قد بھرا بھرا جسم مسکراتی ذہین آنکھیں فراخ پیشانی بخت آوری کی نشانی۔'' خرم کے وجود پر تو فوج کی وردی بری طرح سے پھب رہی تھی۔ زیب نے مرعوب ہو کر نگاہیں پھیر لیں۔

''مبارک ہو خرم صاحب!'' وہ بات بدلتی ہوئی بولی۔

''جی کس بات کی مبارکباد۔ یقین کیجیے ابھی بھی ہم کنوارے پھر رہے ہیں بیاہ ہی نہیں ہوا ہمارا۔'' وہ شرارت سے ہنسے۔

''ان شاء اللہ شادی بھی ہو جائے گی دل چھوٹا مت کیجیے آپ۔'' زیب ہنس دی۔

''ویسے اس وقت تو میں آپ کو کیپٹن سے پروموشن ہونے اور میجر بننے کی مبارکباد دے رہی ہوں۔'' وہ شرما سی گئی۔ تبھی عالیہ نے ایک نعرہ لگایا۔

''اوئے ہوئے۔ خرم میں تو بھول ہی گئی تھی مگر اب یاد آ گیا ہے کہ تم پر تو ہماری دعوت ڈیو (dew) ہے۔ یاد کرو

کہ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ پروموشن ہونے پر تم مجھے سوٹ لے دو گے۔ سونے کا لاکٹ اور پھر شاندار ڈنر کھلاؤ گے۔ تو بتاؤ نا کہاں گئے تمہارے وہ خوبصورت وعدے؟'' عالیہ دیور کا کان مروڑتی ہوئی بولی۔

''ارے بھابھی! میں مکر کب رہا ہوں مجھے یہ چیزیں آپ سے اچھی ہیں کیا؟ بھئی جب حکم کریں گی خرید لائیں گے برائے مہربانی اب میرا کان تو چھوڑ دیجیے نا۔ توبہ خدا بچائے آپ عورتوں سے۔'' وہ کان سہلانے لگے۔

''ہم جیسے جری فوجی جوان جو توپوں راکٹوں ٹینکوں سے نہیں ڈرتے مگر اپنی بہنوں اور بھابھیوں کے سامنے کتنے بے بس ہو کر ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولے تو عالیہ بے تحاشہ خوش ہو گئی۔

''تو خرم! پھر فٹافٹ پروگرام بناؤ دیکھو نا کل تو ہم لوگوں نے پنڈی روانہ ہو جانا ہے۔ تم ایسا کرو کہ آج تم ہمیں کسی فسٹ کلاس سے ہوٹل میں کھانا کھلا دو اور کل شاپنگ کروا دینا۔''

عالیہ نے بتایا لیکن جب زیب کو یہ معلوم ہوا کہ وہ صرف ایک دن رک رہے ہیں تو اس کا منہ لٹک گیا۔ شہریار نے اپنی مجبوری بیان کی اور بتایا کہ انہیں ان کے والد نے اشد ضروری کام کے سلسلے میں بلوایا ہے لیکن وہ وعدہ کرتے ہیں کہ واپسی پر عالیہ کچھ دن زیب کے پاس رک جائے گی۔ زیب یہ سن کر نہال ہوئی لیکن تبھی خرم نے گویا تمام مزا ہی کرکرا کر دیا۔

''ارے شہری بھیا! میں تو بتانا ہی بھول گیا ہوں آج آفس میں باجی کا فون آیا تھا انہوں نے کہا ہے کہ وہ آج نائٹ کوچ سے یہاں پہنچ رہی ہیں اور کل آپ ہی کے ہمراہ پنڈی جائیں گی۔''

''افو زیب بی بی! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ عالیہ آج رات کو تمہارے پاس نہیں رک سکے گی۔'' شہریار نے کہا۔

''بھئی زیب! منہ مت بناؤ۔ خدا کی قسم واپسی پر تمہارے پاس چھوڑ جاؤں گا نا عالیہ کو پھر جب دل چاہے اسے کراچی بھجوا دینا ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں زیب! اگر دل نہ چاہے تو بے شک واپس مت بھیجنا۔'' عالیہ شریر نظروں سے شوہر کو دیکھ کر ہنسی تو وہ واقعی گھبرا سے گئے۔

''ارے بابا! ایسا ظلم مت کرنا ابھی تمہاری اور میری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟ اللہ یہی کوئی چھ مہینے۔ نہیں بھئی مجھے معلوم ہے کہ میری زیب بہن بڑی اچھی ہے۔ یہ ہمیں کبھی تنگ نہیں کرے گی۔ ہاں تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ عالیہ کے ہمراہ کراچی چلی آنا۔'' انہوں نے پیشکش کی۔

''واہ...... واہ شیری بھیا! بڑا جگر ہے آپ کا کہ بیوی کو یوں چھوڑ رہے ہیں۔'' خرم نے انہیں چھیڑا۔

''ایمان سے ہم تو اپنی بیگم کو ایک لمحے کے لیے بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیں گے۔ ہم تو کوشش بھی یہی کریں گے کہ آفس میں بھی انہیں ساتھ رکھیں اور میدان جنگ میں بھی۔'' خرم شریر انداز سے ہنسے۔

''جی ہاں...... تبھی تو اب تک رنڈوے پھر رہے ہو۔ بیوی ہی نہیں مل رہی ہے جناب کو؟'' شہریار کے کہنے پر خرم جھینپ گئے اور عجیب بے تکان......................

''بھائی جان! لڑکیوں کی تو کمی نہیں ہے ہمیں لیکن یہ جو اپنی قسمت ہے نا یہی کچھ گڑبڑ ہے سدا کی خزاں زدہ ہے۔ آپ دیکھیے نا بچپن میں جس لڑکی سے والدین نے ہماری منگنی کی تھی وہ ہمیں چھوڑ کر اللہ میاں کے پاس چلی گئی اور پھر

اس کے بعد ابھی تک نگاہوں کو کوئی جچی ہی نہیں کوئی دل میں نہیں سماتی۔'' خرم افسردہ ہو گئے تو عالیہ نے جلدی سے بات بدلی۔

''خرم! ارے وقت تو دیکھو ساڑھے آٹھ بج گئے ہیں باتوں میں پتہ ہی نہیں چلا ہے۔'' عالیہ نے گھڑی دیکھی۔

''آپ دونوں احمر بھیا سے گپ شپ لگایئے جب تک ہم دونوں سہیلیاں تیار ہو جائیں گی آؤ زیب۔'' عالیہ نے کہا۔

''نہیں عالیہ! تم جاؤ نا میں کیا بن بلائی مہمان بنوں گی۔'' زیب نے کہا تو خرم کو برا لگا۔

''اف زیب! مجھے آپ کی بات سن کر بہت افسوس ہوا ہے میں نے تو کبھی آپ کو غیر سمجھا ہی نہیں اس لیے خصوصی دعوت نہیں دی تھی۔ آپ تو میری لاڈلی بھابھی کی عزیز دوست ہیں۔ پھر بھلا مجھے کیا کم عزیز ہوں گی؟ چلیے اٹھیے جلدی سے تیار ہو جایئے اور آئندہ غیریت برتنے سے گریز کیجیے گا ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔'' میجر خرم بڑی اپنائیت سے بولے پھر زیب کے چہرے پر خجالت کی سرخیاں دیکھ کر شہریار کے ساتھ باہر چلے گئے۔

''اے لو...... میرا دیور تو تمہیں عزیز بھی سمجھنے لگا ہے۔'' عالیہ نے ہنستے ہوئے چھیڑا۔ تو وہ خفا ہو گئی۔

''عالیہ! بکو نہیں۔ یہ سب تمہارے کرتوت ہیں اول فول بکتی رہتی ہو ہر وقت۔'' زیب نے ڈپٹا اور پھر بہانہ کرنے کی کوشش کی۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا خرم وغیرہ کے ساتھ جانا۔

''عالیہ! اگر میں نہ جاؤں تو اچھا ہے دیکھو نا گڑیا کی طبیعت اچھی نہیں اور بھابھی......''

''نہیں...... نہیں زیب تم ضرور جاؤ۔ سارا دن تو آفس میں سر کھپا کر آتی ہو ذرا تفریح ہو جائے گی نا۔'' سعدیہ بھابھی نے اسے مجبور کر دیا۔ عالیہ بھی اصرار کرنے لگی۔ خود زیب کا دل بھی چاہ رہا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت اپنی سہیلی کے ساتھ گزارے۔

''علی چلو زیب! ایمان سے میں تو اتنی ڈھیر ساری باتوں کا اسٹاک اکٹھا کر کے لائی تھی۔ سوچا تھا ساری رات باتیں کریں گے یہ نہیں معلوم تھا کہ میری نند صاحبہ نے آ کر مزا کرکرا کرنا ہے۔'' عالیہ نے منت کی۔

پھر عالیہ، زیب کو لے کر کمرے میں پہنچی اپنا بیگ کھولا اور چیزیں نکالنے لگی۔ سامان اس کی غیر موجودگی میں سعدیہ بھابھی نے کمرے میں رکھوا دیا تھا۔

''یار زیبو! میں نے تمہارے اور اپنے لیے ایک جیسے کپڑے بنوائے ہیں۔ بس صرف رنگوں کا فرق ہے۔ کراچی میں میری ایک سہیلی کی بوتیک میں مجھے یہ ڈیزائن پسند آئے تو میں نے تمہارے لیے بھی بنوا لیے تھے۔'' وہ بڑا سا بنڈل نکال کر بولی۔

''تمہارا سائز تو نہیں بدلا ہے نا؟'' عالیہ نے اسے بغور دیکھا۔

''نہیں وہی ہے۔'' زیب نے جلدی سے لفافہ کھولا۔ ''ہائے کتنا پیارا رنگ ہے۔'' وہ وائین کلر کا قمیص ساتھ لگا کر بولی۔

''زیب! تم یہ سیاہ سوٹ بھی نکال لو۔ میرا بالکل ایسا ڈارک گرین ہے۔ آج ہم دونوں ایک جیسا پہنیں گی۔''

''مزا ہی آ گیا۔ بڑا ہی شاندار کام ہوا ہے۔'' زیب سوٹ نکال کر دیکھنے لگی اسے بہت پسند آیا تھا۔

جدید طرز کے سلے ہوئے سیاہ قمیص پر گولڈن سلکی دھاگے اور مقیش کا بہت ہی نفیس اور دیدہ زیب کام ہوا تھا۔

''مجھے یقین تھا کہ تمہیں کپڑے پسند آئیں گے ویسے یہ سیاہ اور میرونش براؤن رنگ تمہارے گورے رنگ پر بہت کھلے گا۔'' عالیہ نے خوش ہو کر کہا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ بن سج کر تیار ہو چکی تھیں۔ عالیہ نے توصیفی نظروں سے زیب کو دیکھا۔

''اللہ...... زیبو چاند! آج تو تم اس قدر پیاری لگ رہی ہو کہ مجھے تو اپنے بیچارے دیور خرم کی خیریت خطرے میں نظر آ رہی ہے۔'' عالیہ نے اس کے رخسار چومے اور اسے بھینچ لیا۔

''اور تم بھی تو آفت جان لگ رہی ہو عالیہ! بس یہ کہو کہ شہریار اور خرم آج دونوں بھائیوں کی خیر نہیں۔'' زیب شریر انداز سے ہنسی۔

زیب تو عالیہ کے آنے کی وجہ سے پھول کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ یہی ایک سہیلی تو تھی جس سے وہ بے حد بے تکلف تھی باقی تو بدلتے وقت کے ساتھ بدل گئی تھیں اور اس سے ملنا جلنا چھوڑ گئی تھیں۔ اب ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے تمام دکھوں کا خاتمہ ہو گیا ہے۔

''بھئی لیڈیز! آپ تیار ہو گئی ہیں یا نہیں؟'' خرم نے دروازہ کھٹکا کر پوچھا۔

''ہاں جی ہم تیار ہیں آپ اندر تشریف لے آیئے نا۔'' عالیہ نے ہنس کر آواز دی وہ دیور کے تاثرات دیکھنا چاہتی تھی۔

''اللہ اکبر'' وہ مبہوت سے ہو کر دروازے کے بیچوں بیچ رک کر دونوں کو دیکھنے لگے۔

''لیڈیز بھئی مجھے تو معاف ہی رکھیے میں تو آپ کو ساتھ لے کر کہیں نہیں جانے کا۔'' خرم کان پکڑ کر واپس مڑ گیا۔

''ہائے کیوں...... کیوں نہیں لے جاؤ گے ہمیں؟'' عالیہ، زیب کا ہاتھ پکڑے پیچھے لپکی وہ احمر کے کمرے میں پہنچے۔

''شیری بھیا! میں تو ان دونوں خواتین کو اپنے ساتھ باہر لے جانے سے انکار کرتا ہوں۔'' خرم سنجیدگی سے بولے۔

''کیا بات ہے خرم؟'' شہریار جو احمر سے محو گفتگو تھے انہوں نے سر اٹھا کر پوچھا تو نظریں گویا عالیہ اور زیب کے جگمگاتے چہروں پر ٹک گئیں۔

''اُف...... آج تو غضب ہی ہو جائے گا۔'' شہریار بے ساختہ دونوں کو دیکھ کر بولے۔

''ہاں...... یہی ڈر تو ہے۔'' خرم نے جتلایا۔

''کیا بات ہے بھئی مجھے بھی کچھ بتاؤ نا۔'' احمر نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

''احمر بھیا! یہ عالیہ بھابھی اور زیب! بہت ہی خوبصورت لگ رہی ہیں۔ یہ تو آج ضرور دنگا فساد کروائیں گی۔ لوگ انہیں گھوریں گے پھر میں بیچارہ کس کس بدنظر سے لڑتا پھروں گا۔'' خرم نے کان کی لو چھوتے ہوئے کہا۔ پھر یکا یک انہوں نے قہقہہ لگایا۔

''یہ ذرا شہری بھیا کی حالت ملاحظہ فرمایئے کس طرح تصویر حیرت بنے منہ کھولے عالیہ بھابھی کو تاڑے جا رہے ہیں۔'' شہریار چونک گئے پھر جھینپ کر بولے۔

''ہاں بھئی آج تو بیگم اور سالی دونوں ہی قیامتیں لگ رہی ہیں ان کے ساتھ جانا خطرے سے خالی نہیں۔'' انہوں نے حامی بھری۔

''اچھا بھئی بہت ہو چکی ہیں تعریفیں شہری آپ بھی خرم کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔'' عالیہ انداز محبوبی سے بولیں۔

''پلیز اب چلیے نا بہت دیر ہو رہی ہے۔'' عالیہ نے گھڑی دیکھی تو سب اٹھ کھڑے ہوئے تو خرم نے احمر سے کہا۔

''کہ وہ کل صبح نو بجے ساتھ چلنے کے لیے تیار رہیں گے۔'' زیب کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا۔

''زیب بہن یہ اپنے میجر خرم بہت اچھے سرجن ہیں۔ ابھی پچھلے ہفتے تو یہ امریکہ سے ایک اور کورس مکمل کر کے واپس آئے ہیں۔ یہ احمر کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔'' شہریار نے بتایا تو زیب خوش ہو گئی۔ پھر بھائی سے عالیہ کے ساتھ گھومنے جانے کی اجازت طلب کی انہوں نے بخوشی اجازت دی اور بولے۔

''بیٹا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میں تو خوش ہوں کہ عالیہ آ گئی ہیں اب ذرا تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔''

○●○

کار ڈرائیو کرتے ہوئے خرم، شہریار سے مصروف گفتگو تھے اور زیب عالیہ بھی پیچھے بیٹھی کھسر پھسر کرنے میں مگن تھیں کہ خرم نے کار برائٹ اسٹار ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں روک لی۔

''چلیے لیڈیز! ہماری منزل آ گئی ہے۔ اس ہوٹل کا کھانا تو اچھا ہوتا ہی ہے باقی تفریحی پروگرام یعنی گانا ڈانس وغیرہ بھی قابل دید ہوتے ہیں۔ آج کل یہاں مشہور سنگر رابعہ ستار کے پروگرام ہوتے ہیں وہ اچھی آرٹسٹ ہیں ایک دو بار سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ تشریف لائیے۔'' خرم نے دروازہ کھولا۔

وہ سب لوگ ہال میں داخل ہوئے تو دھیمے دھیمے سُروں میں بجتے ہوئے میوزک نے ان کا استقبال کیا۔ بیرے نے بڑھ کر خالی میز تک ان کی راہنمائی کی۔

''زیب جی! کیا آپ پہلے بھی ایسی جگہوں پر آئی ہیں۔''

''ارے نہیں خرم صاحب! یہ تو پہلا موقع ہے کہ میں ایسی پبلک پلیس (Public place) پر آئی ہوں جہاں گانا وانا بھی ہوتا ہو۔ ذرا دیکھیے تو لوگ ہمیں کیسے گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔ اللہ مجھے تو وحشت ہو رہی ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''اسی لیے تو کہہ رہا تھا کہ آپ لوگوں کے ساتھ باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ میں جانتا تھا کہ لوگ تاڑیں گے چلیے خیر دیکھنے دیجیے۔ خوبصورت دلکش چیزوں کو کون نہیں دیکھتا۔''

خرم زیب کا بازو تھامے اسے بچاتے ہوئے اپنی ٹیبل تک آ گئے۔ پھر بڑے مہذب طریقے سے انہوں نے زیب کے کندھے سے سویٹر اتار کر کرسی کی پشت پر لٹکا دیا اور پھر کرسی کھینچ کر انہیں بٹھایا پھر خود بھی کرسی قریب کر کے بیٹھ گئے۔ زیب کا چہرہ ان کا التفات دیکھ کر تمتما اٹھا تھا۔

''شکریہ میجر!'' وہ ہونٹ دبا کر بولی۔ زیب، عالیہ کی آنکھوں میں شرارت کو محسوس کر رہی تھی۔ تبھی اسٹیج پر اناؤنسمنٹ ہونے لگی اور خرم صرف زیب کو جگمگاتی نگاہوں سے دیکھ کر چپ رہے۔

''خواتین وحضرات آج کا خاص پروگرام ہے۔ پی کاک ڈانس اور سنیک ڈانس (Peacock dance and snak dance) اور یہ آئٹم پیش کریں گی آج کی مشہور اور ہردلعزیز فنکارہ۔ پرنسز سارہ اور ان کی ساتھی ریٹا۔'' تالیوں کی گونج میں وہ دونوں اسٹیج پر آگئیں۔لوگوں نے نعروں سے ان کا استقبال کیا۔

وہ سیاہ چست لباس میں ملبوس تھی۔ رقص واقعی بہت عمدہ تھا دونوں اپنی فنکارانہ مہارت سے کام لے رہی تھیں۔ ان کے پھرتیلے جسموں میں گویا بجلی لپک جھپک رہی تھی۔ زیب اور عالیہ دلچسپی سے رقص دیکھنے میں محو تھیں۔ زیب اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ کچھ ہی فاصلے پر دو خوبصورت گہری گہری آنکھیں پلکوں کی اوٹ میں اضطراب سمیٹے بے قراری اور بے پناہ حیرتوں سے اسے تکے چلے جا رہی تھیں۔

بار بار پلکیں زور زور سے جھپکا جھپکا کر۔ جیسے جو کچھ وہ دیکھ رہی تھیں انہیں یقین نہ آ رہا ہو۔شارق کی نظریں زیب پر گڑ گئی تھیں۔ تبھی آئٹم ختم ہوا تو ہال میں روشنی پھیل گئی تھی۔ سبھی لوگ ایک دم چکا چوند روشنیوں میں آئے تو نگاہیں چندھیا سی گئیں۔

''کیوں مس کیسا لگا رقص؟''

خرم تالیاں بجاتے ہوئے جھکے اور زیب سے سرگوشی کی۔ جو بے حد متاثر سی تالیاں پیٹ رہی تھی۔

''بہت دلکش بہت ہی اچھا۔ سچ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ واقعی بپھرے ہوئے ناگ ہی ہوں۔ مزا آیا۔'' وہ سر جھکا کر مسکرا دی۔ ''یہ تو نیا تجربہ تھا میرے لیے اور اب مجھے اندازہ ہوا ہے کہ آپ مرد حضرات کیوں یہاں کثرت سے آتے ہیں۔'' سبھی ہنس دیئے۔

''شیری بھیا! میرا خیال ہے کھانا منگوا لیا جائے دوسرا آئٹم شروع ہونے میں ابھی پندرہ بیس منٹ لگیں گے۔'' خرم بیرے کو بلا کر آرڈر لکھوانے لگا۔ سب نے اپنی پسند بتا دی تھی۔

ہال میں موجود کچھ منچلی خواتین کی نظریں خرم کے وجود کا طواف کر رہی تھیں۔ بہت ہی خوبرو لگ رہے تھے وہ اور ہنستے ہوئے ان کا چہرہ مزید دلکش ہو جاتا تھا عجیب سی نرماہٹ ذہین نگاہوں میں تیرنے لگتی تھی چہرے پر ملاحت سی رچ جاتی تھی۔ ادھر شارق بے حد مضطرب تھے۔ وہ کرسی پر بیٹھے بار بار پہلو بدل رہے تھے بے یقینی انہیں مارے ڈال رہی تھی۔

''زیب...... یہ زیب ہی ہے نا۔ ہاں زیب ہی تو ہے؟'' دل نے سرگوشی کی۔

''لیکن یہ مرد کون ہے؟ کس کے ساتھ آئی ہے یہاں؟ اور...... اور...... باس تو دیکھو۔'' خرم وہ جو اس قدر والہانہ انداز لیے زیب کی طرف جھکا قریب ہوا سرگوشیاں کر رہا تھا۔ اور پھر زیب کا خوبصورت انداز، جگمگاتا چہرہ، یہ لجایا ہوا شرمیلا انداز؟ اور...... اور اس کے لباس پر تو نگاہ نہیں ٹھہرتی ہے۔

شارق کو نہ جانے کیوں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ بے اختیار دل میں خواہش ابھری کہ وہ جا کر اس ہنستے مسکراتے ہینڈسم خرم کو زیب کے پہلو سے گھسیٹ کر دور پھینک دیں۔ اور خود اس کی جگہ پر قابض ہو جائیں۔ ان کی سوچوں کے ویرانے وسیع تر ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی پیشانی بار بار بھیگنے لگی تھی۔ ان کی نگاہیں تو زیب کی سمت ایسی ٹکی تھیں کہ وہ اطراف سے بیگانے ہو گئے تھے۔

کھانا آنے پر خرم بار بار زیب کے سامنے ڈشز بڑھاتے رہے اصرار کرتے رہے ایک طرح سے زبردستی کھلاتے رہے۔

''پلیز زیب! کچھ تو لو نا۔تم تو کچھ کھا ہی نہیں رہی ہو؟ ایسا نہ ہو واپس گھر جا کر کھانا تلاش کرتی پھرو اور وہاں کچھ ملے ہی نہیں۔فرج فریزر خالی ہوں۔بھئی کچھ تو پیٹ میں ڈالو ورنہ مجھے ہی زبردستی تمہارے منہ میں نوالہ دینا پڑے گا۔''

خرم نے ہنستے ہوئے زیب کی پلیٹ میں چکن کری ڈالنا چاہی مگر اس نے جلدی سے پلیٹ ہٹالی۔

''اللہ......پلیز خرم نہیں رحم کیجیے مجھ پر۔'' زیب نے اس کا اصرار دیکھ کر منت کی۔

''دیکھیے نا پہلے ہی میری پلیٹ میں آپ نے اتنا بہت کچھ ڈال کر پہاڑ بنا دیا ہے۔توبہ میں یہ سب کچھ نہیں کھا پاؤں گی۔'' زیب نے گھبرا کر ان کا ہاتھ تھام لیا اور انہیں منع کرنے لگی۔

شارق کا گلاس ہونٹوں تک پہنچا ہی تھا۔جس وقت اس نے زیب کو خرم کا ہاتھ تھامتے دیکھا تو حسد کی ایک تیز لہر ان کے وجود سے اٹھی۔انہوں نے گلاس واپس میز پر پٹخ دیا۔اور ہونٹ دانتوں تلے کچل ڈالے۔

پھر دوسرا آئٹم شروع ہو کر ختم بھی ہو گیا لیکن شارق کی نظریں بدستور ہنستی کھلکھلاتی ہوئی زیب پر جمی ہوئی تھیں۔ مسکراتی ہوئی وہ کس قدر پرکشش لگ رہی تھی۔وہ محظوظ ہوتے ہوئے بار بار تالیاں بجا رہی تھی۔

شارق کے لیے زیب کا یہ روپ بالکل نیا اور دل لبھانے والا تھا۔بالکل ہی اچھوتا۔انہوں نے زیب کو کبھی اتنا فریش نہیں دیکھا تھا۔

''اے شارق! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' پرنسز سارہ نہ جانے کب سے اپنا آئٹم ختم کر کے ان کے پاس کاندھے پر ہاتھ رکھے کھڑی تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''شارق خیریت ہے نا کیوں کیا ہوا؟'' سارہ اس کے چہرے پر پریشانیاں دیکھ کر گھبرا گئی۔

''سارہ......سارہ! معلوم نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے؟'' وہ گویا ہراساں ہو کر بولے۔

''کیا بات ہے کیا ہوا؟'' وہ شارق کا ہاتھ تھام کر وہیں بیٹھ گئی۔پھر اس نے بوتل کی طرف دیکھا جو جوں کی توں دھری تھی۔صرف گلاس میں تھوڑا سا ڈرنک تھا۔وہ بھی ان چھوا دھرا تھا۔کچھ بھی تو نہیں پیا تھا شارق نے۔

''شارق نشے میں تو نہیں لگتے پھر ایسے مضطرب کیوں ہوئے جا رہے ہیں۔'' وہ حیران رہ گئی اور پوچھ بیٹھی۔

''شارق! یہ تم اتنی دیر سے کسے گھورتے چلے جا رہے ہو۔کون ہے وہاں۔'' سارہ اس کی نظروں کی سیدھ میں دیکھتی ہوئی بولی پھر وہ گویا مبہوت ہو گئی اس کی نظروں نے زیب کو تلاش کر لیا تھا۔

''افو......کون ہے یہ لڑکی! شارق رضا؟'' سارہ نے پوچھا۔

سیاہ لباس میں ملبوس چودھویں کے چاند کی طرح جگمگاتی زیب جس نے بالوں کا اونچا سا جوڑا بنایا ہوا تھا کانوں میں سفید نگینوں والے ٹاپس پہنے وہ سب لڑکیوں سے زیادہ ممتاز اور خوبصورت لگ رہی تھی۔سارہ نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

''بتاؤ بھی شارق! کون ہے یہ لڑکی! اللہ کس قدر پاکیزہ اور معصوم حُسن ہے۔'' سارہ تو فریفتہ ہو رہی تھی۔

''یہی تو زیب ہے کمبخت۔'' سرسراتی ہوئی آواز آئی۔

''زا...... زیب...... یعنی...... یعنی تمہاری سیکرٹری۔'' سارہ نے حیران ہو کر پوچھا۔
''جی ہاں......'' شارق نے انتہائی قہر کے عالم میں کہا۔ ''ہاں یہی وہ میری سیکرٹری ہے جو ہر ماہ دس ہزار روپیہ تنخواہ لیتی ہے اب ذرا حلیہ لباس ملاحظہ فرماؤ۔ اب بتاؤ سارہ اب تمہیں میری بات کا یقین آیا یا نہیں کہاں سے آتے ہوں گے پیسے؟ میں نہیں کہتا تھا کہ معصوم چہرے کے پیچھے زہریلی ناگن چھپی ہوئی ہے لیکن تم...... تم ہی میری بات نہیں مانتی تھیں اور اس کی باتیں سن کر اسے نیک اور پارسا ثابت کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔
اونہہ گھر میں تو فاقے ہو رہے ہیں اور یہ شریف زادی شہر کے مہنگے ترین ہوٹل میں موجود عیاشیاں کرنے میں مصروف ہے۔'' وہ سلگ کر بولے۔
''ارے شارق! تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ ہر بات کو شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھتے ہو۔''
''احمق انسان! اگر کوئی لڑکی یہاں عیاشی کرنے کے لیے آتی تو تنہا آتی اس فوجی جوان کے ساتھ جسے تم اس کا بوائے فرینڈ سمجھ رہے ہو اور اس دوسرے جوڑے کو ساتھ چپکا کر نہ لاتی۔ پھر زیب کے لباس جیسا ہی دوسری لڑکی کا لباس ہے اور شارق ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ آئی ہو۔ کوئی قریبی کزن وزن ہوں گے۔ فرینڈز ہوں گے۔ پھر کیا تمہارے پاس ملازمت کرنے پر یہ شرط عائد ہے کہ زیب اپنے عزیزوں کے ہمراہ بھی کہیں نہیں آ جا سکتی۔ ہو سکتا ہے زیب کے حالات خراب ہوں وہ کم مایہ ہو گئی ہو پر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے عزیز امیر ترین ہوں۔ اچھے روابط ہوں۔''
سارہ نے برا سا منہ بنایا۔ اسے شارق کی قیاس آرائیوں پر غصہ آنے لگا تھا۔ خود سارہ بھی ابھی تک زیب کے ساتھ بیٹھے خرم کو اور شہریار کو اچھی طرح دیکھ نہیں سکی تھی۔ خرم کا تو سائڈ پوز تھا لیکن شہریار کی ان کی طرف پیٹھ تھی۔
''شارق! کہیں ایسا تو نہیں کہ میری بددعا اتنی جلدی اثر کر گئی ہو؟'' سارہ نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔
''مجھے نہیں معلوم سارہ! نہ جانے کیوں زیب کے ساتھ اس مرد کو دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی ہے۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ ابھی اٹھوں اور جا کر اس فوجی کو قتل کر دوں۔'' وہ جوش سے بولے۔
''شارق! میں نے تو پہلے ہی پیش گوئی کر دی تھی کہ یہ لڑکی زیب ایک نہ ایک دن تمہاری زندگی میں کوئی اہم جگہ حاصل کر لے گی۔'' سارہ نے شارق کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور یاد دلایا۔ ''مگر کبھی کبھی بے جا ضد کی وجہ سے انسان قیمتی چیزیں کھو دیتا ہے۔''
''نہیں...... کوئی لڑکی میری زندگی میں اہم مقام نہیں حاصل کر سکتی ہے مجھے سب سے۔'' وہ پھر ضدی اور تندخو ہو گئے اور سارہ کا ہاتھ جھٹک دیا۔
''میں صرف اس ضدی ناگن کا غرور توڑنا چاہتا ہوں نیچا دکھا کر ٹھکرانا چاہتا ہوں۔'' وہ دانت پیس کر بولے۔
''بیوقوف انسان! آخر تم کیوں اپنی زندگی کو روگ بنانے پر تل گئے ہو۔'' وہ جھنجھلا گئی۔ ''اور چپ رہو یہی نفرت، نفرت کا راگ الاپ کر بور مت کرو شارق! جب اس زیب کی شادی ہو جائے گی یا اس نے ملازمت چھوڑ دی تو تم بعد میں پچھتاؤ گے۔ ایک غلطی کر کے تو اب تک پچھتاوؤں کی آگ میں جھلس رہے ہو شراب پی پی کر سینہ چھلنی کر رہے ہو۔ اور اب یہ لڑکی ہاتھ سے نکل گئی تو تمہاری اس دوسری غلطی کی تلافی صرف تمہاری موت ہی سے ہو سکے گی۔ پلیز شارق

گدھوں والی ضد چھوڑو ابھی بھی وقت ہے سنبھل جاؤ۔" سارہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"بوائے......" شارق نے سارہ کی بات ان سنی کرتے ہوئے چٹکی بجا کر بیرے کو بلایا پھر اپنے وزٹنگ کارڈ کی پشت پر کچھ لکھا۔

"دیکھو وہ سامنے اسٹیج کے قریب جو ٹیبل ہے نا وہ جو میم صاحب سیاہ کپڑے پہنے یونیفارم والے آفیسر کے ساتھ بیٹھی ہیں نا؟ انہیں یہ دے آؤ۔" بیرا کارڈ لے کر چلا گیا۔

"کیا لکھا ہے تم نے؟" سارہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"ابھی پتہ چل جائے گا۔" شارق اسی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

بیرے نے جا کر زیب کو کارڈ دیا تو وہ چونک گئی پھر نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا تو اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔ شارق کو تو وہ صاف پہچان چکی تھی۔ البتہ ان کے قریب بیٹھی لڑکی کی پشت نظر آ رہی تھی۔ جو جھک کر شارق سے کچھ کہہ رہی تھی۔ ہو سکتا ہے ٹینا یا روزی ہو؟

"کیا بات ہے زیب؟" اس کے یوں چونکنے پر خرم اور عالیہ نے بیک وقت پوچھا۔

"میرے باس مسٹر شارق! یہاں آئے ہوئے ہیں انہوں نے مجھے بلوایا ہے۔" وہ دبی زبان سے بولی۔

"کیوں آپ کو کیوں بلوایا ہے؟ ویسے کیا وہ خود چل کر یہاں نہیں آ سکتے تھے؟" خرم کی تیوری چڑھ گئی۔

"ارے کون سے ہیں تمہارے بگ باس مجھے بھی دکھاؤ نا۔" عالیہ تو ان کے گھناؤنے کرتوت سن بیٹھی تھی۔ اب اس رنگین مزاج انسان کو دیکھنا چاہ رہی تھی۔ آدم خور شارک کو۔

"عالیہ! وہ سامنے ہی تو بیٹھے ہیں وہ ڈارک بلیو اور سرخ دھاریوں والا سوٹ پہنے سرخ ٹائی لگائے۔ وہ بکھرے بکھرے بالوں والے صاحب۔" زیب نے دبی زبان سے کہتے ہوئے آنکھ سے اشارہ کیا۔ عالیہ نے ذرا اچک کر دیکھا۔

"ہائیں...... کیا یہ...... یہ شارک ہے؟" وہ حیران پریشان رہ گئی۔

"لیکن زیبو! یہ تو اس قدر معصوم صورت ہینڈسم سا مرد ہے۔ اللہ میں تو سمجھی تھی ہوگا کوئی طوطے جیسی ناک اور توند سا تھنڈ والا بڈھا کھوسٹ، ٹھرکی، کمینہ۔ زیب ارے میں کہیں غلطی تو نہیں کر رہی۔ یہ وہی ہے نا جس کے ساتھ میرون ساڑھی میں ملبوس بڑی خوبصورت سی لڑکی بیٹھی ہے۔ ابھی ابھی جس نے ہمیں مڑ کر دیکھا تھا۔"

عالیہ کو تو گویا یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ جس شخص سے متعلق وہ اتنی گھناؤنی باتیں سن چکی ہے۔ وہ اتنا پرکشش شخصیت کا مالک ہوگا۔

"ہاں...... وہی تو ہے لیکن اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟" وہ پریشان ہوگئی۔

"اول تو اس طرح سے ضرورت نہیں ہے آپ کو وہاں جانے کی۔ یہ کوئی طریقہ نہیں تھا بلانے کا کہ کارڈ پہ لکھ کر بیرے کو پکڑا دیا ہے۔ تہذیب کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ نواب صاحب خود یہاں تشریف لے آتے۔ چلیے اگر ان کے پاؤں میں مہندی لگی ہے تو میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ؟" خرم کرسی ہٹا کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے نہیں...... نہیں...... ہم نہیں جائیں گے۔" زیب نے دونوں ہاتھوں میں ان کا بازو جکڑ لیا۔

شارق جو سارہ کا ہاتھ تھامے ان کی طرف دیکھ رہا تھا زیب کی اس حرکت پر غیر ارادی طور پر ان کے ہاتھ کا دباؤ بڑھ گیا۔ سارہ نے بھی گھوم کر ان لوگوں کی سمت دیکھا۔

زیب، خرم کا بازو تھامے تھی اور وہ اس پر جھکے کھڑے تھے وہ نہ جانے کیا کہہ رہی تھی کہ پھر خرم اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور اپنی جیب سے پن نکال کر زیب کو دیا۔ تو وہ پہلے کچھ سوچتی رہی پھر وہ سر جھکا کر محویت سے اسی کارڈ پر کچھ لکھنے لگی۔ پھر اس نے کارڈ بیرے کے حوالے کر دیا اور کچھ سمجھایا۔

''لیجیے سر!'' بیرا شارق کو کارڈ پکڑا کر چلا گیا۔

شارق نے بے صبری سے کارڈ پر نظریں دوڑائیں۔ پھر ان کی پیشانی کی رگیں تن کر رہ گئیں۔ انہوں نے کارڈ مٹھی میں بھینچ لیا۔ اور کرسی سے اٹھنے لگے تھے کہ سارہ نے ایک دم ان کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر کارڈ ان کے ہاتھ سے چھین کر پڑھنے لگی۔

''زیب رحمان! تم کارڈ پڑھتے ہی فوراً میرے پاس آؤ'' شارق نے لکھا ہوا تھا۔

''بیوقوف احمق آدمی تم ہر بات میں حکم چلاتے ہو'' سارہ نے جل کر کہا۔ پھر زیب کا لکھا جواب پڑھنے لگی۔

''مسٹر شارق رضا! آپ شاید بھول رہے ہیں کہ میں نہ تو اس وقت آپ کے آفس میں ہوں نہ ہی ڈیوٹی پر۔ میرا ڈے آف ہے۔'' نیچے اس نے نام نہیں لکھا تھا۔ سارہ اس طنطنے پر بے اختیار ہنس دی۔

''ہوں...... اب ہوئی ہے نا برابر کی چوٹ'' وہ ہنسے چلی گئی اور شارق اور زیادہ چڑ کر رہ گئے۔

''سارہ یہ لڑکی تو میری ضد بنتی جا رہی ہے اب...... اب مجھے سختی سے کام لینا ہی پڑے گا'' وہ غصے سے بولے۔

''ابھی سختی کی گنجائش ہے تم ابھی بھی سختی سے کام لو گے کیا؟ ویسے شارق وہ مجھے کسی ایسے ویسے خاندان کی نہیں لگتی ہے ایسا نہ ہو تم سے بھڑ جائے نوکری پر لعنت بھیج دے اور ویسے بھی اب اور کیا کرو گے۔ اس کی تنخواہ کم کر کے پانچ سو کرنے کا ارادہ ہے۔ ابھی بھی سختی میں کوئی کمی رہ گئی ہے کیا؟ ایمان سے شارق میں تو کہتی ہوں کر ڈالو اس لڑکی سے شادی مجھے تو وہ واقعی اچھی لگ رہی ہے وہ یقیناً تمہارے لیے بہترین بیوی ثابت ہو گی۔ چھوڑو بھی اب یہ عورت سے نفرت وفرت کا ڈھونگ تماشہ مجھے یقین ہے کہ تم اس سے شکست کھا چکے ہو۔ تمہارا دل بری طرح سے موم ہو چکا ہے ویسے بیشک تم خود کو لاکھ فریب دو لیکن تمہیں زیب سے محبت ہو چکی ہے۔ سچ چھوڑو ضد اور اپنی فضول ہٹ دھرمی اور منا لو اسے۔'' سارہ نے اصرار کیا۔

''ورنہ مجھے لگتا ہے کہ وہ فوجی اسے لے اڑے گا''

''سارہ! تم بکو نہیں'' وہ غصے سے سلگتے ہوئے اٹھ گئے۔

''ارے تم جا کہاں رہے ہو؟ کیا چھمو بائی کے پاس؟'' وہ طنز سے بولی۔

''ارے واہ ہاؤ ویل یو نو می (how well you know me) ہاں آج ذرا چھنا نن چھن...... یعنی مجرا دیکھنے اور سننے کا موڈ بن گیا ہے۔ آج تو ہم اس بازار جائیں گے۔'' وہ کھڑے کھڑے ساغر ہونٹوں سے لگا کر بولے۔

ان کی نظریں زیب ہی پر جمی تھیں۔ وہ لوگ شاید جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ خرم نے بڑے مہذب انداز سے زیب کو کرسی ہٹا کر اس کے کاندھے پر سویٹر ڈالا۔ پھر نہایت اپنائیت سے بازو تھام کر راستہ دکھانے لگے۔

زیب نے اچٹتی ہوئی نگاہ شارق پر ڈالی۔ پھر عالیہ سے باتیں کرتی ہوئی باہر چل دی۔ سارہ بھی شارق کے ساتھ مڑ کرانہیں تک رہی تھی۔ پھر شہر یار اور میجر خرم کو دیکھ کر سارہ کی گہری جھیل سی آنکھوں میں سوچ کے سائے لرز لرزا اٹھے۔

''یہ...... یہ شکلیں تو بہت ہی جانی پہچانی ہیں۔ جیسے کوئی اپنے اپنے سے ہوں آخر یہ کون ہو سکتے ہیں؟'' وہ سوچتے ہوئے ذہن پر زور ڈالے چلی گئی۔ اسے اپنے خاندان، عزیز و اقارب اور شناساؤں سے تو جدا ہوئے تقریباً سات طویل سال گزر چکے تھے۔ پھر اب وہ اتنی جلدی ان مانوس اور شناسا سے نظر آنے والے لوگوں کو کیسے پہچان پاتی۔ کچھ لائٹ بھی کم تھی۔

سارہ نے افسردگی سے سر جھٹک کران چہروں کو دماغ سے ہٹانا نکالنا چاہا شاید میری کسی پرانی سہیلی کی فیملی ہوگی۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ نقش جمتے ہی جا رہے تھے دل میں ان کے لیے عجیب سی کشش محسوس ہو رہی تھی۔

''تم سارہ! کیا بات ہے سونے لگی ہو کیا؟'' شارق اس کی مندھی مندھی آنکھوں میں دیکھ کر بولے۔

''آں...... نن...... نہیں سوتو نہیں رہی بلکہ گھر جانے کا سوچ رہی تھی۔'' وہ چونک کر بولی۔

''سارہ! کیا تمہیں اس ویران اور تنہا سے گھر سے خوف نہیں آتا۔ جہاں کوئی تمہارا منتظر نہیں ہے۔ کیا وہ سناٹے اور زہر آلود تنہائیاں تمہیں کاٹنے نہیں دوڑتیں۔ چلو یار! آج تم بھی میرے ساتھ مجرا سننے دیکھنے چلو۔'' انہوں نے فراخدلانہ پیشکش کی۔

''جی شکریہ...... بس تم ہی جاؤ کیونکہ تم جیسے شقی القلب لوگ ہی دوسروں کی مجبوریوں کو سر بازار رسوا کر کے نچا کر گھنگروؤں کی جھنکار سے خوش ہوتے ہیں۔ مجھے کسی کی مجبوری کو یوں نیلام ہوتے نہیں دیکھا جاتا۔ ویسے شارق! اگر تم یہی بات کسی اور شریف زادی سے کرتے تو وہ تمہیں دس جوتے لگاتی اور صرف دو گنتی باقی آٹھ جوتے بونس کے ملتے۔'' وہ اپنا پرس اور کوٹ اٹھا کر ساتھ چلتے ہوئے بولی۔ تو وہ ڈھٹائی سے بولے۔

''سارہ! ویسے یہ تو تم بیچاری عورتوں کے ساتھ بڑی زیادتی ہے نا؟ دیکھو نا ہم مردوں کی تفریح اور دل بہلانے کے لیے کتنے مختلف طریقے ہیں۔ نائٹ کلب ہیں۔ بازار حسن۔ اور کتنی ہی دوسری چیزیں ہیں۔ تو تم عورتوں کے دل بہلانے کے لیے بھی کوئی ایسی جگہ ہونی چاہیے تھی نا؟ تفریح و فریح کی۔'' وہ ہونٹ دبا کر بولے۔

''ہاں...... اگر ایسی کوئی جگہ ہوتی تو خدا کی قسم شارق میں سب سے پہلے تمہارے پاؤں میں گھنگرو بندھوا کر نچواتی۔ نچ او ئے منڈیا۔'' وہ ہنس دی پھر اس نے شارق سے کہا کہ وہ اسے گھر چھوڑ دے گا۔

''کیوں تم نے میری گاڑی کو ٹیکسی سمجھ لیا ہے کیا؟ کبھی معاوضہ تو دیا نہیں ہے۔'' شارق نے چھیڑا اور اس کے لیے کار کا دروازہ کھولا۔

''ویسے سارہ! تم کل تو اتنے سڑے ہوئے موڈ میں مجھ سے ناراض ہو کر گئی تھیں۔ میں تو سمجھا تھا کہ اب زندگی بھر مجھ سے نہیں ملو گی شکل تک نہیں دیکھو گی۔ ارے وہی پرویز سے تکرار والی بات پر۔'' شارق نے یاد دلایا۔

''ہاں...... سوچا تو میں نے بھی یہی تھا کہ عمر بھر کبھی تمہاری کمینی مطلبی شکل نہیں دیکھوں گی لیکن پھر خیال آیا کہ تمہاری یاد آوری کا کیا نوٹس لینا۔ تم تو ہو ہی پاگل خبطی سے آدمی۔ تبھی تم سے صلح کر لی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''شارق......'' سارہ نے پکارا۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہے تھے۔ ذہن و دل نہ جانے کہاں تھے۔

''ہوں...... کیا بات ہے؟' شارق نے ذراسی گردن گھما کر پوچھا۔
''زیب ہے بہت ہی پیاری لڑکی! ہیں نا؟'' سارہ نے دل سے تعریف کی۔
''مجھے نہیں معلوم...... یہ تم اس کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟'' وہ جھنجھلا گئے لیکن سارہ ڈھٹائی سے بولے گئی۔
''میرا خیال ہے اس کے ساتھ جو فوجی جوان تھا وہ یا تو زیب کا منگیتر ہوسکتا ہے یا پرستار ہوگا تو کزن وزن ہی ویسے وہ کس قدر مہذب اور کتنا خوش شکل سمارٹ تھا۔'' لہجے میں حسرتیں رچی تھیں۔
''تم...... مجھے تعریفیں مت سناؤ اگر تمہیں وہ بوندو سا فوجی پسند آ گیا ہے تو جا کر زیب سے چھین لو۔'' وہ چڑ گئے۔
''ہشت......کیسی احمقانہ باتیں کر رہے ہو تم؟'' سارہ نے منہ بنایا۔
''سنو شارق! تم شادی کرو نا کب تک یوں بکھرے بکھرے پھرو گے؟'' یہ سننا تھا کہ شارق ہتھے سے اکھڑ گئے۔
''اف شادی کر لو......شادی کر لو ہر وقت یہ تکرار رہتی ہے تمہاری بھی اور باقی سب گھر والوں کی۔ تنگ آ گیا ہوں میں تو۔ سارہ! آخر تم کیوں نہیں کر لیتیں مجھ سے شادی؟ ٹھہرو ابھی کرتا ہوں تم سے شادی۔'' شارق نے جھنجھلا کر کار ایک مسجد کے سامنے روک لی تھی۔
''میں ابھی پکڑ کر لاتا ہوں مولوی کو اور دو بول پڑھواتا ہوں تم سے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولے۔
مسجد کے باہر بہت رش تھا انہیں رکتا دیکھ کر ایک آدمی ادھر آ گیا۔ اور پھر کھڑکی میں جھک کر انہیں دیکھا۔ ''کیا بات ہے صاحب!'' وہ ان دونوں کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔
''بڑے مولوی صاحب کہاں ملیں گے بھائی؟'' شارق نے استفسار کیا۔
''وہ تو مسجد میں واعظ کر رہے ہیں آج جلسہ ہے نا۔ کیوں صاحب کیا کام ہے؟'' وہ کار میں جھانک کر بولا۔
''میاں! نکاح پڑھوانا ہے بھلا اور کیا بات ہوسکتی تھی؟'' شارق جل کر بولے۔
''کس کا نکاح؟'' وہ مشکوک لہجے میں بولا۔
''اپنا اور اس لڑکی کا۔ اور اس کا؟'' شارق نے اکھڑ کر سارہ کی طرف اشارہ کیا تو وہ بندہ ٹپٹا کر رہ گیا۔
''لاحول ولا قوۃ...... گھر سے بھاگے ہوئے کیا لگتا ہے چھوکری کو اغوا کر کے لائے ہو؟'' وہ زور زور سے بولا تو لوگ اکٹھے ہونے لگے تو سکتے کے عالم میں بیٹھی سارہ چونک اٹھی۔
''خدا کے واسطے شارق! انسان بنو کیا تماشہ بنوانے لگے ہو۔ چلاؤ کار جلدی کرو۔'' سارہ نے سہم کر اسے جھنجھوڑا مگر وہ تسلی سے بیٹھے رہے جیسے کوئی خوف ہی نہ ہو۔
''اچھا ہے تماشہ بنتا ہے تو بنتا رہے۔ ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہو کہ شارق شادی کر لو......شادی کر لو۔ ٹھیک ہے ابھی نکاح کرتے ہیں پھر تم بھگتنا مجھے زندگی بھر۔'' وہ مطمئن سے انداز سے پاؤں پسار کر اور بازو کھڑکی سے ٹکا کر اس مولانا سے بولے۔
''بھیا ذرا بڑے مولوی صاحب سے کہو جلدی فارغ ہو جائیں۔ ہمیں جلدی نکاح پڑھوانا ہے۔''
''خدارا......شارق! تم آئندہ میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ۔ بس جلدی کار چلا دو۔ ورنہ......ورنہ یہ سب مولوی تمہیں مل کر جوتے لگائیں گے۔ خیر سے تم نے تو شراب بھی پی رکھی ہے۔ اور حشر میرا بھی خراب ہی ہوگا۔ سنگسار کرواؤ

گے۔''

سارہ نے گھبرا کر اسے جھنجھوڑا تو اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر شارق نے مسکرا کر کار چلا دی۔ پھر اس مولوی سے بولے۔''ابھی آتے ہیں ابو امی کو ساتھ لے کر۔''

''اف توبہ...... تم جیسے نادان شخص کی تو نہ دوستی اچھی، نہ دشمنی۔'' سارہ نے ماتھے سے پسینہ پوچھا۔

''سچ سارہ! مجھے رحم آ گیا تھا تمہاری رونی دھونی صورت پر۔ ورنہ تو آج تمہیں مسز شارق رضا بنا کر ہی دم لیتا؟'' شارق نے کہا تو سارہ طنزیہ انداز سے ہنس دی اس نے بے چین نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔

''نہ شارق رضا! تم کیوں بیوقوف بناتے ہو بھلا مجھے؟ اتنے اچھے تم بھی نہیں ہو۔ میں جانتی ہوں کہ مجھ جیسی ٹھکرائی ہوئی لٹی ہوئی رسوا عورت کو اپنانے کے لیے بہت بڑا دل چاہیے میں اس سماج اور معاشرے میں اپنی حیثیت بخوبی سمجھتی ہوں۔ جانتی ہوں۔ شارق! میں آنکھیں رکھتے ہوئے سب کچھ بغور دیکھتی ہوں خیالی دنیا میں نہیں رہتی۔ حقیقتوں کے تلخ زہر پیتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ باسی پھول تو مزاروں پر بھی نہیں چڑھائے جاتے۔

بلکہ بہت سے پھول بالا خانوں میں بسنے والے لوگوں کے گلے کی زینت بھی بنتے ہیں۔ بس یہ تو پھولوں کی قسمت پر منحصر ہے اور ان خریدنے والے ہاتھوں پر کہ وہ کہاں لے کر جاتے ہیں ان پھولوں کو۔''

سارہ کے چور چور لہجے میں اس قدر کرب اور محرومیاں تھیں کہ شارق بے چین ہو گئے۔ سارہ کی سیاہ آنکھوں میں جیسے اشکوں کا سیلاب امنڈ چلا آ رہا تھا۔ شارق کا دل دکھ گیا۔ انہوں نے سارہ کے کاندھے کے گرد بازو لپیٹ کر اپنے قریب کر لیا۔

''مجھے معاف کر دو میری اچھی سی سارہ!'' وہ پشیمان ہو گیا۔ سارہ نے بھی گہری سانسیں لیتے ہوئے دکھتا سلگتا ہوا سر ان کے کاندھے پر ٹیک دیا۔ کتنی دیر خاموشی رہی۔ دونوں ہی دکھوں کے ساگر میں سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے تھے۔

''شارق! جب تم اتنی نرم دلی اور خلوص کا مظاہرہ کرتے ہو نا تو اتنے پیارے اور بھولے بھالے معصوم بچے لگتے ہو۔ بے اختیار پیار آنے لگتا ہے تم پر۔ واقعی دل چاہنے لگا ہے کہ کار موڑ کر مسجد چل کر نکاح پڑھوا لیں۔'' وہ بھی زور سے ہنسے۔

''اب بالکل آج سے چھ سات سال پہلے جیسے انسان لگتے ہو۔ کاش شارق! تمہیں تمہاری روٹھی ہوئی خوشیاں مل جائیں۔ اور تم اتنے ہی پر خلوص رہو۔'' اس نے دل سے دعا مانگی۔

''افو...... تم عورتوں میں یہ کتنی بری عادت ہوتی ہے۔ کہ گھڑی میں روتی ہو اور ایک ہی منٹ بعد تمہاری زبان قینچی کی طرح پھر چل پڑتی ہے۔ اب کیا تم پوچھ رہی تھیں۔'' شارق نے مسکرا کر نرمی سے کہا۔

''میں یہ پوچھ رہی تھی کہ میں بھی تو عورت ہوں یہ جو تم دنیا میں وومن ہیٹر (Woman hater) کے نام سے مشہور ہو۔ تمہیں تو مجھ سے بھی نفرت کا برتاؤ کرنا چاہیے تھا۔ تم تو دوسری لڑکیوں سے برا سلوک کرتے ہو انہیں روندتے برباد کرتے ہو سیدھے منہ بات نہیں کرتے لیکن میں تو اکثر تمہارے ہمراہ رات رات گئے تنہا ہوتی ہوں۔ پر میرے ساتھ تو تم نے کوئی اخلاق سے گری ہوئی حرکت کبھی نہیں کی۔

پھر تم خواہ مخواہ اپنے کو کیوں بدنام کر وا رہے ہو؟ یا پھر میرے ساتھ ہی تمہارا سلوک مختلف کیوں ہوتا ہے؟'' وہ اسے کھوجتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

''سارہ! میں خود بھی نہیں سمجھ سکا۔'' وہ پر خیال انداز سے بولے۔

''شاید...... یہ وجہ ہو کہ ہمارا بچپن تقریباً اکٹھا گزرا ساتھ کھیلے پھر کالج میں بھی ساتھ ہی تھے۔ یا پھر یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے انس کی کہ ہم دونوں دنیا کے ٹھکرائے انسان ہیں ہماری کہانی تقریباً ملتی جلتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم ہی وہ واحد عورت ہو جو سچی اور کھری بات میرے منہ پر کہنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔ مجھے میری حالت اور عادات کو سمجھتی ہو۔'' وہ آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔

''تو سارہ تم نے پوچھا تو میں نے اپنا تجزیہ کیا۔ ویسے حقیقت تو یہ ہے کہ خود مجھے بھی معلوم نہیں کہ میں تم سے اس قدر اٹیچڈ کیوں ہوں؟ اور سچ تو یہ ہے کہ میں مون لائٹ کلب میں روزانہ آتا بھی تمہاری ہی وجہ سے ہوں۔ جس دن تم سے نہ ملوں بے چینی سی طاری رہتی ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بڑی تیزی سے ڈرائیو کر رہے تھے۔

اور سارہ نگاہوں میں ایک محبت کی حدت چھپائے انہیں دیکھ رہی تھی پھر اس نے شارق کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''میرا گھر آ گیا ہے شارق!'' اسے گھر کے سامنے سے تیز رفتاری سے گزرتے پا کر اس نے ٹوکا۔

''اوہو......'' شارق نے بریک لگائے تھوڑی سی گاڑی پیچھے کی پھر کھڑکی میں سے جھانکا۔

''سارہ میرا خیال ہے تمہارا کوئی مہمان آیا ہے؟ ایک کار کھڑی ہے تمہارے گھر کے پورچ میں۔'' وہ کار ریورس کر کے گیٹ کے سامنے روک کر بولے۔

''ارے نہیں...... میرے گھر بھلا کس نے آنا ہے؟'' وہ افسردگی سے ہنسی۔

''ساتھ والوں کا کوئی مہمان ہو گا وہ لوگ اکثر میرا پورچ استعمال کر لیتے ہیں۔'' وہ اتر کر بولی۔

''آ جاؤ نا شارق! تمہیں انتہائی مزیدار پیور کینیا کافی پلاؤں گی۔'' وہ منت سے بولی۔

''نہیں صبا! پھر کبھی سہی اب جی نہیں چاہ رہا۔'' وہ مسکرا دیئے۔

''سچ تو یہ ہے شارق کہ میرا دل نہیں چاہ رہا کہ تم ابھی جاؤ۔ عجیب سی اداسیوں کے موسم دل پر منڈلا رہے ہیں۔ شاید تم سے باتیں کر کے یا لڑ بھڑ کر یہ برساتیں برس جاتیں اور دل کی گھٹن جلن بوجھ کم ہو جاتا۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''خیر شارق! اب تم ذرا کھلے ذہن کے ساتھ زیب کے متعلق سوچنا اور خدارا اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کرو دن بدن تمہارا رنگ ماند پڑتا جا رہا ہے کمزور بھی ہو گئے ہو۔'' سارہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ذرا سوچو دوست! خدانخواستہ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میرا کیا بنے گا؟ میرا تو بھری دنیا میں سوائے تمہارے کوئی دوست نہیں ہے۔ ساتھی پیار کرنے والا مجھے سمجھنے والا اور کوئی ہے ہی نہیں۔'' سارہ نے اس کے چہرے کو ہاتھوں کے حلقے میں تھام کر کہا اس کی آنکھیں نم نم تھیں۔

شارق نے لمحہ بھر کے لیے اس کی محبتوں کے سمندر سے بھری آنکھوں میں جھانکا پھر مسکرا دیا۔ ''نہیں صبا! مجھے کچھ نہیں ہو گا تم فکر مت کرو۔ اور اب اندر جاؤ۔'' وہ اس کا ہاتھ تھپتھپا کر بولے۔

''اچھا...... آج تم ذرا اپنی مورنی جیسی چال تو دکھاؤ۔ میں نے تو آج تک تمہاری چال پر ہی غور نہیں کیا؟'' وہ

شرارت سے ہنسے۔

''سنا ہے بڑی مستانی چال ہے تمہاری جیسے بادنسیم کا خوشگوار جھونکا۔''

''ہائے نہیں......نہیں پلیز مجھے مت دیکھنا مجھ سے بالکل قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔ شارق تم دوسری طرف منہ کرلو نا؟ کانشیس (Consious) کر دیا ہے تم نے مجھے۔'' وہ راستے میں ہی رک گئی۔ شارق شریر انداز سے تک رہے تھے۔

''اونہوں سارہ ڈیئر! بھئی ذرا اپنے سر کو اونچا کرو اور کاندھے سیدھے کر کے چلا کرو۔ اب چل بھی چکو۔'' وہ زور سے بولے۔

سارہ نے ایک لحہ ان کی طرف دیکھا پھر ہنستی ہوئی کپڑے ہاتھوں میں سمیٹتی وہاں سے بھاگی پھر برآمدے میں پہنچ کر اس نے ہنستے ہوئے ہاتھ ہلایا۔

اس کی بچکانہ حرکت پر شارق نے زوردار قہقہہ لگایا۔ یہ ہنسنے کی یہ غیر ارادی حرکت عرصہ بعد ان سے سرزد ہوئی تھی۔ ورنہ وہ تو خود اپنی ہنسی کی آواز بھی بھلا ہی بیٹھے تھے۔

''سنو شارق!'' وہ وہیں سے چیخی۔ ''تمہیں اس طرح سے ہنستے دیکھ کر بہت خوشی ہورہی ہے۔ بہت ہی پیارے لگ رہے ہو تم؟ ہمیشہ اسی طرح ہنستے رہنا۔'' وہ منہ کے سامنے ہاتھ کا بھونپو بنا کر بولی۔

''ارے یہ کون سی مشکل بات ہے تم فرمائش کر دیا کرو نا۔ تو میں تمہیں ہنس کر دکھا دیا کروں گا۔ سارہ!'' وہ ہاتھ ہلا کر وہاں سے چل دیئے۔

سارہ مسکراتی ہوئی دیکھتی رہی۔ اس لحہ بھر کی بے ثبات ہنسی نے دل پر چھائے اندھیرے بادل کچھ کم کر دیئے تھے۔ وہ سر جھٹک کر مسکراتی ہوئی اپنے داخلی دروازے کی طرف بڑھی دروازے کو چابی لگانے ہی لگی تھی کہ اسے محسوس ہوا۔ جیسے دروازہ کھلا ہے۔

اس نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ وہ کچھ سوچتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ ہاتھ بڑھا کر لائٹ جلانے لگی تھی کہ ٹھٹک گئی۔

روزانہ تو اس کا خاص ملازم شیر خان لائٹ جلائے رکھتا تھا۔ سٹنگ روم اور ٹی وی لاؤنج کے بلب روشن ہی رہتے تھے۔ پھر آج کیوں روشنی گل ہے۔ کیا ہوا ہوگا؟

شیر خان اور اس کی بیوی تو رات گئے اس کے انتظار میں جاگتے رہتے تھے۔ جب وہ واپس لوٹتی تو گھنٹی بجانے سے پہلے ریشماں یا شیر خان دروازہ کھول دیتے تھے لیکن اکثر اوقات سارہ کو بہت ہی دیر ہو جاتی اور وہ بیچارے انتظار کی کوفت میں مبتلا بے آرام رہتے تھے مگر قالین پر سو جاتے تھے۔

تبھی سارہ نے داخلی دروازے کو دوسرا لاک لگوا لیا اور شیر خان ریشماں کے احتجاج کے باوجود انہیں جلد سونے کی ہدایت کی۔

''تمہیں میرا انتظار کرنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے میں جب بھی واپس آؤں گی دروازہ کھول لیا کروں گی۔ کھانا تو رات کو وہ تقریباً ہوٹل ہی میں کھاتی تھی۔'' سارہ سوچتی ہوئی آگے بڑھی۔ آج تو انہونی ہو رہی تھی۔ دروازہ بھی

کھلا تھا اور بجلی بھی بند تھی۔

اس کے ناک میں ایک تیز اور نامانوس بو ٹکرائی۔ اس نے زور سے سانس کھینچی۔ کمرے میں سگریٹوں کی بو پھیلی تھی۔

سارہ نے اب کچھ خوفزدہ ہو کر جلدی سے لائٹ جلائی۔ پھر سامنے صوفے پر بے تکلفی سے نیم دراز شخص کو دیکھتے ہوئے خوف کے مارے اس کا ہاتھ دل تک جا پہنچا۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی اور دیوار کے ساتھ لگ گئی۔

''پرویز! تت...... تم...... تمہیں یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟''

''ہوں...... کیوں چلا گیا تمہارا محبوب شارق رضا!'' پرویز سگریٹ منہ میں دبا کر کھڑا ہو گیا۔

وہ نہ جانے کب سے وہاں موجود تھا ایش ٹرے میں کتنے ہی سگریٹوں کے ٹکڑے پڑے تھے اور کھڑکی کھلی تھی۔

''تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میں اپنے ملازموں کو بلوا لوں گی۔'' وہ نفرت سے بولی۔

''تمہارے ملازم تو اس وقت اپنے کوارٹروں میں آرام کر رہے ہوں گے۔ میں نے انہیں اپنی اور تمہاری تصویر دکھا کر بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔ تب وہ کچھ مطمئن ہو کر بھرا پڑا گھر میرے حوالے کر کے تسلی سے سونے چلے گئے ہیں۔'' وہ انتہائی مکروہ انداز سے ہنسا۔

''تصویر...... کون سی تصویر؟'' وہ گھبرا گئی۔

''کیوں؟ کیا میرے پاس تمہاری تصویریں نہیں ہیں جس پوز میں جس انداز میں کہو۔ وہی تصویر دکھا دوں تمہیں؟ یہ دیکھو جیب میں رکھتا ہوں میں۔'' وہ اپنے پرس کو کھول کر دکھانے لگا۔ انداز تمسخرانہ تھا۔

''کیا چاہتے ہو تم؟ یہاں کیوں آئے ہو؟'' وہ اچانک سہم گئی۔

''مائی ڈیئر پرنسز سارہ! ہر وہ شخص جس کی جیب میں مال ہو اسے بھلا یہاں آنے سے کون روک سکتا ہے؟'' وہ معنی خیز طریق سے بولا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو تم؟'' وہ اس کا مطلب سمجھ کر بپھر اٹھی۔

''کیوں...... کیا کچھ غلط کہہ دیا ہے میں نے؟ حیرت ہے کہ ایک کیبرے ڈانسر ایک کال گرل اس وقت شرافت کا ڈھونگ رچا رہی ہے میرے سامنے۔ یہ لو پچاس ہزار روپے۔ میں رات یہیں گزارنا چاہتا ہوں۔'' وہ کوٹ کی جیب میں سے نوٹوں کی گڈی نکال کر آگے بڑھا اور سارہ کے ہاتھ پر دھر دیئے۔

''یہ کم ہوں تو لاکھ...... دو لاکھ بھی دے سکتا ہوں۔''

''رذیل شخص! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے میں یہ گندہ کاروبار نہیں کرتی۔'' وہ نوٹ پیچھے ہٹا کر بولی۔

''تم پارسا بننے کی کوشش مت کرو میں آج نامراد اور پیاسا واپس نہیں جانے کا۔'' پرویز نے ایک دم اسے بازوؤں میں قید کر لیا اور اس کے چہرے پر زبردستی اپنے نقش ثبت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

''مجھے چھوڑ دو پرویز!'' سارہ چیخ اٹھی اور خود کو چھڑانا چاہا۔

''تم کتنے کمینے بے غیرت ہو۔ لوگ اگر کسی کو بہن کہتے تھے تو اس رشتے کی لاج نبھانے کی خاطر جان تک دینے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اور تم کس قدر نیچ گھٹیا انسان ہو۔ کہ اپنے اس کارنامے پر خوش ہو رہے ہو کہ تم میرے

ملازموں کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں میرا بھائی سمجھتے ہیں۔ رشتوں کے تقدس کو پامال کرنے والے بدکار انسان! ڈوب مرو کہیں جا کر۔'' وہ حقارت سے بولی۔

''مگر میرا دل تو تمہاری ان خوبصورت آنکھوں میں ڈوبنا چاہتا ہے۔'' وہ ڈھٹائی سے کہتا ہوا جھکا۔

''ضدمت کرو سارہ! اگر پچاس ہزار روپے کم ہیں تو میں زیادہ دے سکتا ہوں۔ لاکھ دو لاکھ تم بولو تو۔''

''زبان کو لگام دو کتے۔'' جانے سارہ میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی۔ اس نے پرویز کو زوردار دھکا دیا۔ وہ لڑھک کر صوفے پر جا گرا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا۔ موقع پا کر سارہ بھاگی اور میز کے دراز سے پستول نکال لیا۔ پستول دیکھ کر پرویز کا رنگ زرد ہو گیا۔

''ہاں...... پرویز! برسوں سے میں اس موقعے کی تلاش میں تھی کہ تم سے اپنی بربادی کا انتقام لوں۔ اب بتاؤ کیا قیمت لگا رہے تھے میری؟ تمہارا مکروہ منحوس وجود گولیوں سے چھلنی کر دوں گی۔ تمہارے گندے وجود کا گندہ خون بہا دوں تاکہ تم اور معصوم لڑکی کو دھوکہ دینے کے قابل نہ رہو۔

ظالم کیا کیا ستم نہیں توڑے تو نے مجھ پر۔ پہلے مجھے صباحت سے پرنسز سارہ بنا ڈالا۔ میں جو تمہاری دلہن بننے کے خواب دیکھ رہی تھی تمہارے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئی تم مجھے غلاظت کے اندھیرے غاروں میں پھینک کر خود اجالوں کی طرف لوٹ گئے۔ اب جب میں زمانے کی ٹھوکریں کھا کر کچھ سنبھلی ہوں بمشکل اپنے قدم جمائے ہیں جینے کی آس باندھی ہے تو آج برسوں بعد تم واپس لوٹ آئے ہو اور وہ بھی مجھے اب ایک نیا روپ دینے کے لیے۔

مجھے طوائف بنانے ایک جسم فروش بنانے کے لیے۔ ظالم بدکار انسان! اس سے پہلے کہ تم مجھے کوئی نیا نام۔ کوئی نیا روپ بخشو۔ پھر سے میری زندگی کو عذاب بنا دو۔ میں تمہارا یہ شیطانی وجود ہی مٹا ڈالوں گی۔'' اس نے پستول اٹھایا۔ لہجے میں نفرتوں کے سانپ پھنکار رہے تھے۔ حقارت کے شعلے دہک رہے تھے۔

''پلیز صبا! خدا رسول کے واسطے میری بات تو سنو صبا۔'' وہ چیخ اٹھا۔

''میں...... میں تمہیں کلب میں رقصاں دیکھ کر تمہارے متعلق غلط رائے قائم کر بیٹھا تھا۔ میں واقعی نہیں جانتا تھا کہ تم کال گرل نہیں ہو۔ مجھے معاف کر۔'' وہ موت کو نظروں کے سامنے رقصاں پا کر لرز ہی گیا تھا۔

''خوب تو میرا نام یاد آ گیا ہے۔ مجھے کلب تک پہنچانے والے بھی تمہیں تو ہو۔ بزدل کم ہمت انسان۔'' سارہ نے لرزتا ہاتھ اونچا کیا اور گولی داغ دی۔

پرویز کے منہ سے ایک کریہہ چیخ بلند ہوئی وہ ہڑبڑا کر نیچے جھک گیا۔ سارہ کا نشانہ خطا ہو گیا تھا گولی کان کے پاس سے نکل گئی تھی۔ پرویز بے تحاشہ باہر کی طرف بھاگا۔ لیکن دروازے کے بیچوں بیچ شارق کو سینے پر ہاتھ باندھے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا دیکھ کر بوکھلا گیا۔ اسے آگے پیچھے ہی موت نظر آنے لگی۔

شارق آنکھوں میں قہر لیے اس کی طرف بڑھا اور گریبان پکڑ کر اس کے منہ پر ایک زوردار گھونسہ رسید کیا۔ اب پرویز بھی مقابلے پر اتر آیا تھا دونوں گتھم گتھا ہو گئے لیکن شارق تو غصے سے بپھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے بدحواس سے پرویز کا مار مار کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ کوئی شک نہ تھا اگر وہ اسے جان سے مار دیتے ہاتھ انگلیاں تو محسوس ہوتا تھا۔ اب بھی ٹوٹی ہوں گی۔

''بس کرو شارق! جانے دو اسے۔'' سارہ نے شارق کو بازوؤں میں دبوچ لیا۔

''جاؤ پرویز! اگر زندگی چاہتے ہو تو ابھی اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ''لیکن ایک بات غور سے سن لو۔ خبردار اب کبھی بھی مجھے صباحت کہہ کر مخاطب کرنے یا میرے راستے میں آنے کی کوشش مت کرنا۔ میں تمہارے ناپاک منہ سے اپنا نام سننا بھی ناپسند کرتی ہوں۔ یہ وہ پاکیزہ نام ہے جو میری عزت اور شرافت کی زندگی کا ضامن تھا'' سارہ نے تنبیہی انداز میں کہا۔

''ہاں...... دفع ہو جاؤ کتے حرامزادے، آئندہ میں تمہیں صبا کے نزدیک نہ دیکھوں'' شارق نے اسے گریبان سے پکڑ کر باہر دھکیل دیا اور خود ہاتھ ملتا ہوا واپس آ گیا۔

سارہ دوسری طرف منہ کیے اپنی بھیگی آنکھیں صاف کر رہی تھی۔ شارق وہیں ٹھٹک گئے۔ پھر بڑھ کر بڑے پیار سے اسے کاندھوں سے تھام لیا۔

''او شارق! یہ کیا ستم ہے کب تک مجھے میرے ایک گناہ کی سزا ملے گی'' وہ اس کے سینے میں منہ چھپا کر سسکیاں لے کر رونے لگی۔

''پلیز صبا! تم چپ ہو جاؤ تو میں تمہیں ایک اچھی سی خبر سناؤں'' وہ اسے صوفے پر قریب بٹھا کر بولے۔

''کیا بات ہے؟'' وہ جلدی جلدی آنسو صاف کرتی ہوئی معصوم بچی لگ رہی تھی۔

''وہ......وہ......وہی زیب والا تمہارا گیس (Guess) بالکل صحیح ہے'' وہ کھسیانے ہو کر اپنی گردن مسلنے لگے۔

''ہائیں...... کیا واقعی کہیں تم مجھے روتے دیکھ کر جھوٹ تو نہیں بول رہے۔ بہلا تو نہیں رہے؟'' وہ بے یقینی سے دیکھنے لگی۔

''پتہ نہیں صبا! میں جب تمہیں یہاں چھوڑ کر گیا تو میرے دماغ میں تمہاری باتیں گونج رہی تھیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ میں کروں تو کیا؟ دل و دماغ میں عجیب سی کشمکش برپا ہے۔ خیر......اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ شاید کچھ واضح ہو جائے۔ ابھی تو تم مجھے اپنی خاص ''کافی'' بنا کر پلا دو'' وہ اس کا بازو تھام کر کچن میں آ گئے۔

''لیکن شارق تم واپس کیسے آ گئے تھے؟ میں تمہیں چھوڑ کر بس تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ دل میں انجانے خدشے سر اٹھانے لگے۔ تو میں کار ریورس کر کے واپس لوٹ آیا۔ مجھے دل میں وہم سا اٹھا کہ کہیں تمہارے پورچ میں پرویز کی گاڑی تو نہیں؟ شکر ہے واپس آ گیا ورنہ تم نے تو پرویز کو قتل ہی کر دیا تھا'' وہ ہنسے۔

''ویسے صبا! کیا عورت اتنی بہادر اور اتنی ظالم بھی ہو سکتی ہے۔ کہ جس محبوب کی خاطر وہ شفیق والدین، گھر بار عزت سب کچھ داؤ پر لگا کر چھوڑ کر چلی گئی ہو۔ وقت گزرنے کے بعد اسی شخص کو اپنے ہاتھوں خون میں نہلا دے'' وہ حیرانی سے پوچھ رہے تھے۔

''دیکھو شارق مجھے وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری زندگی کا ہر صفحہ تمہارے سامنے کھلا ہے۔ تم چاہو تو میری کہانی سے سبق حاصل کر سکتے ہو؟'' وہ اسے کافی کا مگ پکڑا کر بولی۔

پھر وہ لوگ سٹنگ روم میں واپس آ گئے اور صوفے پر بیٹھ گئے تبھی سارہ کی نظر میز کے نیچے گرے ایک پیکٹ اور مردانہ والٹ پر پڑی۔ وہ کپ صوفے کی ہتھی پر رکھتی ہوئی اٹھی اور وہ پرس اور پیکٹ اٹھا لیا شارق سوالیہ نظروں سے دیکھ

رہے تھے۔ سارہ نے جلدی سے پیکٹ کھولا پھر ٹھنڈی سانس لی۔

''یہ کیا ہے سارہ؟'' شارق بھی قریب چلے آئے پھر ان ڈھیر ساری تصویروں کو دیکھنے لگے۔ جس میں سارہ کے ساتھ ساتھ پرویز بھی تھا۔

''یہ اس وقت کی تصویریں ہیں جب پرویز مجھے بھگا کر لندن لے گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ پہلے ڈر کے مارے اس نے فلمیں ڈیولپ نہیں کروائی تھیں کہ کہیں بیگم کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ مگر اب مجھ سے ملنے کے بعد مجھے بلیک میل کرنے کے خیال سے پرنٹ بنوا لیے ہوں گے۔ دیکھو نا یہ کسی فوٹو اسٹوڈیو کی رسید بھی ہے کہ دو فلمیں ڈیولپ کروائی گئی ہیں۔ ساتھ میں نیگیٹیو بھی ہیں۔'' سارہ جلدی جلدی فوٹوز پر نظر دوڑاتی ہوئی بولی۔ پھر بڑھ کر وہ سبھی فوٹو اس نے آتش دان میں جلتی آگ میں جھونک دیئے۔ تیز شعلہ سا لپکا اور رنگین ماضی کی یادگار وہ تصویریں جلنے لگیں۔ شارق نے پرویز کے پرس میں سے بھی دو تصویریں نکال کر آگ میں جھونک دیں۔

''چلو یہ تو اچھا ہوا کہ وہ الو کا پٹھا پرویز پستول سے خوفزدہ ہو کر سب فوٹو نیگیٹیو سمیت یہاں پھینک گیا ہے۔'' شارق نے پرس میز پر پھینک دیا۔ جس میں کافی ساری کرنسی تھی۔

○●○

شارق کئی دنوں سے رات کو گھر دیر سے جا رہے تھے۔ عجیب بے سکونی اور بے چینی سی وجود میں آن رچی تھی۔ تبھی وہ رات کو بھی سکون سے سو نہیں پاتے تھے اور کروٹیں بدلتے بدلتے رات گزر جاتی تھی۔ تبھی جب وہ دفتر پہنچتے تو طبیعت خاصی کسلمندسی ہوتی تھی۔ زیب سے متعلق بھی وہ عجیب گومگو میں تھے۔

''جاوید! زیب آج آفس کیوں نہیں آئی ہیں؟'' شارق نے بوجھل بوجھل آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔

''سر! وہ آج سی ایم ایچ گئی ہیں۔ اپنے بھائی احمر کی آنکھوں کا معائنہ کروانے۔ انہوں نے اپنی چھٹی کی درخواست میں لکھا ہے کہ اگر آپ ناراض ہوں تو بے شک ان کی تنخواہ کاٹ لیں۔''

''اچھا تم جاؤ۔'' شارق کرسی سے سر ٹکا کر سوچنے لگے۔

کل رات ڈھلے سارہ کے گھر سے واپس آنے کے بعد وہ بہت دیر تک زیب کے بارے میں سوچتے رہے تھے۔ انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ زیب کے ساتھ اپنا رویہ بدل لیں گے۔ نرمی اختیار کریں گے۔ تمام مراعات دیں گے۔

یہی فیصلہ کر کے وہ آج آفس بھی باوجود تھکاوٹ اور بے خوابی کے جلدی آئے تھے۔ بہت دیر تک وہ زیب کے منتظر رہے تھے لیکن گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی جب زیب نہ آئی تو انہوں نے بے قرار ہو کر انٹر کوام اٹھایا۔ وہ بزر بجنے کے باوجود زیب کے آفس سے کسی نے فون نہ اٹھایا تو آخر کار جاوید کو بلا کر انہوں نے پوچھ ہی لیا۔

''اچھا تو وہ محترمہ آج ہسپتال گئی ہیں۔'' انہوں نے سر ہلاتے ہوئے فائل تھام لی۔

اچانک دماغ جھنجھنا اٹھا۔ سی ایم ایچ (CMH) '' اور ساتھ ہی انہیں کل رات والا زیب کا ساتھی میجر یاد آ گیا۔ تو ان کے ماتھے پر شکوک کے بل پڑ گئے۔

''خوب......تو یہ چکر ہے؟'' باوجود خود سے وعدے کرنے کے کہ وہ اب زیب پر شک نہیں کریں گے مگر پھر وہ مشکوک ہو گئے تھے۔ ضرور وہ اس میجر کے ساتھ گھومنے گھامنے گئی ہو گی۔ شارق ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے پھر اپنا کوٹ پہنے باہر نکلے۔

''جاوید! تم کام سنبھال لینا میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔'' وہ جاوید کے آفس میں رک کر اسے ہدایت دینے کے بعد باہر نکل گئے۔

○●○

اور ان سب باتوں سے بے خبر زیب اپنے بھائی کے علاج کے لیے ہلکان ہو رہی تھی۔ ''خرم صاحب! میرے بھیا ٹھیک ہو جائیں گے نا۔'' وہ پرامید نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ہاں......ان شاء اللہ! بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ بتایئے اگر آپ کے احمر بھیا کو ہم تندرست و توانا کر دیں تو ہمیں کیا انعام ملے گا؟'' خرم نے ڈرائیو کرتے ہوئے سر گھما کر پہلو میں بیٹھی زیب سے پوچھا۔

''سچ میجر! اگر میرے بھیا ٹھیک ہو گئے نا تو خدا کی قسم آ......آپ...... جو کچھ مانگیں گے نا......وہی دوں گی۔'' وہ جوش کے عالم میں بولی اور یہی وعدہ وہ پہلے ڈاکٹر راحیل سے بھی کر چکی تھی۔

''ارے رے......آپ نے تو قسم بھی کھالی ہے زیب۔'' خرم ہنس دیئے۔

''تو آپ کا کیا خیال ہے میں کوئی جھوٹا وعدہ کر رہی ہوں؟ آپ کو کیا خبر کہ میں اپنے بھیا سے کتنا پیار کرتی ہوں ان کی خاطر تو میں جان بھی دے سکتی ہوں۔''

''خیر زیب! جان دینے کی بالکل ضرورت نہیں ہے ہمارا وعدہ ہے کہ ہم آپ کے بھیا کی آنکھیں ٹھیک کر کے دم لیں گے۔ اور خدانخواستہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو ہم اپنی آنکھیں بھی آپ کے بھیا کو دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔'' وہ پیار سے بولے۔

''اللہ نہیں میجر خرم! آپ کی آنکھیں تو بہت قیمتی ہیں۔ ہزاروں لاکھوں لوگ آپ کی مسیحائی سے شفایاب ہوتے ہیں۔ سینکڑوں سانسوں کو بحال کیا ہو گا آپ نے؟ کتنی زندگیاں بچاتے ہیں آپ؟ مجھے ویسے بھی یقین ہے کہ احمر بھیا آپ کے علاج سے اچھے ہو جائیں گے؟'' وہ انہیں عقیدت سے دیکھ کر بولی۔

''اچھا......اچھا......زیادہ تعریفیں مت کریں۔ ہمارا گھر آ گیا ہے میں کار روک کر اندر جاؤں گا۔ مگر آپ ایک دم سامنے مت جایئے گا عالیہ کے۔ میں آپ کو دروازے کے پیچھے چھپا دوں گا اور عالیہ بھابھی سے کہوں گا کہ آپ کو چھٹی نہیں مل سکی۔ تبھی آپ نہیں آئی ہیں۔ ذرا مزا آئے گا۔ جب وہ خوب بولیں گی۔'' میجر خرم نے اسکیم بتائی۔ وہ اتر کر اندر آ گئی مگر پردے کے پیچھے ٹھہر گئی۔

''آپ اس دروازے کے پیچھے چھپ جائیں۔'' وہ پردہ ہٹا کر بولے۔ زیب وہیں دبک گئی۔ کار رکنے کی آواز سن کر عالیہ دوڑتی ہوئی سیڑھیوں سے اتری تھی زیب سے ملنے کی خوشی اسے بے قرار کیے تھی۔

''ہائے خرم! زیب کہاں ہے؟'' وہ چاروں طرف متلاشی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

''بھابھی! زیب نہیں آ سکی ہیں۔ انہیں تو چھٹی نہیں ملی میں نے تو بہت کہا لیکن......'' خرم کاندھے جھٹک کر صوفے

پر بیٹھ گئے۔

''زیب کو......اسے چھٹی نہیں ملی؟'' عالیہ کے چہرے پر زلزلے کے آثار ابھر آئے پھر وہ برس پڑیں۔

''ہائے مجھے پہلے سے خبر تھی کہ یہ شہریار کراچی میں تو بہت وعدے کرتے تھے کہ تمہیں زیب کے پاس رہنے دوں گا۔ تم اپنی سہیلی کے ساتھ مزے کرنا۔ خوب ملنا گپ شپ لگانا۔ لیکن اب یہاں آ کر مجھے پھنسا دیا ہے۔ میں زیب کے پاس رہ ہی نہیں سکتی۔ بس ٹھیک ہے اکیلے ہی پنڈی جائیں گے اب۔ میں تو جا رہی ہوں اپنی زیب کے پاس۔'' عالیہ کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تھے۔ اسے تو اپنی سہیلی جان کی طرح پیاری تھی۔

''کیوں بھابھی! کیا آپ کو ہم سے زیادہ پیاری ہیں زیب؟'' خرم ہنس کر بولے اور انکھیوں سے زیب کو دیکھا جو چھپی ہوئی تو تھی مگر آبدیدہ ہو رہی تھی۔

''ہائے عالیہ!'' زیب پردے کے پیچھے سے نکل کر اس سے لپٹ گئی تھی اس سے مزید برداشت نہیں ہو رہا تھا نا۔

''سچی عالیہ! مجھے تمہارے ان دیور صاحب نے یہاں چھپا دیا تھا کہ ذرا ڈرامہ کریں گے اور عالیہ کو ستائیں گے۔''

''اوہو زیب! آپ بڑے برے وقت پر باہر نکل آئی ہیں ابھی پتہ چل جاتا کہ یہ ہمیں زیادہ چاہتی ہیں یا آپ کو؟'' خرم سر پر ہاتھ مار کر بولے۔

''بھئی ظاہر ہے یہ مجھے زیادہ پیار کرتی ہیں۔ کیونکہ عالیہ اور میرا تو برسوں کا ساتھ ہے۔ اور آپ سے رشتہ داری تو اب ہوئی ہے نا؟'' زیب، عالیہ کے گلے میں بانہیں ڈال کر بڑے فخر سے بولی۔

''خیر زیب جی! بڑی خوش نصیب ہیں آپ جو آپ کو اس قدر پیار کرنے والی دوست مل گئی ہیں۔ ہمیں تو آپ کے نصیبوں پر رشک آ رہا ہے۔'' خرم نے پیار سے کہا۔

''خیر اب بھابھی صاحبہ حکم کیجیے آج کا پروگرام کیا ہے؟'' خرم وہیں میز پر ٹک کر بولے۔

''آج کا پروگرام یہ ہے دیور جی! کہ کھانا کھانے کے بعد ہم لوگ شاپنگ کریں گے۔ پھر آپ حسب وعدہ اپنی ترقی کی خوشی میں ہمیں تحفے خرید کر دیں گے۔ اس کے بعد ہم آپ کے خرچ پر ایک عدد فلم بھی ضرور دیکھیں گے۔'' عالیہ اپنے پروگرام انگلیوں پر گن کر بولی تو خرم نے ٹھنڈا سانس لیا اور بے بسی سے بولے۔

''اور ان شاء اللہ آج اپنا تو کونڈا ہو جائے گا۔ ہائے مجھے تو کمزوری سی محسوس ہونے لگی ہے۔'' پھر وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئے۔ پھر دونوں حسین لڑکیوں کو مظلومیت سے دیکھا۔

''اچھا...... پھر آپ بھی کیا یاد کریں گی تھا کوئی سخی اور حاتم طائی دیور! میجر خرم۔'' وہ شاہانہ انداز سے بولے۔

''ویسے شہری بھیا اور باجی کہاں ہیں؟'' وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر بولے۔

''باجی اپنے سسرال گئی ہیں وہیں کھانا ہے ان کا اور آپ کے شہری بھیا اپنے کسی ڈاکٹر دوست سے ملنے گئے ہیں۔ آجائیں گے تھوڑی دیر تک۔'' عالیہ نے بتایا۔

''اچھا بھابھی! میں بھی دوپہر کو کھانا کھانے آجاؤں گا ہسپتال کا چکر لگا آؤں ذرا۔'' خرم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''خرم! مجھے احمر بھیا کے بارے میں تو بتاتے جاؤ۔'' عالیہ نے اس کا بازو تھام لیا۔

''احمر بھیا کا آج صبح تفصیلی معائنہ کیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تین چار مہینے تک اپریشن کروں گا۔ وہ ضرور ٹھیک ہو

جائیں گے۔''
خرم نے تسلی دی۔''میں حیران ہوں بھابھی! کہ ہمارے ڈاکٹرز نے انہیں لاعلاج کیوں قرار دیا تھا حالانکہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ خیر اب میں احمر بھیا کو گھر چھوڑ کر آپ کی زیب صاحبہ کو لایا ہوں۔''انہوں نے بتایا۔
''جی دیور صاحب! مانتے ہیں۔ بڑا احسان کیا ہے آپ نے ہماری جان پر۔ اب خیر سے تشریف لے جایئے آپ۔'' عالیہ نے منہ بنایا۔
''اللہ جی توبہ...... کتنی احسان فراموش ہیں آپ بھابھی! کہ مطلب حل ہوتے ہی ہمیں گھر سے باہر نکالنے پر تل گئی ہیں۔ خیر عزت اسی میں ہے کہ ہم کھسک لیں۔ اچھا بھئی ہم چلتے ہیں۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر اوپر اپنے کمرے میں چلے گئے ورنہ بیٹھنے کو تو بہت دل چاہ رہا تھا۔
عالیہ مسکراتی ہوئی زیب کی طرف مڑی وہ بھی ہنس رہی تھی۔''کیوں کیسا ہے میرا دیور؟'' عالیہ نے فخر سے پوچھا۔
''بہت...... بہت اچھے مخلص نیک انسان ہیں۔'' زیب صاف دلی سے بولی اور ان کی تعریف کی۔
''ارے ایمان سے کہو زیب! مجھے تو تمہاری طرف سے اندیشہ تھا۔ چلو یہ وہم بھی ختم ہوا۔ اب میں فوراً سعدیہ بھابھی سے بات کروں گی۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔
''ہائیں...... کیا مطلب ہے تمہارا کون سی بات؟'' زیب نے حیران ہو کر پوچھا۔
''زیب! کل کلب سے واپسی پر جب ہم تمہیں گھر چھوڑ کر واپس آئے تو شہریار تمہارا ہی ذکر خیر کرتے رہے۔ بہت متاثر ہیں تم سے۔ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ کیوں نہ ہم خرم کی شادی زیب سے کروا دیں۔ اس طرح تم دونوں سہیلیاں اکٹھی رہ سکو گی۔ ہائے زیب میں تو ان کا مشورہ سن کر پھڑک کر رہ گئی ہوں۔ بس مجھے اور کیا چاہیے تھا۔ میں نے کہا اچھا زیب سے بات کر کے دیکھوں گی اور مجھے یقین ہے اب وہ میری بات مان لے گی۔ زیب...... زیب! تو پھر تمہیں پسند ہے نا خرم! راضی ہو نا تم؟'' عالیہ نے اس کے بازو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔
''ہٹ عالیہ! پاگل ہوئی ہو تم تو۔'' زیب کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے نرمی سے عالیہ کا ہاتھ تھام لیا۔
''بھئی میں نے خرم کی تعریف یوں تو نہیں کی تھی کہ تم ان سے میرا رشتہ جوڑنے بیٹھ جاؤ۔ میرا گھر بسانے کی سوچنے لگو۔ عالیہ تم سب کچھ جانتی ہو۔ میں نے تو کبھی تم سے اپنے گھریلو حالات نہیں چھپائے ہیں۔ عزیز از جان دوست! میں ابھی شادی نہیں کر سکتی۔ خدارا میری مجبوریوں کو سمجھو۔'' اس نے منت کی پھر سمجھانا چاہا۔
''لیکن زیب جان! خرم بہت اچھا لڑکا ہے وہ تمہاری مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے تمہارے بوجھ بانٹ لے گا نا؟'' وہ تڑپ گئی۔
''نہیں...... پلیز عالیہ! تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے بہن بھائی احساس کمتری کا شکار ہو جائیں کہ بہنوئی انہیں پال رہا ہے۔ خرم تو بہت اچھے انسان ہیں انہیں تو ہزاروں لڑکیاں مل جائیں گی عالیہ! مجھ سے کہیں بہتر بہت امیر کبیر۔ مگر عالیہ! جب تک میری ذمہ داریاں اور فرض پورے نہیں ہوتے میں تو شادی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی ہوں۔'' وہ عالیہ کے گلے میں بانہیں ڈال کر رنجیدگی سے بولی تو وہ بری طرح سے مایوس ہو گئی۔
''ہاں...... لڑکیاں تو بہت مل جائیں گی زیبو! لیکن خرم وہاں مانیں بھی تو؟ دراصل بات یہ ہے کہ خرم بچپن ہی سے

اپنی چچازاد کو بہت پسند کرتے تھے۔ بڑے ہونے پر والدین نے ان کی پسند کو دیکھتے ہوئے ان کی منگنی اپنی بھتیجی صباحت سے کر دی۔ تو خرم خوشی خوشی امریکہ تعلیم حاصل کرنے چلے گئے۔ انہیں گئے تین سال گزرے تھے کہ اچانک صباحت کسی مہلک بیماری کا شاید ڈینگی فیور کا شکار ہو کر فوت ہو گئی۔ اور کبھی کہتے تھے کہ ٹرین کے حادثے میں جاں بحق ہوئی ہے۔ مگر ہم لوگوں پر تو قیامت ٹوٹ گئی تھی سبھی بدحواس ہو کر رہ گئے تھے۔

خرم کو جب یہ منحوس خبر ملی۔ یہ تو صدمے سے دیوانے ہو اٹھے امریکہ سے واپس آ گئے۔ پڑھائی چھوٹ گئی لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ صباحت کے والدین نے اس کی موت کی اطلاع بہت دیر کے بعد دی اور یہاں تک کہ کوئی بھی عزیز اس کے جنازے تک کو کاندھا نہ دے سکا۔ سبھی کو نہ صرف اچنبھا تھا بلکہ گہرا صدمہ بھی ہوا۔ خرم کے والدین نے اس بات کو بہت محسوس کیا۔

انہیں رنج پہنچا۔ آخر کو وہ ان کی بہو تھی۔ پھر بھتیجی بھی تو تھی۔ اتنا بڑا حادثہ ٹوٹ گیا اور انہیں مطلع نہ کیا گیا غیروں کی طرح بعد میں خط لکھ دیا۔ سب جا کر خوب لڑے تو صباحت کے ابو کبھی کہتے کہ وہ بہت شدید بیمار ہو گئی تھی۔ کبھی کہتے تھے کہ وہ اپنی سہیلی کی شادی میں شریک ہونے کے لیے ملتان جا رہی تھی کہ ٹرین کے ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہو گئی۔ ویسے ان ہی دنوں میں ٹرین کا ایک ہولناک حادثہ ہوا بھی تھا؟

بس صباحت کے گھر والوں کی تو عجیب حالت تھی۔ ہم سب یہی سمجھے کہ جوان حسین بیٹی کے غم نے ان کے دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ وہ صدمے سے بے حال تھے۔ ویسے خرم کے ابو یعنی میرے سسر کو تو اس بات کا اس قدر گہرا صدمہ پہنچا کہ انہوں نے صباحت کے خاندان سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ خود خرم بھی اس صدمے کو مشکل سے برداشت کر سکے ہیں۔'' عالیہ نے لمبی چوڑی بات کے بعد گہرا سانس لیا۔

''زیب دشواری یہ ہے کہ خرم شادی کے لیے کسی صورت تیار ہی نہیں ہوتے تھے ہم سب نے اتنا زور لگایا منتیں کیں مرادیں مانیں۔ مگر وہ کہتے ہیں کوئی لڑکی دل کو نہیں بھاتی۔ بس اب تمہارے معاملے میں کچھ نرم پڑتے دیکھ کر ہم تو بہت خوش ہو رہے تھے۔ سب سے زیادہ خوشی تو مجھے تھی کہ ہم دونوں ایک ہی خاندان کی بہو بن جائیں گی۔ اکٹھے رہیں گی۔'' عالیہ کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

''نہیں عالیہ میری جان! میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی۔'' زیب بے قرار ہو گئی۔

''اگر تم میری مجبوریوں کو جاننے کے باوجود ضد کرتی ہو کہ میں خرم سے بیاہ کر لوں تو میں ضرور کر لوں گی۔ یہ تو...... یہ تو ایک معمولی سی فرمائش ہے میں تو تمہاری خوشی کے لیے جان بھی دے سکتی ہوں۔'' زیب رو دی۔

''بعض اوقات یہ مجبوریاں انسان کو اس طرح پابہ زنجیر کرتی ہیں کہ باوجود لاکھ چاہنے کے وہ اپنے وجود کو حرکت نہیں دے سکتا کچھ اس طرح سے ان شکنجوں میں پھنستا ہے کہ حالات کا واقعات کا قیدی ہو کر رہ جاتا ہے۔ ورنہ کون سی ایسی لڑکی ہے جو یہ نہیں چاہتی کہ اس کا ایک چھوٹا سا گھر سنسار ہو۔ جس کے آنگن میں وہ من چاہے گلاب کھلائے بیلے کے موتیے کے پودے لگائے۔ وہ گھر بچوں کے شور سے جی اٹھے پھولوں سے مہک اٹھے۔

کوئی اس کو سہارا دینے بے پناہ پیار دینے والا ہو اس کو بانہوں میں گھیر کر کانوں میں الفت بھری سرگوشیاں کرے؟ یہ جنت یہ گھر اور من چاہا مرد؟ یہ ہر لڑکی کی آنکھوں کا خواب ہے۔ پھر یہ خواب دیکھنے والی آنکھیں چاہے کسی دیہات کی

رہنے والی بھاگاں مائی کی ہوں یا رجو، رانو کی یا شہر کی آزاد تتلی ٹینا...... یا روزی کی۔ سب ہی قوس وقزح نگاہوں میں سجائے رنگین سپنے دیکھتی ہیں؟

پھر یہ لڑکی زیب کوئی ان سے مختلف تو نہ تھی بس حالات اور مجبوریوں کی قیدی تھی۔ وقت نے پاؤں میں فرضوں کی زنجیریں ڈال کر بے بس کر رکھا تھا۔ اس نے منہ زور آرزوؤں پر بند باندھ دیا تھا۔

حسین جوان سلگتے خواب، نگاہوں ہی میں دم توڑ چکے تھے دل مار لیا تھا اس نے اپنا۔ اپنے سپنوں کے آئینے پر اس نے خود ہی آرزوؤں کی زنجیریں مار کر انہیں چکنا چور کر دیا تھا۔

''نہیں زیب! معاف کرنا۔ میری پیاری دوست میں بڑی خودغرض ہو رہی تھی۔'' عالیہ نے اسے گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''تم تو جانتی ہو کہ میں تم سے بے پناہ محبت کرتی ہوں۔ میں تو صرف اپنے اور تمہارے ہمیشہ اکٹھے رہنے کے متعلق سوچ رہی تھی۔ دوستی کو ابدیت دینا چاہتی تھی اسے رشتہ داری میں بدلنا چاہتی تھی۔ ہاں میں جانتی ہوں کہ احمر بھائی اور سیما، گڑیا، کامران ان سب کو تمہاری مجھ سے زیادہ ضرورت ہے۔ میں یہ بھول بیٹھی تھی کہ تم پر فرائض کا انبار لدا ہے۔ میں تمہاری محبت میں خودغرض ہو کر سوچ رہی تھی۔ تو جب تک احمر بھیا ٹھیک نہیں ہو جاتے وہ اپنا بوجھ خود اپنے کاندھوں پر نہیں اٹھا لیتے تب تک میں ضد نہیں کروں گی۔'' وہ پیار سے بولی۔

''مگر جب احمر کی طرف سے تمہیں تسلی ہو جائے گی اپنے گھر کے مالک و نگران خود نہیں ہو جاتے تب تو تمہارا کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔''

''توبہ عالیہ! ضدی ہو تم تو یعنی رشتے کا سوال پھر بھی ضرور اٹھاؤ گی۔ دیورانی ضرور بناؤ گی۔'' زیب کو ہنسی آ گئی۔

''ہاں...... دیکھو نا زیب! میں جلتی کڑھتی جو رہتی ہوں تمہاری حالت دیکھ کر۔ تمہیں اتنے فضول آدمی کے پاس ملازمت کرنی پڑ رہی ہے۔ خاندان کا بوجھ اٹھانا پڑ رہا ہے۔ میں چاہتی ہوں تمہاری شادی ہو جاتی تو کم از کم تم ان جھنجھٹوں سے تو آزاد ہو جاتیں۔ چہ چہ...... ویسے بیچارے خرم کی قسمت ہی خراب ہے۔'' عالیہ دکھ سے بولی۔

وہ دونوں باتیں کرنے میں ایسی مگن تھیں کہ اپنے اطراف کا بھی ہوش نہ تھا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ خرم نے ان کی سب باتیں سن لی تھیں۔ وہ اپنے کمرے سے یونیفارم بدل کر نکلا ہی تھا کہ اپنا نام سن کر ٹھٹک گیا اور وہیں سیڑھیوں میں خاموش کھڑا سنتا رہا تھا۔

زیب نے شادی سے انکار کیا تو لمحاتی طور پر اسے تکلیف ضرور ہوئی۔ وہ واقعی زیب سے متاثر ہو گیا تھا۔ اس کی سنگت میں ایک سکون و اپنائیت کا احساس ہوا تھا اسے۔ لیکن بے حد سمجھدار اور سدھرا ہوا انسان تھا وہ سنبھل کر افسردگی سے مسکرا دیا۔

''یار خرم! زیب کے سامنے گھر بسانے سے زیادہ اہم اس کا فرض ہے۔ اس کے بہن بھائی اور خاندان کا مستقبل ہے؟ تم بھی ڈاکٹر ہو تمہارے سامنے بھی تمہارا فرض کھڑا تمہیں پکار رہا ہے۔ وقت تو تمہیں ملتا نہیں ہے کہ گھر میں آرام سے بیٹھ سکو تو چھوڑو میاں شادی وادی کا خیال۔'' خرم نے سوچا پھر سر جھٹکتا آستین ٹھیک کرتا۔ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا سیڑھیاں اتر کر ہسپتال چل دیا۔ عالیہ اور زیب اب بھی باتوں میں مگن تھیں۔

''اے زیبو! تم نے جو کل کلب میں مجھے آدمی دکھایا تھا کیا واقعی وہ شارک تھا؟'' اسے گویا یقین ہی نہ آتا تھا۔
''عالیہ! توبہ تم کتنی باری مجھ سے پوچھ چکی ہو آخر تمہیں یقین کیوں نہیں آتا؟'' زیب نے خفگی سے پوچھا۔
''بھئی وہ تو بالکل برا آدمی نہیں لگتا تھا۔ اس قدر معصوم بھولا بھالا سا لگ رہا تھا۔''
''سچ پوچھو تو ہے بڑا شاندار ہینڈسم چھوکرا۔'' وہ کچھ کھوج لگانے والی نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی بولی۔
''جی ہاں...... بھولا بھالا نہیں بلکہ پورا لفنگا ہے لفنگا تم شکل سے دھوکہ مت کھا جانا۔'' وہ غرائی۔
''سچ کہنا زیبو! تو مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہی ہے۔'' وہ مشکوک تھی۔
''اے عالیہ! توہین مت کرو میری آج تک کوئی بات چھپائی ہے تم سے؟'' زیب نے للکارا۔ ''اب تو مجھے غصہ مت دلاؤ لگتا ہے اعتماد نہیں رہا مجھ پر۔'' زیب کو بہت افسوس ہوا۔
''بھئی زیب! منہ مت پھلاؤ دراصل مجھے یہ بات کچھ انہونی سی لگ رہی ہے ناقابل یقین سی کہ وہ بندہ تم سے اتنی سختی برتے گا۔ یاد ہے نا کالج میں لڑکے ہمارے دیوانے پرستار ہوتے تھے۔ میرے ذرا کم عاشق ہوئے پر تمہارے زیادہ تھے۔'' وہ ہنسی۔
''ہر وقت کوئی نہ کوئی منچلا تمہارے پیچھے پڑا رہتا تھا۔'' وہ سر کھجا کر بولی پھر زیب کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر ہتھیار ڈال دیئے۔
''خیر مجھ سے بہتر تم جانتی ہو اسے۔ اگر تم کہتی ہو تو ہوگا وہ لفنگا؟'' عالیہ نے منہ بنا کر کہا۔
''ہائیں...... ہائیں...... یہ کسے اس قدر خوبصورت خطاب دیئے جا رہے ہیں بھلا؟'' شہریار مسکراتے ہوئے اندر آ گئے۔
''کیوں بھئی یہ آج کس بیچارے کی شامت آ رہی ہے کس پر عتاب نازل ہو رہا ہے؟'' وہ زیب کے پاس بیٹھ گئے۔
''شیری! آ گئے ہیں آپ؟ ایک گھنٹے کا کہہ کر جاتے ہیں تو واپسی پانچ گھنٹوں کے بعد ہوتی ہے۔''
''بھئی کیا کرتا؟ تمہیں راحیل کا پتہ تو ہے وہ پھر اٹھنے ہی نہیں دیتا ہے۔ کتنی بار اٹھا اجازت طلب کی۔ مگر وہ خفا ہو گیا۔ اب بھی ناراض ہو رہا تھا کہ عالیہ بھابھی کو ساتھ کیوں نہیں لاتے ہو؟ اب بھی بمشکل جان چھڑا کر آیا ہوں۔ مجھے معلوم تھا تمہارا موڈ خراب ہو جائے گا۔'' شیری نے صفائی پیش کی۔
''خرم کہاں ہے؟ ابھی تک نہیں آیا کیا؟'' انہوں نے چھوٹے بھائی کے متعلق پوچھا۔
''خرم! وہ دوبارہ ہسپتال چلے گئے ہیں آ جائیں گے کھانے تک نواب صاحب!'' عالیہ نے منہ بنایا۔ تبھی فون کی گھنٹی بجی تو شہریار سننے کے لیے اٹھ گئے۔ زیب، عالیہ کو سرزنش کرنے لگی۔
''توبہ...... توبہ...... عالیہ تم تو بہت بدمزاج ہو اتنے اچھے ہیں بیچارے شیری بھیا! پھر بھی تم جھگڑتی رہتی ہو ان سے۔''
''ارے نہیں یار! جھگڑا کب کرتی ہوں یہ تو بس ذرا؟'' عالیہ نے آنکھ ماری۔
''جی یہ تو بس پیار میں تھوڑا سا نخرہ کرتی ہیں۔'' شہریار نے واپس آ کر بات مکمل کر دی۔

''کس کا فون تھا؟'' عالیہ نے جھینپ کر بات بدل دی۔

''تمہارے لاڈلے دیور خرم جی نے کیپری سینما کا بکس ریزرو کروالیا ہے۔ وہ فرما رہے تھے آپ سب لوگ ساڑھے چھ بجے سینما پہنچ جایئے گا اور وہ بھی ہسپتال سے سیدھا وہیں آجائے گا۔''

''اونہہ......اور ہم لوگوں نے ڈاکٹر صاحب کے اور آپ کے انتظار میں ابھی تک کچھ کھایا ہی نہیں۔'' عالیہ بڑبڑاتی ہوئی ہاٹ ٹرالی کھینچتی ہوئی لے آئی تو شیری نے بتایا۔

''بیگم میں نے تو راحیل کے پاس کھانا کھالیا تھا۔ ساڑھے تین بج چکے ہیں بیچاری زیب کو تو بھوک لگی ہوگی؟'' وہ شرمندگی سے بولے۔

''نہیں شیری بھیا! میں نے خود عالیہ کو منع کیا تھا دراصل بھوک ہی نہیں تھی ہسپتال میں خرم نے اتنی چیزیں کھلا پلا دی تھیں۔'' زیب نے تسلی دی۔ پھر باتوں میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا وہ تیار ہو کر سینما ہاؤس پہنچے تو سائڈ ریلیز شروع ہو چکی تھیں۔ وہ لوگ اپنے مخصوص کیے گئے بکس میں جا کر بیٹھ گئے۔ لیکن خرم کا کہیں پتہ ہی نہ تھا۔ انٹرول کے بعد انگریزی فلم شروع ہوگئی زیب دلچسپی سے فلم دیکھنے میں مگن تھی کہ اچانک بکس کا دروازہ کھلا اور خرم اندر آ گئے۔ اور زیب کے ساتھ خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔

''یہ وقت ہے تمہارے آنے کا؟'' عالیہ نے ڈپٹا۔

''سوری بھابھی! مریض بہت تھے بس وقت کا پتہ ہی نہیں چلا اب بھی مجھے میرے اردلی نے یاد دلایا تو میں بھاگم بھاگ پہنچا ہوں۔'' خرم نے بتایا۔

''زیب کیسی ہے پکچر......شروع میں کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے زیب کے کان کے پاس منہ کر کے کہانی پوچھی۔ تو زیب اس کی سمت جھک کر بتانے لگی۔

''یہ جو ہیروئن ہے نا یہ اپنے بوائے فرینڈ کو بے وفائی کے شبہے میں قتل کر دیتی ہے۔ اب ہیروئن کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو وہ گھبرا کر اپنی سہیلی کو فون کر کے بلاتی ہے اور دونوں اب اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی فکر میں ہیں۔'' وہ اس کی طرف جھک کر بولی۔

زیب کا ہاتھ کرسی کے ہتھے پر رکھا تھا۔ پھر خرم اور وہ دونوں اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ''اوہو......'' اچانک خرم کو کچھ یاد آیا۔ تو وہ کرسی کے بازو پر ہاتھ کا زور دے کر اٹھنے لگے۔ تو زیب کا ہاتھ ان کے مضبوط ہاتھ تلے دب گیا۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

''کیا ہوا کیا بات ہے؟'' عالیہ اور شیری گھبرا کر مڑے۔ ''مم......میرا خیال ہے میری ہتھیلی میں کوئی نوکیلی چیز لگ گئی ہے۔'' زیب ہاتھ دبا کر کراہی۔

''ارے یہ تو کرسی کی ہتھی پر بڑا سا کیل نکلا ہوا تھا کافی خون نکل رہا ہے۔'' خرم نے جلدی سے ٹٹول کر دیکھا۔

''بھابھی! آپ لوگ بیٹھیں میں دیکھتا ہوں۔'' وہ پریشان ہو کر زیب کا ہاتھ تھامے باہر نکل آئے تھے۔ روشنی میں آتے ہی اس کی ہتھیلی کی طرف دیکھا جو خون سے لت پت تھی۔ ان کا اپنا ہاتھ بھی رنگا گیا تھا۔

''اوہو...... مجھے بے حد افسوس ہے زیب! کہ میری وجہ سے تمہیں اتنی گہری چوٹ لگی۔ دراصل فلم دیکھتے دیکھتے

مجھے ایک دم یاد آیا کہ میں نے جلدی میں کار لاک ہی نہیں کی تھی۔ اسی لیے میں اٹھا تھا'' انہوں نے معذرت کی۔
''کوئی بات نہیں خرم! بھلا اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟'' وہ تسلی دیتی مسکرا کر بولی۔ حالانکہ تکلیف کی شدت سے اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا کتنا خون بہہ چکا تھا اور بہے جا رہا تھا۔ خرم نے غسل خانے میں لے جا کر اس کا ہاتھ صاف کیا۔ پھر جا کر کار میں سے دوائی کی ٹیوب نکال لائے تھے اور اس کے ہاتھ پر لگا کر پٹی باندھنے لگے۔
''ویسے خرم صاحب یہ تو بڑے مزے کی بات ہوئی نا۔ کہ آپ کے پاس ہر مرض کی دوا شوا ہر وقت موجود رہتی ہے۔'' وہ ان کی افسردگی اور خجالت محسوس کر کے خود کو بشاش ظاہر کرنے کے لیے ہنسی۔
''میرے پاس ہر مرض کی دوا؟'' وہ بڑی دلکشی سے ہنسے اور پٹی میں گرہ لگانے لگے۔
''نہیں زیب! میرے پاس ہر مرض کی دوا تو نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو میں خود تمہیں بیماریوں میں گرفتار کیوں نظر آتا؟'' وہ افسردہ ہو گئے۔
''ڈاکٹر میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔ آخر ایسی کون سی بیماری ہے جس کا علاج آپ کے پاس نہیں ہوگا؟'' وہ حیران تھی۔
''بھئی یہی بیماری دل...... بیماری محبت اور پھر زیب جی! یہ یادیں بھی تو ایک بیماری ہی ہوتی ہیں نا؟ بہت ہی مہلک بیماری، غرضیکہ بہت سی ایسی بیماریاں ہیں جن کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔
''اوہو......'' زیب نے ان کی شفاف آنکھوں میں جھانکا جن میں دکھ کے سائے لرزاں تھے ماضی کے کھنڈرات نمایاں تھے۔
''خرم! کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے آخر کیا دکھ ہے آپ کو؟'' وہ بڑے خلوص سے بولی۔ تب خرم نے اس کی سچی پرخلوص آنکھوں میں جھانکا۔ اور مسکرا دیئے۔
''ہاں...... کوئی کوئی رازوں کا امین بن جاتا ہے تو بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے من کا۔''
''ہاں...... آپ کو ضرور بتاؤں گا۔'' وہ ان پرخلوص نگاہوں میں جھانک کر مسکرائے۔
''لیکن کب جلدی بتایئے نا؟'' وہ گویا جلد از جلد اس کے دکھ بانٹ لینا چاہتی تھی۔
''ابھی نہیں۔ واپسی پر میں آپ کو گھر چھوڑنے جاؤں گا نا تب سن لیجیے گا ہماری بدنصیبی کے قصے بلکہ داستان غم۔'' وہ پٹی باندھ کر اس کا ہاتھ تھپتھپا کر بولے۔
''اف زیب! بڑا افسوس ہو رہا ہے آپ کی فلم میں نے بدمزا کر دی ہے۔ کتنے سین گزر چکے ہوں گے؟''
''ہاں...... مزا تو آ رہا تھا بڑے عرصے کے بعد من چاہی کمپنی میں اچھی فلم دیکھنے کو ملی تھی دگنا مزا آ رہا تھا۔ خیر کوئی بات نہیں۔'' وہ مسکرا دی۔
''واہ...... بات کیسے نہیں میری وجہ سے آپ کی پکچر بدمزا ہوئی ہے نہ میں آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا نہ نوبت خون خرابے تک پہنچتی۔ نہ آپ خوامخواہ زخمی ہو کر سینما ہال سے باہر نکلتیں؟ تو محترمہ! اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم آپ کو یہ فلم دوبارہ دکھائیں گے۔'' وہ ہنس کر بولے اور اس کو کاندھے سے تھام کر بکس میں واپس آ گئے۔ شہریار اور عالیہ دونوں فکرمند سے بیٹھے تھے۔

شہریار نے گیٹ کیپر سے شکایت کی تھی جس نے ٹوٹی ہوئی کرسی بدل دی تھی۔ زیب کو بٹھانے سے پہلے خرم نے کرسی اچھی طرح سے دیکھی بھالی تھی۔

''اف...... تم دونوں نے اتنی دیر لگا دی میں تو اب پریشان ہو کر خود آنے لگی تھی۔'' عالیہ نے کہا۔ زیب آہستہ آہستہ اس سے باتیں کرنے لگی اور ہاتھ کے بارے میں بتا دیا۔

○●○

سگار...... شارق کے ہونٹوں میں لرز رہا تھا۔ کھلی کھلی آنکھوں میں سینما کے بکس کے بند دروازے کو گھور رہے تھے۔ آج زیب کو آفس سے غیر حاضر پا کر وہ بہت بے چین ہوئے تھے۔ اس سے پہلے کہ ان کے خیالات اور جذبات بدل جاتے وہ زیب کو اپنی پسند اپنی چاہت سے متعلق آگاہ کر دینا چاہتے تھے۔

کچھ سارہ کے بار بار سمجھانے اور کچھ اپنے دل کے سرکش جذبوں نے انہیں بے بس کر دیا تھا۔ رات بھر جاگنے سگرٹیں پھونکنے سینہ جلانے کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ زیب کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اگر ہو سکا تو اسے اپنے جذبات سے آگاہ بھی کر دیں گے۔ وہ کیا کچھ پلان بناتے رہے تھے رات جاگتے ہوئے۔

لیکن زیب تو صبح آفس ہی نہیں آئی تھی ان کے ذہن کو جھٹکا سا لگا تھا۔ سخت مایوسی اور ناامیدی نے دل کو جکڑ لیا تھا۔ مچلا ہوا دل تھا کہ کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا تو وہ کار پر آوارہ گردی کرتے رہے۔ پھر کیپری سینما کی طرف سے گزرتے ہوئے وہ رکے اور ٹکٹ لے کر وہیں بیٹھ رہے تھے۔ اگرچہ فلم شروع ہوگئی لیکن ان کا دل کسی طور نہ بہلا۔ تو وہ جھنجلا کر ہال سے باہر نکل آئے۔ اچانک بکس فیملی کا دروازہ کھلا اگرچہ اس طرف شارق کی پشت تھی۔ لیکن سامنے دیوار میں نصب قد آدم آئینے میں زیب اور اس کا ہاتھ تھامے میجر کو باہر نکلتے دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے۔ ان کا سر چکرا رہا تھا بے یقینی کی کیفیت انہیں ہراساں کرنے لگی تھی۔

پھر خرم، زیب کا ہاتھ تھامے غسل خانے کی طرف بڑھے اور پھر اس کے کچھ کہتے تیزی سے سیڑھیاں اترتے پھلانگتے نیچے چلے گئے۔ زیب تنہا کھڑی اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ نہ معلوم ہاتھ میں کیا ہوا تھا؟ مگر شارق کا دل چاہا وہ اس کے پاس جا کر اسے جھنجھوڑ ڈالیں۔ زبردستی ہاتھ تھام کر کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لے جائیں اور زبردستی اپنے دل کا حال سنا دیں۔

آج زیب کو دوبارہ میجر کے ساتھ دیکھ کر وہ سلگ اٹھے تھے انہوں نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں اور زیب کی طرف بڑھے تھے۔ وہ سر جھکائے اپنی ہتھیلی رومال سے صاف کر رہی تھی اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔

''آؤ زیب! میں دوا لے آیا ہوں۔'' اچانک خرم واپس آ گئے پھر زیب کو دوا لگانے لگے۔ شارق وہیں رک گئے اور پوسٹر دیکھنے لگے لیکن کان اور دھیان انہیں کی طرف رہا۔

''خرم! آپ کے پاس تو ہر مرض کی دوا موجود ہے۔'' ان کے کان میں زیب کی آواز آئی۔ پھر کچھ لوگ درمیان میں آ گئے تو وہ خرم کا جواب نہ سن سکے۔ پھر کچھ ادھوری سی گفتگو ان کے کان میں پڑتی رہی۔ بیماری دل، بیماری محبت کا علاج نہیں ہے۔

''یار! آپ کی تو فلم بدمزا ہوگئی۔'' خرم کی آواز تھی۔

''ہاں...... بہت مزا آ رہا تھا بڑی خواہش بھی تھی یہ فلم دیکھنے کی۔'' زیب کی آواز آئی۔

''چہ...... میری وجہ سے ایسا ہوا نہ میں آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا نہ نوبت خون خرابے تک پہنچتی۔ میں دوبارہ آپ کو یہی فلم دکھاؤں گا۔'' پھر خرم اسے لے کر چلے گئے تھے۔

شارق کا جسم جیسے پتھر کی بھاری چٹان تلے دب کر رہ گیا تھا وہ سانسیں روکے ان کی باتیں سننے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور جو کچھ انہوں نے سنا تھا انہیں بدگمان کرنے کے لیے کافی سے زیادہ تھا۔

وہ دانت بھینچے ہمت و ضبط کا دامن تھامنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب سر بہت ہی چکرانے لگا تو وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتے کار میں جا کر بیٹھ رہے دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی ایک عجیب سی جنگ شروع تھی جذبوں میں۔ وہ اپنے دل کے بپھرے باغی جذبوں کو دبانے کچلنے کی کوششیں کر رہے تھے۔

زیب سے محبت کا اقرار ان کے پندار پر کاری ضرب اور انا کی شکست تھی۔ وہ اب اسے میجر خرم کے ساتھ اس قدر بے تکلف اور گلا ملا دیکھنے کے بعد کسی قسم کی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اپنے جذبوں کو یوں ارزاں کرنا مقصود نہ تھا انہیں۔

''نہیں...... نہیں مجھے زیب سے کوئی لگاؤ نہیں ہے؟'' انہوں نے خود فریبی سے کام لیا۔ ''زیب نے میرے حکم کو ٹھکرایا ہے۔ حکم عدولی کی ہے اف کس قدر تذلیل ہوئی ہے میری۔ وہ کبھی بھی تو میری بات نہیں مانتی۔ اب بھی جب میں نے اسے بیرے کو پیغام دے کر بلوایا تو وہ نہیں آئی بلکہ تلخ جواب لکھ بھیجا۔ کبھی میری خواہشات کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ بغاوت اور منہ زوری سے کام لیا ہے۔ تبھی وہ میری ضد بن گئی ہے آج اگر وہ میرے سامنے جھک جائے میرے بلانے پر دوڑی آئے تو میں نفرت سے اسے دھتکار دوں گا کبھی پلٹ کر بھی نہیں دیکھوں گا اس کی طرف۔'' انہوں نے خود کو تسلی دی۔

پھر ذہن کی سطح پر زیب کا عکس قوس و قزح کی مانند جگمگانے لگا تھا۔

''اچھا شارق! اگر تمہیں اس کی پرواہ نہیں ہے تو تم اسے اس میجر کے ساتھ دیکھ کر سلگ کیوں جاتے ہو؟ حسد سے رواں رواں کیوں جلنے لگتا ہے تمہارا؟ تم نظر انداز کیوں نہیں کرتے ہو؟ آخر کیوں اسے کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھ کر تمہارا لہو تپ اٹھتا ہے؟'' کسی نے گویا سرگوشی کی اور آئینہ دکھایا۔

''وہ صرف اس لیے کہ زیب نے مجھے اور میری دولت کو ٹھکرایا ہے اور ان دوسروں کا سہارا ڈھونڈتی رہی ہے جو ہر لحاظ سے مجھ سے کم تر ہیں۔ زیب اس نے مجھے دھتکار کر میری توہین کی ہے۔'' وہ بے خیالی میں زور سے خود کلامی کرنے لگے تھے غصے اور رنج سے برا حال تھا۔

''شارق! تو پھر ٹھیک ہے اگر تم زیب سے محبت نہیں کرتے تو اسے کوئی سا بھی جیون ساتھی چن کر کسی کا بن جانے دو نا پھر کر لینے دو نا اسے میجر سے شادی؟'' دل نے سرگوشی کی۔

''زیب کی شادی؟ دلہن......'' وہ پر خیال انداز میں بڑبڑائے۔

تبھی ذہن کی سطح پر سرخ جھلملاتے ہوئے عروسی لباس میں ملبوس زیب اس خوبرو میجر کے پہلو میں بیٹھی سمٹائی ان کے تصور میں آ گئی۔ اور گویا شارق خواب کی سی کیفیت میں ہی مدہوش سے ہوئے زیب کے چہرے کو تکتے چلے گئے۔ پھر

سیجر نے جھک کر زیب کو اپنے بازوؤں میں سمیٹا۔ اس کے چہرے سے گھونگھٹ ہٹا کر اس دلربا چہرے پر جھکے۔

''نہیں ...... نہیں ......'' شارق سے برداشت نہ ہو سکا تو وہ چلا اٹھے اور آنکھوں کو ڈھانپ لیا۔

''نہیں ...... نہیں زیب! تم کسی اور کی نہیں ہو سکتیں؟ کبھی نہیں ہو سکتیں؟'' وہ چیخ اٹھے تھے۔ ''نہیں زیب! وہ ...... وہ بس ...... کسی کی نہیں ہوگی۔ کبھی بھی نہیں ہوگی؟'' وہ ضدی سے انداز میں بولے۔

''اف شارق! آخر تم مان کیوں نہیں جاتے۔ کیوں خوامخواہ کی ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہو؟ کیوں اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر لیتے کہ زیب تمہاری زندگی ہے محبت ہے۔'' دل نے مشورہ دیا۔

''نہیں ہرگز نہیں۔'' وہ ضدی ہو گئے ان کی پیشانی پر رگوں کا جال سا تن گیا تھا خود سے لڑے جا رہے تھے وہ۔

''صاب ...... صاب ...... کیا بات ہے جی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ آپ تو بہت زور زور سے بول رہے ہیں؟'' ساتھ کھڑی کار کا ڈرائیور اس کا کاندھا ہلا کر تشویش بھرے انداز سے بولا۔

''آں ...... ہاں ...... میرا خیال ہے مجھے تیز بخار ہے؟'' وہ خیالات سے چونک کر جلدی سے بولے۔

''اوہو ...... تبھی آپ فلم ادھوری چھوڑ کر آ گئے ہیں جی آپ اکیلے بیٹھے زور زور سے بول رہے تھے۔ میں تو گھبرا گیا تھا۔'' ڈرائیور نے بتایا۔ پھر شارق تھکے تھکے انداز سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے سینما سے باہر نکل آئے دل اداس تھا بے طرح سے اداس۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر کار میں نصب ٹیپ ریکارڈر چلا دیا۔

آوارہ ہیں گلیوں میں میں اور میری تنہائی
جائیں تو کہاں جائیں ہر موڑ پے رسوائی
میں اور میری تنہائی ...... میں اور میری تنہائی

شارق کا مضطرب دل یہ غمگین اور حسب حال گانا سن کر اور مغموم ہونے لگا۔ شدتوں سے اپنے اکیلے پن اور تنہائی کا احساس انہیں ڈسنے لگا۔

''کوئی تو ہوتا میری تنہائیاں بانٹنے والا۔ میرے درد کو سمجھنے والا میرے دکھوں کو گلے لگانے والا۔ مجھ سے اٹھکیلیاں کرنے اور میری محبت بھری سرگوشیاں سننے والا۔'' پلکیں جیسے دکھ کے بوجھ سے بوجھل ہونے لگیں گلے میں آنسوؤں کی نمی سی رچنے لگی شارق نے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ فارورڈ کر کے گانا ہٹا دیا۔

میرے جیسے بن جاؤ گے جب عشق تمہیں ہو جائے گا
دیواروں سے ٹکراؤ گے جب عشق تمہیں ہو جائے گا

جگجیت سنگھ کی پرسوز گھمبیر آواز کانوں میں رس گھولنے لگی تھی کہ شارق نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ گانا بدل دیں۔ کہ نغمے کی شاعری نے انہیں چونکا دیا۔ وہ سر کو ذرا واپسی طرف خم دے کر بغور سننے لگے۔ ہاتھ رک گئے تھے۔

ہر بات گوارہ کر لو گے منت بھی اتارا کر لو گے
تعویزیں بھی بندھواؤ گے جب عشق تمہیں ہو جائے گا

شارق زیب کے پیکر کو نظروں کے سامنے سجائے گویا لفظوں کے پیراہن پہنا رہے تھے گویا اسے حقیقی رنگ میں دیکھ رہے تھے۔ نگاہوں کے سامنے اس کا سراپا لا کر تصور کی دنیا سجانے کی کوشش کر رہے تھے یونہی اسے اپنے قریب کرنا

چاہ رہے تھے؟

تعویزیں بھی بندھواؤ گے جب عشق تمہیں ہو جائے گا

نہ جانے کیوں انہوں نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا کہ زیب ایک سیاہ کپڑے کی دھجی ہاتھ میں پکڑے ان کی سمت بڑھ رہی ہے پھر ان کی قمیص کا بازو تہہ در تہہ اونچا کرنے لگی اور اس سیاہ کپڑے میں بندھا تعویز شارق کے بازو پر باندھنے لگی۔ بے اختیار شارق نے ہاتھ اسٹیئرنگ سے اٹھا کر اپنے دوسرے بازو کو ٹٹولا۔ تو گویا کار سڑک پر لہرانے لگی۔ قریب سے گزرتی کاروں کے ڈرائیور اسے غصے سے دیکھتے زور زور سے ہارن بجانے لگے۔ شارق نے ایک دم حواسوں میں پلٹ کر کار کو سنبھالا۔ پھر بریک لگا کر کار سڑک کے کنارے روک لی اور ڈیک کی آواز اونچی کر دی۔

تنہائی کے جھولے جھولو گے ہر بات پرانی بھولو گے
آئینے سے گھبراؤ گے جب عشق تمہیں ہو جائے گا
جب سورج بھی کھو جائے گا اور چاند کہیں سو جائے گا
تم بھی گھر دیر سے آؤ گے جب عشق تمہیں ہو جائے گا
بے چینی جب بڑھ جائے گی اور یاد کسی کی آئے گی
تم میری غزلیں گاؤ گے جب عشق تمہیں ہو جائے گا

شارق کھڑکی سے کہنی ٹکائے نہایت محویت سے پورا گانا سنتے چلے گئے۔ دل کے تاروں کو جیسے کوئی دھیرے دھیرے سبک سبک کر ہاتھوں سے چھو رہا تھا۔ ایک سندر اور مدھر سا نغمہ ابھر رہا تھا۔ اپنے ہی وجود سے وہ گانا ختم ہونے کے بعد بھی خیالوں میں مگن دہرائے جا رہے تھے۔

''میرے جیسے بن جاؤ گے جب عشق تمہیں ہو جائے گا۔ جب عشق تمہیں ہو جائے گا۔''

دوسرے گانے کی موسیقی بلند ہوئی لیکن شارق نے ٹیپ کے بٹن پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے کر دیا۔ اور ایک بار پھر وہی گانا سننے لگے۔

○●○

فلم ختم ہوئی تو خرم اور شہریار اپنے جلو میں عالیہ اور زیب کو ساتھ لیے بکس سے باہر نکلے اچھا خاصہ رش تھا وہ لوگوں کی بھیڑ سے بچتے بچاتے کار تک آ پہنچے۔

''کیوں زیب! فلم کیسی لگی؟'' خرم نے پوچھا۔

''مجھے تو ادھوری دیکھنے کے باوجود اچھی لگی فلم۔'' وہ ہنس کر بولی تو خرم مسکراتے ہوئے مڑے۔

''اچھا شیری بھیا! آپ اپنی بیگم صاحبہ کو لے کر جائیں۔ میں ایک مریض کو دیکھنے جا رہا ہوں راستہ وہی ہے تو میں زیب کو ان کے گھر چھوڑ دوں گا۔'' وہ ہنس کر بولے۔

''ہوں.....خرم! مجھے تمہاری چالاکیوں کا پتہ ہے؟'' عالیہ نے گھور کر دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

''چلیے عالیہ بھابھی! آپ زیب سے مل لیجیے صبح تو آپ کو پنڈی روانہ ہونا ہے نا۔'' وہ شریر انداز سے کہنے لگے۔

''تم جاؤ۔ زیب کو ہم خود چھوڑ دیں گے اسی بہانے تھوڑی دیر اور ساتھ رہ جائے گا۔'' عالیہ نے زیب کو پیار کرتے

ہوئے کہا۔

''توبہ......شیری بھیا! عالیہ بھابھی آپ سے ذرا بھر محبت نہیں کرتی ہیں یہ زیب تو آپ کی رقیب بن بیٹھی ہیں۔ آپ کو تو ان سے جلنا حسد کرنا چاہیے۔'' خرم، عالیہ اور زیب کو لپٹے دیکھ کر ہنسے۔

''نہ بھائی رقابت کیسی......ہمیں بھی تو اپنی یہ سالی بہت پیاری ہے۔'' شہریار بھی نہایت محبت وعقیدت بھرے انداز میں زیب کے کاندھے کے گرد ہاتھ ڈال کر بولے۔ خرم خجل سے ہو کر سر کھجانے لگے۔

''لو جی......یہاں تو پوری کی پوری فیملی ہی ان کی پرستار ہے۔'' وہ ہنسے۔

''اچھا بھابھی! مجھے بھی زیب سے کچھ ضروری کام ہیں آپ نے کافی مل ملا لیا ہے اب تو انہیں چھوڑ دیجیے نا؟ ہمیں چلنا چاہیے کافی دیر ہو رہی ہے۔'' وہ زبردستی زیب کا ہاتھ تھامے اپنی کار میں بیٹھ گئے تو شیری اور عالیہ زور سے ہنس دیئے۔

''اچھا زیب! فون تو ضرور کرنا مجھے اور یہ بھی بتانا کہ خرم نے تم سے کیا ضروری باتیں کی ہیں؟'' عالیہ نے اس کا ہاتھ تھام کر ہنستے ہوئے کہا تو زیب جھینپ گئی اور کار میں بیٹھ رہی۔

''عالیہ جان! اچھا خدا حافظ۔'' زیب کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر عالیہ بھی آبدیدہ ہو گئی۔

''اے شیری بھیا! سنبھالیے اپنی بیگم کو۔ یہاں تو بن بادل برسات ہونے والی ہے۔'' خرم نے کار چلاتے ہوئے کہا۔

شیری، عالیہ کو کاندھے سے تھام کر اپنی کار کی سمت بڑھ گئے۔ خرم کنکھیوں سے آبدیدہ سی زیب کو دیکھ رہے تھے۔

''ہائے......ہائے......کوئی ہم سے بھی اتنی محبت کرتا ہمارے جانے پر بھی آنسو بہاتا۔'' خرم نے چھیڑا۔

''خرم! دیکھیے نا آپ مرد لوگ گھر سے باہر رہ کر ہزاروں طریقوں سے خود کو بہلا سکتے ہیں۔ جب دل اداس ہو تو ہوٹلوں، کلبوں، پارکوں میں گھوم گھام کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتے ہیں لیکن ہم پابندیوں میں جکڑی بے بس لڑکیاں۔ گھر کی چار دیواری میں بھی اپنی ناکام آرزوؤں کو پامال امیدوں کو سمیٹے سلگتی رہ جاتی ہیں۔ دل پر بوجھ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ لیکن ہم آسانی سے کہیں آ جا نہیں سکتے۔ پھر اداسیاں اور دکھ مایوسیاں ہمارے وجود کو گھیر لیتی ہیں۔ پھر ہمیں ایسی حالت میں کسی ہمدرد سہیلی کی بہت ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ دکھ سکھ پھولنے کے لیے دل پر چھائے غبار کو خارج کرنے کے لیے بھڑاس نکالنے کے لیے اچھا دوست بہت ضروری ہے۔ ازحد اشد ضروری۔ ہم لڑکیوں کے لیے سہیلی کا وجود کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا ہے۔

پھر آپ مردوں کو تو اپنے کاموں سے فرصت نہیں ملتی یا پھر اپنے دوستوں کے ساتھ الگ محفلیں سجا لیتے ہیں ویسے بھی ہم لڑکیاں مردوں کی نسبت اپنی سہیلیوں سے زیادہ مخلص ہوتی ہیں وفاداری کا مادہ ہم میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ ہم لوگ تعلق اور محبت کے رشتے نبھانے بخوبی جانتی ہیں۔ دوستی کا مان ولاج رکھتی ہیں اور خرم صاحب! تبھی میرے لیے عالیہ کا وجود خدا کا بخشا ہوا قیمتی انعام ہے۔ وہ آزمائش کی ہر گھڑی میں میرے کام آئی ہے۔ میرے دکھ پالے ہیں۔ میں اس کے سینے سے لگ کر کاندھے پر سر رکھ کر دل کا بوجھ اشکوں کی صورت ہلکا کرتی رہی ہوں۔ عالیہ نے مجھے اتنا ڈھیر سارا پیار دیا ہے۔ پھر آپ ہی انصاف کریں میں اسے کیسے پیار نہ کروں؟''

زیب نے لمبی چوڑی وضاحت کی تو خرم نے کان کی لو چھو کر کہا کہ "اچھا بابا وہ مان گیا ہے۔ لیکن زیب! برائے خدا اب آپ اپنے آنسو تو خشک کیجیے ورنہ ہمیں بھی رونا آرہا ہے؟" وہ بسور کر بولے تو وہ سنبھلنے لگی۔

"میجر! آپ نے مجھے اپنے ماضی کے بارے میں بتانے کا وعدہ کیا تھا یاد ہے؟" وہ آنکھوں کو رومال سے خشک کرنے لگی۔

"ہاں بھئی...... ہم نے تو آپ کو شریک راز کرنا ہے۔" وہ ہنسے اور زیب کی سمت دیکھا۔

"چلیے ایسا کرتے ہیں کسی ہوٹل میں چل کر کھانا بھی کھائیں گے اور راز سے پردہ بھی ہٹا دیں گے۔ جان لیجیے گا پھر آپ میرے عذابوں کو۔ چونکہ مجھے ایک مریض کو دیکھنے بھی جانا ہے گھر پہنچتے پہنچتے دیر ہو جائے گی اور میں صبح سے فاقے کر رہا ہوں اور مجھے بھوک بھی لگی ہے۔"

"ہوٹل چلیں؟ لیکن خرم کچھ مناسب نہیں لگتا ہے نا؟" وہ سادگی سے بولی۔

"کیوں زیب! کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟" اسے جیسے چوٹ لگی تھی۔

"میجر! بات اعتماد کی نہیں میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ لوگ باتیں بنائیں گے۔ خوامخواہ کہانیاں گھڑیں گے۔ خیر چلیے میں آپ کی بات ضرور سنوں گی۔" وہ رضامند ہو گئی۔

تو خرم یہ سن کر خوش ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد وہ ہوٹل سیبل میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ زیب باتیں سننے کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔ تب خرم نے کہا۔

"دیکھو زیب! میں جو کچھ بھی کہوں گا اس میں میری نیک نیتی شامل ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم مجھے غلط نہیں سمجھو گی؟" وہ سنجیدگی سے بولے۔

"تمہیں عالیہ بھابی! صباحت کے متعلق تو تھوڑا بہت بتا ہی چکی ہیں۔ وہ میری چچا زاد ہونے کے علاوہ منگیتر بھی تھی۔ تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں...... میں زیادہ تر شہر میں اپنے چچا ارشاد علی کے پاس ہی رہا۔ اسی لیے بھی مجھے ان کے خاندان سے بہت انس تھا۔ بہت ہی دلی قربت تھی۔

صباحت کی چھوٹی بہن فرحت اور بڑا بھائی اسلم سب مجھ سے محبت کرتے تھے عزت سے پیش آتے تھے۔ ہمارا زیادہ وقت اکٹھے ہی گزرتا تھا۔ ارشاد چچا کی وسیع جائیداد کا اکلوتا وارث اسلم بہت لاڈلا اور خودسر تھا۔ اسے پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پھر ایسے عیاش اور مالدار لڑکے بری عادات اور عیاش مفت خور دوستوں کی صحبت کے باعث جلد برائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میں نے بھی یکایک اسلم کی عادات میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کرنی شروع کی۔ اب وہ اکثر ہماری محفلوں سے غائب رہنے لگا۔ وہ رات گئے دیر سے گھر لوٹتا تو اس کے قدم لڑکھڑا رہے ہوتے تھے۔ وہ اپنے بیڈروم میں بند ہو جاتا۔

میرا تو ایم بی بی ایس کا آخری سال تھا میں پڑھائی میں زیادہ مصروف ہو گیا تھا۔ ادھر صباحت کو بھائی سے بے پناہ محبت تھی وہ بھی اس کی بے رخی اور گھر سے غائب رہنے کی وجہ سے پریشان رہتی تھی۔

اکثر وہ مجھے اسلم کا کھوج لگانے کے لیے اکساتی پریشانی کا اظہار کرتی۔ تو میں اسے تسلی دیتا سمجھاتا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انہی دنوں میری منگنی کا شور اٹھا۔ پھر میری پسند دیکھتے ہوئے صباحت کی رضامندی سے ہماری منگنی کر دی گئی۔

ہم دونوں ہی اس نجوک سے بہت بے حد خوش تھے۔ پھر صبا کے بی اے کا نتیجہ نکلا وہ اچھے نمبروں سے پاس ہوگئی تھی۔ وہ مزید تعلیم حاصل کرنے پر بضد تھی لیکن ارشاد چچا نے اسے منع کر دیا۔ انہی دنوں میں ہی اسلم کا ایک دوست بگڑا ہوا رئیس زادہ بہت ہی ہمارے گھر آنے جانے لگا اس کا نام پرویز تھا۔

ہمارا خاندان رسم ورواجوں کے معاملے میں پابند اور کچھ سخت ضرور ہے لیکن دقیانوس نہیں ہے۔ لڑکیاں کبھی کبھار فنکشن وغیرہ میں لڑکوں کی محفل میں بیٹھ سکتی تھیں لیکن احتیاط اور شرافت کا دامن تھام کر۔ انہیں آزادی تو تھی لیکن پابندیوں کے ساتھ۔

پرویز ایک خوش شکل امیر زادہ تھا وہ تین سال سے ایم اے کر رہا تھا اور یونیورسٹی میں خاصہ شوقین مزاج اور دل پھینک مشہور تھا۔ وہ جب گھر آنے جانے لگا تو اس کی آمد اور صباحت سے میل جول پر بھی کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اسلم کے اور دوست بھی گھر آتے تھے اور صباحت فرحت سے بے تکلفی سے بات چیت کر لیا کرتے تھے اور پھر میں تو ویسے ہی اعتماد کے رشتے کو محبتوں سے اہم سمجھتا ہوں۔ میں نے کبھی صبا کو کسی سے ملنے جلنے سے نہ روکا نہ کوئی پابندی عائد کی تھی۔ میں اس معاملے میں وسیع القلب اور فراخ ذہن کا مالک ہوں مجھے بھی تو صباحت اپنی محبت پر اندھا اعتماد تھا۔

ویسے اس نے بھی مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا وہ ہر طرح سے میرا خیال رکھتی تھی میرا آخری سال تھا۔ میں تو چوبیس گھنٹے میں سے بیس گھنٹے کتابی کیڑا بنا رہتا تھا۔ اپنے اور صباحت کے اچھے مستقبل کے لیے میں جان توڑ محنت کر رہا تھا پھر مجھے میری ضرورت کی ہر شے تیار مل جاتی تھی میں کالج جاتا تو صبح سب کچھ تیار ہوتا تھا۔

کپڑے، شیو کا سامان، گرم گرم ناشتہ، وہ ضد کر کے مجھے بچوں کی مانند پھسلا کر کھلاتی اور جب کالج سے واپس آتا تو وہ کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھاتی چاہے مجھے دیر ہو جاتی لیکن وہ بھوکی بیٹھی رہتی تھی۔ لیکن پھر صبا کے معمولات میں بھی رفتہ رفتہ فرق آنے لگا اس کی انجانی مصروفیات بڑھتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ میرے کپڑے اب میلے بے ترتیب پڑے رہتے۔ کھانا پینا بھی ملازموں کے رحم وکرم پر ہو گیا۔ میں کالج سے آتا تو وہی کھانا گرم کرتے میز پر لگاتے۔ مجھے اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ میں کوئی کھوج لگاتا۔ مجھے تو اپنی صبا پر اعتماد تھا نا۔

اور محبت پر اندھا یقین تھا۔ میں اپنا مستقبل روشن کرنے کی دھن میں پڑھائی میں لگا رہا۔ پھر جب کبھی صباحت سے ملاقات ہوتی اس نے مجھ سے دبی زبان میں کہنا شروع کیا۔ کہ وہ گھر بیٹھے بیٹھے اکتا چکی ہے اور وہ اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتی ہے اور اسے ارشاد چچا سے اجازت دلوا دی جائے۔

میں نے اسے سمجھایا کہ یہ ناممکن ہے میرے والدین اس کے والد بھی راضی نہیں ہوں گے۔ اور پھر مجھے تم سے ملازمت تو کروانی نہیں ہے۔ مجھے بیوی چاہیے سیکرٹری نہیں؟

یہ کہہ کر جب میں نے پیار سے اس کا کاندھا تھاما تو اس نے سختی سے میرے ہاتھ جھٹک دیئے اور خفگی سے بولی۔

''خرم آپ کو میری خوشی کا کوئی خیال نہیں ہے دیکھیے اگر آپ من مانی کریں گے تو بات نہیں بنے گی ہاں۔''

وہ دھمکانے والے لہجے میں کہہ رہی تھی اور میں حیرتوں میں مبتلا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ ''خرم میں کہے دیتی ہوں کہ میں ایم اے میں ضرور داخلہ لوں گی۔'' وہ غصے سے تمتماتی مجھے ششدر چھوڑ کر باہر نکلی تو اندر آتی ہوئی فرحت سے ٹکرا

گئی۔ جو میرے لیے چائے لا رہی تھی۔

''دیکھ کے باجی! آپ تو ساری چائے میرے اوپر گرانے لگی تھیں۔'' وہ ٹرے سنبھال کر بولی لیکن صباحت ماتھے پر بل ڈالے باہر نکل گئی اس نے فرحت کی بات کا جواب ہی نہ دیا تھا۔

''یہ باجی کو کیا ہوا ہے خرم بھیا! آندھی طوفان کی طرح ٹکراتی گزری ہیں۔'' فرحت جو مجھ سے بے انتہا محبت کرتی تھی وہ مجھے پریشان دیکھ کر بولی۔

''یہ......فری وہ مجھ سے جھگڑا کر رہی تھی کہ میں انہیں ایم اے میں ایڈمیشن لینے سے منع نہ کروں۔ حیرانی اس بات کی ہے کہ صبا کے تیور بہت بدلے ہوئے تھے اور جس لہجے میں وہ بات کر رہی تھی وہ بہت زہریلا اور دل دکھانے والا تھا۔''

''سنیے خرم بھیا! یہ ساری کمینگی اس حرامزادے پرویز کی ہے۔ روزانہ دندناتا ہوا آجاتا ہے وہ اور باجی کے کان بھرتا رہتا ہے۔ وہی کتنے دنوں سے باجی کے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ میں بھی تو یونیورسٹی میں پڑھتا ہوں تم بھی وہاں پر داخلہ لے لو۔ سچ بڑا مزا آئے گا۔'' فرحت نے نقل کرتے ہوئے بتایا پھر وہ سنجیدگی سے بولی۔

''خرم بھیا! آپ ابو جان سے کہیں کہ وہ جلد از جلد آپ کی شادی کر دیں۔ آپ دیر نہ کریں تو اچھا ہوگا۔ اور مجھے تو یہ خدشہ ہے کہ صباحت باجی بڑی بیوقوف اور لائی لگ ہیں۔ کہیں کوئی حماقت نہ کر بیٹھیں۔'' وہ پریشانی سے بولی۔

''حماقت؟ کیسی بے وقوفی؟ کیا بات ہے فری؟'' میں پریشان ہو گیا مجھے تو باہر کی دنیا میں ہونے والے تماشے کا کوئی علم ہی نہ تھا۔

''بھیا! آپ کو تو پتہ ہے کہ باجی بہت جذباتی اور ناسمجھ ہیں انہیں دوست دشمن کی پہچان نہیں ہے۔ کوئی کچھ کہے تو سچ مان لیتی ہیں۔'' وہ چائے کا کپ پکڑاتی ہوئی بولی۔

کسی انجانے خدشے سے میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔ میں نے بے پیے پیالی نیچے رکھ دی۔ فری میری پریشانی بھانپ کر مجھے بہلانے کی کوشش کرنے لگی۔

''خرم بھیا! ابو جانی آج بہت ناراض ہو رہے تھے وہ صباحت باجی سے کہہ رہے تھے کہ تم خرم کا خیال رکھا کرو۔ اس کو کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دیا کرو۔ ان کا کھانا اور چائے سب انہیں کمرے میں دیا کرو۔ ٹیبل پر وہ آئیں تو ان کا وقت ضائع ہوتا ہے۔''

ابھی فری کی بات ادھوری تھی کہ ملازم نے مجھے تار لا کر دیا۔ جس میں میری امی کی بیماری کی اطلاع تھی اور مجھے فوراً پہنچنے کی تاکید کی گئی تھی۔ میں بے حد پریشان ہو گیا۔

میں جانتا تھا کہ امی واقعی بہت بیمار ہوں گی تبھی انہوں نے گھبرا کر مجھے بلوایا ہے۔ وگرنہ تو وہ چھوٹی موٹی تکلیف کو خاطر میں نہیں لاتی تھیں بڑی حوصلہ مند خاتون تھیں وہ تو۔ میں تار ملتے ہی گھبرا گیا اور صباحت کے متعلق بھول گیا۔

چچا جان اور چچی بھی امی کی علالت کا سن کر میرے ساتھ چل دیئے تھے جبکہ صباحت نے بھی بیماری کا بہانہ کر لیا اور ہمارے ساتھ نہ گئی۔ میں کراچی پہنچا تو امی کو دیکھ کر رو دیا۔ انہیں شوگر کا مرض تھا اور ہائی بلڈ پریشر بھی رہتا تھا۔ وہ تو سوکھ کر کانٹا ہو رہی تھیں۔

امی! چچا ارشاد سے مل کر رو دیں اور اپنی گرتی ہوئی صحت کا تذکرہ کرتے ہوئے میری اور صباحت کی جلد شادی کر دینے کی التجا کی۔ میری بڑی بہن اور بہنوئی اور شہریار بھیا بھی اس وقت امریکہ میں تھے۔ امی بے حد تنہا تھیں۔

چچی نے عذر تلاش کیا۔ کہ شہریار بھیا اور باجی کی غیر موجودگی میں یوں جلدی اور چپ چپاتے شادی کر دینا اچھا نہیں لگتا۔ لیکن چچا نے ان کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ کہ یہ گھر کی بات ہے اور حالات کا تقاضہ یہی ہے کہ بھابھی کی خوشی پوری ہو۔

پھر ارشاد چچا اور چچی جان ایک ہفتہ رہنے کے بعد واپس چلے گئے۔ وہ یہ وعدہ کر کے گئے تھے کہ اسلم سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد ہمیں مناسب تاریخ لکھ کر یا فون پر بتا دیں گے۔ امی کی وجہ سے مجھے مہینے سے زیادہ گھر رکنا پڑ گیا۔ بہت دن گزر گئے لیکن چچی کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ تبھی مجھے فرحت کا مفصل خط ملا۔ جسے پڑھتے ہی میرے تو پیروں تلے سے گویا زمین نکل گئی۔

اور مجھے پتہ چل گیا کہ چچا اور چچی نے جلد جواب دینے کا وعدہ کرنے کے باوجود شادی کی تاریخ کیوں نہیں بتائی تھی ایک دم خاموشی کیوں اختیار کر لی تھی۔ آخر وہ کیوں گم صم ہو گئے تھے۔

فرحت نے لکھا تھا کہ ''صباحت باجی نے فی الحال شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے امی نے ڈانٹا ڈپٹا تو بھی صبا باجی کے اوپر کوئی اثر نہیں ہوا ہے۔ بلکہ انہوں نے بھوک ہڑتال کر کے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا ہے۔ اور آج کل پرویز بھی ہر وقت ہمارے گھر موجود رہتا ہے۔ بھیا کا جگری دوست ہونے کی وجہ سے۔ امی ابو بھی اس سے اچھا سلوک روا رکھتے ہیں۔

آج کل وہ باجی کے استاد بنے ہوئے ہیں انہیں پڑھاتے ہیں لیکن خرم بھیا! مجھے یہ پرویز بالکل اچھا نہیں لگتا ہے۔'' وغیرہ وغیرہ

میں خط ہاتھ میں تھامے کھڑے کا کھڑا رہ گیا دل وسوسوں سے لبریز ہو گیا تھا آثار اچھے نہ تھے۔ امی کی طبیعت بھی سنبھل چکی تھی میں نے واپسی کی تیاری کر لی تھی۔

جب میں بغیر اطلاع دیئے گھر پہنچا تو صباحت مجھے باہر ہی مل گئی وہ کچھ زیادہ ہی نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ گلاب کی کلی کی مانند۔ مجھے دیکھ کر جیسے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔

''خرم......آ......آپ کب آئے؟'' وہ رک کر بولی۔

''ابھی تمہارے سامنے ہی تو ٹیکسی سے اترا ہوں۔'' میں اپنا بیگ زمین پر رکھ کر بولا۔

''کیوں...... مجھے دیکھ کر تم کچھ مضطرب سی ہو گئی ہو۔ اگر میرا آنا ناگوار گزرا ہے تو میں واپس چلا جاؤں؟'' اس نے شادی سے انکار کر دیا میری بیمار ماں کی بے پناہ خواہشوں کو اپنی ضد سے روند ڈالا تھا۔ میرے تو دل پر گھاؤ لگا تھا۔ لیکن صباحت کے جواب نے مجھے مزید افسردہ کر دیا۔ وہ تو یک دم بدل کر رہ گئی تھی۔

''واپس؟ میں کون ہوتی ہوں آپ کو واپس بھیجنے والی؟'' صباحت تلخ سے لہجے میں بولی۔

''خرم! یہ آپ کے چچا کا گھر ہے یہ آپ کا حق بنتا ہے کہ جب چاہیں آئیں جتنا دل چاہے رہیں؟'' وہ رکھائی سے بولی۔

یعنی وہ تو صاف اپنا دامن چھڑا رہی تھی۔ اپنے ناطے سے نہیں چچا کا بھتیجا ہونے کی وجہ سے میں اس گھر میں آ سکتا تھا۔

''اچھا......تو آپ کون ہوتی ہیں مجھے واپس بھیجنے والی؟'' میں نے طنز سے پوچھا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر میں نے انگلی میں پڑی انگوٹھی کو چھوا۔

''یہ منگنی کی انگوٹھی پہن لینے کے بعد بھی آپ یہ کہتی ہیں کہ آپ کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔ تو یاد رہے محترمہ صباحت صاحبہ! ایک ہی نہیں ہزار ہا رشتوں میں تم سے بندھا ہوا ہوں میں۔ کیسے دامن چھڑا سکتی ہو مجھ سے تم؟ کوئی نہ کوئی زنجیر ہمیں خاندانی رشتوں سے منسلک ہی رکھے گی۔''

وہ جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر کار میں بیٹھنے ہی لگی تھی کہ میں نے طیش کے عالم میں اسے کھینچا وہ میری چھاتی سے ٹکرا گئی۔

''سچ بتاؤ صبا! تم نے شادی سے انکار کیوں کیا ہے؟ میری امی کی مخدوش حالت کے بارے میں جان کر بھی تم نے کچھ پرواہ نہیں کی؟'' وہ چند لمحوں تک مجھے تیز نظروں سے گھورتی رہی۔ وہ نظریں تو مجھے بھی اجنبی لگ رہی تھیں۔ ان میں ناآشنائی کے رنگ تھے۔

وہ نظریں جن میں ضد اور من مانی کے جذبے صاف پڑھے جا سکتے تھے۔ سرکش لہروں کی تندی تیزی تھی۔ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر خود کو میری گرفت سے چھڑا کر اٹل لہجے میں بولی۔

''خرم! میں نے شادی سے اس لیے انکار کیا ہے کہ میں ابھی کسی پابندی کسی مصیبت میں خود کو پھنسانا نہیں چاہتی ہوں۔'' اس نے دونوں ہاتھ میرے سینے پر رکھ کر آہستہ سے دھکا دے کر مجھے پیچھے ہٹا دیا۔ اور یہی ہلکا سا دھکا میری بے پناہ محبت کا تاج محل کرچی کرچی ہو کر ڈھے گیا۔ ٹھکرا دیا گیا تھا میں اپنی محبت کے ہاتھوں۔

میرا وجود......میرا مان......میری عزت سب ہی زلزلوں کی زد میں آ کر منوں مٹی تلے دب کر رہ گئی تھی۔ وہ تو کار میں بیٹھ کر چلی گئی اور میں دل تھامے گم صم کھڑا رہ گیا اور پھر میں نے خود کو الگ تھلگ کر لیا خود ہی پیچھے ہٹ گیا۔

صباحت کی بے رخی دیکھ کر میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ کئی کئی دنوں تک وہ میرے سامنے نہ آتی لیکن فرحت کی زبانی مجھے اس کی اور پرویز کی بے تکلفی کا پتہ چلتا رہتا تھا حد سے بڑھی دوستی کا اندازہ ہوتا تھا۔ بزرگ گھر میں پکنے والی کھچڑی سے بے خبر تھے اور وہ پرویز کی عزت کرتے تھے کہ وہ ان کے بیٹے اسلم کا عزیز دوست ہے۔ کوئی اسے روکتا ٹوکتا نہ تھا۔ وہ جب مرضی گھر میں دندناتا ہوا آتا اور اپنی مرضی سے واپس جاتا تھا۔

چچا وغیرہ وہ اسے ناراض کر کے بیٹے کو تو نہیں خفا کر سکتے تھے۔ چچا تو ویسے بھی اس پورے واقعے سے لاعلم تھے۔ کیونکہ وہ تو زیادہ تر اپنے مربعوں زمینوں پر رہتے تھے اور زمینوں کی دیکھ بھال میں مگن رہتے تھے۔

اسی طرح سخت کھنچاؤ میں وقت گزرتا رہا میرے فائنل امتحان ہو چکے تھے میں پڑھائی سے فارغ ہو چکا تھا۔ فرحت اس صورتحال سے بہت گھبرائی ہوئی تھی وہ جانتی تھی کہ میں نے صبا سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ میں اس سے ناراض تھا لیکن صبا نے بھی مجھے منانے کی بالکل کوشش نہیں کی تھی۔ جیسے کہ وہ تو دل سے مجھ سے چھٹکارا چاہتی تھی۔ فرحت نے صبا کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ نہ جانے وہ دل میں کیا ٹھانے تھی؟

آخر فرحت کے سمجھانے پر میں نے ہی صباحت سے صلح کرنے میں پہل کی۔ کوشش کرنے میں حرج ہی کیا تھا آخر اصلیت تو کھلتی وہ لان میں پرویز ہی کے ساتھ ٹینس کھیل رہی تھی کہ خلاف معمول مجھے وہاں دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

''کیا بات ہے صباحت تم کھیل کیوں نہیں رہیں؟'' پرویز نے اسے یوں ساکت ہوتے دیکھ کر پوچھا۔ پھر وہ مجھے دیکھ کر چونک گیا۔ صبا کی محویت اور میرے بھنچے ہوئے ہونٹوں اور گہری نظروں کو معنی خیز طریق سے دیکھا۔

''آپ کی تعریف؟'' پرویز قریب آ گیا۔

اور وہ ریکٹ گھماتے ہوئے بولا صبا بھی دوپٹہ کھول کر سینے پر پھیلاتی قریب آ گئی اور ریکٹ میز پر رکھ دیا۔

''پرویز! یہ میرے چچازاد ہیں ڈاکٹر خرم؟'' اس نے پرویز کا تعارف مجھ کروایا۔

''او اچھا......تو آپ کہیں باہر سے تشریف لائے ہیں شاید؟'' وہ ہاتھ ملا کر بولا۔

''کہیں باہر سے؟'' صبا نے قہقہہ لگایا اور گویا میرا مذاق اڑانے لگی۔

''یہ بھی خوب رہی ارے بھئی پرویز! یہ تو یہیں رہتے ہیں ہمارے گھر میں ایک ہی چھت کے نیچے۔'' صبا تو خاصی تیز طرار ہو گئی تھی۔

''ہائیں...... یہ اس گھر میں رہتے ہیں؟'' وہ حیرانی سے بولا۔ انداز سے صاف ظاہر تھا کہ بن رہا ہے وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اداکاری کر رہا ہے۔

''نہیں......نہیں صبا! تم مذاق کر رہی ہو میں تو روزانہ یہاں آتا ہوں میں نے تو انہیں کبھی نہیں دیکھا ہے۔''

''دراصل یہ صاحب میڈیکل اسٹوڈنٹ ہیں ہر وقت پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں۔'' وہ طنزیہ انداز سے بولی۔

''ویسے یار صبا! میں حیران ہوں کہ لوگ اتنی سیریسلی پڑھائی کر کیسے لیتے ہیں؟'' پرویز نے کاندھے جھٹکے۔

''اف اللہ...... پھوٹ جائے گی اس غریب لڑکی کی قسمت جس سے ڈاکٹر صاحب کا بیاہ ہوگا۔ یہ تو چوبیس گھنٹے کمرے میں بند رہیں گے اور اس بدنصیب سے بھی موٹی موٹی کتابیں پڑھوائیں گے۔'' پرویز زور سے ہنسا اور صبا کا چہرہ زرد ہو گیا جیسے اس کے لیے یہ تصور بھی ہولناک ہو۔

لیکن میں نے پرویز کی یاوہ گوئی کا کوئی نوٹس نہ لیا اور اسے ایک بار کڑی نظروں سے دیکھا اور آگے بڑھ کر کرسی سے ریکٹ اٹھا کر اس کی گٹس (GUTS) دیکھنے لگا۔

''آیئے ڈاکٹر خرم صاحب! تو ہو جائیں دو دو ہاتھ۔ ایک آدھ سیٹ کھیلتے ہیں ذرا آپ کو ریکٹ تھامنا سکھا دیں۔'' پرویز، خرم کو ریکٹ اٹھاتے دیکھ کر بولا۔

''جناب! کچھ کھیلنا ویلنا بھی آتا ہے یا صرف کتابیں ہی چاٹتے رہتے ہیں۔'' وہ بھوں چڑھا کر بولا۔

''مسٹر پرویز! بہت کچھ آتا ہے مجھے لیکن میں فضول باتیں نہیں کرتا۔ نہ ہی مجھے لڑکیوں کے سامنے ہیرو بننے کا شوق ہے آیئے کھیل کر دیکھیے کون کس کو کیا سکھاتا ہے؟'' پرویز جھینپ کر رہ گیا۔ میں ریکٹ لے کر کورٹ میں چلا گیا۔

اس کے بعد ہم کافی دیر تک کھیلتے رہے پرویز بری طرح سے ہار رہا تھا اور اس کی جھنجھلاہٹ بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

''کیوں پرویز صاحب! کافی ہے یا ابھی اور بھی کھیلنا چاہتے ہیں آپ؟'' میں نے اسے اڑیل ٹٹو کی طرح ہانپتے

دیکھا تو مسکرا کر پوچھا۔ پرویز نے جل کو ریکٹ پھینک دیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ڈاکٹر! کسی دن آپ کو با قاعدہ چیلنج کر کے کھیلوں گا ابھی مجھے پریکٹس نہیں رہی ہے۔'' وہ شرمندہ ہو کر بولا۔ تو میں نے مسکرا کر ریکٹ رکھ دیا صبا کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ جیسے اسے میری فتح اور پرویز کی شکست سے رنج پہنچا ہو۔

''صباحت! چلو کہیں گھومنے چلتے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''جی...... وہ...... بات یہ ہے کہ صبح میرا ٹیسٹ ہے اور...... اور پرویز نے مجھے پڑھانا ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''میں پڑھا دوں گا چلو آؤ۔'' میں نے ہاتھ تھاما تو وہ ٹپٹا کر پرویز کو دیکھنے لگی۔

''واہ کمال ہے۔ ڈاکٹر ہو کر آپ اتنے لطیف نازک احساسات اور جذبات رکھتے ہیں۔'' پرویز نے طنز کی

''کیوں آپ کے خیال میں کیا ڈاکٹر انسان نہیں ہوتے؟'' میں نے تحمل سے پوچھا۔

''ہونہہ...... اگر آپ انسان ہوتے تو اب تک صبا کے وجود کو نظر انداز نہ کرتے؟'' وہ گویا چڑ کر بولا تو مجھے برا لگا۔

اچھا تو یہ سب واقعات جانتے بوجھتے ہوئے مکر رہا تھا۔

''مسٹر پرویز! آپ اسلم کے دوست ضرور ہیں لیکن میں آپ کو یہ اجازت نہیں دوں گا کہ آپ ہمارے ذاتی تعلقات پر تنقید کریں ہماری پرائیویٹ زندگی میں مداخلت کریں؟'' یہ سنتے ہی وہ گویا جامے سے باہر ہو گیا۔

''ڈاکٹر صاحب! مجھے آپ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے میرا جو دل چاہے گا میں کہوں گا نوکر نہیں میں آپ کا؟'' وہ نفرت سے بولا تو میرا دماغ چکرا کر رہ گیا میں غصے سے لرز اٹھا۔ خود صبا کا رنگ بھی اڑ گیا تھا۔

''آؤ چلو پرویز مجھے پڑھا دو۔'' وہ اسے بہانے سے وہاں سے ٹالنا چاہ رہی تھی۔

''صبا......'' میں نے گرج کر اسے آواز دی۔ اس کے قدم گویا جم کر رہ گئے۔ میں لرزتا ہوا بڑھا اور اس کو بازو سے کھینچتا ہوا آگے لے گیا۔ یہ تو میری انا میری عزت سے کھیل رہی تھی۔ میری منگیتر ہو کر وہ غیر مرد سے محبت التفات برت رہی تھی۔ میں ایسا بے غیرت تو نہ تھا۔

''ڈاکٹر! تم چھوڑ دو صبا کو۔'' پرویز نے میرا بازو پکڑ کر کھینچا۔

''مسٹر پرویز! اگر تو تمہیں یہ پتہ نہیں کہ صباحت میری منگیتر ہے تو میں اب تمہیں بتا رہا ہوں۔ ہٹ جاؤ میرے سامنے سے۔'' میں نے اسے سختی سے دھکیلا اور صبا کو کار میں دھکیل کر کار چلا دی۔

وہ چاپ چاپ سر جھکائے روتی رہی توہین کے احساس سے میرا وجود سلگ رہا تھا۔ غیرت مجھے مارے ڈالتی تھی۔ کہ میری منگیتر، میری عزت، ایک غیر شخص کی اتنی حوصلہ افزائی کرے کہ وہ میری بے عزتی کرنے پر اتر آیا ہے۔ یہ سب ناقابل یقین تھا آخر میں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی اور بڑی نرمی سے صبا کو بازوؤں میں لے لیا۔

''صبا! مجھے میرا قصور تو بتا دو۔ آخر کیوں ناراض ہو مجھ سے؟'' وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی لیکن میری گرفت بہت مضبوط تھی۔

''کچھ تو بولو صبا؟'' میں نے کراہ کر کہا۔

''میں کچھ نہیں کہنا چاہتی خرم! بس آپ اتنا کرم کریں کہ میرا خیال دل و دماغ سے نکال دیں۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''کیا مطلب؟'' میں دنگ رہ گیا۔

''ہماری طبیعت نہیں ملتی ہمارا نبھاہ نہیں ہوسکتا میں آپ کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی ہوں۔'' اس نے واضح ٹھوس لفظوں سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا۔ میں بے یقینی کے عالم میں تکتا رہ گیا میرا دماغ شل ہو گیا میں کھلی کھلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

قوت گویائی سلب ہو چکی تھی دل ریزہ ریزہ تھا اور پھر وہ کس ڈھٹائی و بے باکی سے یہ دل شکن باتیں کر رہی تھی۔

''مجھے ٹھکرانے کا سبب کہیں پرویز تو نہیں؟''

یقیناً وہی ہوگا۔ میں نے سوچا۔ اور بمشکل ڈوبتے دل کو سنبھالا معاملہ اب میری غیرت اور آن کا آپڑا تھا تبھی میں صباحت کے سامنے اپنی کسی جذباتی کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ خوامخواہ مغرور ہوگی خوش فہم ہو کر مزید دکھ دے گی مجھے اپنی اہمیت جتائے گی۔

اونہہ...... فائدہ ہی کیا تھا؟ یوں دل پر پاؤں رکھوانے کا۔ اب اس کی محبت و چاہت جو کبھی میرے لیے تھی اس پر پرویز کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اب کسی کٹھور بے وفا کو دل چیر کر دکھانا بے کار تھا۔ اسے درد دل سے آشنا کرنا ہی فضول تھا۔ کہ وہ پہلے کون سی انجان تھی۔

وہ کبھی بھی تو میری بے پناہ محبت میرے سلگتے جذبوں سے نا آشنا بے خبر تو نہ تھی۔ کہ اسے جتلایا جاتا۔ اس نے تو جان بوجھ کر میری چاہت کو ٹھکرایا تھا۔

اب اس کے سامنے چاہتوں کی بھیک مانگنا، منتیں کرنا فضول تھا۔ میں مزید اپنی بے عزتی نہیں کروانا چاہتا تھا۔ لیکن معاملہ یوں درمیان میں چھوڑنا بھی میری توہین تھی۔

''تو کیا میں پرویز کو اس کی بدمعاشی کی سزا دوں؟ قتل کر ڈالوں اسے؟'' میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔ ہاں یہی مناسب اقدام تھا یونہی میں اپنا انتقام لے سکتا تھا۔ اچانک میری نظر مضطرب سی صباحت پر پڑی جو خشک ہونٹ اور زرد چہرہ لیے میری طرف خوف سے دیکھ رہی تھی۔ تو میرا دل گویا پگھل گیا۔ میں تو امن و پیار کی منزل کا راہی تھا جنگ و جدل بدلہ؟ میرے جیسے شخص کا وطیرہ نہ تھا۔

نہیں خرم تھم کر رک کر سوچو اگر پرویز صباحت کی محبت ہے تو میں اپنی محبت کے صدقے اسے بخش دوں گا۔ کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ مجھے پتہ تھا کہ صباحت تڑپ اٹھے گی اور پھر صباحت کی تڑپ اور دکھ میں کیسے برداشت کر پاؤں گا؟

پھر میں اپنی رقیق القلبی پر مسکرا دیا۔ لمحہ بھر پہلے تو انا و عزت و غیرت کے خونی بھونچالوں میں پھنسا تھا۔ وہ طوفان گزر گیا تھا۔ اف حد ہو گئی تھی کہ میں اپنی محبوبہ کی خوشی کی خاطر اپنے رقیب کو بھی یوں آسانی سے گلے لگانے پر تیار ہو گیا تھا۔ صبا کی خوفزدہ آنکھیں وحشت سے زرد چہرہ دیکھ کر میرا دل چاہا میں اس کے ہاتھ تھام کر تسلی دوں۔ اور کہوں۔

''پیاری لڑکی! خرم کے ہوتے ہوئے کوئی دکھ تمہارے قریب نہیں آ سکتا۔ تمہیں کسی سے بھی خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ جو چیز تمہارے من کو بھا گئی ہے وہ تمہیں مل جائے گی تمہاری دسترس میں ہوگی۔ تو اب تم اپنی آنکھوں سے یہ تاریک سائے ہٹا لو۔ شانت ہو جاؤ من کو ڈھارس بندھاؤ۔ جبکہ میں اپنے دل کو مردہ کرلوں گا۔'' میں نے ٹھنڈا سا سانس لیا اور ونڈ اسکرین سے باہر لہراتے بل کھاتے سمندر کی بے چین لہروں کو تکنے لگا۔

میرے مضطرب جذبات و احساسات کی طرح اس میں بھی تلاطم برپا تھا اور منہ زور لہریں ساحل سے ٹکرا ٹکرا کر واپس لوٹ رہی تھیں۔

میں نے کار واپس موڑ لی اور تیزی سے چلاتا رہا۔ میں جلد از جلد گھر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اب صبا کا ساتھ اس کا قرب میرے لیے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اپنے خیالات سے پھر جاتا۔ بدل جاتا۔ میں اس سے دور ہو جانا چاہتا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ اور صبا میری خاموشی سے گھبرائی ہوئی میرے چہرے کو تکتی جا رہی تھی۔ کہ میں کیا قیامت توڑوں گا مگر میں نے کار روکی اور تھکے تھکے قدم اٹھاتا اندر چلا آیا۔ اور نہ جانے کتنی دیر وہاں کمرے میں گم صم پڑا رہا منصوبے بناتا رہا توڑتا رہا۔ اپنے دل میں پکتے آتش فشاں کو ٹھنڈا کرتا رہا۔

''خرم بھیا! کھانا کھالیں چلیے سب ڈائننگ روم میں انتظار کر رہے ہیں۔'' فرحت لائٹ جلا کر اندر آ گئی اور جھک کر میرے بالوں کو سہلایا۔

''بھئی اب تو آپ ہم سب کے ساتھ کھانا کھایا کیجیے اب تو آپ کی پڑھائی ختم ہو چکی ہے نا؟'' وہ پیار سے بولی۔

''ارے بھیا! اتنے سگریٹ پی ڈالے ہیں آپ نے؟'' وہ بھری ہوئی ایش ٹرے کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ''آپ تو کبھی کبھار پیتے تھے۔''

''تم جاؤ فری! مجھے بھوک نہیں ہے میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔'' میں نے بھرائی آواز میں کہا۔

''کیا بات ہے بھیا! خیریت تو ہے نا؟ نہیں ضرور کوئی بات ہوئی ہے؟'' وہ میری نگاہوں میں جھانک کر بولی۔ پھر وہ مجھ پر جھک گئی میں چند لمحے تو اسے تکتا رہا پھر رکا ہوا طوفان آنکھوں سے ابل ابل پڑا میں اس کی گود میں منہ چھپا کر رو دیا۔ یہ سب فرحت کے لیے ناقابل یقین تھا کہ میں یوں بچوں کی طرح بلک بلک کر رو بھی سکتا ہوں؟ وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی۔ تو میں سنبھلنے کی کوشش کرنے لگا جلدی سے سر اٹھا کر آنکھیں صاف کیں۔

''تف ہے مجھ پر خرم کیوں اپنی کمزوریوں کا اظہار کر رہے ہو؟'' میں ہونٹ کاٹتا ہوا مڑا۔

''تو...... تو صباحت باجی نے آپ سے سب کچھ کہہ دیا ہے؟'' فرحت رو کر بولی۔

''خرم بھیا! باجی بہت دنوں سے مجھے کہہ رہی تھیں کہ وہ آپ کو پرویز کے بارے میں بتا دیں گی لیکن میں نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی آپ کی محبت کا واسطہ دیا لیکن وہ تو جیسے بہری ہو گئی ہیں۔ اندھی بلکہ بالکل پاگل اور بدلحاظ ہو گئی ہیں۔'' وہ نفرت سے بولی۔

''ہائے...... اب کیا ہو گا خرم بھیا! آپ نے کیا سوچا ہے؟''

''کچھ نہیں ہو گا فری! یہ تو احساس توہین سے میری آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ ہاں میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ میں ان کی راہ میں دیوار نہیں بنوں گا۔ میں کل ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا پھر فرحت کے چہرے پر استعجاب و حیرانی دیکھ کر میرا دل دکھ گیا۔ اف میں کیسے اسے اپنا داغ داغ دل دکھاتا۔

''خرم بھیا! یہ کیسے ہو سکتا ہے صبا باجی آپ کی منگیتر ہیں۔ آپ یوں آسانی سے ان سے دستبردار نہ ہوں۔ آپ باجی پر سختی کیجیے۔ وہ پرویز عیاش اور کمینہ بدطینت انسان ہے وہ صبا باجی کو تباہ و برباد کر دے گا۔'' وہ چلا اٹھی۔

''دیکھو فری! تم صبا سے چھوٹی ہو کر یہ محسوس کر سکتی ہو کہ پرویز عیاش انسان ہے اور صبا کے لیے کسی صورت

موزوں نہیں تو کیا تمہاری باجی کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے؟ وہ خود اپنا بھلا برا نہیں سوچ سکتیں؟ کیا وہ پرویز کو نہیں پرکھ سکتی ہیں؟

نہیں فری! اس پرویز میں کوئی خوبی تو ایسی ہوگی نا جو مجھ میں ناپید ہے تبھی تمہاری باجی مجھے ٹھکرانے پر تیار ہوگئی ہیں؟'' میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے یہ حوصلہ شکن مگر تلخ حقیقت اگلی۔

''مگر خرم بھیا! اگر پرویز نے باجی کو دھوکہ دے کر برباد کر دیا تو پھر ان کا کیا ہوگا؟'' اس کے انداز میں اندیشے رچے تھے۔

''ہاں فری! میرے دل میں بھی یہی خدشہ ہے لیکن میں اپنے اندیشوں سے صباحت کو آگاہ نہیں کروں گا۔ وہ سمجھے گی میں رشک وحسد کی آگ میں جل کر یہ تمام بہتان باندھ رہا ہوں۔ میں اپنی سگی اپنی توہین برداشت نہیں کر پاؤں گا تبھی میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔ میں یہ سب دیکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ لیکن میرے دل پر ہمیشہ صباحت کی تصویر نقش رہے گی۔ میں نے اسے والہانہ چاہا ہے محبت کی ہے اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ ہاں اگر اب بھی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو میرے دل کے دروازے اس کے لیے کھلے ہیں۔ وہ بغیر دستک دیئے واپس آسکتی ہے۔'' خرم کے لہجے میں درد رچا تھا۔

''فرحت اب میں صبا سے اپنے بارے میں اپنی بے پناہ چاہتوں کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اس کی نگاہوں میں بیگانگی اور غیریت کے سائے مجھ سے دیکھے نہیں جاتے۔ اور اسے ہر دم اپنے رقیب پرویز کے پہلو میں دیکھنے کی بھی سکت نہیں ہے مجھ میں۔ میں بے غیرت بن کر نہیں دیکھ سکتا۔'' میں سر تھام کر بیٹھ گیا۔ فری بے تحاشہ رو رہی تھی۔

تبھی ملازم نے آکر ہمیں چچا جان کا پیغام دیا۔ وہ ہنوز ہمارا انتظار کر رہے تھے اور انہوں نے کھانا بھی نہیں شروع کیا تھا۔ میں نے فضل دین سے کہا کہ ہم آرہے ہیں۔ پھر میں فری کی طرف متوجہ ہوا جو رو رو کر پاگل ہو رہی تھی۔ اسے سمجھا بجھا کر غسل خانے لے جا کر اس کا منہ دھلوایا اور ڈرائنگ روم میں پہنچے۔

''کیوں خرم بیٹے! کیا نیند آگئی تھی۔ ہم تو بہت دیر سے آپ کے منتظر تھے پھر فری کو بھیجا تو یہ بھی وہاں جا کر بیٹھ رہی؟'' وہ پیار سے بولے۔

''جی چچا جان! معافی چاہتا ہوں بس آنکھ لگ گئی تھی۔'' میں نے جھوٹ بولا اور سرسری نظروں سے پرویز کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

''کوئی بات نہیں بیٹے! امتحان ختم ہو گئے ہیں اب تم خوب گھومو آرام کرو۔ تفریح کرو بہت محنت کی ہے تم نے ہمارے ساتھ شکار پر چلو پرویز انتظام کروا رہا ہے۔'' وہ پیار سے بولے۔

''اچھا...... بندوق بھی تھامنی آتی ہے ڈاکٹر صاحب کو یا صرف زبانی فائر کرتے ہیں موصوف؟'' اسلم کے قریب بیٹھے پرویز نے طنز کیا۔

''جی بہت اچھی طرح سے چلانی آتی ہے انسانوں سے لے کر درندوں تک کو بخوبی شکار کر سکتا ہوں بندوق یا پستول سے۔'' خرم اس کی طرف دیکھ کر حقارت سے بولے۔

''واقعی...... اس میں کوئی شک نہیں کہ خرم کا نشانہ لاجواب ہے بے خطا ہے اور ماہر شکاری ہیں۔ بھائی یہ تو آنکھوں

پر پٹی باندھ کر نشانہ لگاتے ہیں۔'' اسلم نے تائید و تصدیق کی۔

''تو پھر تم چل رہے ہونا خرم بیٹے؟'' چچا جان نے پوچھا تو میں نے ایک دم فیصلہ کرلیا۔

''شکار پر......نہیں چچا جان میں نہیں جاسکوں گا میں تو کل واپس کراچی جا رہا ہوں۔'' یہ سن کر سب حیران رہ گئے۔

''واپس......لیکن خرم بیٹے آپ نے تو یہاں رزلٹ تک رکنا تھا؟'' چچا جان پریشان ہو کر بولے۔

''بس جی......اچانک پروگرام بن گیا ہے اب میں ہاؤس جاب بھی وہیں کروں گا۔ پھر مزید پڑھنے کے لیے امریکہ چلا جاؤں گا۔'' میں نے روانی سے پروگرام بتایا جیسے کہ پہلے سے طے کر رکھا ہو۔

یہ سنتے ہی سامنے بیٹھی صباحت کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹ کر پلیٹ میں جا گرا وہ گھبرا کر خرم کو دیکھنے لگی تھی لیکن خرم نے اسے اچٹتی نظر سے دیکھا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ نگاہوں میں بے پناہ بیگانگی رچی تھی۔ صبا کا دل ڈوب کر رہ گیا۔ یہ جو کچھ پرویز اور اس کے درمیان ہو رہا تھا اس سے وہ خود بھی مطمئن نہ تھی۔ کوئی انجانی سی خلش صباحت کو بے چین کر رہی تھی پھر خرم کی اجنبیت سے بھرپور بدلی نگاہیں اسے تڑپا گئیں۔ خرم سے بھی وہاں بیٹھنا دشوار ہو گیا تھا وہ کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''خرم بیٹے! بیٹھو تو سہی کہاں چلے تم؟'' چچی نے ہاتھ تھام لیا۔

''بس چچی جان! بھوک مر گئی ہے۔ ویسے بھی کل تو مجھے چلا جانا ہے تو جا کر اپنے دوستوں سے مل آؤں۔'' وہ نیپکن پھینک کر چلا گیا لیکن صباحت کے ابو کچھ سوچنے لگے۔

''صباحت! تم بھی کچھ نہیں کھا رہی ہو؟'' ماں نے پوچھا۔

''جی بس میں کھا چکی ہوں امی۔'' وہ بھرائی آواز میں کہہ کر جلدی سے اٹھ گئی۔ پرویز گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ خرم کے جانے کے متعلق سن کر اداس ہو گئی ہے صبا! مگر یہ خرم نے اچانک واپسی کا پروگرام کیسے بنا لیا ہے؟'' وہ شوہر کی طرف دیکھ کر بولیں لیکن ان کی نگاہوں میں اندیشے لرز رہے تھے۔ ''کوئی بات ہے ضرور۔'' دل گواہی دیتا تھا۔

''اونہہ......غلط فہمی ہے کہ خرم کے جانے کے متعلق سن کر اداس ہوئی ہیں باجی؟'' یکا یک فرحت بول اٹھی۔

''امی جان! خرم کے جانے کا سن کر تو جشن منانا چاہیے تھا انہیں دلی مراد بر آئی ہے صباحت صاحبہ کی نکال کر خوش ہوں خرم کو۔ ارے سب جانتی ہوں میں۔'' فرحت رہ نہ سکی اور غصے سے بڑبڑائی تو سب چونک گئے۔

''کیا بات ہے فرحت ناراض ہو تم کسی سے؟'' اس کے والد ارشاد علی نے پوچھا۔

''جی کچھ نہیں ہے ابو۔'' فرحت نے پلیٹ دور کھسکا دی اور کھانا چھوڑ کر اٹھنے لگی۔

خرم کھانے کے کمرے سے اٹھ کر سیدھے اپنے بیڈ روم میں آ گئے تھے۔ کتنی ہی دیر وہ کھڑے اپنی منگنی کی انگوٹھی کو دیکھے جا رہے تھے۔ دل و دماغ میں ہلچل مچی تھی۔ کتنی محبت اور ارمانوں سے انہوں نے اس انگوٹھی کو پہنا تھا۔

پھر کچھ مصمم فیصلہ کرتے ہوئے وہ صبا کے کمرے کی طرف چل دیئے۔ ابھی وہ گیلری تک پہنچے ہی تھے کہ انہوں نے صبا کو اپنے کمرے سے نکل کر اپنے بھائی اسلم کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔ پرویز بھی تو وہیں گیا ہوگا؟ وہ بھی

مشکوک انداز سے پیچھے ہی چل دیئے۔ وہ اندر داخل ہوگئی۔

''صباحت! تم؟'' شاید اسلم تو وہاں نہیں تھا مگر پرویز کھانا کھا کر وہیں آ گیا تھا۔

''صبا! کیا بات ہے بہت پریشان اور گھبرائی ہوئی لگ رہی ہو؟'' پرویز کی آواز ابھری جس میں پریشانی تھی۔

''او پرویز...... پرویز آج...... آج میں نے خرم سے سب کچھ کہہ دیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں ان کی نہیں ہوسکتی تو وہ پرانا رشتہ توڑ دیں۔ اور میں نے انہیں اپنے اور تمہارے بارے میں سب بتا دیا ہے۔'' وہ سسکیاں لینے لگی۔

''ارے یہ تو بہت اچھا کیا ہے تم نے تو۔ رونے کی کیا بات ہے اس میں؟ سمجھو ہمارے راستے کی رکاوٹ دور ہوگئی ہے بغیر خون خرابے کے۔'' پرویز قریب ہو گیا تھا۔

''معلوم نہیں میں خود نہیں جانتی کہ میں کیوں رو رہی ہوں۔ مجھے...... مجھے عجیب سے دکھ کا احساس ہو رہا ہے؟'' وہ چہرہ چھپائے بلکنے لگی۔ تو پرویز اسے تسلی دینے لگا پھسلانے لگا۔

''بھئی وہ خرم تمہارا منگیتر ہے بلکہ تھا منگیتر تو تم زندگی بھر اکٹھے رہے ہو۔ ظاہر ہے اسے ٹھکرانے کا دکھ تو ہوا ہوگا تمہیں؟ خیر اب میرے راستے کی تو ہر دیوار ہٹ گئی ہے۔ اب میں اپنے والدین کو عنقریب رشتے کے لیے یہاں بھجواؤں گا۔'' پرویز کی پرجوش آواز آئی۔ تو کمرے سے باہر کھڑے خرم کی آنکھوں سے خوش فہمیوں کے پردے ہٹتے چلے گئے۔ تو معاملہ اس حد تک بڑھ چکا تھا۔ وہ بے قابو ہو کر اندر چلے گئے اور انہیں یوں بے گمان سر پر کھڑا دیکھ کر صبا اور پرویز دونوں گھبرا گئے۔

''گھبراؤ نہیں صباحت علی! میں تم دونوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔''

''تم...... تم یہاں کیوں آئے ہو کیا ہماری جاسوسی کر رہے تھے؟'' پرویز نے ڈھٹائی سے کام لے کر تلخ لہجے میں کہا وہ تو انتہائی ڈھیٹ تھا۔

''گھٹیا انسان! نہ تو مجھے جاسوسی کرنے کی ضرورت ہے نہ میں تمہیں قابل اعتنا سمجھتا ہوں۔ کوئی اہمیت نہیں رکھتے تم میرے نزدیک۔'' خرم اسے قہر آلود نظروں سے دیکھ کر بولے پھر صباحت کی طرف مڑے۔

''صبا! کچھ دیر پہلے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ میں یہ منگنی کی انگوٹھی تمہیں واپس دے کر تمہیں اس مجبوری کے بندھن سے آزاد کر دوں۔ اس خیال میں ڈوبا میں تمہارے کمرے کی طرف بڑھا لیکن تم تو یہاں پرویز کو میرے ٹھکرانے کی خوشخبری سنانے آئی ہوئی تھیں۔'' خرم نے بتایا تو پرویز بولا۔

''تو لاؤ نا پھر وہ منگنی کی انگوٹھی ہمیں واپس کر دو۔'' پرویز نے ہاتھ بڑھایا تو خرم نے حقارت سے ہاتھ جھٹک دیا۔

''وہ نازک ڈور جس سے ہمارے بزرگوں نے ہمیں باندھا تھا۔ میں اس ڈور کا سرا تم جیسے اوباش اور کمینے ذلیل انسان کے ہاتھوں میں کیسے دے دوں؟ اب تو یہ کام ذرا مشکل سے ہوگا۔ ویسے کیا تم اس قابل ہو کہ صبا کا ہاتھ تھام سکو؟'' وہ گرجے تو پرویز نے تمسخرانہ انداز سے کہا۔

''میں اس قابل تھا تبھی تو صباحت نے تمہارے منہ پر تھوک کر میرا ہاتھ تھاما ہے نا؟'' پرویز گھٹیا انداز سے ہنسا تو خرم بے قابو ہو کر آگے بڑھے ہی تھے کہ اسلم اپنے والد ارشاد علی کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ لیکن وہ وہاں گھمبیر سچویشن اور خرم کے جنونی انداز کو دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گئے۔

''خیریت تو ہے نا خرم بھیا؟''اسلم نے اس کا کندھا تھام کر پوچھا تو صبا نمایاں طور پر لرزنے لگی نہ جانے وہ کیا کہہ دے۔

''ہاں...... سب خیریت ہے اسلم!'' وہ سر جھٹک کر باہر نکل گئے۔ پھر رات گئے وہ واپس گھر لوٹے۔ رات آنکھوں آنکھوں ہی میں کٹ گئی تھی۔

دم گھٹ رہا تھا خرم کا وہاں۔ وہ وہاں سے نکل بھاگنا چاہتے تھے ایک دل چاہتا تھا کہ وہ صباحت کو پکڑ کر سمجھائیں اسے بتائیں کہ پرویز اس کے قابل ہرگز نہیں ہے۔ وہ اسے محبت کے سبز باغ دکھا رہا ہے۔ بھنورا ہے عاشق نہیں۔ لٹیرا ہے سودائی نہیں۔

رنج تو یہ تھا کہ صباحت جذبات کی رو میں بہہ کر بالکل ہی غلط اور نا اہل انسان کو منتخب کر بیٹھی تھی۔

اپنی بکھری ہوئی کلیوں کا مجھے رنج نہیں
اس کا غم ہے کہ تیرے پھولوں میں خوشبو ہے نہ رنگ
تیرے اجڑے ہوئے ساون پہ ہیں پت جھڑ کے نشاں
تیرے سیندور سے وابستہ نہیں تیری امنگ

پھر سی ڈی ریکارڈر پر ابھرنے والے نغمے کی مدھر آواز اور پر اثر حسب حال شعروں نے ان کی توجہ کھینچ لی تھی۔

بہت دنوں کی بات ہے فضا کو یاد بھی نہیں
یہ بات آج کی نہیں بہت دنوں کی بات ہے
شباب پر بہار تھی فضا بھی خوشگوار تھی
نہ جانے کیوں مچل پڑا میں اپنے گھر سے چل پڑا
کسی نے مجھ کو روک کر بڑی ادا سے ٹوک کر
کہا تھا لوٹ آیئے میری قسم نہ جایئے
پر مجھے خبر نہ تھی ماحول پر نظر نہ تھی
نہ جانے کیوں مچل پڑا میں اپنے گھر سے چل پڑا
میں شہر سے پھر آ گیا خیال تھا کہ پا گیا
اسے جو مجھ سے دور تھی مگر میری ضرور تھی

اسے جو مجھ سے دور تھی مگر میری ضرور تھی۔ خرم نے زیر لب دہرایا اور پھر ذہن کے دریچے کھلتے چلے گئے اور نہ معلوم کب صبح نے اپنی سفیدی ہر سو پھیلا دی اندھیرے کائنات سے ہٹ کر خرم کے مقدر کو گھیر بیٹھے تھے تمام تاریکیاں اس کی محبتوں کی دنیا میں گھل گئی تھیں۔

دوسری صبح خرم نہا دھو کر تیار ہو کر چچا کے کمرے میں چلے گئے۔ ارشاد علی اور ان کی بیوی نے خرم کے رکنے پر بہت اصرار کیا لیکن وہ زندگی میں پہلی بار اپنے موقف اپنی ضد پر اڑے رہے۔ ورنہ وہ تو بزرگوں کی حکم عدولی کو گناہ سمجھتے تھے۔

''اچھا چچی جان! اب مجھے اجازت دیجیے۔'' وہ چچا سے ملنے کے بعد ان کے سامنے جھکے۔

’’اچھا اللہ کے حوالے میرے بچے اب تو تمہارے جانے سے گھر خالی خالی لگے گا۔ مگر نہ جانے تم نے کیوں ضد پکڑلی ہے۔‘‘ وہ ان کی پیشانی چوم کر آبدیدہ ہو کر بولیں۔ صباحت باپ کو چائے بنا کر دے رہی تھی پیالی اس کے ہاتھوں میں لرزنے لگی تھی۔

’’ارے نہیں...... چند دنوں کی بات ہے چچی اماں پھر میری جگہ کوئی دوسرا لے گا زندگی کا نظام تو چلتا ہی ایسے ہے۔‘‘ وہ زردزردسی صباحت پر گہری نظر ڈال کر بولے۔

’’یہ فری کہاں ہے؟‘‘ وہ کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑا کر بولے۔

’’فرحت! وہ تو کل رات سے تمہارے جانے کا سن کر سر منہ لپیٹ کر پڑی ہے کمرے سے باہر ہی نہیں نکلی نہ کچھ کھایا نہ پیا۔‘‘ چچی نے آنسو پونچھتے ہوئے بتایا۔

’’اچھا...... میں اسے وہیں کمرے میں جا کر مل لیتا ہوں۔‘‘ خرم تیزی سے باہر چلے گئے۔

’’صباحت بیٹی! سنا تو فون کی گھنٹی کب سے بج رہی ہے؟‘‘ ارشاد علی نے کہا تو وہ چونک کر باہر نکل گئی۔

پھر فرحت کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کے قدم گویا زمین نے پکڑ لیے تھے کانوں میں مانوس سی آواز آرہی تھی۔

’’فرحت! تم روتی کیوں ہو یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ میرے جانے میں ہی صبا کی اور تم سب کی بہتری ہے پھر تم پریشان کیوں ہوتی ہو؟ میں تم سے تو ہمیشہ ملتا رہوں گا نا تم تو میری پیاری سی بہن ہو نا؟‘‘ وہ بلکتی ہوئی فرحت کو گلے لگا کر افسردگی سے کہہ رہے تھے۔

’’لیکن خرم بھیا! آپ کا دل تو ٹوٹ گیا ہے آپ صبا سے اتنی محبت جو کرتے ہیں۔ مجھے آپ کی تڑپ اور اذیت کا احساس ہے۔ ہائے باجی کمبخت نے آپ اور ہم سب پر کیسا غضب توڑا ہے؟‘‘ وہ رو دی گئی۔

’’ارے کوئی نہیں آج کل پندرہویں صدی میں کوئی جذبہ کوئی رشتہ بھی پائیدار نہیں رہا ہے۔ دیکھو نا اگر میں صباحت سے پیار کرتا ہوں تو آپ کی بہن بھی تو مجھے ازحد چاہتی تھی کبھی۔ اور اس کی رضامندی ہی سے تو یہ رشتہ طے پایا تھا۔ پھر جب چند دنوں میں صباحت کے خیالات اور احساسات میں فرق آ گیا تو پھر میں تو مرد ہوں نا جن کی سرشت میں ہی کہتے ہیں بے وفائی اور ہرجائی پن رہا ہے۔ تو اب میں بھی اس بندھن کو توڑ کر اس دنیا اور اس میں بسنے والے لوگوں کو نئی نظر سے دیکھوں گا نا۔ اور ان شاء اللہ جلد ہی سنبھل جاؤں گا میں بھی۔‘‘ خرم زبردستی ہنسے۔

’’مگر پرویز...... وہ پرویز! باجی کو تباہ کر دے گا۔ خرم بھیا! خدا کے لیے آپ انہیں چھوڑ کر مت جائیں۔‘‘ وہ منت کرنے لگی۔

’’آپ مجھے امی اور ابو سے بات تو کرنے دیں یا آپ خود اسلم بھیا سے بات کریں انہیں پرویز اور صباحت کے بارے میں سب کچھ بتا دیں۔ وہ تو گھر میں کھیلے گئے اس عشقیہ ڈرامے سے بے خبر ہیں۔ میں شرط لگا کر کہتی ہوں کہ اسلم بھیا بھی اس بات کو ناپسند کریں گے اور کبھی پرویز کو صبا کا ہاتھ نہیں پکڑائیں گے۔ وہ اس تمام واقعے سے لاعلم ہیں ورنہ وہ اتنے بے غیرت نہیں ہیں کہ گھر میں ہی آنکھ مچولی کھیلنے دیتے۔ پرویز اور صبا دونوں ہی اسلم بھیا کے اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔‘‘ وہ چیخ اٹھی۔

''نہیں فرحت! تم ایسی کوئی بات نہیں کرو گی۔ دیکھو پیاری بہنا! ایک مرد کے لیے اس سے بڑی بے عزتی اور بے غیرتی کی بات اور کیا ہو گی کہ اس کی منگیتر اس سے صاف صاف اپنی زندگی سے نکل جانے کا حکم دے اور ایک اوباش شخص کو اس پر فوقیت دے۔ اس کے ساتھ بے تکلفی کا اظہار کرے۔ سامنے ہی رومانس لڑائے۔ فری تمہاری باجی مجھے ٹھکرا چکی ہے اور اب میں اس گھٹیا انسان کے منہ لگنے سے تو رہا۔ میں تو اس پرویز کو قتل بھی کر سکتا ہوں مگر میں اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ بات کروں۔ انتہائی رذیل بدمعاش شخص ہے وہ تو۔''

''ارے کیا صبا باجی نے خود آپ سے پرویز کے بارے میں بتایا ہے؟'' وہ بہن کی جسارت پر حیران رہ گئی۔

''ہاں......اور فری تم بھی اپنے آپ کو شانت رکھو۔ دیکھو صبا بچی تو نہیں ہے کہ وہ اپنی تباہی نہ دیکھ سکے۔ جب اپنی بربادی کی فکر صبا کو نہیں تو ہمیں کیوں ہو؟'' میں نے سنگدلی سے کہا۔

''دیکھو فری! کوئی مرد بھی اس قدر فراخ دل اور دیالو نہیں ہوتا کہ اپنی محبوبہ کو غیر کی بانہوں میں دیکھنے کے بعد بھی دل میں جگہ دے۔ اس کی پوجا کرے۔ پرستش کرے۔ بیاہ رچا لے۔ کیوں کیا میں ہی رہ گیا تھا۔ اپنی لٹی ہوئی اجڑی محبتوں کے مزار پر دیا جلانے والا؟

پھر صبا نے راہ تو تلاش کر لی ہے۔ اب بہت مل جائیں گے زندگی کا ساتھی بننے والے، دکھ بانٹنے والے'' دبا ہوا لاوا ابل پڑا۔

ضبط کا سمندر تمام کناروں کو پھلانگ کر دل کی بستی کو تاراج کرنے لگا تھا۔ ''اور فری تم میری طرف سے صباحت کو کہہ دینا پہلے تو میں یہ انگوٹھی اسے واپس کر دیتا لیکن اب اس وقت تک واپس نہیں دوں گا جب تک کہ وہ پرویز سے بہتر شخص نہیں تلاش کر لیتی۔ اور اگر پرویز ہی میرا رقیب بنا تو مجھے یقین ہے کہ چچا جان اور چچی اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

فری! پہلے تو شاید میں کوئی احتجاج نہ کرتا دل کے ارمانوں کو سینے میں ہی دفن کر لیتا۔ لیکن پرویز نے میرا مذاق اڑا کر مجھ سے الجھ کر منہ لگ کر اپنی اصلیت اور اوقات دکھا دی ہے۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ وہ صبا کا شریک زندگی بننے کے قابل ہے۔ اب اسے صبا کو حاصل کرنے اپنانے کے لیے مجھ سے ٹکرانا ہو گا۔ وہ مجھے راستے سے ہٹانے کے بعد ہی صبا کو حاصل کر پائے گا۔ اب میں یہاں سے محض اس لیے جا رہا ہوں تاکہ صبا کو سوچنے اور پرکھنے کا موقع مل سکے۔ شاید اس کی آنکھیں کھل سکیں پھر یہ میرا وعدہ رہا کہ اگر تو اس کا انتخاب پرویز کے علاوہ جو بھی ہوا میں اس شخص کو صبا کی خوشی کی خاطر اپنے ہاتھوں سے یہ انگوٹھی اسے پہنا دوں گا۔'' وہ بڑے عزم سے بولے۔

پھر فری کی طرف دیکھے بغیر ہی باہر نکلے چلے گئے ابھی انہوں نے قدم باہر رکھا ہی تھا کہ دہلیز پر گم صم کھڑی صباحت سے ٹکرا گئے انہوں نے لڑکھڑاتی صبا کو بانہوں میں گھیر لیا۔ اور پھر یہ ہاتھ سمٹتے چلے گئے۔ وہ گہری گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ جو دھواں دھواں چہرہ لیے انہیں ٹکٹکی باندھے عجیب حسرت آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ارے اب اس طرح دیکھنے سے مطلب؟ محبتوں کو پائمال تو تم نے خود ہی کیا ہے؟ خود ہی تو مجھے باہر نکال پھینکا ہے اپنی زندگی سے۔''

خرم کے چہرے سے دلی دکھ کا اظہار ہونے لگا۔ انہوں نے نہایت ضبط سے بڑی ہی نرمی سے صبا کو چھوڑ دیا اور

تیزی سے باہر نکلتے چلے گئے۔

دل سے ایک خواہش ایک دعا سر ابھار رہی تھی۔ ''اے کاش ایک بار صرف ایک بار صباحت اسے پکار لے رک جانے کا کہہ دے۔ رک جایئے خرم خدارا رک جایئے۔'' ایک صدا اسے موت کی وادیوں سے مایوسی کی عمیق سیاہ غاروں سے واپس روشنی کی طرف کھینچ لاتی لیکن کسی آواز نے اسے نہ پکارا۔ کسی نے راہ نہ روکی اور وہ آہستہ آہستہ نہ صرف اس گھر سے باہر آ گئے، بلکہ صباحت علی کی زندگی سے بھی ہمیشہ کے لیے نکل گئے۔

اور کانوں میں ادھورے نغمے کے بول بار بار گونجنے لگے۔

کسی نے مجھ کو روک کر بڑی ادا سے ٹوک کر
کہا تھا لوٹ آیئے میری قسم نہ جایئے نہ جایئے
میں کچھ ایسی خوشی میں تھا کسی نے جھانک کر کہا
پرائے گھر سے جایئے میری قسم نہ آیئے
وہی حسین شام ہے بہار جس کا نام ہے
چلا ہوں گھر کو چھوڑ کر نہ جانے جاؤں گا کدھر
کوئی نہیں جو ٹوک کر کوئی نہیں جو روک کر کہے کہ لوٹ آیئے
میری قسم نہ جایئے، میری قسم نہ جایئے، نہ جایئے

○●○

پھر خرم کے جاتے ہی صبا پوری طرح سے پرویز کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنستی چلی گئی اس نے خرم سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن ارشاد علی اور خود اسلم بھی پرویز کے راستے میں رکاوٹ بن گئے تھے انہوں نے صبا کو ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ بضد رہی کہ خرم سے شادی نہیں کرے گی تب میں بددل ہو کر امریکہ چلا گیا۔

لیکن فرحت کے خطوں سے مجھے سب حالات کا پتہ چلتا رہتا تھا پھر اچانک ہی فری کے خطوں فون کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شہریار بھیا کے خط سے مجھے صباحت علی کی موت کی اطلاع ملی۔

''زیب یہ سب کچھ اتنا اچانک تھا کہ میں غم سے دیوانہ ہو گیا معلوم نہیں دیار غیر میں کیسے اور کیونکر سنبھل پایا۔ پھر میں وطن واپس لوٹ آیا۔ شہری بھیا اور عالیہ بھابھی ہر وقت میری دلجوئی کرتے رہتے تھے سب نے بہت ضد کی اصرار کرتے رہے کہ میں شادی کر لوں لیکن میرا دل ٹوٹ چکا تھا میں مسلسل انکار کرتا رہا۔ کہ محبتوں رفاقتوں سے یقین اٹھ گیا تھا۔

ہاں کچھ عرصہ بعد شیری بھیا کی شادی پر آپ کو دیکھا بات چیت ہوئی میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ مجھے آپ سے محبت ہو گئی تھی لیکن میں آپ کے کردار اور اخلاق سے متاثر ضرور ہوا تھا۔

ویسے میرے خاندان والوں کو بھی آپ بے حد پسند آئی تھیں خاص طور پر عالیہ بھابھی بضد تھیں وہ آپ کی خوبیاں گنواتی رہیں آپ کی کہانی مجھے سنا دی۔ تب میں بھی سوچ میں مبتلا ہو گیا۔

یہ تو جانتا ہی تھا کہ دیر سویر امی جان اور ابو اور بھابھی کی ضد مجھے سہرا باندھنے پر مجبور کر دے گی اور مجھے یقیناً شادی

کرنا پڑے گی۔ تو پھر آپ سے بہتر لڑکی مجھے کہاں مل سکتی تھی۔
اس بات کو ذہن میں رکھ کر میں چپ ہو رہا لیکن عالیہ بھابھی سے میں نے یہ شرط رکھی کہ پہلے وہ آپ کی مرضی معلوم کریں گی تب بات بڑھائیں گی۔'' خرم نے اپنی طویل داستان کے ایک باب کو ختم کرتے ہوئے کہا تو زیب بھی خیالوں کی وادی سے چونک کر واپس لوٹ آئی۔ کچھ ایسی گم ہوئی تھی وہ خرم کی داستان میں کہ اپنے آپ کو بھی کہانی کا کردار سمجھنے لگی تھی۔ خرم اسے بغور دیکھ رہے تھے۔
''اور زیب جی! آج مجھے آپ کا جواب بھی مل گیا ہے۔'' وہ افسردگی سے مسکرائے ان کی آنکھیں جیسے غم سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ ماضی کے کربناک واقعات کے صفحے الٹتے ہوئے دل پر نہ جانے کتنی برچھیاں چبھی تھیں۔
''جی...... خرم میں...... میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکی؟'' زیب پریشان ہو گئی۔
''آج میں نے اتفاقاً آپ کی اور عالیہ کی باتیں سن لی تھیں۔'' زیب یہ سن کر سٹپٹا گئی۔
خرم نے اس کی بے چینی محسوس کی تو زیب کا ہاتھ تھام کر بولے۔ ''گھبراؤ مت زیب! میں تمہاری مجبوریاں سمجھتا ہوں مجھے تم سے کوئی گلہ کوئی شکایت نہیں ہے۔ بھئی بیوی نہ سہی مجھے ایک مخلص دوست اور ہمدرد ساتھی کی بہت ضرورت ہے زیب! جس کو میں اپنے دل کے زخم دکھا سکوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ باوجود لاکھ چاہنے کے بے پناہ کوششیں کرنے کے میں ابھی تک صباحت کو نہیں بھلا سکا۔'' وہ بے بسی سے کاندھے جھٹک کر بولے۔
''اور...... اور برسوں سے دل کا بوجھ بھی نہیں بانٹ سکا۔ مگر آج...... زیب آج برسوں بعد میں نے تمہیں اپنی کہانی سنائی ہے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے دل پر پڑا منوں بوجھ کم پڑ گیا ہو۔ زیب میں تمہاری طرف پرخلوص دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم میرے کرب اور درد کو سمجھو گی۔'' وہ دھیرے سے بولے۔
''ڈاکٹر خرم......'' زیب نے بے اختیار ان کا ہاتھ تھام لیا۔
''آپ نے میری اور عالیہ کی گفتگو سننے کے باوجود جس فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ میرے دل میں آپ کی عزت محبت بڑھ گئی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر میں اتنی مجبور نہ ہوتی تو مجھے فخر ہوتا کہ میں آپ کی شریک...... آپ کی شریک......'' وہ ہکلانے لگی پھر سرخ ہوتے ہوئے سر جھکا لیا۔
''اچھا...... اچھا بھئی سمجھ گیا ہوں۔'' وہ بڑے خلوص سے مسکرائے۔
''ہاں زیب! یہ میری بھی خوش قسمتی ہوتی اگر آپ جیسا شریک سفر ملتا۔ آپ جیسی مخلص لڑکی میرا ہاتھ تھامتی...... خیر خوش نصیب تو میں اب بھی ہوں کہ آپ جیسی دوست مل گئی ہے۔'' وہ اسے عقیدت سے دیکھنے لگے۔
تبھی وہ دونوں بری طرح سے چونک گئے کوئی ان کے قریب آ کھڑا ہوا تھا وہ نہایت گرمجوشی سے بولا۔ ''ہیلو مس رحمان! شکر ہے کہ آپ یہاں مل گئی ہیں۔ میں آپ کو کہاں کہاں تلاش کرتا رہا ہوں۔'' ایک گھمبیر آواز ان سے مخاطب ہوئی۔ زیب نے گردن موڑ کر دیکھا۔ تو جیسے اسے کرنٹ لگ گیا۔ منہ حیرت کے عالم میں کچھ ضرورت سے زیادہ ہی کھل گیا۔ آنکھیں پھیل سی گئیں۔ وہ سکتے کے عالم میں انہیں گھورے گئی۔
''پلیز...... ارے زیب مجھے اس طرح سے کیوں دیکھ رہی ہیں آپ؟'' وہ بے ساختہ ہنس دیئے۔
''سس...... سر...... آ...... آپ......'' اس نے جلدی سے خرم کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑوالیا اور بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

''ارے بھئی......بیٹھو بیٹھو...... یہ سر اور باس نما چیز تو میں دفتر میں ہوتا ہوں۔ اس وقت تو صرف شارق ہوں اور تم دفتر میں تو نہیں ہونا۔ ہاں...... کیا آپ ہمیں اپنے دوست سے نہیں ملوائیے گا۔'' وہ خرم کو دیکھنے لگے۔

شارق بے حد خوبصورت دل لبھانے والے انداز سے جھک کر پوچھنے لگے۔ زیب نے پلکیں جھپکا کر انہیں دیکھا۔

''سر! یہ میرے قریبی عزیز ہیں ڈاکٹر خرم! ہمارے کزن ہوتے ہیں۔ اور خرم یہ ہیں میرے باس مسٹر شارق رضا!'' وہ جلدی جلدی تعارف کروانے لگی۔ شارق خرم کو بڑے خلوص سے ملے۔

''آپ......شاید آرمی (Army) میں آفیسر ہیں۔ میں نے کچھ دن پہلے آپ کو مس زیب کے ساتھ کلب میں دیکھا تھا تب آپ آرمی کا یونیفارم پہنے ہوئے تھے۔''

''جی ہاں...... میں میجر ڈاکٹر ہوں۔ آپ تشریف رکھیے نا؟'' خرم نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیوں میڈم! اجازت ہے؟'' شارق نے گھبرائی ہوئی زیب سے پوچھا جو ابھی کھڑی ہوئی تھی۔

''لیکن آپ بھی تو بیٹھیے نا کھڑی کیوں ہیں یہ آپ کا آفس تو نہیں؟'' شارق نے ہنس کر کہا۔ ادھر زیب کا ذہن قلابازیاں کھا رہا تھا۔ خدایا میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔

شارق تو اس وقت محبت و اخلاق کے دیوتا نظر آ رہے تھے۔ چہرے پر سجی مسکراہٹ جگمگاتی آنکھیں وہ نہایت بے تکلفی سے خرم سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ وہ بے یقینی کے عالم میں انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

''بھئی زیب! اب بس بھی کرو۔ کیوں مجھے گھورے چلی جا رہی ہو کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے؟ کیا آج بہت خوبصورت لگ رہا ہوں؟'' وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''جج...... جی نہیں تو...... اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ بوکھلا کر بولی تو وہ دونوں ہنس دیئے۔

''ہاں شارق صاحب! آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ زیب کو کیوں ڈھونڈ رہے تھے؟''

''بات یہ ہے میجر خرم کہ آج کل میں ایک مل خریدنے کے چکر میں ہوں اور تمام حساب کتاب اور اہم کاغذات زیب کے پاس ہیں۔ ابھی چند گھنٹے پہلے مجھے میرے منیجر جاوید نے فون کیا اور بتایا ہے کہ مل کا مالک مل فروخت کرنے پر رضامند ہو گیا ہے۔

کیونکہ کچھ اور پارٹیاں بھی وہ مل خریدنے کی خواہشمند ہیں اسی لیے مجھے فوراً کاغذات لے کر وہاں سودا کرنے پہنچ جانا چاہیے۔ بس یہ اطلاع ملتے ہی میں نے مس زیب رحمان کا پتہ کروایا۔ آفس سے ان کے گھر سے۔ بس پھر پوچھتا پچھاتا۔ اپنی منزل تک آ ہی پہنچا ہوں۔ زیب آپ کو میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔'' وہ گہری معنی خیز نظروں سے زیب کو دیکھ کر بولے مگر وہ تو دم بخود تھی۔

''اچھا خرم صاحب! ہمیں اجازت دیجیے امید ہے زیب صاحبہ کی معرفت آپ سے ملاقات ہوتی رہے گی۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ آج مجھے اس قدر جلدی جانا پڑ رہا ہے۔ ویسے آپ سے مل کر دل بہت خوش ہوا ہے۔'' وہ جلدی جلدی بول رہے تھے۔

''مسٹر شارق! ضروری تو نہیں کہ ہم زیب ہی کی معرفت ملیں بھئی میں خود بھی آپ سے ملنے آؤں گا۔ اور نئی مل کے لیے وش یو بیسٹ آف لک (wish you best of luck)۔ ہاں آپ زیب کو تو گھر پہنچا دیں گے نا؟''

خرم نے پوری طرح اعتماد کرتے ہوئے کہا۔

''او شیور...... شیور...... آپ فکر مت کیجیے گا۔ اچھا خدا حافظ۔'' اس نے زیب کے کاندھے کو چھو کر اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''لیکن سر آپ مجھے کیوں؟'' وہ زیب کو بولنے کی کوشش کرتے دیکھ کر جلدی سے اس کو بازو سے پکڑتے باہر لپکے۔

''چلو بھئی زیب! پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے۔'' اور اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے کار میں لا پھینکا۔

''شارق صاحب! میں تو پہلے کبھی آپ کے ساتھ نہیں گئی اور مل کے کاغذات تو میں نے کل ہی آپ کو دے دیئے تھے۔'' وہ سنبھل کر بولی۔

''ہاں غلطی میری ہے اگر میں پہلے تمہیں اپنے ساتھ نہیں رکھتا تھا تو آئندہ جان سے لگا کر رکھوں گا۔'' وہ تیزی سے کار چلاتے ہوئے بولے تو وہ ان کے منہ سے ایسے کلمات سن کر ششدر رہ گئی۔

''یہ آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔ شارق صاحب!''

''تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارے میجر خرم سے زیادہ خطرناک آدمی نہیں ہوں۔'' ان کا لہجہ انتہائی سرد تھا وہ گھبرا کر انہیں دیکھنے لگی۔ جن کی نظریں تو ونڈ اسکرین پر جمی تھیں۔ پھر انہوں نے کار ایک ویران سے باغ کے اندر لے جا کر روک لی تھی۔

وہ اپنے ہونٹ کو دانتوں میں بھینچے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے تیوری چڑھائے سامنے اندھیرے میں گھور رہے تھے۔ زیب ایک ہاتھ دل پر رکھے پرے کھسک گئی اور خوفزدہ نظروں سے اپنے اردگرد دیکھنے لگی۔ ''شارق کی نیت میں کھوٹ ہے۔'' زیب کو یہ احساس ہو گیا تھا۔

''خدایا اس بیابان اور ویرانے میں وہ مدد کے لیے کسے پکارے گی؟ کون آئے گا اسے بچانے؟ اے کاش میں ان کے ساتھ نہ آئی ہوتی؟'' اس نے حسرت سے سوچا۔

''لیکن شارق نے بھی تو اپنا اصلی روپ چھپا کر خرم کے سامنے کتنے خلوص کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ انگریزی میں کہتے ہیں نا "To hine your clours and fangs" زیب بھی ان کی چال کو نہیں سمجھ سکی تھی اور ان کی میٹھی سنہری گفتگو کا شکار ہو گئی تھی۔ اور اب...... اگر شارق نے اس کے ساتھ کوئی گری ہوئی نازیبا حرکت کی تو کیا ہوگا؟ ویسے بھی آزمائے شخص کو بار بار کیا آزمانا کتنی بار تو شارق نے اس کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔

''شارق! آپ کو دھوکہ دیتے جھوٹ بولتے شرم آنی چاہیے تھی۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''دھوکہ میں تمہیں دوں یا تم مجھے دو۔ بات تو ایک ہی ہے نا؟'' وہ نخوت بھرے انداز سے بولے۔

''اچھا اور تم جو ساری عمر مردوں کو اپنے جال میں پھنسا کر دھوکہ دیتی رہیں آج اگر میں نے تمہیں چکر دے دیا ہے تو کیا ہوا؟''

''میں...... میں تو آپ کی ایکٹنگ سے دھوکہ کھا گئی تھی آپ جو اس قدر خوش اخلاق محبت و خلوص کا مجسمہ بنے ہوئے تھے اسی لیے بغیر سوچے سمجھے میں آپ کے ساتھ چلی آئی سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا آپ نے۔'' وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''اچھا......تو وہ میجر خرم کون سا فرشتہ ہے جس کے ساتھ تم گل چھرے اڑاتی پھرتی ہو۔اور ابھی کچھ دیر پہلے جس کا ہاتھ تھامے تم محبت بھری گفتگو کر رہی تھیں اور جس کے ساتھ آج بکس میں بیٹھ کر تم نے فلم دیکھی ہے۔'' وہ الزام تراشنے لگے تو زیب ان کی معلومات پر دنگ رہ گئی۔

''اچھا تو آپ میری جاسوسی کر رہے تھے سینما سے آپ ہمارے تعاقب میں ہوٹل تک آ پہنچے؟'' وہ سلگ اٹھی۔

''مسٹر شارق! میری مرضی کہ میں جس کے ساتھ چاہوں گھوموں ملوں؟ جس کا دل چاہے ہاتھ تھاموں۔ارے آپ کون ہوتے ہیں مجھے روکنے ٹوکنے والے؟'' وہ غصے سے چلا اٹھی۔

''دیکھیے آپ برائے مہربانی مجھے واپس چھوڑ آیئے کہ اسی میں آپ کی بہتری ہے؟'' وہ تلملا اٹھی۔

''نہیں زیب! تم اس وقت تک یہاں سے نہیں جا سکتیں جب تک میرے سوالوں کے ٹھیک ٹھیک جواب نہیں دو گی۔'' وہ حتمی لہجے میں بولے۔

''اور تمہاری یہ شکایت کہ میں میٹھی زبان استعمال کر رہا تھا میں تمہارے خرم کے سامنے ملنساری اور خلوص کا بہروپ نہ بھرتا تو تمہیں یہاں تک گھیر کر لانے میں کامیاب کیسے ہوتا؟'' وہ زہریلے انداز سے بولے۔

''اور مسٹر شارق! اب اگر میں آپ کے سوالوں کے جواب دینے سے انکار کر دوں تو؟'' وہ ضدی انداز میں بولی۔

''تو پھر مائی ڈیئر زیب رحمان! تم اپنے چاروں طرف اردگرد اچھی طرح سے گھوم گھام کر دیکھ لو۔ یہاں اس ویرانے میں کوئی خرم، راحیل یا جاوید تمہیں میرے چنگل سے نہیں بچا سکے گا اور آج میں نے تہیہ کیا ہے کہ تم یوں ہنستی مسکراتی تمسخر اڑاتی واپس نہیں جاؤ گی؟'' وہ سختی سے بولے۔ان کے انداز نے زیب کو کپکپانے پر مجبور کر دیا تھا۔دل تھرا ہی تو اٹھا۔

''آپ دوسروں کی مجبوریوں سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''دوسروں کی مجبوریوں سے مجھے غرض نہیں۔ بلکہ لڑکیوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتا ہوں۔'' وہ تلخی سے مسکرائے۔

''جلدی پوچھیے جو پوچھنا چاہتے ہیں پھر مجھے جلدی گھر چھوڑ آیئے گا۔لیکن شارق صاحب! میں صبح ہوتے ہی اپنا استعفیٰ بھجوا دوں گی۔لعنت بھیجتی ہوں ایسی ملازمت پر کہ چند روپوں کی وجہ سے مجھے اپنی عزت داؤ پر لگانی پڑے۔'' وہ نفرت سے بولی تو وہ ہنسے۔

''نہیں جان من! تم لعنتیں بھی بھیجتی رہو گی اور ملازمت کرنے پر بھی مجبور ہو جاؤ گی چھوڑ کر نہ جا سکو گی ہمیں۔'' وہ معنی خیز طریق سے مسکرائے۔

''اونہہ......اس بات کا تو صبح پتہ چل جائے گا۔ویسے میں نے اپنی زندگی میں آپ جیسا کم ظرف اور فراڈ انسان کہیں نہیں دیکھا تھا۔'' زیب کا جی چاہ رہا تھا شارق کے گھنے بال مٹھیوں میں جکڑ کر اس قدر زور سے جھنجھوڑے کہ جڑ سے اکھڑ جائیں۔

''خیر......تم یہ بتاؤ وہ میجر خرم سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟'' وہ لاپرواہی سے بولے۔

''آپ کو کوئی حق نہیں مجھ سے ذاتی سوالات پوچھنے کا اپنے کام سے مطلب رکھیے۔'' وہ بگڑ گئی۔

''دیکھو زیب! تم خود اپنی شامت کو آواز دے رہی ہو۔'' شارق اس کی طرف مڑے۔ انداز جارحانہ تھا۔ وہ گھبرا کر دروازے سے ٹک گئی۔

''میجر خرم! میری عزیز سہیلی عالیہ کے دیور ہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''تمہاری سہیلی کے دیور کا تم سے ایسا کیا گہرا رشتہ ہے کہ تمہیں فلم دکھانے کے علاوہ ہوٹلوں میں لیے لیے پھرے؟ وہ تم سے کس حساب میں اس قدر بے تکلف ہے کہ ہاتھ پکڑ پکڑ کر بیٹھتا ہے؟'' ان کے لہجے کی سختی اور دھونس جمانے پر زیب چڑ گئی پھر ذرا سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''اچھا تو یہ لڑکی کو اپنی جاگیر سمجھنے لگتے ہیں آج تو میں ان کا مزاج درست کر دوں گی۔'' اس کے خون نے جوش مارا۔

''دراصل میجر خرم مجھ سے پیار کرتے ہیں اور مجھے اپنانے کے خواہشمند ہیں شادی کرنا چاہتے ہیں مجھ سے۔ کیوں کوئی اعتراض ہے آپ کو؟'' وہ تلخی سے بولے۔

''ہاں ہے نا مجھے اعتراض...... لیکن پہلے یہ بتاؤ کیا تم بھی اسے پسند کرتی ہو؟'' انہوں نے گھورا۔

''ہاں...... خرم ہیں ہی اتنے اچھے بھلا کون انہیں نا پسند کر سکتا ہے یا نظر انداز کر سکتا ہے؟ پھر مجھے بھی ان سے والہانہ عقیدت ہے بہت چاہتی ہوں میں انہیں۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولی تو شارق کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ مٹھیاں کھلنے بند ہونے لگیں۔

''زیب! تو کیا تم اس میجر سے شادی کر لوگی؟'' انہوں نے سرگوشی کی۔

''ہاں...... ضرور کروں گی نہ کرنے کی وجہ؟'' وہ سر جھٹک کر بولی۔

وہ چند منٹ کے لیے تو گم صم رہ گئے۔ پھر زیب کو غصے سے دیکھتے ہوئے مصمم لہجے میں بولے۔ ''نہیں زیب رحمان! تم خرم سے کبھی شادی نہیں کر سکتیں۔'' وہ جبڑے بھینچ کر بولے۔

''کیوں...... تو کون روکے گا مجھے ضرور کروں گی میں۔'' وہ ضدی ہو گئی اور شارق کو گھورا۔

''یہ میرا حکم ہے تم خرم سے شادی نہیں کر سکتیں۔'' انہوں نے گویا اپنی رعایا کو حکم دیا تھا۔

''زیب بلکہ آج کے بعد اگر میں نے تمہیں اس کے ساتھ گھومتے گھامتے دیکھا تو شوٹ کر دوں گا دونوں کو۔'' وہ زیب کو کاندھوں سے پکڑ کر بولے۔ تو اس کے چہرے پر نفرتیں پھیل گئیں۔

''مسٹر شارق! سمجھ نہیں آتی چند روپلی کی ملازمت کے عوض تم میری تقدیر اور زندگی کے مالک کیوں بن بیٹھے ہو؟ میری ذاتی زندگی میں دخل دینے کا تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا ہے اور ہوتے کون ہو تم مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والے؟ ویسے بھی کل تو میں ملازمت بھی چھوڑ دوں گی پھر تمہارا حکم کیوں مانوں؟ ہاں کروں گی میں خرم سے شادی ضرور کروں گی۔ دنیا کا کوئی شخص مجھے نہیں روک سکتا۔'' وہ بالکل بے لحاظ ہو گئی۔

''نہیں...... تمہیں بدلنا ہوگا اپنا فیصلہ ورنہ میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا۔'' انہوں نے زیب کا کندھا جھنجھوڑ ڈالا۔

''کہو تم خرم سے نہیں بلکہ...... مجھ سے...... مجھ سے شادی کرو گی۔'' وہ بپھر کر بولے۔

''شارق آپ سے تو ہرگز نہیں کبھی نہیں۔'' وہ چلا اٹھی۔
شارق کی آنکھیں سرخ ہو گئیں جبڑے بھنچے رہ گئے ان کا مضبوط ہاتھ اٹھا اور پوری قوت سے زیب کے چہرے سے ٹکرایا۔ ''آہ......'' وہ کراہ اٹھی۔
ضرب اس قدر شدید تھی کہ زیب کا سر بری طرح سے کھڑکی سے ٹکرایا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی پھر ایک دم کار کا دروازہ کھول کر باہر بھاگی۔
شارق جو اس پر ہاتھ اٹھانے کے بعد اب گم صم بیٹھے تھے بے اختیار اس کے پیچھے لپکے۔
''رک جاؤ زیب! پلیز رک جاؤ'' وہ تیزی سے بھاگنے لگے اسے پکڑنے تھامنے کی کوشش کرنے لگے۔
چند ہی لمحوں بعد انہوں نے زیب کو جالیا اور بازو سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔
''چھوڑو......چھوڑ دے مجھے وحشی درندے۔'' وہ ہسٹریائی انداز میں چیخے چلی گئی۔
''زیب سنو تو'' وہ اس کے بھیگے ہوئے سرخ چہرے کو تھام کر ملتجانہ انداز سے بولے۔
''نہیں کچھ نہیں سنوں گی بس تم چھوڑو مجھے۔ بہت ہی کمینے بدفطرت انسان ہو تم'' وہ انہیں دھکیلنے لگی۔
شارق نے ایک جھٹکے سے اس کو بانہوں میں گھیر لیا اور زیب کے بالوں میں چہرہ چھپا لیا۔ وہ ان کی گرفت میں مچلتی کسمساتی رہی لیکن وہ اپنا منہ چھپائے بے سدھ کھڑے تھے۔
''مجھے معاف کر دو......معاف کر دو......پلیز......پلیز'' وہ ملتجانہ انداز میں تکرار کر رہے تھے۔
آہستہ آہستہ زیب کی کشمکش کم ہوتی چلی گئی چند لمحوں بعد وہ سسکیاں لیتی ہوئی ان کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر کھڑے تھے کہ سڑک پر سے گزری کار کے ہارن کو سن کر چونک گئے۔
زیب بوکھلا کر یوں پیچھے ہٹی جیسے اس نے بجلی کی ننگی تاروں کو چھو لیا ہو۔ شارق بدستور کھوئے کھوئے سے کھڑے تھے۔ زیب نے اپنے آپ کو کوس ڈالا۔
''یہ تو نے کیا کر دیا زیب! کیا مار پڑی تجھ پر کہ تو اس بدمعاش کے سینے سے لگی کھڑی رہ گئی تھی۔ اس شخص کی جو تیری عزت کا دشمن ہے تو نے اسے اپنی اتنی قربت بخشی۔ کیا جذباتی کمزوری دکھائی ہے تو نے؟'' اس نے گھبرا کر شارق کی طرف دیکھا اور بھاگنے کے لیے قدم اٹھائے۔
''پلیز رک جاؤ زیب! میری بات سن لو'' شارق نے اسے پکڑ لیا پھر کار کی طرف چل دیئے۔ وہ خاموشی سے کھنچتی چلی جا رہی تھی۔ شارق نے کار کا دروازہ کھول کر اسے بٹھایا پھر خود بیٹھنے کے بعد مڑے۔
''زیب پلیز! تم مجھ سے شادی کر لو نا'' وہ ملتجانہ انداز سے بولے۔ اس نے سہم کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا وہ بے حد خوفزدہ ہو گئی تھی۔
''ڈرو نہیں میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا؟'' اس نے نرمی سے کہا۔
''سر! نہیں......میں آپ سے شادی نہیں کروں گی۔'' اس کی آواز گھٹی ہوئی تھی۔
''کیوں نہیں کرو گی تمہیں شادی کرنی پڑے گی۔'' ان کے لہجے کی سختی لوٹ آئی۔
''نہیں......کبھی نہیں کروں گی۔'' شامت تو بہر حال سامنے تھی پھر وہ ڈٹ کر کیوں نہ جواب دیتی۔

''لیکن میں تو تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں زیب۔'' وہ بچوں کے سے ضدی انداز میں بولے۔
''نہیں...... لیکن میں تو نہیں کرنا چاہتی نا۔ ویسے بھی آپ کو لڑکیوں کی تو کوئی کمی نہیں کہیں بھی کر لیجیے۔'' وہ لاپرواہی سے بولی۔

''اور تم اپنے اس میجر خرم سے بیاہ رچاؤ گی کیوں؟'' لہجے میں پھر جہنم سلگنے لگا تھا۔
''میں بحث نہیں کرنا چاہتی آپ مجھے گھر چھوڑ آیئے پہلے ہی بہت دیر ہوگئی ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔
''اچھا تو تم میرے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتیں۔'' وہ غرائے۔
''ٹھیک ہے لیکن یاد رکھو زیب! جس دن تم نے خرم سے شادی کی وہ دن تمہاری اور میجر کی زندگی کا آخری دن ہو گا۔ میں اپنے سامنے اٹھنے والے ہر سر کو کچلنا جانتا ہوں۔ میں نے اپنی انا کو اپنی غیرت کو بھلا کر تمہارے سامنے محبت کی بھیک مانگی ہے۔ اپنی حیثیت کو اپنے مرتبہ کو ذہن سے نکال کر تمہارا ہاتھ مانگا ہے۔ ساتھ مانگا ہے۔ اور تم نے میری توہین کی میرا ہاتھ حقارت سے جھٹک دیا۔ مجھ پر ایک کمتر انسان کو ہمیشہ فوقیت دی۔ تو تمہارا کیا خیال ہے میں یہ سب کچھ بھول جاؤں گا۔ اپنی بےعزتی کو پی جاؤں گا؟ نیور (Never) کبھی بھی نہیں۔ تمہیں میں سبق ضرور سکھاؤں گا۔'' وہ حقارت سے بولے۔

پھر انہوں نے انتہائی تیزی سے کار چلا دی۔ اور بتدریج رفتار بڑھتی ہی چلی گئی۔ اندھیرا راستہ ناہموار سڑکیں سامنے سے آتے ہوئے بہت سے ٹرک جو اوپر تک مال و اسباب سے لدے ہوئے تھے ذرا سی لغزش بھی کسی بہت بڑے ایکسیڈنٹ کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔

کسی موڑ پر سامنے سے کوئی بس یا ٹرک بڑھ سکتے تھے اور یہ ٹکرا نہیں راہ عدم کا راستہ دکھا سکتی تھی۔ زیب پریشانی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

جانتی تھی اگر ذرا بھی رفتار کم کرنے کے لیے شارق سے کہا تو جواباً کار کسی کھڈ میں پڑی ہوگی۔ وہ صبر کر کے دم سادھ کر بیٹھ گئی۔ پھر گھر قریب دیکھ کر ہی اس کی جان میں جان آئی۔ شارق نے کار آہستہ کر لی تھی۔
''مس رحمان! اگر تو تم یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہی ہو کہ کل اپنا استعفیٰ بھجوا دو گی تو تمہاری بھول ہے۔ تم میری پابند ہو اور قانونی طور پر بھی تین سال تک ملازمت نہیں چھوڑ سکتیں اس لیے صبح شرافت سے ڈیوٹی پر تشریف لے آنا۔'' وہ ہونٹ سکیڑ کر بولے۔

''کیا مطلب؟'' وہ بری طرح چونک گئی۔
''صبح آفس آ کر اپنی آنکھوں سے ایگریمنٹ دیکھ لینا۔ بے شک اپنی حفاظت کے لیے تم جاوید یا اپنے نئے محبوب میجر خرم کو بھی لیتی آنا۔'' وہ بھنویں چڑھا کر بولے اور گیٹ پر کار روک لی۔ سامنے سڑک پر ہی کچھ پریشان سا جاوید سینے پر ہاتھ باندھے ٹہل رہا تھا گویا کسی کا منتظر ہو۔
''شاباش ہے بی زیب تم پر۔ اب تشریف لا رہی ہیں آپ محترمہ۔'' وہ گویا اسے دیکھ کر مطمئن ہو گیا پھر بولا۔
''ہم تو اب آپ کو تلاش کرنے جا رہے تھے۔'' جاوید نے آ کر کہا پھر جھک کر شارق کے پہلو میں بیٹھی زیب کو دیکھا۔

”بھئی تم بھی عجیب چیز ہو یہاں سے تو گئی تھیں میجر خرم کے ساتھ اور واپس لوٹی ہو تو شارق رضا کے ڈپلی کیٹ یعنی ہمشکل کے ساتھ۔ یہ کہاں سے مل گئے تمہیں ویسے سچ کہنا کیا انہیں دیکھ کر ڈر نہیں لگا تھا تمہیں۔“ جاوید جانے کس جھونک میں تھا۔ یاوہ گوئی کیے ہی گیا اور خمیازہ بھگتنا ہی پڑا اسے۔

”کیا بکواس کر رہے ہو تم؟“ شارق تو پہلے ہی بھرے تھے دھاڑ اٹھے۔

”ارے باپ رے باپ.....“ جاوید جو نہایت سہولت سے کار کی کھڑکی کے ساتھ دونوں بازو ٹکائے کھڑا تھا۔ گھبرا گیا اس کے بازو پھسل گئے۔

”آ......آپ سر! یہ...... یہ زیب آپ کے ساتھ کیسے؟“ وہ بوکھلا کر بولا۔

”تم غیر ضروری باتیں مت کیا کرو ایسا نہ ہو کسی دن مجھ سے جوتے کھا بیٹھو۔“ وہ اس کا بازو دھکیل کر بولے۔

”اور کل صبح اپنی لاڈلی کو آفس لیتے آنا بہت ضروری کام ہے۔“ وہ کار چلاتے ہوئے بولے پھر اچٹتی ہوئی نظر زیب پر ڈال کر زن سے کار نکالے چلے گئے۔ جاوید ابھی تک سینے پر ہاتھ رکھے بوکھلایا کھڑا تھا۔

”اف زیب! تم نے تو آج مجھے مروا ہی دیا تھا۔“ اس نے سر جھٹکا۔

”زیب! تم مجھے بتا تو دیتیں کہ ملک الموت تمہارے ساتھ ہیں۔“ جاوید دل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

”جاوید بھیا! آپ نے انہیں دیکھ تو لیا تھا پھر خوامخواہ کامیڈی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ وہ مسکرانے کی کوشش کرنے لگی۔

”یہ تم کیسے ان کے ہتھے چڑھ گئیں۔“ انہیں تجسس ہو رہا تھا۔

”عالیہ وغیرہ کے ساتھ پکچر دیکھنے کے بعد خرم صاحب کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھا رہی تھی کہ یہ اچانک آ وارد ہوئے۔ کہنے لگے جلدی چلیے مجھے نئی مل خریدنی ہے اور ضروری کاغذات اور بیلنس بک وغیرہ آپ کے پاس ہے۔ چلیے جاوید انتظار کر رہا ہے۔ مجھے تو انہوں نے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ دیا۔ میں بھی بوکھلا کر ساتھ چل پڑی۔ انہوں نے مجھے کار میں دھکیلا پھر مجھے لے کر باغ میں......“ وہ باقی سب باتیں یاد کر کے جھینپ کر چپ ہو رہی۔

”لو بھلا یہ سب باتیں بھی جاوید کو بتانے لائق ہیں۔“ اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ جو جاوید چونکے سے ہو گئے۔

”کیوں کوئی خطرناک بات تو نہیں ہوئی۔ انہوں نے ستایا تو نہیں تمہیں؟“ وہ شکی انداز سے دیکھنے لگے۔

”ارے نہیں نہیں......بس عادت کے مطابق جھگڑتے ہی رہے۔“ وہ جلدی سے کہہ کر اندر چل دی۔

وہ جاوید کا سامنا کرتے ہوئے گھبرا رہی تھی چہرے کے رنگ چغلی کھانے لگے تھے اور جاوید مشکوک ہو گئے۔

”سنو زیب! احمر بھیا سے ملتی جانا وہ پریشان ہو رہے تھے۔ ہاں آئندہ تمہارا شارق صاحب کے ساتھ کہیں آنے جانے کا پروگرام ہو تو مجھے ضرور آگاہ کر دینا تاکہ میں تمہارا تعاقب کروں۔ اور آئندہ میں اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھوں گا۔ ایمان سے خوامخواہ جھاڑ پلوا دی تم نے آج تو۔ ابھی تک دل ناتواں قابو میں نہیں آ رہا۔“ وہ زیب کا سر تھپتھپا کر چلے گئے۔

•

زیب نے احمر بھیا کے سامنے حاضری دی لیکن انہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ خرم کے ساتھ نہیں بلکہ شارق کے ساتھ رات

گئے لوٹی ہے۔

''بس بھیا! کھانا کھانے کے لیے ہوٹل چلے گئے تھے وہیں دیر ہوگئی۔'' وہ انہیں مطمئن کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔

بستر پر لیٹتے ہی زیب کی نگاہوں میں شارق کا چہرہ ابھر آیا۔ وہ گھبرا کر خیالات کے دھارے بدلنے کی کوشش کرتی رہی لیکن وہ روپ بدلتی صورت جیسے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی تھی۔

''پلیز زیب تمہیں مجھ سے شادی کرنی ہوگی۔ تم میری ہو مجھ سے شادی کرلو نا'' وہ کتنی منتیں کر رہے تھے۔

ہے اختیار میں تیرے یہ معجزہ کر دے
جو شخص میرا نہیں ہے اسے میرا کر دے

وہ ٹھوس لہجہ گھمبیر آواز جیسے وجود کے حصے حصے سے بلند ہو رہی تھی دھڑکنوں میں رچ گئی تھی۔ اس نے جھنجھلا کر کروٹ بدلی۔ اور اس کے دائیں رخسار جس پر تیز جلن و چبھن ہو رہی تھی اس پر ہاتھ رکھ لیا۔ یہیں تو اس ظالم وحشی نے طمانچہ جڑا تھا اسے۔

اچانک ایک خیال سے اس کے ہاتھ رک سے گئے۔

''ارے...... کہیں ایسا تو نہیں کہ ضد ہی ضد اور غصے میں ہی انجانے طور پر وہ مجھ سے...... مجھ سے محبت کرنے لگے ہوں۔ ورنہ...... اور...... اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کیوں شادی کرنا چاہتے ہیں وہ مجھ سے؟'' زیب کے کانوں میں عالیہ کی باتیں بھی گونجنے لگیں۔ کتنے وثوق سے اس نے بھی پیش گوئی کی تھی۔

''یقین کرو زیبو! یہ شارق رضا ضرور تم سے محبت کرنے لگا ہے۔ لیکن میں حیران ہوں کہ وہ اب تک پتھر کیوں بنا ہوا ہے۔ ارے بھائی اسے تو کبھی کا تمہاری محبت میں گرفتار ہو کر اظہار عشق کر دینا چاہیے تھا۔'' بارہا عالیہ نے کہا تھا۔

''اور...... اور آج وہ شارق کتنی دیر مجھے سینے سے لگائے کھڑے رہے تھے۔ اللہ دم اکھڑ چلا تھا میرا تو۔ وہ میرے بالوں میں چہرہ چھپائے گہرے گہرے سانس لیتے رہے تو بہ چھوڑ ہی نہیں رہے تھے۔ لیکن...... لیکن مجھے تو اپنے آپ پر حیرت ہے آخر میں کیوں گم صم خاموش کھڑی رہی۔'' زیب نے گھبرا کر کروٹ بدلی۔

''کیا واقعی وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔'' اس نے سوچا۔

''اونہہ...... یہ اچھی محبت ہے۔ یہ تو میرا قیمہ کر دیں گے۔ بات بات پر دھمکیاں ملتی ہیں۔ شوٹ کر دوں گا۔ جان سے مار ڈالوں گا۔'' وہ سلگتا رخسار سہلا کر بولی۔

پھر اسے اس تمام معنی خیز اور مضحکہ خیز سچویشن کو یاد کر کے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''ارے کیا بات ہے زیب یہ اکیلے لیٹی ہوئی کیوں ہنس رہی ہو؟'' سعدیہ بھابھی جو گڑیا کو دیکھنے ان کے کمرے میں آئی تھیں چونک گئیں زیب سٹپٹا کر رہ گئی۔

''کک...... کچھ نہیں...... بھابھی! وہ جاوید بھائی کی بات یاد آ گئی تھی۔'' اس نے بات بنائی۔

''ہاں...... بہت ہی مخلص اور زندہ دل لڑکا ہے جاوید! اس کی وجہ سے تو تمہارے احمر بھیا کا دل لگا رہتا ہے۔ سیما کو بھی ٹیوشن پڑھاتے ہیں لیکن دونوں ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔'' وہ مسکرائیں۔

''تمہارے بھیا کو تو جاوید بہت پسند ہیں۔ لیکن ہم لوگ پہلے تمہارے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔'' بھابھی اس کی پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے پیار سے بولیں۔

''اونہوں...... اللہ نہیں بھابھی! میرا قصہ تو فی الحال رہنے ہی دیجیے آپ۔ پہلے سیما کی شادی کر دیجیے۔''

''اچھا...... خرم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' وہ بغور دیکھ کر بولیں۔

لیکن یکا یک ہی زیب کے ذہن و دل میں تو شارق رضا کی ضدی سی آواز کی بازگشت اٹھنے لگی۔

''یاد رکھو زیب رحمان! اگر تم نے میجر خرم سے شادی کی تو وہ دن تمہاری اور اس کی زندگی کا آخری دن ثابت ہوگا۔ مار ڈالوں گا تم کو میں۔ تم اقرار کرو کہو کہ تم میجر سے شادی نہیں کرو گی کہو۔'' کسی نے سختی سے کہا تھا۔

''نہیں میں خرم سے شادی نہیں کروں گی۔'' بے اختیار زیب نے سرگوشی کی پھر وہ خود ہی چونک گئی۔

''نہیں بھابھی جان! فی الحال میرے بارے میں سوچنا چھوڑ دیجیے میں ابھی شادی کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتی۔''

''اچھا...... جیسے تمہاری مرضی۔'' سعدیہ بھابھی مایوسی سے کہتی ہوئی کھڑی ہو گئیں۔

''سنیے بھابھی! آفس میں ان دنوں کام بہت بڑھ گیا ہے اگر میں ذرا دیر سے آؤں تو پریشان مت ہوئیے گا۔'' وہ کروٹ بدلتے ہوئے بولی۔ نہ جانے کیوں رخسار تپنے لگے تھے۔

''کیوں...... کیوں...... ابھی بھابھی کے سامنے کیوں میں نے خرم سے شادی سے انکار کیا۔ میں...... میں تو وہی کچھ کر رہی ہوں جس کا حکم مجھے اس وحشی شارق نے دیا ہے۔'' زیب نے غصے کے عالم میں اپنے منہ پر خود طمانچہ جڑ دیا۔ ہاتھ بے خیالی میں خاصا زوردار طریقے سے لگا تھا۔ نہ صرف وہ ہوش میں آ گئی بلکہ اس نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ کہیں بھابھی نے تو نہیں دیکھ لیا۔ شکر ہے وہ جا چکی تھیں ورنہ اس کی دماغی حالت پر شبہ کرنے لگیں۔ اے لو پہلے اکیلی لیٹی ہنس رہی تھی اور اب خود اپنا منہ تھپڑا رہی ہے۔

○●○

رات کو دیر سے سونے کی وجہ سے صبح آنکھ بھی دیر سے کھلی ویسے بھی گرم گرم بستر چھوڑنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ کسلمندی سے کروٹیں بدلتی رہی۔ تبھی سیما نے آ کر بتایا کہ جاوید آفس جانے کے لیے انتظار کر رہا ہے۔ میں نے تو آج استعفیٰ دے دینا ہے زیب نے سوچا۔ لیکن وہ شارق تو کہہ رہا تھا کہ میں ایگریمنٹ کے مطابق ملازمت نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ تبھی وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''لیکن کون سا ایگریمنٹ میں نے تو کوئی معاہدہ کیا ہی نہیں؟ ظاہر ہے ان سب باتوں کا تو آفس جا کر پتہ چل سکتا تھا'' وہ جلدی سے تیار ہو کر دفتر پہنچی اور سیدھی شارق کے آفس میں چلی گئی۔ وہ اپنی بڑی میز کے پیچھے اپنی آرام دہ گھومنے والی کرسی پر مطمئن طریقے سے بیٹھا سگار پی رہا تھا۔

''سر یہ ہے میرا استعفیٰ۔'' زیب نے کاغذ ان کے میز پر پھینکا۔

''نامنظور......'' انہوں نے ہاتھ بڑھا کر کاغذ اٹھایا اور بغیر پڑھے ہی ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں اچھال

دیا۔ پھر وہ اسے سرتاپا گہری نظروں سے دیکھ کر بولے۔

''اب تم یہ پڑھو سویٹ ہارٹ۔'' وہ تمسخرانہ انداز سے دراز میں سے ایک فائل نکال کر بڑھا کر بولے۔

زیب نے کاغذ تھام لیے جوں جوں وہ پڑھتی تھی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں اس نے پریشان ہو کر بہت ٹائپ کیے ہوئے کاغذات دیکھ ڈالے۔ پھر اس کی آنکھوں میں قہر بھر گیا۔ اس نے نفرت اور خفگی کے ملے جلے انداز سے شارق کو گھورا۔

''یہ سب جھوٹے کاغذات ہیں۔ کب میں نے لاکھوں روپے قرض لیا؟ کب میں نے دو سال کی تنخواہ بھائی اور بھتیجی کی بیماری کی وجہ سے ایڈوانس لی تھی؟ آپ بڑے دھوکے باز اور گھٹیا انسان ہیں آپ نے میرے جعلی دستخط کیے ہیں۔'' وہ غصے کی شدت سے بمشکل بول رہی تھی۔

''خیر...... دستخط تو جعلی نہیں تمہارے ہی ہیں بے شک تم کسی بھی تحریر کے ماہر کو بلوا کر دکھا دو۔ وہ رائٹنگ ایکسپرٹ بھی یہی کہے گا کہ زیب صاحبہ کی تحریر ہے۔'' وہ زور سے ہنسے تو زیب نے طیش کے عالم میں دونوں ہاتھ کی مٹھیاں بھینچ کر میز پر دے ماریں۔

''ارے...... رے...... چہ چہ...... نازک کومل ہاتھ دکھ جائیں گے۔ ویسے مس زیب! میں نے کہا تھا نا کہ ملازمت چھوڑنے کی دھمکی مت دینا۔ کیونکہ تم لعنتیں بھیجنے کے باوجود یہاں ملازمت کرنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔'' ان کا وہ طنزیہ قہقہہ گویا دل کی گہرائیوں سے ابھرا تھا۔

خود کو یوں شکنجے میں کسا دیکھ کر زیب بے بسی سے رو دی۔ ''آپ نے میرے ساتھ فراڈ کیا ہے میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے جا رہی ہوں۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''ہاں میں کب انکار کر رہا ہوں کہ میں نے تم سے فراڈ نہیں کیا۔ ہاں زیب میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر تم نے ملازمت چھوڑنے یا آفس سے غیر حاضر ہونے کی غلطی کی تو میں تمہارے خلاف مقدمہ کرنے سے بھی باز نہیں آؤں گا۔ بلکہ چوری کے الزام میں بھی پھنسوا دوں گا۔ تم میری پرسنل سیکرٹری ہو۔ تمہارے پاس میری سیف اور درازوں کی چابیاں رہتی ہیں۔ تم نے سیف سے رقم چوری کی۔ میرا خیال ہے بیس لاکھ ٹھیک رہے گا۔'' وہ خود سے بولے۔

''ہاں اور میری ہیروں والی گھڑی اور کف لنک مالیت ایک کروڑ وہ بھی غائب کر گئی تھیں۔ ذرا سوچو پھر تم اپنے بیمار اور معذور بھائی اور خاندان سمیت کہاں پناہ لو گی۔ کوئی تمہیں منہ نہیں لگائے گا۔ اگر تم نے جاوید کے پاس رہنے کی حماقت کی تو میں اس احمق کو بھی نکال باہر کروں گا۔ اب باقی رہ گئے خرم اور راحیل...... تو مجھے یقین ہے کہ تمہاری غیرت یہ ہرگز گوارہ نہیں کرے گی کہ اپنا بوجھ ان پر ڈالو۔ ان کی روٹیاں توڑو۔'' وہ مکاری سے اسے دیکھ کر بولے۔

زردی زیب کے پاؤں رک گئے اسے شارق سے اب ہر قسم کی کمینگی کی امید تھی۔ وہ اس سے انتقام لینے کی خاطر اسے عدالت تک گھسیٹ لے جائے گا۔ وہ دھپ سے کرسی پر بیٹھ گئی اور ٹیبل سے سر ٹکائے رونے لگی۔ اپنی مجبوری پر اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

سسکیاں بلند ہو رہی تھیں اور اب اسے یوں بلکتے دیکھ کر نہ جانے شارق کیوں بے چین ہونے لگے تھے۔

○●○

کل رات زیب کو چھوڑنے کے بعد وہ سیدھا اپنے گھر چلے گئے تھے پھر رات بھر وہ سگریٹیں پھونکتے رہے تھے زیب پر ہاتھ اٹھانے کی پشیمانی تھی شدید پچھتاوا تھا۔ اپنے جذبوں پر حیرت تھی۔

''آخر زیب میں ایسی کون سی بات دوسری عورتوں سے مختلف تھی۔ وہ اس کا قرب پا کر ہوش میں نہیں رہتے تھے وہ تو اپنی اس وابستگی کو اپنے لگاؤ کو زیب سے بھی چھپائے تھے بلکہ خود سے بھی یہ راز چھپائے تھے۔ شاید بات انا اور خود داری کی تھی۔

پھر خرم سے زیب کی آشنائی اور قربت کے بارے میں جان کر وہ کیوں غصے سے بے قابو ہو گئے تھے اور اسی جلن و رقابت کے احساس سے بے قابو ہو کر زیب کے سامنے اپنی چاہت کا نہ صرف اظہار کیا بلکہ اسے شادی کا پیغام بھی دے ڈالا۔

شادی جس کے نام ہی سے انہیں شدید نفرت تھی جس رشتے کو وہ انتہائی نا قابل اعتبار اور گھناؤنا مکرو فریب سے پُر سمجھتے تھے۔ جس بندھن کے تصور سے ہی وہ ہول کر رہ جاتے تھے۔

پھر زیب کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر انہیں کس قدر راحت محسوس ہوئی تھی وہ بے خود ہو گئے تھے۔ مردہ جذبے جی اٹھے تھے۔ اپنی اس وارفتگی پر وہ نہ صرف حیران تھے بلکہ کچھ خوفزدہ بھی تھے۔ تبھی تو زیب کے الفاظ ان کے دل و دماغ میں آگ لگا رہے تھے۔

''ہاں...... ہاں...... کرتی ہوں میں خرم سے محبت اور شادی بھی انہیں سے کروں گی۔'' اس نے برملا اعلان کیا تھا۔

''نہیں زیب! ایسا ستم مت ڈھانا۔'' انہوں نے گویا منت کی پھر تھک کر ہاتھوں پر سر گرا لیا۔ وہ زیب سے کیسا سلوک کریں نرمی اختیار کریں یا مزید سختی کریں۔

کیونکہ اب محبت کا اظہار کرنا تو بیکار ہی تھا نا۔ زیب نے خود ہی خرم کی محبت کا اقرار کر لیا تھا اور شارق کی انا کو ٹھیس لگی تھی۔

ان حالات میں وہ زیب کو اپنی چاہت کے متعلق بتا کر جھکنا اور شرمندہ نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ان کے دل میں دبی نفرت ابھر آئی۔ پھر وہی سرکش اور باغی سے شارق نے انگڑائی لی۔

یہ زیب تو ہر قدم پر انہیں شکست دیتی چلی جا رہی تھی۔ پھر شارق نے سامنے بیٹھی زیب کو دیکھا جو ابھی بھی روئے جا رہی تھی اور شارق کے دل کو پھر کچھ ہونے لگا۔

دل چاہنے لگا کہ وہ اس سہمی ہوئی مجبوریوں میں ڈوبی لڑکی کو بانہوں کے حصار میں لے کر کہیں۔ ''مت رو پیاری لڑکی! میں تجھے اس طرح روتے نہیں دیکھ سکتا۔ نوچ کر پھینک دے یہ دکھ اور غم کے سائے اپنے چہرے سے کہ میں تو...... تیری آنکھوں کو لبوں کو ہنسنا سکھانا چاہتا ہوں۔ جہاں بھر کی خوشیاں سکھ تیری جھولی میں ڈالنا چاہتا ہوں۔''

شارق دل کے جذبوں سے مغلوب ہو کر اٹھے عین ممکن تھا کہ وہ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہناتے۔ خوابوں کو حقیقت کا رنگ بخش دیتے۔ واقعی مس زیب کو اپنے اندر سمو لیتے۔ کہ فون کی تیز گھنٹی نے ان کے قدم روک لیے وہ مڑے پھر میز سے ٹک کر فون اٹھا لیا۔

''ہیلو...... جی کون صاحب؟''

"اوہو......تو آپ ہیں ذرا ہولڈ کیجیے۔" وہ تیوری چڑھا کر رکھائی سے بولے۔
چند منٹ پہلے تک وہ زیب کو بے طرح روتے دیکھ کر اپنی زیادتی پر سخت پچھتا رہے تھے۔ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ زیب کو نہ صرف منالیں گے بلکہ آئندہ سے اسے ستانا بھی چھوڑ دیں گے۔ تبھی وہ والہانہ انداز سے اٹھ کر زیب کی سمت بڑھے تھے کہ اب وہ فون سنتے ہی ان کی بھنویں تن گئی تھیں۔
"اے محترمہ! رونا دھونا بند کریں۔ آپ کے محبوب بلکہ عاشق صاحب کا فون ہے سن لیجیے۔" انہوں نے پینل بڑھائی اور زیب کی میز پر ٹکی پیشانی کو اونچا کرنے کی کوشش کی۔
دل کچھ اس طرح بے بدظن ہو رہا تھا جی ہی نہیں چاہ رہا تھا زیب کو چھونے کے لیے۔ زیب نے ہاتھ اٹھا کر ان کا پینل والا ہاتھ اپنی پیشانی سے ہٹایا اور انہیں بے انتہا نفرت سے دیکھا پھر رومال سے منہ صاف کر کے فون اٹھا لیا۔ آج خرم نے احمر بھیا کی رپورٹ دینی تھی۔ یقیناً وہی ہوں گے۔
"ہیلو......" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
"خرم آپ...... وعلیکم السلام......نہیں نہیں رو تو نہیں رہی تھی بس زکام ہو رہا ہے۔" وہ بات بنا کر بولی حالانکہ شدت گریہ کی وجہ سے آواز خاصی بھرائی ہوئی بوجھل سی تھی۔
"خیریت تو ہے نا کیسے فون کیا ہے؟" زیب نے پوچھا۔
"نہیں...... دوپہر کو میں تو کھانے پر نہیں آسکوں گی۔ ہاں آپ جا کر احمر بھیا اور بھابھی وغیرہ کو لے لیں۔ نہیں مجھے چھٹی نہیں مل سکتی کام زیادہ ہے دیر سے فارغ ہوں گی میں تو۔" وہ باتیں کرتے ہوئے بھی رومال سے آنکھیں خشک کر رہی تھی۔ لیکن آنسو تھے کہ امنڈے چلے آ رہے تھے۔
"نہیں خرم! کوئی وجہ ہے نا۔ ہاں میں بعد میں تفصیل بتاؤں گی خدا حافظ۔" وہ جلدی سے شارق کی طرف دیکھ کر بولی اور فون بند کر دیا۔
شارق اچھے بھلے مہذب انسان آج ڈھٹائی کا لبادہ اوڑھے زیب اور خرم کی پرائیویٹ گفتگو باقاعدہ کان لگا کر سن رہے تھے غصے سے خوامخواہ کھولتے جا رہے تھے۔
"کیوں...... کیا ملنے کے لیے مرے جا رہے ہیں عاشق نامدار؟ دیدار کرنا چاہتے ہوں گے تمہارا؟" وہ دل جلی عورت کی طرح سے بولے۔
لیکن زیب نے بھی گھورنے پر اکتفا کیا اور منہ سے ایک لفظ نہ نکالا۔ شارق نے انٹرکوم پر جاوید کو بلایا اور انہیں ہدایتیں دینے لگے حالانکہ قطعی ضرورت تو نہ تھی۔
"دیکھو جاوید! کل سے میں آفس شام چھ بجے تک آیا کروں گا۔ صبح مجھے دوسری مل کے کام وام کروانا ہے۔ ہاں کل شام کے میرے تمام ضروری اپائمنٹ سبھی مس زیب رحمان صاحبہ رکھیں گی۔" وہ طنز سے بولے تو جاوید نے پریشان ہو کر زیب کے لال بھبھوکا چہرے سوجی آنکھوں کو دیکھا۔
"جاوید صاحب! آپ بھی انہیں بتا دیجیے وارن کیجیے کہ آئندہ ان کو محنت سے مسلسل کام کرنا ہوگا اور تم سب لوگ بھی اب انسانوں کی طرح ڈھنگ سے کام کرو۔ اگر میں نے کوئی کمی بیشی کوئی گڑبڑ دیکھی تو معاف نہیں کروں گا۔" وہ

جاوید پر غصہ اتارنے لگے۔
''سر! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مس زیب صبح چھٹی کریں گی اور شام ہی کو آیا کریں گی نا؟'' جاوید نے پوچھنا بہتر سمجھا۔
''یہ چار بجے شام تک یہاں آجایا کریں گی۔ اور جاوید اب تم جاؤ'' وہ رکھائی سے بولے۔
''مس زیب! مجھے ایک ڈرنک بنا کر دو۔'' انہوں نے حکم دیا تو زیب سلگ اٹھی۔
''میں ڈرنک کیوں بناؤں؟ آپ شاید بھول رہے ہیں کہ یہ کام آپ کی پرسنل سیکرٹری کے ذمے ہے میرے نہیں۔'' وہ تنک کر بول دی۔
''تو تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ آج سے تم میری پرسنل سیکرٹری مقرر کر دی گئی ہو اور تمہاری تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا گیا ہے سمیت تمام سہولیات کے۔ اب تمہیں ہی میرے سب کام کرنے پڑیں گے۔'' وہ نخوت سے بولے۔
''سس...... سب کام......'' وہ بہت کچھ سوچ کر گھبرا گئی۔
''ہاں...... اب جلدی ڈرنک بنالاؤ۔'' وہ لاپرواہی سے بولے۔
''نہیں...... اب میں یہ ناپاک کام نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے وہ کم تنخواہ ہی ٹھیک ہے۔ نہیں لگاؤں گی میں اس حرام شے کو ہاتھ نہ کوئی گندہ کام کروں گی۔'' وہ صاف انکار کر کے بولی۔
شارق نے اس کی متورم آنکھوں میں دیکھا جن میں اب بھی آنسو لرزاں تھے۔ ''نکلو...... اٹھ جاؤ فوراً...... آئی سے گٹ آؤٹ۔'' وہ دھاڑے۔
زیب دہل کر سرخ چہرہ لیے کھڑی ہو گئی پھر اس کے چہرے پر نفرت پھیل گئی۔ وہ تیزی سے بڑھی جلدی سے بٹن دبایا تو بلٹ ان بار (Built in bar) باہر نکل آیا۔ زیب نے شراب کی بوتل اور پیگ نکالا اور شارق کی میز پر لا پٹخا۔ پھر کارک ہٹا کر گلاس بھر کر سامنے رکھ دیا۔ اور بے قابو ہو کر چیخی۔
''لو پیو سوراخ کروا لو اپنی پسلیوں میں پھیپھڑوں میں چھلنی چھلنی کر لو اپنا کلیجہ اور مر جاؤ کہیں جا کر۔ تم شارق رضا! اسی حرام شے نے تم سے اچھائی برائی کی سب پہچان چھین لی ہے۔
خدا تمہیں غارت کرے۔ تم تو...... تم تو...... تم تو نہ جانے کس جنم کا بدلہ مجھ سے لے رہے ہو۔'' وہ ہانپ گئی۔
یہ سب کچھ کافی تھا شارق کے دماغ کا میٹر گھمانے کے لیے وہ زیب کی پٹائی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن رات کا تجربہ دہرانا نہیں چاہتے تھے بس خون کا گھونٹ بھرنے کی کوشش کی۔
''زبان بند کرو گستاخ لڑکی! ورنہ دھکے دے کر باہر نکال دوں گا۔'' وہ گرجے۔
''تو نکال دو نا۔ میں تو خود دل سے یہی چاہتی ہوں مجھے پرواہ نہیں اگر میں فاقوں سے مر بھی گئی تو۔ یہاں غلاظت میں ملازمت کرنے سے تو بہتر ہے کہ مجھے موت آجائے۔'' وہ خود کو اور انہیں کوسنے لگی۔
''بہت دکھایا ہے آپ نے میرا دل۔ بہت ستایا ہے بے وجہ آپ نے اللہ آپ سے میرا انتقام لے گا ضرور کہ میں بے بس مجبور ہوں۔ بس خدا ہی تمہیں غارت و برباد کرے گا۔'' اس نے جی بھر کر بددعا دی۔
''اگر...... اگر تم اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہو تو میں بھی اب تم سے دب کر نہیں رہوں گی۔ اب تم میرا منہ تشدد

سے بھی بند نہیں کروا سکو گے۔‘‘ اس نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ شارق اسے بغور دیکھ رہے تھے نہ جانے کیوں نارمل سے ہو گئے ورنہ تو زیب سوچ رہی تھی کہ جس طرح وہ ان سے تو تڑاں کر رہی ہے۔ وہ بے قابو ہو کر گردن ہی ناپ ڈالیں گے۔

’’ارے تو مار ڈالیں۔‘‘ زیب تو تنگ آ چکی تھی اس فضول لڑائی ہے۔

’’دیکھو مس زیب! تمہاری میری کوئی بے تکلفی نہیں ہے آئندہ مجھے تم نہیں بلکہ آپ کہہ کر مخاطب کرنا اور تمہاری یہ بد دعائیں مجھے نہیں لگنے کی۔‘‘ وہ مطمئن انداز سے بولے۔

’’اچھا...... اب تم جاؤ اور یہ خط ٹائپ کر کے لے آؤ۔‘‘ انہوں نے فائل اس کے سامنے پھینک دی۔ بڑے ہی مطمئن انداز سے۔

زیب کا دل چاہ رہا تھا کہ دونوں ہاتھوں کو مٹھیوں میں اپنے بالوں کو جکڑ کر اس طرح کھینچے کہ وہ جڑ ہی سے اکھڑ جائیں۔ مطلب یہ کہ وہ غصے اور بے بسی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

اور وہ ستمگر اپنے ترکش کے تمام تیر چلا کر اس کے سینے پر پھٹ ڈال کر خود مزے سے اپنا گلاس اٹھائے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے چسکیاں لینے لگے۔ وہ ہونٹ دانتوں تلے کچلتی باہر نکل گئی۔ پھر ٹائپ رائٹر پر اپنا غصہ نکالتی خطوط ٹائپ کرتی رہی اس کی کی (keys) کھڑکھڑاتی رہی۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد جب زیب ٹائپ کیے ہوئے خطوط لے کر شارق کے آفس میں آئی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ بڑی ساری بوتل تقریباً ختم ہو چکی تھی اور کثرت مے نوشی سے شارق کا چہرہ تمتمار ہا تھا۔ آنکھوں میں گلابیاں نمایاں تھیں اور پیشانی پر درمیان میں رگیں ابھر کر وی (V) سا بنا رہی تھیں۔ جو شاید بہت سوچ بچار کا نتیجہ تھا۔ قمیص کے بٹن کھل چکے تھے۔ ٹائی ڈھیلی ہو کر گلے میں جھول رہی تھی۔ زیب نے جلدی سے کاغذات سامنے رکھ دیئے تو ان کی نظر زیب کے زخمی ہاتھ پر جم گئی۔

’’یہ تمہارے ہاتھ پر کیا ہوا ہے؟‘‘ شارق اسے گہری کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے زیب کے بائیں ہاتھ پر بندھی پٹی دیکھ کر پوچھنے لگے۔ حالانکہ وہ سبھی کچھ دیکھ چکے تھے چند روز پہلے سینما میں۔

’’کیل لگ گیا تھا۔‘‘ وہ لاپرواہی سے بولی۔

حالانکہ زیب ہمیشہ شارق سے حد ادب کے اندر رہ کر محتاط انداز سے گفتگو کرتی تھی۔ لیکن آج جعلی ایگریمنٹ اور وہ جھوٹے بیانات پڑھنے کے بعد وہ ان سے شدتوں سے متنفر ہو گئی تھی اور تمام ادب تمیز بالا طاق رکھ کر انتہائی تلخی سے اور لاتعلقی سے انہیں جواب دے رہی تھی۔

’’اونہہ...... زیادہ سے زیادہ یہی کریں گے نا کہ مجھے بازو سے پکڑ کر یا دھکے دے کر آفس سے باہر نکال دیں گے۔‘‘

’’او...... یاد آیا۔ شاید یہ کیل اس روز لگا ہو گا جب تم میجر خرم کے ساتھ فلم دیکھنے گئی تھیں۔‘‘

’’جی ہاں۔‘‘ وہ سنجیدگی سے بولی تو شارق چڑ گئے۔

’’زیب! میں نے تمہیں بیٹھنے کے لیے کب کہا تھا؟‘‘ وہ تیوری چڑھا کر بولے۔

زیب ان سے تکرار یا بحث فضول سمجھ کر کھڑی ہوگئی وہ بہت گہرے انداز سے دیکھے جا رہے تھے۔

''ہوں...... تو وہ فلم تمہیں بے حد پسند آئی تھی۔ بہت شوق تھا تمہیں مومنٹ ٹو مومنٹ (Moment to Moment) دیکھنے کا۔ فلم ادھوری دیکھنے کے باوجود تمہیں اچھی لگی۔'' وہ خرم اور اس کے درمیان بولے گئے مکالمے دہرانے لگے۔ زیب نے آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھا۔

''توبہ یہ شرابی کیا اب ولی ہونے کا دعویٰ کرنے لگا ہے کیا؟''

''آپ...... آپ کو یہ باتیں کس نے بتائیں؟'' وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی یہ سب باتیں تو صرف خرم اور زیب ہی کو معلوم تھیں کوئی تیسرا کب تھا ان کے بیچ۔

''میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ خرم کو بے حد افسوس ہے کہ ان کی وجہ سے تمہاری فلم خراب ہوئی۔ نہ وہ عاشق تمہارا ہاتھ پکڑتا نہ تمہیں چوٹ لگتی۔ خون خرابا ہوتا۔ اور اب وہ دوبارہ تمہیں وہی فلم دکھانا چاہتا ہے کیوں؟'' وہ رک رک کر طنزاً بولے۔

''جی ہاں...... ٹھیک پتہ ہے آپ کو۔'' وہ غصہ ضبط کر کے بولی۔

''تو کیا تم دوبارہ دیکھنا چاہتی ہو وہ فلم؟'' ان کا لہجہ ایک دم نرم ہو گیا۔

''بس جی...... ایک ہی بار دیکھی کافی ہے اب بار بار آپ کیا میری جاسوسی کریں گے بھلا؟'' زیب نے خشک لہجے میں کہا تو وہ سلگ گئے۔

''ارے تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو؟ میں تمہاری جیسی دو ٹکے کی اوقات والی لڑکی کی جاسوسی کروں گا؟ تم...... تم ہو کیا چیز میں تو تم جیسی ہزاروں لڑکیاں کھڑے کھڑے خرید سکتا ہوں۔ آخر تمہیں خوش فہمی کس بات کی ہے۔'' وہ بھڑک اٹھے۔ پھر کتنے لمحے دبے پاؤں گزر گئے۔

زیب دانتوں میں ہونٹ دبائے خاموش کھڑی رہی احساس توہین سے اس کا وجود سلگ رہا تھا مگر آنکھیں لبالب بھری تھیں۔

خود کو سنبھالتے ہوئے ضبط کر کے شارق نے خطوط پر دستخط کیے اور الماری کی طرف بڑھے وہاں سے بہت سے بنڈل نکال کر زیب کی طرف پھینک دیئے۔

''یہ لو تمہارے کپڑے ویسے ہی رکھے ہیں اور کچھ نئے بھی میں نے لیے تھے اور کل سے انسانوں جیسا حلیہ بنا کر یہاں تشریف لائیے گا۔ کل ہمیں ایک ضروری میٹنگ میں شریک ہونا ہے۔''

وہ کوٹ پہننے لگے۔ زیب منہ بنا کر انہیں دیکھتی باہر چلی گئی۔ دل ہی دل میں وہ انہیں ہزاروں صلواتیں سنا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد شارق دفتر سے نکلے اور سیدھے کلب پہنچے سارہ کب سے منتظر تھی ان کی۔

''شارق! یہ تم آج کل غائب کہاں رہتے ہو بھلا؟'' سارہ اسے سامنے دیکھ کر بولی۔

''سارہ! کام بہت بڑھ گیا ہے آج کل ایک اور مل خریدی ہے نا؟'' وہ ویٹر کو اشارہ کر کے بولے۔

''اچھا...... زیب کا کیا حال ہے ابھی تمہارے پاس ہے یا نکال باہر کیا ہے اسے۔'' سارہ نے اشتیاق بھرے انداز میں پوچھا۔

''نہیں...... میرے ہی پاس ہے۔ ویسے وہ ایک میجر سے شادی کر رہی ہے عنقریب۔ کہتی ہے مجھے خرم سے بے حد محبت ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولے۔

''میجر خرم!'' وہ نام سن کر چونک گئی۔ دل پر جیسے اس نام کے ساتھ تازیانہ سا پڑا تھا۔

''تو اس دن جو میجر زیب کے ہمراہ تھا کیا اس کا نام خرم ہے؟'' وہ سوچتی ہوئی بولی۔

''ہاں...... کیوں جانتی ہو اسے؟'' وہ ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے بولے۔

''نہیں میں بھلا کیا جانوں؟ ویسے تم اب زیادہ مت پیو پہلے ہی خاصی چڑھی ہوئی ہے تمہیں۔'' بیرے نے بوتل رکھی تو سارہ نے کہا۔

''ارے پینے دو کچھ نہیں ہوگا ہمیں۔'' وہ لاپرواہی سے بولے۔

''کیوں شارق! تمہیں افسوس نہیں ہوا زیب کی شادی کے متعلق سن کر۔'' وہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔ چند لمحوں کے لیے شارق کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا لیکن پھر بھی ڈھٹائی سے بولے۔

''کیوں...... مجھے افسوس کیوں ہونے لگا۔ یہ زیب کون سی مجھ سے دور ہے جس وقت بھی چاہوں قابو کر کے اسے پاؤں تلے کچل سکتا ہوں۔'' وہ خونخوار لہجے میں بولے۔

''او سر پھیرے احمق! رضامندی اور زبردستی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ زبردستی تو چاہے تم کچھ بھی کروالو۔ ویسے شارق کیا ہی اچھا ہوتا اگر تم اس لڑکی کو عزت سے اپنا لیتے؟'' سارہ نے سمجھایا۔

''اب تم...... فضول بکواس مت کیا کرو۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولے پھر پیگ اٹھالیا۔

''شارق! آج تم ضرورت سے زیادہ پی رہے ہو؟ بھلا گھر کیسے جاؤ گے؟'' وہ پریشانی سے بولی۔

''اونہہ...... گھر جانے کو دل کس کافر کا چاہتا ہے۔'' وہ بیزاری سے ہاتھ اٹھا کر بولے۔

''وہ تو یادوں کا قبرستان ہے جہاں کی ہر چیز میری غیرت پر ضرب لگاتی ہے۔ ایک غمزدہ ماں ہے جو مجھ سے نظریں چراتی ہے۔ اور میں اس کی نگاہوں سے بچتا ہوں وہ اپنی خطا کی تلافی یوں کرنا چاہتی ہیں کہ میرے سر پر دوبارہ سہرا سجانا چاہتی ہیں۔

وہ اپنی نسل بڑھانا چاہتی ہیں تاکہ ان کے خاندان کا نام نہ مٹ جائے۔ وہ بے نام ونشان نہ رہ جائیں۔ اور میں ان کی آنکھوں میں سرسراتا ہوں۔ سوال دیکھنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا ہوں۔ اس گھر میں دوسرا شکستہ وجود دکھوں اور غموں کی ماری ہوئی بہن صائمہ کا ہے۔ جو اپنی ماں اور بھائی سے اپنے دکھ چھپائے مسلسل مسکرانے کی کوشش کیے جاتی ہے۔

لیکن میں صاف جانتا ہوں کہ ان قہقہوں کے پیچھے اس کی ناکام آرزوؤں کے نوحے بھرے ہیں۔ نہیں سارہ! میں یہ سب کچھ دیکھنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا ہوں۔

سارہ...... صبا...... میں برداشت نہیں کر سکتا میں مرجانا چاہتا ہوں مجھے زندگی سے نفرت ہے نفرت۔''

اس نے مٹھیاں میز پر مارتے ہوئے سر میز سے ٹکالیا۔ جیسے کوئی میلوں کی مسافت طے کر کے آتے ہوئے تھک جائے۔ شارق کی آواز اونچی ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ انہیں گھورنے لگے تھے۔

مگر پرنسز سارہ نے لاپرواہی سے لوگوں کی طرف دیکھا پھر شارق کے بکھرے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سنوارنے لگی۔ جن حالات سے زندگی نے اسے دو چار کیا تھا۔ سارہ ان عذابوں کو تن پر جھیل چکی تھی۔ انگ انگ شکستہ تھا اس کا۔ پھر ان نامساعد اور پرخار راستوں سے گزرنے کے بعد دنیا اور دنیا والوں کی کم ہی پرواہ رہ جاتی ہے سارہ جیسے لوگوں کو۔ وہ بھی اب پتھر سی ہوگئی تھی۔ جو من چاہتا تھا کر گزرتی تھی دل کو جھوٹے سہاروں سے بہلائے رکھتی تھی۔

اس نے محبت بھرے انداز سے اس کے بالوں کو سلجھایا اور پوچھا۔ ''شارق! سچ بتانا کیا تمہیں زیب کی شادی کی خبر سن کر افسوس ہوا ہے؟''

کیونکہ آج تو شارق کی حالت بہت ہی خراب تھی وہ شکستہ دل تو پہلے ہی سے تھا لیکن آج تو اس کے دلی دکھ وکرب آنکھوں سے چھلکے پڑ رہے تھے۔ ظاہری بات تھی کہ وہ کسی نئے زخم کا اضافہ کروا آیا تھا۔ وجود پر اپنے چھید چھید داغدار دل پر نیا گھاؤ لگوا آیا تھا۔

''پلیز تم بتاؤ نا شارق؟'' سارہ نے پیار سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اصرار کیا۔

''کیوں مجھے اس کی شادی کا غم کیوں ہونے لگا ہے بھلا...... سارہ! وہ میری لگتی کیا ہے دو ٹکے کی ملازمہ جسے جب جہاں چاہے خریدا جا سکتا ہے۔'' وہ جھڑک کر بولے۔

''خیر...... یوں تو مت کہو شارق! تم اپنی زندگی کو مسلسل دھوکہ ایک فریب بنائے چلے جا رہے ہو۔ خدارا ہوش کے ناخن لو اب بھی اپنے گرد تنے ہوئے مصنوعی خول سے باہر آ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ دیر ہونے پر کوئی دن ایسا بھی آئے جب تم اپنے تخلیق کردہ اس خول میں دم گھٹ گھٹ کر مر جاؤ۔ کب تک...... آخر کب تک دل کے مچلے جذبوں کو دباؤ گے شارق! ایک دن یہ بھی مچل مچل جائیں گے تمہارے اختیار میں نہیں رہیں گے۔ اور پھر تم بے بس ہو جاؤ گے۔

شارق...... اللہ! اپنی منزل کو پہچانو۔ میرے اچھے دوست! تمہیں کھونا خود میرے لیے بھی قیامت سے کم نہ ہوگا۔'' وہ پلکوں پر ستارے سمیٹے اسے سمجھانے راہ راست پر لانے کی سی ناکام کوشش میں مصروف تھی۔

''پتہ نہیں سارہ! تم کیا فضول باتیں کرتی رہتی ہو؟'' وہ بے بسی سے سر جھٹک کر کھڑے ہو گئے۔

''چلو...... میں تمہیں چھوڑ آؤں۔'' وہ اس کے لڑکھڑاتے وجود کو سہارا دے کر باہر آ گئی۔

''تم رہنے دو صبا! میں نشے میں تھوڑی ہوں میں خود ڈرائیو کر لوں گا۔'' وہ رکتے رکتے بولے۔

''ارے تم ہوش میں ہوتے ہی کب ہو جو نشہ وشہ کم یا زیادہ ہوتا۔'' وہ زبردستی اسٹیئرنگ سنبھال کر کار چلاتی ہوئی بولی۔ تب ٹھنڈی ہوا لگتے ہی شارق کا ذہن بوجھل ہونے لگا۔ نشہ بڑھنے لگا۔

''سنو صبا!'' وہ بوجھل آواز میں بولے۔

''ہوں کہو؟'' وہ اپنے پہلو میں بیٹھے شارق کو غور سے دیکھ کر بولی۔

''وہ...... وہ زیب...... بڑی...... خر...... اب لڑکی ہے...... بہت ہی بدمزاج...... اور...... اور بری...... وہ کہتی ہے کہ میں گندہ آدمی ہوں۔ ظالم...... بدمعاش ہوں۔ زیب کہتی ہے وہ...... مجھ سے...... مجھ سے شادی نہیں کرے گی...... کبھی نہیں کرے گی۔ میں نے اسے طمانچہ بھی مارا تھا۔ وہ کہنے لگی وہ مجھ سے شدید نفرت کرتی ہے۔ شدید نفرت...... کیوں صبا...... صبا! کیا میں واقعی گندہ ہوں بدکار ہوں۔''

شارق بچوں کی طرح اپنے کپڑے ٹھیک کر کے ٹائی کی ناٹ سنوارتے ہوئے پوچھنے لگے۔ گویا وجود کی گندگی جھاڑ رہے تھے۔

''نہیں شارق! زیب نہیں جانتی کہ تم تو بہت اچھے۔ بہت پیارے۔ بہت ہی معصوم لڑکے ہو۔'' وہ آنکھیں صاف کر کے بولی۔

''پھر وہ......وہ......مجھ سے شادی کیوں نہیں کرتی؟ کیوں مجھے نفرت سے ٹھکراتی ہے؟''

شارق نے اچانک صبا کا اسٹیئرنگ پر رکھا ہاتھ پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا تو اس نے گھبرا کر گاڑی کو بریک لگا کر روکا۔

''اف شارق! ابھی تو مرواہی ڈالا تھا تم نے ہمیں۔'' صبا اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''وہ زیب بھی یہی کہتی ہے۔ کہتی ہے اللہ کرے مرجاؤ برباد و غارت ہو جاؤ تم۔ شراب پی پی کر۔'' وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولے۔

''اف اللہ......شارق! تم اسے بتا کیوں نہیں دیتے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو؟ زیب......زیب کی تو رٹ لگائی ہے تم نے؟''

''نہیں......نہیں صبا! پاگل ہوئی ہو کیا؟ کیونکر میں اسے اس راز میں شریک کر سکتا ہوں۔ نہیں......میں اس پر کبھی ظاہر نہیں کر سکتا۔ وہ تو پھر خرم سے محبت کرتی ہے بھلا مجھے کیونکر اپنائے گی۔ دل پر کسی کا زور تو چلتا نہیں ہے نا۔ پھر اب میں اپنے پوشیدہ جذبے عیاں کر کے اپنی توہین کیسے کروالوں؟

وہ تو میرا مذاق اڑائے گی کہے گی ''اے لو میرا سر قدموں میں جھکاتے جھکاتے یہ بہت ہی مغرور خود پسند آنریبل (Honourable) شارق رضا! خود ہی میرے قدموں میں آجھکا ہے۔'' وہ سختی سے انکار کرتے ہوئے بولے۔

''چلو شارق! شراب نوشی کا کم از کم یہ فائدہ تو ہوا ہے کہ تم نے سچ تو اگل دیا ہے نا تسلیم تو کر لیا ہے کہ زیب کو چاہتے ہو؟ اٹھو تمہارا گھر آ گیا ہے۔'' صبا کار پورچ میں روک کر بولی تو شارق سب کچھ بھلا کر فکر مند ہو گیا۔

''صبا! لیکن اب تم گھر اکیلی کیسے جاؤ گی؟ بہت رات ہو گئی ہے اور پھر مجھے پرویز کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے کہیں راستے میں تمہیں روک لے۔ چلو میں تمہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔'' وہ یکدم سمجھداری کی بات کرنے لگا۔

''نہیں بھئی......میں چلی جاؤں گی۔ دیکھو اس طرح تو ساری رات گزر جائے گی۔ تم مجھے چھوڑنے جاؤ گے۔ پھر میں تمہیں چھوڑنے آؤں گی۔ یوں رات تمام ہو جائے گی۔ نہ جی شکریہ میں ٹیکسی لے لیتی ہوں۔'' وہ ہنسی۔

''نہ......نہیں......اس وقت اس بھڑکیلے لباس میں ٹیکسی پر اکیلے جانا اچھا نہیں ہے۔ تم میری گاڑی لیتی جاؤ۔'' وہ کار سے اتر گئے۔

''لیکن اے ہوشمند دیوانے تم صبح آفس کیسے جاؤ گے پھر؟'' وہ اس کا اصرار دیکھ کر ہنس دی۔

''بھئی دوسری گاڑی جو ہے اس پر چلا جاؤں گا۔ چلو اب تم کھسکو نا۔'' شارق ہاتھ ہلا کر بولے۔

''شارق رضا! تم سا شرابی بھی میں نے کہیں نہیں دیکھا ہے۔ اپنے انداز کے عجیب منفرد سے بندے ہو تم تو۔'' وہ پیار سے بولی۔

''اچھا میں چلتی ہوں تم بھی جا کر سونے کی کوشش کرو۔'' وہ خدا حافظ کہہ کر کار ریورس کرنے لگی۔ شارق دور جاتی

ہوئی گاڑی کو دیکھنے لگے۔ پھر سگریٹ سلگا کر وہیں بینچ پر ہی بیٹھ گئے کافی دیر گزر گئی۔
''کیوں بھیا! اندر نہیں چلیے گا؟'' کسی نے ان کے کاندھے کو چھوا۔
''ارے صائمی! تم ابھی تک جاگ رہی تھیں؟'' وہ چونک کر بہن کی آواز پہچان کر بولے۔
''تم سوئی کیوں نہیں ہو؟ طبیعت تو اچھی ہے نا؟'' شارق نے سنبھلنے کی کوشش کی وجود پر ایک مصنوعی سا سرور چھایا تھا۔

''میں تو برسوں سے جاگ رہی ہوں بھیا! اپنے مقدر ہی سو گئے ہیں بس۔'' وہ دکھی لہجے میں بولی۔ بھائی کی ابتر حالت تو وہ دیکھ ہی رہی تھی۔ نم نم آنکھوں سے چاہے وہ جتنا بھی چھپانے کی کوشش کرتے۔
''اٹھیے چلیے اندر۔'' صائمہ ان کا بازو تھامے اندر لے آئی۔ شارق آج بری طرح سے لڑکھڑا رہے تھے۔
''صائمی جان! تم اتنی رات تک میرا انتظار مت کیا کرو۔ خوامخواہ میرے انتظار میں رات گئے بیٹھی رہتی ہو۔ میں نے تو ملازموں کو بھی منع کر دیا ہے۔ یہ ڈپلی کیٹ چابی ہے نا میرے پاس۔ میں خود دروازہ کھول لیا کرتا ہوں۔ ویسے بھی ملازم اور چوکیدار جو ہیں خیال رکھنے کے لیے۔'' وہ سمجھاتے ہوئے سہارا لے کر اندر اپنے بیڈروم میں آ گئے۔
صائمہ انہیں بستر پر لٹا کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور تکیے میں منہ چھپائے روتے روتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گئی تھی۔

○●○

شارق دوسری صبح دیر سے بیدار ہوئے پھر ناشتہ کیے بغیر ہی اپنی نئی مل دیکھنے چلے گئے تھے وہ وہاں اسٹاف سے میٹنگ کرنے کے بعد دیگر اہم کاموں میں مصروف رہے جب وہ فارغ ہوئے تو شام ہو چکی تھی۔ وہ وہیں سے ہلی اسٹیل مل پہنچے۔ آج تو انہوں نے زیب سے بھی شام کو آفس میں پہنچنے کا یہاں آنے کا حکم دیا تھا نا تو ذرا وہاں پہنچ ہی چکی ہو گی؟
''گڈ ایوننگ سر!'' مترنم سی آواز نے شارق کی سماعت پر پھوار سی بکھیری تھی انہوں نے فائل پڑھتے پڑھتے سر اٹھا کر دیکھا تو نظریں گویا جمی کی جمی رہ گئی تھیں۔ انہوں نے پن رکھ دیا اور بغور دیکھا۔ وہ پھولدار پرنٹڈ گولڈن رنگ کا سوٹ پہنے بالوں کو کنپٹی کے پاس سے اونچا اٹھا کر ڈھیلا سا جوڑا بنائے کچھ حد سے زیادہ پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ زیب ان کی تیز چبھتی ہوئی نظروں سے گھبرا کر آگے بڑھی اور فائل ان کے سامنے رکھ دی۔
''آپ بیٹھیے مس رحمان!'' وہ زیب کو تکتے ہوئے نرمی سے بولے۔ پھر سامنے دھری فائل کو اٹھا کر پڑھنے لگے وہ کبھی کبھی سر اٹھا کر اسے دیکھتے پھر زیب کو کسمساتے اور بے چین ہوتے دیکھ کر فائل پڑھنے لگتے تھے۔
بے اختیار جی چاہ رہا تھا کہ زیب سے ڈھیر ساری باتیں کریں اسے بتا دیں کہ وہ بہت بھلی لگ رہی ہے۔ بہت دلکش۔ مگر تبھی جاوید دروازہ کھٹکھٹا کر اندر داخل ہوا اور شارق کے سامنے چند ایک خطوط رکھنے کے بعد زیب سے مخاطب ہوا۔

''وہ مس رحمان! آپ کے آنے سے کچھ دیر پہلے ہی میجر خرم یہاں آئے تھے اور وہ کہہ رہے تھے آج آپ تیار رہیے گا وہ آپ کو لینے آئیں گے شاید پھر آپ کو کوئی فلم دکھانی ہے۔'' جاوید نے معنی خیز انداز سے دیکھتے ہوئے کہا۔
''ہاں مس رحمان! میں نے میجر خرم کو بتایا بھی تھا کہ آج آپ کی لیٹ ڈیوٹی ہے آپ فارغ نہیں ہوں گی۔ تو پھر

وہ اپنا یہ فون نمبر دے کر گئے ہیں تو آپ ان سے بات کر لیجیے گا۔'' وہ چٹ بڑھا کر بولا۔

میجر خرم کا نام سنتے ہی شارق کی پیشانی شکن آلود ہوگئی تھی انہوں نے ایک دم زیب کو گھورا۔ تیور بدلنے لگے۔

''شکریہ جاوید! میں خرم سے بات کر لوں گی۔ نہ جانے انہوں نے مجھ سے پوچھے بغیر فلم کا پروگرام کیوں بنا لیا ہے۔ حالانکہ میں نے انہیں بتایا بھی تھا کہ میں شام کو مصروف ہوں کام زیادہ ہوگا۔'' وہ صفائی پیش کرنے والے انداز سے بولی۔

جاوید پیپر پر دستخط کروا کر باہر چلا گیا تو زیب شارق کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''سر! اگر آپ اجازت دیں تو میں خرم کو آپ کے فون پر کال کر لوں۔'' اس نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''جی نہیں...... آپ میرے فون پر کسی خرم ورم کو فون نہیں کر سکتیں۔ اپنے آفس میں جا کر کیجیے گا اپنے فون سے۔'' وہ سختی ورکھائی سے بولے تو زیب نے شرمندہ ہو کر ہاتھ کھینچ لیا اور سر جھکا کر بیٹھ رہی۔ پھر وہ کتنی دیر تک وہیں بیٹھی کام کرتی رہی شارق نے بہت سے خطوط لکھوائے۔ گھنٹہ ڈیڑھ بعد جب وہ اپنے آفس میں پہنچی نوٹ بک رکھنے کے بعد وہ کرسی سے سر ٹکائے گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔

توبہ شارق کا سامنا کرنے پر تو سانسیں ہی رک جاتی تھیں۔ اتنی ٹینشن سوار ہو جاتی تھی کہ خدا جانے وہ کس موڈ میں ہوں اور کیسا رویہ اختیار کریں کہیں بے عزت نہ کر دیں؟ خفا ہو کر دھکے دے کر باہر نہ نکال دیں؟ کتنے ہی وسوسے جان کو گھیرے رہتے تھے۔ پھر زیب نے سنبھل کر فون پر خرم کے ہسپتال کا نمبر ملایا۔ فون خرم ہی نے اٹھایا تھا شاید وہ منتظر ہی تھا۔

''ہیلو...... اوہ آپ خرم ہی بول رہے ہیں نا؟'' اس نے آواز پہچان کر تصدیق چاہی۔

خرم نے بتایا کہ وہ اب ہسپتال سے اٹھ کر اسے لینے آ رہے تھے۔ مگر زیب نے انہیں منع کر دیا۔ ''کیوں خرم یہ یکایک آپ کو فلم دیکھنے کی کیوں سوجھ گئی ہے بھلا۔ خوامخواہ ہی میری شامت بلوا لی آپ نے۔ وہ شارق صاحب! اس قدر خفا ہو رہے تھے پھر انہوں نے ضد میں ہی گدھوں جیسے کام لاد دیئے ہیں مجھ پر۔ میں تو کسی صورت رات تک فارغ نہیں ہو سکتی ہوں۔'' زیب نے خفگی سے کہا۔

''اچھا...... مگر شارق صاحب! آپ سے کیسے ناراض ہو گئے ہیں۔ بھئی وہ تو بڑے ہنس مکھ اور سلجھے ہوئے انسان ہیں۔'' خرم کو ذرا حیرت ہوئی ان پر تو شارق کے اس دن کے بہروپ کا رنگ خاصا چوکھا چڑھا تھا۔ مگر زیب نے جلے ہوئے انداز میں ان کی غلط فہمی دور کی۔

''ہونہہ...... جی ہاں...... وہ شارق صاحب سڑیل سے بس آپ ہی کو ہنس مکھ لگے ہوں گے۔ ویسے تو عام زندگی میں انہیں صرف حسین جوان لڑکیوں کو کچا چبانے گردن دبوچنے کا شوق ہے نا۔ ارے خرم اس خیال میں مت رہیے گا وہ...... وہ بندہ شارق سخت غیر مہذب بے ایمان بدتمیز اور فراڈی انسان ہے گھٹیا کہیں کا۔'' وہ جل کر بولی۔

''واٹ...... ارے یہ آپ کیا فرما رہی ہیں محترمہ زیب؟'' خرم حقیقتاً حیران ہو گئے تھے۔

''نہ جی...... یہ مطلب وطلب ابھی فون پر نہ پوچھیں تو میرے حق میں بہتر ہوگا۔ بس جب ملاقات ہوگی نا تب تفصیلاً بتاؤں گی۔ ہائے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کمبخت [illegible] آس پاس میرے یہ انکشافات سن رہا ہو اور نتیجتاً آپ [illegible]ری

ادھڑی ہوئی ٹوٹی پھوٹی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے ملے۔''

وہ اپنے لہجے میں تمام تر نفرت سمیٹے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔ بھئی اپنوں ہی کے سامنے ہی تو دل کا بوجھ اور غم و غصے کے دباؤ کو کم کرنا تھا۔ گھر میں تو کسی کے سامنے ذکر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ایک یہ خرم اور حمالیہ ہی تو اس کے غمگسار دوست تھے نا تبھی وہ خرم کے سامنے من کی جلن کم کر رہی تھی اور اپنے اطراف سے بیگانہ سی وہ غیبت و چغلی میں مصروف شکایات کا پٹارا کھولے بیٹھی تھی۔ کوسنے دینے میں مگن تھی کہ یکا یک تمباکو کی تیز مگر مخصوص خوشبو نے زیب کو جھٹکے سے سر اوپر اٹھانے اور اپنے گرد دیکھنے پر مجبور کر دیا تو اچانک ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ حقیقتاً کانپ کر رہ گئی۔

اف...... بالکل قریب ہی تو شارق ہونٹوں میں سگار دبائے کھڑے تھے سگار کے دھویں کی وجہ سے ان کی آنکھیں بند بند سی تھیں۔ انہوں نے سگار ہونٹوں سے نکال کر ہاتھ میں تھام لیا پھر خشک ہونٹوں کو نم کرنے کے لیے زبان پھیری اور لحہ بھر کو اوپر والا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

اور زیب...... اسے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ بس قیامت آئی سو آئی۔ اس کی روح فنا ہو گئی تھی اور چہرہ اپنے سوٹ ہی کی طرح سے زرد سا ہو گیا تھا وہ شرمندہ و خوفزدہ سی دونوں ہاتھ دل پر رکھے ششدر سی بیٹھی تھی اور شارق کے خوبرو چہرے پر تو چٹان کی سی سختی تھی مگر اب ان کشادہ آنکھوں میں عجیب سا دکھ در در چا تھا۔ جیسے انہیں زیب کی باتوں سے دلی صدمہ پہنچا ہو۔ (باتوں سے) گھاؤ لگ گیا ہو سینے پر۔

اور پھر اس وقت تو زیب رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی۔ اب تو مکر بھی نہیں سکتی تھی۔ مگر وہ شرمندہ ہو گئی تھی۔ ''آئی ایم سوری سر! واقعی مجھے یہ سب بکواس نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' اس نے ہمت کر کے معذرت کی۔

''مگر تم! آپ کی زیادتیوں کے خلاف میرے دل میں بہت سی کدورتیں شکایتیں اکٹھی ہو گئی تھیں نا۔ بس لاوا پھٹ نکلا خرم کے سامنے۔ ویسے بھی باس آپ نے کون سا میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے؟ اتنے جھوٹے الزامات۔ پھر وہ سب بکواس سے بھرا ایگریمنٹ۔ آپ نے بھی تو مجھے بغاوت پر اکسایا ہے نا؟''

زیب نے بے باکی سے انہیں دیکھا۔ وہ جوابی کارروائی کا انتظار کر رہی تھی۔ آج تو زندہ بچنا ہی دشوار تھا۔ زیب نے گھبرائی ہوئی نظروں سے شارق کے مضبوط ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ ''ہاں...... آج تو میری گردن دبا ہی دیں گے۔'' اسے یقین تھا۔

مگر پھر اس کی حیرتوں کی انتہا نہ رہی جب شارق نے مسلسل ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر وہ اس کے میز پر رکھی ایش ٹرے میں اپنا آدھا سگار مسلتے ہوئے خاموشی سے باہر چلے گئے تھے۔ اور زیب نڈھال ہو کر دھپ سے کرسی پر گرنے والے انداز سے بیٹھ گئی۔ احساس زیادتی بڑھ گیا۔

''اف...... ستیاناس ہو میرا۔ مجھ سے تو اب کوئی کام بھی سیدھا نہیں ہوتا ہے۔'' وہ سگار سے اٹھتے دھویں پر نظریں جما کر بولی۔ ''آج تو واقعی میں نے جو بکواس کی ہے اس کی سزا کے طور پر تو شارق صاحب کو میری گردن دبا دینی چاہیے تھی۔ ہو ہی جانا تھا پوسٹ مارٹم مگر نہ جانے وہ کیسے...... اور کیوں لحاظ کر گئے ہیں؟'' زیب پسینہ پسینہ ہو رہی تھی کہ شہزاد دروازہ کھٹکھٹا کر اندر چلا آیا اور بتایا۔

''مس رحمان! جلدی آئیں۔ آپ کو باہر شارق صاحب بلا رہے ہیں۔ وہ کار میں بیٹھے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میٹنگ شروع ہونے میں دس منٹ رہ گئے ہیں جلدی سے آ جائیں۔''

''باپ رے باپ۔'' وہ اپنا پرس اٹھاتی باہر کی طرف بھاگی تھی کہ سامنے سے جاوید آ گیا۔

''ہائے جاوید بھائی! آج تو میرے لیے دعائے مغفرت کر لیجیے گا آج میرے بچنے کے آثار نہیں ہیں۔'' وہ بسوری۔

''ہائیں اچھا...... تو جاؤ زیب بچی! تمہیں خدا کے حوالے کرتے ہیں۔ وہی رب ہی تمہیں بچائے اور امتحان میں سرخرو کرے۔'' وہ ہاتھ دعا کے لیے اٹھا کر بولے۔ زیب بھاگتی ہوئی پارکنگ لاٹ کی طرف آئی۔ پھر شارق کو کار میں سنجیدہ شکل بنائے دیکھ کر سنبھلتے ہوئے پیچھے بیٹھنے ہی لگی تھی کہ شارق نے فرنٹ ڈور کھول دیا۔ تو وہ جھجکتی ہوئی ان کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ پھر راستے میں خاموشی ہی رہی تھی۔ زیب ڈری ڈری نظروں سے ان کی سمت دیکھتی رہی پھر ان کی خاموشی سے زیب کا دل لرز رہا تھا۔

''اللہ...... یہ سنجیدگی کسی بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ نہ ہو۔'' وہ نروس ہونے لگی تھی۔

پھر شارق نے ایک بہت بڑے ہوٹل میں کار موڑ کر جب پورچ میں روکی تو بہت سے لوگ ان کا استقبال کرنے کے لیے باہر ہی موجود تھے وہ انہیں ہار پہنانے لگے۔

زیب اس قدر ہجوم دیکھ کر شارق کے قریب ہو گئی اور وہ...... وہ تو سب سے بڑی خوشدلی سے مل رہے تھے۔ وہ اسے ہمراہ لیے اندر بڑھے اور ہال میں داخل ہوئے جہاں میٹنگ ہونا تھی۔ وہاں شہر کے بڑے بڑے تاجر اکٹھے تھے۔ پھر وہ شارق کے قریب بیٹھی میٹنگ کے دوران نوٹس بناتی رہی۔ شارق کو متفقہ طور پر تاجروں کی یونین کا صدر چن لیا گیا تھا۔ میٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد کھانے پینے کا دور چلا۔ تب شارق ہر ایک سے اس قدر خوش اخلاقی و خلوص سے باتیں کر رہے تھے مل رہے تھے کہ ایک کونے میں کھڑی آہستہ آہستہ سینڈوچ کھاتی ہوئی زیب انہیں حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔

اس وقت وہ نک چڑھا سڑیل سا شارق جانے کس کونے میں جا چھپا تھا۔ اور اب یہ ہنس مکھ اور زندہ دل شارق کا یہ روپ؟ زیب ان کی ایکٹنگ پر حیران تھی۔

پھر شارق نے گھڑی دیکھی اور دوستوں سے معذرت کرتے ہوئے سب سے ملتے ملاتے ہوئے زیب کو لیے باہر آ گئے۔ وہ ابھی سیڑھیاں اتر ہی رہے تھے کہ سامنے سے آتے ہوئے میجر خرم کو دیکھ کر بری طرح سے چونک گئے۔ ابھی زیب کی نظر خرم پر نہیں پڑی تھی وہ تو پرس میں نوٹ بک رکھتی نیچے دیکھتی ہوئی چل رہی تھی۔

''لیجیے زیب صاحبہ! وہ آپ کے باوردی محبوب میجر خرم تشریف لا رہے ہیں۔'' وہ سلگ کر بولے۔ ''کیوں کیا تم نے اسے بتایا تھا کہ تم یہاں اس ہوٹل میں آ رہی ہو؟''

''نہیں...... نہیں ایمان سے میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔ لو پھر بھلا مجھے خود کب پتہ تھا کہ ہمیں اس ہوٹل میں آنا ہے؟''

''تم جھوٹ بول رہی ہو؟ تم نے مجھے فون پر بات کرتے ہوئے سنا ہوگا۔''

وہ دبی آواز میں بولے۔ پھر خرم کو قریب دیکھ کر خود کو سنبھالنے لگے۔ ''ہیلو...... ہیلو یہ تو اپنے شارق صاحب ہیں۔ ارے...... رے زیب بھی ساتھ ہیں۔'' خرم انہیں دیکھ کر خوش ہو گئے اور بڑے تپاک سے ملنے لگے شارق نے بھی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا حال احوال پوچھا۔

''آیئے شارق صاحب! اندر چلیے نا کچھ کھاتے پیتے ہیں۔'' خرم نے انہیں دعوت دی۔

''معاف کیجیے گا خرم صاحب! میں ابھی میٹنگ اٹینڈ کر کے آ رہا ہوں اور ابھی ہمیں ایک جگہ اور بھی جلدی پہنچنا ہے۔'' شارق نے جھٹ بہانہ تراشا۔ تو خرم نے زیادہ اصرار نہ کیا۔

''اچھا مسٹر شارق! جیسے آپ کی خوشی۔ ہم تو اب کھانا کھانے آئے ہیں صبح سے فاقہ کر رہا ہوں مریضوں کا اس قدر رش تھا کہ کھانا کھانے کی فرصت نہیں ملی بس اب بھوک نے نڈھال کیا تو یہاں چلے آئے ہیں۔'' خرم نے زیب کو ہنستے ہوئے بتایا۔

''ارے آپ کو بھوک لگی تھی تو آپ ہمارے گھر کیوں نہیں چلے گئے خرم! بھابھی تو وہاں تھیں نا وہیں کھانا کھا لیتے۔'' زیب اپنائیت سے بولی۔

''ڈاکٹر خرم! آپ کو اس طرح لاپرواہی نہیں برتنی چاہیے کھانا وقت پر کھا لیا کیجیے۔ ورنہ ہیڈ کوارٹر شکایت کرنی پڑے گی ہاں۔'' زیب نے دھمکی دی تو خرم جیسے سرشار ہو کر بولے۔

''اجی محترمہ! ہم کیا کریں کہ بیچلرز کے لیے یہی تو مصیبت ہے کہ کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہوتا۔ بس پھر اسی طرح بے ترتیب گزر بسر کرنی ہوتی ہے۔'' خرم نے گہری نظروں سے دیکھا۔ ان کی بے تکلفانہ گفتگو سے شارق کی پیشانی پر بل پڑنے لگے تھے پھر انہوں نے ہنستی ہوئی زیب کو قہر آلود نظروں سے گھورا۔ تو زیب بھی ان کے چہرے کے تاثرات بدلتے دیکھ کر چونک گئی۔

''اچھا خرم! پھر ملاقات ہوگی۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' زیب نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

''سنو زیب! کل مجھے چھٹی ہے۔ تو پھر کل فلم دیکھنے کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔ آج ویسے میں نے بھابھی سے کہہ دیا تھا۔'' وہ پُرامید انداز سے بولے۔

''نہیں...... یہ تو کل بھی آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی ہیں۔ کل تو ہم لوگ شادپور جا رہے ہیں اپنی نئی مل دیکھنے کے لیے۔'' شارق جلدی سے بولے تو زیب نے ہونٹ کاٹ لیے۔

''اوہ اچھا...... خیر زیب جب آپ فارغ ہوں تو مجھے رِنگ کر لینا۔'' خرم کاندھے جھٹک کر مایوسی سے بولے۔

شارق، خرم سے مل کر کار میں جا بیٹھے تھے۔ زیب جب خرم سے عالیہ کے متعلق پوچھ کر کار میں آ بیٹھی تو شارق کا موڈ بری طرح سے خراب تھا انہوں نے ڈیش بورڈ سے بوتل نکال کر منہ سے لگا لی تھی۔ اور زیب ناک چڑھائے برے برے منہ بناتی ہوئی انہیں کوفت سے دیکھ رہی تھی پھر وہ برداشت نہ کر سکی تو بول پڑی۔

''سر! اگر کسی پولیس والے کی نظر آپ پر پڑ گئی نا تو شراب نوشی کے الزام میں دھر لے گا آپ کو۔ تو کیوں کوڑے کھانے کی صلاح ہو رہی ہے آپ کی؟'' وہ دلیری سے بولی۔

''ہوں...... تو تم اس خرم سے محبت کرتی ہو؟'' وہ اس کی بات وطنز کو نظر انداز کر کے بولے تو زیب اچھل پڑی۔

اور انہیں ڈری ڈری نظروں سے دیکھا۔ ''خدایا! یہ تو دوبارہ وہی تکلیف دہ تذکرہ چل نکلا ہے۔''

''ہونہہ...... تو اپنے عاشق سے میری برائیاں کی جا رہی تھیں۔ میں گھٹیا ہوں عورتوں کو کچا چباتا ہوں۔ بدمعاش ہوں۔ تو تمہارے میرے بارے میں یہ خیالات ہیں؟ اس قدر برا انسان ہوں میں تمہاری نظر میں؟ ہونہہ...... خوب تو تم خرم سے ہی شادی کرو گی؟'' انہوں نے جھک کر زیب کو دیکھا۔

''تم دل سے یہ خوش فہمی نکال دو کہ میں تمہیں اس سے شادی کرنے دوں گا۔ ہونہہ...... میں تمہیں اس قابل نہیں رہنے دوں گا کہ تم اس کی دلہن بنو۔ میں دیکھوں گا تمہارے ہیرو اس عاشق میں کتنا ظرف ہے وہ کتنا اور کس حد تک فراخ دل ہے کہ تمہارے اور میرے تعلقات کے بارے میں سن کر بھی تمہیں اپنا لے گا۔

ہاں...... ہاں میں لوگوں کو پیسے دے دلا کر بھی تمہارا اور اپنا اسکینڈل مشہور کروا دوں گا۔ یہ تم کمزور بے بس سی لڑکی ہر راستے پر مجھے شکست دیتی آئی ہو۔ لیکن اب مات تمہاری ہوگی۔'' وہ انگلی ہلاتے ہوئے بولے۔

''اور پھر تم دیواروں سے سر ٹکراؤ گی لیکن مجھ سے پیچھا نہیں چھڑا سکو گی۔'' وہ دانت بھینچ کر بولے۔

''یاد رکھو زیب! اگر تم نے مجھ سے دور بھاگنے کی کوشش کی تو میں تمہیں عدالتوں میں گھسیٹوں گا۔ اخباروں میں تمہاری رسوائی کے اشتہار چھپواؤں گا۔ پھر تم دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔'' شارق غصے کی شدت سے ہانپنے لگے تھے۔

اور خوفزدہ سی زیب دل تھامے انہیں حیرت سے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ ان کی دھمکیاں سننے پر مجبور جو تھی۔

''کیوں سر! یہ قہر یہ عذاب میرے کھاتے میں کیوں ڈال رہے ہیں آپ؟ آخر کیا قصور ہے میرا۔ میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔ جو آپ میرے دشمن ہو گئے ہیں؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں چند سکوں کے عوض اپنی عزت کا سودا کر ڈالوں؟ یہی قصور ہے نا میرا کہ میں خود کو آپ کی ہوس کی بھینٹ نہیں چڑھا سکی۔ تو اسی بات کی سزا دینا چاہتے ہیں آپ مجھے؟'' زیب کی آواز بھرا گئی تھی۔

مگر شارق نے یہ سب شکوے سن کر زوردار قہقہہ لگایا اور وہ روتی بلکتی ہوئی زیب کو دیکھ دیکھ کر مسکراتے رہے اور تیزی سے ڈرائیو کرتے رہے۔

''اچھا...... اب تم رونا دھونا بند کرو اور ذرا اپنا منہ اور بال وغیرہ ٹھیک کر لو۔ کیونکہ ہم کلب پہنچ گئے ہیں اور وہاں بہت سے لوگوں کے سامنے تم تماشہ بن جاؤ گی۔'' وہ تنبیہی انداز سے بولے۔ تب زیب نے رومال سے منہ صاف کیا اور آنسو روکنے کی کوشش کی۔ شارق نے اسے تنقیدی نظروں سے دیکھا۔

''سنو...... تم کچھ میک اپ وغیرہ کر لو۔ مجھے اجاڑ صورتیں پسند نہیں ہیں ویسے بھی اب ہم جہاں آئے ہیں۔ وہاں اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ آتے جاتے ہیں یا پھر مشہور ایکٹریس اور گلیمرس ماڈلز آئی ہوتی ہیں۔'' وہ نخوت و تکبر سے بولے تو زیب نے خاموشی سے پرس کھول کر لپ اسٹک نکالی اور ہلکی سی ہونٹوں پر لگالی اور واپس رکھ کر پرس بند کر دیا۔

''بس...... صرف لپ اسٹک۔ کیا اور کوئی چیز نہیں ہے تمہارے پاس؟ یعنی شیڈوز وغیرہ؟'' وہ حیران ہو گئے۔

''جی نہیں...... آپ کے پاس کام کرنے سے پہلے میں نے کبھی کاسمیٹک استعمال نہیں کی تھیں۔ ویسے بھی جس طبقے

سے میرا تعلق ہے وہاں چولہا جلانے اور ایک وقت ڈھنگ کا کھانا پکانے کے لیے پیسے نہیں ہوتے ہیں۔ چہ جائیکہ میں قیمتی سرخی پاؤڈر خریدتی پھروں اور یوں بھی ہمارے ہاں کنواری جوان لڑکیاں بناؤ سنگھار نہیں کرتی ہیں۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''تو پھر تم کل بازار جا کر ڈھنگ کا میک اپ خرید لانا۔ اور کسی بیوٹی پارلر جا کر انہیں استعمال کرنے کی تمیز بھی سیکھ لینا۔'' وہ طنز سے بولے تو زیب بھبھک اٹھی۔

''سر! آپ کو شاید یہ سن کر دکھ لگے گا کہ مجھے میک اپ کرنے کی خاصی تمیز ہے۔ میری ایک سہیلی کا پنڈی میں بیوٹی پارلر ہے اور میں اس کے ساتھ کام کرتی اور سیکھتی رہی ہوں اور میں نے بیوٹیشن اور کاسمیٹالوجسٹ کا ڈپلومہ بھی لیا ہے۔'' وہ رکھائی سے بولی تو وہ حیران رہ گئے۔

''اگر تم نے بیوٹیشن کی ٹریننگ لی ہے تو پھر اس قدر روکھا پھیکا حلیہ کیوں بنائے رکھتی ہو؟''

''جی...... مجھے منہ پر فاؤنڈیشن یا پاؤڈر تھوپنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں لیپا پوتی کے بغیر ہی اچھی خاصی لگتی ہوں ویسے بھی یہ چونچلے آپ امیروں اور گلیمر پر جان دینے والے مصنوعی لوگوں کو سجتے ہیں۔ ہونہہ...... کھانے جینے کو کچھ ملتا نہیں اور لوگوں کو رجھانے کے لیے منہ پر چونا تھوپ کر پھرو۔'' وہ جل کر کہتی ہوئی کار سے اتر آئی۔

پھر جب وہ اندر پہنچے تو ہال کی تیز لائٹ میں زیب کے دمکتے ہوئے چہرے کو شارق نے حیرت سے دیکھا اور وہ زیب کی بات کے قائل ہو گئے۔

واقعی...... دھلی دھلی شفاف آنکھیں غصے کی شدت سے سرخی مائل ہو کر بوجھل سی ہو رہی تھیں۔ اور اس کے چہرے کی جلد واقعی دمک ہی تو رہی تھی۔ شارق اسے پہلو میں لیے اپنی ریزرو ٹیبل تک پہنچے۔

''کیا کھاؤ گی تم؟'' وہ کرسی پر بیٹھ کر بولے۔

''جی...... میں کچھ نہیں کھاؤں گی مجھے خواہش نہیں ہے۔'' وہ رکھائی سے کپڑے سمیٹتی بیٹھتی ہوئی بولی۔

تب شارق نے اپنے لیے اپنا پسندیدہ ڈرنک اور سینڈوچ منگوا لیے اور زیب کے لیے جوس منگوا لیا۔ زیب اکتائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اس روز جب وہ عالیہ اور میجر خرم، شیری وغیرہ کے ساتھ آئی تھی تب تو ان کی پُر لطف کمپنی اور دلچسپ باتوں کی اور کچھ جھجک کی وجہ سے وہ اپنے اطراف سے بیگانہ رہی تھی۔ اور اپنے گرد بیٹھے لوگوں پر طائرانہ نظر ہی ڈالی تھی۔ مگر آج شارق کی بوریت سے بھرپور کمپنی کی وجہ سے وہ چاروں طرف بغور دیکھ رہی تھی۔

واقعی کسی بنی سجی سی پتلیوں جیسی خواتین وہاں موجود تھیں۔ ہر ناز و انداز میں دکھاوا تھا۔ ہنسی و قہقہے بھی مصنوعی تھے۔ زیب کے ہونٹ نفرت سے سکڑ رہے تھے۔

''ہیلو شارق! کب آئے ہیں آپ؟'' ایک پرکشش آواز نے زیب کو اوپر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر اس کی نگاہیں اس لڑکی کے خوبصورت معصوم سے چہرے پر ٹک گئیں۔ وہ بھی زیب کو غور سے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ تب وہ بولی۔

''ہیلو زیب! کیسی ہو تم؟'' بڑی اپنائیت سے اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھا۔

''بھئی مجھے تو تم سے ملنے کی بڑی خواہش تھی۔'' وہ نگاہوں میں پسندیدگی لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جی معاف کیجیے گا میں نے تو آپ کو پہچانا ہی نہیں۔ کون ہیں آپ؟'' زیب کو ایک اجنبی صورت حسینہ سے اس قدر بے تکلفی کی امید نہ تھی وہ حیران ہو کر سر اٹھائے تکنے لگی۔

''ہاں بھئی......تم واقعی مجھے نہیں جانتیں لیکن زیب! میں تم سے بہت اچھی طرح سے واقف ہوں۔ ویسے اصولی طور چاہیے تو یہ تھا کہ شارق صاحب ہمارا تعارف کرواتے ہمیں ایک دوسرے سے ملواتے۔ مگر خیر اچھا ہی ہوا جو انہوں نے بالکل کوشش نہیں کی۔ ورنہ تعارف کرواتے ہوئے بھی یہ سڑیل انسان ہمیں جلی کٹی ہی سناتے رہتے۔ ویسے میرا نام سارہ ہے اور میں یہاں کلب میں پرفارم کرتی ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ یہاں ڈانس وانس کرتی ہوں۔''

''ارے آپ...... آپ ہیں پرنسز سارہ! ارے نہیں؟ میں نہیں مان سکتی۔'' زیب اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر حیرت زدہ سی ہوگئی تھی۔

''ہاں...... میں ہی سارہ ہوں۔ یہ پرنسز کا خطاب تو میرے من چلے عاشقوں نے میرے نام کے ساتھ چسپاں کر دیا ہے۔'' وہ کچھ رنجیدگی سے مسکرائی۔

''ہاں...... اب رہی یہ بات کہ میں تمہیں کیسے جانتی ہوں تو وہ یوں کہ شارق سے برسوں کی شناسائی ہے دوستی ہے۔ اور ان کے ہی منہ سے بارہا آپ کا نام سنا ہے اکثر ذکر خیر رہتا ہے۔'' سارہ نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے وضاحت کی۔ مگر زیب نے باقی باتوں پر توجہ نہ دی اور پوچھا۔

''اللہ...... کیا آپ واقعی وہی پرنسز سارہ ہیں۔ جنہوں نے کچھ دن پہلے سنیک ڈانس (Snake Dance) اور مورناچ کیا تھا؟'' زیب تو سارہ جیسی حسین وجمیل مگر سادہ لباس میں ملبوس لڑکی کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں بھئی...... میں وہی مورناچ والی ہی ہوں۔ ہاں تم اس روز کچھ لوگوں کے ساتھ یہاں کلب آئی ہوئی تھیں نا؟ تب شارق نے مجھے آپ کے متعلق کافی کچھ بتایا تھا۔'' سارہ مسکرادی۔

''واقعی آپ تو بالکل بھی ڈانسر وغیرہ نہیں لگتی ہیں آپ تو اتنی سیدھی سادھی بھولی سی لگتی ہیں۔ وہ عام طور پر فلموں میں جس طرح سے ڈانسرز کا رول ہوتا ہے نا تو ذہن میں امیج سا بن جاتا ہے۔'' وہ معذرتی انداز میں ذرا صاف گوئی سے بولی۔ تو شارق نے دخل دیا۔

''ہاں...... صحیح کہا زیب نے کہ تم عورتیں بظاہر جو کچھ نظر آتی ہو حقیقت میں ویسی سیدھی بھولی نہیں ہوتیں۔ تمہارا ظاہر باطن سب ڈھونگ فریب ہوتا ہے تم فطرتاً مکار چالاک لومڑیاں ہوتی ہو۔ جو ہر لمحہ ہر لحظہ ہوا کی طرح رخ بدلتی رہتی ہو۔'' شارق کی بھنویں چڑھ گئی تھیں۔

''لو جی مل گیا ہے بہانہ انہیں بھی عورتوں کے خلاف بولنے کا۔'' سارہ نے ہونٹ سکیڑ کر شارق کو گھورا۔

''اے مسٹر...... عورت خور جانگلوس! آپ سے کسی نے آپ کی قیمتی رائے نہیں پوچھی ہے نا؟ آپ بس اپنی مکروہ بوتل تک ہی محدود رہیں تو بہتر ہوگا؟'' سارہ نے شارق کو اس بری طرح سے ڈانٹا تھا کہ زیب نے ڈر کر سارہ کا ہاتھ تھام لیا اور گھبرائی نظروں سے شارق کی طرف دیکھنے لگی کہ ابھی وہ سارہ پر برسیں گے ڈانٹیں گے مگر...... مگر شارق صرف بڑی زہریلی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے گلاس دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں گھما رہے تھے۔

''ارے کیا بات ہے زیب! یہ تم کیوں زرد ہوگئیں اور کانپ کیوں رہی ہو؟'' سارہ نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

''ہائے میں تو ڈر گئی تھی کہ ابھی مسٹر شارق! آپ سے لڑیں گے۔ مگر شکر ہے کہ ضبط ولحاظ سے کام لیا ہے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ ان کی آپ سے بڑی دوستی ہے۔'' زیب نے سرگوشیاں کیں تو سارہ ہنس دی۔

''ہاں کچھ کچھ دوستی ہے تو سہی ان کے ساتھ۔ دراصل میں اس عورت بیزار کی عادتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ تبھی اس کی بک بک کو خاطر میں نہیں لاتی۔'' وہ شارق کو چھیڑنے والے انداز میں بھنویں اٹھا کر دیکھتی ہوئی بولی۔

تبھی اچانک ہی شارق نے گلاس زور سے میز پر دے مارا۔ تو دونوں لڑکیوں نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ مگر شارق تو عجیب سے تاثرات چہرے پر سجائے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔ پیشانی کی رگیں ابھرنے لگی تھیں۔

''میں...... میں اب تو اسے زندہ ہی نہیں چھوڑوں گا۔ آج تو اسے قتل کر دوں گا۔'' انہوں نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں اور وہ غصے سے کپکپاتے ہوئے کسی کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''ہائے کیا ہو گیا ہے شارق! یہ تم کسے قتل کر رہے ہو؟'' سارہ نے گھبرا کر اس کا کندھا ہلایا۔ مگر وہ تو دانت کچکچا رہے تھے۔ سارہ نے بھی مڑ کر دیکھا۔ سامنے ہی بیٹا اور مسز نیازی کے ساتھ بڑی ماڈرن سی نازیہ یعنی شارق رضا کی پہلی بیوی کو دیکھ کر وہ بھی ششدر رہ گئی۔ اس کا دل دھڑک اٹھا شارق کے یوں بپھرنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔

''اوہو...... یہ سالہا سال ملک سے باہر رہنے کے بعد یہ کمبخت بدکردار عورت کہاں سے واپس آ ٹپکی ہے۔ پلیز اٹھ جاؤ شارق! چلتے ہیں یہاں سے۔ آؤ زیب چلو۔'' وہ بہت گھبرا گئی تھی۔

سارہ نے میز پر سے اپنا پرس اٹھایا اور شارق کا بازو تھام کر کھینچا۔ وہ جانتی تھی کہ آج قیامت ضرور آ جائے گی۔ قتل و غارت پر شارق کمر بستہ تھا ہی۔ تو بہتری اسی میں تھی کہ وہ شارق کو لے کر وہاں سے ٹل جاتی۔ مگر شارق نے جھٹکے سے بازو چھڑا لیا۔

''نہیں سارہ! اب تو میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ میرے دل میں تو برسوں سے آگ لگی ہے اور آج میں اس آگ کو بجھا کر دم لوں گا۔ ارے میں تو ایک مدت سے اس موقع کی تلاش میں تھا۔ اور آج اس چڑیل کے خون سے ہاتھ رنگ کر میری روح کو تسکین ملے گی۔''

شارق نے خونخوار انداز میں کہتے ہوئے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکال لیا۔

''نہیں شارق! نہیں۔'' بے اختیار سارہ کی چیخ نکل گئی اور زیب نے بھی خوفزدہ ہو کر ان کا ریوالور والا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''خدارا عقل کرو۔ بیوقوف مت بنو شارق! یہ انتقام لینے کا بھلا کون سا طریقہ ہے۔ اس طرح اس بدبخت نازیہ کو گولی مار کر تو تم اسے اس کی مصیبتوں سے نجات دلا دو گے۔ ارے وہ تو خود آج کل زندگی سے تنگ آئی ہوئی ہے۔ جانتے ہو آج کل اس کی اپنے شوہر حامد سے ان بن ہے۔ وہ بدنصیب حامد اس قدر تباہ و برباد ہو چکا ہے کہ اسے اپنی مل بھی بیچنی پڑ رہی ہے۔ مسز نیازی بتا رہی تھی کہ ابھی امریکہ سے واپس آ کر نازیہ اور حامد کی بڑی شدید جنگ ہوئی ہے۔ بلکہ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی تھی۔ تب نازیہ نے روتے ہوئے کہا کہ وہ تمہیں چھوڑ کر بہت پچھتا رہی ہے اور آج بھی اگر تم اشارہ کرو تو وہ واپس تمہارے پاس آ جائے گی۔

یہ سن کر حامد نے اس کی پٹائی کر دی۔ شارق...... شارق مجھے یہ سب باتیں کل مسز نیازی نے بتائی ہیں۔ پلیز شارق! اگر تم اس ذلیل عورت سے انتقام ہی لینا چاہتے ہو تو اس طرح لو...... کہ وہ مرنے کی آرزو کرے اور مر نہ سکے۔

سسکتی رہ جائے یا جینا چاہے تو جی نہ سکے۔ شارق! خدارا عقل استعمال کرو۔ تم یہ سوچو اگر تم نازیہ کو قتل کردو گے تو خود تمہارا کیا انجام ہوگا؟

تم ایک گھٹیا بیکار عورت کے لیے پھانسی یا عمر قید بھگتو گے؟ تب تمہاری امی اور صائمہ کیسے یہ صدمہ برداشت کریں گی؟ کیا بے موت مارنا چاہتے ہو انہیں؟'' سارہ نے زبردستی ریوالور چھین لیا اور پھر اپنے پرس میں ڈال کر بولیں۔ تو شارق نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا اور گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ وہ اب غور سے سارہ کی باتیں سن رہے تھے اور ضبط کی کوشش میں اپنے ہاتھ مل رہے تھے۔

''تو پھر......تو پھر میں کیا کروں صبا! میں اس منحوس عورت کی شکل دیکھنا بھی برداشت نہیں کرسکتا۔''

''نہیں شارق! پھر یہ تو تمہاری حماقت اور بزدلی ہوگی۔ کیا تم نازیہ پر اپنی کمزوری ظاہر کرنا چاہتے ہو؟ کہ ابھی تک تم اس منحوس عورت کو بھلا نہیں سکے ہو؟ ارے وہ تو بہت خوش ہوگی خوب تمہارا مذاق اڑائے گی۔ خدارا ذرا خوددار بنو اور بھرم رکھنے کے لیے ہی نازیہ پر یہ ظاہر کیوں نہیں کردیتے کہ تمہیں اس عورت کی بالکل پرواہ نہیں ہے۔ دیکھنا تمہارا رسپونس دیکھ کر تمہیں ٹھنڈ پڑ جائے گی۔

پلیز شارق! تم اس کا سامنا کرنے سے گھبراؤ مت بلکہ اگر وہ تم سے ملنا بات کرنا بھی چاہے تو تم ہنستے قہقہے لگاتے ہوئے لاپرواہی سے ملنا۔ یوں اسے تم خوب جلاؤ تڑپاؤ۔ مگر جان سے مار دینے کا خیال چھوڑ دو۔ خدارا میری بات آزماؤ تو۔'' سارہ منتیں کررہی تھی۔

''شارق......ہیلو ڈیئر! کیسے ہو؟'' ٹینا اپنے مخصوص انداز میں کہتی ہوئی ان کے پاس چلی آئی تھی۔

''بھئی میں آپ لوگوں سے اپنی ایک پرانی سہیلی کو ملوانے لائی ہوں۔ یہ حال ہی میں امریکہ سے واپس آئی ہیں۔ تو ان سے ملیے یہ ہیں مسز، یہ نازیہ حامد، ہمارے ملک کے بہت بڑے بزنس مین کی بیوی۔''

بے خبری ٹینا نے شارق کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تعارف کروایا اور گویا بارود کو آگ دکھادی تھی۔

''اور نازیہ...... یہ ہیں میرے عزیز قریبی دوست آئرن کنگ (Iron King) شارق رضا۔'' نازیہ جو برسوں بعد شارق کا سامنا ہونے پر اسے پہچاننے کے عمل سے گزر رہی تھی اور بڑے انداز سے مسکارا اور شیڈو سے بوجھل پلکیں پٹپٹاتے ہوئے اسے جانچنے میں مصروف تھی اس کا چہرہ یکایک زرد پڑ گیا۔

''یہ......شا......شارق......رضا ہیں؟'' وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں گھورنے لگی۔

وہ تو......وہ تو بے حد بدل چکا تھا۔

''کیا......کیا یہ واقعی شارق ہیں؟'' وہ بے یقینی سے کھوئے کھوئے انداز میں ان کے بدلے روپ اور دلکش سراپے پر نظر ڈال کر بولی۔

''کیوں بھئی...... بیگم حامد! آپ کو میرے ہونے کا یقین کیوں نہیں آرہا؟'' شارق بالوں میں ہاتھ پھیر کر مسکرائے۔

''لگتا ہے کہ چند سالوں میں نہ صرف آپ کی یادداشت کمزور ہوگئی ہے۔ بلکہ آنکھیں بھی خاصی کمزور ہوگئی ہیں۔ عینک لگوائیں۔'' خوبرو سے شارق کے چہرے پر مزید سرخیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ نہ جانے دل میں ابلتے طوفانوں کو

کیسے دبائے تھے۔

ورنہ ان کے ہاتھ تو نازیہ کی گردن مروڑنے کے لیے بے قرار ہو رہے تھے۔ مگر سارہ اور زیب کی التجائیں کام کر گئی تھیں۔ ”بھئی دراصل قصور نازیہ کا نہیں ہے شارق رضا! جب یہ تمہیں چھوڑ کر حامد کے ساتھ چلی گئی تھی تو تب تو تم کافی دبلے پتلے سے چھوکرے ایک کالج اسٹوڈنٹ کی طرح سے لگتے تھے۔ مگر اب ان چھ سات سالوں میں تمہارا جسم بہت بھر گیا ہے کسرتی سا ہو گیا ہے اور چہرے پر بھی بوٹی چڑھ گئی ہے۔ تم ایک دم سے ہی بہت ہینڈسم ہو گئے ہو۔ بردبار باوقار سے۔“ بیگم نیازی نے ہنستے ہوئے اپنا تجزیہ پیش کیا تو ان کی گہری راز دار سہیلی نازیہ کا چہرہ زرد ہو گیا۔ وہ تو حامد سے شادی کرنے کے بعد آج پہلی بار شارق کا سامنا کر رہی تھی نا۔

”ارے ان سب باتوں کا مطلب کیا ہے میں کچھ سمجھی نہیں ہوں؟ بتاؤ نا۔ نازیہ! یہ کیا معاملہ ہے؟ کیا آپ سب لوگ پہلے ہی سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟“ ٹینا نے حیران ہو کر سب کے چہرے تکے تو شارق زور سے ہنسے۔

”ہاں ٹینا ڈیئر! یہ جو تم میرا جن محترمہ سے تعارف کروا رہی ہو نا یہ...... میری پہلی بیگم صاحبہ تھیں۔ اور پھر انہوں نے حامد یعنی میرے بہنوئی پر نظر کرم کی اور میری بہن صائمہ کو طلاق دلوا کر ان سے بیاہ رچا لیا۔ ہے نا اچھا لطیفہ؟“ شارق طنزیہ اور زہریلے انداز میں نازیہ کو دیکھ کر سگار سلگاتے ہوئے بولے تو ایک دم خاموشی پھیل گئی سب دنگ رہ گئے تھے۔

”ہائے نہیں...... او مائی گوڈ......“ ٹینا جیسے ہوش میں آ کر چیخی۔ ”اللہ...... توبہ کس قدر معیوب بات تھی یہ تو۔“

”ہائے مسز نیازی یہ تو شارق نے عجیب حیرت انگیز انکشاف کیا ہے؟“ ٹینا مسلسل نازیہ اور شارق کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی اور یہی کیفیت زیب کی بھی تھی۔ اچھا تو یہ ہیں نازیہ، شارق صاحب کی پہلی بیگم؟ زیب نے سوچا۔

”خیر یہ جو بھید کھلنے تھے وہ تو کھل چکے تھے اب باقی لوگوں سے تو تعارف کرواؤں۔“ ٹینا نے سنبھلتے ہوئے بات بدلی۔

”ہاں...... تو نازیہ یہ ہیں پرنسز سارہ ہماری بڑی اچھی فنکارہ اسٹیج کی دنیا کی ایک نامی گرامی فنکارہ۔ اور یہ ہیں...... یہ...... یہ......“ ٹینا زیب کے پاس رک گئی اور اسے غور سے دیکھنے لگی۔

”بھئی آپ کی شکل تو خاصی جانی پہچانی سی ہے۔ ویسے یہ کچھ یاد نہیں آ رہا ہے کہ آپ کو کب اور کہاں دیکھا۔ ملاقات کب ہوئی؟“ ٹینا، زیب کو کھوجتی نظروں سے دیکھ کر بولی اور زیب بھی دماغ پر زور ڈال رہی تھی۔

”ٹھہریئے ٹینا! میں ان کا تعارف کرواتا ہوں۔ ان سے ملیے یہ ہیں میری...... میری؟“ شارق ایک دم رک گئے۔ پھر ان کی آنکھوں میں بے پناہ چمک اور چہرے پر بشاشت دوڑ گئی۔ انہوں نے نازیہ پر گہری نظر ڈال کر پھر زیب کو جانچا۔

جو ماڈرن گلیمرس لباس و میک اپ کے باوجود مرجھائی ہوئی کلی لگ رہی تھی۔ جبکہ سادہ مگر دیدہ زیب ڈیزائن کے بنے کپڑوں میں زیب تر و تازہ گلاب کی مانند کھلی ہوئی لگ رہی تھی اور بڑے پُرتجسس انداز میں نازیہ کو دیکھ رہی تھی۔

”اچھا تو یہ ہے سارے فساد کی جڑ؟“

شارق یکایک آگے بڑھے اور انہوں نے زیب کے کندھوں کے گرد بازو ڈال کر اپنے پہلو سے لگا لیا۔ تو مس ٹینا

اینڈ مسز نیازی اس لڑکی سے ملیے یہ ہیں میری محبت میری منگیتر زیب رحمان!'' انہوں نے گویا بم کا دھماکہ کر دیا تو سب حیران ہو کر انہیں تکنے لگے اور خود زیب اور سارہ بھی بھونچکی رہ گئی تھیں۔اس سے پہلے کہ زیب کچھ بولتی شارق نے اس کا کاندھا دبایا۔

''غور سے سن لو زیب! اگر تم نے اس وقت کوئی بکواس کی یا میری بات کو جھٹلانے کی غلطی کی تو خدا کی قسم میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔'' انہوں نے دھمکی دی تو ششدر سی زیب ہونٹ دبا کر رہ گئی۔''واقعی مار ہی ڈالے گا کمبخت۔''

پھر ٹینا اور نازیہ کے چہروں سے تو ایسا ظاہر ہوتا تھا جیسے کہ انہیں گہرا صدمہ زبردست سا شاک پہنچا ہو۔وہ مایوسی و حیرانی کے عالم میں شارق کا منہ تک رہی تھیں۔

''اچھا......اچھا تو یہ تمہاری منگیتر ہیں؟'' ٹینا نے خالی خالی نظروں سے دیکھا۔

''تو کب ہوئی منگنی اور کون ہیں یہ؟'' کھوجی طبیعت کی مالک مسز نیازی زیب کو سر سے پاؤں تک دیکھ کر بولیں اور دل ہی دل میں زیب کے سادہ حُسن کی داد دی۔

''مسز نیازی! ہماری منگنی ہوئے تو بہت دن ہو چکے ہیں اور اب رہی یہ بات کہ میری منگیتر کون ہیں۔تو ظاہر ہے کہ لڑکی ہے اور سب سے بڑی اور اہم بات تو یہ ہے کہ یہ میری منگیتر ہے۔کیوں کیا آپ کو یقین نہیں ہے کہ میں منگنی کر سکتا ہوں؟'' شارق نے کرختگی و تلخی سے پوچھا۔

''زیب جان! تم بیٹھ کیوں نہیں جاتیں اور......اور......آپ لوگ بھی تشریف رکھیں نا۔'' سارہ جلدی سے زیب کا یخ ٹھنڈا ہاتھ تھامتی ہوئی بولی۔اس نے محسوس کر لیا تھا کہ بدحواس اور ہراساں سی زیب ایک لمحہ بھی اور کھڑی رہی تو وہ بیہوش ہو کر گر جائے گی۔

''واہ......شارق صاحب! یوں لگتا ہے کہ آپ کی منگیتر بڑی کم گو اور شرمیلی سی ہیں تبھی ہم سے بات نہیں کر رہیں؟'' ٹینا نے طنز کیا تو شارق نے اسے حقارت سے دیکھا۔

''ہاں......زیب بہت کم گو اور باحیا شرمیلی لڑکی ہے اور ان کی یہی خوبی تو میرے من کو بھائی ہے۔ان کی اسی عادت پر تو فدا ہوئے تھے ہم۔تبھی جی وجان سے مسلسل ان کے گھر کی دہلیز گھسانے کے بعد تو انہیں پایا اور اپنایا ہے۔'' وہ پیار سے زیب کا ہاتھ تھام کر بولے۔

''ویسے بھی مس ٹینا! مجھے تو پہلے بھی ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا یعنی ایک منہ زور اور بے باک باتونی لڑکی سے شادی کرنے کا۔'' شارق نے سیدھے پہلو بدلتی نازیہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''اور ٹینا! میری ایک بات پلو......میرا مطلب ہے کہ اگر کبھی اتفاقاً دوپٹہ اوڑھ لو تو اس کے پلو میں یہ بات باندھ لینا کہ مرد چاہے کتنا بھی خود کو آزاد بے باک اور ماڈرن ظاہر کرے بے شک وہ راتیں اور شراب خانوں، کوٹھوں پر گزارے۔مگر وہ اندر سے بہت کم ہی بدلتا ہے اس کا ذہن اتنا دقیانوسی اور دل چند معاملات میں بہت تنگ ہی رہتا ہے۔ بالخصوص اپنی عورت کے معاملے میں تو وہ شدتوں سے تنگ دل اور شکی ہو جاتا ہے۔

لاکھ وہ خود کو لاابالی اور آزاد خیال ظاہر کرتا ہو بے شک وہ برسوں تک یورپ و امریکہ کی آزاد فضاؤں میں جما پلا ہو۔مگر اس کی یہی آرزو رہتی ہے کہ شریک سفر ایسی ملے جو شرم وحیا والی ہو۔جسے غیر مرد کے ہاتھوں نے تو کیا۔سائے

نے بھی نہ چھوا ہو۔ جسے باہر کی ہوا تک نہ لگی ہو۔ اور یہ سب سے بڑی بات کہ اسے رشتوں کا احترام ہو۔

شارق نے زیب کا میز پر دھرا لرزتا ہاتھ تھامتے ہوئے پرزور مگر معنی خیز انداز میں کہا۔ تو نازیہ اور ٹینا کے چہرے زرد سے ہو گئے۔ شارق کے چہرے پر فتح مندی کے سائے تھے پھر وہ بولے۔

''ہاں بیگم حامد! میں نے سنا ہے کہ آپ کے صاحب بہادر حامد کو کاروبار میں بہت نقصان ہوا ہے؟''

''جی...... جی ہاں...... خاصہ لاس (Loss) ہوا ہے۔'' نازیہ سنبھلتی ہوئی بولی۔

''ویسے بڑے بزرگوں کے منہ سے اکثر سنا کرتے تھے کہ شوہر کی قسمت بنانے بگاڑنے میں بیوی کے مقدر کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے۔ وہ کہتی تھیں کہ چند عورتیں بہت سبز قدم یا منحوس ہوتی ہیں۔ اچھے بھلے بھاگوان مرد بھی شادی کرنے کے بعد ایک دم اجل ونحوست کا شکار ہو کر دو کوڑی کے رہ جاتے ہیں۔ اور وہ کمبخت آپ کا دوسرا شوہر حامد بھی تو آپ سے شادی کرنے سے پہلے مالی طور پر کافی مضبوط تھا بلکہ مجھ سے کہیں زیادہ مالدار تھا۔ تو لگتا یہی ہے کہ آپ کے اور حامد سیٹھ کے ستارے ٹکرا گئے ہیں کچھ بات جمی نہیں۔

جبکہ میرے لیے تو زیب کا نام اس کا ساتھ بڑا ہی مبارک ثابت ہوا ہے کہ جیسے ہی میں ان سے منسوب ہوا تو مجھے کروڑوں کا فائدہ ہوا۔ میرے کاروبار میں ایک دم ترقی ہوئی ہے۔ اور پانچ ملیں تو پہلے ہیں۔ پھر اب کل ہی میں نے ایک نئی مل خرید لی ہے۔

غرضیکہ...... ہر طرف سے خوشحالی اور خوش بختی نے میرے قدموں کو چوما ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف اور صرف میری زیب کے قدموں نصیبوں کی برکت سے ہے۔'' شارق بشاش انداز سے بولے۔

''اتنے پڑھے لکھے سے شارق رضا نے اپنی من کی جلن ختم کرنے کے لیے خالص زنانی انداز کی گفتگو کو مردانے انداز میں کرتے ہوئے کہا اور نازیہ کا رنگ واقعی زرد پڑتا جا رہا تھا۔ پھر اس کی گہری سہیلی مسز نیازی بھی بول اٹھیں۔

''اے ہاں واقعی نازیہ! واقعی کچھ عورتوں کا قدم بہت بھاری ہوتا ہے شوہروں کے لیے۔ جب ان کے ستارے نہیں ملتے تو پھر بس نقصان پر نقصان ہوتا رہتا ہے۔ ہائے واقعی بیچارے حامد نے مل بیچ تو دی ہے نا؟''

''جی ہاں...... ہمیں مجبوراً اپنی مل بیچنی پڑی ہے۔ پتہ نہیں کس نے خریدی ہوگی؟'' وہ مریل سی آواز میں بولی۔

''لو جناب! اس شہر میں ہمارے ہوتے ہوئے اور دوسرا تاجر کوئی کیسے یہ جرأت و ہمت کر سکتا ہے بھلا کہ اربوں کا پروجیکٹ منٹوں میں خریدے۔ یہ جرأت تو صرف آپ کے اس پرانے خادم میں ہے۔ اور ہم ہی نے یہ گستاخی کی ہے۔'' شارق سینے پر دونوں ہاتھ باندھے کچھ جھکے۔

''اوہو...... آپ...... آپ نے خریدی ہے ہماری مل؟'' اب تو گویا نازیہ کے وجود سے جان نکل گئی ضرب کاری تھی نا۔

''آف کورس......'' شارق کی نظریں اس کے وجود میں گھسنے لگی تھیں۔ وہ نازیہ کے چہرے پر اس انکشاف کے بعد جیسے تاثرات دیکھنے کے متمنی تھے۔ اس سے کہیں زیادہ درد دکھ و حیرت کی چھاپ دیکھ کر بہت خوش ہو گئے تھے۔ مگر زیب کے لیے یہ سب اب ناقابل برداشت ہو چلا تھا۔ اس نے گہرا سانس لے کر ہاتھ چھڑایا۔

''کیوں...... کیا بات ہے زیب ڈارلنگ! کچھ پینا پسند کریں گی آپ؟'' شارق نے محبت بھرے انداز میں پوچھا۔

''جی نہیں......'' وہ سر جھکا کر بولی اتنے سارے لوگوں کی چبھتی کھوجتی نظروں کا مرکز بن کر وہ گھبرائے جارہی تھی۔
پھر شارق کا اس قدر بے باکانہ انداز...... بے حجاب انداز تخاطب...... سبھی حیران کن تھا۔
''چلو پھر ڈانس کرتے ہیں بیٹھے بیٹھے تھکاوٹ ہونے لگی ہے؟ اوکے فرینڈز اینڈ۔''
پھر شارق اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر فلور پر گھسیٹ لے گئے تھے اور زیب وہ تو گویا نیم بیہوش سی تھی۔
''شارق! خدا کے واسطے کیا کر رہے ہیں آپ...... مجھے ناچنا واچنا نہیں آتا ہے۔'' وہ ہراساں ہو کر بولی۔
''پلیز...... پلیز زیب! اس وقت میری لاج رکھ لو میری عزت کا سوال ہے۔ دیکھو یہی نازیہ میری دشمن میری مجرم ہے اور اسی نے میری غیرت کو پاؤں تلے روندا ہے اور میں اسے کڑی سزا دینا چاہتا ہوں اور تمہیں میری مدد کرنی پڑے گی۔'' شارق نے منت کی۔
''نہیں شارق صاحب! آپ پہلے ہی بڑی زیادتی کر چکے ہیں آپ نے غلط بیانی کی۔ اب پلیز مجھے مزید تماشہ مت بنائیں۔ آپ کا یہ مذاق میرے مستقبل کو نہ صرف برباد کر دے گا بلکہ میری بدنامی اور تباہی کا سبب بھی بن جائے۔''
زیب کی آواز بھرا گئی تو شارق کا دل گداز ہو گیا انہوں نے بڑی نرمی و محبت سے زیب کو سینے سے قریب کر لیا اور میوزک کے ساتھ قدم اٹھانے لگے۔ ہال میں لائٹ بہت ہی کم تھی۔ ماحول بہت رومانی سا تھا۔ زیادہ تر جوڑے مرد بالخصوص شراب کی مستی میں محو رقص تھے۔ پھر ایسے میں زیب کے غلط اسٹیپ اور حرکات کو کون دیکھتا؟
''پلیز...... پلیز زیب! میری جان تم ڈرو تو نہیں۔ خدارا چپ ہو جاؤ نا۔'' شارق نے پیار سے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے منت کی تو زیب نے ہونٹ کاٹتے ہوئے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ پھر جب تک وہ رقص سے فارغ ہوئے شارق کی منگنی اور منگیتر کی وہاں ہوٹل میں موجودگی کی خبر دوست احباب سبھی واقف کاروں کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔ سب ہی وہیں جمع ہو گئے تھے اور دونوں کو غور سے دیکھتے ہوئے تبصرے کر رہے تھے۔ سبھی مردوں کو زیب تو بے حد پسند آئی تھی۔ اور وہ شارق کی قسمت پر رشک کر رہے تھے۔
''مبارک ہو شارق! واہ یار تم تو قسمت کے دھنی اور چھپے رستم نکلے۔ تم نے تو دنیا کی حسین ترین لڑکی سے منگنی رچا لی اور ہمیں ہوا تک نہ لگنے دی۔'' ان دونوں کے لوٹتے ہی مسز نیازی نے زیب کو توصیفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے نعرہ لگایا۔ اور بھی دوست احباب ان کی ٹیبل کو گھیرے ہی رہتے تھے اور اب سب نے شارق اور زیب کو گھیر لیا۔ زیب تو گھبرا کر شارق کے پہلو سے لگ گئی شرم و ندامت سے اس کی نگاہیں جھکی جا رہی تھیں۔
شارق نے مسکراتے ہوئے سب دوستوں کا شکریہ ادا کیا۔ وہ زیب کے کاندھے کے گرد بازو ڈالے اسے سہارا دیئے کھڑے تھے۔ سارہ نے بھی دوسرے پہلو کی طرف آ کر زیب کو تھام لیا۔ وہ بیچاری کی حالت کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔ ادھر شارق کے سر پر سب سوار تھے۔
''جی نہیں شارق صاحب! خالی خولی شکریے سے کچھ کام نہیں بنے گا۔ ہمیں تو پارٹی ملنی چاہیے گرینڈ پارٹی؟ بھئی نیازی یار! مجھے کب انکار ہے آپ جب حکم کریں گے ہم پارٹی دینے کے لیے تیار ہوں گے؟'' شارق بھی کھلکھلا کر ہنستے ہوئے اس قدر اچھے لگ رہے تھے۔
''تو پھر ہمیں کل ہی پارٹی چاہیے مائی ڈیئر شارق۔'' کرنل فاروقی بولے۔

''نہیں......نہیں...... فاروقی! آپ کل پارٹی نہیں دیں گے کیونکہ کل تو میں پارٹی دے رہی ہوں اور آپ سب دوست انوائیڈ ہیں۔ آخر شارق صاحب کی خوشی ہماری خوشی ہے۔ اور میں یہ پارٹی ان کی منگیتر اور ان کے اعزاز میں دے رہی ہوں۔'' ٹینا نے ایک فراخ دل اور حقیقت پسند انسان کی طرح سے سچائی کو تسلیم کرلیا تھا۔ وہ شارق کے چھن جانے کے صدمے سے جلدی سنبھل کر خوشدلی سے مسکرادی تھی۔

''ہر...... ہراٹ از دی اسپرٹ۔'' سبھی دوستوں نے تالیاں بجائیں۔ شارق کے ساتھ ٹینا کی دلی وابستگی کا تو سب کلب ممبران کو علم ہی تھا اور خود وہ نڈر لڑکی اپنے جذبے کب چھپاتی تھی۔ خود شارق بھی ٹینا کو دیکھ کر چپ ہو رہے تھے۔

''یار شارق! یہ بتاؤ تم نے یہ خوبصورت لڑکی کہاں سے ڈھونڈ نکالی ہے۔ یار ہمیں تو در در کی خاک چھاننے کے بعد بھی کچھ نہیں ملا ہے۔'' کنوارے کرنل فاروقی، زیب کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھ کر بولے۔

''بھابھی آپ ہمارے لیے بھی کوئی خوبصورت سی لڑکی ڈھونڈ دیجیے نا تاکہ ہم بھی اپنی قسم توڑ کر دو بول پڑھوا لیں۔'' زیب مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ مگر آنسو تھے کہ امنڈے چلے آ رہے تھے۔

''اچھا دوستو! ہمیں اب اجازت دیجیے ہم لوگ ڈنر پر کرنل سلیم رضا کے ہاں انوائیڈ ہیں۔'' شارق، زیب کی پریشانی محسوس کر چکے تھے اور اس سے پہلے کہ زیب کنفیوز ہو کر یا گھبرا کر اس پورے ڈرامے کا بھانڈا پھوڑتی یا تردید کرتی۔ شارق وہاں سے کھسک جانا چاہتے تھے۔

''واہ شارق! آپ پارٹی کا پروگرام بنائے بغیر ہی کھسک جانا چاہتے ہیں؟'' ٹینا اٹھلا کر بولی اور راستہ روک لیا۔

''تو یہ کیجیے صاحب! میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ میں انہیں اپنی پسند اپنی محبت کو حاصل کرلوں۔ کتنے ہی سال ہو گئے تھے مجھے ان کے در پر پیشانی رگڑتے ہوئے اور خدا خدا کر کے تو مجھے میری دعاؤں کا پھل ملا ہے۔'' وہ زیب کے کندھے تھپتھپا کر پہلو سے لگا کر بولے پھر فراخدلی سے بولے۔

''تو ڈیئر فرینڈ ٹینا! اگر آپ کہیں تو میں تو روزانہ ہی آپ کو دوستوں کو پارٹی دوں۔ آپ تو میری خوشی کا اندازہ ہی نہیں کرسکتی ہیں۔'' شارق تمام تر چاہت آنکھوں میں سمیٹے زیب کو دیکھ کر بولے۔ تو شرم وحیاء کی لالی نے زیب کے حسین ملیح چہرے کو بہت سی روشنیاں بخش دیں۔

''واہ ایمان سے رئیل بلش؟ واقعی میں نے ان کے چہرے پر حیا کی شرم کی سرخیاں پھیلی ہوئی دیکھی ہیں۔'' بےباک مغرب زدہ عورتوں میں ہمہ وقت گھرے رہنے والے فاروقی کے لیے تو یہ شرم یہ گلابیاں بہت حیران کن تھیں نا۔ تبھی وہ چیخ اٹھے تھے۔

''واہ بھئی...... اس بےباک زمانے میں ایک نوخیز لڑکی حجاب کرے شرمائے۔ تو حیرت ہوتی ہے۔ ورنہ اب تو لوگ صرف کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ کوئی چیز حیا کی لالی ہوتی ہے۔ اور ہمیں بھی عرصہ بعد دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ خود ہماری بیگم تو اس صفت سے ہمیشہ کی خالی ہیں۔'' مسٹر نیازی ہنس کر بولے تو نازیہ اور مسز نیازی دونوں جھنجھلا کر کھڑی ہو گئیں۔

وہ یہ کب تک برداشت کرتیں کہ سبھی مرد انہیں چھوڑ کر زیب کو گھیرے رہتے۔ وہ تو ہمیشہ سے نظروں کا مرکز بننے

کے لیے نئے انداز آزمایا کرتی تھیں۔
''ذرا سنیے مسز نازیہ حامد! آپ بھی پرسوں میری پارٹی پر ضرور آئیے گا۔'' شارق اسے جاتے دیکھ کر زور سے بولے۔
پھر شارق بمشکل سبھی ساتھیوں سے جان چھڑوا کر کلب سے نکلے۔ زیب اور سارہ ان کے ساتھ تھیں اور ٹینا انہیں حسرت آمیز نظروں سے تکتی ہوئی مسٹر نیازی کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ رہی کہ ان سے معلومات مل سکتی تھیں۔
''مسٹر نیازی! مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا ہے تو کیا واقعی شارق کی شادی نازیہ سے ہوئی تھی؟''
''ہاں ٹینا! لیکن ان دنوں اپنا یار شارق بہت کم عمر تھا اور پھر کروڑ پتی نہیں تھا ہاں...... لاکھوں پتی ضرور تھا۔ اور ابھی اسے باپ اور نانا کی وراثت اور جائیداد کا حصہ نہیں ملا تھا۔ مگر ٹینا، شارق بہت زندہ دل اور جان محفل قسم کا لڑکا تھا۔ مگر نازیہ کمبخت شروع کی لالچی چھچھوری سی تھی اس نے شارق کی تمام خوبیوں کو نظر انداز کر کے اس کو دولت کے ترازو میں تولا اور پھر اس سے طلاق لے کر حامد سیٹھ سے شادی رچالی۔ یعنی یہ بیہودہ کم ظرف عورت شارق کے امیر بہنوئی حامد کو پھنسا کر اس کے ساتھ بھاگ گئی تھی اور شارق کی بہن صائمہ کو طلاق دلوادی۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اب حامد سے بھی ان بن ہے اور یہ صاحبہ واپس شارق سے ٹوٹا ناطہ جوڑنا چاہتی ہیں۔ کیونکہ اب وہ کروڑوں نہیں اربوں پتی ہو گیا ہے۔'' نیازی بڑے طنز سے بولے۔
''ہائے توبہ...... یہ نازیہ کیسی بدنصیب عورت ہے کہ شارق جیسے ہیرے کو ہاتھوں سے گنوا دیا ہے۔ اے کاش مجھ سے میری ساری دولت لے کر کوئی مجھے صرف شارق دے دیتا۔ تو میں یہ سودا مہنگا نہ سمجھتی۔'' ٹینا بڑی حسرت وصاف گوئی سے بولی۔
یک طرفہ محبتیں سوائے غم و دکھ میں اضافے کے اور کچھ نہیں دیتی ہیں میرے دل میں بھی شارق کی محبت کا پودا پنپنے لگا تھا۔ مگر میں کم ظرف نہیں ہوں اور نہ ہی اڑیل ہوں کہ اپنی انا کی خاطر سچائی کو جھٹلا دوں۔

یہ نہیں کہ میرا دل ہی میرے بس میں نہ تھا
جو تو ملا تو میں خود اپنے دسترس میں نہ تھا
عجیب سحر کا عالم تھا اس کی قربت میں
وہ میرے پاس تھا اور میرے دسترس میں نہ تھا

ٹینا نے مسکراتے ہوئے قطعہ پڑھا۔ پھر وہ کھڑی ہو کر سب دوستوں سے کل شام پارٹی میں آنے کے لیے وعدہ لینے لگی۔

○●○

شارق...... سارہ اور زیب کے ہمراہ باہر نکلے تو سارہ اپنی کار کے پاس رک گئی اور استفسار کیا۔ ''سنو شارق! تمہاری گاڑی میرے پاس ہے وہ تمہیں کیسے بھجواؤں؟'' سارہ نے پوچھا۔
''میں کل صبح ڈرائیور کو بھیج کر منگوا لوں گا۔'' وہ زیب کے ساتھ کار میں بیٹھتے ہوئے بولے۔
''شارق پلیز تم دونوں میرے گھر کیوں نہیں چلے چلتے ہو میں نے تو زیب سے بہت سی باتیں کرنا تھیں۔'' وہ منت

سے بولی۔

''نہیں پرنسز سارہ! میں اب فوراً گھر جانا چاہتی ہوں میری طبیعت اچھی نہیں ہے۔'' زیب بھرائی ہوئی آواز میں انکار کرتی ہوئی بولی پھر آنسو چھپانے کے لیے منہ پھیر لیا۔

تب سارہ نے معنی خیز نظروں سے شارق کی طرف دیکھا۔ تو انہوں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے گاڑی چلا دی۔

''زیب! کیوں رو رہی ہیں آپ؟'' شارق نرمی سے بولے۔

''کمال ہے شارق صاحب! میں ابھی روؤں گی نہیں تو کیا ہنسوں گی اس سچویشن پر؟ کیا تماشہ بنا دیا ہے آپ نے میرا۔ اُف...... آپ اس قدر خود پسند ہیں کہ آپ کو صرف اپنی عزت و بھلائی کی فکر رہتی ہے۔ آپ ہمیشہ چوکنے رہتے ہیں کہ کوئی آپ کی بےعزتی نہ کر دے۔ کوئی مذاق نہ اڑائے۔ آپ کسی اور کی اچھائی تو سوچ ہی نہیں سکتے۔ اتنے بے حس اور خود غرض انسان ہیں آپ؟'' وہ ابل پھٹ پڑی۔

''آج کلب میں آپ نے سب لوگوں کے سامنے جو اتنا بڑا جھوٹ بولا۔ کیا یہ آپ کو زیب دیتا تھا؟ آپ نے تو میرے لیے اتنی مشکلات پیدا کر دی ہیں اپنی انا اور ناک بچانے کی خاطر آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس جھوٹ کی وجہ سے میری زندگی پر کتنے تاریک سائے پھیل جائیں گے۔ ویسے بھی آپ نے خود سے منسوب کر کے منگنی کی جھوٹی خبر پھیلا کر میری توہین و بےعزتی کی ہے۔'' وہ ان پر برس پڑی۔

''اچھا تو تمہیں یہ خوف ہے کہ اگر تمہارے خرم کو کہیں ہماری فرضی منگنی کی خبر مل گئی تو وہ کیا سوچیں گے؟ ویسے تم بھی تو ان کے نام کے علاوہ کسی اور مرد کے نام کو اپنے نام کے ساتھ منسوب کرنا ملانا نہیں چاہتی ہو گی نا؟'' وہ گرجے تو زیب کو ان کے دھونس دکھانے پر غصہ آ گیا۔

''ہاں...... میں اپنے نام کے ساتھ آپ کا نام لگانا بالکل بھی پسند نہیں کرتی ہوں۔'' وہ بھی بے قابو ہو کر گرجی۔

شارق نے دانت بھینچتے ہوئے ایک جھٹکے سے کار روک لی اور پھر زیب کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ ''مجھے تو اس سچویشن میں آپ سے ہمدردی کی توقع تھی مس زیب! مگر آپ نے تو مجھے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ الٹا مجھ پر الزام لگا رہی ہیں۔'' وہ جیسے چوٹ کھا کر تڑپ کر بولے۔

''آپ مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہیں تو کل میں یہ قصہ ہی ختم کر دوں گا۔ پھر آپ کو مزید بےعزت ہونے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ اور آج آپ کو جس کوفت کا سامنا کرنا پڑا ہے نا تو میں آپ کو معقول معاوضہ دے دوں گا۔'' وہ پھر دولت کے زعم میں آ گئے۔

زیب نے گردن گھما کر ان کو نفرت سے دیکھا۔ ''توبہ یہ کیسا انسان ہے کہ ہر چیز کو دولت سے خریدنا چاہتا ہے؟ اس کا تو اوڑھنا بچھونا ہی دولت ہے۔ کہیں رات کو نوٹوں کے بستر پر تو نہیں سوتا کمبخت۔'' وہ چڑ کر کرئی سخت بات کرنا چاہتی تھی پھر ضبط کر کے زبان دانتوں تلے دبا لی۔ اور تند خو شارق نے بے تحاشہ تیزی سے کار چلاتے ہوئے کار ایک انجان سی کوٹھی کے اندر لے جا کر پورچ میں روک لی۔ باہر اندھیرا تھا زیب پریشان ہو کر ان کی صورت تکنے لگی۔

''دیکھو زیب! میں پچیس ہزار روپیہ لے کر اندر جا رہا ہوں اور تم میری واپسی پر یہ دیکھ لینا کہ کوٹ کی جیب میں باقی کتنے روپے بچے ہیں۔ ممکن ہے کہ مدہوشی کے عالم میں مجھے کچھ پتہ نہ چلے اور وہ لوگ نکال لیں۔ اور اب تم یہاں

بیٹھ کر میرا انتظار کرنا۔'' وہ جواب سنے بغیر اندر چلے گئے اور زیب ان کی بے سروپا باتوں پر غور کرتی رہ گئی۔

''یہ کیا مطلب ہوا کہ میں پچیس ہزار لے کر جا رہا ہوں۔ تم دیکھنا کہیں وہ نکال نہ لیں؟'' رات کے پچھلے پہر اندھیرا ہر سو چھایا ہوا تھا زیب نے سیٹ پر دبکتے ہوئے ڈری ڈری نظروں سے اس پرانی بند بندسی اونچی دیواروں والی عمارت کی طرف دیکھا۔ تو اس کے دل کو عجیب سے خوف نے وحشت نے گھیر لیا۔ اس نے جھرجھری لیتے ہوئے کھڑکی سے سر اندر کر لیا۔ خاصا بھوت محل لگتا تھا یہ تو۔

پھر کمبخت شارق کو گھر کے اندر گئے کافی دیر گزر چکی تھی۔ اور زیب کو اکیلے بیٹھے بیٹھے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

تب اچانک ہی لوہے کے بڑے گیٹ کو کسی نے زوردار طریقے سے کھٹکایا اور چراغ کے جن کی طرح باغ میں سے ایک آدمی بھاگتا ہوا نکلا اور اس نے چھوٹا دروازہ کھول کر کسی کو اندر آنے کا اشارہ کیا پھر دو لمبے تڑنگے سے آدمی جھومتے جھامتے ایک دوسرے کے کاندھے پر ہاتھ مارتے زور زور سے باتیں کرتے ہوئے اندر آ گئے۔

○●○

''تو پھر میں نے مسرت بائی سے کہا کہ آج ریشم کو میرے حوالے کرنا ہو گا وہ میرے ساتھ رات گزارے گی۔ تم روزانہ اسے غائب کر دیتی ہو۔ میں تو اسی کی خاطر آتا ہوں۔ اپنی ریشم کے لیے۔''

تو مسرت بائی نے مجھے کورا سا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ ''ریشم جان کو تو ایک بہت بڑے سیٹھ نے قبضے میں کیا ہوا ہے۔ وہی سب خرچہ ورچہ دیتا ہے۔

یار...... یار اسلم! اگر تو ریشم بائی کا ایک جلوہ دیکھ لے نا تو پھر اپنا سب کچھ ہار جائے گا۔ دل و دولت۔ واہ...... واہ کیا آفت زبردست چیز ہے ظالم۔ ہائے ہائے میرے تو دل میں گھسی ہے؟ ریشم میری ریشم۔'' پھر وہ دونوں نشے میں جھومتے ڈگمگاتے ہوئے شارق کی کار کے قریب سے گزرتے ہوئے رک گئے۔

''اسلم یار! میرا خیال ہے کہ یہ کار مسرت بائی اور ریشم والے سیٹھ کی ہے۔ آج تو میں ضرور ہی مسرت بائی سے ریشم کو گھر ڈالنے کی بات کروں گا اور کہوں گا کہ وہ مجھ سے سیٹھ سے دگنی رقم وصول کر لے مگر چھوکری میرے حوالے کر دے'' وہ غصے کے عالم میں کار کے بونٹ پر زور زور سے مکے مارنے لگا۔ تو زیب گھبرا کر سیٹ کے نیچے جھک گئی اور کار لاک کر لی۔

اگر ان مدہوشوں کی نظر مجھ پر پڑ گئی تو میرا کیا حشر کریں گے۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ گھٹنوں میں سر منہ چھپائے بیٹھی کانپتی لرزتی رہی۔ دماغ اڑا سا گیا۔

''تو کیا شارق کسی طوائف کے پیشہ ور عورت کے پاس آتے رہتے ہیں۔'' زیب نے نفرت سے دانت بھینچ لیے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا یہ سب تو ناقابل برداشت تھا۔

پھر قریب ہی زوردار کھٹکے کی آواز آئی اور بے اختیار زیب کی چیخ نکل گئی۔ وہ تھرتھر کانپتی ہوئی دل تھامے بیٹھی رہی پھر گھبرا کر ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا تو وہ دونوں اندر کی طرف بڑھ گئے تھے۔

''کمبخت شارق! خدا تمہیں غارت و برباد کرے۔ بے غیرت شرابی بدمعاش۔'' وہ بے بس ہو کر کوسنے لگی۔ پھر اچانک گھر کے اندر کا دروازہ زور سے کھلا اور شارق ایک قبول صورت مگر طرحدار سی لڑکی کا سہارا لے کر باہر آ گئے۔ وہ

لڑکی گہرے میک اپ میں چمک رہی تھی۔

شارق نے یقیناً ضرورت سے زیادہ چڑھائی ہوئی تھی۔ تبھی تو وہ بری طرح سے ڈگمگا رہے تھے۔ گرے جا رہے تھے اس لڑکی پر۔ پھر لڑکی نے بمشکل کار کا دروازہ کھول کر انہیں اندر بیٹھنے میں مدد دی اور ایک گہری نظر زیب پر ڈالی جو بیٹھی بے بسی سے دانت پیس رہی تھی۔

''ریشم جان! یہ ہیں میری سیکرٹری؟'' انہوں نے لاپرواہی سے بتایا۔

''ہاں......تو سیکرٹری تم یاد رکھنا اور دیکھ لینا کہ میں نے ابھی ابھی بیس ہزار روپے دیئے ہیں مسرت بائی کو۔'' وہ لڑکھڑاتی زبان میں بولے تو زیب ماتھے پر بل ڈالے انہیں دیکھنے لگی پھر دھیرے سے بولی۔

''ہونہہ......بیس ہزار تو کیا میری طرف سے تم اپنی ساری دولت یہاں لا کر پھینک ڈالو خدا کرے کنگال ہو جاؤ۔''

''یہ کون محترمہ ہیں شارق جان؟'' ریشم زیب کی بڑبڑاہٹ سن کر انہیں کار میں بٹھانے کے بعد بولی۔

''ہائے یہ...... یہ لڑکی یہ ضدی حسینہ یہ میری بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہے۔ یہ مجھ سے کوئی تعلق کوئی رشتہ قائم نہیں کرنا چاہتی ہے۔'' وہ زیب کا کاندھا ہلا کر ہنسے۔

''ہوں اچھا......'' ریشم نے اب معنی خیز انداز سے زیب کا جائزہ لیا۔

''ہاں......شکل ہی سے خاصی نخریلی اور مزاج دار لگتی ہے۔ خیر لو اب سنبھالو اپنے باس صاحب کو۔'' وہ شارق کی طرف اشارہ کر کے زیب سے بدتمیزی سے بولی پھر مڑ کر لچکتی مٹکتی اندر چلی گئی۔

''سنو زیب! کیا تمہیں کار ڈرائیو کرنا آتا ہے۔'' شارق اسٹیئرنگ پر سر رکھ کر بولے۔

''ہاں چلا ہی لیتی ہوں۔'' وہ ان کے منہ سے بکھرتی ناگوار سی بدبو کو محسوس کر کے منہ بنا کر بولی۔

''تو پھر اگر تم اپنی زندگی کی خیر چاہتی ہو نا تو تم ہی کار چلا لو۔ کیونکہ میں تو نشے میں دھت ہوں اور مجھ میں صحیح ڈرائیونگ کی طاقت ہے نا ہمت۔ اور پھر مجھ میں تو زندہ رہنے کی لگن ہی نہیں ہے میں تو جینا ہی نہیں چاہتا۔ جبکہ تم تو اپنے میجر خرم کے لیے ضرور زندہ رہنا چاہو گی۔'' وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے سیٹ سے سر لگا کر بولے۔

''میں کوئی زیادہ اچھی کار نہیں چلا سکوں گی کیونکہ بہت عرصہ پہلے سیکھی تھی اور اب تو عرصہ سے پریکٹس بھی نہیں رہی۔'' وہ ہچکچائی۔ مگر شارق بضد تھے۔

''پھر بھی تم مجھ سے تو کہیں بہتر ہی چلاؤ گی۔ بھئی میرا تو نہ دل قابو میں ہے نہ ہی دماغ ٹھکانے پر۔'' زیب چند لمحے تو انہیں دیکھتی رہی پھر ان کی مخدوش حالت دیکھتے ہوئے یہی غنیمت جانا کہ وہ خود ہی کار ڈرائیو کر لے ان سے تو اس وقت اس حالت میں ڈرائیو کرنا ہی ناممکن وخطرناک تھا۔

''آپ ذرا پرے کھسکیں۔'' وہ ان کا کاندھا ہلا کر بولی۔ شارق دوسری طرف ہو گئے۔

چند لمحوں بعد وہ بڑی کوشش و یکسوئی سے ڈرائیو کر رہی تھی۔ مگر ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چہرے سے ٹکراتے ہی شارق کا نشہ بڑھ گیا وہ بے قابو سے ہونے لگے۔

''ہائے اس بھری پری دنیا میں میرا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ میں بالکل تنہا و اکیلا ہوں۔ کوئی بھی مجھے اپنانا نہیں چاہتا۔ سبھی مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور مجھ سے میری دولت ہتھیانے کے چکر میں رہتے ہیں۔'' وہ واویلا کرنے لگے شکوے

کرتے ہوئے بسورنے لگے۔
''پلیز...... پلیز تم تو مجھے مت ٹھکراؤ زیب۔'' انہوں نے التجا کی۔
''خدارا تم مجھے اپنا لو کیونکہ میں تمہارے بغیر جی نہیں سکوں گا۔'' انہوں نے ایک دم زیب کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو محویت سے ڈرائیو کرتی زیب کی چیخ نکل گئی۔ اس نے گھبرا کر بریک لگائے لیکن کار پھر بھی بے قابو ہو کر فٹ پاتھ پر جا چڑھی۔ وہ سر تھام کر رہ گئی۔
مگر شارق پر تو کسی چیز کا اثر ہی نہ تھا وہ تو بس ایک ہی بات کی رٹ لگائے تھے۔ ''زیب...... زیب تم مجھے بتاؤ نا کہ تم کس طرح سے میری ہو سکتی ہو۔ میں کیسے اپنا سکتا ہوں تمہیں؟'' زیب نے زوردار جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوا لیا اور چڑ کر بولی۔
''مسٹر شارق! مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی ہے کہ میں آپ سے کیا کہوں؟ ویسے آپ اس قدر غلط بیانی کیوں کر رہے ہیں کہ کوئی آپ کو اپنانا نہیں چاہتا؟ آپ کا اپنی مسرت ریشم جان اور بائی کے بارے میں کیا خیال ہے۔ وہ محبوبہ دل نواز جہاں آپ اپنا قیمتی وقت گزارتے ہیں۔ وہ عورت جو آپ کی ملکیت ہے جس کا تمام خرچہ آپ برداشت کرتے ہیں۔ پھر آپ کو ریشم کے ہوتے ہوئے کسی اور سہارے کی ضرورت کیوں پڑ گئی ہے۔
ویسے آپ جیسا عیاش بے اصول انسان، ریشم جیسی عورتوں کے قابل ہے تو بہتر یہی ہوگا۔ اگر آپ اسے ہی اپنا لیں وہ یقیناً آپ کا ساتھ قبول کر لے گی۔ وہاں آپ کو ٹھکرائے جانے کا خوف بھی نہیں ہوگا۔'' وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر نکلنے ہی لگی تھی کہ شارق نے اس کا دوپٹہ پکڑ کر زور سے کھینچا۔ زیب واپس سیٹ پر آن گری۔ شارق نے اس کے کاندھے تھام لیے۔
''تمہیں...... تمہیں ریشم و مسرت بائی کے متعلق اتنی تفصیل کس نے بتائی ہے تم یہ سب بکواس کیسے جانتی ہو؟'' وہ گرجے۔
''چند اور تماشبین لوگوں کی زبانی یہ سب قیمتی معلومات حاصل ہوئی ہیں مجھے جناب شارق صاحب! اور اب...... اب مجھے چھوڑیئے اور اپنے گھر تشریف لے جایئے۔ میرا گھر سامنے ہی ہے میں پیدل چلی جاؤں گی۔'' وہ ان کا ہاتھ جھٹک کر دوپٹہ چھڑا کر تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی اور شارق کچھ پوچھ ہی نہ سکے۔
زیب اپنے گھر کے نزدیک پہنچی ہی تھی کہ اچانک جاوید سامنے آ گئے اور اسے روک لیا۔ ''اچھا...... تو آپ بخیریت تشریف لے آئی ہیں۔ میرا مطلب ہے ان ون پیس؟'' وہ بغور دیکھنے لگے۔
''ارے جاوید! آپ جاگ رہے تھے ابھی تک؟'' وہ گھبرا کر پھولی ہوئی سانسوں سے بولی۔
''ہاں...... جب جوان بہن گھر سے رات گئے غائب رہے تو پریشان بھائی کیسے سو سکتا ہے؟'' وہ افسردگی سے بولے۔
''سنو زیب! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب تم یہاں ملازمت نہیں کرو گی۔ میں شارق کو عرصے سے جانتا ہوں۔ جوان خوبصورت لڑکیوں کے معاملے میں وہ کوئی نیک نام نہیں ہے۔ اور اب بھی وہ تمہیں پھنسانے جھکانے کے چکر میں نقصان نہ پہنچا دے۔ تو میں کل ہی تمہارا استعفیٰ دے دوں گا۔'' وہ سنجیدگی سے بولے تو زیب کا دل محبت و عقیدت سے

لبریز ہو گیا۔

''لیکن جاوید بھائی! شارق کے پاس تو وہ میرے دستخطوں والے جعلی کاغذات موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے میں تین سال سے پہلے ان کی نوکری نہیں چھوڑ پاؤں گی۔ اور اگر آپ کل میرا استعفیٰ لے گئے تو وہ ضد میں آکر بھی مجھے ضرور عدالتوں میں گھسیٹیں گے۔'' پھر اچانک کسی خیال سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ کچھ سوچ کر بولی۔

''بس جاوید بھائی! آپ دو دن اور ٹھہر جائیں۔ میں شارق سے وہ جعلی کاغذات نکلوانے کی کوشش کروں گی اور ہاتھ لگتے ہی یہ ذلیل ملازمت چھوڑ دوں گی۔ اپنے راحیل صاحب تو پہلے ہی مجھے آفر دے چکے ہیں کہ وہ مجھے اپنے ہسپتال میں نگران لے لیں گے۔ پھر میں نرسنگ ٹریننگ لے لوں گی۔ بس ان شاء اللہ صرف دو دن اور صبر آزما ہوں گے۔'' وہ یقین سے بولی تو جاوید مان گیا۔

''اچھا...... اب تم جا کر سو رہو رات کے ساڑھے دو بج چکے ہیں کل بھی تمہاری ڈیوٹی شام کی ہوگی نا؟'' وہ مسکرا کر بولے۔

''جی ہاں......'' زیب، جاوید کو خدا حافظ کہتی گھر کے اندر چلی گئی۔ پھر کپڑے بدلنے کے بعد وہ جلد ہی بستر پر پڑ کر سو گئی۔ تھکاوٹ سے برا حال تھا۔

پھر وہ دن چڑھے تک سوتی ہی رہ گئی۔

دوپہر میں وہ ابھی کھانا کھا کر فارغ ہوئی ہی تھی کہ مل سے ڈرائیور اسے لینے آن پہنچا وہ جلدی جلدی تیار ہو کر دفتر پہنچی تو سہما ہوا شہزاد اس کے کمرے کے دروازے پر کھڑا مل گیا۔

''مس زیب! آج تو باس کا موڈ بہت ہی خراب ہے سارے اسٹاف کی جھاڑ پٹی ہوئی ہے۔ آپ سیدھی ان کے پاس جائیں دس بار پوچھ چکے ہیں آپ کے بارے میں۔'' زیب بھی گھبرا گئی اور اپنا پرس رکھ کر کپڑے ٹھیک کرتی باس کے آفس کی طرف بڑھی۔

''گڈ ایوننگ سر!'' وہ دل ہی دل میں اپنی خیریت کی دعائیں مانگتی ہوئی اندر آ گئی۔ وہ سر جھکائے کچھ لکھ رہے تھے۔

''تو یہ فضول سے کپڑے پہن کر تشریف لائی ہیں آپ؟'' وہ تنقیدی نظروں سے دیکھ کر بولے۔ ''جبکہ آپ کو پتہ بھی تھا کہ آج ہم نے ٹینا کے ہاں پارٹی پر جانا ہے۔'' وہ اس کے اورنج رنگ کے کاٹن کے سوٹ کو ناپسندیدگی سے دیکھ کر بولے۔

''سر! میرے خیال میں تو یہ کپڑے اچھے بھلے ہی ہیں۔ ویسے بھی میں ٹینا کی پارٹی میں جا کب رہی ہوں۔'' زیب نے انہیں غور سے دیکھا وہ راسلک کے بادامی سے قمیص شلوار اور براؤنش واسکٹ میں بہت ہی خوبرو لگ رہے تھے۔

''واٹ...... یہ کیا مذاق ہے تمہیں ٹینا نے انوائٹ کیا ہے بلکہ آج کے فنکشن کی مہمان خصوصی تم ہی ہو'' وہ چیخے۔

''یہ مذاق نہیں حقیقت ہے سر کہ میں کسی پارٹی وارٹی میں نہیں جاؤں گی۔'' میں مزید اپنا تماشہ وجلوس نکلوانا نہیں چاہتی ہوں۔'' وہ ٹھوس انداز سے بولی۔

''مگر زیب یہ پارٹی تو تمہاری اور میری منگنی کی خوشی میں دی جا رہی ہے ہمارے اعزاز میں۔ پھر بھلا میں اکیلا

کیسے جاسکتا ہوں۔'' وہ حیران تھے۔

''تم صرف آج میرے ہمراہ چلی چلو زیب! پھر میں یہ قصہ ہی ختم کرڈالوں گا۔ نہ ہی نازیہ اس دنیا میں زندہ رہے گی نہ ہی میں اسے دیکھ دیکھ کر اپنی توہین کے احساس سے جھلسوں گا۔'' شارق نے معنی خیز انداز میں کہا اور ان کے چہرے پر خطرناک سی سختی چھا گئی تھی۔

''جی نہیں...... میں نہیں جاسکتی۔'' وہ ضدی انداز سے بولی۔

''تم بھلا کیسے نہیں جاؤ گی اور کیوں نہیں جاؤ گی؟'' شارق نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''تمہیں جانا پڑے گا۔ یہ میرا حکم ہے میں تمہاری ہر بات نظر انداز نہیں کرسکتا۔ ہر بار معاف نہیں کرسکتا۔'' وہ گرجے۔

''جانتی ہو رات کو جو تم نے میری قیمتی کار فٹ پاتھ پر چڑھا کر کھمبے میں دے ماری تھی۔ صبح مجھے بیس ہزار روپے بھرنے اور ورکشاپ پہنچانی پڑی ہے۔'' وہ انگلی اٹھا کر الزام لگاتے ہوئے بولے۔

''سر! اگر میں نے کار فٹ پاتھ پر چڑھادی تھی تو یہ آپ کا قصور تھا کہ آپ نے ڈرائیو کرتے ہوئے اسٹیئرنگ پر دھرا میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس یہ بتاؤ تم جاؤ گی یا نہیں؟'' وہ تلملاتے ہوئے کھڑے ہو گئے تھے۔

یکا یک زیب کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

''ہوں......'' اب شارق بری طرح شکنجے میں پھنسے تھے اور وہ انہیں یقیناً بلیک میل کرنے اور کچھ بھی منانے کی پوزیشن میں تھی۔

''سر! میں ایک شرط پر پارٹی میں جاؤں گی۔''

''کیا...... کیسی شرط؟'' وہ اسے گھور کر بولے۔

''آپ وہ ایگریمنٹ میرے حوالے کردیجیے۔ جس پر وہ جعلی تحریر لکھی ہے اور آپ نے دھوکے سے مجھ سے دستخط کروائے ہیں۔'' وہ دلیری سے بولی۔

''ہونہہ...... وہ کاغذات دے دوں تاکہ تم مجھے چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔'' وہ تلخی سے مسکرائے۔

''نہیں...... آپ خود سوچیے شارق صاحب! میں بھلا آپ کی ملازمت چھوڑ کر کیسے بھاگ سکتی ہوں۔ نہ میرا کوئی سہارا ہے نہ ٹھکانہ۔ ہاں...... مجھ کو اگر بھاگنا ہی تھا تو میں اس ایگریمنٹ کو خاطر میں نہ لاتی بلکہ آپ کے رویئے سے نالاں ہو کر کبھی کی جاچکی ہوتی۔ پاکستان میں کہیں بھی روپوش ہوجاتی۔ تب کیا کرتے۔

مگر میں مجبور اور بے بس ہوں۔ ضرورتوں نے میرے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی ہیں۔ تبھی ہر زیادتی کو صبر و خاموشی سے برداشت کیے جارہی ہوں۔ بھلا مجھے اتنی پرکشش تنخواہ، بنگلہ آسائشیں سہولتیں کہاں مل سکتی ہیں؟'' وہ بڑی لجاجت سے نرمی کا مظاہرہ کررہی تھی۔

شارق نے چند لمحوں تک اسے غور سے دیکھا۔ زیب کے معصوم چہرے پر مکاری اور بناوٹ کا نشان تک نہ تھا۔ پھر وہ جھکے اور ٹیبل کی دراز میں سے کاغذات نکالے ایک نظر انہیں بغور پڑھا۔ ٹھنڈی سانس لی۔

''اچھا...... خوش ہو جاؤ۔ خوب جشن مناؤ زیب رحمٰن! کہ تم نے آج مجھے ایک اور شکست دے دی ہے۔'' وہ افسردگی سے مسکرائے اور کاغذات اس کی جانب بڑھا دیئے۔

زیب نے تیزی سے ان کے ہاتھوں سے کاغذات کی فائل جھپٹ لی۔ پھر بے صبری سے تمام مضمون پڑھ ڈالا۔ وہ ایک بار دھوکہ کھانے کے بعد سے اب بہت محتاط ہو گئی تھی۔ اب دوبارہ رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ تبھی بار بار کاغذات جانچنے کے بعد زیب مطمئن ہو کر کاغذات پرس میں رکھنے لگی تھی۔ کہ پھر سوچ کر رک گئی اور جلدی جلدی کاغذات پھاڑنے لگی پھر انہیں پرزے پرزے کر کے ردی کی ٹوکری میں پھینکا۔ مگر پھر بھی اس کا خوف اور بدگمانی ختم نہ ہوئی تھے۔ تبھی تو اس نے لپک کر شارق کا لائٹر اٹھایا پھر کاغذ اٹھا کر انہیں آگ لگا دی۔ پھر وہ ٹوکری کھسکا کر باتھ روم تک لے گئی جب سب کاغذات راکھ میں بدل گئے تو وہ ٹوکری باتھ روم میں لے گئی۔ پھر شارق کو فلش اور تیزی سے بہتے پانی کی آواز آئی۔

وہ جب خالی ٹوکری اٹھائے باہر آئی تو چہرہ بشاش تھا پیشانی پر فکر و تردد کی کوئی لکیر نہ تھی۔ جیسے سر سے بوجھ اتر گیا تھا۔

اور شارق بے بسی کی تصویر بنے ہونٹوں پر عجیب سا تبسم سجائے اس کی حرکتیں دیکھ رہے تھے۔ ''مس زیب رحمان! اب تو آپ کی تسلی ہو گئی ہو گی اب تو آپ تمام بندھنوں سے آزاد ہو گئی ہیں۔ تو اٹھیے اب ذرا شاپنگ کر آتے ہیں۔'' وہ کوٹ پہننے لگے۔

''بازار جانا ہے شاپنگ کرنے؟'' وہ گھبرا گئی۔

''ہاں...... کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ لباس جو آپ نے پہنا ہوا ہے یہ شام کے فنکشن کے لیے ناموزوں ہے۔ وہاں کافی اونچے ماڈرن قسم کے لوگ مدعو ہیں۔ تو آپ کا لباس بھی ذرا گلیمرس اور قیمتی ہونا چاہیے اور پھر میں نازیہ کو نیچا بھی تو دکھانا چاہتا ہوں نا۔'' شارق نے وضاحت کی۔

''مسٹر شارق! کیا آپ نازیہ سے انتقام لینے کا خیال دل سے نکال نہیں سکتے ہیں؟'' وہ ہمت سے بولی۔

''دیکھیے غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے نا تو آپ بھی درگزر کیجیے معاف کر دیجیے اسے۔''

''نہیں...... نہیں اس ناگن کو کسی بھی صورت معاف نہیں کر سکتا ہوں۔ اور تم عورت ہو نا تبھی عورت ہی کی طرفداری کرو گی۔ تمہیں بھلا میرے دکھ کا کیونکر احساس ہو گا۔ چلو مجھے چھوڑو۔ میری اکلوتی بہن صائمہ جو اس کی وجہ سے برباد ہو گئی اور ویسے بھی مس زیب تم میرے حالات سے پوری طرح واقف نہیں ہو۔ اسی لیے جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں تم اس پر عمل کرو اور نازیہ سے اپنی ہمدردیاں رہنے ہی دو۔'' شارق نے تلخی سے کہا پھر زیب کا بازو تھامے باہر نکلتے گئے اور اسے کار میں دھکیل کر بٹھا دیا۔ پھر جلد ہی وہ کپڑوں کی بڑی سی دکان میں کھڑے تھے۔

''فرید صاحب! کچھ عرصہ پہلے میں ایک کالی ساڑھی پیک کرا کے رکھوا گیا تھا وہ نکلوا دیجیے۔'' پھر شارق نے نہ جانے کیوں بہت سے قیمتی ریڈی میڈ کپڑے خرید ڈالے اور درزی کو بلوا کر جلدی سینے کا حکم دیا۔ زیب ناپ دیتے ہوئے پریشانی کے عالم میں انہیں منع کرتی روکتی رہ گئی۔ مگر وہ ایک نہیں سن رہے تھے۔ پھر دیگر شاپنگ سے فارغ ہو کر وہ زیب کو لے کر پرنسز سارہ کے گھر چلے آئے۔ سارہ، زیب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔

''لو سارہ! یہ کچھ کپڑے ہم لے آئے ہیں اور کچھ سلنے دیئے ہیں اب ان میں سے جو تم مناسب سمجھو ریڈی میڈ زیب پہن لیں گی۔ ہاں ان کے میک اپ پر خاص دھیان دینا تم خود تیار کرنا۔'' شارق نے کہا۔

''یہی سیاہ ساڑھی پہن لیں گی زیب! اس دن شارق تمہیں یہ ساڑھی پسند بھی تو بہت آئی تھی۔ لیکن اس کا بلاؤز اور پٹی کوٹ کہاں ہے؟'' سارہ پیکٹ کھول کر دیکھنے لگی۔

''وہ تو ہم نے لیے ہی نہیں۔'' شارق جھنجلا گئے۔

''اب مجھے کیا خبر ہے زنانے کپڑوں کی۔ انہیں زیب کو خود خیال رکھنا چاہیے تھا۔''

''اچھا...... اچھا شارق! پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے زیب اور میرا ناپ ایک برابر ہی ہوگا۔ یہ میرا بلاؤز پہن سکتی ہیں اور شارق اب تم انسانوں کی طرح ایک طرف بیٹھ رہونا۔ تاکہ ہم تسلی سے تیار ہوسکیں۔'' سارہ، زیب کا ہاتھ تھامے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

پھر تھوڑی دیر بعد زیب کی جھجک ختم ہوئی تو وہ اور سارہ پرانی سہیلیوں کی طرح باتیں کرنے لگیں۔ اگرچہ پہلے پہل تو زیب خاصی محتاط رہی۔ مگر جلد ہی سارہ کی سادگی اور بے تکلفی محبت دیکھ کر وہ کھلتی گئی۔ بات چیت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

''سارہ! آپ تو مجھے بالکل بھی ڈانسر وانسر نہیں لگتی ہیں وہ جو ہوتا ہے نا فلمیں دیکھ دیکھ کر ذہن میں ایک آئیڈیا ایک تصور سا بن جاتا ہے ڈانسرز کے بارے میں۔ مگر مجھے تو کل آپ سے مل کر عجیب سی گھبراہٹ ہورہی تھی کہ نہ جانے آپ کیسی ہوں۔ مگر آپ تو بہت ہی اچھی بہت سویٹ ہیں۔ پھر یہ آپ نے اپنے لیے ایسا بدنام پروفیشن کیوں چنا ہے؟'' زیب افسوس سے بولی تب سارہ نے کپڑے رکھ دیئے اور زیب کا ہاتھ تھام کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ کسی ہمدرد کو پاکر دل کا درد آنکھوں سے بہہ نکلا۔ اور برسوں کا دبا ہوا راز زیب کے سامنے عیاں ہوگیا۔

اور زیب وہ تو حیرت سے آنکھیں کھولے سارہ کی داستان غم سن رہی تھی اور اس کا دماغ ٹوٹی ہوئی کڑیاں جوڑتا تیزی سے کام کررہا تھا۔ پھر چند منٹوں بعد زندگی کے ماہ وسال پر پھیلی داستان غم کا بوجھ ہلکا ہوا تو سارہ کا وہ بظاہر مضبوط و توانا نظر آنے والا وجود بے بس نڈھال سا لرزتا ہوا وجود زیب کے سینے سے لپٹا ہوا تھا۔

''سارہ...... سارہ! مجھے یہ تو بتائیں کہیں آپ کا نام اصلی نام صباحت علی تو نہیں ہے؟'' زیب نے کسی متوقع انکشاف سے سنبھلنے کے لیے پہلے ہی دل تھام کر پوچھا تو وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔

''زیب...... تم...... تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میرا نام صباحت علی ہے۔ کیا شارق نے بتایا ہے؟'' سارہ نے حیرت سے پوچھا۔

''تو تم...... تمہیں صباحت ہو۔ خرم...... میجر خرم کی صبا؟'' زیب تڑپ کر کھڑی ہوگئی۔

''تو تم زندہ ہو اور وہ تمہاری موت کی خبر جھوٹی تھی۔'' زیب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''زیب او زیب...... تم...... تم کیسے جانتی ہو خرم اور صبا کے بارے میں۔ کون ہو تم یہ باتیں تو...... تو......؟ زیب خدارا مجھے جلدی سے بتادو میں نے تو اپنی کہانی میں تمہیں کرداروں کے کوئی نام تو نہیں بتائے تھے پھر تم ان سب کو کیسے جانتی ہو؟'' وہ تڑپ سی گئی اور زیب کے کاندھے جھنجھوڑ ڈالے۔

''او صبا...... صباحت...... نہیں...... نہیں مجھے شارق یا کسی دوسرے نے کچھ نہیں بتایا تھا بلکہ خرم نے ہی تمہاری طرح میرے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا تھا تبھی میں سب جان گئی ہوں۔ او صبا...... خرم اب بھی تم سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ وہ تمہاری موت کی خبر سن کر بھی تمہارے خیال کو دل و دماغ سے نہیں نکال سکے تھے۔ انہوں نے تو شادی بھی نہیں کی ہے۔ سچ مانو تو میں یہی کہوں گی کہ خرم کی دعائیں رنگ لائی ہیں کہ تم آج زندہ میرے سامنے کھڑی ہو۔'' زیب جوش کے عالم میں اسے جھنجھوڑتی ہوئی بولی تو سارہ جیسے دیوانی ہونے لگی۔

''بس پلیز...... زیب میرے صبر کو مزید مت آزماؤ اور مجھے سب کچھ بتادو۔'' سارہ نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''صبا! خرم میری عزیز ترین سہیلی عالیہ کے دیور ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ عالیہ کی دلی خواہش تھی کہ میں خرم سے شادی کرلوں۔ لیکن میرے خانگی حالات اجازت نہیں دیتے کہ میں شادی کرلیتی۔ سو میں نے انکار کردیا تھا۔ پھر خرم کو پتہ چلا تو انہوں نے مجھے اپنی داستان غم سنادی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے صرف اپنی صبا سے محبت کی تھی اور اسے ہی ہمیشہ اپنی دلہن کے روپ میں دیکھا تھا۔ پھر تمہاری جگہ کوئی دوسری لڑکی کیسے لے سکتی تھی۔

پلیز سارہ! نہیں بلکہ صباحت...... خرم تو بہت اچھے انسان ہیں تم اب انہیں مت ٹھکرانا ورنہ وہ مرجائیں گے۔ تم...... تم...... انہیں اپنالو۔ وہ بہت...... بہت تنہا ہیں۔'' زیب نے سفارش کی تو صبا چونک گئی۔

''زیب! تو کیا اس روز تمہارے ساتھ کلب میں خرم اور شہریار بھیا تھے۔ ہائے میں بھی سوچ رہی تھی یہ انہیں دیکھ کر میرا دل کیوں پہلو سے نکلا جارہا ہے۔ اتنی کشش کیوں محسوس ہورہی تھی؟'' سارہ خالی خالی نظروں سے حسرت آمیز لہجے میں اسے دیکھ کر بولی۔

''نہیں زیب! اب تو خرم اور میرا جوڑ ناممکنات میں سے ہوگیا ہے۔ اب تو میں بالکل بھی خرم کے قابل نہیں رہی۔ میرا تو دامن آلودہ ہے میرا وجود میرا جسم ناپاک ہے۔ روزانہ ہی تو میں اپنے نیم عریاں بدن کو دنیا والوں کی بھوکی نظروں کے سامنے تھرکاتی ہوں۔'' وہ اپنے ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر جھرجھری لے کر بولی۔

''نہیں...... نہیں زیب! میں خرم کا سامنا تو مرکر بھی نہیں کرسکتی ہوں اور خدارا تم بھی میرے بارے میں خرم کو کچھ مت بتانا۔ میں ان کے لیے مرچکی ہوں نا تو مجھے تم دفن ہی رہنے دو۔ گڑے مردے مت اکھیڑو اور کوشش کرکے تم میرا خیال ان کے دل و دماغ سے نکال دو۔'' صبا منہ چھپا کر رونے لگی تھی۔

''نہیں...... بہت مشکل ہے صبا! اب ایسا نہیں ہوسکتا۔ مجھ سے تو خرم کی ویران زندگی نہیں دیکھی جاتی اور تم بھی اپنے خیالات کو بدلو۔ تم کب تک تنہا زندگی گزاروگی؟ یہ وحشی لوگ تمہیں جینے نہیں دیں گے۔ یہ بھوکے گدھوں کی طرح تمہاری بوٹیاں نوچنے کے لیے بے قرار رہیں گے۔

پلیز صبا! خدا کے لیے تم اپنی زندگی کو مزید تلخ اور دردناک مت بناؤ۔ تم نہیں جانتیں مگر خرم بہت فراخ دل انسان ہیں میں انہیں سب کچھ بتادوں گی تم مجھے ان سے بات تو کرنے دو۔'' زیب نے منت کی۔

''نہیں...... نہیں زیب! تم خرم کو نہیں بتاؤ گی۔ وہ بہت انا پرست ہیں وہ مجھے کبھی نہیں اپنائیں گے۔ میرے کانوں میں سالوں بعد آج بھی ان کی آواز گونجتی ہے۔ انہوں نے کہا تھا۔ کوئی بھی مرد اس قدر فراخ دل نہیں ہوتا کہ اپنی محبوبہ کو

غیر مرد کی بانہوں میں دیکھنے کے بعد بھی دل و زندگی میں جگہ دے۔ گھر کی زینت بنائے پرستش کرے۔

ہاں......خرم نے بھی کہا تھا کہ کیا اپنی لٹی ہوئی محبت کے مزار پر دیا جلانے کے لیے میں ہی رہ گیا ہوں۔'' کل کی صباحت علی اور آج کی پرنسز سارہ! اپنے کان بند کر کے بولتی ہی چلی گئی۔ جیسے اب بھی وہ دل و حوصلہ شکن آواز اس کے اردگرد گونج رہی ہو۔

''ہاں......میں جانتی ہوں صبا! یہ سب کچھ انہوں نے تمہاری بہن فرحت سے کہا تھا لیکن اس وقت خرم بہت غصے میں تھے اور حق بجانب بھی تھے وہ تمہیں تمہارے آشنا کے ساتھ دیکھنے کے بعد اس طرح ری ایکٹ کرتے۔ مگر صبا تمہاری موت کی خبر نے سب شکوے مٹا دیئے تھے۔ اور خرم آج بھی تمہیں اپنانے کے لیے بے قرار ہوں گے۔ اگر انہیں تمہاری زندگی کی نوید دے دی جائے۔ تم......تم انہیں ان کے ظرف کو آزماؤ تو سہی۔'' اس نے سمجھایا۔

''نہیں......نہیں زیب! یہ شرمسار آنکھیں خرم کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتی ہیں۔'' صبا نے چہرہ چھپا لیا۔

''خدارا......صبا! ضد مت کرو نہ ہی خود کو مزید تباہ کرو۔ خرم مجھے بہت عزیز ہیں وہ میرے ہمدرد دوست ہیں۔ پھر ان کی تڑپ اور اداسی دیکھ کر تو غیر بھی کانپ جاتے ہیں۔ پھر تم کیسی شقی القلب ہو کہ تمہیں ان پر رحم نہیں آتا۔'' زیب حیرت سے بولی۔

''یاد رکھو اگر تم نے میرا مشورہ نہ مانا تو وہ اپنی جان دے دیں گے۔'' زیب نے خفگی سے کہا۔

''نہیں......نہیں زیب! ایسی بات مت کرو۔ میں ڈرتی ہوں کہ خرم اگر مجھے معاف نہیں کریں گے تو پھر میں برداشت نہیں کر پاؤں گی۔ میں بہت بدنصیب ہوں میں ہمیشہ ان سے محبت کرتی رہی مجھے ڈاکٹر خرم سے بہت پیار تھا۔ اور پھر ان سے بچھڑنے کے بعد تو اپنی حماقت و بدنصیبی کا زیادہ احساس ہوا۔ تب دل کی گہرائیوں سے میں نے جانا کہ میں تو شدتوں سے خرم کی دیوانی تھی۔ بس اس شاطر پرویز نے مجھے ورغلا کر چکنی چپڑی باتیں کر کے سخت متنفر کر دیا تھا خرم سے۔

زیب! میں نے یہ جانا کہ میں ہمیشہ ان سے محبت کرتی رہی مجھے پیار تھا اور آج بھی خرم سے ہے ان کے نام سے۔ لیکن میری طبیعت میں ضد اور انانیت بہت تھی۔ جب وہ میرے نزدیک رہ کر بھی کتابوں میں مگن رہتے تھے ایک طرح سے وہ میرے وجود کو نظر انداز کرتے تھے۔ تب مجھے وہ کتابیں بھی اپنی دشمن لگنے لگی تھیں۔ اگرچہ میری اپنی مرضی اور دلی خواہش پر ہی خرم سے میری منگنی ہوئی تھی۔ پھر کالج میں میری سہیلیاں اپنے منگیتروں کے قصے سنایا کرتی تھیں۔ عشقیہ خطوط ان سے چوری چھپے ملنے کے واقعات۔ پھر تحائف دکھاتی تھیں تو میں دل مسوس کر رہ جاتی تھی۔

پھر جب وہ مجھ سے خرم کے بارے میں پوچھتیں تو میں سخت شرمندگی محسوس کرتے ہوئے انہیں بتاتی تھی کہ مجھ سے زیادہ تو خرم کو اپنی پڑھائی کی فکر ہے کتابوں سے پیار ہے۔ تب وہ سب میرا مذاق اڑاتیں ترس کھاتیں۔ پھر انہیں دنوں میں پرویز بہت زیادہ ہمارے گھر آنے جانے لگا تھا اور میں فلمی ہیروئن کے سے انداز میں پرویز کی طرف یہ سوچ کر بڑھی تھی کہ شاید خرم ان سے رقابت محسوس کریں اور انہیں میری موجودگی اہمیت کا احساس ہو۔ میں چاہتی تھی کہ انہیں جیلس کروں۔ مجھے یہ مشورہ میری فلم زدہ سہیلیوں نے دیا۔

مگر...... میرا یہ حربہ بھی ناکام رہا اور کھیل کھیل میں پرویز اپنی چرب زبانی سے کام لے کر میرے ذہن پر چھاتا چلا گیا۔ وہ مجھ سے اتنی ہمدردی سے بات کرتا جیسے کہ میں دنیا کی مظلوم ترین ہستی ہوں۔ اور جسے اس کا بدذوق منگیتر ٹھکرا کر کتنا ظلم کر رہا ہے۔ وہ مجھ سے خرم کے ٹھنڈے پن اور لاپرواہی بے حسی پر حیرت کا اظہار کرتا۔ اس طرح غیر محسوس طریقے سے وہ خرم کے خلاف میرے دل و دماغ کو زہر آلود کرتا رہا اور نتیجتاً میں اس کے جال میں پھنس کر تباہ ہو گئی۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر بلکنے لگی۔

''پلیز صباحت! بس اب تم سب معاملہ مجھ پر چھوڑ دو اور تم ابھی شارق کو بھی کچھ مت بتانا۔ میں جانتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔'' زیب اس کے آنسو پونچھ کر بولی تو صبا نے پریشان ہو کر بتایا۔

''لیکن زیب! شارق تو سمجھتے ہیں کہ تمہارا خرم سے تعلق ہے قلبی رشتہ ہے اور تم اس سے شادی کرو گی۔''

''ہشت...... شارق تو بالکل پاگل ہیں خوامخواہ مفروضے اندازے لگا لگا کر میری جان عذاب میں پھنسائی ہوئی ہے۔ وہ بار بار مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کون ہے یہ خرم! تم سے کیا تعلق ہے اس کا کیا تم ان سے پیار کرتی ہو؟ کیا خرم سے شادی کرو گی؟

تب میں نے انہیں غصے میں ٹالنے کے لیے اقرار کر لیا کہ ہاں میں خرم سے بیاہ کر رہی ہوں۔ آخر کسی طرح سے ان سوالات سے پیچھا تو چھڑوانا ہی تھا۔'' زیب جھینپ کر بولی تو صبا نے شارق کی طرفداری کی۔

''ویسے زیب! بیچارے شارق کی حالت ہے بڑی قابل رحم وہ تم سے نفرت کرتے کرتے بری طرح سے تمہیں پسند کرنے لگا ہے۔'' تبھی وہ چونک کر خاموش ہو رہیں۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور شارق کی آواز گونجی۔ جو انہیں جلدی تیار ہونے کے لیے کہہ رہے تھے۔

''ارے باپ رے باپ...... باتوں ہی باتوں میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔'' صبا منہ صاف کرتی کھڑی ہو گئی۔

''زیب! جلدی سے تیار ہو جاؤ ورنہ شارق ہمیں یونہی بیٹھے دیکھ کر خفا ہو جائیں گے اور گردن دبا دیں گے۔'' وہ غسل خانے میں منہ دھونے چلی گئی یوں سارہ اور زیب کی باتیں ادھوری رہ گئیں۔

شارق نے تھوڑی دیر کے بعد پھر بڑی بے صبری سے دروازہ کھٹکایا۔ ''صبا! زیب جلدی بھی کرو کیا سو گئی ہو تم لوگ؟'' وہ جھنجھلا کر بولے۔

''آ جاؤ اندر شارق۔'' سارہ نے آواز دی۔

زیب ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی اور جھک کر سارہ کے بال نئے انداز میں سنوار رہی تھی کہ وہ اندر داخل ہوئے۔

''شارق کے بچے تم نے تو مجھے کہا تھا کہ میں زیب کا میک اپ کر دوں مگر یہ تو خود ماہر فن نکلی ہیں دیکھو تو اس نے تو میری شکل ہی بدل کر رکھ دی ہے۔'' سارہ اپنی ڈارک بلیو ساڑھی سنبھالتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ وہ واقعی بہت پرکشش اور پہلے سے کہیں مختلف لگ رہی تھی۔

''واہ...... واقعی تم تو بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' شارق نے توصیفی انداز میں کہا۔

''اور ذرا زیب کو تو دیکھو۔'' صبا نے شرارت سے زیب کا رخ شارق کی طرف پھیرا۔
سگار شارق کے ہونٹوں میں لرز کر رہ گیا۔ سیاہ ساڑھی پہنے وہ تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ ان کے روبرو کھڑی تھی۔ پھر شارق کی والہانہ نگاہوں کی گرمی سے زیب کے لب و رخسار تمتما اٹھے۔ لانبی لانبی گھنی پلکیں جھک گئیں۔
شارق کا دل اس سے چاہا کہ وہ اس حسین دلکش گڑیا کو اپنے دل میں چھپا لے۔ ''کیوں شارق! کیسی لگ رہی ہے زیب؟'' سارہ عرف صبا نے جان بوجھ کر پوچھا۔
''قاتل...... دشمن جان! بے حد خطرناک نہ جانے آج کس کی زندگی میں اس رنگ کی طرح سیاہی بکھرے گی۔'' وہ حسرت سے بولے۔ وہ حسب عادت پسندیدہ موضوع پر آ رہے تھے۔
''آج اس وقت اگر ان کے خرم صاحب ان کو دیکھ لیتے تو مزید دیوانے ہو جاتے۔ جھٹ شادی کے کارڈ چھپوا لیتے۔'' شارق کے طنز کرنے اور خرم کا حوالہ دینے پر سارہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ خود زیب بھی مسکراہٹ پر قابو نہ رکھ سکی۔ ان کو ہنستا دیکھ کر شارق کی پیشانی شکن آلود ہو گئی انہیں سمجھ نہیں آئی تھی کہ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔
''نہ...... نہ دولہا میاں! آپ اپنی منگنی کی پارٹی میں جا رہے ہیں تو ماتھے سے ذرا بل ہٹایئے۔ ویسے کل تو سب لوگوں کے سامنے آپ نے اعلان کیا تھا کہ...... کہ آپ زیب سے رشتہ جوڑ کر بہت خوش ہیں اور اسی خوشی میں آپ روزانہ پارٹی دے سکتے ہیں۔
پھر آج اگر لوگوں نے آپ کی پیشانی پر شکن دیکھی تو جناب کے جھوٹ کا پول کھل جائے گا۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ سب خواتین ٹینا، مسز نیازی اور نازیہ، زیب کا کھوج لگانے پر تلی ہوئی ہیں۔'' سارہ نے وارننگ دی تو شارق کے تاثرات بدلنے لگے۔
''ہاں...... یاد آیا۔ شارق! زیب تمہارے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی تو ضرور ہونی چاہیے تھی۔ خیر زیب! تم یہ میری انگوٹھی پہن لو۔'' اس نے سونے میں ہیروں جڑی خوبصورت قیمتی انگوٹھی اتاری۔
''زیب! یہ میری منگنی کی انگوٹھی تھی۔ اگرچہ بہت کوشش کی کہ اسے اتار دوں مگر ہوا نہیں حوصلہ۔ سوچا انگوٹھی دینے والے شخص سے تو جدا ہو گئی ہوں۔ مگر اس کی انگوٹھی کو خود سے الگ نہیں کر سکتی ہوں۔'' صبا افسردہ ہو گئی۔
''نہیں سارہ نہیں...... میں تمہاری انگوٹھی کبھی نہیں پہنوں گی نہ ہی تمہیں اتارنے دوں گی۔'' زیب نے منع کر دیا۔
''کسی کو انگوٹھی اتارنے کی یا دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب انتظام کر کے آیا ہوں۔'' شارق نے جیب میں سے دو ڈبیاں نکالیں۔ پھر بہت قیمتی جگمگاتے ہیروں کی انگوٹھی نکال کر زیب کی طرف بڑھا دی۔ پھر کچھ سوچ کر بڑھے اور زیب کا ہاتھ تھام کر انگوٹھی پہنانے لگے۔ مگر زیب نے جھینپ کر ہاتھ کھینچ کر پیٹھ پیچھے کر لیا۔
''کیوں...... کیا تمہیں انگوٹھی پہنانے کا حق صرف میجر خرم کو پہنچتا ہے؟'' وہ چڑ کر بولے۔ شارق کا لہجہ تلخ ہو گیا انہوں نے زبردستی زیب کا ہاتھ تھام کر اسے انگوٹھی پہنا دی اور گہری گہری نظروں سے دیکھنے لگے۔ اور زیب کا رنگ سرخ ہو گیا۔
جانے کیا سوچ کر اس نے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا ہاتھوں میں۔ ''خدا سمجھے تم سے شارق تم تو میرے صبر کو آزمائے جا رہے ہو۔'' زیب نے کوسا۔

''آؤ سارہ چلتے ہیں۔'' شارق نے سارہ کو آہستہ سے دھکا لگایا۔ان کی آواز کچھ بوجھل سی تھی وہ جلدی سے دوسری طرف مڑ گئے۔اور پھر دوسری انگوٹھی خود پہن لی تھی۔ پھر وہ سب روانہ ہو گئے جلد ہی وہ اپنی منزل تک پہنچ گئے سبھی وہاں پر ان کے منتظر تھے۔

''اوتھینک گاڈ! آپ آ گئے ہیں شارق۔'' ٹینا خوش ہو گئی۔

''لوگ تو آپ کی منگیتر کو دیکھنے کے لیے بے قرار ہو رہے ہیں۔'' وہ ٹینا کے ساتھ اندر چلے آئے سب کی نظریں ان پر جم کر رہ گئیں۔سب نے اٹھ کر تالیاں بجا کر جوڑے کا استقبال کیا۔دونوں ہی بہت حسین اور دلکش لگ رہے تھے۔

تب پھر ٹینا...... نے زیب اور شارق کا ہاتھ تھاما اور اسٹیج پر پہنچ گئی۔

''لیڈیز اینڈ جنٹلمین! میٹ فیوچر وائف آف مسٹر شارق رضا۔ مس زیب رحمان!'' سب نے دونوں کو دیکھ کر تالیاں بجائیں۔اور شارق شرمائی ہوئی زیب کو بڑی محبت سے دیکھ رہے تھے۔ بے اختیار دل کے کسی کونے میں ایک خواہش سی ابھری۔

''کاش یہ سب کچھ سچ ہو جاتا۔حقیقت میں تبدیل ہو جاتا۔'' انہوں نے زیب کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور اس کے کپکپاتے وجود کو سہارا دے کر نیچے اتر آئے۔

''بھئی شارق! تم تو شلوار سوٹ پہنے کوئی مشرقی شہزادے لگ رہے ہو۔'' ٹینا نے تعریف کی۔

''شہزادہ نہیں بلکہ آئرن کنگ لگ رہا ہے۔'' نیازی ہنس کر بولے۔

''شارق! تمہاری دلہن کو میں ذرا اپنے ساتھ لیے جا رہی ہوں خواتین سے ملوانا ہے۔'' ٹینا، زیب اور سارہ کا ہاتھ تھامے لیڈیز کی طرف بڑھی۔

نازیہ اس قدر ڈھیٹ تھی کہ محض تماشہ دیکھنے چلی آئی تھی۔اور اب رشک اور حسد کے ملے جلے جذبات کے ساتھ زیب اور شارق کو گھورے جا رہی تھی۔

''ارے کتنی خوبصورت انگوٹھی ہے یہ کہاں سے لی ہے آپ نے؟'' ایک خاتون زیب کا ہاتھ تھام کر بولیں۔

''جی...... یہ...... جی......'' زیب کی زبان گم ہو گئی۔

''یہ ان کی منگنی کی انگوٹھی ہے شارق کے خاندانی زیورات میں سے ہے۔'' سارہ نے بتایا۔

''مس زیب! آپ کے والد صاحب کیا کام کرتے ہیں؟'' نازیہ کے اشارے پر ان کی عزیز سہیلی مسز نیازی نے انٹرویو شروع کی۔

''جی میرے والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔'' زیب نے متانت سے جواب دیا۔

''یقیناً فوت ہونے انتقال کرنے سے پہلے وہ کوئی کام دھندہ تو ضرور کرتے رہے ہوں گے آپ وہی بتا دیجیے۔'' نازیہ نے ہنس کر پوچھا۔ جس پر اور بہت سی خواتین بھی ہنس دیں انہیں مذاق اڑانے کا موقع جو مل گیا تھا۔

زیب نے سختی سے جبڑے بھینچ لیے اور ضبط کر گئی۔''ہائے...... ہائے...... کیوں پوچھتی ہو نازیہ! ممکن ہے مرحوم جو کچھ کرتے رہے ہوں وہ ہمارے بتانے کے قابل نہ ہو۔ تبھی تو یہ جواب دینے سے ہچکچا رہی ہیں۔'' مسز نیازی ہنس کر بولیں۔

سارہ......زیب کے بدلتے تاثرات دیکھ رہی تھی خود اسے بھی ناگوار گزر رہا تھا اس اعلیٰ طبقے کی خواتین کا اس قدر گھٹیا رویہ۔ جو محض مذاق اڑانے کسی کی توہین کر کے خوش ہوتی ہیں۔

''مسز نیازی! زیب کے ڈیڈی کا امریکہ میں بہت بڑا بزنس تھا۔'' پرنسز سارہ نے ٹالنے کے لیے کہا۔

''امریکہ میں کاروبار تھا۔ تو کیا اب نہیں ہے۔'' مسز نیازی مسکراہٹ دبا کر بولی۔

''اب ان کے سرپرست ان کے چچا ہیں اور انہوں نے سارا کاروبار سنبھالا ہوا ہے۔'' سارہ نے ٹالنا چاہا۔

''تو پھر یہاں یہ کس کے پاس ٹھہری ہوئی ہیں؟'' نازیہ نے مسکارا سے لبریز آنکھیں مٹکا کر پوچھا۔

''زیب یہاں اپنے عزیزوں کے ہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔ ویسے مسز نیازی اینڈ نازیہ صاحبہ کیا میں پوچھ سکتی ہوں آپ زیب کے سلسلے میں اتنی تفتیش کس سلسلے میں کر رہی ہیں؟'' سارہ نے طنز کیا۔

''اے ہے ہم بھلا تفتیش کیوں کریں یہ تو شارق کی منگنی اس قدر چپ چپاتے ہوئی ہے کہ سب کو ہی کچھ کرید سی تھی۔ ویسے یہ زیب صاحبہ ہیں بڑی کم گو۔ اب نہ جانے اس بڑبولے منہ پھٹ شارق کے ساتھ گزارہ کیسے ہوگا۔ وہ تو بات بات پر کاٹنے دوڑتے ہیں نک چڑھے بدمزاج سے۔ ہونہہ......'' مسز نیازی نے نازیہ کو خوش کرنے کے لیے شارق کی برائیاں کرنی شروع کر دیں۔

اور شارق جو کچھ فاصلے پر کھڑے زیب کے تاثرات دیکھ رہے تھے۔ وہ قریب چلے آئے اور ان کے کانوں میں مسز نیازی کی آواز پڑی۔

''لو سن تو میاں نیازی یہ تمہاری بھاری بھرکم بیگم تمہیں کن خطابوں سے نواز رہی ہیں۔ یار ویسے حوصلہ ہے تمہارا جو تم ان کے ساتھ زندگی گزار رہے ہو اس ناقابل برداشت جاسوس اور بدمزاج خاتون کے ساتھ۔ یار! میں تو تمہیں جرأت ایوارڈ دینے کی سوچ رہا ہوں۔'' شارق نے آتے ہی بیگم نیازی کو آڑے ہاتھوں لیا تو اس کا منہ بن گیا اس نے تیکھی نظروں سے شارق کو گھورا دل تو چاہ رہا تھا اس منہ پھٹ کا منہ ہی نوچ لے۔

مگر شارق کی زبان کو تو اب کوئی جرأت والا ہی روک سکتا تھا اور وہاں کوئی ایسا جیالا موجود نہ تھا۔

''ویسے بیگم نیازی! میں کتنی دیر سے آپ کے گھٹیا سوالات سن کر آپ لوگوں کی اوچھی کمینی ذہنیت کا ماتم کر رہا تھا اور مسز نیازی آپ کی ذہنی گراوٹ کا اندازہ تو ہو گیا ہے مگر مجھے حیرت ہے ان کی ہم مزاج سہیلی نازیہ کی ڈھٹائی پر کہ یہ اپنے پہلے شوہر کی منگنی کی دعوت میں نہ صرف تشریف لائی ہیں بلکہ میری منگیتر سے واہیات سوالات کرنے کی جرأت بھی کر رہی ہیں۔ حالانکہ ان کے لیئے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

ویسے بیگم نیازی! میری منگیتر بڑی انسان شناس ہیں جس بندے کو اپنے قابل سمجھتی ہیں جو ان کے معیار پر پورا اترتا ہو یہ ان سے بات کرتی ہیں بے تکلف ہوتی ہیں۔'' شارق نے اسے رگید ڈالا۔

''اے اچھا......تو تمہارا مطلب ہے کہ ہم لوگوں کو تمہاری یہ امیر زادی منگیتر کسی قابل ہی نہیں سمجھتی ہیں۔ تو ان کی نظروں میں ہم کوڑا کرکٹ ہیں کیا؟'' بیگم نیازی بگڑ گئیں۔

''کوڑا کرکٹ سمجھیں یا بھوسے کا ڈھیر مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں اور نہ ہی میں یہ پسند کرتا ہوں کہ کوئی مجھے...... تُو اور تم کہہ کر مخاطب کرے۔ میں بہت دیر سے آپ لوگوں کے فضول قسم کے سوالات سن رہا تھا۔ پھر میں نے سوچا اس

سے پہلے کہ آپ خواتین کی تفریح بدمزگی میں بدل جائے۔ میں آپ لوگوں کی طوفانی گفتگو کا رخ بدل دوں۔'' شارق تلخی سے کہتے ہوئے پھر مسز نیازی کے پیچھے پڑ گئے۔

''مائی ڈیر مسز نیازی! ایک دن میں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ اپنی بھابھی سے نیازی صاحب کا بیاہ رچا دیں مگر آپ نے میری بات پر کان نہیں دھرے۔'' شارق شرارت سے بولے۔

''ہائے یار شارق! تم کیوں میرا بیڑا غرق کروانے کے چکر میں ہو یار! ان کی بھابھی تو شرمن ٹینک ہیں دونوں طرف سے۔ ہماری بیگم سے دو دو بالشت زیادہ پھیلی ہوئی ہیں۔'' بیچارا نیازی دل پکڑ کر کراہنے لگا اور گویا بے دم ہو کر صوفے پر گر سا گیا۔ تو سب بے اختیار ہنس دیئے۔

تبھی ٹینا نے آ کر کھانا کھانے کی دعوت دی یوں بدمزگی کو ٹالنے کی کوشش کی تو سب اٹھ کر چل دیئے۔ ٹینا بڑے دوستانہ انداز میں شارق کا بازو تھام کر چل دی۔ زیب کا ہاتھ سارہ نے تھام لیا اور وہ ڈائننگ روم کی طرف بڑھیں۔ مگر زیب نے شارق کا بازو ہلایا اور رک گئی تو شارق کو بھی ٹینا سے ہاتھ چھڑا کر رکنا پڑا۔

''شارق صاحب! اب تو آپ کا دل خوش ہو گیا ہو گا بیگم نیازی اور نازیہ سے میری توہین کروا کر ٹھنڈ پڑ گئی ہو گی۔ خدا کی قسم بہت ضبط کیا بہت صبر کیا ہے میں نے ورنہ تو دل چاہ رہا ہے کہ ابھی ابھی یہاں سے چلی جاؤں۔'' زیب کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں نم ہو گئیں۔ تو شارق بڑی نرمی سے بولے۔

''مگر زیب! آپ کی توہین کرنے والی خواتین کو میں نے کب معاف کیا ہے؟ بلکہ ان کی دگنی بے عزتی کر دی ہے؟''

''آپ ان کی بے عزتی کرتے یا نہ کرتے مگر یہ طے ہے کہ میں اب مزید یہ منگنی والا ڈھونگ نہیں رچا سکتی۔ اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''دیکھیے زیب! میں نے پہلے ہی آپ سے کہہ دیا ہے کہ میں آج یہ قصہ ہی ختم کرنے چلا ہوں۔ پھر آپ کو ڈرامے کی ضرورت نہیں رہے گی۔'' وہ تیوری چڑھا کر بولے۔ پھر اس سے پہلے کہ سارہ اس چکر کے متعلق پوچھتی زیب کی توجہ و نگاہ شارق کے پیچھے دروازے کی طرف پڑ گئی وہ ایک دم گھبرا گئی سہم گئی پھر صباحت کا سوچ کر خوش ہو گئی۔

''ارے سارہ! یہ تو ڈاکٹر راحیل اور میجر خرم اکٹھے ہی آ رہے ہیں؟'' زیب نے حیرت سے کہا۔

''خرم...... میجر خرم! آ رہے ہیں؟'' سارہ نے کپکپاتے ہوئے کہا۔ پھر شارق کا بازو گھبرا کر پکڑ لیا۔

اور زیب سب کچھ بھول کر تیزی سے ڈاکٹر راحیل و خرم کی طرف بڑھی تو شارق کا چہرہ زرد ہو گیا۔

''اب...... اب سب راز کھل جائے گا؟'' ان کا دل دھک سے رہ گیا جب انہوں نے زیب کی آواز سنی۔

''خرم...... خرم! میری بات سنیں۔ میں نے آپ کو ایک بہت اہم اور ناقابل یقین خبر سنانی ہے۔'' زیب بے صبری سے خرم کا بازو تھام کر بولی۔ تو وہ زیب کو وہاں ٹینا کے ہاں دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''ارے زیب! تم یہاں؟ اور تم ٹینا کو کیسے جانتی ہو؟''

ڈاکٹر راحیل بھی اسے وہاں دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ پھر انہیں خرم اور زیب کی بے تکلفی پر بھی حیرت ہوئی۔

یہ دونوں کیسے ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟ پھر وہ زیب کا لباس ہار سنگھار دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔

''ارے زیب! تم خرم کو کیسے جانتی ہو؟'' راحیل نے دوبارہ پوچھا مگر زیب نے ان سنی کر دی۔ وہ بہت اکسائیٹڈ تھی۔

''ڈاکٹر راحیل! اپنے اور خرم کے بارے میں بعد میں بتاؤں گی قصہ بہت لمبا ہے۔'' زیب بے صبری سے بولی۔

''اور یہ شارق کی منگنی کس لڑکی سے ہوئی ہے بھلا۔ مجھے تو کل ٹینا نے فون پر یہ خبر سنا کر حیران کر دیا۔ پھر میں بھی کچھ ظاہر کیے بغیر چپ رہا مجھے تو خود بھی کچھ علم نہیں تھا کہ یہ شارق نے کیا چکر چلایا ہے۔ تو کون ہے وہ لڑکی؟'' راحیل، زیب کو مشکوک نظروں سے دیکھ کر بولے تو وہ ان کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر جھینپ گئی۔

''یہ...... یہ سب شارق صاحب کے دماغ کی خرابی ہے ان ہی کی شرارت ہے۔ میں...... میں کل ان کے ساتھ کلب گئی تو وہاں وہ اپنی پہلی بیوی نازیہ کو دیکھ کر بپھر گئے اور پھر محض اسے جلانے کی خاطر اناؤنس کر دیا کہ ان سے منگنی ہو چکی ہے۔'' وہ کچھ جھنجھلا کر ہچکچا کر بولی۔

''لیکن منگنی ہوئی کس لڑکی سے ہے؟'' راحیل نے بے صبری سے پوچھا تو وہ بے ساختہ بولی۔

''مم...... مجھ سے ہوئی ہے منگنی؟'' وہ بری طرح شرما گئی اور اس کا سر جھک گیا تھا۔

''ہائیں...... تم سے؟'' وہ حیرت زدہ ہو گئے۔ ''زیب تم...... تم سے ہو گئی ہے ہمارے یار کی منگنی واللہ کمال ہو گیا۔''

''اچھا...... اچھا مبارک ہو بھئی؟'' راحیل اور خرم نے قہقہے لگائے۔ وہ ایک دم بہت خوش ہو گئے تھے۔

''بھئی مجھے تو پہلے ہی سے دال میں کالا کالا سا نظر آ رہا تھا۔'' راحیل نے زیب کو پہلو سے لگا کر کہا۔

''ہشت...... ڈاکٹر راحیل! بالکل پاگل ہیں آپ تو۔ یہ تو صرف انہوں نے ڈھونگ رچایا ہے سب کو بیوقوف بنانے کے لیے ورنہ تو آفس پہنچتے ہی یہ میرا خون خشک کر لیں گے۔ خدا کی قسم میں نے تو انکار بھی کیا سمجھایا بھی۔ لیکن مجھے شارق نے اتنا دھمکایا مجبور کیا کہ میں...... میں......'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔ مگر راحیل ہنسی قابو نہیں کر سکے تھے۔

''خیر زیب! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے شارق ایک اچھے خاندان کا مگر کچھ بہکا ہوا سا انسان ہے۔ تمہاری رفاقت اسے پھر سے سدھار دے گی۔ بلکہ اب میری تو یہ دلی خواہش ہے کہ یہ سب کچھ حقیقت میں بدل جائے۔'' راحیل نے دل کی گہرائیوں سے کہا تو زیب نے خفگی سے انہیں دیکھا۔

''اچھا بابا...... اچھا...... اب پیشانی سے بل ہٹا لو کیونکہ وہ ٹینا بڑے جوش و خروش سے ہماری طرف آ رہی ہے اور یقیناً اب ہمیں بھی اس ڈرامے میں اہم کردار ادا کرنا پڑے گا۔'' وہ ہنسے اور ٹینا کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

''ہیلو راحیل...... ہیلو خرم...... بھئی تم دونوں ڈاکٹرز ہمیشہ دیر ہی سے پہنچتے ہو۔'' ٹینا نے شکوہ کیا۔

''اچھا...... تو تم لوگ جانتے ہو زیب کو؟'' وہ زیب کو ان دونوں کے پاس بڑی بے تکلفی سے کھڑا دیکھ کر بولی۔ تو راحیل گرمجوشی سے بولی۔

''ارے ٹینا! شارق ہمارا یار ہے ہم ان کی منگیتر زیب کو کیسے نہیں جانتے ہوں گے؟'' خرم ہنس کر بولے۔

''اچھا......'' وہ یقین کرتی ہوئی بولی۔

''چلیے اب آپ سب لوگ چل کر کھانا کھا لیجیے۔'' ٹینا انہیں لے کر ڈائننگ ہال کی طرف بڑھی۔ تو زیب نے

چاروں طرف نظریں گھما کر سارہ کو ڈھونڈنا چاہا۔ جو نہ جانے کہاں غائب ہوگئی تھی اور شارق چبھتی ہوئی نظروں سے زیب کا جائزہ لے رہے تھے جانچ رہے تھے۔

ڈاکٹر راحیل ہنستے ہوئے شارق کے پاس چلے گئے پھر ان کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی کی۔

''یار شارق! زیب سے منگنی مبارک ہو۔ بھئی بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمیں تو آپ نے اطلاع ہی نہ دی۔ اور غیروں کی زبانی ہمیں یہ خوشخبری ملی۔'' وہ ہنس کر بولے مگر شارق ان کی ان سنی کر کے سامنے گھورے جا رہے تھے۔

''کیوں یار! یہ آپ اتنی زہریلی نظروں سے دیکھ کسے رہے ہیں؟'' پھر راحیل نے شارق کی نظروں کا تعاقب کیا تو سامنے زیب اور میجر خرم کو محو گفتگو پایا۔

''اچھا تو آپ اتنے جلے بھنے انداز میں زیب اور خرم کو دیکھ رہے ہیں۔ گھبراؤ مت وہ (زیب خرم) سے کوئی اہم بات کرنے کے لیے رک گئی ہیں تم دل چھوٹا مت کرو وہ ابھی آ جائیں گی۔'' ڈاکٹر راحیل، شارق کا کاندھا پکڑ کر ٹیبل کی طرف بڑھے۔

سبھی لوگ کھانے پینے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ میجر خرم اور زیب سب سے دور ہٹ کر فاصلے پر کھڑے کھانا کھا رہے تھے اور زیب کے چہرے پر ایک جوش اور خوشی کی تمازت پھیلی تھی وہ بے چین تھی۔

''اف خرم! آج میں آپ کو ایسی خبر سناؤں گی کہ آپ خوشی سے پاگل ہو اٹھیں گے۔'' زیب بے صبری سے خوشی سے جھومتی ہوئی بولی۔ اس سے تو مارے تجسس و اشتیاق کے کچھ کھایا بھی نہیں جا رہا تھا۔

''اچھا......تو جلدی سے بتاؤ وہ کون سی خبر ہے۔ کیا عالیہ بھابھی کا خط آیا ہے؟'' خرم بھی بے چین ہو گئے۔

''ارے نہیں......نہیں عالیہ کا خط نہیں آیا۔ بلکہ میں نے آپ کے لیے ایک بہت پیاری سی دلہن تلاش کر لی ہے۔'' وہ شریر نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''اوہو......'' خرم نے بے دلی سے منہ بنا کر کہا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ کھانا کھانے لگے۔

''کیوں خرم! آج آپ اپنی تمام تر ہمتیں اکٹھی کر لیں۔ کیونکہ آج آپ کے ظرف کا۔ پیار کا امتحان ہے اور اب مجھے دیکھنا یہ ہے کہ میں نے جس شخص کو ذہن کی بلندیوں پر لا کر اپنا دوست سمجھا و مانا ہے۔ کیا وہ واقعی عظیم ہے۔ اس کے دل میں ذہن میں کتنی کشادگی ہے۔ میں اب یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ کہیں میں نے آپ کو غمگسار اور سچا کھرا انسان سمجھنے میں غلطی تو نہیں کی؟'' زیب نے بھی کھانا کھائے بغیر پلیٹ واپس رکھ دی۔

''پلیز زیب! خدارا سیدھے سادھے لفظوں میں اپنا مدعا اپنی بات بتا دو۔ یہ پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو؟'' وہ ہراساں ہو کر بولے تو زیب نے سیدھے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

''خرم! اگر میں یہ کہوں کہ آپ کی صباحت زندہ ہے تو؟'' اور خرم یہ سن کر اچھل ہی گئے۔

''واٹ......کیا کہا ہے تم نے؟'' خرم نے زیب کے کاندھے جھنجھوڑ ڈالے۔

''صبا......میری صبا زندہ ہے۔''

''خدا کی قسم اگر صباحت زندہ ہے تو میں تمام عمر تمہارا احسان نہیں بھولوں گا۔ تا زیست، میری نظریں، میرا سر ہمیشہ ہمیشہ اپنی محسن کے سامنے جھکا رہے گا۔ ایمان سے...... میں...... میں اف مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہے۔ کہ میں کیا کر ڈالوں

گا۔'' خرم جوش کے عالم میں زیب کا بازو ہلاتے ہوئے کہنے لگے تو وہ ہنس دی۔

تبھی زیب کی نظریں کچھ فاصلے پر کھڑے شارق کی نظروں سے ٹکرائیں۔ ان کے چہرے پر تو زردی ہی بکھری تھی۔ اور وہ آنکھوں میں عجیب سی آس وحسرت سمیٹے ان کی سمت تو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کھانا بھی چھوڑ دیا تھا اور پھر زیب کا دل نہ جانے کیوں ڈول سا گیا تھا۔ اس نے جھٹ نگاہیں پھیر لیں اور خرم کے ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹا دیئے۔

''اچھا خرم! اب خدارا آپ خود کو سنبھالیے۔ بس اتنا خیال رکھیے کہ میں جب بھی آپ کو اپنے پاس بلاؤں یا اشارہ کروں آپ فوراً آ جایئے گا۔ آیئے اب ادھر چلتے ہیں۔ وہ شارق صاحب ہمیں کب سے گھور رہے ہیں۔'' زیب نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

''لیکن زیب! وہ صباحت آخر ہے کہاں؟ کیا وہ یہیں ہے؟'' خرم بے قراری سے اس کے پیچھے لپکے۔ وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ بالکونی کی جالی دار دیوار میں سے دو خوبصورت آنکھیں بے تحاشہ نیر بہاتے ہوئے انہیں دیکھنے گھورنے کے علاوہ حرف بحرف ان کی باتیں بھی سن رہی تھیں۔ زیب نے اثبات میں سر ہلا کر تائید کی۔

پھر ٹینا نے میجر خرم کو گھیر لیا اور راحیل کو بھی بات کرنے کے لیے اپنے پاس بلا لیا۔ تو شارق کو موقع مل گیا وہ تیزی سے زیب کی طرف بڑھے جو چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے پرنسز سارہ یعنی صبا کو ڈھونڈ رہی تھی۔ یہ کہاں جا چھپی ہے صباحت۔ ہائے کہیں چلی تو نہیں گئی۔ وہ پریشان ہوگئی۔

''زیب! تو اب تو ہوگئی ہوگی تسلی آپ نے میجر خرم کو فوراً ہی فرضی منگنی کے ڈھونگ کے بارے میں بتا دیا ہوگا؟''

''ظاہر ہے آپ نے بھی الزام مجھ پر تھوپتے ہوئے اپنی پوزیشن تو کلیئر کر لی ہوگی تاکہ وہ آپ کے محبوب خرم کسی بدگمانی کا شکار نہ ہو جائیں۔'' شارق دانت پیس کر بولے۔

''اچھا تو پھر آپ کے خرم نے آپ کو معاف تو کر دیا ہے نا۔ ویسے بھی انہیں میری بیچارگی پر ترس تو آ رہا ہوگا۔'' زیب نے نظریں اٹھا کر شارق کو گھورا مگر پھر حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ان کی تلخ باتوں کو نظرانداز کر گئی۔ اسے تو صرف صبا کی فکر پڑی ہوئی تھی وہ جلد از جلد خرم سے اس کی ملاقات کروانا چاہتی تھی۔

جب شارق پر خرم اور صبا کا تعلق ظاہر ہوگا تو خود بخود ہی غلط فہمی اور الزام تراشیوں کا سلسلہ رک جائے گا۔ اس نے سوچا۔

''شارق صاحب! کیا آپ نے سارہ کو کہیں دیکھا ہے؟'' وہ ان کے سوالوں کو گویا رد کرتی ہوئی بولی تو وہ چڑ گئے۔

''زیب! تو تم نے میری باتوں کو قابل غور نہیں سمجھا اسی لیے جواب نہیں دے رہی ہو؟'' وہ بگڑ گئے۔

''جناب شارق صاحب! آپ کے ان بے معنی فضول سوالوں کے جواب میں ہماری لڑائی ہو جائے گی اور انجام یہ ہوگا کہ میں بے قابو ہو کر یہ محفل چھوڑ کر گھر چلی جاؤں گی۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''تم ...... تم زیب رحمان! تم مجھے دھمکیاں دے رہی ہو۔ تم میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔ تم جاؤ ابھی اسی وقت اس فنکشن کو چھوڑ کر چلی جاؤ مجھے تمہاری ضرورت نہ تھی نہ ہے۔'' شارق اس کے گستاخ لہجے پر بھڑ اٹھے مگر دبے دبے لہجے میں گرجے۔

''جی میں جانتی ہوں کہ اس وقت تو خانہ پری ہوگئی ہے لیکن میں دیکھوں گی کہ کل آپ کی اپنی پارٹی میں جب میں آپ کی منگیتر وہاں موجود نہ ہوئی تو آپ دوست احباب کے سامنے میری غیر موجودگی کے لیے کون سا بہانہ بنائیں گے؟'' وہ تیوری چڑھا کر بولی۔

''مسٹر شارق! ویسے کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ اس منگنی والے ڈرامے کے بعد لوگ مجھے آپ کے ساتھ نہ دیکھ سکے تو کتنی باتیں بنیں گی۔ تب کتنی توہین و سبکی ہوگی لوگ تو آپ کا مذاق اڑائیں گے۔ ویسے بھی آپ خاصے کینہ پرور اور بغض رکھنے والے انسان ہیں آپ! تبھی تو آپ نے ابھی تک نازیہ کو معاف نہیں کیا ہے۔ تو پھر اب اس ڈرامے کے ڈراپ سین کے بعد تو آپ میرے پیچھے بھی بندوق اٹھا کر بھاگیں گے۔'' وہ نہایت کورے نروٹھے انداز سے بول رہی تھی اور شارق پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

''تم زبان کو لگام دو لڑکی! اب میں مزید تمہارا احسان نہیں اٹھاؤں گا اور آج ہی یہ ڈرامہ ختم ہو جائے گا۔'' شارق کا لہجہ بہت سخت اور معنی خیز تھا۔

''اوہو...... واہ بھئی یہاں تو ہپی کپل (Happy Couple) کے بیچ بڑی سنجیدہ گفتگو ہو رہی ہے۔ بھئی زیب اینڈ شارق تم دونوں نے کچھ کھایا بھی ہے یا صرف آمنے سامنے دیدار کرتے ہوئے نگاہ شوق سے پیٹ بھرتے رہے ہیں۔'' ٹینا ہنستی ہوئی ان کے پاس چلی آئی۔

''جی شکریہ...... کھانا واقعی بہت اچھا تھا تبھی میں رغبت سے کچھ زیادہ ہی کھا گئی ہوں۔'' زیب نے سنبھل کر مسکرا کر کہا۔

''ویسے ٹینا! میں نے بارہا آپ کی طرف دیکھا۔ مگر آپ تو کچھ کھا ہی نہیں رہی تھیں بس میزبانی میں مگن تھیں۔''

''زیب! میں ویسے بھی شام کو ذرا کم ہی کھاتی ہوں۔'' ٹینا نے بتایا پھر زیب کا ہاتھ تھام لیا۔

''چلیے زیب! ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر میوزک سنتے ہیں؟'' ٹینا، زیب سے باتیں کرتی وہاں سے چل دی مگر زیب نظریں گھماتے ہوئے سارہ کو تلاش کر رہی تھی۔ کاش وہ آ کر اسے ان موذی دل جلی خواتین سے بچا لے۔

''بھئی ٹینا! تمہاری تو محترمہ زیب سے بڑی جلدی دوستی و بے تکلفی ہوگئی ہے۔'' مسز نیازی انہیں دیکھ کر بولیں۔

''ہاں...... مسز نیازی! سچی بات تو یہی ہے کہ واقعی مجھے زیب بہت اچھی لگنے لگی ہیں۔'' ٹینا خلوص سے ہاتھ دبا کر بولی۔

''شکریہ...... ٹینا! مجھے بھی آپ بہت اچھی لگی ہیں۔'' زیب نے مسکرا کر کہا۔

ٹینا جس طرح سے زیب کو ان کے درمیان سے اچک کر لے گئی تھی شارق فکرمند ہو رہے تھے کہ اب بھی کہیں یہ حاسد اور تماشبین خواتین مل کر زیب کا گھیراؤ نہ کر لیں۔ اسی خیال سے شارق بھی ان خواتین کے قریب صوفے پر آ کر بیٹھ گئے درمیان میں زیب اور دوسری طرف ٹینا براجمان تھی۔

''فرینڈ شارق! میں آپ کی پسند کی داد ضرور دوں گی واقعی آپ کا انتخاب لاجواب ہے۔ سچ پوچھیں تو مجھے آپ کی منگنی کی خبر سن کر دلی افسوس ہی نہیں بلکہ شدید صدمہ پہنچا تھا۔ کیونکہ مجھے آپ بہت پسند تھے۔ بلکہ اب بھی ہیں۔'' وہ جلدی سے کہتے ہوئے ہنس دی۔

''تبھی تو میں آپ کو ہر قیمت پر اپنانا چاہتی تھی شریک حیات بننے کی آرزو مند تھی۔ مگر اب زیب سے مل کر میرا سب غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا ہے اور اب میں آپ کو سچے دل سے مبارکباد دیتی ہوں۔'' منہ پھٹ نڈر ٹینا نے فراخ دلی سے انکشاف کیا۔ تو دوسرے صوفے پر نزدیک بیٹھی نازیہ کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے شارق کو کھوجتی نظروں سے گھورا۔

''توبہ...... یہ شارق! جو کبھی اس قدر شریف اور جھینپو سا ہوتا تھا۔ جو نظر بھر کر کسی دوسری عورت کو نہیں تکتا تھا آج وہ صنف نازک میں اس قدر مشہور مقبول اور ایک فلمی ہیرو کی طرح سے ہر دلعزیز ہو گیا ہے۔'' نازیہ دنگ تھی۔ جبکہ شارق نے ٹینا کی سچائی کو سراہا اور پسندیدگی کی نگاہ ٹینا پر ڈالی اور بڑے دوستانہ انداز سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔ وہ خوشدلی سے ہاتھ دبا کر ہنس دی اور پھر وہ سب باتوں میں مگن تھے۔ جب کسی نے ڈیک پر میوزک لگا دیا۔ تب کچھ جوڑے اٹھ کر رقص کرنے لگے۔

تبھی نازیہ نے اٹھ کر مسز نیازی سے کوئی بات کی اور مڑ کر شارق کی طرف بڑھی۔

''پلیز شارق! میں آپ کے ساتھ رقص کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ تمام تر بے غیرتی و ڈھٹائی سے بولی۔ اس غیر متوقع فرمائش پر شارق نے بھی حیران ہو کر اسے دیکھا۔ پھر اس کے ماتھے پر نہ صرف بل پڑ گئے بلکہ چہرہ نفرت سے کھنچ سا گیا۔

''ازشی کریزی (Is she crazy)'' وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

''شکریہ...... وہ وقت گزر گیا ہے جب مجھے تمہارے ساتھ گھسٹنا پڑتا تھا اور اب تو تمہاری قربت کا تصور ہی ناقابل برداشت ہے۔ ویسے بھی تم جیسی اناڑی خاتون سے رقص کرنے میں کیا مزا رکھا ہے۔'' وہ حقارت سے بولے پھر ایک دم زیب کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچا اور فلور کی طرف بڑھ گئے۔

''پلیز شارق صاحب! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ مجھے رقص کرنا نہیں آتا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ شرمندہ ہو جائیں جبکہ آپ چند منٹ پہلے اقرار کر چکے ہیں کہ آپ کو اناڑی لوگوں سے رقص کرتے ہوئے مزا نہیں آتا۔'' زیب نے گھبرا کر ہاتھ چھڑا لیے تبھی اس کی نظر بالکونی میں کھڑی سارہ پر پڑی اگرچہ وہ اندھیرے میں تھی تب بھی زیب پہچان گئی تھی۔ اور اب وہ دل سے چاہتی تھی کہ خرم اور صباحت کی جلد نبٹوک ہو۔

''پتہ نہیں خرم کہاں چلے گئے نظر نہیں آ رہے۔'' زیب نے بے ساختہ کہا اور پھر اسے ڈھونڈنے لگی تو کچھ دور وہ مسٹر نیازی سے باتیں کرتے نظر آ گئے وہ بھی اتفاقاً اس وقت زیب ہی کو دیکھ رہے تھے۔ تو زیب نے جلدی سے ہاتھ ہلا کر بلا لیا تو خرم بھی لپکتے ہوئے قریب پہنچے۔

''پلیز ایکسکیوز می!'' وہ شارق کو نظر انداز کر کے خرم کا بازو تھام کر دوسری طرف مڑ گئی۔

''پلیز خرم! آپ ذرا یہیں رک جائیں میں آپ کو اپنی ایک سہیلی سے ملوانا چاہتی ہوں؟'' اس نے سرگوشی کی۔

''اور جس طرح سے زیب میجر خرم کا ہاتھ تھامے شارق کا بازو جھٹک کر چلی گئی تھی۔ وہ توہین کے احساس سے لرز اٹھے تھے۔ غصے کی شدت سے ان کی نگاہوں میں قہر اور طوفانی بجلیاں کوندنے لگی تھیں۔ انہوں نے زیب کو بری طرح سے گھورا اور ایک دم سے گھوم کر دوسری طرف چلے گئے اور زیب کچھ گھبرا سی گئی۔

''میرا خیال ہے خرم کہ شارق صاحب ہم سے ناراض ہو گئے ہیں؟'' وہ پر خیال انداز میں بولی۔ مگر پھر لاپرواہی

سے کاندھے جھٹکے کہ اس کے سامنے تو ایک اہم مشن تھا۔ یعنی خرم اور صباحت کا میلاپ وسنجوگ کروانے کا مشن۔ تبھی وہ پرجوش تھی۔

''آیئے خرم! چلیے ہم خود ہی وہیں چلے چلتے ہیں۔'' وہ جلدی سے بالکونی کی طرف بڑھی اور انہیں ساتھ لیے وہ سیڑھیاں چڑھ کراوپر چلی آئی۔

صبا نے انہیں اپنی سمت آتے دیکھ لیا تھا۔ اور فرار کا کوئی راستہ نہ پا کر وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے کرسی پر ڈھیر ہوگئی اور زیب گویا ایک قیامت کی مانند اس کے سر پر جا کھڑی ہوئی۔

''کیوں خرم! کیا انہیں پہچانتے ہیں آپ؟'' زیب نے صباحت کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو اس کا سر اور زیادہ جھک گیا اور پھر بالکونی میں روشنی بھی تو کم تھی نا تبھی تو خرم کو پہچاننے میں دشواری پیش آرہی تھی۔

''نہیں...... میں پہچان نہیں سکا کون ہیں یہ؟'' وہ سوالیہ انداز سے جھک کر دیکھتے ہوئے بولے۔

''اوہو......'' اچانک ان کی نظر صبا کے ہاتھ پر پڑی جس کی انگلی میں جانی پہچانی منگنی کی قیمتی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ تو حیرت وتحیر سے ان کے منہ سے چیخ نکل گئی اور آنکھیں کھل سی گئیں۔

''یہ...... یہ انگوٹھی ان کے پاس کیسے آئی؟ کون ہیں یہ خاتون! بولیے پلیز۔'' خرم نے بے صبری سے ہاتھ ہی پکڑ لیا اور بے چینی سے انگوٹھی پر انگلی پھیرنے لگے۔ وہ دم بخود تھے۔

''خرم...... اونہوں...... کیا مطلب...... کیسی احمقانہ باتیں کر رہے ہیں۔ کہ یہ انگوٹھی ان محترمہ کے پاس کیسے آئی؟ بھئی تم نے اپنی منگیتر کو تو پہنائی تھی پھر بھلا کوئی دوسری لڑکی کی جرأت تھی کہ وہ اس انگوٹھی کو ہاتھ لگاتی۔ بھئی تمہاری صبا ہی اس انگوٹھی کی مالک تھی اور اب بھی اسی کے ہاتھ میں ہے تمہاری نشانی؟'' زیب نے مذاق کرتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔

''نہیں...... یہ صبا نہیں ہوسکتی ہے۔'' خرم نے جھک کر صبا کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے اور اس کے چہرے سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے اور پھر جیسے انہوں نے بجلی کی ننگی تاروں کو چھو لیا تھا۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے موجود اپنی متاع حیات اپنی صبا کو دیکھنے لگے۔ کیا یوں بھی کوئی موت کو شکست دے کر زندہ لوگوں کی دنیا میں پلٹ آتا ہے۔ جس صباحت کی قبر پر جا کر رو رو کر فاتحہ پڑھی تھی۔ وہ مردہ خاتون اب جیتے جاگتے سانس لیتی ہوئی سامنے موجود تھی۔ یہ...... یہ...... یہ کیا معمہ ہے؟ یا خدا۔ خرم چکرا کر رہ گئے تھے۔

صبا نے دوبارہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا تھا اور وہ جھکی سسکیاں لے رہی تھی۔ یہ سب تو برداشت سے باہر تھا۔

''زیب...... زیب...... کیا یہ واقعی صبا ہے؟ میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ خدارا! مجھے جلدی بتاؤ ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔'' میجر خرم بے دم ہو کر کرسی پر گر گئے تھے اور ان کے تمام بدن سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا انہوں نے سر کرسی سے ٹکا دیا۔

صبا سے متعلق انکشاف اس قدر اچانک تھا اور ان کے صبر وحوصلے سے بڑھ کر تھا تبھی وہ بے سدھ ہوگئے تھے۔

''صبا...... صبا! میرا خیال ہے کہ خرم بیہوش ہوگئے ہیں تم انہیں سنبھالو میں پانی لے کر آتی ہوں۔'' زیب گھبرا کر اندر ہال کی طرف لپکی۔

''خرم......خرم......'' صبا نے بے قراری سے پکارا۔ وہ ان کے نڈھال سے وجود کو دونوں بازوؤں میں جکڑے بے قراری سے ان کے چہرے پر جھکی ہوئی تھی اور اپنے رشتے کی قربتوں سے ترسی ہوئی صبا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس عزیز ترین ہستی کو دل کی گہرائیوں تک میں دوبارہ سے چھپا لے۔ اس نے بے اختیاری میں کیا بھی کچھ ایسا۔ خرم کو گلے سے زور سے لگا لیا۔

''خرم......او خرم...... خدا کے لیے ہوش میں آیئے آنکھیں کھولیے۔ ایک بار تو اپنی گناہگار صباحت کو معاف کر دیجیے۔'' صبا نے تڑپ کر خرم کے بھیگے ہوئے چہرے پر پیشانی ٹیک دی اور آنسوؤں کی بوچھاڑ خرم کے چہرے کو بھگونے لگی۔ خوابیدہ حواس بیدار ہونے لگے۔ وہ جوان ہٹا کٹا سا مرد بھی حوصلہ ہار کر بیہوش ہو گیا تھا۔

''صبا......صبا! تو تم واقعی زندہ ہو۔'' خرم بڑبڑائے انہیں ہوش آ رہا تھا۔

''ہاں......خرم! میں زندہ تو ہوں۔ مگر میں اس قابل تو بالکل نہیں کہ آپ میری طرف دیکھ سکیں یا مجھے چھو پا سکیں۔ میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے اور میں اس قابل نہیں ہوں کہ آپ کی زبان پر مجھ بدنصیب کا نام بھی آئے۔ میں تو گندگی و غلاظت کی پوٹ ہوں۔ خرم! آپ مجھے چھو کر ہاتھ میلے و ناپاک مت کریں۔'' صبا، خرم کے قدموں میں جھک گئی ان کے پاؤں دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیے۔

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو صبا؟'' خرم اب تڑپ کر اٹھے انہوں نے صباحت کو اٹھانا چاہا مگر وہ ان کے قدموں سے لپٹی ہی رہی۔

''مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں رہی ہے صبا! تمہیں خبر نہیں کہ تمہیں کھو کر میں کس جانکنی میں مبتلا رہا ہوں اور میری تڑپ میری آہ وزاری پر شاید قدرت ہی کو میرے حال پر ترس آ گیا ہو گا تبھی تم دوبارہ مجھے مل گئی ہو۔ صبا بہت بڑی قیمت ادا کی ہے میں نے تمہیں پانے کی۔ پھر تم کیسے کہتی ہو کہ تم اس قابل نہیں کہ اپنائی نہ جا سکو۔ پلیز اٹھ جاؤ تمہاری جگہ میرے قدموں میں نہیں ہے بلکہ میرے دل کے گوشے گوشے میں تمہارا نقش کندہ ہے۔'' خرم نے نہایت عقیدت و پیار سے کہا اور زبردستی پاؤں سے ہاتھ ہٹانے لگے۔

''نہیں......نہیں خرم! میں تو آپ کو اپنی شکل تک دکھانا نہیں چاہتی اس پر تو زمانے بھر کی رسوائیاں لکھ دی گئی ہیں۔'' وہ بے اعتباری کے عالم میں مبتلا تھی تبھی روئے جا رہی تھی۔

کون؟ بھلا کون مرد اس قدر فراخ دل اور خرم جیسا دیالو ہو سکتا ہے اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ''ہمت اور یقین کرو صبا! مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں تمہیں پناہ دے سکوں۔ تمہارے لیے سائبان بن سکوں۔ میرا پیار ان تمام بدنامیوں کو دھو دے گا اور مجھے دنیا والوں کی نہ تو پرواہ ہے نہ ہی ان کا کوئی خوف ہے۔'' وہ اسے زبردستی اٹھا کر بولے۔

''خرم! آج میں اپنی نظروں میں بری طرح سے ذلیل و حقیر ہو گئی ہوں آپ اتنے بلند اتنے عظیم ہیں اور میں...... میں؟'' وہ روئے چلی گئی۔

''مگر نہیں خرم! میں نے آپ جیسے فرشتہ صفت انسان سے اس قدر زیادتی و ظلم کیا ہے اب میں دوبارہ اپنے مفاد کی خاطر آپ کے دامن سے لپٹ کر اسے آلودہ نہیں کرنا چاہتی۔ میں اب زمانے بھر کی ٹھوکریں کھانے اور ٹھکرائے جانے کے بعد خود غرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کی زندگی نہیں برباد کروں گی۔'' وہ روتی ہوئی دور ہٹ گئی۔ تو خرم نے پیار

سے سمجھانا چاہا۔

''صبا......صبا......خدارا! میرا مزید امتحان مت لو اور اٹھو میرے ساتھ گھر چلو باقی باتیں وہیں کرلیں گے۔''

''نہیں یہ تو طے ہے کہ میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہی ہوں۔ مگر خرم میرے دل میں یہ خواہش تو شدتوں سے موجود تھی کہ ایک بار آپ مجھے میری زندگی میں کہیں کسی موڑ پر مل جاتے اور میں آپ کے قدموں پر جھک کر چھو کر اپنے کردہ گناہوں کی معافی مانگ سکوں۔ اور آج مجھے میرے رب نے یہ موقع فراہم کر دیا ہے۔ خرم اب میں آپ کے قدموں کو چومنا چاہتی ہوں۔'' وہ دوبارہ قدموں میں جھکنے لگی تھی۔

''اف ہو......تم یہ کیا کر رہی ہو صبا! پاگل ہوئی ہو کیا؟'' وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے اور پھر زبردستی صبا کو بازو پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کر دیا۔ پھر دلگیر لہجے میں بولے۔

''صبا! لگتا ہے کہ میں اب بھی تمہارے قابل نہیں ہوں۔ مجھ میں جو کمی پہلے تھی وہ آج بھی موجود ہے۔ تبھی تم نے بار بار مجھے ٹھکرایا اور آج بھی مجھے اپنانے میرے ساتھ چلنے سے انکاری ہو؟'' وہ دلگیر لہجے میں بولے۔

''خیر صبا! اب تم ٹال مٹول سے کام لے رہی ہو تو میں بتاؤں کہ نہ تو میں پہلے تمہاری راہ میں دیوار بنا تھا۔ نہ ہی اب بنوں گا اور تم تسلی رکھو میں زبردستی یا تشدد پر تو یقین نہیں رکھتا ہوں۔ تبھی تمہیں کھینچتا ہوا نہیں لے جاؤں گا۔ بس اب تم ایک بار یا آخری بار مجھے اچھی طرح سے اپنی شکل دیکھ لینے دو تو پھر میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔'' خرم پھر سے وسوسوں کا شکار ہو کر غلط اندازے لگانے لگے تھے۔ تب انہوں نے صبا کا چہرہ اپنی طرف گھمایا تو ہراساں سی صبا نے ایک دم نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔

یوں دونوں کی نظریں ملیں اور پھر الجھ کر رہ گئیں۔ وہ ترسی ہوئی نظروں سے تکتے ہی رہ گئے۔ نگاہیں جن سے بے پناہ محبتیں اور بے تابیاں چھلک رہی تھیں۔ جدائیوں کے عذاب سمائے تھے۔ جو کہ شکوہ کر رہی تھیں گریہ زاری کر رہی تھیں۔ بار بار سوال کر رہی تھیں کہ پوچھ رہی تھیں۔

دامن چھڑا کے آپ نے جانا ہی تھا اگر
نظریں اٹھا کے آپ نے دیکھا تھا کس لیے

''او صبا......صبا! یوں میرے صبر کو مت آزماؤ؟'' خرم نے بے بسی سے پکارا تو صبا محبت کے جذبے سے مغلوب ہو کر دو قدم ان کی سمت بڑھی۔ مگر پھر رک کر مڑی اور باہر کی طرف بھاگنے لگی۔ عقل نے دل کی باگیں جو تھام لی تھیں۔ وہ خرم سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی مگر دروازے پر ہی زیب نے اسے روک لیا وہ خرم کے لیے پانی لا رہی تھی۔

''صباحت! کہاں بھاگی جا رہی ہو تم؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''خیریت تو ہے نا خرم تو ٹھیک ہے نا؟'' زیب اسے بلکتا روتا دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

''ہاں......ہاں میں ٹھیک ہوں زیب۔'' خرم اپنی پیشانی تھامے سامنے آ گئے ان کا چہرہ اتر گیا تھا اور آنکھیں سرخ تھیں۔ صبا کی نگاہیں ان کے چہرے پر جم گئی تھیں وہ اس محبوب ہستی کی بلائیں لے رہی تھیں نثار ہو رہی تھیں۔

''خرم! کیا بات ہے؟ کیا آپ دونوں کی صلح نہیں ہوئی ہے؟'' زیب نے گھبرا کر پوچھا۔

''نہیں زیب! پہلے میں ان کے قابل نہیں تھا اور بقول ان کے اب یہ میرے قابل نہیں رہی ہیں۔'' خرم دل گرفتگی

سے ہنسے پھر زیب کے روکنے کے باوجود خرم ہونٹ کاٹتے ہوئے ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔

''صبا! یہ تم نے کیا حماقت کا ثبوت دے ڈالا ہے اتنے عرصے بعد دلی مراد بر آئی جسے چاہا تھا وہ دوبارہ زندگی میں آ رہا تھا اور تم ہو کہ اتنا اچھا موقع ہاتھ سے گنوا بیٹھی ہو۔ کیا مل گیا ہے تمہیں خرم اور اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر اسے بے سکون کر کے؟'' زیب چڑ ہی تو گئی۔

''نہیں زیب! مجھے میرے ضمیر کی چبھن چین ہی نہ لینے دیتی میں...... میں نہ تو اپنے بارے میں حقیقت سے انہیں روشناس کر سکتی ہوں اور نہ جھوٹ بول کر دھوکہ دے سکتی ہوں۔'' صبا سر تھام کر بولی۔

تو زیب نے پیشانی پر بے بسی سے ہاتھ مارا پھر صباحت کو کاندھے سے لگائے تسلی دینے لگی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ یکایک زیب چونک کر زور سے بول اٹھی۔

''ہائیں...... یہ شارق صاحب! یوں محتاط سے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے دبے دبے پاؤں رکھتے کہاں جا رہے ہیں بھلا؟'' صبا نے بھی جلدی سے سر اٹھا کر اس سمت دیکھا۔

شارق نے گہری نظروں سے رک کر اپنے اطراف کا جائزہ لیا تھا پھر سبھی مہمانوں کو مصروف پا کر وہ ایک پردے کی آڑ میں کھڑے ہو گئے پھر دوبارہ انہوں نے ڈرائنگ روم میں جھانکا اور کسی کو ان کی نظروں نے تلاش کر ہی لیا۔ پھر انہوں نے نگاہیں وہیں مرکوز رکھتے ہوئے ہی اپنے کوٹ کی جیب سے پستول نکالا اور کسی کا نشانہ لینے لگے۔ وہ زیب اور صبا سے صرف چند فٹوں کے فاصلے پر تو تھے اور ان کے چہرے پر بڑی خطرناک سی مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

صباحت نے تیزی سے بڑھ کر ڈرائنگ روم میں بالکونی کے دروازے کی طرف سے اندر جھانکا۔ آخر شارق کس کو گھائل کرنے پر تلاش ہوا تھا وہ اس بے خبر شکار کو تو دیکھتی۔ پھر وہ چیخ اٹھی۔

''ارے زیب جلدی بھاگو پکڑو شارق کے بالکل سامنے نازیہ بیٹھی ہے اور...... اور شارق اسے شوٹ کرنے لگا ہے۔'' صباحت، زیب کا ہاتھ پکڑ کر دوڑ پڑی۔

ابھی شارق کا پستول والا ہاتھ جھکا ہی تھا وہ ٹریگر پر انگلی رکھنے ہی لگا تھا کہ صبا نے لپک کر ہاتھ پکڑ لیا اور پستول چھیننے لگی مگر وہ تو بپھرا ہوا تھا کہاں اس کے قابو آ رہا تھا بھلا۔

''شارق! دماغ خراب ہو گیا ہے کیا پاگل ہو رہے ہو؟ چھوڑو پستول۔'' وہ آہستگی سے بولی دونوں کے بیچ گویا کشتی ہو رہی تھی۔

وہ پستول چھیننے کی ناکام کوشش کیے جا رہی تھی مگر وہ اسے دھکا دے کر بولے۔ ''تم دور ہٹ جاؤ صبا! آج میں اس نازیہ کے قصے کو ہی نپٹا دوں گا خاک میں ملا دوں گا اس فتنے کو۔''

''آپ ذرا ہوش کی دوا لیجیے شارق صاحب! حد ہو گئی ہے حماقت کی۔ یعنی آپ اس ذلیل لالچی پیچ عورت کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں کہ اس کی خاطر اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیں گے۔

بھئی حد ہے خود غرضی اور مطلبی ہونے کی کہ اپنی بیوہ ماں اور بہن کی خوشیاں بھی آپ کو عزیز نہیں ہیں اور آپ ان دونوں بدنصیبوں کی زندگیوں کو روگ لگانا چاہتے ہیں۔'' زیب نے ان کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے ڈپٹا۔ ''لعنت ہے ایسی مردانگی پر ویسے ڈھٹائی آپ میں بھی بہت ہے سب نے کتنی بار منع کیا ہے۔

اف توبہ...... آپ اس قدر بزدلی کا ثبوت دیں گے۔ میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ شارق! آپ جانتے تو ہیں کہ یہ عورت نازیہ آپ کو ٹھکرانے کے بعد سے پچھتا تو رہی ہے۔ تو آپ اسے ندامتوں کی آگ میں کیوں نہیں جلنے دیتے ہیں؟ خود ہی جل سڑ کر مر جائے گی کمبخت۔ یاد رکھیے آپ نے آج اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تو یہ کوئی کمال نہ ہوگا۔ یہ تو اس کی ایک طرح سے غموں سے خلاصی ہو جائے گی بلکہ وہ تو آپ کی شکر گزار ہوگی۔

تو شارق اس کی مشکل آسان مت کیجیے۔ بلکہ اسے اپنے دکھوں پچھتاوؤں کے ساتھ ساتھ سسک سسک کر جی جی کر مرنے دیجیے۔ جو کہ بہت ہی کٹھن عمل ہے۔'' زیب نے سختی سے کہا۔

''حد ہے شارق! ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آپ اپنی زخمی انا کی تسکین کی خاطر قتل جیسے فعل قبیح کرنے سے بھی باز نہیں آئیں گے۔ ویسے سوچیے تو کہ پہلے کیا کم آپ کی زندگی تباہیوں کی نظر ہوگئی ہے۔ جواب آپ زندگی کو نیا روگ لگا رہے ہیں۔ خدارا اپنی والدہ اور بہن کے حشر کے بارے میں سوچ لیجیے۔ وہ تو جان دے دیں گی۔'' صباحت نے بھی کوفت زدہ انداز میں کہا۔

''لائیے پستول مجھے دے دیجیے۔'' زیب نے ان کے ہاتھ سے پستول کھسکا لیا اور اپنے پرس میں رکھ کر پھر انہیں پھسلاتی ہوئی نرمی سے بازو تھامے ڈرائنگ روم میں آگئی۔ تب بہت سے لوگوں کی نظریں ان پر جم گئیں۔

''اوہو...... پرنسز سارہ بھی آئی ہوئی ہیں؟'' میجر خرم کے قریب صوفے پر بیٹھا شخص تقریباً اچھل کر پُر اشتیاق انداز میں بولا۔

''کیوں یار! کون سی پری ہے پرنسز سارہ جسے دیکھ کر تم اچھل گئے ہو؟'' دوسرا آدمی اس کی سمت جھک کر بولا۔

''ہائے میری جان وہی تو ہے وہ نیلم میری جس نے ڈارک بلیو ساڑھی پہنی ہوئی ہے۔ وہ جو شارق رضا کے ساتھ آرہی ہے۔''

''اف توبہ...... وہ تو قیامت ہے آفت ہے پرویز یار! کیوں کیا تمہاری کچھ واقفیت ہے اس سے۔ ہائے میرا تو دل دھڑک اٹھا ہے اسے دیکھ کر۔'' وہ شخص ندیدی نظروں سے یقیناً سارہ کو ہی دیکھتے ہوئے اس گھٹیا انداز میں باتیں کر رہا تھا۔

''میری بدقسمتی ہے یار! بیگ کہ یہ پری میرے ہاتھوں سے نکل گئی اور واقفیت تو ایسی تھی اس قاتل حسینہ سے کہ یہ لڑکی میری خاطر اپنے لائق فائق خوبصورت منگیتر اور والدین بھائی بہن سبھی کو چھوڑ چھاڑ کر میرے ساتھ فرار ہوگئی تھی۔ مگر میرے والد نے مجھے عاق کرنے کی دھمکی دی تو مجبوراً مجھے اس بت شکن کو امریکہ چھوڑ کر واپس بھاگنا پڑا۔ اور ایک بدصورت سی عورت سے محض دولت کی خاطر شادی رچا کر باپ کو خوش کرنا پڑا۔'' اس نے یعنی پرویز نے ٹھنڈا سانس لے کر سارہ کو گھورتے ہوئے بتایا۔

''ویسے یار بیگ! سارہ اس وقت اتنی خوبصورت نہیں تھی۔ یہ تو اب عذاب جان ایک قیامت ہوگئی ہے۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی سانسیں رکنے لگتی ہیں۔ اب تو یہ واقعی بادصبا ہوگئی ہے۔'' پرویز نے ہاتھ ملے۔

''تو یار پرویز! خدارا میل ملاقات کی پھنسانے کی تم ہی کوئی ترکیب نکالو نا۔'' دوسرا اوباش دوست منت کر رہا تھا۔

''تمہاری قسم سیٹھ رحمت بیگ! بہت کوششیں کی ہیں تجدید تعلقات کی ایک بار اس کے گھر میں بھی گھس گیا تھا۔ مگر

وہ تو مجھے شوٹ کرنے لگی تھی اور میں بمشکل جان بچا کر بھاگا تھا۔" پرویز نے جھرجھری لیتے ہوئے بتایا۔

"ویسے سیٹھ! میں تمام عمر اپنی اس حماقت پر پچھتاؤں گا کہ یہ حور شمائل معشوقہ میرے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔"

"او...... میرے خدا...... یہ...... یہ میں کیا سن رہا ہوں؟" خرم قریب بیٹھے تھے پرویز اور اس کے بدکار عیاش دوست رحمت بیگ کی لن ترانیاں بغور سن رہے تھے اور پھر ان کی آنکھوں سے بہت سے پردے ہٹتے ہی چلے گئے۔ کیسے تکلیف دہ راز فاش ہو رہے تھے۔ ان کے دل میں تو جیسے کوئی خنجر اتارے جا رہا تھا۔ وہ صباحت کے تغافل و گریز کا راز جان چکے تھے۔

"خرم میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ میرا وجود آلودہ ہو چکا ہے۔ میں تو پوری کی پوری گناہوں کی دلدل میں پھنسی ہوں۔ میں اس قابل نہیں کہ تم جیسا شریف بلند کردار انسان مجھ گناہگار کی زندگی کا ساتھی بنے۔"

خرم کے کانوں میں صبا کی آواز گونج رہی تھی اور وہ منہ کھولے پرویز کے کچھ شناسا سے چہرے کو دیکھے جا رہے تھے۔ "اچھا تو صباحت زندہ ہی تھی چچا وغیرہ نے جان بوجھ کر ایکسیڈنٹ کی جھوٹی خبر اڑائی تھی۔ یہ مری تو نہ تھی بلکہ اپنے محبوب پرویز...... پرویز اپنے بھائی اسلم کے آوارہ دوست بدقماش کے ساتھ گھر سے فرار ہو گئی تھی۔" خرم کے دل میں تو طوفان اٹھ اٹھ کر اس کی ہستی کو ڈبوئے جا رہے تھے۔

وہ سر تھامے صوفے کی پشت سے لگ گئے۔ ان کی تو روح تک لرز اٹھی تھی اور کان ان اوباش مردوں کی بے باک باتوں میں لگے ہوئے تھے۔

"یار سیٹھ رحمت بیگ! تو بڑا ہی بے صبرا سخت لچا ندیدہ ہے۔ تو بہ لڑکی کو دیکھتے ہی دیوانہ ہو اٹھتا ہے۔ اچھا یار تم فکر مت کرو بس ذرا انتظار کرو۔ میں ابھی بھی مسلسل کوششوں میں لگا ہوا ہوں اسے پٹانے کے لیے دیکھ لینا اسے ہر قیمت پر رام کر کے دم لوں گا۔ ہاں بالفرض میرے ہاتھ نہ لگی تو پھر تم اپنی قسمت آزما لینا۔" وہ جیسے بخشش دے رہا تھا۔ پرویز بڑی کمینگی سے اپنی بڑائی جتاتا ہوا بولا۔

"اچھا...... تو یہ وہی پرویز ہے؟" خرم کے ماؤف دماغ نے اب کام کرنا شروع کر دیا تھا وہ اسے گھورے جا رہا تھا۔ بدکاری اور عیاشی کے مکروہ اثرات اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔ وہ خوبرو چہرہ بگڑ چکا تھا۔ خرم کو رفتہ رفتہ سب کچھ یاد آنے لگا تو اس کی مٹھیاں بھنچنے لگیں۔ پھر وہ ایک دم یوں اٹھا کہ غصے سے سب کچھ دھندلا کر رہ گیا۔ اور لپک کر بے خبر بیٹھے شیخی بکھیرتے پرویز کو گریبان سے پوری قوت سے پکڑ کر اور بری طرح سے گھسیٹ کر سامنے کھڑا کر دیا۔

"اچھا تو آج تم برسوں بعد مجھے مل ہی گئے ہو۔ ذلیل بدمعاش انسان...... پرویز تم سے تو پرانے بدلے چکانے ہیں۔ غور سے دیکھو پہچانو مجھے میرا نام میجر ڈاکٹر خرم ہے اور میں ہی صبا کا منگیتر تھا۔ اور آج بھی ہوں۔ تم یقیناً مجھے بھولے تو نہیں ہو گے۔" خرم نے چہرہ قریب کرتے ہوئے دانت بھینچ کر سرگوشی کی۔

یکایک پرویز کا رنگ اڑ گیا۔ ہاں وہ خرم کو پہچان چکا تھا اور اسے اب اپنی موت سامنے نظر آنے لگی تھی۔ وہ گھبرا کر گریبان چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ کمبخت خرم تو ساتھ بیٹھا تھا اس نے بیگ اور میری باتیں سنی ہوں گی۔

مگر خرم نے پوری طاقت سے اس کے ہونٹوں پر مکا دے مارا اور پھر تو اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اندھا دھند مکے برسا دیئے۔ برسوں سے اندر ہی اندر ابلنے والا لاوا آخر پھٹ ہی نکلا تھا۔ پرویز تو اس قدر بدحواس ہو گیا تھا کہ اسے

اپنے بچاؤ کے لیے ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

کافی مہمان کھانے پینے کے بعد جا چکے تھے لیکن جو موجود تھے وہ ان کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ پھر پریشان سے راحیل اور شارق نے بپھرے ہوئے خرم کو سنبھالنے کی بہتیری کوشش کی لیکن اس پر تو جیسے کوئی بدروح سوار ہو گئی تھی وہ تو بے قابو ہو رہا تھا۔

''خرم...... خرم یار ہوش کی دوا کرو آخر ہو کیا گیا ہے تمہیں؟'' راحیل نے انہیں کھینچا۔

''تم ہٹ جاؤ راحیل! آج میں اس حرامزادے کو زندہ نہیں چھوڑوں گا میری زندگی برباد کی ہے اس نے اور بہت سے حساب چکانے ہیں اس خبیث سے۔'' خرم، پرویز کو رگیدتے ہوئے بولے۔

''میجر خرم! عقل سے کام لیجیے ہوا کیا ہے آخر'' شارق نے اسے پکڑنا چاہا۔ لیکن خرم نے جھٹک کر ان کو بھی پیچھے ہٹا دیا وہ تو بری طرح سے پرویز کے وجود پر چھایا تھا جو لہولہان ہو چکا تھا۔ اب کسی میں جرأت نہ تھی کہ وحشی سے خرم کو روک سکتے۔ وہ پرویز کو مارتے مارتے دروازے تک لے آئے پھر زور سے مکا مارا تو وہ چکراتا ہوا آٹھ دس سیڑھیاں نیچے جا گرا۔ سیٹھ رحمت نے انہیں چھڑانے کی کوشش کی تو خرم نے اسے بھی دھر لیا اور جب منہ سوج کر نیلا ہو گیا تو تب چھوڑا۔

سب لڑکیاں دل تھامے وحشت سے یہ سب تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ پرویز نے ہاتھ پاؤں ڈال دیئے تھے وہ نیم بیہوش تھا شاید اس کے سامنے کے دانت بھی ٹوٹ چکے تھے۔

''خرم...... خدا کا واسطہ رک جاؤ بس بہت ہو چکی یہ کمبخت تو مر جائے گا۔'' زیب نے بھاگ کر خرم کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں کھینچنے لگی۔

''ہٹ جاؤ زیب! آج میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا میں اسے مار ڈالوں گا'' وہ تو کسی کے قابو میں نہیں تھے۔

''تمہیں میری قسم ہے خرم! رک جاؤ پلیز رکو۔'' زیب بے بسی سے رو پڑی تھی۔

خرم کا ہاتھ فوراً جھک گیا وہ پرویز کو چھوڑ کر کھڑے ہو گئے پھر بڑی نفرت سے پرویز کے جسم کو ٹھوکر ماری۔ ''زیب میں نے اسے صرف تمہارے کہنے پر معاف کیا ہے ورنہ میں تو دل میں ٹھانے تھا کہ اپنی اور اس کی جان ایک کر دوں گا۔'' خرم اپنا منہ آستین سے صاف کرتے ہانپتے ہوئے بولے پھر تیزی سے مڑے۔

''سیٹھ رحمت! دل تو چاہتا ہے کہ تمہاری توند بھی پھاڑ ڈالوں تا کہ تمہیں پتہ تو چلے کہ کسی کی منگیتر کو کیسے پھنسانے کی کوشش کی جاتی ہے اور کسی کی بہن بیٹی کی عزت کو کس طرح اچھالا جاتا ہے۔'' خرم نے مٹھیاں بھینچیں۔

''ہم...... ہم کو معاف کرو ڈاکٹر بھائی یہ سب قصور سالا حرامی پرویز کا ہے۔ وہی بکواس کر رہا تھا۔ اس...... اس چھوکری...... مطلب...... اس لڑکی کے متعلق...... تم نے بہت اچھا کیا جو اس بدمعاش کا مرمت بنا دیا ہے۔ بھائی ہمارا کوئی دوش نہیں۔'' سیٹھ ہاتھ باندھ کر منت کر کے بولا۔ تو خرم نے اسے فوراً وہاں سے جانے کے لیے کہا۔

تو سیٹھ رحمت نے دو تین آدمیوں کی مدد سے نیم جان پرویز کو کار میں ڈالا اور منہ سہلاتا وہاں سے بھاگ نکلا۔

زیب کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے سارہ بھی برستی آنکھیں اور دھڑکتا دل تھامے زرد سی کھڑی تھی۔

''بس...... اب تو چپ ہو جاؤ زیب!'' خرم، صبا کو نظر انداز کیے زیب کا ہاتھ پکڑ کر ٹینا کی طرف بڑھے۔

''ٹینا مجھے بہت افسوس ہے کہ تمہاری پارٹی کا میں نے بیڑا غرق کر دیا ہے مگر بات ہی کچھ پرویز نے ایسی کی تھی کہ میری غیرت جوش میں آ گئی اور میں خود پر قابو نہ رکھ سکا اور پرویز پر ٹوٹ پڑا۔'' خرم معذرتی انداز میں بتانے لگا۔

''کوئی بات نہیں خرم! اگر تم جیسا ٹھنڈے مزاج کا آدمی بے قابو ہو کر آتش فشاں کی طرح پھٹا ہے تو یقیناً کوئی اہم بات ہو گی؟'' ٹینا نے فراخدلی سے کہا۔

''ویسے خرم مائی ڈیئر! کالج فیلو تم اسٹوڈنٹ تو اچھے تھے ہی مگر باکسر بھی برے نہیں ہو۔ پرویز جیسے گینڈے کو رگید ڈالا ہے۔'' ٹینا نے ہنس کر اس کا کاندھا تھپتھپایا۔ ''ویسے بھی پرویز بہت ہی گھٹیا اور بیہودہ انسان ہے۔ ایک دو بار مجھے بھی لائن ماری تھی۔''

''اب یہ کالج فیلو کا کیا مطلب ہوا بھلا؟'' مسز نیازی نے تجسس پوچھا تو ٹینا نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''بھئی ڈاکٹر خرم و راحیل اور میں تین سال تک میڈیکل کالج میں پڑھتے رہے ہیں۔ یہ دونوں لڑکے مجھ سے صرف تین سال سینئر تھے۔ یوں ہم لوگوں نے ایک ہی کالج سے پڑھا اور کافی عرصہ ہمارا ساتھ رہا ہے پھر میں نے تو پڑھائی ترک کر دی اور یہ دونوں ڈاکٹر بن گئے اور اب یہ دونوں قوم کی خدمت کرنے میں مصروف ہیں۔ اور میں محض بیکار پھرتی ہوں۔''

ٹینا نے خرم کو صوفے پر بٹھا دیا پھر اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ اس کی پیشانی اور ہونٹ زخمی تھے۔

''اف خرم! تمہیں تو خاصی چوٹیں لگی ہیں ٹھہرو میں فسٹ ایڈ بکس اٹھا لاؤں۔'' ٹینا چلی گئی۔ بہت سے مہمان اجازت لے کر چلے گئے صرف مسٹر اینڈ مسز نیازی اور نازیہ وغیرہ محض جاسوسی کے لیے رک گئی تھیں۔

''یار! وہ پرویز میری منگیتر کے متعلق بڑی نازیبا اور انتہائی گھٹیا باتیں کر رہا تھا۔ بس پھر مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا۔'' وہ اپنے خون آلود ہونٹ صاف کر کے بولے۔

''پھر تو بہت اچھا ہوا جو تم نے پرویز جیسے لوفر کی ٹھکائی کر ڈالی ہے اور آئندہ میں اسے کبھی اپنی کسی پارٹی میں انوائٹ نہیں کروں گی۔'' ٹینا نے کہا۔ ''ایسے بدتہذیب لوگوں سے دوستی اچھی نہیں۔''

سبھی لوگ اس قدر بوکھلائے ہوئے تھے کہ کسی نے بھی خرم سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ اس کی منگیتر کون ہے اور اس کا ذکر آخر پرویز ہی نے شروع کیوں کیا تھا؟ وہ کیسے اسے جانتا تھا خرم کی منگیتر تھی کہاں؟ صرف شارق نے زیب کی طرف کڑی نظروں سے دیکھا مگر وہ تو کچھ اور ہی سوچ رہی تھی وہ سمجھ چکی تھی کہ خرم نے صباحت کی وجہ سے ہی تمام فساد شروع کیا تھا۔ خود سارہ بھی تمام سچویشن جان چکی تھی۔

تبھی جب زیب نے سارہ کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا تو اس نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ ''دیکھا صبا! کیا ابھی بھی تمہیں کسی ثبوت کی ضرورت ہے؟''

''دیکھو وہ پاگل خرم! تو ابھی تک تمہیں اپنی منگیتر سمجھتا ہے اور تمہاری عزت کی خاطر لڑنے مرنے کو تیار ہو گیا ہے۔'' زیب نے صبا سے کہہ ہی دیا پھر خرم کا خون آلود ہاتھ گیلی روئی سے صاف کرنے لگی۔

''خرم! کیا زیب سے تمہاری کچھ رشتہ داری ہے کیا؟'' ٹینا نے زیب کی گھبراہٹ اور بے تکلفی دیکھ کر پوچھا۔

''کیا؟ زیب سے کچھ رشتہ داری ہے میری کچھ؟'' خرم معنی خیز انداز سے ہنسے۔ ''یار ٹینا! تم بھی کمال ہو۔ بھئی یہ

محترمہ تو میری سگی خالہ زاد ہیں۔'' خرم نے انکشاف کیا تو نازیہ اور مسز نیازی بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر چپ رہ گئیں کیونکہ اب اگر وہ خرم کی کزن تھی تو وہ زیب کے خاندان کے متعلق کوئی سیکنڈل نہیں بنا سکتی تھیں نا وہ تو ابھی اس کا غصہ دیکھ کر خوفزدہ ہو چکے تھے پھر خرم تو تھا ہی اچھے اونچے خاندان کا۔

''اچھا ٹینا! اب مجھے تو اجازت دو میں نے اگر پرویز کو گھونسے مارے ہیں تو کچھ خود بھی کھائے ہیں میں ذرا سینکا کروں گا۔ ویسے لگتا ہے کہ بلڈ پریشر بھی ہائی ہو گیا ہے سر میں کافی درد ہو رہا ہے۔'' راحیل سر پکڑ کر بولے۔

خرم اٹھے تو راحیل اور شارق بھی کھڑے ہو گئے۔ تو ٹینا کو اجازت دینا پڑی اور اس نے زیب کو گھیر لیا۔

''پلیز زیب! اب تم مجھ سے ملتی رہنا اور یہ لو میرا فون نمبر تم مجھے فون کر دیا کرنا میں بھی تم سے ملنے آ جایا کروں گی۔ سچ جانو تو تم سے مل کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے کوئی چھوٹی سی بہن مل گئی ہو۔'' ٹینا نے بڑی محبت سے زیب کو گلے لگا لیا۔

اگرچہ شارق کے آفس میں اسے قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر زیب ٹینا کی طرف سے خاصی بدگمان ہو گئی تھی۔ مگر اب وہ اس کے سلوک سے کافی متاثر ہوئی تھی پھر وہ انہیں باہر تک چھوڑنے آئی۔

''پلیز شارق صاحب! آپ مجھے خرم کے ساتھ جانے کی اجازت دے دیجیے۔ گھر میں ان کی دیکھ بھال کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے اور انہیں چوٹیں تو کافی آئی ہیں۔ سارہ تم بھی میرے ساتھ چلونا۔''

زیب نے سارہ کا ہاتھ تھام کر ملتجیانہ انداز سے کہا تو شارق نے سلگ کر سختی سے انکار کر دیا۔ ''نہیں تم دونوں میرے ساتھ آئی تھیں اور میرے ہی ساتھ واپس جاؤ گی؟'' شارق یہ کہہ کر کار میں بیٹھ گئے۔

''کمبخت سنگدل کہیں کا۔'' زیب مایوسی سے بڑبڑاتی ہوئی سارہ کی طرف بڑھی۔

''سارہ! تم تو کم از کم خرم کے ساتھ چلی جاؤ خدارا بیوقوفی مت کرو۔ اب تو وہ تمہاری ہی وجہ سے زخمی ہوا ہے کم از کم یہی احساس کرلو۔ کہ اس کے دل میں تمہارے لیے کتنی گنجائش ہے۔''

''نہیں...... نہیں زیب! اب تو مجھے زیادہ ڈر لگ رہا ہے اب مجھ میں ان کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہے اب تو پرویز کی زبانی انہیں تمام حقیقت کا علم ہو چکا ہے۔'' سارہ گویا لرز کر رہ گئی۔

''صبا! اس وقت خرم کو تمہاری اشد ضرورت ہے چلو آرام کے ساتھ۔'' وہ زبردستی صبا کا ہاتھ پکڑ کر خرم کی کار کی طرف بڑھی۔ اور پچھلی سیٹ پر نیم دراز سے خرم کو مخاطب کیا۔

''خرم! صبا آپ کے ساتھ جا رہی ہیں گھر میں آپ اکیلے ہوں گے تو یہ دیکھ بھال کر لیں گی۔ اور صبا تم بھی ان کا خیال رکھنا۔'' وہ معنی خیز انداز سے بولی۔ پھر دروازہ کھول کر صبا کو خرم کے ساتھ زبردستی بٹھا دیا پھر خرم سے مخاطب ہوئی۔

''پلیز خرم! آج آپ کی محبت کا امتحان ہے اور مجھے یہ دیکھنا ہے کہ اب جبکہ آپ سب کچھ جان چکے ہیں تو کیا اب بھی اپنے محبت کے دعوے پر ثابت قدم رہتے ہیں یا نہیں۔ میں آپ دونوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں؟ کبھی کبھار انسان کو انہونے سمجھوتے بھی کرنے پڑتے ہیں کچھ اپنوں کی بقا کے لیے۔'' زیب، خرم کی طرف کھڑکی میں جھکی سرگوشیاں کر رہی تھی اور شارق کار میں بیٹھے یہ سب دیکھتے ہوئے تلملا رہے تھے۔

''نہ جانے اس الو کے پٹھے خرم سے کیا راز نیاز کر رہی ہے؟'' تبھی خرم نے جھک کر زیب کا ہاتھ تھاما اور ہونٹوں

سے لگا لیا۔ تو شارق غصے سے بے قابو ہو گئے اور زور زور سے ہارن بجانے لگے۔

''زیب! میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے تم جیسی مخلص دوست ملی ہے۔'' خرم نے عقیدت سے کہا تو زیب نے بڑی اپنائیت سے اس کے بالوں کو سہلایا جیسے وہ کوئی چھوٹا سا بچہ ہو۔

''خدارا...... خرم! مجھے مایوس مت کیجیے گا۔'' وہ ملتجانہ انداز سے بولی۔

''مگر زیب! تم نے صبا سے بھی پوچھا ہے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ انہیں ہی میرا ساتھ گوارہ نہ ہو۔'' خرم حسرت سے بولے۔

''نہیں خرم! نہیں...... بس تم مجھے معاف کر دو۔'' صبا نے تڑپ کر خرم کے کاندھے پر سر رکھ دیا۔ تو زیب نے دیکھا کہ خرم کے تھکے ہوئے چہرے پر مسرت اور سکھ کی چھاؤں پھیل گئی تھی۔ وہ مطمئن ہو گئی۔

''اچھا...... میں اب چلتی ہوں وہ شارق تو آج مجھے قتل کر دیں گے وہ بار بار ہارن بجا رہے ہیں۔'' وہ مڑی تو خرم نے پکارا۔

''زیب! پلیز راحیل کو میرے پاس بھیج دو آج میں ان کی کار پر ان کے ساتھ آیا تھا۔ انہیں کہو میری طبیعت خراب ہو رہی ہے اب آ جاؤ۔'' خرم نے آواز دی۔ راحیل دور کھڑے ٹینا سے باتیں کر رہے تھے۔ زیب نے راحیل کو خرم کا پیغام پہنچایا۔ پھر انہیں سلام کرتی ساڑھی سنبھالتی شارق کی کار کی طرف بڑھی وہ ان کے ساتھ بیٹھی تو وہ دانت بھینچے بیٹھے تھے۔

''زیب! میرا جی چاہتا ہے کہ میں تمہیں کار سے دھکا دے کر گراؤں اور نیچے کچل ڈالوں۔ کیا میں تمہارا ملازم ہوں جو تم میرے روکنے کے باوجود مجھے انتظار کے لیے چھوڑ کر خرم کے پاس چلی گئیں اور وہ سارہ کہاں ہے؟''

''سارہ...... راحیل اور خرم صاحب کے ساتھ جائیں گی؟'' وہ جلدی سے بولی۔

''ہوں......'' شارق نے کار چلا دی۔

''اچھا...... تو آج تمہارا ہیرو تمہاری وجہ سے چڑ کر پرویز اور اس تو ندو سیٹھ کو قتل تک کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا؟'' وہ طنز سے بولے۔

''ہاں بھئی...... وہ اپنی منگیتر کی توہین برداشت نہیں کر سکا واقعی سچا عاشق ہے تمہارا؟''

''شارق صاحب! بہتر یہی ہو گا کہ آپ مجھ سے فضول زبان استعمال کرنے سے پرہیز کیا کیجیے۔'' وہ متانت سے بولی۔

''تم...... تم دو ٹکے کی ملازمہ! تم مجھے بولنے کی تمیز سکھاؤ گی۔'' وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار کر چیخے۔

''سر! اگر آپ مہذب زبان استعمال نہیں کر سکتے تو مجھے یہیں کار سے اتار دیجیے۔ میں پہلے ہی کافی پریشان ہوں اور مزید کوئی ٹینشن نہیں برداشت کر سکتی۔'' یہ سن کر شارق کے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی تھی۔

''تم...... تم ایک دو ٹکے کے میجر کی محبوبہ بن کر خود کو کوئی آسمانی مخلوق سمجھنے لگی ہو۔ ارے میں تو تمہارے سبھی کس بل نکال دوں گا۔ میں نے مجبوری کے عالم میں منہ کیا لگایا ہے۔ نرمی کیا برتی ہے۔ ذہن پر پڑے پتھر کو سر پر ہیرا سمجھ کر رکھ لیا تو یہ واقعی خود کو میری منگیتر سمجھنے لگی ہے۔ ارے میں تو تمہیں......''

''شٹ اپ شارق!'' زیب کے چہرے سے قہر چھلکنے لگا۔

''کار فوراً روکیے میں اترنا چاہتی ہوں۔'' اس نے دروازے سے لگے ہینڈل کو پکڑا۔

''تم نے...... تم نے مجھے شٹ اپ بولا۔'' شارق نے زوردار جھٹکے سے اس کو اپنی جانب کھینچا اور وہ ان سے ٹکرا گئی اب شارق ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالے تھے اور دوسرے قوی بازو میں اس کے پھڑپھڑاتے کسمساتے وجود کو سینے سے جکڑ لیا تھا۔

''شارق...... شارق! میں کہتی ہوں کار روکیے۔'' وہ خود کو چھڑانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ مگر رفتار اور تیز ہوگئی تھی۔ شکر ہے کہ رات کی سیاہی ہر سو پھیلی تھی اور کار کے شیشے بھی رنگین ٹنٹڈ (tinted) تھے ورنہ تو سڑک پر سے گزرنے والوں کو مفت میں جذباتی سین دیکھنے کو مل جاتے۔ یہ امیر اور صاحب حیثیت لوگوں نے اپنے بچاؤ کے لیے کتنے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں۔ ان رنگین بند شیشوں کے پیچھے کتنے گناہ جنم لیتے ہوں گے؟ کتنی آبروئیں داغدار ہوتی ہوں گی۔ زیب نے طیش کے عالم میں خود کو جھٹک کر پرے ہٹایا۔

کار اب اسی تاریک سی بڑی سی عمارت کے گیٹ کے اندر داخل ہوگئی تھی جہاں مسرت بائی رہتی تھی۔ شارق اسے پہلے بھی تو یہاں لایا تھا۔

شارق نے ایک طرف کار پارک کی پھر بڑے طنطنے سے اس کی طرف مڑے۔ ''دیکھو زیب! میں ابھی بھی نہیں چاہتا کہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کروں۔ مگر تمہاری سرکشی و گستاخی میرے غصے کو بھڑکا دیتی ہے۔ تم بخوبی جانتی ہو کہ میں خرم سے نفرت کرتا ہوں پھر تم نے خرم کو کیوں اجازت دی کہ وہ تمہارے ہاتھوں کو بوسہ دے۔ میں نے کتنی بار تم سے کہا تھا کہ میں اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں دیکھنا چاہتا۔'' وہ اسے جھنجھوڑ کر بولے۔

''شارق صاحب! میرا آپ کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ شراب نوشی چھوڑ دیں۔ اس طرح آپ بہکی باتیں تو نہیں کریں گے نا؟'' زیب نے نفرت سے کہا تو شارق نے ہونٹ چباتے ہوئے اسے دیکھا۔ پھر کچھ کہتے کہتے کرتے رک گئے۔

''تم یہیں کار میں بیٹھو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' وہ کوٹ اٹھا کر اتر گئے۔

''مگر میں یہاں ہرگز نہیں بیٹھوں گی؟'' زیب چیخی مگر شارق ان سنی کر کے چلے گئے۔

''شارق...... شارق...... خدا تمہارا غرور توڑے۔ تمہاری ساری دولت چھن جائے۔ تمہاری مل کو آگ لگے تم آسمان سے زمین پر منہ کے بل آن گرو۔'' زیب عادت کے مطابق بے بس ہو کر بددعائیں کوسنے دینے لگی پھر ضد کے عالم میں کار کا دروازہ کھولا۔

''خبیث گھٹیا انسان پھر مجھے اس غلیظ جگہ پر لے آیا ہے۔ ہونہہ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے ان کا انتظار کرنے کی میں ٹیکسی لے کر گھر چلی جاؤں گی۔''

وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی کار سے باہر نکلی گیٹ کی طرف بڑھی ہی تھی کہ کسی کار کی ہیڈ لائٹس گیٹ پر پڑیں۔ وہ گھبرا کر درخت کے پیچھے چھپی ہی تھی کہ ایک بڑی سی کار اندر داخل ہوئی اور پورچ میں رکی تو دو آدمی اتر کر اندر چلے گئے۔

''امیر خان گیٹ بند کر دو۔'' اندر سے ایک آدمی نے سر دروازے سے باہر نکال کر جھانکا اور ہدایت دی۔

زیب کو گیٹ بند ہونے کی آواز آئی پھر ایک لمبا اونچا بڑی بڑی مونچھوں والا چوکیدار سامنے سے گزر کر کمرے میں چلا گیا۔

اب فرار ہونے کی کوئی راہ نہ پا کر زیب بہت مایوس ہوگئی تھی اور درخت کے پیچھے سے نکل کر واپس کار کی طرف جانے لگی تھی کہ اچانک اس کے کان میں گھنگروؤں اور ساز بجنے کی آواز آئی۔ وہ ٹھٹکی مڑ کر دیکھا تو ایک طرف کی کھڑکی تھوڑی سی کھلی ہوئی نظر آئی۔ وہ اب اپنے تجسس کو مٹانے کے لیے اس طرف بڑھی۔ اور پھر ارد گرد دیکھنے کے بعد کھڑکی سے اندر جھانکنے لگی۔ پھر وہ ایک دم گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے جو منظر دیکھا تھا اسے وہ ناقابل یقین سا لگا۔ تبھی وہ دل پر ہاتھ رکھے دوبارہ اندر جھانکنے لگی۔

وہی دونوں مرد جو کار سے اتر کر اندر گئے تھے اب ان کے سامنے شراب کی بوتلیں کھلی رکھی تھیں۔ اور سامنے دو لڑکیاں زرق برق لباس پہنے پاؤں میں گھنگرو باندھے محو رقص تھیں اور وہ مرد بار بار نوٹ نکال کر لہراتے اور جب کوئی لڑکی تھرکتی ہوئی نوٹ لینے کے لیے بڑھتی تو وہ ہاتھ پیچھے ہٹا کر جھٹ اس کا ہاتھ تھام لیتے اور پھر اسے اپنی سمت کھینچ لیتے اور......

زیب جھجک کر پیچھے ہٹ گئی اسے ان کی حرکتوں سے گھن آنے لگی تھی۔ شارق کمینے کی کوئی عادت بھی اچھی نہیں تھی۔

''اچھا تو یہاں یہ سب کچھ بھی ہوتا ہے اور یہی گھٹیا حرکات دیکھنے اور کرنے آتے ہیں شارق! بدمعاش بے غیرت ذلیل انسان۔'' زیب کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی اور اس وقت وہ سامنے ہوتے تو وہ بے دریغ انہیں مار بیٹھتی۔ وہ غم و غصے سے بے حال ہو رہی تھی۔

وہ شارق کو برا تو سمجھتی تھی لیکن یہ گمان اسے نہ تھا کہ وہ اسے ایک طوائف کے گھر لے آئیں گے۔ آج میں شارق سے صاف صاف باتیں کروں گی۔ وہ کانپتی ہوئی مڑی ہی تھی کہ بے ساختہ اس کا ہاتھ دل تک پہنچا لیکن وہ چیخ کو نہ روک سکی اور پھر سہم کر دیوار سے جا لگی۔

''افو...... یہ چھمو بائی نے کیسی کیسی قیامتیں گھر میں چھپا کر رکھی ہوئی ہیں۔'' وہ ایک دم سامنے آنے والا مرد کرخت شکل اور لمبا تڑنگا تھا۔ وہ زیب کو گھورتا آگے بڑھا۔

''ہٹ جاؤ خبردار مجھے ہاتھ مت لگانا۔'' وہ کانپنے لگی تھی مگر اس نے لپک کر پکڑ لیا۔

''چلو آؤ میرے ساتھ اندر چلو۔'' اس آدمی نے زیب کو پکڑا اور گھسیٹتا ہوا اندر لے چلا۔

چیختی چلاتی زیب کھنچتی چلی گئی مگر اس نے ناخن مار مار کر اس غنڈے کا منہ لہولہان کر دیا تھا۔ مگر وہ تھا کہ قہقہے لگائے جا رہا تھا اس کے ہاتھ تو نگینہ لگا تھا بلکہ قیمتی ہیرا۔

''کیوں...... چھمو بائی! یہ حسین و خوبصورت چہرے کس کے لیے چھپا رکھے ہیں؟ ہم بھی تمہارے پرانے گاہک ہیں تم ہم سے بے ایمانی کرنے لگی ہو اب۔'' وہ زیب کو اس کے سامنے دھکیل کر بولا۔ ز لڑکھڑائی اور اوندھے منہ قالین پر جا گری تو ساز اور رقص ایک دم رک گئے۔

''دلاور میاں کون ہے یہ لڑکی کسے پکڑ لائے ہیں آپ؟'' ادھیڑ عمر چھمو بائی زیب کو حیرت سے دیکھ کر بولی۔

''واہ بھئی...... مجھے کیا خبر میں تو اندر بیٹھا شمعی کے رقص سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اچانک اس چاند کو کھڑکی میں سے اندر جھانکتے دیکھا واہ کیا دلکش چہرہ ہے ہائے میں تو ہوش کھو بیٹھا۔ پھر چپکے سے باہر نکل گیا اور اس خوبصورت مورنی کو پکڑ لایا ہوں۔ کیوں یار اسلم کیسا مال ہے؟'' دلاور آنکھ دبا کر ہونٹ بھینچ کر بولا تو اسلم نے اسے جھڑک دیا۔

''خاموش رہو دلاور! لڑکی تم کون ہو اور یہاں کیسے آئی ہو؟''

وہی شخص جسے اسلم کہہ کر بلایا گیا تھا وہ زیب سے سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

''میں جو بھی ہوں تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ اور میں کس طرح یہاں آئی ہوں اس کا بھی تم لوگوں کو ابھی پتہ چل جائے گا۔'' زیب ان پر نفرت بھری نگاہیں ڈالتی کھڑی ہو گئی۔

''اوئے ہوئے بڑا دم خم ہے بھئی۔'' دلاور نے داد دی۔

''خیر یہ پری چہرہ جو بھی ہے ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ رنڈی کے کوٹھے پر پائی جانے والی ہر جوانی کی مثال ایسی ہے جیسے سڑک کے کنارے اگا ہوا جنگلی حسین گلاب۔ جیسے جسے کوئی بھی راہ گیر توڑ سکتا ہے۔'' وہ جارحانہ انداز میں زیب کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''اور اس جنگلی پھول کا مالک صرف میں ہوں کیونکہ میں اسے توڑ کر لایا ہوں یہ میری ملکیت ہے۔''

''بکواس بند کرو تم؟'' زیب کے زوردار تھپڑ نے اس غنڈے کے منہ پر پانچ انگلیوں کے نشان بنا دیئے تھے۔

''منہ زور لڑکی تمہیں یہ تھپڑ بہت مہنگا پڑے گا آج تک کسی نے دلاور پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں کی تھی۔'' وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر دانت پیس کر بولا مگر زیب کب ڈرنے یا جھکنے والی تھی۔

''ہونہہ...... اور ہوں گی وہ لڑکیاں جو اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنا نہیں جانتی ہیں۔ مگر تم نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ شانے پر لٹکے پرس میں سے جلدی سے کمانی دار چاقو نکال کر بولی۔ پھر اس نے قہر آلود نظروں سے ان لوگوں کو دیکھتے ہوئے چاقو کھول بھی لیا تھا۔ انداز اس قدر جارحانہ تھا کہ دلاور اور اسلم دونوں گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

''مس آپ پلیز یہ چاقو رکھ دیجیے چلیے میں آپ کو باحفاظت باہر چھوڑ آتا ہوں۔'' اسلم قریب ہوا ہی تھا کہ زیب کا ہاتھ ہلا اور وہ چیخ مار کر اپنا بازو تھامے پیچھے ہٹا اسے گہرا گھاؤ لگا تھا۔ جس میں سے خون تیزی سے بہے جا رہا تھا۔

دلاور نے تیزی سے بڑھ کر زیب کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر وہ ایسی بپھری ہوئی تھی کہ جھک گئی اور دلاور پر وار کیا تو چاقو اس کی دائیں گال کو چیرتا کان کو زخمی کر چکا تھا۔ وہ پیچھے جا گرا۔

''یاد رکھو اگر کسی نے بھی میرے قریب آنے کی کوشش کی نا تو میں اپنی اور اس کی جان ایک کر دوں گی۔'' وہ چیخی تو چھمو بائی کے ملازم رک گئے۔

اسلم کے بازو سے خون تیزی سے بہے جا رہا تھا اور وہ درد کی شدت سے کراہتا ہوا دوہرا ہوا جا رہا تھا۔

''اے لڑکی! اسے باہر لے جا کر اس کے بازو پر پٹی باندھ دو۔'' زیب نے ایک سہمی ہوئی رقاصہ سے کہا تو وہ جلدی سے اسلم کو سہارا دیتی کمرے سے باہر لے گئی۔

''یہ شارق کدھر ہے؟ وہ ذلیل دلا بدمعاش کہاں چھپا ہے؟''

وہ چھمو بائی کی طرف مڑی جو بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہائے کیا غضب کا پیس ہے اس نے سوچا۔

حرام زادہ شارق وہ آرہا ہے تمہارے پیچھے؟ دلاور منہ پر ہاتھ رکھے بڑھا اور ایک دم زیب کے پیچھے اشارہ کیا تو وہ بے خیالی میں مڑی تھی کہ ایک دم جست لگا کر دلاور نے زیب کو جکڑ لیا اور چاقو ہاتھ چھینتے ہوئے کہا۔

''مزید کٹوا لیا مگر پھر بھی چاقو دور پھینک دیا۔ اور مضبوسی سے اسے پکڑ کر خوفناک بلند قہقہہ لگایا۔ وہ اس بات سے گویا غافل تھا کہ اس کے منہ پر اب گہرا گھاؤ ہے اور ہاتھ بھی بری طرح کٹا ہوا ہے۔

''اب بتاؤ میری وحشی لڑکی!'' دلاور، زیب کے بال جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

''چھوڑ دے مجھے کمینے انسان! تجھ پر خدا کا قہر ٹوٹے۔'' وہ پاگلوں کی طرح اس کے بال نوچتی ہوئی کشمکش کر رہی تھی۔

''اف صدقے جاؤں مجھے تو تم جیسی شیرنی پسند ہے۔ ہائے ہاتھ آئی دولت کو کون آسانی سے چھوڑتا ہے میری جان۔'' وہ ناخنوں سے منہ بچاتا ہوا بولا۔

جھنجھلا کر زیب نے اپنے دانت اس کے بازو میں گاڑ دیئے یہاں تک کہ بازو میں سے خون نکلنے لگا دلاور درد کی شدت سے تڑپ اٹھا اور چیخ کر اس نے زیب کو دھکا دیا تو وہ لڑکھڑا کر صوفے سے جا ٹکرائی۔

''پکڑ و لو اس پاگل وحشی لڑکی کو۔'' دلاور چیخا۔ ''مسرت بائی ابھی پچیس لاکھ روپے دوں گا۔'' اتنے شور شرابے میں چھمو بائی کے ملازم اکٹھے ہو کر آنکھیں پھاڑے یہ جنگ دیکھ رہے تھے۔ پھر دلاور کی آفر کی آواز پر وہ چونک گئے اور لپک کر انہوں نے زیب کو پکڑ لیا۔

''چھوڑو...... چھوڑ دو مجھے......'' وہ بازو جھٹک کر چیخنے لگی۔

دلاور اب ہنستا ہوا آگے بڑھا اس نے لحہ بھر رک کر زیب کی آنکھوں میں جھانکا پھر اسے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ ''تم جیسی شیرنی کو سدھارنا پڑے گا۔'' اس سے پہلے کہ وہ مارتا۔

''خبردار...... ٹھہرو۔'' سیڑھیوں کی طرف سے ایک گرجدار آواز نے اس کا ہاتھ روک دیا اور مڑ کر سیڑھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں شارق حیران نظروں سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

''یہ کیا اودھم مچایا ہوا تھا۔'' دلاور سمیت تمام ملازم خونم خون تھے۔

''اف...... یہ زیب اندر کیسے آگئی اور اب یہ خون خرابہ کیسا ہو رہا ہے؟'' بازوؤں پر گرفت ڈھیلی ہوئی تھی زیب لپک کر آگے بڑھی اور نیچے پڑا ہوا چاقو اٹھا لیا پھر پھل دھار کی طرف سے پکڑ کر تیزی سے شارق کی طرف پھینکا۔ تو وہ ایک دم نیچے جھک گئے اور ان کے پیچھے کھڑی ریشم و مسرت خود کو بچانے کے لیے چیخ مار کر نیچے جھکی لیکن توازن قائم نہ رہا وہ سیڑھیوں سے لڑھکتی ہوئی نیچے جا گری چاقو سامنے دیوار سے ٹکرا کر شارق کے قدموں میں گر گیا انہوں نے جھک کر اٹھایا۔

پھر بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔ اس وقت تک بپھری ہوئی زیب شارق کے سر تک جا پہنچی اور ان کا گریبان پکڑ کر نیچے کھینچنے لگی۔

''شرابی...... بدمعاش...... آج ایک غریب شریف لڑکی کو اس طوائف کے کوٹھے تک لا کر تو نے میرے والدین کی عزت کو پاؤں تلے روند ڈالا۔'' وہ انہیں جھٹکتی ہوئی بولی۔

''خاموش رہو۔'' وہ زیب کے ہاتھوں سے گریبان چھڑا کر اسے پیچھے ہٹا کر چھمو بائی کی طرف مڑ گئے۔

''یہ اندر کیسے آئی؟ کون لایا ہے اسے؟'' وہ چیخے۔

''شارق نواب صاحب! بخدا ہمیں تو صرف یہی پتہ ہے کہ یہ کھڑکی میں سے اندر جھانک رہی تھی۔ دلاور میاں کی نظر پڑی تو وہ باہر جا کر انہیں پکڑ لائے۔'' چھمو بائی گھبرا کر بولی تو وہ شارق کے غصے سے بخوبی واقف تھی جانتی تھی کہ لڑکی نے تو خنجر چلائے ہیں مگر یہ خوامخواہ تو اندھا دھند گولیاں برسائے گا۔

''دلاور کی یہ جرأت کہ وہ انہیں پکڑ کر لایا؟'' شارق تیزی سے دلاور کی طرف مڑے جو اپنے رومال سے اپنے خون آلود چہرے کو صاف کر رہا تھا۔ مگر خون ابلتا آ رہا تھا۔

شارق نے اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر مکے لاتیں برسائیں۔ تھوڑی دیر بعد دلاور کا حلیہ بگڑ چکا تھا وہ بری طرح سے پٹا تھا۔ شارق کے ہاتھوں سے اور پھر زیب کی خنجر زنی سے بھی۔

''بس کیجیے نواب صاحب!'' چھمو بائی کے گرگوں نے انہیں بمشکل روکا قابو کیا۔

''چھمو بائی! میں اس وقت تو جا رہا ہوں مگر تم لوگوں سے بعد میں آ کر نپٹوں گا۔'' وہ زیب کا ہاتھ زبردستی پکڑ کر کھینچتے ہوئے باہر چل دیئے اور باہر نکلتے ہی اس پر برس پڑے۔

''تم اندر کیوں گئی تھیں؟ بلکہ کار سے باہر نکلی ہی کیوں؟ کس نے کہا تھا تمہیں کہ جاسوسی کرنے کے لیے اندر جھانکو؟'' یہ سب باتیں اب تو زیب کے لیے ناقابل برداشت تھیں۔ اس نے دانت بھینچ کر پوری قوت سے ان کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ یہی نہیں ان کی ٹانگ پر ایک زوردار کک بھی لگا دی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس شخص کو کیسے فنا کر دے؟

ضرب اس قدر شدید تھی کہ شارق کے قدم اکھڑ سے گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے طمانچوں کی گویا بارش ہو گئی تھی۔ زیب کے ہاتھ و زبان دونوں تیزی سے چل رہے تھے۔

''کمینے پاپی! تم ایک عورت سے انتقام لینے کی دھن میں اس قدر پاگل ہو چکے ہو کہ ایک شریف گھرانے کی عزت کو کوٹھے پر نیلام کرنے لے آئے ہو۔ پھر شریف زادے تمہاری اپنی بہن بھی تو ایک عورت ہے نا اور وہ حسب نسب والی تمہاری ماں بھی تو عورت ہے۔ پھر تم ان کو بے عزت کیوں نہیں کرتے؟ کس لیے ان کا لحاظ کرتے ہو؟ انہیں یہاں لے کر کیوں نہیں آتے؟ اب تک تم انہیں چھمو و مسرت بائی کے ہاں؟ وہ گھر میں نقاب اوڑھا کر کیوں بٹھا رکھی ہیں؟ اور تم ان سے شراب کے گلاس بھروا بھروا کر کیوں نہیں پیتے؟ انہیں بھی اس کوٹھے پر ضرور لے کر آنا تاکہ دلاور جیسے بدکار مردوں کے ہتھے چڑھیں کچھ لگتیاں؟ وہ امیر زادیاں ہیں تبھی باعزت ہیں اور ہم جیسے مجبوریوں کی کوئی عزت ہی نہیں؟''

''چپ...... بکواس بند کرو۔'' یہ سب کچھ شارق کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ ان کا ہاتھ اٹھا اور زیب کے چہرے سے ٹکرایا۔ زیب سیڑھیوں سے لڑھکتی ہوئی نیچے آ گری۔ مگر جوش کے عالم میں وہ بمشکل ساڑھی سنبھالتی ہوئی اٹھی۔

''بے غیرت انسان! کاش میرا بھائی اندھا نہ ہوتا وہ تندرست ہوتا اور وہ تیری بہن کو پکڑ کر اس طوائف کے گھر لاتا

اور غیر مرد تمہاری بہن کو پکڑ کر گھسیٹتے بے آبرو کرتے تو میری روح بھی تسکین پاتی۔'' وہ سرد ہونٹوں سے بہنے والے خون کو ساڑھی کے پلو سے صاف کرتی ہوئی تن کر کھڑی ہو گئی۔

''شٹ اپ زیب...... میں کہتا ہوں خاموش رہو۔'' وہ سیڑھیاں پھلانگ کر اترے اور زیب کی گردن دبوچ لی۔ زوردار جھنجھوڑے دیئے۔

''کتیا...... زبان قابو میں رکھو ورنہ تمہیں جان سے مار دوں گا۔'' وہ غصے سے ہانپ رہے تھے۔

''ہاں...... ہاں مار ڈالو۔ تم بے شک مجھے مار ڈالو اور پھر جا کر نازیہ کو بھی قتل کر دینا۔ کیونکہ تم ایک بزدل کم ظرف انسان ہو۔ ہونہہ بہت اچھا کیا تھا نازیہ نے جو تمہیں ٹھکرا کر چلی گئی تھی۔ تم تو ایک کمزور کردار کے انسان ہو۔ جو ایک فاحشہ عورت کے ٹھکرانے پر شراب میں ڈوب گئے۔ جب تم جیسے بزدل انسانوں کے پاس حالات سے لڑنے کی ہمت نہیں ہوتی تو وہ مدہوشیوں کو مقدر بنا کر سچائی سے فرار حاصل کرتے ہیں اور غریبوں کی ناموس و غیرت کو پاؤں تلے روندتے ہیں اپنی دولت کے بل بوتے پر۔ پھر تم جیسے بے اصولے ریاکار اوباش لوگوں کو ہماری زندگیوں سے کھیلنے کا کیا حق ہے۔

بلکہ تمہیں تو جینے کا حق بھی نہیں ملنا چاہیے۔ تم وحشی درندے مر کیوں نہیں جاتے۔ کیوں نہیں مرتے؟'' وہ شارق کا گریبان جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر چیخ رہی تھی۔

نہ جانے زیب کی باتوں نے کن پُرانے زخموں کو کرید ڈالا تھا۔ شارق نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔ ان کا جسم لرزنے لگا تھا۔ جیسے سینے میں برچھیوں سے کوئی گھاؤ لگائے جا رہا تھا۔ دل میں زوردار ایسی ٹیس اٹھی۔ وہ بے اختیار جھکے اور ایک ہاتھ دل پر رکھ لیا۔ جو بری طرح سے دکھ بھی رہا تھا اور دھڑکن بھی تیز تھی۔

''اف زیب!'' انہوں نے ڈوبتے لہجے میں پکارا پھر اپنا بھاری ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

''بس کرو۔ خدارا بس کرو۔'' وہ کراہ اٹھے مگر زیب نے نفرت سے ان کا ہاتھ جھٹکا اور پھر مڑ کر گیٹ کی طرف بھاگی اور بمشکل چھوٹا دروازہ کھول کر باہر نکلی اور سڑک پر بھاگنے لگی۔

''رک جاؤ زیب۔'' وہ پیچھے لپکے مگر آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور وہ کار کا سہارا لے کر جھکتے چلے گئے تھے۔

زیب بدحواسی کے عالم میں سڑک کے درمیان میں دوڑے جا رہی تھی کہ سامنے سے آتی ہوئی کار کی لائٹیں زیب کے منہ پر پڑیں پھر وہ کار ایک زوردار بریک لگا کر تھوڑے فاصلے پر رک گئی پھر ریورس ہوئی۔

''خدایا...... زیب...... زیب کیا ہوا۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم؟'' خرم اور راحیل گھبرائے ہوئے کار سے باہر نکلے۔

''او خرم...... راحیل......'' زیب کی جان میں جان آئی۔ خدا تعالیٰ تو انہیں فرشتہ رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ وہ ان سے لپٹ کر بے تحاشہ رونے لگی۔

''زیب! خدا کے واسطے جلدی بتاؤ کس نے تمہاری یہ حالت بنائی ہے؟'' خرم وحشت کے عالم میں اسے جھنجھوڑ کر بولے۔

''پلیز...... پلیز پہلے آپ مجھے یہاں سے لے چلیے میں راستے میں سب کچھ بتا دوں گی۔'' وہ کار کی پچھلی سیٹ پر

گر گئی۔

خرم اور راحیل نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ بے حد پریشان ہو رہے تھے اور دونوں کے دل میں ایک ہی بھیانک خیال آ رہا تھا۔ مگر وہ سر جھٹک جھٹک کر اپنے خیال کی نفی کر رہے تھے۔

''نہیں...... نہیں...... شارق اس قدر نہیں گر سکتا کہ وہ زیب کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔'' زیب ہسٹریائی انداز میں روئے چلی جا رہی تھی۔ راحیل نے اشارے سے خرم کو فی الحال کچھ پوچھنے سے منع کیا پھر کار چلا دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ خرم کے گھر پہنچ چکے تھے۔

راحیل...... زیب کو سہارا دے کر اندر لے آئے۔ پھر خرم نے پانی میں کوئی دوا حل کر کے زبردستی پلائی تو کچھ دیر بعد اس کے دل کو ڈھارس بندھی وہ قدرے سنبھل گئی۔ پھر اس کے اصرار پر تمام کہانی بیان کر دی۔ راحیل تو شارق کے پرانے دوست تھے وہ تو ان کی عادات کو جانتے تھے۔ ان کے لیے تو شارق کی یہ حرکت کوئی اچنبھے والی بات نہ تھی۔ مگر انجان سے خرم کا رنگ حیرت و رنج سے بدلتا جا رہا تھا۔

''زیب...... زیب! تم کہہ رہی ہو کہ وہ شارق تمہیں طوائف کے کوٹھے پر لے گئے تھے۔'' وہ بے یقینی سے بولے۔

''اف...... وہ گھٹیا کمینہ انسان! بس...... بس بہت ہو چکی ہے۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا ہے۔'' خرم دنگ تھے۔

''بس زیب تمہارا شارق کے پاس رہنا اب ٹھیک نہیں ہے۔ وہ واقعی ایک ذہنی مریض ہے اور غضب تو یہ ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تمہاری محبت میں گرفتار ہو گیا ہے اب وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہے۔'' راحیل نے گویا تجزیہ کیا۔ ''بند کیجیے اس کا تجزیہ بہت دے چکے آپ لوگ اس کی صفائی۔ پلیز راحیل...... مجھ سے شارق سے متعلق کوئی ایسی بات مت کریں مجھے اس شخص سے نفرت ہے۔'' وہ ناگواری شکل بنا کر بولی تو خرم نے زیب کو بولنے سے منع کیا اور سکون سے لیٹے رہنے کی ہدایت کی مگر وہ تو بے چین ہو رہی تھی۔

''مگر ڈاکٹر راحیل! آپ تو میری مجبوریاں سمجھتے ہیں نا آپ ہی بتائیں اگر میں نوکری چھوڑ دوں تو پھر میرے گھر کے لوگوں کا کیا بنے گا ہم لوگ تو فاقوں مریں گے۔'' وہ سر پکڑ کر بولی۔

''تمہیں کہیں جانے دھکے کھانے کی ضرورت نہیں ہے بس تم سب لوگ یہاں میرے پاس آ جاؤ۔ بلکہ میں ابھی راحیل کے ساتھ جا کر سب گھر والوں کو لے آتا ہوں۔'' میجر خرم نے تسلی دی۔

''نہیں خرم یار! یہ بھی کچھ نامناسب سا لگے گا لوگ خوامخواہ باتیں بنانے لگیں گے۔ تو کوئی جائز اور مستقل راستہ تلاش کرنا چاہیے ویسے۔ ویسے میرے دماغ میں ایک ترکیب تو ابھر رہی ہے۔ وہ اسکیم میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ فی الحال زیب میرے ساتھ رہیں گی اور سمجھوان کی ملازمت کا بندوبست بھی پکا ہو گیا ہے۔'' راحیل چٹکی بجا کر سر جھٹک کر بولے۔

''مجھے ملازمت مل جائے گی۔ کہاں پر کون ہوں گے وہ لوگ؟'' زیب بے قراری سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''وہ میری قریبی عزیزہ ہیں بلکہ تم انہیں میری ماں سمجھوان کی پیاری سی ایک بیٹی بھی ہیں اور اس بات کی گارنٹی میں تمہیں دیتا ہوں کہ اس گھر میں ان شاء اللہ تمہیں ماں کا پیار ایک دوست نما بہن کی محبت غرضیکہ ہر طرح سے ایک اچھے گھر

جیسا ماحول ملے گا اور کام تمہیں صرف اتنا کرنا ہوگا کہ میری اس ماں کی دیکھ بھال کرنی ہوگی۔ کیونکہ ان کی ٹانگوں پر جب سے فالج گرا ہے وہ چلنے پھرنے سے معذور ہیں اور انہیں دل کی تکلیف بھی ہے تو تمہیں ان کا خیال رکھنا ہے اور تمہاری تنخواہ بھی بہت مناسب ہوگی۔ اس کے علاوہ ان کی کوٹھی کی انیکسی میں تمہاری فیملی کی رہائش کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ اب تم تسلی رکھو اور اٹھ کر میرے ساتھ چلو میں ٹرک کا انتظام کرواتا ہوں اور راتوں رات تمہارا سامان ادھر اپنے گھر منتقل کروالیتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ صبح وہ سرپھرا شارق کوئی نئی مصیبت کھڑی کردے۔'' راحیل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

خرم بھی ان کے ہمراہ چل دیئے۔ پھر راحیل ان دونوں کے ہمراہ اپنے ایک ٹرانسپورٹر دوست کے پاس گئے اور چند مزدور اور ٹرک مانگا۔ جس کا فوراً انتظام ہوگیا۔ تو وہ زیب کے گھر جا پہنچے۔ تو گھر والے بڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ مگر راحیل نے انہیں یہ کہہ کر مطمئن کردیا کہ زیب کو بہتر ملازمت مل گئی ہے میری عزیزہ کے ہاں۔ وہاں نہ صرف سہولت زیادہ ہے بلکہ زیب کو ہر طرح سے تحفظ بھی ملے گا اور یہاں شارق کی ملازمت میں نائٹ ڈیوٹیاں دینا خاصہ پریشان کن تھا۔

احمر اور بھابھی تو یہ سن کر ہی مطمئن ہو گئے تھے کہ اب راحیل کی ذمہ داری پر راحیل کی عزیزہ کے ہاں زیب ملازمت کرے گی۔

تبھی کچھ گھبرایا ہوا سا جاوید بندوق تانے اندر داخل ہوا مگر خرم و راحیل کو دیکھ کر اس کے چہرے سے اطمینان چھلکنے لگا اس مہنگائی کے عفریت پر لعنت ہو کہ لوگوں کے گزارے نہ ہوں۔ تو لوگوں نے لوٹ مار شروع کردی ہے۔ اچھا تو آپ معزز باوقار ڈاکٹروں نے بھی ڈاکے ڈالنے شروع کردیئے ہیں۔ وہ طنز سے بولا۔

''یار اچھی خاصی آمدنی تو ہے تم لوگوں کی پھر تم لوگ ڈاکٹر حضرات نے یہ چوری جیسا گھٹیا پیشہ کیوں اپنالیا ہے۔ اف تو بہ اچھا بھلا سویا ہوا تھا کہ کھٹ پٹ کی آوازوں نے جگا دیا۔ دیکھنے کے لیے باہر نکلا تو باہر ایک باقاعدہ موٹی بڑی بڑی مونچھوں والا ٹرک ڈرائیور اپنے تین بھیانک صورت ساتھیوں کے ہمراہ موجود تھا۔ ڈاکوؤں سے میرا مطلب ہے میں تو یہی سمجھا کہ ڈاکو آ گئے ہیں تبھی بندوق اٹھائے بھاگا اور چھپتے چھپاتے یہاں پہنچا تو اپنے یار ڈاکٹروں سے ملاقات ہوگئی۔'' جاوید بندوق صوفے سے ٹکا کر بولا۔

''سبحان اللہ اور آپ اتنے بہادر ہیں کہ خالی بندوق اٹھائے مقابلہ کرنے چلے آئے ہیں۔'' سیما نے ہنس کر چھیڑا۔

''ہائیں...... خالی بندوق تمہیں کیسے پتہ چلا۔'' وہ چونکا۔

''اوہو واقعی گولیاں اٹھانی تو ہمیں یاد ہی نہیں رہیں۔ ویسے سیما یہ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ بندوق میں گولیاں نہیں ہیں۔ ویسے خیر سے سیما بی یہ جب سے آپ ہماری شاگرد بنی ہیں نا تو کچھ زیادہ عقلمند نہیں ہوگئی ہیں کیا؟'' وہ گھسیا کر بولا۔

''کل آپ نے بندوق کی صفائی کی تھی نا تب گولیاں نکال کر دراز میں رکھی تھیں۔'' سیما نے منہ چڑایا۔

''جاوید ذرا میری بات سنیے گا۔'' سنجیدہ سی زیب، جاوید کو پکڑ کر ایک طرف لے گئی اور سب معاملہ کہہ سنایا اور اپنی نئی ملازمت کے بارے میں بھی بتا دیا تو جاوید بہت اداس ہوگیا اس کے دل پر تو گویا کسی نے تلوار چلادی تھی۔

''سچی بات تو یہ ہے زیب بی کہ اب تم لوگوں کے بغیر میرا گزارا محال ہے۔ تو میں بھی اپنا سامان سمیٹ کر ساتھ چلتا ہوں۔ مجھے بھی بہتر ملازمت مل جائے گی۔'' مگر زیب نے منع کردیا۔

''نہیں جاوید! آپ کا یہاں رہنا ضروری ہے کیوں آپ اچھی بھلی ملازمت کو چھوڑتے ہیں۔ پھر ہم کون سا شہر بدر ہو رہے ہیں قریب میں تو ہیں تو آپ روزانہ کی طرح راحیل کے گھر آ جایئے گا نا وہیں اپنی محفلیں جما کریں گی۔ پھر سیما کو بھی تو پڑھاتے رہنا ہے نا آپ نے۔'' وہ انہیں تسلی دینے لگی۔

''سنیے جاوید صاحب! وہ آپ کے گھر میں میری ساری کتابیں کاپیاں پڑی ہوئی ہیں۔ چلیے وہ اکٹھی کرلاتے ہیں۔'' سیما اب اداس ہو کر منہ لٹکا کر بولی۔ تو زیب نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔

پھر زیب، بھابھی کے کہنے پر لباس تبدیل کرنے چلی گئی۔ اتنی قیمتی اور خوبصورت ساڑھی جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی۔ زیب کو دیکھ دیکھ کر افسوس ہو رہا تھا۔ کمرے میں آ کر اس نے آہستہ آہستہ زیور بھی اتار دیئے تھے۔ اسے بھابھی کی کھوجتی نگاہیں یاد آ رہی تھیں۔ جو اس کے لباس و قیمتی زیورات کو حیرت سے تک رہی تھیں۔ ''کہاں سے لائی تھی اتنے قیمتی کپڑے اور زیورات یہ زیب۔''

○●○

جاوید کے گھر پہنچ کر سیما نے الماری و شیلف میں سے اپنی کتابیں نکالنی شروع کر دیں مگر جاوید کرسی پر پاؤں رکھے اسے خفگی سے گھور رہا تھا۔

''اب تو تم بہت خوش ہوں گی نا آخر اللہ میاں نے تمہاری بددعا سن ہی لی ہے سیما بیگم! تم ہر وقت مجھ سے پیچھا چھڑانے کی دعا مانگتی تھیں نا؟'' وہ روہانسا ہو رہا تھا اور اداسی سے منہ لٹکائے تھا۔

''لو بھلا میں سچ مچ تھوڑی ایسا چاہتی تھی کہ...... کہ ہم لوگ آپ سے دور چلے جائیں۔ وہ تو بس جب آپ بہت ستاتے تھے تو غصے میں اول فول بک جاتی تھی۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''تو اس کا مطلب یہی ہوا نا کہ تمہیں یہاں سے جانے کا۔ مجھے چھوڑنے کا افسوس ہو رہا ہے۔'' جاوید کی نگاہیں جگمگا ئیں۔

''ہاں تو اور کیا بھلا افسوس کیوں نہیں ہوگا؟ اب جبکہ میرے امتحانوں میں بمشکل چند ہفتے رہ گئے ہیں تو میری پڑھائی میں کتنا حرج ہوگا۔ آپ معلوم نہیں آئیں گے پڑھانے یا نہیں۔'' وہ فکر سے بولی۔

''اچھا تو تمہیں صرف پڑھائی چھوٹنے کا غم ہے اور میں یاد نہیں آؤں گا'' وہ منہ لٹکا کر بولے۔

سیما ان کی سنجیدہ رنجیدہ شکل دیکھ کر ہنسی روکنے کے لیے دوسری طرف مڑ گئی۔ ''توبہ یہ پریشانی اور اداسی کے عالم میں کس قدر ہونق لگ رہے ہیں بالکل ہی بونگے سے۔''

''پلیز سیما! بتاؤ نا کیا تم میری کمی بالکل محسوس نہیں کرو گی؟'' جاوید بے چین ہو کر بولا۔

''اللہ توبہ...... جاوید صاحب! بھئی کمی محسوس کرنے والی کون سی بات ہے۔ میں کون سا لندن جا رہی ہوں۔ آپ روزانہ راحیل صاحب کے ہاں آجایا کیجیے گا۔''

''سیما پھر بھی وہ پہلے جیسی بات تو نہیں رہے گی نا پہلے ہمارا ایک گھر تھا۔ ہر وقت آنا جانا لگا رہتا تھا۔ مگر اب تم پرائے گھر جا رہی ہو۔'' وہ اداس ہو گیا۔

''ہائیں...... میں پرائے گھر جا رہی ہوں۔'' سیما بے ساختہ ہنسی تو جاوید چڑ گیا۔

''اچھا...... تمہیں ہنسی آئے جا رہی ہے جبکہ میں بیزار ہو رہا ہوں۔'' جاوید نے گھورا۔

''سر! اگر آپ وہ شعر پڑھ دیتے تو زیادہ اثر انگیز ہوتا۔ یعنی وہی

انہیں اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں''

سیما کو شرارت سوجھ رہی تھی وہ ستانے پر تلی تھی۔

''سیما! ایمان سے مجھے یہ تمہارے سفید دانت بار بار نکلتے ہنستے دیکھ کر دلی کوفت ہو رہی ہے۔ میرا دل جل رہا ہے۔ دل چاہتا ہے ایک گھونسہ مار کر دو چار دانت توڑ کر تمہاری ہتھیلی پر دھر دوں۔'' جاوید بھڑک اٹھا۔

''ارے واہ یہ اچھی زبردستی ہے اب ہم ہنسیں بھی ناں۔'' وہ مسلسل ہنستی رہی۔

''ہی ہی ہی...... احمق بے وقوف...... عقل کی اندھی لڑکی بس تم ہی الاپتی رہو یہ بے وقت کی راگنی۔'' وہ چڑ کر منہ پھلا کر جانے لگا۔

''اے مسٹر! او قبلہ ماسٹر صاحب۔'' سیما نے سنجیدہ ہو کر ان کا راستہ روک لیا۔

''ایمان سے میں تو مذاق کر رہی تھی مگر آپ برا مان گئے۔ دیکھیے آپ مجھے کتنا ستاتے رہے ہیں کبھی میں سنجیدگی سے روٹھی ہوں۔

سچی...... میں آپ کی کمی بہت شدتوں سے محسوس کروں گی۔ بس کچھ عادت سی ہو گئی ہے نا آپ سے جھگڑا کرنے کی۔ پھر اب سب کچھ سونا سونا لگے گا۔'' وہ سادگی سے بولی۔

جاوید نے غور سے سیما کا تمتمایا ہوا چہرہ دیکھا پھر بے اختیار نیچے جھکا۔ سیما بوکھلا کر پیچھے ہٹی۔ تو جاوید نے کندھوں سے تھام لیا۔ وہ پریشان سی ان کے جھکتے چہرے کو دیکھنے لگی۔

''یہ...... یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟'' وہ گھبرا کر ان کا ہاتھ جھٹکنے لگی۔

''ارے بابا گھبراؤ مت۔ میں تو تمہارے چہرے پر کچھ تلاش کرنے کے لیے جھکا تھا۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''واہ یہ عجیب بات ہے بھلا کیا تلاش کر رہے تھے آپ؟'' سیما کی جان میں جان آئی۔

''وہی حیا کی لالی...... شرم و حیا کی سرخی جو ابھی تک ندارد ہے تمہارے مکھڑے سے۔'' جاوید نے منہ بنایا۔

''اے واہ...... محترم ٹیچر صاحب! تو خوامخواہ ہی ہیرو بن رہے بے چارے۔'' وہ جھینپ گئی اور لاشعوری طور پر منہ تمتما اٹھا۔

''وہ مارا ایمان سے ابھی ابھی میں نے حیا کی لالی دیکھ لی ہے اور مجھے میری ہر بات کا جواب مل گیا ہے۔'' جاوید نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ تو خجل سی سیما نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر ایک لمحے کے لیے جاوید کو دیکھا اور دوسرے ہی لمحے منہ چڑاتی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی۔

''ہائے...... ہائے ظالم شاگرد نے یہ راز الفت ظاہر کیا بھی تو کس وقت۔ جب محبوب کوئے یار سے کوچ کیے جا رہا ہے۔ خیر اب پرواہ نہیں ہے کہ اس سے ملنے کے لیے چاہے پہاڑ تیرنے دریا چیرنے توڑنے پڑیں تب بھی روزانہ جایا کروں گا۔'' وہ جوش سے بولا۔

''میرا خیال ہے ماسٹر صاحب! آپ جذباتی ہو کر کچھ غلط سا بول رہے ہیں۔ یعنی دریا چیر نے پھاڑنے وغیرہ۔''
سیما نے دروازے کے باہر سے جھانکتے ہوئے ہنس کر پوچھا تو جاوید خوشی سے کھلکھلاتا ہوا پیچھے دوڑا۔
دل میں خلوص اور سچی محبتیں ہوں تو پھر تو فاصلے بھی سمٹ ہی جاتے ہیں۔
دوریاں نزدیکیاں بن جاتی ہیں۔ سیما اور جاوید کا پیار۔ سادگی کے پودے تلے معصومیت کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں تلے پروان چڑھ رہا تھا۔

○●○

''صبا...... صبا! دروازہ کھولو صبا'' کوئی اسے زور زور سے آوازیں دے رہا تھا۔ وہ تو پہلے ہی کافی دیر سے سوئی تھی۔ بمشکل نیند کو ذہن سے جھٹک کر آنکھیں کھولنے میں کامیاب ہوئی پھر گھبرا کر بستر سے اٹھی گھڑی دیکھی تو اڑھائی بجے تھے۔ اس وقت؟ اس نے سوچا کہیں پرویز تو انتقامی کارروائی پر نہیں اتر آیا۔ دل میں وسوسے جاگے۔
''پلیز صبا! خدارا دروازہ کھولو'' کسی نے بھرائی ہوئی آواز میں پکارتے ہوئے دروازے پر مکے برسائے۔
''کہیں خرم نہ ہوں؟'' اب صبا دل تھامے دروازے کی طرف بھاگی لائٹ جلا کر دروازہ کھولا ہی تھا کہ کوئی اس پر گرتے گرتے بچا۔
''شارق تم؟ ارے یہ کیا بدحال ہو رہے ہو تم؟'' صبا نے اسے پہچانتے ہوئے کاندھوں سے پکڑ کر سنبھال لیا وہ نشے میں دھت تھا۔
''یہ کیا حالت بنالی ہے آخر ہوا کیا ہے تمہیں؟'' وہ اسے سنبھال کر صوفے پر بٹھانے لگی۔
''مجھے...... مجھے تو کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔'' وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر بولے ان کے کپڑے بے ترتیب تھے ملگجے سے مگر کہیں کہیں خون بھی لگا تھا۔
''اچھا ابھی کچھ نہیں ہوا ہے تمہیں مزید اس سے زیادہ اپنی اور کیا بری حالت کر سکتے ہو تم؟ یہ بتاؤ تم پچھلے تین ہفتوں سے کہاں غائب رہے ہو۔ وہ دعوت جو ٹینا نے تمہارے اعزاز میں دی تھی۔ اس کے بعد سے تو تمہاری شکل ہی نہیں دیکھی ہے پھر کلب میں جو تم نے اپنی منگنی کی خوشی میں سب دوستوں کو پارٹی دی تھی۔ سبھی مہمان آ گئے مگر میزبان تم اور زیب دونوں ہی غائب تھے۔ پھر تم لوگوں کو غیر موجود پا کر مسز نیازی نے بڑی باتیں بنائیں خوب مذاق اڑایا۔ ناز یہ تو پارٹی میں آئی نہیں تھی مگر وہیں کلب میں موجود تھی اور مسز نیازی اسے منٹ منٹ کی رپورٹ دے رہی تھی۔
پھر ٹینا کو مسز نیازی کے طنز و مذاق پر بہت غصہ آ رہا تھا خود میری بھی اس سے جھڑپ ہوئی۔ خیر میں نے تمہارے دوستوں کے استفسار پر بتایا کہ تمہیں اور زیب کو ضروری کام کی وجہ سے اچانک لندن جانا پڑا ہے۔ تبھی تم خود شریک نہیں ہو سکے اور تمہاری طرف سے معذرت کر لی۔'' صبا نے ساری رپورٹ دی تو شارق بولے۔
''نہیں صبا تمہیں بھلا کیا ضرورت تھی جھوٹ بولنے کی۔ تم لوگوں کو سچ بتا دیتیں کہ زیب میری منگیتر نہیں بلکہ میرا اس سے کوئی رشتہ ہی نہیں۔ تبھی تو وہ مجھے چھوڑ کر دھتکار کر بلکہ میرے منہ پر تھوک کر چلی گئی ہے۔''
''زیب تمہیں چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ مگر کہاں گئی ہے؟'' صبا نے گھبرا کر شارق کو جھنجھوڑ ڈالا۔
''مجھے کیا خبر میری طرف سے وہ جہنم رسید ہو جائے۔'' شارق غصے سے صبا کا ہاتھ جھٹک کر بولے۔

''لیکن شارق! وہ گئی کیونکر؟ اور تم نے اسے روکا کیوں نہیں جانے کیسے دیا۔'' صبا ہراساں ہو گئی تھی۔

''سچ تو یہ ہے صبا کہ میں نے ہی اس کی بے عزتی کر ڈالی تھی۔ دراصل میں غصے اور حسد سے پاگل ہوا اٹھا تھا اس کے ساتھ خرم کی محبت و وابستگی قربت دیکھ کر۔ پھر تم نے بھی زیب کی بے تکلفی تو دیکھی ہو گی۔ پارٹی کے روز خرم نے زیب کی وجہ سے سیٹھ رحمت اور پرویز سے جنگ لڑی۔ بس یہ سب دیکھ کر میں آپے سے باہر ہو گیا تھا اور زیب نے بدلہ یوں لیا کہ محض اسے ستانے کی خاطر چھمو و مسرت بائی کے اڈے پر لے گیا تھا۔ وہاں...... وہاں پر میں تو اندر چلا گیا تھا اور زیب کار میں بیٹھی تھی تو کچھ غنڈوں نے اسے پکڑ لیا اور دست درازی کی۔ مگر زیب نے چاقو نکال کر ان کا مقابلہ کیا اور انہیں خاصا شدید زخمی بھی کر دیا۔ تب شور سن کر میں بھی وہاں پہنچا تو زیب نے مجھے مارنے کی کوشش کی۔ پھر وہ میرے منہ پر تھوک کر چلی گئی۔

صبا اس نے مجھ سے کہا۔ تم عورتوں سے نفرت کرتے ہو۔ پھر تمہاری ماں اور بہن بھی اسی صنف سے تعلق رکھتی ہیں تو انہیں گھر کی چار دیواری میں کیوں چھپا رکھا ہے۔ انہیں بھی ان کوٹھوں کی زینت بنا دو۔ تم بزدل ہو۔ مطلبی ہو۔ ایک طرف تو عورت سے نفرت کا ڈرامہ رچایا ہوا ہے اور...... اور دوسری طرف ریشم و مسرت جیسی پیشہ ور عورت کی آغوش میں سکھ و چین کی تلاش میں بھاگتے ہو۔

صبا...... صبا...... زیب نے مجھے بہت گالیاں دیں۔ بہت بے عزت کیا مجھے۔ اس کی نوکیلی باتوں نے میرے دل پر بہت کاری زخم لگائے ہیں۔ میں ان لفظوں کی چبھن ابھی تک دل سے مٹا نہیں پا رہا ہوں۔ گویا ایک آگ سی لگی ہے میرے شکستہ سینے میں، میں سلگ سلگ کر راکھ ہوا جا رہا ہوں۔ صبا......''

شارق گم صم بیٹھی صبا کا ہاتھ دبا دبا کر جھٹک جھٹک کر روانی سے بول رہے تھے۔ پھر انہوں نے خیالات کی یلغار سے بے بس ہو کر ہار کر اپنا سر ہاتھوں میں جکڑ لیا۔

''اف شارق! یہ کیا غضب ہو گیا ہے۔ شارق برباد تم ہی نہیں میں بھی ہو گئی ہوں۔'' وہ دل تھام کر بولی۔

کتنا سوچا تھا اس نے کہ شاید اب زیب کی بدولت وہ ایک بار پھر سے خرم کو حاصل کر لے گی۔ وہ اگر خرم کی زندگی میں آ جاتی تو یقیناً دوبارہ اپنے بچھڑے ہوئے خاندان والوں سے مل سکتی تھی۔

''شارق! اب کیا ہو گا؟ تم نے اچھا نہیں کیا زیب کو چھمو بائی کے اڈے پر لے جا کر۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''پھر لوگ تو تم سے تمہاری منگیتر زیب کے متعلق پوچھیں گے اور پھر جب تم انہیں مطمئن نہیں کر سکو گے تو وہ تمہارا مذاق اڑائیں گے۔'' صبا نے سنبھلتے ہوئے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ...... مجھے نہ پہلے کسی کی پرواہ تھی نہ اب کسی کو ٹھینگے پر رکھتا ہوں۔'' وہ نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر بولے۔

''پاگلوں کی سی باتیں مت کرو شارق اور زیب کا پتہ کرواؤ۔ ڈھونڈو اسے اور خدارا اسے کسی بھی قیمت پر واپس لے آؤ۔'' صبا نے منت کی تو شارق نے بے بسی سے کہا۔

''وہ کہیں بھی نہیں مل رہی ہے مجھے۔ میں اسے سارے شہر میں تلاش کر بیٹھا ہوں۔ میں نے راحیل سے پوچھا۔ جاوید کی منتیں کیں مگر سب نے لاعلمی کا اظہار کیا اور مجھے معلوم ہے کہ وہ دونوں جھوٹ بول رہے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ زیب انہیں اپنے پتے سے لاعلم رکھے گی۔

حد تو یہ ہے صبا! کہ میں خود خرم کے پاس بھی گیا تھا۔ مگر اس خبیث نے بھی مجھے ٹال دیا اور بڑی بے رخی سے پیش آیا۔ کہنے لگا مجھے زیب کے بارے میں کچھ علم نہیں۔" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے طنز سے بولے۔
"ہونہہ...... تم خود سوچو صباحت کیا یہ ممکن ہے کہ اس عاشق کے بچے کو اپنی محبوبہ کے بارے میں پتہ نہیں ہوگا۔ وہیں ہوگی یقیناً خرم نے ہی اسے چھپا رکھا ہوگا۔" انہیں یقین تھا۔
"نہیں...... نہیں شارق! تم زیب اور خرم کے تعلقات کو غلط رنگ دے رہے ہو۔ زیب، خرم کی...... خرم کی محبوبہ ہر گز نہیں ہے۔ بلکہ وہ...... وہ دونوں بہت اچھے ساتھی گہرے دوست ہیں اور زیب تو......" مگر صبا کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ شارق نے تیوری چڑھا کر اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا مگر صبا نے ہاتھ ہٹا کر بے چینی سے پوچھا۔
"اچھا یہ تو بتاؤ تم خرم سے جب ملنے گئے تھے تو ان کی طبیعت کیسی تھی۔ میرا مطلب ہے کہ اس روز ٹینا کی پارٹی پر وہ زخمی ہو گئے تھے۔" وہ بے تاب ہو کر پوچھ بیٹھی۔
"بالکل ٹھیک ہے وہ زیب کے خرم صاحب ہٹے کٹے تھے۔" وہ کوٹ کی جیب میں سے شراب کی بوتل نکال کر بولے۔
"اف شارق! خدارا...... میں اب تمہیں بالکل نہیں پینے دوں گی۔ پہلے بھی تم پر یہ ساری تباہی اسی کمبخت شے کی وجہ سے آئی ہے۔" صبا نے جھنجھلا کر بوتل چھیننے کی کوشش کی مگر شارق نے ہاتھ دور ہٹا لیا۔ پھر صبا کی ایک نہ سنی اور گھونٹ گھونٹ اس تلخی کو اپنے وجود میں انڈیلتے ہی رہے۔
"خیر دفع کرو لعنت بھیجو اس ٹاپک پر کوئی اور بات کرتے ہیں۔" شارق نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔
"صبا تم یہ بتاؤ کہ تم نے کلب جانا کیوں چھوڑ دیا ہے۔ میں ایک دو بار وہاں گیا تو وہاں نہیں تھیں تم؟"
"شارق! میں نے کلب کی ملازمت چھوڑ دی ہے اب میں کبھی بھی نہیں ناچوں گی شارق! میں اس چمکتی دمکتی دنیا سے تنگ آ گئی ہوں۔ شاید میں بزدل ہو گئی ہوں۔ اب میں ان تماشبین لوگوں کی غلیظ وجود کو چھیدتی ہوئی معنی خیز نظروں سے خوفزدہ رہنے لگی تھی۔" وہ جھرجھری لے کر بولی۔
"بی بی صبا! بھلا ان پیاسی نظروں کا کیا قصور جب تم خود ہی نیم برہنہ ہو کر عریاں سا لباس پہن کر اپنے جسم کی نمائشیں کرو گی۔ اپنے وجود کو بے باکی سے تھرکاؤ گی۔ تو پھر مرد حضرات کیا کریں۔ تم عورتیں ہی تو مردوں کو گناہ کی ترغیب دیتی ہو۔ پھر لٹنے لٹانے کے بعد اپنی مظلومیت کا ڈھونگ بھی رچاتی ہو۔" شارق اپنے مخصوص انداز میں جلی کٹی سناتے ہوئے پینے لگے۔
"شارق! خدا کی قسم اگر تمہاری جگہ کوئی دوسرا مرد یہ سب بکواس کرتا تو میں اس کا منہ توڑ دیتی۔" صبا کو شدتوں سے غصہ آ گیا تھا اس نے قہر آلود نظروں سے اس لاپرواہ سے انسان کو دیکھا۔
"ہونہہ...... اس کے علاوہ تم اور کہو گی بھی کیا کہ سچائی تو اگلی ہے میں نے تو وہ بھلا کیسے ہضم ہوگی۔" وہ طنز سے ہنسا تو صبا اس کی مدہوشی دیکھ کر صبر کا گھونٹ بھر کر رہ گئی تھی۔

○●○

ڈاکٹر راحیل کی مدد سے زیب کی ملازمت کا انتظام بخوبی ہو گیا تھا اور زیب نہ صرف اپنے نئے جاب اور مالک

سے خوش تھی بلکہ اس کا دل بھی لگ گیا تھا بالکل گھر کا سا ماحول میسر تھا اسے اور کام بھی تو کوئی ایسا دشوار نہ تھا۔

''لیجیے بیگم صاحبہ دوا پی لیجیے۔'' زیب نے کمزور سی مگر انتہائی دلکش سی خاتون کو سہارا دے کر اونچا کیا پھر کپ ہونٹوں سے لگا کر دوا پلا دی۔ اور پھر جلدی سے پانی پلا کر ہونٹ ٹشو سے صاف کیے۔

''زیب بیٹی! تم نے تو میرے سارے دکھ سبھی بوجھ بانٹ لیے ہیں۔ جب سے تم آئی ہو ہمہ وقت میری خدمت میں جتی رہتی ہو۔ میری دوا کا۔ نہانے دھونے کا پھر لباس بدلنے تک کا۔ غرضیکہ ہر چیز کا تمہیں خیال رہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میری اپنی اولاد بھی اتنی خدمت نہیں کرسکتی تھی۔'' وہ بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولیں تو زیب خوش ہو گئی۔

''واہ بیگم صاحبہ! آخر آپ نے مجھے ملازم کس لیے رکھا ہے۔ اسی لیئے نا کہ میں آپ کی دیکھ بھال کروں یہ سب کچھ جو میں کرتی ہوں یہ تو فرض ہے میرا اور پھر آپ مجھے اس قدر پیار کرتی ہیں جیسے میں آپ کی اولاد ہوں۔ اور پھر مجھے بھی آپ میں اپنی ماں کا عکس نظر آتا ہے نا۔'' زیب کی آواز بھرا گئی تو مشفق سی بیگم صاحبہ بھی آبدیدہ ہوگئیں۔

''بیٹی! مجھے بھی تم صائمہ کی طرح عزیز ہو اور زیب میں نے تمہیں کتنی بار منع کیا سمجھایا ہے کہ مجھے بیگم وغیرہ نہیں بلکہ امی جان پکارا کرو۔'' وہ اسے گلے لگا کر بولیں تو زیب ان کے کاندھے سے لگ گئی۔

''واہ جی واہ...... یہ میری امی جان کو مکھن کس خوشی میں لگا رہی ہیں زیب بی بی! بڑے لاڈ سے گلے ملا جا رہا ہے۔ اے خبردار لڑکی کہیں تم میری امی کو میرے خلاف بہکا تو نہیں رہی ہو؟'' ڈاکٹر راحیل نے صائمہ کے ساتھ اندر آتے ہوئے ہانک لگائی پھر وہیں بیڈ پر بیٹھ گئے۔

''ہٹو قبضہ گروپ زیب بی! اب مجھے ملنے دو میری امی سے مجھے بھی بہت پیار و لاڈ آ رہا ہے۔'' راحیل، زیب کو ہٹا کر خود بچوں کی طرح ان سے لپٹ گیا تھا اور منہ بسور بسور کر ٹھنکنے لگا تھا۔

''امی جی...... امی جی...... میں بھی لوں دا...... مجھے بھی چاہیے۔'' وہ ان کا دوپٹہ دانتوں میں دبا کر بولے۔

''کہو...... کیا چاہیے تمہیں میرے لال۔'' وہ بے اختیار مسکرا دی تھیں۔

''امی جی! مجھے دلہن چاہیے اچھی سی پیاری سی۔ پلیز مجھے لے دیجیے نا۔''

''ہائے ہائے اتنا تو تلا دولہا۔'' زیب اور صائمہ ہنسیں تو سب ہنس دیے۔

ڈاکٹر راحیل نے صائمہ کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے فرمائش کی۔ تو وہ آنکھیں دکھانے لگیں۔

''مجھے بتاؤ جان مادر جو لڑکی تمہیں پسند ہے نا تو میں وہیں تمہاری شادی کروا دوں گی۔'' وہ مسکرا کر لاڈ سے بولیں۔

''سچ...... میرے سر کی قسم کھائیے آپ۔'' وہ جلدی سے ان کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر بولے۔

''پلیز پکا وعدہ کیجیے نا۔'' پھر وہ خود ہی ان کا ہاتھ تھام کر ہلانے لگے۔ بیگم مراد بے ساختہ ہنس دیں۔

''راحیل بیٹے! اب تم مجھے بیوقوف بناؤ گے کیا؟''

''ارے میری توبہ امی بھلا میں ایسی گستاخی کرسکتا ہوں۔ بس اب آپ مجھ سے وعدہ کر چکی ہیں۔ کہ میری دلہن میری پسند کی ہوگی اور آپ کو میری مدد کرنی ہوگی ہاں۔'' وہ لاڈ سے بولے تو بیگم مراد کچھ سوچتے ہوئے ایک دم اداس ہو گئیں اور ان کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''کیا بات ہے امی جان!'' صائمہ نے ان کے بدلتے تاثرات دیکھ لیے تھے۔

''بس ایک دم سے خیال آیا کہ ایک بیٹا تو میرے پاس پہلو میں بیٹھا ہے۔ جبکہ دوسرے پہلو کے خالی ہونے کا شدت سے احساس ہو رہا ہے۔ تقریباً مہینہ ہو گیا ہے کہ میں نے رضا کی شکل نہیں دیکھی ہے۔ بس اس کے بارے میں عجیب عجیب سی افواہیں سننے میں آتی رہتی ہیں۔ ایک روز بیگم صادق اور بیگم حنیف مجھ سے ملنے آئی تھیں اور پھر دبے دبے لفظوں میں مجھے رضا کی آوارگیوں کے قصے بھی سنا گئی تھیں۔ بس میں کیا کر سکتی تھی۔ چپ چاپ سر جھکائے دل تھامے سنتی رہ گئی۔ راحیل بیٹے! آخر کہاں ہے میرا بچہ اور کس حال میں ہے؟'' وہ رو دی تھیں۔

''امی جان! رضا بھائی تو آج کل دوسری مل میں کام کاج کروانے میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ رات کو اگرچہ دیر سے آتے ہیں مگر آپ کو دیکھنے آتے ہیں تو آپ تو دوا کھانے کے بعد سو چکی ہوتی ہیں۔ ویسے وہ مشینوں کا آرڈر دینے کے لیے لاہور بھی گئے تھے۔'' صائمہ نے جلدی سے بھائی کی طرفداری کی۔

''ارے یہ رضا کون ہے؟'' زیب نے حیران ہو کر پوچھا۔

''وہ رضا جو ہیں نا وہ صائمہ کے بڑے بھائی ہیں۔ خیر چھوڑو۔ اور اب مجھے امی کا انجکشن لا کر دو۔'' ڈاکٹر راحیل نے جلدی سے بات بدلنے کی کوشش کی مگر زیب تو بات کو پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

''صائمہ کے بھائی ہیں۔ ہائے لیکن میں نے تو آج تک انہیں دیکھا ہی نہیں ہے۔'' زیب حیرانی سے بولی۔

''بھئی وہ بزنس کے سلسلے میں بہت مصروف رہتے ہیں نا کبھی شہر میں کبھی شہر سے باہر۔ پھر رات کو دیر سے کام سے فارغ ہو کر آتے ہیں ویسے بھی زیب تم ہر وقت امی کے پاس رہتی ہو تبھی تمہارا سامنا نہیں ہوا ہوگا۔'' صائمہ جلدی سے بولی وہ نہیں چاہتی تھی کہ ماں پریشان ہو جائے۔

''زیب میرا تو خیال ہے کہ تم انجکشن لگانا سیکھ لو۔ اگر کبھی میں شہر سے باہر چلا جاؤں تو تم امی کو انجکشن لگا دیا کرنا۔'' راحیل نے مشورہ دیا۔

''نہ بابا نہ مجھ میں حوصلہ نہیں برداشت نہیں ہے۔ آپ جب امی کو انجکشن لگاتے ہیں تو میں ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیتی ہوں تو پھر خود بھلا کیسے لگاؤں گی۔'' زیب کانوں کو چھو کر بولی۔

''ہشت ڈرپوک کہیں کی۔'' راحیل نے زیب کے سر پر چپت لگائی۔

''چلو صائمہ! تم ہی سیکھ لو نا انجکشن لگانا تمہیں تو ویسے بھی ضرورت پڑے گی ہی۔'' وہ آنکھیں گھما کر بولے۔

''کیوں بھئی...... بھلا انہیں کیوں ضرورت پڑے گی ڈاکٹر راحیل۔'' زیب نے ہنس کر پوچھا۔

''مم...... میرا مطلب ہے اگر صائمہ کی شادی کسی ڈاکٹر سے ہو گئی تو؟'' راحیل سر کھجا کر بولے۔

''ہوں تو یہ بات ہے۔'' زیب نے معنی خیز نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا۔ تو صائمہ نے شرما کر رخ پھیر لیا تو راحیل بھی گھبرا سے گئے اور امی سے چوری چوری دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور زیب کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ تو وہ ہنس دی اور بات بدل دی۔

''ڈاکٹر راحیل! آپ امی کی ٹانگوں کا بھی علاج کریں نا۔'' زیب، بیگم مراد کو لپٹا کر بولی۔

''بس ان کی کمزوری رفع ہونے دو۔ پھر ٹانگیں بھی ٹھیک ہو جائیں گی۔ بس تم مالش والش کرتی رہو اور انہیں سہارا

دے کر چلانے کی کوشش کیا کرو۔'' وہ انجکشن لگا کر بولے۔
''چلو صائمہ! چائے تو پلوا دو۔ آؤ زیب تم بھی ایک کپ پی لو۔ ہر وقت کمرے میں گھس کر نہ بیٹھی رہا کرو۔'' راحیل نے اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ لوگ بیگم مراد سے اجازت لے کر لاؤنج میں جا بیٹھے تھے ملازم چائے لے آیا۔
''راحیل! میں اب امی کو لے کر وہیل چیئر پر بیٹھا کر باغ میں لے جاتی ہوں یوں میری تفریح بھی ہو جاتی ہے۔''
''یہ تم اچھا کرتی ہو زیب! تم نے خود بھی دیکھا ہو گا کہ تمہارے آنے کے بعد سے امی میں بڑی خوشگوار تبدیلی آ گئی ہے۔ ان شاء اللہ وہ جلدی صحت یاب ہو جائیں گی۔'' راحیل نے اس کی محنت کی داد دی۔
''ہاں...... زیب کے آنے کے بعد میں تو فارغ ہو گئی ہوں یہ تو مجھے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی۔'' صائمہ بولی۔
''مگر صائمی! پھر ابھی بھی تم کمزور کیوں ہو رہی ہو؟ چلو پہلے تو تم یہ بہانہ کرتی تھیں کہ امی کی دیکھ بھال سے فرصت نہیں ملتی۔ تو پھر اب کیا بہانہ کرو گی تم؟'' راحیل نے شکوہ کیا۔
''نہیں راحیل! بہانہ نہیں بنا رہی سچ تو یہ ہے کہ مجھے رضا بھیا کا بہت فکر ہے۔ میں ساری ساری رات سو نہیں سکتی ہوں۔ ہر وقت مجھے یہی خیال رہتا ہے کہ رضا رات کو نہ جانے کس وقت واپس آئیں گے اور دروازہ کھٹکھٹاتے رہیں گے۔ امی کے سامنے میں غلط بیانی سے کام لے کر بہلاتی رہتی ہوں بھیا کے بارے میں جھوٹ بول دیتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی حقیقت منکشف ہونے پر انہیں مزید صدمہ پہنچے۔''
''خیر...... خیر صائمہ! اب تم رونی شکلیں تو مت بناؤ۔ میں سمجھا دوں گا تمہارے بھیا...... شا...... شا...... میرا...... مطلب ہے تمہارے رضا بھائی کو۔ چلو شاباش اب تم آنسو خشک کر لو ورنہ میں بھی رو دوں گا ہاں۔''
راحیل آنکھیں زور زور سے جھپکتے ہوئے بولے تو زیب اس کی شوخی و چونچال پن دیکھ کر محظوظ ہوئی۔
''واہ بھئی واہ...... کیا بات ہے راحیل بھیا طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟ بھئی بڑے خوش مزاج ہو رہے ہیں؟'' زیب نے ہنس کر پوچھا اور چائے کی پیالی رکھ دی۔
''ہائے زیبو! اپنی طبیعت ٹھیک کیسے رہ سکتی ہے مسیحا سامنے ہو تو بیمار ہونے کو خوامخواہ ہی دل چاہتا ہے۔'' راحیل نے صائمہ کو دیکھ کر دل پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔
''توبہ ڈاکٹر راحیل! آپ کیوں ہر وقت فضول باتیں کرتے رہتے ہیں۔'' صائمہ نے تمتماتے ہوئے کہا۔
''ارے صائمہ بی! ہمیں ایک عدد راز دار کی سخت ضرورت ہے پھر یہ زیب ہی تو ہر وقت امی کے ساتھ لگی رہتی تھیں تو کم از کم یہ ہمارے حق میں انہیں برین واش کرتی رہا کریں گی۔ ذرا ہماری تعریفیں کرتی رہیں گی نا۔'' راحیل نے منت کی۔
''ہاں بھئی اگر ایسی ہی خوبصورت بات ہے تو پھر آپ دونوں ہی مجھے بہت عزیز ہیں تو میں ضرور سفارش کروں گی۔'' زیب مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''خیر...... آپ لوگ بیٹھ کر آرام سے باتیں کریں میں جا کر امی کو سوپ پلا آؤں۔'' زیب انہیں تنہائی مہیا کرنے کے لیے باورچی خانے کی طرف چل دی مگر راحیل بھی کھڑے ہو گئے۔

''اچھا صائمہ بی! ہم بھی اب چلتے ہیں کیونکہ وہ تمہارے بھائی رضا نے ہمیں وقت دے رکھا ہے۔'' راحیل، صائمہ کے چہرے پر جھکی بالوں کی لٹ کو کھینچتے ہوئے بولے۔

''آیئے میں آپ کو باہر تک چھوڑ آتی ہوں۔'' صائمہ گہرا سانس لیتی بال برابر کرتی ان کے ساتھ چل دی۔

○●○

یوں تو صبا نے اب کلب جانا چھوڑ دیا تھا بلکہ وہ تو گھر سے باہر ہی نہیں نکلتی تھی ایک طرح سے گوشہ نشین ہو کر رہ گئی تھی پھر زیب کی گمشدگی نے بھی اسے مایوسیوں میں دھکیل دیا تھا۔ اس نے ڈر کے مارے دوبارہ خرم سے بھی رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ ادھر شارق بھی تو کتنے دنوں سے گھر نہیں آیا تھا۔ نہ ہی فون کرنے پر شارق مل رہا تھا۔ تبھی تو وہ آج ذرا ہمت کر کے تیار ہو کر کلب جا پہنچی۔

شکر ہے شارق وہیں موجود تھا۔ بہت سے لوگ جو پرنسز سارہ کی حیثیت سے صبا کو پہچانتے تھے وہ رک رک کر اس کی خیریت معلوم کرنے لگے اور کلب چھوڑنے پر اظہار افسوس کرنے لگے۔ صبا ان سے جان چھڑاتی تیزی سے شارق کے قریب جا پہنچی اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فوراً پوچھا۔

''کیوں شارق! زیب کا کچھ پتہ چلا ہے کیا؟'' شارق نے چونک کر اسے دیکھا۔

''صبا......تم ہو......آؤ بیٹھو۔'' وہ اپنے مخصوص میز پر مخصوص انداز میں پینے میں مگن تھے۔

''ویسے یہ تم کیوں اس زیب کے لیے اتنی پریشان ہوتی پھر رہی ہو بھلا؟'' وہ بھنویں اچکا کر بولے۔

''اس لیے پریشان ہوں کہ وہ میری عزیز دوست اور بہت اچھی لڑکی ہے۔ ویسے تم سچ بتاؤ شارق کیا تم زیب کے لیے پریشان نہیں ہو۔ تم لاکھ اپنے جذبوں کو چھپانے کی کوشش کرو مگر مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔''

''لو بھلا میں کیوں اس بھگوڑی کے لیے پریشان ہوتا پھروں گا ایسی سینکڑوں لڑکیاں میری ایک نگاہ کی طالب و منتظر رہتی ہیں۔'' وہ سختی سے بولے۔

''بس......بس تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے ہو ابھی کچھ دن پہلے ہی تو نشے کے عالم میں تم اپنے سارے راز میرے سامنے اگل کر گئے ہو۔ شارق ہوش کی دوا کرو تم اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے تباہی کی طرف قدم بڑھا رہے ہو۔ جاؤ خدارا زیب کو تلاش کرو ڈھونڈ کر لاؤ اسے۔''

''کیوں میں کیوں ڈھونڈوں وہ اپنی مرضی کے ساتھ اپنے کسی آشنا کے ساتھ گئی ہوگی۔ اور جہاں ہوگی عیش کر رہی ہوگی۔ ہزاروں چاہنے والے پرستار ہوں گے۔ ویسے تو مجھے یہ پورا یقین ہے کہ وہ اس حرامزادے خرم ہی کے چنگل میں پھنسی ہے اور وہ جان بوجھ کر مجھے نہیں بتا رہا ہے کمبخت۔''

''یہ تم خوامخواہ خرم کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟'' وہ غصے سے سرخ ہو گئی۔

''جب انہوں نے کہا ہے کہ زیب ان کے پاس نہیں ہے تو پھر نہیں ہوگی وہاں۔ یہ سب تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے ہوا ہے نہ تم زیب کو ذلیل و خوار کرتے نہ وہ تمہیں چھوڑ کر جاتی۔ دل تو چاہتا ہے اسی بوتل سے تمہارا سر پھوڑ کر رکھ دوں۔'' صبا سلگ کر بولی۔

'ارے......رے یہاں تو بھرپور جنگ ہو رہی ہے بھئی اگر مار کٹائی کا خطرہ ہے تو مابدولت اپنی کھوپڑی بچا کر

یہاں سے کھسک لیتے ہیں۔" ڈاکٹر راحیل ہنستے ہوئے وہیں ٹیبل کے پاس آ کر رک گئے۔

"آیئے راحیل بھائی! اچھے تو ہیں نا آپ؟" صبا جھینپ کر بولی۔

"آپ کی دعا سے میں بالکل اچھا ہوں مگر یہ بتایئے یہ میدان کارزار کس لیے گرم ہے؟" وہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

"راحیل پہلے آپ مجھے یہ بتائیں۔ کیا آپ کو زیب کے بارے میں کچھ پتہ ہے؟ کہ وہ کہاں چلی گئی ہے؟ سچ میں تو بہت پریشان ہوں۔" صبا کی آواز بھرا گئی۔

"زیب کا...... ہاں مجھے پتہ تو ہے بلکہ وہ دو ایک بار خود مجھ سے ملنے آئی تھی۔" شارق، راحیل کی طرف دیکھتے ہوئے لاپرواہی سے بولے تو شارق کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا وہ سنبھل کر منتظر نظروں سے راحیل کو دیکھنے لگے۔

"وہ کہاں ہے؟ مجھے بتایئے میں اس سے ملنے جاؤں گی؟" صبا نے بے چین ہو کر راحیل کا بازو پکڑ لیا۔

"کیا فائدہ کچھ بتانے کا شارق کو تو ان کا ذکر بھی ناگوار گزرے گا۔" راحیل نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"آپ شارق کی پسند ناپسند چھوڑیں مجھے ایڈریس بتا دیں پلیز۔" صبا نے التجا کی۔

"زیب بھی تم سے ملنے کے لیے بہت بیقرار ہو رہی تھیں ویسے ایڈریس تو مجھے بھی ٹھیک طرح سے معلوم نہیں ہے ویسے وہ ابھی اپنی کسی سہیلی کے پاس ٹھہری ہوئی ہیں پھر میں ان کی ملازمت کا انتظام بھی کر رہا ہوں۔ اور اس وقت تو میں زیب ہی کے کام سے شارق کے پاس آیا ہوں کچھ امانتیں پہنچانی تھیں۔

لو یار شارق! یہ زیب نے سونے کی چوڑیاں اور ہار بُندے وغیرہ تمہیں واپس بھجوائے ہیں۔" راحیل نے ڈبے سامنے رکھ دیئے تو شارق کا چہرہ تمتما اٹھا۔

"کیوں بھیجے ہیں اس نے مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے ڈبے زور سے دور ہٹا دیئے۔

"تو پھر زیب کو بھی ضرورت نہیں ہوگی تبھی اس نے واپس بھجوائے ہوں گے۔" راحیل نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"ویسے یار شارق! امی تمہیں بہت یاد کر رہی تھیں تم کبھی ان سے بھی باہوش وحواس مل لیا کرو اور پھر صائمہ کی صحت بھی فکر کر کر کے ناس ہو رہی ہے۔ میاں کچھ تو عقل کرو انسان ہو۔"

"میاں راحیل میں نے تمہیں لیکچر دینے کے لیے نہیں بلوایا تھا لیکن تم اس وقت نصیحتیں کرنے کے موڈ میں نظر آ رہے ہو اس لیے یہی بہتر ہوگا کہ میں یہاں سے کھسک لوں۔" شارق اٹھ کھڑے ہوئے پھر تیزی سے باہر چلے گئے۔ تو صبا اور راحیل نے بے بسی سے سر جھٹکا۔

"لیجیے دیکھ لیجیے۔ زمانہ ہی نہیں رہ گیا ہے کسی کو نصیحت کرنے سمجھانے کا۔" راحیل نے ٹھنڈا سانس لیا۔

"پلیز راحیل! آپ مجھے زیب کے متعلق کچھ بتایئے۔" صبا نے منت کی۔

تو ایک لمحے کے لیے راحیل کا دل چاہا کہ وہ صبا کو زیب کے بارے میں سب کچھ بتا دیں۔ مگر وہ محتاط ہو گئے انہیں علم تھا کہ صبا، شارق سے کچھ نہیں چھپا سکے گی۔

"بھئی...... وہ زیب خود ہی آپ سے مل لیں گی۔" راحیل نے ٹالتے ہوئے کہا پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو صبا بھی گھر جانے کے ارادے سے باہر آ گئی۔ پھر راحیل نے اسے کار میں بٹھا کر خدا حافظ کہا۔

○●○

شارق......راحیل اور صبا کو کلب میں چھوڑ کر باہر نکل آئے تھے ان کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔
''اچھا تو زیب اسی شہر میں موجود ہے۔ راحیل کی زبانی سن کر شارق کو کچھ سکون سا محسوس ہوا تھا۔ میں اسے ہر جگہ تلاش کروں گا اور پھر سب کچھ بتا دوں گا۔ اب میں اپنے دل کے جذبوں کو مزید دبا نہیں سکتا ہوں۔ اب تو میں زیب سے صاف صاف کہہ دوں گا۔
کہ ہاں...... مجھے تم سے شدید محبت ہے اور تمہارے جانے کے بعد میں چین سے سکھ سے نہیں جی رہا ہوں۔ بہت بہت بکھر گیا ہوں۔ خدارا آؤ آ کر سمیٹ لو مجھے۔
نہ جانے ایسا کیوں ہوا کہ جب وہ میرے قریب رہی میری نظروں کے سامنے۔ شاید کسی حد تک میری دسترس میں بھی تھی تو تب میں نے اپنے دل میں اس کے لیے سوائے نفرتوں کے کچھ نہیں پالا تھا اور اب جبکہ ان نفرتوں کی بدولت میرے ہی چلائے ہوئے تیر کھا کھا کر وہ زخمی ہو کر مجھے چھوڑ گئی تو میں تڑپ اٹھا ہوں ایسا کیوں ہوا؟
خود پر یہ ستم کیسے کر دیا ہے میں نے؟ شاید......شاید یہی وجہ تھی اور میں سمجھ نہ سکا انہیں بھولا بسرا ایک قطعہ یاد آنے لگا تھا۔

یہ نہیں کہ میرا دل ہی میرے بس میں نہ تھا
جو تو ملا تو میں خود اپنی دسترس میں نہ تھا
عجیب سحر کا عالم تھا اس کی قربت میں
وہ میرے پاس تھا اور میری دسترس میں نہ تھا

ہاں......وہ میرے پاس تھا۔ میرا محبوب میرے پاس تھا مگر میری دسترس میں نہ تھا۔'' شارق بڑبڑائے۔
''زیب......زیب...... میں تمہیں شہر کے چپے چپے میں تلاش کروں گا گلی گلی چھان ڈالوں گا۔'' شارق کا دل عجیب سے جذبوں سے معمور ہو گیا۔ پھر وہ بے بسی سے بولے۔
''لیکن اسے کہاں تلاش کروں...... پہلے کہاں دیکھوں......ان لوگوں سے بھری ہوئی سڑکوں پر گلیوں میں۔ خیر وہ کبھی نہ کبھی کسی راہ پر مجھے مل ضرور جائے گی میں ہمت تو نہیں ہاروں گا۔'' ان کی کار بارونق بازار میں داخل ہوئی تو انہوں نے رفتار کم کر دی اور آتی جاتی ہوئی عورتوں لڑکیوں کے چہروں کو غور سے دیکھتے رہے اور بڑبڑاتے رہے۔
''وہ چاند چہرہ کہاں ہے جس کی تلاش ہے مجھ کو۔''
شارق دیر تک بازاروں میں بھٹکتے رہے یہاں تک کہ دکانوں کے در بند ہو گئے روشنیاں بجھا دی گئیں۔ پھر بھی بے مقصد وہ گھومتے رہے۔
ان کے وہ خوابیدہ جذبے جن سے اپنی ہٹ اور ضد کے باعث وہ خود بھی نظریں نہیں ملایا کرتے تھے وہی آج تو پورے جوش وخروش سے بیدار ہو گئے تھے۔ اور اب ان کا دل بے اختیار یہی چاہنے لگا تھا کہ کہیں سے زیب آ جائے اور وہ اس کے دامن میں منہ چھپا کر اتنا روئیں اتنا روئیں کہ اس کا دامن اشکوں سے تر ہو جائے۔ اور خود ان کے دل پر پڑا ہوا برسوں پرانا دکھوں غموں کا بوجھ ان کے اشکوں سے ڈھل جائے۔ زیب...... زیب کہاں ہو تم...... خدارا لوٹ آؤ بہت

تھک گیا ہوں میں۔ بڑبڑائے پھر کچھ سوچ کر انہوں نے کار ایک طرف روک لی پھر سڑک کے ایک طرف بنے ہوئے پہلے گھر کی طرف بڑھے۔ پھر داخلی دروازے پر لگی گھنٹی بجائی۔ تھوڑی دیر بعد ایک مرد نے آکر دروازہ کھولا۔

''جی فرمایئے کس سے ملنا ہے؟'' وہ حیرت سے اس خوبصورت دراز قد مرد کو دیکھ کر بولا جس نے بہترین وضع کا قیمتی سوٹ پہنا ہوا تھا۔

''یہاں زیب صاحبہ ہیں مجھے ان سے ملنا ہے۔'' شارق بڑی آس سے بولے۔

''نہیں یہاں تو کوئی زیب نہیں رہتی ہیں۔'' وہ چند لمحے دیکھنے کے بعد دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ شارق اسی بلاک کی دوسری کوٹھی کی طرف بڑھے اور گھنٹی بجائی۔

''کون صاحب ہیں کیا چاہتے ہیں؟'' ایک باریش مولانا باہر آگئے۔

''جناب! مجھے زیب سے ملنا ہے ذرا انہیں بلوا دیجیے۔'' شارق نے منت کی۔

''زیب سے ملنا ہے۔ یہ کون محترمہ ہیں اور آپ ان سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟'' وہ عینک ٹھیک کرتے ہوئے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے مشکوک انداز سے بولے۔

''زیب! یہاں ہیں تو بتا دیجیے۔ نہیں ہے تو آپ سے مطلب کہ میں کیوں اور کس لیے ملنا چاہتا ہوں۔ خوامخواہ میرا وقت ضائع مت کریں۔'' شارق بگڑ کر بولے۔

''لاحول ولاقوۃ بھئی بڑے ہی عجیب لوگ موجود ہیں اس دنیا میں۔ یعنی کہ آپ نے شراب بھی پی رکھی ہے۔ خوب آنکھیں سرخ ہیں آپ کی اور منہ سے بو بھی آ رہی ہے۔'' وہ ناک سکیڑتے ہوئے بولے۔

''مولانا! آپ سی آئی ڈی (CID) انسپکٹر رہ چکے ہیں کیا؟ ویسے میں شرط لگا کر کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی بیوی بھی آپ کی اس بال کی کھال نکالنے والی بدعادت سے نالاں ہوں گی۔ نہ...... نہ لاحول ولاقوۃ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لگتا ہے کہ توبہ تائب تو آپ اب ہی ہوئے ہوں گے ورنہ آپ نے بھی جوانی میں کم شیطانیاں نہیں کی ہوں گی۔'' شارق نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ مولانا منہ پھاڑے شارق کو دیکھ رہا تھا۔

''کمبخت...... چل نکل یہاں سے مردود۔ لاحول ولا دوزخی گناہگار۔'' وہ اسے باہر دھکیلنے لگے۔

''ایمان سے مولانا اس وقت آپ کو کوئی نہیں دیکھ رہا بس ایک چسکی لگا لیں۔ وقت کو واپس بلا لیں۔'' وہ جیب سے بوتل نکال کر بولے اور مولانا غصے میں لاحول ولا کی رٹ لگائے اسے باہر دھکیلتے گئے۔

''بے ادب نا ہنجار یعنی یہ آج کل کے لونڈے بزرگوں سے بھی ایسا بیہودہ مذاق کرتے ہیں۔'' وہ گیٹ سے شارق کو باہر دھکیل کر بند کرتے ہوئے بڑبڑائے۔ ''کمبخت گستاخ دوزخی کیڑے۔''

شارق نے اب ساتھ والے گھر کی گھنٹی بجا دی تھی۔ ملازم نے دروازہ کھولا اور پوچھا تو شارق نے بتایا۔ ''زیب سے ملنا ہے جلدی بلاؤ انہیں۔'' اس نے حکم دیا۔

''آپ کو زیب بی بی سے ملنا ہے جی...... لیکن اس وقت؟'' وہ حیران ہو کر بولا۔

''اچھا تو زیب یہاں ہیں؟'' شارق کا دل تیزی سے دھڑکا۔

''دیکھو یار! اگر مجھے ان سے ملوا دو تو میں تمہیں انعام دوں گا۔'' وہ جوش سے اس کے کاندھے جھنجھوڑ کر بولے۔

''اچھا صاحب جی میں ابھی بلا کر لاتا ہوں آپ انتظار کریں۔'' ملازم تیزی سے چلا گیا تو شارق بے چینی سے برآمدے میں ٹہلنے لگے۔ تبھی دروازہ کھلا۔

''جی فرمایئے۔ آپ زیب کو کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں۔'' ایک قبول صورت عورت دوپٹہ ٹھیک کرتی ہوئی باہر آ گئی۔ شارق نے اسے غور سے دیکھا۔

''پلیز...... آپ زیب کو بلا دیجیے میں ان سے کیوں اور کس لیے ملنا چاہتا ہوں انہیں ہی بتاؤں گا۔''

''میں ہی زیب ہوں۔'' وہ مسکرا کر انہیں سر سے پاؤں تک دیکھتی ہوئی بولی۔

''جی......'' وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئے ان کی تیوری چڑھ گئی تھی۔

''محترمہ! اس قدر فضول مذاق کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''کیسا مذاق...... لگتا ہے آپ ہوش میں نہیں ہیں۔'' عورت نے غصے سے کہا۔

''ہاں...... میں ہوش میں نہیں بلکہ شراب کے نشے میں دھت ہوں۔ آخر تم نے اپنا نام زیب رکھا ہی کیوں؟ شاید تم نے میری زیب کو دیکھا ہی نہیں۔ وہ...... وہ اس قدر خوبصورت ہے جبکہ تم تو گیندے کا گوبھی کا سورج مکھی کا پھول ہو۔''

''شیٹ اپ...... رمضانی نکالو اس شرابی کو باہر۔'' وہ ملازم کی طرف دیکھ کر گرجی۔

''چہ...... پتہ نہیں تم عورتیں سچی بات سن کر بے قابو کیوں ہو جاتی ہو۔ اگر تمہاری جھوٹی تعریفیں کرو تو تم خوش رہتی ہو اور اگر ذرا سچائی سے کام لے کر بد تعریفی کی تو موڈ خراب ہو جاتے ہیں۔ کیوں یار رمضانی تم ہی بتاؤ اس سبز سفید سوٹ میں تمہاری بی بی گوبھی کا پھول نہیں لگ رہیں۔'' شارق کے استفسار پر نوکر نے بے ساختہ مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا اور عورت گالیاں بکنے لگی اور شارق ہاتھ ہلاتا واپس چل دیا۔ یونہی بہت سے گھروں میں ناکام تلاش کے بعد وہ آ کر کار میں بیٹھ رہے۔

''زیب! میں اس وقت تک گھر نہیں جاؤں گا۔ جب تک تمہیں تلاش نہیں کر لیتا۔'' تھکن سے ان کے بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا انہوں نے تھک کر آنکھیں بند کر کے سیٹ سے سر لگا لیا۔

○●○

راحیل نے جب سے زیب کو بیگم مراد کے ہاں ملازمت دلوائی تھی وہ روزانہ ہی وہاں جاتے تھے۔ پھر صائمہ کی کشش بھی تو انہیں کھینچتی ہوئی لے جاتی تھی۔ آج بھی وہ ہسپتال سے فارغ ہو کر سیدھے صائمہ کے ہاں پہنچے تو اسے سخت پریشان پایا۔

''راحیل! ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا ہے رضا بھائی نہ تو گھر آئے ہیں نہ ہی وہ آفس جا رہے ہیں اور پہلا موقع ہے کہ وہ اطلاع دیئے بغیر غائب ہیں۔ میں تو امی کو بھی نہیں بتا سکتی کیونکہ پہلے جھوٹ بولنا ان کے سامنے آسان تھا وہ ہر وقت پلنگ پر پڑی رہتی تھیں مگر اب وہ تیزی سے صحت یاب ہو رہی ہیں۔ اکثر زیب کا سہارا لے کر گھومتی رہتی ہیں۔ اب اگر انہوں نے بھیا کے بارے میں پوچھ لیا تو؟''

''اوہو صائمی! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے بھیا تمہارا ٹھیک ہے دراصل زندگی میں پہلی بار رضا میاں کو عشق ہو گیا ہے اور اب وہ اپنی گمشدہ محبوبہ کی تلاش میں در در کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔'' راحیل نے چائے پیتے ہوئے بتایا۔

''کیا مطلب بھیا کو کسی سے عشق ہو گیا ہے؟'' صائمہ حیران رہ گئی۔

''ابھی پورے وثوق سے کچھ نہیں بتا سکتا ہوں شک ہے مجھے بس ذرا یقین آ جائے تو تمہیں پوری بات بتا دوں گا۔'' راحیل نے مسکراتے ہوئے بتایا تبھی زیب آ گئی۔

''ارے واہ...... ڈاکٹر راحیل آئے ہوئے ہیں۔'' زیب، بیگم مراد کو سہارا دے کر اندر لے آئی تھی۔

''ماشاءاللہ...... اب تو ہماری امی جان بالکل ٹھیک ہو گئی ہیں۔'' راحیل نے خوش ہو کر کہا۔ پھر اٹھ کر انہیں سہارا دیا اور بٹھانے میں مدد دی۔

''یہ سب زیب کی ہمت ہے بیٹے! یہی میرا حوصلہ بڑھاتی رہتی ہے اور دل و جان سے میری خدمت کرتی ہے ورنہ میں نے تو جینے کی آس ہی چھوڑ دی تھی۔'' بیگم مراد محبت سے زیب کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔

''امی جان! یہ تو معاملہ بہت ہی گڑبڑ ہو جائے گا دیکھیے نا کل کلاں زیب کی شادی ہو گئی تو پھر آپ کی خدمت کون کرے گا؟'' راحیل نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے چھیڑا۔

''واہ کیوں میں نے شادی نہیں کرنی میں تو بس یہاں رہ کر امی کی خدمت کروں گی۔'' زیب شرما کر بولی۔

''نہیں بیٹی زیب! بیٹیاں اپنے شوہر کے ساتھ اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ خدا تمہارے نصیب بھی اچھے کرے اور کوئی قدر دان ہی تمہیں اپنائیں۔'' وہ صائمہ اپنی بدنصیب بیٹی پر نظر ڈال کر افسردہ ہو گئیں۔

''کاش میرا رضا کسی قابل ہوتا تو میں زیب کو اپنی بہو بنا لیتی۔ مگر میرا یہ بیٹا جس قدر اچھا تھا بعد میں اتنا ہی برا ثابت ہوا ہے۔ شرابی...... آوارہ...... بزدل۔'' وہ رنج سے بولیں۔

''ارے امی جان! چھوڑیئے بھی آپ کہاں کی بات لے بیٹھی ہیں۔ میں نے تو زیب کی شادی کی بات اس لیے کی تھی کہ جب میں کہوں گا زیب شادی کر کے چلی جائے گی۔ تو آپ فوراً مجھ سے کہیں گی کہ راحیل بیٹے فکر مت کرو۔ زیب کے جانے کے بعد ہم تمہاری شادی کر دیں گے اور بہو گھر لے آئیں گے۔ وہ میری خدمت کرے گی۔ مگر افسوس کہ آپ نے میری پوری سکیم ہی گڑبڑ کر دی ہے۔'' راحیل رونی سی شکل بنا کر بولے تو سب ہنس دیئے صرف زیب سر جھکائے کچھ سوچنے لگی تھی۔

''لو جی یہ زیب تو ابھی سے اپنے سسرال پہنچ گئی ہیں۔'' صائمہ نے چھیڑا۔

''کیوں بھئی تم کیا سوچنے لگی ہو زیب؟'' راحیل نے اس کا سر ہلایا۔

''آں...... کچھ نہیں۔'' وہ جلدی سے چائے بنانے لگی۔

اب وہ راحیل وغیرہ کو کیسے بتاتی کہ امی نے جب اپنے بیٹے رضا کو شرابی اور آوارہ کا خطاب دیا تھا تو اسے بے ساختہ شارق اپنی بدعادات کے ساتھ یاد آ گیا تھا۔ اس نے چوری چوری اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا جس میں ڈھیر سارے ہیروں والی بڑی سی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ جو شارق نے اسے پہنائی تھی۔ نہ جانے کیوں زیب نے وہ شارق کو واپس نہیں بھجوائی تھی۔ بیگم مراد پوچھ رہی تھیں۔

''ہاں...... تو راحیل بیٹے پھر کہاں ڈھونڈوں تمہاری دلہن۔'' بیگم مراد پوچھ رہی تھیں۔

''امی جان! اگر میں آپ کو اپنی پسند بتا دوں تو پھر آپ ناراض تو نہیں ہوں گی۔'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولے۔

''ارے بیٹا! ناراضگی کیسی تم بتاؤ تو سہی۔'' انہوں نے راحیل کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔
''تو امی جان! میں...... میں آپ کا بیٹا بننا چاہتا ہوں۔'' راحیل نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
یہ سن کر قریب بیٹھی صائمہ نے گھبرا کر بھاگنا چاہا مگر راحیل نے زبردستی ہاتھ تھام کر روک لیا۔
''امی جان! میں...... میں صائمہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ امی جس دن پہلی بار میں نے آپ کے گھر قدم رکھا تھا اور صائمہ کو دیکھا تھا تبھی میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ میں صائمہ کو اپناؤں گا۔'' وہ ان کے گھٹنے پر سر رکھ کر بولے تو بیگم مراد ششدر رہ گئیں۔
''مگر راحیل! تم نے اپنا ارادہ پہلے کیوں نہ ظاہر کیا۔ اگر تم پہلے اپنی خواہش بتا دیتے تو آج ہم اس قدر دکھی تو نہ ہوتے اور......اور صائمہ کی زندگی تو برباد نہ ہوتی۔''
''امی! تب میں مالی لحاظ سے آپ لوگوں کے قابل نہیں تھا۔ تبھی صائمہ کا ہاتھ مانگنے سے پہلے میں کچھ بن کر کسی مقام تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اسی لیے میں نے پوری جانفشانی سے تعلیم حاصل کی۔ مگر یہ میری بدقسمتی تھی کہ جب میں اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلا گیا۔ تو میرے پیچھے صائمہ کی شادی حامد سے کر دی گئی۔ چلیے خیر چھوڑیئے پرانی باتوں کو۔ مگر امی آج تو میں اس قابل ضرور ہوں کہ آپ سے آپ کا بیٹا بننے کا حق مانگوں۔ خدارا آپ مجھے اپنے قدموں میں جگہ دیجیے۔ پلیز مجھے مایوس مت کیجیے گا۔'' وہ ان کا خاموش اور زرد چہرہ دیکھ کر بے چین ہونے لگے۔
''امی! خدارا مجھے جواب دیجیے نا۔'' راحیل نے ان کا ہاتھ ہلایا مگر وہ ہونٹ بھینچے ساکت بیٹھی تھیں۔ جبکہ صائمہ ہراساں سی ہو کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہاں سے بھاگ گئی۔ راحیل کا چہرہ بھی سپید پڑ گیا۔ ان کی اس خاموشی کو انکار سمجھ کر راحیل نے مایوس نظروں سے انہیں دیکھا پھر بے دلی سے بیگ اٹھا کر باہر جانے لگے۔
''امی...... امی! ڈاکٹر راحیل جا رہے ہیں پلیز انہیں روک لیجیے نا۔ آخر کیا برائی ہے راحیل میں آپ...... آپ صائمہ کے لیے مان جایئے نا۔'' زیب نے بے قرار ہو کر ان کے کاندھوں کو ہلایا۔
''آں......'' وہ جیسے خواب میں جاگ اٹھی تھیں۔
''رک جاؤ راحیل...... ادھر آؤ بیٹا۔'' انہوں نے پیار سے بلا کر پاس بٹھا لیا۔
''تم نے صائمہ کو اپنانے کا فیصلہ خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے نا۔ محض ہم سے ہمدردی کی وجہ سے تو یہ ارادہ نہیں کر رہے؟'' انہوں نے راحیل کو بغور دیکھا۔
''نہیں امی! آپ میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھیے آپ کا تجربہ آپ کو کیا بتاتا ہے۔'' راحیل نے پرنم آنکھیں اٹھائیں۔ وہ چند لمحوں تک دیکھتی رہیں پھر ان کے بازو پھیل گئے اور راحیل ان کے سینے سے لپٹ گئے۔
''میرے بچے...... میری جان! خدا تمہیں سلامت رکھے تم واقعی ہم پر احسان کر رہے ہو۔''
''نہیں امی! احسان تو آپ کریں گی مجھ پر۔ سچ آج اگر آپ مجھے ٹھکرا دیتیں تو میں جان دے دیتا۔ مگر آپ نے تو مجھے نئی زندگی بخشی ہے اور ان شاء اللہ آپ کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' وہ ان سے لپٹ گئے۔
''راحیل میرے لال! کیا واقعی تم صائمہ کو دلہن بنانا چاہتے ہو۔ تمہیں تو پتہ ہے کہ اسے طلاق مل چکی ہے اور اس کے شوہر نے یہ الزام لگایا تھا کہ وہ بانجھ ہے اور ماں بننے کے قابل نہیں۔'' وہ دل تھام کر بولیں۔

''امی! مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں مجھے صرف یہ معلوم ہے کہ مجھے صائمہ سے شدید محبت ہے اور آپ وسوسوں میں پڑ کر مجھے مایوس مت کیجیے۔'' راحیل نے ہاتھ باندھ دیئے تو وہ مسکرا دیں۔

''اچھا راحیل! تو پھر صائمہ تمہاری امانت ہے مجھے اگر تم جیسا داماد ملے تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے مجھے؟''

''زندہ باد امی۔'' راحیل نے بے قابو ہو کر ان کی پیشانی پر بوسہ لیا پھر اٹھ کر باہر بھاگے۔

''امی میں صائمہ کو خوشخبری سنا دوں وہ پاگل تو رو رو کر ہلکان ہو رہی ہوگی۔'' زیب یہ سن کر بے ساختہ ہنس دی خود بیگم مراد بھی مسکراتے ہوئے آنکھیں صاف کرنے لگی تھیں۔

''بہت بہت مبارک ہو آپ کو امی جان! راحیل بھائی واقعی بہترین انسان ہیں وہ یقیناً صائمہ کو بہت خوش رکھیں گے۔''

''زیب! صائمہ تمہاری بھی تو بہن ہے تمہیں بھی مبارک ہو۔ اب تو تم بھی میری بیٹی ہو میں تمہاری شادی بھی خوب دھوم دھام سے کروں گی۔ آج تم مجھے سچ سچ بتا دو تمہیں کوئی لڑکا پسند ہے۔ شرماؤ نہیں۔ تمہیں اپنی پسند بتانے کا پورا پورا حق حاصل ہے بیٹی! پھر یہ اللہ اور رسول کا فرمان بھی ہے۔''

ایک دم سے زیب کی نگاہوں کے سامنے مسکراتا ہوا شارق آ کھڑا ہوا۔ زیب نے گھبرا کر امی کی طرف دیکھا پھر انہیں اپنی طرف ہی بغور دیکھتے ہوئے پایا تو اس کا رنگ تمتما اٹھا۔

اس نے نظریں بچاتے ہوئے شارق کی دی ہوئی انگوٹھی کے نگینے والا رخ ان کی طرف کھسکا لیا اور زور سے مٹھی بند کی تو ہیرے ہتھیلیوں میں چبھنے لگے تھے۔ بیگم مراد گویا اب بھی جواب کی منتظر تھیں۔

''نہیں امی! مجھے کوئی بھی مرد پسند نہیں ہے۔ ویسے بھی میں شادی نہیں کر سکتی ہوں مجھ پر میرے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری ہے بہت سے فرائض انجام دینے ہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''تمہیں اپنے خاندان کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر تم سے بیٹی کا رشتہ جوڑا ہے تو پھر احمر اور سیما بھی میرے بچے ہیں۔ میں ان کا خود ہی خیال رکھا کروں گی۔ ویسے بھی احمر میاں کا علاج تو ہو رہا ہے تو وہ ان شاء اللہ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔''

''خدارا آپ کی زبان مبارک کرے امی۔'' زیب نے آہستگی سے کہا مگر آج بیگم مراد اسے پوری طرح گھیرنے کے موڈ میں نظر آ رہی تھیں تبھی گویا ہوئیں۔

''بیٹی! میری نظر میں ایک لڑکا ہے وہ بہت خاندانی لوگ ہیں اور پھر لڑکے کی والدہ میری بڑی اچھی سہیلی ہیں۔ انہوں نے بھی اپنے اکلوتے بیٹے اسلم کے لیے دلہن تلاش کرنے کی مجھ سے درخواست کی تھی۔ تو میں وہیں بات کرتی ہوں۔'' وہ مصمم انداز سے بولیں۔

''اور مجھے کیا چاہیے؟ اگر میری زندگی میں ہی میری بچیاں اپنے اپنے گھر بار والی ہو جائیں۔'' وہ مطمئن ہو گئیں۔

''مگر امی جان! میں تو شادی کرنا ہی نہیں چاہتی ہوں۔'' زیب گھبرا گئی۔

''تم چپ رہو جی! بیٹیاں ماؤں کے سامنے نہیں بولتیں۔'' وہ زیب کو دوبارہ بولنے پر تیار پا کر ڈانٹنے لگیں تو زیب نے سر جھکا لیا۔

''اچھا بیٹی تم مجھے بیڈ روم میں چھوڑ آؤ مجھے نیند آ رہی ہے پھر تم صائمہ اور راحیل کے ساتھ کھانا کھا لینا۔''

زیب انہیں بیڈ روم میں لٹا کر صائمہ اور راحیل کے پاس جا پہنچی تو وہ ڈائننگ روم میں تھے اور وہاں صائمہ سے ملنے اس کی سہیلی بمع شوہر و بچوں کے آئی ہوئی تھی۔ راحیل اور زیب نے کھانا خاموشی سے کھایا۔ یوں لگتا تھا جیسے راحیل حال دل سنانے کا موقع نہیں ملا تھا صائمہ کو کیونکہ وہ کھوئی کھوئی اور پریشان سی لگ رہی تھی۔ راحیل پھر جلد اٹھ کر چلے گئے تھے پھر تھوڑی دیر بعد مہمان بھی چلے گئے تو وہ لوگ صائمہ کے بیڈ روم میں بیٹھی کافی پیتی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔

''سچ زیب! امی اور مجھے تو تم اتنی اچھی لگتی ہو کہ بے اختیار دل چاہتا ہے کہ تمہیں اپنی بھابھی بنا لوں۔ کاش میرے بھیا اچھے انسان ہوتے تو شاید میں ذرا بھی دیر نہ لگاتی۔'' صائمہ حسرت سے بولی۔

''صائمہ! آپ کے بھیا ایسے کیوں ہو گئے ہیں؟''

''بس ہماری بدقسمتی ہے زیب! ورنہ تو رضا بھائی اس قدر نیک شریف انسان تھے۔ خوش مزاج زندہ دل وہ اپنی شوخیوں کی وجہ سے ہر محفل کا سنگھار ہوا کرتے تھے۔ مگر دو حادثوں نے انہیں بالکل ہی بدل کر رکھ دیا ہے اور اسی وجہ سے انہیں تو عورت ذات سے نفرت ہو گئی ہے۔ بس نشے میں ڈوبے جلی کٹی سناتے رہتے ہیں۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''ہائے صائمہ! وہ جو میرے باس تھے نا وہ بھی ایسے ہیں بدراہ ہو گئے تھے اور ہر وقت شراب کی بوتل ان کے ہونٹوں سے لگی رہتی تھی اور توبہ...... توبہ وہ بھی ہماری صنف سے الرجک تھے عورتوں کے جانی دشمن۔ انہیں تو دنیا کی کوئی عورت شریف لگتی ہی نہیں تھی بس۔ ہر چیز کو دولت کے بل بوتے پر خریدنے کے شائق تھے۔ سنا ہے ان کے ساتھ بھی کوئی ٹریجڈی ہو گئی تھی اور وہ بھی تبھی سے عورت خور سے ہو گئے تھے۔'' زیب کو فوراً ہی شارق کی یاد آ گئی تھی۔

''ہاں...... وقت و حالات انسانی زندگی پر بری طرح سے اثر انداز ہو کر انہیں بالکل ہی بدل ڈالتے ہیں۔ خود رضا بھائی کے اور ایک طرح سے ہمارے پورے خاندان کے ساتھ ٹریجڈی ہوئی ہے۔ میرے والد جو بہت بڑے صنعت کار تھے۔ ہم ان کی دو ہی اولادیں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ انہوں نے بے انتہا محبت و لاڈ پیار سے ہماری پرورش کی۔ ہم بچے جو بات بھی منہ سے نکالتے وہ فوراً پوری کی جاتی تھی۔ خاص طور پر رضا بھیا میں تو ابو کی جان تھی نا۔ اور ان کی کوئی بات انہوں نے کبھی نہیں ٹالی تھی۔ غرضیکہ ہمارا گھر خوشیوں کا گہوارہ تھا۔ امی ابو ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ مگر اچانک ہمارا نشیمن آندھیوں کی زد میں آ گیا۔

ابو کے ایک گہرے دوست تھے مشتاق صاحب! وہ لندن سے واپس آئے تو ہمارے گھر ہی قیام کیا۔ ان کی بیوی راشدہ بڑی ہی تیز وطرار اور ماڈرن عورت تھی۔ اگرچہ مشتاق صاحب کافی عمر رسیدہ تھے۔ مگر راشدہ کی عمر بمشکل پینتیس سال ہو گی۔ تو انکل مشتاق ابو کے پاس امداد کے لیے آئے تھے کہ انہیں کاروبار میں شدید خسارہ ہوا تھا اور انہیں ابو سے کافی بڑی رقم ادھار چاہیے تھی۔

پھر راشدہ جہاندیدہ عورت تھی بخوبی سمجھتی تھی کہ اس کے امیرانہ طور طریقوں کے لیے دولت اشد ضروری ہے۔ مگر دولت تو اب ان کے شوہر کے پاس رہی نہیں تھی۔ میرے ابو کا شمار ملک کے ارب و کروڑ پتی لوگوں میں ہوتا تھا۔ محل نما گھر درجنوں کاریں ملازموں کی ان گنت فوج غرضیکہ دنیا کی تمام تر نعمتیں ہمارے گرد بکھری تھیں۔

راشدہ بری طرح سے متاثر ہوئی تھی ہمارے شاہانہ ماحول سے۔ وہ بڑی بے تکلفی سے امی سے ان کے ملبوسات

مانگ لیتی زیورات ہتھیا لیتی اور امی چپ رہ جاتی تھیں تم نے دیکھا ہی ہے کہ امی کس قدر سیدھی سادھی ہیں۔

پھر راشدہ نے میرے ابو کو آہستہ آہستہ ناز و انداز دکھا کر اپنے چنگل میں پھنسانا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ ابو کا رویہ ہمارے ساتھ خشک و تلخ ہوتا چلا گیا۔ انہوں نے سائے کی طرح راشدہ کے ساتھ ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ مشتاق پہلے تو اپنے دوست کے اس رویے کو ناقابل یقین انداز سے دیکھتے رہے۔ مگر غیرت مند تھے۔ انہوں نے پہلے بیوی کو سمجھانے کی ٹھانی تو فساد برپا ہو گیا راشدہ نے چیخ چیخ کر گھر سر پر اٹھا لیا اور مشتاق صاحب سے خوب جھگڑا کیا۔ اور جب مشتاق صاحب نے اسے فوراً اپنے ہمراہ چلنے کے لیے کہا تو راشدہ نے ہمارا گھر چھوڑ کر جانے سے صاف انکار کر دیا۔ کئی دن یہ جھگڑا چلتا رہا ابو ان دنوں کام کا بہانہ کر کے گھر سے کھسک گئے تھے۔ آخر تنگ آ کر مشتاق صاحب نے راشدہ کو طلاق دے دی اور اپنا سامان اٹھا کر چلے گئے۔

بس مشتاق انکل کے جاتے ہی گویا ابو اور راشدہ کا راستہ صاف ہو گیا تھا۔ صرف اب امی ان کی نگاہوں میں پتھر تھیں۔ وہ لوگ گھر کے لوگوں کا لحاظ کیے بغیر بے حجابانہ انداز میں معاشقہ لڑا رہے تھے۔ اب ابو نے بھی اٹھتے بیٹھتے امی سے تکرار شروع کر دی تھی حالانکہ میری امی تو دل پر صبر کی سل رکھے لب سیے رکھتی تھیں۔ ایک روز اپنے ابو نے امی سے خوامخواہ لڑائی کی اور پھر انہیں بلاوجہ گھر سے نکل جانے کا حکم صادر کیا۔ وہ اپنا قصور ہی پوچھتی رہ گئیں۔ لیکن انہیں دھکے دے کر گھر کی چار دیواری سے نکال کر دروازے ان کے منہ پر بند کر دیئے گئے ابو نے مجھے تو امی کے ساتھ جانے دیا مگر رضا بھیا کو زبردستی چھین لیا گیا۔

رضا بھیا جو امی اور میرے بغیر رہ نہیں سکتے تھے انہیں گھر میں قید کر کے پہرے بٹھا دیئے گئے تھے۔ ابو اب ہر وقت شراب کے نشے میں دھت رہتے تھے اور سب سیاہ و سفید کی مالک راشدہ بن بیٹھی تھی۔ بھیا نے دو چار بار بھاگنے کی کوشش کی تو انہیں ہنٹروں سے مارا پیٹا گیا۔ راشدہ کو بھیا کا وجود بری طرح سے کھٹکتا تھا ایک تو وہ جائیداد کے وارث تھے۔ دوسرے یہ کہ ابو انہیں بہت چاہتے تھے اور یہ بات راشدہ کے ناقابل برداشت تھی۔ ادھر رضا بھیا کے دل میں بھی اس کمینی کے خلاف نفرت جڑ پکڑتی جا رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی بے قابو ہو جاتے تھے اور جو چیز ہاتھ لگتی تھی دے مارتے تھے۔ ایک روز بھیا کی کسی بات سے خفا ہو کر راشدہ نے بھیا کو بہت مارا۔ بمشکل چند نمک خوار ملازموں نے انہیں چھڑایا اور لے گئے۔

پھر رات کو جب سب سو رہے تھے۔ بھیا اٹھے اور باورچی خانے سے چھری اٹھائی اور اس کے بیڈ روم میں پہنچے جہاں لوگوں سے نظریں بچا کر ابو بھی رنگ رلیاں منانے کے بعد تھک کر راشدہ کی آغوش میں بے سدھ پڑے تھے۔ یہ دیکھ کر رضا کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور انہوں نے بھر کر راشدہ پر حملہ کر دیا اور جب تک وہ اٹھتی سنبھلتی بھیا نے اسے کافی گھائل کر ڈالا تھا۔ چیخ و پکار سن کر اور لوگ دوڑے آئے بھیا پر دیوانگی سی طاری تھی لوگوں نے بمشکل راشدہ سے انہیں الگ کیا۔

اس دن ابو بھی رنگے ہاتھوں پکڑے گئے تو خجالت میں مبتلا ہو کر انہوں نے پہلی بار بھیا کو باندھ کر بری طرح سے مارا اور تین دن باندھ کر بھوکا پیاسا ہی رکھا۔ بمشکل پرانی ملازمہ نے معافیاں مانگ مانگ کر ابو سے بھیا کی جان بخشی کروائی۔ یوں رضا بھیا کے دل میں نفرتیں بڑھتی ہی چلی گئیں یوں چھ سال کا عرصہ گزر گیا بھیا نے ایف ایس سی شاندار

نمبروں میں پاس کرلیا تھا۔ ان پر بہت پابندیاں تھیں ہر وقت مسلح باڈی گارڈ نگرانی کے لیئے ہمراہ ہوتے تھے۔ بھیا امی اور مجھ سے ملنے کے لیے تڑپتے رہتے تھے مگر مل نہیں سکتے تھے۔ مگر وہ وہاں سے فرار ہونے کے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ پھر ایک دن انہیں یہ موقع میسر آ ہی گیا۔

ابو نے بھیا کی سالگرہ کا جشن منانے کی ٹھانی بے شمار لوگ مدعو تھے شراب پانی کی طرح پی جا رہی تھی اور لوگ بھی سدھ بدھ بھلائے مے نوشی میں مصروف تھے۔ آدھی رات کے بعد تو سبھی بے حال ہو چکے تھے اور گھر جا رہے تھے۔ تھکے ہارے ابو اور راشدہ بھی بیڈروم میں جا چکے تھے۔ بھیا نے یہی موقع مناسب سمجھا اور کھڑکی پھلانگ کر بیڈروم میں داخل ہوئے۔ ابو کے تکیے کے نیچے سے چابیاں اٹھائیں۔ سیف کھول کر سب خاندانی اور امی کے زیورات اور نقد رقم بیگ میں ٹھونسی اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ گیراج میں ان کی اپنی نئی کار جو اسی دن سالگرہ کی خوشی میں تحفہ ملی تھی۔ بھیا نے اس میں سامان رکھا اور وہاں سے نکل کر ہمارے نانا ابو کی جاگیر فرید پور آ پہنچے۔ برسوں کے بچھڑے ہوئے ملے تو غیروں کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ پھر ابو نے بھیا کو واپس بلانے کے بہت جتن کیے لیکن بھیا نے انکار کر دیا۔ ابو نے بڑی دھمکیاں بھی دیں پھر بھی وہ بھیا کو ہم سے نہ چھین سکے۔ میرے نانا جان نے انہیں اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ بھجوا دیا اور پھر جب ان کی پڑھائی مکمل ہو گئی تو واپس بلوا کر اپنے ساتھ بزنس میں شریک کر لیا۔ اتنا وقت گزر جانے کے بعد اب ابو کی آنکھیں بھی کھل چکی تھیں راشدہ کی جوانی و ناز و انداز کا نشہ اتر چکا تھا انہیں راشدہ کی چلتر چالاکیوں کا پتہ چل گیا تھا۔ تبھی انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ امی اور ہمیں واپس بلوا لیں گے اور تمام جائیداد بھی ہمیں دے دیں گے۔ اسی سلسلے میں جا جا کر خاندان کے بزرگوں کی منتیں کرتے رہے کہ وہ لوگ بیچ میں پڑ کر امی سے ابو کی صلح کروا دیں۔

راشدہ نے سنا تو اس کے سینے پر سانپ لوٹ گئے۔ تب اس نے ایک خوفناک منصوبہ بنایا۔ میرے ابو اپنے دوست کے بیٹے کی شادی میں شریک ہونے کے لیے لاہور گئے ہوئے تھے اور وہیں انہوں نے اپنے وکیل دوست سے وصیت نامہ لکھوایا جس کی رو سے ابو کی تمام تو جائیداد اور کاروبار کے مالک بھیا اور میں تھی۔ پھر وہ ڈرتے ڈرتے ہم سے ملنے بھی آئے اور ساتھ لے جانے کے لیے منتیں کرتے رہے۔ مگر رضا بھیا کے دل میں ان کے خلاف شدید رنج و کدورتیں بھر گئی تھیں۔ ویسے بھی راشدہ کی موجودگی میں وہاں جانا معیوب ہی تھا تبھی انہوں نے انکار کر دیا۔ تو مایوس ہو کر ابو وہ وصیت نامہ میرے نانا جان کے حوالے کر کے چلے گئے۔ اور پھر دوسرے ہی دن ان کی موت کی خبر ملی۔

برے کاموں کے انجام ہمیشہ برے ہی ہوتے ہیں سو میرے والد کو بھی سزا ملی اور سزا دینے والی شخصیت بھی وہی عورت تھی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی شریف خوبصورت بیوی کو دھکے دے کر اس کے گھر سے نکالا اولاد تک کو عیاشی کے جنون میں دھتکار دیا تھا۔

راشدہ کو جب ایک نمک حرام نوکر نے چند سو روپے لے کر ابو کی سب باتیں بتا دیں۔ کہ کس طرح انہوں نے وصیت لکھ کر ہمارے حوالے کر دی ہے اور وہ ہمیں منانے کے لیے بھی گئے تھے اور اب بھی وہ کوشاں ہیں کہ برادری کو بیچ میں ڈال کر مالکن اور بچوں کو واپس لے آئیں۔

یہ سنتے ہی راشدہ کے پاؤں تلے سے تو زمین نکل گئی۔ اس نے سوچا اگر ہم لوگ واپس آ گئے تو وہ بے دخل کر دی جائے گی۔ خود ابو نے بھی اس سے نکاح تو کیا نہ تھا بس ٹالتے ہی رہے تھے۔ وہ بپھر اٹھی اور اس نے ابو کو کھانے میں زہر

دے کر ہلاک کر دیا پھر سیف میں پڑی لاکھوں کی رقم سمیٹ کر فرار ہوگئی۔

ہمارے والد جیسے بھی تھے۔مگر ان کی موت ایک نا قابل برداشت صدمہ تھی انہوں نے ہمیں بڑے عیش وشفقت سے تو پالا تھا۔راشدہ کے آنے سے پہلے تک؟

بھیا کو سخت صدمہ پہنچا تھا وہ تو راشدہ کو ڈھونڈ کر سخت سزا دینا چاہتے تھے۔مگر امی اور میں نے بمشکل انہیں ٹوکا۔مگر ان کے دل میں عورتوں کے لیے نفرت کا جذبہ ابھر آیا تھا۔وہ سمجھنے لگے کہ عورت کا ایمان ہی دولت ہے۔ہم نے بمشکل ان کے ذہن سے یہ لغو خیال نکالا اور ان کا دھیان بٹانے کے لیے امی نے اپنی سہیلی کی بیٹی سے ان کی شادی کر دی اور واقعی بھیا سنبھل گئے تھے اور بڑی تن دہی سے کاروبار کو وسیع کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔دو سال یونہی ہنسی خوشی گزر گئے اور ایک بار پھر بدقسمتی نے ہمارے گھر ڈاکہ ڈالا۔'' صائمہ نے آنسو پونچھتے ہوئے گہرے سانس لیے۔زیب منہ کھولے پوری توجہ سے سن رہی تھی۔

''زیب بی بی! آپ کا فون آیا ہے جی۔'' ملازمہ نے آ کر بتایا تو صائمہ کی بات ادھوری رہ گئی۔

مناسب نہ سمجھ کر وہ نیچے آگئی۔اسے نیند تو آ نہیں رہی تھی تبھی وہ لائبریری میں چلی آئی۔پھر اس نے لائٹ جلائی ہی تھی کہ سامنے ہی دیوار پر شارق کی ایک بڑی سی تصویر پر نظر پڑی۔

وہ ٹھٹک کر بلکہ دہل کر رہ گئی۔اگرچہ ساتھ میں ایک اور تصویر لگی تھی خاصے خوبرو ادھیڑ عمر مرد تھے۔مگر وہ حیران تھی۔ شارق صاحب کی تصویر اور یہاں اس گھر میں؟ وہ چکرا گئی۔

وہ تو بیگم مراد کی بیماری کی وجہ سے زیادہ تر ان کے بیڈ روم میں رہ جاتی تھی اور اب کچھ دنوں سے ان کی حالت سنبھلی تو تب زیب کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم اور کچن تک آنے جانے لگی تھی۔یا کبھی صائمہ کے بیڈ روم میں جا بیٹھتی تھی۔اس کے علاوہ پورا گھر دیکھنے کا تو اتفاق نہیں ہوا تھا۔

اکثر کتابیں اسے صائمہ لا لا کر دیا کرتی تھی۔جو وہ بیگم صاحبہ کے سونے کے بعد پڑھتی تھی۔لائبریری کے متعلق بھی کل صائمہ کی زبانی اسے پتہ چلا تھا۔تبھی وہ وہاں چلی آئی تھی کہ اپنی پسند کی کوئی کتاب نکال لائے گی۔وہ آنکھیں کھولے حیرت سے شارق کی مسکراتی ہوئی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔شارق کی تصویر کے ساتھ ویسے ہی قیمتی سنہرے اور سیاہ حاشیے والے فریم میں ایک خوبرو مرد کی تصویر بھی لگی ہوئی تھی۔زیب گم صم کھڑی تھی۔

''یہ...... یہ کہیں صائمہ کے بھائی رضا کی تصویر تو نہیں ہے۔اور یہ شارق ان کے گہرے دوست ہوں گے؟'' زیب نے غلط اندازہ لگایا۔خیر صبح صائمہ سے پوچھوں گی۔وہ بمشکل شارق کی تصویر سے نظریں ہٹا کر الماری کی طرف بڑھی۔پھر ایک کتاب نکال کر کرسی پر بیٹھ کر ورق پلٹنے لگی۔لیکن اس کا دل کتاب میں نہیں لگ رہا تھا۔نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی نظریں تصویر پر جا ٹکتی تھیں اور تھوڑی ہی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے شارق کی بے جان تصویر میں جان پڑ گئی ہے۔شارق کی نگاہیں گویا وجود میں گڑی جا رہی تھیں۔

وہ کرسی سے اٹھ کر کمرے کے دوسرے کونے میں پڑے صوفے کی طرف بڑھی۔تو اسے یہی محسوس ہوا جیسے شارق کی نظریں اس کا تعاقب کر رہی ہوں۔زیب ٹھٹک گئی اور محض آزمانے کی خاطر واپس پلٹی۔تب بھی وہ انہیں باغی نگاہوں کی حد میں تھی۔زیب گھبرا گئی پھر تصویر کے قریب چلی گئی اور بغور شارق کی شبیہہ کو دیکھنے لگی۔ویسے بھی آج ہی تو موقع ملا

تھا اس بدمزاج اکھڑ شخص کے نقوش کو تسلی و آرام سے کھوجنے کا ورنہ تو وہ ڈانٹ کر رکھ دیتا تھا۔ ایک بار جرأت کی جو تھی اسے بغور دیکھنے کی۔ تو خمیازہ بھگتنا تھا۔

''زیب کیا بات ہے کیوں گھور رہی ہیں کیا میرا چہرہ حفظ کرنے کا ارادہ ہے۔'' انہوں نے لحظہ بھر میں کچرا کر دیا تھا۔ وہ سخت شرمندہ ہو گئی تھی۔ اب بھی وہی خوف در آیا تھا۔

''شارق! مجھے ایسے تو مت دیکھیے بہت خوف محسوس ہوتا ہے تمہاری نظروں سے؟'' اس نے بڑھ کر تصویر پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں ڈھانپ دی تھیں پھر وہ خود ہی ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔

''توبہ...... توبہ...... میں کیسی احمقانہ حرکتیں کر رہی ہوں اگر کوئی دیکھ لیتا تو نہ جانے کیا سمجھتا؟'' وہ سہم کر ہٹی اور کتاب اٹھا کر ڈرائنگ روم میں آ گئی اور وہیں صوفے پر لیٹ کر پڑھنے لگی۔ مگر بار بار وہ بھوری بھوری آنکھیں تصور میں جھلملانے لگتی تھیں وہ جھنجھلا کر سر جھٹک دیتی تھی۔ پھر بہت ہی مشکلوں سے اس نے چند صفحے پڑھ ہی ڈالے تھے کہ یکا یک بجلی بند ہو گئی تو وہ ٹھنڈی سانس لیتی ہوئی اٹھی۔

''چلو باقی کل پڑھ لیں گے۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ باہر کار رکنے کی آواز آئی۔ چند لمحوں بعد کسی نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''اس وقت کون آ سکتا ہے؟'' وہ پریشان ہو گئی ایک اندھیرا ابھی حواسوں کو منتشر کر رہا تھا۔

''صائمہ دروازہ کھولو میں رضا ہوں۔'' کسی نے آہستہ سے آواز دی۔ ''میری ڈپلیکیٹ چابیاں کہیں کھو گئی ہیں۔''

''رضا...... اوتو صائمہ کے بھائی صاحب ہیں۔'' وہ صائمہ کو جگانے کے خیال سے کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ رک گئی۔

''وہ بیچاری تو تھکی ہاری سوئی ہے چلو میں دروازہ کھول دیتی ہوں۔'' زیب ٹٹولتے ہوئے بڑھی اور لاک کھول دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

''لائٹ کیوں بند ہے صائمہ! یہ وقت لوڈ شیڈنگ کا تو نہیں ہے۔'' انہوں نے بوجھل سی آواز میں پوچھا۔

''شاید فیوز ہو گئی ہے بجلی۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''صائمہ گڑیا! تم ناراض ہو مجھ سے؟'' انہوں نے زیب کے کاندھے تھام لیے تو وہ لرز اٹھی مگر خاموش رہی۔

''اچھا اب تم جا کر سو رہو میں صبح اپنی گڑیا کو منا لوں گا۔'' وہ اس کا سر تھپتھپا کر اوپر اپنے بیڈ روم میں چلے گئے۔ زیب چند لمحوں تک ان کے ڈولتے ہوئے سائے کو دیکھتی رہی پھر اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔ صبح آنکھ دیر سے کھلی وہ بھی جب ملازمہ نے آ کر بتایا کہ صائمہ ناشتہ سامنے رکھے اس کا انتظار کر رہی ہے۔ تو وہ جلدی جلدی تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں پہنچی۔ تب صائمہ نے ناشتہ شروع کیا۔

''صائمہ! رات کو آپ کے بھائی صاحب واپس آ گئے تھے۔'' زیب نے بتایا۔

''ہیں اچھا...... تو پھر دروازہ کس نے کھولا تھا؟'' صائمہ جلدی سے کپ رکھ کر بولی۔

''بجلی فیوز تھی دروازہ میں نے کھولا تو وہ سمجھے آپ نے کھولا ہے۔ کہنے لگے صائمہ گڑیا! تم مجھ سے ناراض ہو خیر صبح میں تمہیں منا لوں گا۔ پھر میرا سر تھپتھپا کر چلے گئے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اچھا......تو اس سے پہلے وہ بھائی پھر کہیں کھسک جائیں میں جا کر انہیں قابو کرتی ہوں۔'' صائمہ وہاں سے بھاگ نکلی۔اس نے اوپر پہنچ کر دروازہ ہلکے سے کھٹکھٹایا اور آواز دی۔

''آجاؤ صائمی!'' رضا نے پکارا وہ ابھی بستر ہی میں دبکے تھے مگر صائمہ کو دیکھ کر بازو کھول دیئے۔وہ بھی بچوں کی طرح سے دوڑی اور بھائی کے سینے سے لگ گئی۔رضا نے بڑی محبت سے اس کے سر پر بوسے لیے۔

''بھیا آپ کہاں غائب ہو گئے تھے۔کہیں جانا ہو تو اطلاع تو دے دیا کریں۔امی بیمار رہتی ہیں کم از کم آپ سے رابطہ تو رہے گا۔''

''واقعی غلطی ہو گئی تھی خیر آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ سگار سلگانے لگے۔

''آپ گئے کہاں تھے یہ تو بتا دیں۔'' صائمہ نے ساتھ ہو کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''کسی کی تلاش میں دردر کی خاک چھانتا پھرتا تھا۔'' وہ افسردہ سے ہو گئے۔

''پھر وہ ملا؟'' صائمہ نے انہیں غور سے دیکھا۔

''نہیں......وہ نہیں ملا۔'' وہ رضا کے لہجے کی حسرت چھپی نہ رہ سکی۔

''جو نصیب میں ہوگا تو مل جائے گا کبھی نہ کبھی......کہیں نہ کہیں......کسی موڑ پر کسی راہ پر۔'' وہ آہستہ سے بولے نگاہیں سپاٹ دیوار پر ٹک گئی تھیں۔صائمہ دکھی ہو گئی۔

''بھیا کون ہے وہ؟'' صائمہ گویا اسے خیالات کی دنیا سے واپس کھینچ لائی تھی۔

''خیر چھوڑو۔یہ بتاؤ امی جان کیسی ہیں؟'' شارق نے بات بدل دی۔

''بھیا! امی تو اب کافی حد تک صحت یاب ہو گئی ہیں۔کہاں تو وہ بیٹھ بھی نہیں سکتی تھیں لیٹی رہتی تھیں اور اب تو وہ سہارا لے کر باغ تک چہل قدمی کر آتی ہیں۔''

''ہائیں......سچ کہو۔'' رضا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ایمان سے بھیا! اور یہ ساری محنت اس نئی نرس کی ہے۔وہ اتنی خدمت کرتی ہے خود ان کے لیے کھانے بناتی ہے مالش کرنا......ورزش کروانا......کپڑے بدلنا نہلانا۔غرضیکہ سبھی کام اس نے سنبھال لیے ہیں اور امی کو بھی وہ اپنی اولاد کی طرح سے پیاری لگنے لگی ہے۔'' صائمہ نے تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔

''اچھا تو وہ محترمہ کون سا مفت کام کر رہی ہیں ہم بھی تو اسے لمبی چوڑی تنخواہ دیتے ہیں۔رہنے کے لیے اب انیکسی بھی ڈاکٹر راحیل نے حکم دیا ہے کہ ٹھیک اور دوبارہ سے رنگ و روغن کروا کر فرش کروا کر دوں ان کی فیملی کے لیے۔پھر کھانا پینا، ہر چیز کی سہولت تو مہیا ہے ان کو۔پھر وہ جو خدمت بھی کر رہی ہے اس کا معقول معاوضہ ملتا ہے انہیں۔'' رضا ایک دم سے بگڑ گئے تھے۔

''وہ تو ٹھیک ہے بھیا! لیکن فرض کو فرض سمجھ کر بھی کوئی کوئی ہی تن دہی سے کام کرتا ہے۔اب سے پہلے ہم نے کتنی نرسوں کو رکھا۔یہی سہولتیں دی تھیں۔مگر ان کے نخرے ہی ختم نہیں ہوتے تھے بلکہ دو دو نرسیں تھیں۔دن رات کے لیے اور وہ دگنے پیسے لیتی تھیں اور ہوتا یہ تھا کہ امی کے سبھی کام مجھے سنبھالنے پڑتے تھے اور یہ نئی نرس تو بہت اچھی بہت پیاری ہے اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے اپنی بہن سی پیاری لگتی ہے۔'' صائمہ نے بضد ہو کر طرفداری کی۔

''ہاں......رات کو جب آپ واپس آئے تھے نا تو اسی نے دروازہ کھولا تھا۔مگر آپ یہ سمجھتے رہے کہ میں ہوں۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''اواچھا......تو وہ تمہاری پسندیدہ نرس صاحبہ تھیں۔'' رضا نے طنز کیا۔

''تو اب کہاں ہیں وہ محترمہ؟'' شارق کش لگاتے ہوئے بولے۔

''میں جب آرہی تھی تب ملازم نے بتایا تھا کہ ان کے کوئی قریبی عزیز ہیں۔وہ ان سے ملنے آئے ہیں۔تو وہ لوگ نیچے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوں گے۔ورنہ تو وہ بیچاری گھر سے باہر قدم بھی نہیں نکالتی۔'' صائمہ کھڑی ہوگئی۔

''خیر بھیا! میں آپ کے لیے ناشتہ بنواتی ہوں۔آپ جلدی سے آجائیے گا۔'' وہ باہر جاتی ہوئی بولی۔

رضا تیار ہو کر قمیص کا بٹن بند کرتے ہوئے سیڑھیاں اتر رہے تھے کہ اچانک انہوں نے دیکھا دروازے کے قریب میجر خرم کھڑے ہیں اور ان کے ساتھ ایک لڑکی کھڑی باتیں کر رہی تھی۔پھر خرم نے زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے اس لڑکی کے سر پر چپت لگائی پھر خدا حافظ کہتے باہر نکل گئے۔

وہ لڑکی مسکراتی ہوئی مڑی اور اس کی نظر سیڑھیوں پر کھڑے حیرت زدہ سے شارق پر پڑیں جن کی آنکھیں اب بے یقینی کے عالم میں پھیل سی گئی تھیں اور زرد ہوتے ہوئے چہرے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

زیب بھی ناگہاں انہیں دیکھ کر دہل سی گئی اس کا ہاتھ بے تحاشہ دھڑکتے دل تک پہنچا اور چیخ نکلتی نکلتی رہ گئی۔شارق نے سر کو تیزی سے جھٹکا۔جیسے وہ جو کچھ دیکھ رہے تھے انہیں اس کا یقین نہ آرہا ہو۔پھر وہ دوڑتے ہوئے سیڑھیوں سے اترے اور گھبرائی ہوئی زیب کو بازوؤں میں جکڑ لیا۔

''زیب......زیب یہ تم ہو میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔'' وہ بے یقینی سے بولے۔

''چھوڑیئے پلیز چھوڑ دیجیے نا مجھے۔'' زیب ان کی اس وارفتگی پر بوکھلا کر رہ گئی۔

''تو یہ تمہیں ہو؟ اُف زیب تمہاری خاطر میں نے کیا کیا مصیبتیں نہیں برداشت کی ہیں۔ایک ایک گھر میں تمہیں دیوانوں کی طرح تلاش کیا ہے اور تم ملی بھی کہاں اس......اس گھر میں۔'' وہ جوش کے عالم میں جلدی جلدی بول رہے تھے۔

''خدا کے لیے شارق صاحب چھوڑ دیجیے مجھے۔'' زیب نے انہیں دھکا دیا اور بھاگ گئی اور صائمہ کو جا پکڑا۔

''صائمہ......صائمہ! وہ یہاں بھی آگیا ہے خدارا مجھے چھپا لو بچا لو۔'' وہ ہراساں سی اس سے لپٹ گئی۔

''کیا ہوا زیب! کیا بات ہے کون آگیا ہے یہاں......'' صائمہ نے اسے سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''وہ......وہ شارق میرا پیچھا کرتے کرتے یہاں تک آگیا ہے کمبخت۔'' وہ اس سے لپٹی جارہی تھی۔

''شارق......'' چھری صائمہ کے ہاتھ سے نیچے جا گری تھی۔

''تم......تم شارق کو کیسے جانتی ہو زیب؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''ارے یہی تو ہے وہ میرا عیاش بدکار باس ان کی سیکرٹری تو تھی میں۔'' زیب نے انکشاف کیا پھر دروازے پر حواس باختہ سے شارق کو کھڑا دیکھ کر وہ صائمہ کے پیچھے چھپنے لگی۔

''صائمی! یہ سب کیا ہے یہ لڑکی یہاں کیا کر رہی ہے؟'' شارق ہونق سے قریب چلے آئے۔

''بھیا! یہی تو ہیں امی کی نئی نرس زیب جو پچھلے چار پانچ مہینوں سے ہمارے پاس ہیں۔'' صائمہ نے بتایا۔

''بھیا...... صائمہ کیا یہ تمہارے بھیا ہیں۔'' زیب دنگ رہ گئی تو صائمہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''یہ چار پانچ ماہ سے ادھر تھیں۔'' شارق حیران رہ گئے۔

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کو پہلے ہی سے جانتے ہیں۔'' حالات سے بے خبر سی صائمہ نہال ہو کر بولی اسے یہ بھی خیال نہیں آیا تھا کہ زیب اسے کمبخت موذی اور بدمعاش کہہ رہی تھی۔

''ارے ہاں زیب! وہ تمہارے ڈاکٹر خرم ابھی بیٹھے ہیں نا۔ انہیں یہاں ڈائننگ روم میں لیتی آؤ۔ اکٹھے ناشتہ کر لیں گے۔'' صائمہ ملازمہ کو ٹرالی تھما کر بولی۔

''خرم نے ڈیوٹی پر جانا تھا تو وہ چلے گئے ہیں مگر وہ شام کو مجھے لینے کے لیے آئیں گے۔ صائمہ! امی سے پوچھوں گی آج مجھے تھوڑی دیر کے لیے چھٹی چاہیے تھی۔'' وہ سہمی سہمی نظروں سے شارق کو دیکھ کر بولی۔

شارق کا چہرہ جو اسے دیکھنے کے بعد کھل سا گیا تھا ایک دم کملا کر رہ گیا۔

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں تم ضرور چھٹی کر لینا اور بھیا آج کہہ رہے تھے کہ وہ انیکسی ٹھیک کروا رہے ہیں۔ پھر تمہاری فیملی یہاں شفٹ ہو سکتی ہے اور تمہاری دو مہینے کی تنخواہ بھی آج بھیا تمہیں دے دیں گے۔'' صائمہ نے کہا جبکہ شارق ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے دیکھے جا رہے تھے۔

''اچھا صائمہ! میں امی کے پاس جا رہی ہوں۔'' زیب، شارق کی تپتی ہوئی نظروں سے بوکھلا کر چل دی۔ اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔

''ہائے یہ کیا ہو گیا ہے جس شخص کی دسترس سے باہر نکلنے بچنے کے لیے نوکری چھوڑی تھی۔ اب میں پھر اس کے چنگل میں پھنس جاؤں گی۔ شکر ہے راحیل کی بات مان کر میں نے صائمہ کو کچھ بتایا نہیں تھا شارق کے ہاں ملازمت کے بارے میں ورنہ اب راز کھلنے پر وہ اپنے لاڈلے بھائی کی برائی کیسے سنتی۔'' مگر کچھ اندازہ تو صائمہ کو ہو ہی چکا تھا۔

''مگر اب کیا ہو گا؟'' وہ بیڈروم میں آ کر سر تھام کر بیٹھ گئی بیگم مراد آنکھیں بند کیے لیٹی تھیں۔

''زیب بیٹی! کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟'' بیگم مراد اٹھ بیٹھیں۔

''امی جان! یکا یک میرے سر میں بہت درد ہونے لگا ہے۔'' وہ اپنی کنپٹی دبا کر بولی تو وہ گھبرا گئیں۔

''افو بچی! تم نے میری خاطر اپنی صحت تباہ کر ڈالی ہے۔ نہ دن کا چین نہ رات کا آرام۔ چلو جاؤ تم جا کر سو رہو میرے پاس صائمہ ہے۔'' انہوں نے زبردستی زیب کو بھیجا۔

زیب بھی تنہائی میں بیٹھ کر سوچنا چاہ رہی تھی وہ باہر نکلنے لگی تو سامنے سے آتے ہوئے شارق سے ٹکرا گئی۔

''سنبھل کے بچ کے زیب صاحبہ۔'' انہوں نے کاندھوں سے پکڑ کر سنبھالا پھر اسے تھامے ہی رکھا مگر زیب خود کو چھڑا کر باہر آ گئی پھر اپنے کمرے میں آ کر وہ پلنگ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دل پر عجیب سی اداسی و خوف کے بادل چھا رہے تھے وہ کتنی دیر تکیے میں منہ چھپائے روتی رہی۔ پھر اچانک اس کے بالوں میں کسی کی انگلیاں سرسرائیں۔

''زیب کیا ہوا چاند؟'' کسی نے بڑے پیار سے بلایا تو وہ تڑپ کر اٹھ گئی اس کے چہرے پر خوف لرز رہا تھا پھر سامنے راحیل کو دیکھ کر اس نے سکھ کا سانس لیا۔

''کیوں بھئی یہ میری گڑیا کیوں رو رہی ہے؟'' وہ پاس بیٹھ گئے۔

''راحیل! یہ کیا ظلم کیا ہے آپ نے...... آپ نے مجھ سے کیوں چھپایا کہ آپ مجھے شارق کے گھر لے آئے ہیں۔''

''اوہو تو بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔ ویسے میں تو شارق کو گھر دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ تمہارا ٹکراؤ ہو چکا ہوگا۔ خیر زیب تمہیں گھبرانے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ شارق باہر کی دنیا میں لاکھ برا رنگین مزاج سہی مگر اس گھر میں وہ بالکل بے ضرر ہے۔ اور میں تمہیں تمہاری حفاظت کے لیے ہی اس شیر کی کچھار میں لے آیا تھا۔'' وہ ہنسے۔

''نہیں...... نہیں راحیل بھائی! میں ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔'' زیب نے سر جھکا لیا۔

''پاگل مت بنو۔ سوچو تو سہی امی اور صائمہ تم سے کس قدر محبت کرتی ہیں۔ وہ تو تمہیں اپنی بہو بنانے کی آرزومند ہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمہارے بغیر ان کی دیکھ بھال کوئی نہیں کر سکتا۔ تو کیا تم چاہتی ہو وہ پھر سے بیمار پڑ جائیں۔

سچ مانو شارق کی جرأت نہیں ہے کہ تمہیں انگلی بھی لگا سکے وہ یہاں ایسا کوئی غلط کام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ویسے بیچارا شارق تمہارے جانے کے بعد بہت پریشان اور اداس رہا ہے ویسے آپس کی دوستانہ بات ہے۔ زیب اگر تم تھوڑی سی کوشش کرو تو اس بندے کو بدل بھی سکتی ہو ویسے منگنی تو تم دونوں کی ہو ہی چکی ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے میرے یار کی دی ہوئی انگوٹھی کو ابھی بھی انگلی میں سجایا ہوا ہے۔'' وہ زور سے ہنسے۔

''توبہ راحیل! بس فضول باتیں ہی کرتے رہتے ہیں آپ تو۔'' زیب جھینپ کر آنکھیں صاف کرتی ہوئی بولی۔

''اچھا...... اچھا...... اب تم اٹھو امی تمہارے لیے پریشان ہو رہی تھیں انہوں نے مجھے تمہارا معائنہ کرنے اور بیماری کا کھوج لگانے کے لیے بھیجا ہے۔'' راحیل اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے باہر لے آئے۔ پھر سامنے سے آتے ہوئے شارق کے قدم رک گئے۔ انہوں نے کڑی نظروں سے دونوں کو دیکھا پھر انہیں ہنستا دیکھ کر تیوری چڑھا لی۔

''ہائے یہ کمبخت کسی کو ہنستا خوش ہوتا نہیں دیکھ سکتا؟''

زیب نے جلدی سے ہاتھ چھڑایا اور امی کے کمرے میں چلی گئی۔ جبکہ شارق نے راحیل کو گھیر لیا۔ ''راحیل! تم نے مجھے دھوکے میں رکھا مجھ سے اس قدر سنگین جھوٹ کیوں بولا کہ تمہیں زیب کی خبر نہیں ہے؟''

''برادر من! جھوٹ مجھے یوں بولنا پڑا۔ تم سے بھی اور زیب سے بھی کہ اگر اسے پتہ چل جاتا کہ وہ اپنے ایکس باس کے گھر ہی نوکری کرنے لگی ہے تو وہ کبھی رضامند نہ ہوتی اور میرے منہ پر جوتا مارنے سے بھی دریغ نہ کرتی۔ یہ تو میں نے رسک لیا تھا اس برتے پر کہ شاید صائمہ اور امی سے زیب کو انس ہو جائے اور بعد میں تمہارا راز کھلنے پر وہ کوئی زیادہ خفگی نہ دکھائے اور مجھے معاف کر دے۔ ویسے یار! تم خود سوچو تم نے اس سے کتنی غیر شریفانہ حرکت کی تھی پھر بھلا وہ کیسے تمہاری ملازمت پر لعنت نہ بھیجتی۔ وہ تو تم سے نفرت کرنے میں حق بجانب ہے نا؟ تمہیں عقل نہیں تھی کیوں لے کر چلے گئے تھے کمبخت طوائف کے گھر؟''

''راحیل...... راحیل وہ نوابزادی اگر مجھ سے نفرت کرتی ہے تو تم اسے میرے ہی گھر کیوں لائے تھے؟ اگر مجھے تمہاری اس چالاکی کا پتہ چل جاتا تو میں اس فتنی کو اپنے گھر میں قدم بھی نہ رکھنے دیتا۔'' وہ چڑ گئے تو راحیل کو غصہ آ گیا۔

''شارق صاحب! زیب یہاں عیش کرنے نہیں آئی ہے بلکہ میری مریضہ کی دیکھ بھال کرنے آئی ہے۔ مجھے یقین

تھا کہ وہ امی کی دلجمعی سے خدمت کرے گی اور اس کا نتیجہ اب تم خود امی کی حالت دیکھ کر لگا سکتے ہو۔'' راحیل نے سنجیدگی سے کہا۔

''بیوقوف کیوں بنا رہے ہو سیدھی طرح مان کیوں نہیں لیتے کہ تم اس زیب سے دوری نہیں رکھ سکتے تھے۔ اسی لیے امی کی نرس بنا کر تم نے اسے اور کہیں ملازمت کرنے سے روک لیا ہے۔'' شارق نے طنز کیا۔

''شش...... شش...... چپ۔'' راحیل نے گھبرانے کی اداکاری کرتے ہوئے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''سچ یار! تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو دوست اب تم سے بھلا کیا چھپاؤں گا۔ واقعی اس کمبخت ماری زیبو کے بغیر دنیا اندھیری لگتی تھی۔ دل بے قرار رہتا تھا۔ تو پھر اسے ہاتھ سے کیسے نکل جانے دیتا۔'' راحیل نے دل پر ہاتھ رکھ کر جھومتے ہوئے کہا۔

''کیوں یار! یہ تم کیوں پریشان سے ہو گئے ہو میرا انکشاف سن کر۔ اف یار کہیں ایسا تو نہیں کہ تم بھی اس کی الفت کے جال میں پھنس گئے ہو۔'' راحیل نے شرارت سے کہا تو شارق کا چہرہ تمتما اٹھا۔

''لعنت ہو ایسی بدقماش لڑکیوں پر۔ ہونہہ...... ایسی دولت کی بھوکی لڑکیاں تو میں ایک رات میں دس خرید سکتا ہوں۔'' انہوں نے پرانا چلن اختیار کرتے ہوئے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ''دس خرید کر کیا سیل لگاؤ گے لڑکیوں کی۔ ویسے زیب اور دولت کی بھوکی؟'' راحیل نے تعجب سے دیکھا۔

''نہیں شارق! تمہیں زیب کے بارے میں ہمیشہ غلط فہمی رہی ہے۔ وہ تو بہت ہی شریف لڑکی ہے۔ دیکھو جب وہ تمہارے ہاں کام کرتی تھی کیا اس نے تم سے کبھی کوئی تحفہ لیا یا روپے مانگے؟ یار! بلکہ اس نے تو وہ تحفے بھی لوٹا دیئے جو تم نے منگنی کا ڈھونگ رچانے پر اسے دیئے تھے۔ پھر مجھ سے قریبی تعلق ہونے کے باوجود اس نے مجھ سے پھوٹی کوڑی نہیں لی بلکہ بیمار ہونے پر فیس تک دیتی رہی ہے۔''

شارق...... راحیل کے منہ سے یوں روکھے روکھے انداز میں اپنا تذکرہ سن کر کچھ شرمندہ ہو گئے تھے پھر بھی الزام لگانے سے باز نہ آئے۔

''اچھا...... اگر اس نے ابھی تک تمہاری جیب پر ہاتھ صاف نہیں کیا تو پھر میجر خرم اسے تر نوالے کھلا رہے ہیں اور تو اور اس دو ٹکے کے میرے منیجر جاوید سے بھی یارانہ ہے اس کا؟'' شارق نفرت سے بولے۔

''چھی چھی...... شارق رضا تم اتنے پڑھے لکھے آدمی کم از کم زبان ہی شریفانہ مہذبانہ استعمال کر لو۔ ویسے...... ویسے یار تم اتنے گھٹیا قسم کے شکی کیوں ہو؟ تم خالص ویمپش (Vampush) فسادی عورتوں کی زبان بول رہے ہو۔ میجر خرم سے زیب کی دوستی و بے تکلفی اس لیے بھی ہے کہ ان کے خاندانی تعلقات بھی ہیں۔'' راحیل نے وضاحت کی۔

''اب رہی جاوید جیسے دو ٹکے کے آدمی سے زیب کے تعلقات کی بات تو وہ تمہارا منیجر جاوید ان شاء اللہ جلد ہی زیب کا بہنوئی بن جائے گا۔'' راحیل نے تمسخرانہ نظروں سے دیکھا تو شارق چڑ گئے۔

''واہ...... اس کی طرفداری میں بہت بڑھ چڑھ کر بول رہے ہو یاد رکھو راحیل! اب بھی وقت ہے اس ساحرہ کے سحر سے خود کو بچا لو ورنہ پچھتاؤ گے اور سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گے۔ جب وہ محبوبہ دلنواز سب کچھ مال متاع صاف کر کے

غائب ہو جائے گی۔'' شارق نے وثوق سے کہا تو راحیل نے سر پر ہاتھ مارا۔

''اڑیل ٹٹو تمہیں تو سمجھانا ہی بیکار ہے۔ بھئی چاہے تم کچھ بھی کہو مجھے تو زیب بہت ہی عزیز ہے۔ بلکہ میں تو کچھ اور ہی دل میں ٹھانے بیٹھا ہوں بس ذرا بات پکی ہو لے پھر تمہیں بتاؤں گا۔'' راحیل نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا تو شارق ان کا چہرہ تکتے رہ گئے پھر ایک دم مڑ کر باہر چلے گئے۔ وہ مزید کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ صائمہ وہیں آ گئی تھی۔

''ڈاکٹر راحیل! یہ کیا چکر ہے آپ بھیا سے کیسی معنی خیز گفتگو کر رہے تھے میں سن رہی تھی چھپ کر اور یہ یکا یک زیب پر کیا افتاد ٹوٹ پڑی ہے وہ تو صبح سے ایسی سہمی سہمی پھر رہی ہے جیسے بلی کو دیکھ کر کبوتر سہم جاتا ہے۔'' صائمہ نے پریشانی سے پوچھا تو راحیل ہنس دیئے۔

''ہاں...... وہ بیچاری مظلوم کبوتری زیب تمہارے باگڑ بلے بھیا کو دیکھ کر ڈری پھر رہی ہے۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ یہ آج تمہارے گھر کون مہمان آ رہے ہیں؟ ابھی امی نے مجھے ٹیلی گرام دیکھا کر کچھ بتایا تو تھا مگر وہ میرے پلے نہیں پڑا۔'' راحیل نے پوچھا۔

''امی کی گہری سہیلی ہیں بیگم فریدان کے شوہر انکل فرید بہت بیمار ہیں تو وہ یہاں پر ہارٹ اسپیشلسٹ خرم کو دکھانے انہیں سے علاج کروانے لا رہے ہیں۔ تو وہی لوگ آ رہے ہیں۔''

''اچھا تو ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر خرم تو وہی ہیں جو یہاں زیب سے ملنے آتے رہتے ہیں۔'' راحیل نے بتایا۔

''اچھا...... چلو یہ تو خوب اتفاق ہوا میں امی کو بتاؤں گی۔'' صائمہ نے خوش ہو کر کہا۔

''یار! کبھی اس عاشق نامدار سے بھی دو میٹھے میٹھے بول بول کر دل میں بلکہ سوختہ دل میں ٹھنڈک ڈال دیا کرو۔ اب تو تم آن آفشیلی سہی مگر میری نیم پختہ سی منگیتر تو ہو ہی گئی ہو۔ مگر ذرا بھی رومانٹک نہیں ہوتیں نہ ہی مجھے ہونے دیتی ہو۔'' وہ شکایتی انداز سے بولے تو صائمہ ہنس دی۔

''اچھا تو ابھی بھی آپ کا دل سوختہ ہے؟'' صائمہ نے معنی خیز انداز میں پوچھا اور اس سے پہلے کہ راحیل کچھ کہتے۔ ملازم نے آ کر صائمہ کو مہمانوں کے آنے کی اطلاع دی۔ پھر راحیل بھی شام کو آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ زیب بھی امی کے کمرے میں آ گئی تھی۔

''زیب بیٹی! ان سے ملو یہ ہیں میری عزیز ترین سہیلی نسیمہ بلکہ میری بہن بیگم فرید؟''

مہمان...... امی کے بیڈ روم میں چلے آئے تھے چونکہ زیب وہیں موجود تھی تبھی پہلے پہل اس کا سامنا ہوا۔ زیب نے نظریں اٹھا کر باوقار سی خاتون کو دیکھا اور بڑے ادب سے سلام کیا۔ انہوں نے دعا دی۔

''اور یہ ہیں ان کی بیٹی فرحت!'' ایک خوبصورت سی لڑکی بڑھ کر زیب سے گلے ملی۔

''زیب بہن! آپ کے بارے میں فون پر صائمہ باجی سے اتنا کچھ سن چکی ہوں کہ آپ کو دیکھنے ملنے کی بے چینی لگی تھی۔'' وہ پیار سے بولی تو زیب نے اسے غور سے دیکھا شکل کافی جانی پہچان لگ رہی تھی۔

''کہیں دیکھا ہے اسے؟'' وہ سوچ رہی تھی کہ امی کی آواز نے چونکا دیا۔ جو اس سے احمر کا حال پوچھ رہی تھیں۔ تو زیب نے بتایا کہ آج انہیں معائنے کے لیے ہسپتال لے کر جانا ہے اور اسی سلسلے میں آج اسے چھٹی چاہیے اور ڈاکٹر خرم

اسے لینے آئے ہوئے ہیں۔ بیگم مراد نے فوراً اجازت دے دی۔ تو ہارن کی آواز سن کر وہ سب کو خدا حافظ کہتی باہر بھاگی مگر ڈرائنگ روم میں دروازے پر ہی اس کی شارق سے ٹکر ہو گئی۔

''دیکھ کے سنبھل کے آخر اتنی بھی کیا جلدی ہے؟'' شارق نے سنبھال کر پوچھا۔

''وہ......وہ خرم باہر کار میں میرا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''خرم......تم کل شام کو اس کے ساتھ گئیں اور ساری رات گزارنے کے بعد صبح آئی تھیں۔ مجھے ملازمہ نے بتایا ہے اور......اور اب پھر تم سیر سپاٹے کے لیے جا رہی ہو؟ ہم نے تمہیں اس لیے تو ملازم نہیں رکھا کہ تم رنگ رلیاں مناتی پھرو۔'' وہ گرجے تو زیب گھبرا گئی۔

''لیکن......مم......میں نے ان کے ساتھ جانے کی امی جان سے اجازت لی ہے۔''

''تمہیں تنخواہ میں دیتا ہوں امی جان نہیں دیتیں۔'' وہ بات کاٹ کر بولے۔

وہ گم صم سی کھڑی تھی عجیب گومگو کے عالم میں کہ خرم نے پھر ہارن دیا زیب نے گھبرا کر شارق کی طرف دیکھا۔ پھر ان کے پاس سے دوڑتی ہوئی باہر چلی گئی اور شارق کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ پھر وہ ماں کے پاس جانے کا ارادہ ترک کر کے باہر کار میں بیٹھ کر کہیں نکل گئے۔

ادھر خواتین باتیں کرنے میں مگن تھیں ساتھ ہی ساتھ کھانے پینے کا سلسلہ بھی چل رہا تھا۔

''نسیمہ بہن! آپ نے اسلم بیٹے کا کہیں رشتہ وشتہ طے کیا ہے کیا؟'' بیگم مراد تکیے کے سہارے اوپر ہو کر بولیں۔

''کہاں بہن! ابھی تو فرحت کی منگنی کی ہے اور اسلم سے اتنا تقاضہ کر چکی ہوں مگر وہ مانتا ہی نہیں پھر فرید صاحب کو تو صباحت بدنصیب کا صدمہ ہی لے ڈوبا ہے۔ وہ تو مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں۔'' بیگم فرید اور فرحت بے اختیار رو دیں تھیں۔ ''گھر میں عجیب سی بے چینی اداسی خاموشی چھائی رہتی ہے۔''

''نسیمہ واقعی اولاد کا غم بہت برا ہوتا ہے خدا تمہیں صبر دے ہمت دے۔'' بیگم مراد نے فرحت کو پیار سے گلے لگا لیا۔

''اس بچی زیب کی کہیں منگنی ونگنی ہوئی ہے کیا؟'' نسیمہ بیگم نے سنبھل کر پوچھا۔

''نہیں ابھی تو نہیں ہوئی ہے زیب کی منگنی وہ ضدی مانتی ہی نہیں۔ مگر میں نے اسے بیٹی بنا لیا ہے اور اب اس کی شادی بھی میں اپنے ہاتھوں سے کروں گی۔ سچ تو یہ ہے کہ دل میں حسرت ہے کہ اسے اپنی بہو بنا لیتی کاش میرا شارق کسی قابل ہوتا۔ مگر افسوس وہ بھٹک چکا ہے۔ اور میں ان خود غرض ماؤں میں سے نہیں ہوں جو اپنی اولاد کے عیبوں پر پردے ڈالتی ہیں میں مظلوم بچی کی زندگی نہیں برباد کرنا چاہتی۔'' بیگم مراد رنجیدہ ہو گئیں۔

''بہن! اگر آپ کہیں تو میں اسلم سے بات کروں زیب کے لیے۔ ابھی اس کا فون آئے گا۔''

''بہن نسیمہ! اس سے زیادہ بھلا اور کیا مانگوں گی میں۔ زیب میری بہو بنے یا تمہاری بات تو ایک ہی ہے نا؟'' بیگم مراد کا چہرہ کھل اٹھا۔

''ہاں مجھے وہ بچی بہت بھلی لگی ہے۔'' بیگم نسیمہ نے کہا تو بیگم مراد انہیں زیب کے حالات سنانے لگیں۔

○●○

خرم...... زیب کو لے کر ڈاکٹر راحیل کے گھر آ گئے تھے جہاں آج کل زیب کی فیملی قیام پذیر تھی۔ اور اس وقت سبھی لوگ وہاں موجود تھے اور گرما گرم گفتگو ہو رہی تھی۔

''ڈاکٹر خرم! آپ پنڈی سے کب واپس آئیں گے؟'' زیب نے پوچھا۔

''میں ایک ہفتے کی چھٹی لے کر جا رہا ہوں۔ خدا جانے ابا جان نے اتنا ارجنٹ مجھے کیوں فوراً بلوایا ہے۔ میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔'' خرم نے کہا۔

''گھبرائیں مت خرم بھائی! ضرور آپ کی شادی وادی کا چکر ہو گا؟'' سیما ان کی طرف سموسوں کی پلیٹ بڑھا کر بولی۔

''نہیں...... اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو عالیہ بھابھی مجھے ضرور لکھتیں پرسوں ہی تو ان کا خط آیا تھا۔ خیر یہ بتاؤ تمہارے پیپر کیسے ہو رہے ہیں؟'' خرم نے سیما سے پوچھا۔

''ان سے کیا پوچھتے ہیں خرم آپ ہم سے پوچھیں۔ ہم بتاتے ہیں کیونکہ کمرہ امتحان سے باہر کھڑے ہو کر ہم نے انہیں تمام سوال حل کر کے بھیجے ہیں۔'' جاوید نے سیما کو چھیڑا وہ جوان کی طرف سموسے بڑھا رہی تھی اس نے ہاتھ واپس کھینچ لیا اور پلیٹ واپس میز پر رکھ دی۔ جاوید کا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ ہائے چٹ پٹے سموسے دیکھ کر رال ٹپک رہی تھی۔

''اللہ توبہ...... خوامخواہ جھوٹ کیوں بولتے ہیں؟ بھلا آپ کو وہاں گرلز کالج میں گھسنے کس نے دینا تھا۔ کیا برقع پہن کر نقل کروانے آئے تھے؟''

''اونہوں...... سیما بیٹے! بدتمیزی نہیں کرتے۔ جاوید آپ سے بڑے ہیں اور پھر آپ کے استاد بھی ہیں۔'' احمر نے ڈپٹا۔

''پھر بھیا یہ جھوٹ کیوں بولتے رہتے ہیں۔ ہر وقت مجھے شرمندہ کرتے رہتے ہیں۔ ویسے بھی اگر یہ میرے استاد ہیں تو میں بھی ان کی استاد ہوں۔ میں بھی تو کب سے انہیں روٹی پکانا سکھا رہی ہوں مگر آپ جناب اس قدر نالائق شاگرد ہیں کہ مہینے گزر جانے کے بعد بھی آٹے کا پیڑا بنانا نہیں آیا انہیں۔'' سیما نے طنز کیا۔

''ارے جاؤ جاؤ بڑی آئیں مجھے کھانا سکھانے والی۔ میں تو خود اس قدر ماہر کک ہوں۔'' جاوید نے منہ بنایا۔

''جی ہاں...... اسی لیے پرسوں جب میں نے گوشت بھوننے کے لیے کہا اور خود کسی کام سے کچن سے باہر گئی واپسی ہوئی تو تمام گوشت جل کر سیاہ ہو چکا تھا اور جاوید صاحب دم ڈال ڈال کر دیگچی چمکانے دھونے کی کوشش میں مصروف تھے۔'' سیما نے کہا تو سب ہنس دیئے۔

''اچھا سیما! اب لڑائی چھوڑو یہ بتاؤ تمہارے امتحان کب ختم ہو رہے ہیں؟'' زیب نے پوچھا۔

''باجی! کل آخری پیپر ہے بس پھر واپس آ کر خوب سوؤں گی۔ توبہ اس قدر تھکاوٹ ہو گئی ہے۔'' وہ کسلمندی سے بولی۔

''چلو زیب! بازار چلتے ہیں۔ عالیہ بھابھی اور باقی لوگوں کے لیے تحفے خرید لوں گا۔ پھر تمہیں بھی گھر ڈراپ کر دوں گا۔'' خرم نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو زیب سب کو خدا حافظ کہتی کار میں جا بیٹھی۔

''ہاں خرم! آپ سے اس روز کچھ پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ صبا کو میں نے آپ کے ساتھ بھیجا تھا تو پھر آپ نے اسے واپس کیوں بھجوا دیا تھا۔'' زیب رخ پھیرتی ہوئی بولی۔

''میں بھلا اسے کیوں واپس بھیجتا زیب؟'' خرم نے رنجیدہ ہو کر کہا۔

''بلکہ وہ خود ہی مجھے چھوڑ کر بھاگ گئی۔ میرے گھر جاتے ہی جب صبا بیڈ روم میں پہنچی تو اس کی نظر دیوار پر لگی ابو اور چچا جان کی تصویر پر پڑی تو اس نے رونا شروع کر دیا۔ بس پھر کہنے لگی۔ نہیں خرم میں آپ کو نہیں اپنا سکتی۔ میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔ اور مجھ میں ابو امی، چچا جان بلکہ خاندان کے کسی فرد کا بھی سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ خدارا مجھے معاف کر دیجیے گا۔'' اور پھر اس نے تمام کہانی سے بے خبر سے ساتھ آئے ہوئے راحیل کا ہاتھ پکڑا۔ جو حیران کھڑی ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ پھر اسے لیتی مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ خرم نے بتایا تو کتنی دیر کار میں خاموشی چھائی رہی۔

''ویسے زیب! صبا تمہاری گمشدگی سے بہت پریشان تھیں اور تین چار بار اس نے بلکہ شارق نے بھی فون کیا اور وہ خود بھی آیا تھا تمہارا پتہ کرنے مگر ظاہر ہے کہ میں نے لاعلمی کا اظہار کر کے انہیں ٹالا۔'' خرم بولے۔

''خرم! اب جبکہ آپ گھر جا رہے ہیں تو وہاں اپنے والدین کو صبا کے بارے میں کیسے بتائیں گے کہ وہ زندہ ہے؟''

''میں بھابی عالیہ اور شیر بھیا کو بتا دوں گا۔ مگر پوری بات تو انہیں بھی نہیں بتاؤں گا۔ ہاں پلیز زیب مجھے اگر تمہاری مدد کی ضرورت پڑی تو کیا تم میرا ساتھ دو گی؟'' خرم نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے بھلا؟'' پھر وہ کار روک کر اترے اور کپڑوں والی دکان میں پہنچے تو زیب نے بات مکمل کی۔

''خرم! میں ضرور آپ کی مدد کروں گی یہ تو کوئی پوچھنے والی بات نہیں ہے۔'' وہ یقین سے بولی۔

''بس پھر تم اپنا وعدہ یاد رکھنا۔'' وہ مُسکرا کر بولے۔ ''مجھے واقعی تمہاری مدد درکار ہو گی۔'' پھر انہوں نے زیب کی پسند سے گھر والوں کے لیے کپڑے خریدے اور بہت ضد کر کے زیب کو بھی قیمتی ساڑھی لے کر دی۔

''سنو زیب! اب تم جلد ہی مجھے یہ ساڑھی پہن کر دکھاؤ۔ تم پر ساڑھی جچتی ہے۔'' خرم اس کی کہنی پکڑ کر مڑے پھر قریب کھڑے شارق رضا کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

''ہیلو مسٹر شارق! کہیے کیسے مزاج ہیں آپ سے تو ملاقات ہی نہیں ہوتی؟''

''میجر صاحب! مجھ سے ملنا کوئی دشوار تو نہ تھا آپ اگر زیب سے ملنے روزانہ میرے گھر آ سکتے ہیں تو مجھ سے بھی مل سکتے تھے؟'' انہوں نے طنز کیا۔

''اوہو...... تو یہ راز کھل گیا ہے آپ کو پتہ چل چکا ہے کہ زیب آپ کے گھر میں چھپی ہے؟'' خرم ہنس دیئے۔

''سمجھ نہیں آتی راحیل اور آپ لوگوں کو ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ آخر ان کی روپوشی کو مجھ سے چھپایا کیوں گیا؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کیا میں ان کے عشق میں گرفتار ہونے لگا تھا؟ یا ہو چکا تھا؟ اگر آپ حضرات کے دل میں ایسا وسوسہ ہے تو اسے نکال دیجیے۔ میرے نزدیک ایسی عورتوں کی کوئی اہمیت عزت نہیں جو مردوں کو بیوقوف بنا کر روپیہ اور قیمتی تحائف سمیٹتی ہیں اور بظاہر پارسا بنتی ہیں۔ اگر مجھے دوستی ہی کرنا ہے تو سوسائٹی گرلز کال گرلز کی کمی نہیں ہے۔ جس کو

بھی چاہوں نوٹوں کی جھلک دکھا کر خرید سکتا ہوں۔'' وہ حقارت سے بولے۔

''یہ زیب جیسی مکار لڑکیاں میجر خرم تمہیں اور ڈاکٹر راحیل کو مبارک ہوں۔'' وہ نفرت سے منہ بنا کر مڑ گئے۔

زیب سرتاپا لرزاں تھی اس نے سنبھلنے کے لیے حیرت زدہ سے خرم کا سہارا لیا۔ جو آنکھیں پھاڑے ہونق سے کھڑے تھے۔ ''یہ کیا بکواس ہے۔ واٹ ربش۔'' وہ پریشانی اور بے یقینی سے دہرا رہے تھے۔

وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ شارق جن کو وہ اس قدر تہذیب اور تعلیم یافتہ انسان سمجھے تھے وہ اس قدر گھٹیا گفتگو کریں گے۔ اور جب تک خرم سنبھلتے شارق باہر جا چکے تھے۔

''کمینہ ذلیل...... بدتمیز انسان......'' خرم کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا وہ لپک کر باہر جانے لگے تو زیب نے انہیں روک لیا۔ اور بمشکل انہیں سمجھاتی ہوئی کار میں آ بیٹھی۔ راستہ بھر خرم کا پارہ چڑھا رہا تھا۔

''زیب! میں راحیل سے بات کروں گا وہ تمہیں کوئی اور جاب دلوا دے۔ ورنہ میں خود واپس آ کر کوشش کروں گا۔ میں نہیں چاہتا تم اس خبیث شارق کے گھر رہو۔'' خرم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ مگر زیب نے اسے یقین دلایا کہ وہ شارق کے گھر میں ہر طرح سے محفوظ ہے۔ ان کی والدہ اور بہن صائمہ اس کی محافظ ہیں۔ خرم نے کار شارق کے گھر کے پورچ میں روکی۔ مگر تیوری چڑھائے بیٹھے رہے۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں زیب! مجھے تمہارا یہاں رہنا جاب کرنا بالکل پسند نہیں۔ میں اگلے ہفتے واپس آ جاؤں گا پھر راحیل سے مشورہ کروں گا اور خدا نے چاہا تو احمر کے اپریشن کے دن بھی قریب آ جائیں گے۔ پھر وہ خود اپنا فرض سنبھال لیں گے۔'' زیب نے عالیہ اور گھر کے دیگر لوگوں کے لیے سلام پیام بھجوائے اور اسے ریلیکس کرنے کی تاکید کرتی خدا حافظ کہہ کر اندر چلی آئی۔ ٹی وی لاؤنج میں سبھی لوگ بمع مہمانوں کے موجود تھے۔ اور ڈاکٹر راحیل...... فرید صاحب کا بلڈ پریشر دیکھ رہے تھے۔

''آؤ زیب! وہ خرم کہاں ہے؟'' راحیل اس کے سلام کا جواب دے کر بولے۔

''وہ تو مجھے چھوڑنے کے بعد ایئر پورٹ چلے گئے ہیں ان کے والد کا ٹیلی گرام آیا تھا۔ اب تو وہ اگلے ہفتے تک واپس آئیں گے۔'' زیب نے جھجکتے ہوئے بتایا۔

''اوہو...... مگر انکل فرید تو خرم سے علاج کروانے آئے تھے۔'' راحیل نے بتایا پھر انہوں نے زیب سے فرید خاں صاحب کا تعارف کروایا۔

وہ بہت پیار سے ملے۔ پھر زیب کو بتایا کہ ڈاکٹر خرم سے علاج کروانے کا مشورہ انہیں ان کے فیملی ڈاکٹر حمید ترین نے دیا تھا کیونکہ انہیں بہت کم وقفوں سے دو بار دل کا دورہ پڑ چکا ہے۔

''انکل! اگر میجر خرم کو آپ کی آمد کی اطلاع پہلے سے مل گئی ہوتی تو وہ آپ کو دیکھ کر ہی جاتے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''بھئی ہماری بیگم اور فرحت بیٹی نے ہمیں بہت مجبور کیا اور فوراً ہمیں لے کر یہاں چلی آئی ہیں اور ہم جلدی میں ڈاکٹر خرم کو اپنے آنے کی اطلاع بھی نہ دے سکے۔'' وہ زیب کو بغور دیکھتے ہوئے بات کر رہے تھے کیونکہ ان کی بیوی نسیمہ بیگم ان سے اسلم کے رشتے کے لیے اپنے خیال کا اظہار کر چکی تھیں۔

○●○

شارق......خرم اور زیب سے دکان میں جھڑپ لینے کے بعد جب باہر نکلے تو سیدھے سارہ یعنی صبا کے ہاں جا پہنچے۔ پھر اسے اپنے ہمراہ لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ صبا نے کتنا پوچھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے مگر شارق نے کچھ بتائے بغیر اسے اسٹیئرنگ کے سامنے بٹھا دیا۔ ''کار تم چلاؤ گی صباحت۔''

''شارق! یہ تم آج کل کہاں غائب رہنے لگے ہو؟'' صبا نے ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا۔

''تمہاری زیب کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔'' وہ آنکھیں بند کر کے سیٹ سے سر ٹکا کر بولے۔

''میری زیب؟'' صبا نے لفظوں پر زور دے کر پوچھا تو شارق نے اثبات میں سر ہلایا۔

''شارق! ضد چھوڑو اب بھی مان جاؤ کہ زیب مجھ سے زیادہ تمہاری ہے۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''زیب......وہ میری ہے؟'' شارق طنز سے ہنسے۔ ''کس نے کہا ہے تم سے؟''

''تمہیں غلط فہمی ہے صبا! زیب میری نہیں بلکہ وہ تو ایک طرح سے پبلک پراپرٹی بن گئی ہے۔ جاوید، راحیل، پھر خرم سبھی کو اپنے معصوم حُسن کے جال میں پھنساتی جا رہی ہے۔''

''توبہ شارق! تم تو بہت ہی شکی ہو اور میں تو اب بور ہو گئی ہوں یہی تکرار سن کر۔ وہ کمبخت کسی سے بھی ہنس کر بات کر لے تو تم بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہو۔ حالانکہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے اور یہ میرا دعویٰ ہے کہ وہ تمہارے لیے بہترین شریک حیات ثابت ہو سکتی ہے۔''

ساحل پر پہنچ کر وہ اپنے مخصوص پسندیدہ مقام پر پہنچ کر کار سے اتر کر پتھروں پر جا بیٹھے۔ ''صبا! یہ تم ہر وقت زیب کی سفارش کیوں کرتی رہتی ہو۔ بھئی تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کر لیتیں۔ بلکہ تم میری عادات کو بہتر سمجھتی ہو اور اچھی شریک سفر ثابت ہو گی۔'' وہ بوتل نکال کر بولے۔

''شارق! تم یہ بات مجھے اپنانے کی خواہش کا اظہار کبھی دن کے اجالے میں کرنا۔ جب یہ منحوس بوتل تمہارے ہونٹوں سے نہ لگی ہو۔ تب میں سمجھوں گی کہ تم نے جو کچھ کہا وہی سچ ہے۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''چلو......چلو تم مجھے ٹال رہی ہو نا؟'' شارق نے گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''نہیں ٹال نہیں رہی۔ دیکھو شارق! مجھے اگر تم جیسا ساتھی مل جائے تو میں اسے اپنی خوش بختی سمجھوں گی۔'' وہ پیار سے اسے دیکھ کر بولی۔

''اس کا مطلب ہے کہ تمہیں مجھ سے شادی کرنے سے انکار نہیں ہے۔ تو چلو پھر......'' شارق نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اٹھانا چاہا۔

''کہاں چلوں بھئی؟'' وہ حیران رہ گئی۔

''میں ابھی اور اسی وقت تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے اصرار کیا۔

''بکواس بند کرو تم تو خبطی ہو گئے ہو؟'' صبا کو ہنسی آ گئی۔

''اس روز مولویوں سے مار پڑنے لگی تھی۔ اب ہاتھ لگے تو کچومر نکال دیں گے۔''

''نہیں......میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ دیکھو وہ زیب میرے سامنے راحیل اور خرم کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ وہ

یوں ظاہر کرتی ہے جیسے اسے میری پرواہ ہی نہیں۔ آج بھی میں نے اسے میجر خرم کے ساتھ شاپنگ کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے خوب قیمتی قیمتی کپڑے ہتھیا رہی تھی۔ میں نے بھی پھر خوب سنائیں۔ غضب خدا کا وہ لوگ اتنا ڈرامہ کرتے رہے۔ وہ لڑکی میرے ہی گھر میں چھپا دی گئی اور راحیل وغیرہ مجھ سے چھپاتے رہے۔ اور میں دیوانہ وار اسے شہر بھر میں تلاش کرتا رہا اور ابھی تم کہتی ہو میں اس سے شادی کرلوں۔'' وہ خفگی سے بولے تو صبا حیران رہ گئی۔

''کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ ہٹاؤ یہ شراب اور انسانوں کی طرح بات کرو۔'' وہ پریشان ہوگئی۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ڈاکٹر راحیل اور خرم نے زیب کو بطور نرس میری امی کی دیکھ بھال کے لیے میرے گھر بھجوا دیا تھا۔ کل ہی مجھے پتہ چلا جب خرم وہاں زیب سے ملنے آیا ہوا تھا۔ پھر وہ اسے ہمراہ لے گیا رات کو وہ اس کے ساتھ رہی پھر ابھی تمہارے پاس آنے سے پہلے میں نے انہیں پرنس کلاتھ ہاؤس میں شاپنگ کرتے دیکھا۔ خرم بڑے دلار سے فرمائش کر رہے تھے کہ زیب اب یہ کپڑے مجھے پہن کر بھی دکھاؤ نا۔'' شارق ہونٹ سکیڑ کر بولے۔

''نہیں شارق! یقیناً تمہیں زیب اور خرم کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہوگی۔'' لیکن پھر صبا کا دل ڈوبنے لگا۔ ''کیا خبر خرم زیب کو پسند ہی کرنے لگے ہوں۔ ساتھ لیے لیے تو پھرتے ہیں؟ اور پھر جب میں نے بھی انہیں فون کر کے زیب کے متعلق پوچھا تو وہ مکر گئے تھے۔ اور پھر انہوں نے کبھی مجھ سے ملنے کی کوشش بھی تو نہیں کی۔'' صبا کے دل و دماغ میں ہلچل مچ گئی تھی پھر اس کے دل میں وسوسے پیدا ہوگئے۔ ''میں زیب سے ضرور پوچھوں گی۔'' صبا کے دل میں خنجر سا گڑ گیا تھا۔

○●○

''رضا بھائی! شکر ہے کہ آپ اب جلدی گھر آجاتے ہیں۔'' کھانا کھاتے ہوئے صائمہ نے خوش ہو کر کہا۔

''آج کل جلدی گھر کیسے نہیں آئیں گے بھئی...... ان کی دلچسپی کا سامان گھر جو آگیا ہے۔'' وہ آنکھوں کو بھینچ کر راحیل مسکرا کر بولے۔ ان کی قریبی کرسی پر تو زیب بیٹھی آہستہ آہستہ کھا رہی تھی۔ وہ کسمسا گئی۔

''لو زیب یہ شامی کباب لو۔'' راحیل نے زبردستی اس کی پلیٹ میں کباب رکھا۔ تو شارق نے منہ بنا لیا۔

''صائمہ بیٹی! یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ میرا بیٹا جلدی گھر آنے لگا ہے۔ اب گھر میں کتنی رونق لگتی ہے نا۔'' بیگم مراد انہیں محبت سے دیکھ کر بولیں۔

''امی! کچھ دنوں سے میری طبیعت خراب ہے۔ تبھی آجاتا ہوں اور کام جاوید سنبھال لیتا ہے۔'' شارق آہستگی سے بولے۔

''کیوں...... کیا ہوا ہے آپ کو؟'' صائمہ اور امی نے جلدی سے ان کی پیشانی چھوئی۔

''ارے تمہارا جسم تو کافی گرم ہے۔'' امی پریشان ہوگئیں۔

''زیب بی بی! آپ کا پنڈی سے فون آیا ہے جی؟'' ملازم نے آکر بتایا۔

''ضرور ڈاکٹر خرم کا ہوگا۔'' زیب معذرت کرتی ہوئی اٹھ کر جلدی سے چلی گئی۔ تو خرم کا نام سن کر شارق کی تیوری چڑھ گئی۔

''شارق بیٹے! آپ کھانا کھانے کے بعد جا کر آرام کیجیے۔'' نسیمہ بیگم نے کہا۔

"نہیں آنٹی! میں اب مل جاؤں گا۔ بہت دنوں سے کام چیک نہیں کیا۔ ویسے بھی معمولی سی حرارت ہے۔" وہ لاپرواہی سے بولے۔

"شارق! تم آج گھر پر آرام کرو میں دوا دیتا ہوں؟" راحیل نبض دیکھنے لگے مگر شارق نے ہاتھ چھڑا لیا۔

"بھئی ڈاکٹر! تمہاری دوا مجھ پر اثر نہیں کرتی ہے وہ تو صائمہ اور زیب تمہاری اچھی مریضہ ہیں۔" شارق نے طنز کیا۔

تبھی زیب فون سن کر واپس آ گئی اور نسیمہ بیگم کو بتایا کہ پشاور سے کال ہے اور کوئی اسلم صاحب انہیں یا فرحت کو بلا رہے ہیں۔ وہ کھانا کھانے بیٹھ گئی۔

"مگر ملازم تو کہہ رہا تھا کہ پنڈی سے آپ کا فون ہے؟" فرید خاں صاحب نے پوچھا۔

"جی انکل پہلے خرم کا فون تھا انہوں نے بند کیا تو فوراً اسلم صاحب کی کال آ گئی۔" زیب نے بتایا۔

"کب آ رہے ہیں ڈاکٹر خرم واپس؟" صائمہ اور فرید صاحب نے پوچھا۔

"وہ اگلے ہفتے ان شاء اللہ لوٹ آئیں گے دراصل تار ملنے کے بعد وہ گھبرا گئے تھے پھر پنڈی فون کرتے رہے تو لائنیں خراب تھیں تبھی وہ خود چلے گئے۔ اب انہوں نے بتایا کہ ان کے چچا بہت بیمار ہیں تبھی والد نے فوراً بلوایا تھا۔" فرحت اور نسیمہ بیگم جو اسلم کا فون سننے گئی تھیں وہ ہنستی ہوئی واپس آ گئیں۔

"اسلم سب کو سلام کہہ رہا تھا اور فرید صاحب آپ کی طبیعت کے متعلق پوچھ رہا تھا۔" نسیمہ بیگم بیٹھ گئیں۔

"مگر یہ آپ دونوں اتنا ہنس کیوں رہی ہیں؟" فرید صاحب نے پوچھا۔

شارق جو کرسی کے پیچھے کھڑے پانی پی رہے تھے وہ مڑ کر انہیں دیکھنے لگے تھے۔

"ہاں...... زیب بیٹی! ہم نے فون بند کیا تو پھر آپ کے لیے کسی کا فون آ گیا تھا جا یئے آپ؟" نسیمہ بیگم نے کہا۔

"بھئی...... واہ ہماری زیب تو بڑی پاپولر ہو گئی ہے بڑے فون آتے ہیں۔" راحیل نے ہنس کر کہا تو وہ مسکرا دی۔

"ہاں نسیمہ! اسلم نے کون سا لطیفہ سنا دیا ہے جو ہنسے جا رہی ہو۔" بیگم مراد نے پوچھا۔

"میں نے کل ہی اسلم سے زیب کے متعلق بات کی تھی۔ تو وہ کہنے لگا سوچ کر جواب دوں گا۔ پھر اب فون آیا تو اتفاقاً ریسو ہی زیب نے کیا۔ اب جب میں اسلم سے بات کرنے گئی تو پوچھنے لگا۔ امی جان ابھی فون کس نے ریسیو کیا تھا؟ میں نے بتایا کہ زیب نے تو وہ شور مچانے لگا کہنے لگا۔ امی...... خدا کے لیے جلدی سے میری منگنی طے کر دیجیے مجھے تو آواز بہت پسند آئی ہے تو اب اگر وہ بدصورت بھی ہوں گی تو آنکھیں بند کیے آواز سنتے سنتے ہی زندگی گزار دوں گا۔ پھر کہنے لگا امی میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں آپ اسے انگوٹھی پہنا کر پابند کر لیجیے میں ابھی مصروف ہوں آ نہیں سکتا۔"

"میں نے کہا اسلم یہ مذاق والا معاملہ تو نہیں ہے۔ وہ کہنے لگا کون کافر مذاق کرتا ہے بھئی آپ نے اور فری نے زیب کی اتنی تعریفیں کی ہیں۔ تو آپ کی پسند کبھی گھٹیا نہیں ہو سکتی تبھی میں مان گیا ہوں۔" نسیمہ بیگم نے شکر پڑھتے ہوئے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ یہ آج کل کے لڑکوں کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا ہے۔" فرید صاحب نے سر جھٹکا۔

"بھابھی جی! ہمارا تو خیال ہے کہ ہمارے یہاں ہوتے ہوئے ہی اسلم کی منگنی کر دینی چاہیے۔ کیا خیال ہے

پرسوں جمعہ ہے یہ دن کیسا رہے گا؟ اگر آپ کہیں تو لڑکی والوں کے سب اخراجات میں برداشت کرنے کو تیار ہوں۔'' فرید صاحب نے پوچھا۔

''ارے نہیں...... نہیں بھائی فرید! زیب کو میں نے بیٹی بنایا ہے اور اس کی شادی کا سب خرچ میرے ذمے ہے۔ بے شک آپ پرسوں منگنی کر لیجیے اگر اسلم میاں یہاں ہوتے تو بہت اچھا ہوتا۔ خیر تو میں پھر ابھی زیب کے بھائی اور بھابھی کو بلواتی ہوں۔ ویسے انتظام تو پھر بھی شارق اور راحیل کو کرنا پڑے گا'' بیگم مراد خوشی سے نہال ہو گئی تھیں۔

''کس کی منگنی ہے کس چیز کا انتظام کرنا ہے۔'' شارق حیران ہو کر بولے۔

''بھئی ہم اپنی زیب کی منگنی اسلم میاں سے کر رہے ہیں اور اسی کا انتظام آپ کو کرنا ہوگا۔''

''واٹ......'' چھن چھن...... چھناک...... شارق کے ہاتھ سے جگ گلاس نیچے جا گرے۔ خود وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ رنگ زرد ہوا تو چہرے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے۔

''یہ کیا نہ خرم نہ راحیل...... زیب کی منگنی اسلم کے ساتھ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ ششدر تھا۔

''یہ اسلم یکا یک کہاں سے زیب کا حقدار بن بیٹھا ہے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ زور سے بولے۔

''کیوں بھئی برائی کیا ہے اس میں شارق! وہ بیچاری یتیم بچی ہے جگہ جگہ رل رہی ہے اللہ نے چاہا تو اچھا ہی ہوگا'' امی نے خفگی سے پوچھا راحیل بھی پلیٹ میں چمچہ مارتے ہوئے بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔

''برائی......'' شارق سنبھل گئے اور بات بنانے لگے۔

''دیکھیے نا امی! جس لڑکی کے خاندان اور چال چلن کے بارے میں کچھ پتہ نہ ہو وہ فرید انکل کے اونچے خاندان کی بہو کیسے بن سکتی ہے؟'' انہوں نے بڑی بودی سی بات کی۔

''تم فکر مت کرو۔ فرید بھائی! احمر اور اس کی بیوی سے مل کر بات کر چکے ہیں اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ احمر اور زیب کے والد فرید صاحب کے کلاس فیلو اور اچھے دوست تھے۔ ہم سب اس کے خاندان کی طرف سے مطمئن ہیں۔'' امی نے مسکراتے ہوئے بتایا تو گویا شارق پر اوس پڑ گئی۔ سر چکرانے لگا۔

وہ تو کیا سوچے تھا اور یہاں معاملہ کچھ اور نکل آیا تھا۔ یہ بیچ میں اسلم کہاں سے نکل آیا تھا۔

''لیکن امی! آپ نے زیب سے اس کی مرضی پوچھی تھی؟'' وہ حیران تھے۔

''ہمیں زیب کی طرف سے تسلی ہے۔ وہ کبھی ہمارے انتخاب کو رد نہیں کرے گی۔ وہ بہت شریف اور نیک بچی ہے۔'' وہ اطمینان سے بولیں۔

''لیکن امی یہ راحیل اور خرم...... یہ لوگ؟'' شارق ہکلانے لگے۔

''یار شارق! عقل کرو خوامخواہ فضول بحث کر رہے ہو۔ امی نے بہت مناسب فیصلہ کیا ہے۔'' راحیل نے ٹوکا تو شارق کچھ نہ سمجھتے ہوئے باہر نکل گئے۔

''یہ سب لوگ پاگل تو نہیں ہو گئے۔'' اس نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

''اچھا تو زیب نے فون پر ہی اسلم کو پھنسا لیا ہے کہتا ہے آواز بہت خوبصورت ہے؟ اور خود ابھی بھی وہ زیب کھڑی

خرم سے گپیں لگا رہی ہے فون پر۔'' شارق کے چہرے پر نفرت چھا گئی۔ مٹھیاں بھنچنے لگیں۔ اگر زیب سامنے ہوتی تو وہ بے دریغ مار بیٹھتا۔ تبھی راحیل باہر آ گئے۔

''لگتا ہے شارق! تمہیں اسلم کے ساتھ زیب کی منگنی کی خبر سن کر بہت دکھ پہنچا ہے۔'' راحیل نے انہیں ستون کا سہارا لیے ویران ویران آنکھوں سے آسمان کی سمت دیکھتے پایا۔ تو کہا۔

''سنو شارق! اگر ابھی بھی زیب کے لیے تمہارا ارادہ ہو تو میں امی سے جا کر بات کروں؟'' راحیل نے پوچھا۔

''بکواس بند کرو۔ اور آئندہ مجھ سے زیب کی بات مت کرنا۔ جاؤ جا کر اپنے رشتے کی بات کر لو۔'' وہ گرجے۔

''ارے خوامخواہ کیوں سلگ رہے ہو۔ مجھے بھی ضرورت نہیں ہے تمہارے سامنے زیب کا نام لینے کی اور تم میرے رشتے کی فکر مت کرو طے شدہ ہے ہو چکی ہے امی سے بات۔'' راحیل نے برابر کا جواب دیا تو شارق گھورتے تنتناتے ہوئے چلے گئے۔

''شارق بیٹا! بات تو تم مجھ سے ایسی کرو گے کہ بچو تم میرے پاؤں پر گرو گے اور زیب کو حاصل کرنے کے لیے منتیں کرو گے۔'' راحیل نے زور سے کہا۔

''ہونہہ...... سالے کی اکڑفوں ہی ختم نہیں ہوتی ہے۔'' راحیل اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے بڑبڑائے۔

ادھر زیب تو کھڑے کھڑے تھک گئی تھی۔ ایک فون بند ہوتا تھا تو دوسرا اس کے لیے آ گیا تھا۔

''ہیلو زیب! میں صبا بول رہی ہوں۔'' وہ اس کی آواز پہچان گئی تھی۔

''صبا...... ارے آپ؟'' زیب خوش ہو گئی اور بڑے لاڈ سے بولی۔

''اچھا کیا جو آپ نے فون کر لیا میں تو خود آپ سے ملنے اور کچھ خفا ہونے کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔ سچ صبا! اس روز آپ نے خرم کو زخمی حالت میں نہیں چھوڑ کر آنا چاہیے تھا۔ وہ اس قدر مایوس اور پریشان تھے۔'' زیب نے شکوہ کیا۔

''کیوں...... کیا تم کافی نہیں تھیں میجر خرم کی پریشانیاں دور کرنے کے لیے۔'' صبا تلخی سے بولی اس پر تو شارق کے بہکانے کا کافی اثر ہوا تھا۔

''لو...... میں بیچاری کیا کر سکتی تھی بھلا؟ بھئی دوست اور محبوبہ کی مسیحائی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ویسے خرم بھائی تو پنڈی چلے گئے ہیں۔'' زیب نے اطلاع دی وہ صبا کا طنزیہ لہجہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

''خرم بھائی؟'' زیب کے منہ سے یہ الفاظ سن کر صبا پریشان ہو گئی تھی اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ کہ وہ کیوں شارق کی باتوں میں آ گئی تھی۔ ادھر زیب سادگی سے اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھی۔

''سچ صبا! کل جب خرم کو پنڈی سے اس کے ابو نے تار بھیج کر فوراً پہنچنے کے لیے کہا تو میں سمجھی یقیناً ان کی شادی کا کوئی چکر ہو گا۔''

''پھر...... پھر کیوں بھیجا تھا تار؟'' صبا نے گھبرا کر پوچھا۔

''دراصل خرم کے چچا بہت بیمار ہیں تو خرم کے ابو اور باقی گھر والے انہیں دیکھنے اور منانے کے لیے پشاور جانا چاہتے ہیں۔ خرم نے فون پر مجھے بتایا ہے۔''

''خرم کے چچا بیمار ہیں؟'' صبا کی آواز ڈوبنے لگی۔

''مگر......مگر زیب ان کے چچا تو میرے ابو جانی ہیں اور جب سے میں گھر سے فرار ہوئی اور میرے والدین نے میری موت کی خبر مشہور کر دی تبھی سے خرم وغیرہ نے ناراض ہو کر میرے والدین سے قطع تعلق کر دیا تھا۔'' وہ ہراساں ہونے لگی۔

''اوہو...... مجھے تو یہ خیال ہی نہیں رہا تھا۔ خیر صبا تم پریشان مت ہو، جب بھی کوئی اطلاع ملی میں تمہیں فون کر دوں گی۔ پلیز صبا! تم روؤ نہیں۔'' زیب نے منت کی۔

''زیب! میں کتنی خراماں نصیب ہوں کہ سب سے بچھڑ گئی ہوں کاش میں اپنے ابو کو دیکھ سکتی ایک بار ان کے قدموں پر گر کر معافی مانگ سکتی۔'' صبا نے ہچکیاں لیتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔

زیب کا دل بھی اداس ہو گیا تھا تبھی وہ واپس ڈائننگ روم میں نہیں گئی تھی اور پھر شارق بھی تو وہیں تھے اور زیب ان کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔ تبھی اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔

ادھر شارق کے دل و دماغ پر تو جیسے بجلیاں سی کوندر ہی تھیں۔ یہ کیسی انہونیاں ہو رہی تھیں۔ یہ زیب کا ایک اور مضبوط امیدوار اسلم کہاں سے ٹپک پڑا تھا بھلا؟

جس نے اس موذی فتنے کی شکل تک نہیں دیکھی تھی بس آواز پر فریفتہ ہو کر منگنی کرنے پر تیار ہو بیٹھا تھا۔ اور میری والدہ نے غضب یہ توڑا تھا کہ رشتہ تک طے کر کے رکھ دیا تھا۔ شارق ڈرائیو کرتے ہوئے اپنی ہمراز اپنی ساتھی صبا کے ہاں جا پہنچے اور باہر کھڑے ملازم کو پیغام دیا کہ جا کر صبا کو بلا لائے۔ مگر جلد ملازم واپس آ گیا۔

''صاحب! صبا بیٹی کہہ رہی ہیں کہ آپ اندر آ جائیں ان کی طبیعت خراب ہے وہ سیر کے لیے نہیں جا سکتی ہیں۔''

''صبا کی طبیعت خراب ہے؟'' شارق پریشان ہو کر اندر آ گئے تو سامنے سے صبا شال اوڑھتی ہوئی آ رہی تھی۔ وہ شارق کو دیکھ کر کمان سے نکلے تیر کی طرح ان کے سینے سے جا کر ٹکرائی اور ہچکیاں لینے لگی۔

''کیا ہو گیا ہے صبا کیا بات ہے؟ یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے؟'' وہ اس کے بکھرے بالوں اور متورم آنکھوں کو دیکھ کر گھبرا گئے پھر اسے تھامتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔

''شارق...... میرے ابو بہت بیمار ہیں ہائے میں ان سے کیسے ملوں؟ میرا دل تو غم سے شق ہو رہا ہے؟'' صبا تڑپ کر بولی۔

''تو تم ان کے پاس چلی جاؤ صبا! اور ان کے قدموں پر گر کر معافی مانگ لینا۔ وہ آخر تمہارے باپ ہیں وہ ضرور معاف کر دیں گے۔ ورنہ زیادہ سے زیادہ تمہیں گولی مار دیں گے نا؟ تو اس زندگی سے تو موت اچھی ہے۔'' شارق نے افسردہ ہو کر اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

کافی رو لینے کے بعد صبا اٹھی اور ٹشو نکال کر آنکھیں صاف کرنے لگی۔ شارق اٹھ کر باہر گئے اور کار میں سے وہسکی کی بند بوتل نکال کر لے آئے۔

''آؤ صبا! آج تمہارا دل بھی غم سے کچھ زیادہ ہی بوجھل ہے جبکہ میں بھی ایک نئی تازہ چوٹ کھا کر آیا ہوں۔ چلو دونوں پیتے ہیں اور غم غلط کرتے ہیں۔'' وہ بوتل رکھ کر بولے۔

''میں شراب پیئوں؟'' صبا نے اپنی سوجھی ہوئی آنکھوں سے اسے تکتے ہوئے پوچھا۔
''ہاں...... چند لمحوں کے لیے سہی۔ پھر بھی کچھ غم تو بھول جاؤ گی نا؟'' شارق نے فرج میں سے برف نکالی اور کچن سے دو گلاس بھی اٹھالائے پھر بوتل کھول کر دونوں گلاسوں میں وہ سیال انڈیلا۔
''لو پی لو۔'' انہوں نے گلاس صبا کے سامنے کھسکا دیا۔
''نہیں شارق...... نہیں...... میں ایک اور گناہ نہیں کرنا چاہتی۔'' اس نے ہاتھوں میں منہ چھپالیا۔
''صبا! پاگل مت بنو مر جاؤ گی۔'' وہ اپنا گلاس ایک ہی سانس میں ختم کر گئے پھر جب صبا نے پینے سے مسلسل انکار کیا تو شارق نے صلواتیں سناتے ہوئے اس کا گلاس بھی پی ڈالا۔ تب بھی دل نہ بھرا تو بوتل ہی منہ سے لگا کر غٹ غٹ پینے لگے۔
''کیا ہو گیا ہے تمہیں شارق؟ کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟ توبہ منہ کیسا لال سرخ ہو رہا ہے۔'' صبا نے بوتل چھیننے کی کوشش کی۔
''پلیز...... مجھے مت روکو آج میں بہت اداس ہوں۔'' ایک دم شارق کی آنکھیں بھر آئیں۔
''اف کیا ہوا ہے شارق!'' صبا نے پریشان ہو کر اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا۔
''صبا...... صبا...... پرسوں جمعہ کو زیب کی منگنی ہو رہی ہے۔'' شارق نے بتایا ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔
''دیکھا شاق! میں تم سے کہتی بھی رہی تھی کہ تم زیب کو کھو کر بہت پچھتاؤ گے۔ مگر تم نے اپنی ضد اور انا کا سوال بنائے رکھا۔ کاش تم نے میری بات مان لی ہوتی۔ اور زیب کو اپنی محبت کے متعلق بتا دیتے تو آج تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ ہوتے۔''
''مگر میری آنکھوں میں تو آنسو نہیں ہیں۔'' وہ بڑے ضدی طریقے سے اپنی آستین سے منہ صاف کر کے بولے۔
''اوہو...... بکواس اور یہ ڈھونگ بازی بند کرو۔'' بے قابو ہو کر چڑ کر صبا نے شارق کے منہ پر تھپڑ جڑ دیا پھر وہ پچھتانے لگی۔ ایسے مدہوش دیوانے کی باتوں کا بھلا کیا برا منانا تھا۔
''مجھے معاف کر دو شارق! میرے عزیز دوست! دراصل میں تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بے قابو ہو گئی تھی۔ شارق! تمہیں خدا کا واسطہ ہے۔ اب بھی آخری کوشش کر ڈالو اور اس کی منگنی سے پہلے زیب کو نرمی و احترام سے مخاطب کر کے اسے اپنی خاموش محبت کے بارے میں بتا دو۔ شاید تمہاری تقدیر یاوری کر جائے۔'' وہ شارق کا سر کاندھے سے لگا کر بالوں میں ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی جبکہ شارق گم صم تھے۔
''شارق ناراض ہو گئے ہو کیا؟'' وہ بے قرار ہو گئی۔
''نہیں صبا! تم نے اچھا ہی کیا ہے جو مجھے طمانچہ جڑ دیا مجھے حواسوں میں لانے کے لیے یہ ضرب بہت ضروری تھی۔'' وہ ملول سے مسکرا دیئے۔
''تو پھر تم ابھی ابھی جاؤ نا اور زیب کو گھیر کر سب کچھ بتا دو۔ اپنی محبت...... اپنی جلن و محرومی کے بارے میں۔'' صبا ان کا ہاتھ پکڑے کھینچتی ہوئی باہر لے آئی اور کار میں بٹھا دیا۔
''مگر یار صبا! میں اسے بہت سارا سمجھا چکا ہوں۔''

''پلیز شارق! تمہیں میری قسم ہے تم وہاں شراب پی کر مت جانا۔ اب بھی تم خاصے مدہوش وٹن سے ہو وہ بھی یہی سمجھتی ہوگی تم نشے میں پرپوز کر رہے ہو۔ سو ابھی مت جانا بلکہ جب ہوش وحواس میں آلو۔ ذرا سنوسر ہو جاؤ۔'' تب کار کے چلنے تک صبا اسے سمجھاتی رہی وہ بھی سعادت مندی سے سر ہلاتے رہے۔ پھر وہاں سے نکل کر سیدھے کلب پہنچ گئے اور کافی منگوا کر پی رہے تھے کہ کسی کی موجودگی کے احساس نے سر اٹھا کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

''ہیلو ڈیئر شارق! کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔'' نازیہ نے میز پر دونوں ہتھیلیاں ٹکا پر جھک کر پوچھا۔

شارق نے اپنی پہلی بیوی کو بڑی چبھتی ہوئی تحقیر آمیز نظروں سے دیکھا۔ عجیب ڈھیٹ عورت ہے۔

''کیوں......اس پورے ہال میں تمہیں اور کوئی خالی کرسی نہیں نظر آ رہی ہے۔''

''لیکن میرا دل تو صرف تمہارے پاس بیٹھنے کے لیے مچل رہا ہے نا؟'' وہ ڈھٹائی سے کرسی ہٹا کر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے آج خلاف معمول تم شراب کے بجائے کافی کو شوق سے پی رہے ہو؟'' وہ بھنویں اچکا کر بولی۔

''کیوں مجھے سوبر دیکھ کر تمہیں تکلیف ہو رہی ہے کیا؟ تمہیں دکھ ہے کہ میں اپنے پھیپھڑے چھلنی کیوں نہیں کر رہا اور نشے میں کیوں نہیں ہوں؟'' وہ اکھڑ کر بولے۔

''نہیں اعتراض کیوں ہوگا۔ ویسے ہی پوچھا تھا کیونکہ تم ہر وقت جو پیتے پلاتے رہتے ہو۔ ویسے پہلے تو تم شراب کو چھوتے بھی نہیں تھے۔'' وہ معنی خیز انداز سے بولی۔

''تمہارا مطلب ہے کہ میں جب تک تمہارا شوہر تھا تب تک تو شراب نہیں پیتا تھا؟''

''ہاں تو چلو یہی سمجھ لو تو اب کیوں پینے لگے ہو؟'' نازیہ بڑے مان سے مسکرا دی۔

''یقیناً تمہاری انا کو بڑی تقویت ملے گی۔ تمہارا دل یہ سننے کے لیے بے چین ہوگا کہ اب یہ کیونکہ نازیہ مجھے تمہارے جانے کا غم تھا اور جب سے تم میرے بہنوئی حامد کے ساتھ بھاگ گئی تھیں اور طلاق لے لی تھی۔ تب سے تمہارے غم اور صدمے کو بھلانے کے لیے میں شراب پینے لگا ہوں۔

''تو محترمہ! اگر تمہیں یہ خوش فہمی ہے تو اسے ختم کر دو مجھے نہ پہلے تمہاری پرواہ تھی اور نہ اب ہے۔ پہلے تمہارا وجود اس لیے برداشت کرنا پڑتا تھا کہ تم امی کی اکلوتی بہو ہونے کی وجہ سے ان کی بہت لاڈلی تھیں۔ ورنہ تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے مجھے تم سے گھن آنے لگی تھی۔'' مگر نازیہ کی روح کو تو تسکین ملتی تھی یہی سوچ کر۔

''اچھا...... اگر تمہیں مجھ سے جدا ہونے کا دکھ نہیں ہے تو پھر کون سا دکھ تمہیں دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔ اسے تو یہی یقین تھا کہ اس جدائی کے دکھ نے شارق کو شرابی بنا دیا ہے۔ ''تم سے بچھڑ کر زندہ ہیں جان بہت شرمندہ ہیں۔''

''دکھ...... یہ تم مجھ سے نہ پوچھتیں تو اچھا تھا۔ کیونکہ میں جب سوچتا ہوں تو تمہیں گولیوں سے چھلنی کر دینے کو دل چاہتا ہے اور ٹینا کی پارٹی پر تو تم یقیناً میرے ہاتھوں ہلاک ہو چکی ہوتیں اگر مجھے زیب اور صبا نے روک نہ دیا ہوتا تو میں تمہیں شوٹ کر چکا ہوتا۔ نازیہ تم نے میری بہن صائمہ کے سہاگ پر ڈاکہ ڈالا۔ اس بے قصور معصوم کا گھر اجاڑا تھا۔ اگر میں زیب کی قسم نہ کھا چکا ہوتا تو کبھی کا تمہیں مار چکا ہوتا۔'' وہ نفرت سے بولے۔

''پلیز شارق! جو سنگین غلطی مجھ سے ہوئی ہے تم اسے بھول جاؤ میں تم سے دوبارہ دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ میرا امی

سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ ان کی شفقتیں یاد آتی ہیں۔ دراصل تم سے طلاق لینا ہی میری غلطی تھی جس پر میں سخت پشیمان ہوں۔ شارق کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ یہ ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے جڑ جائے۔ میں تم سے دور رہ کر تمہاری قدر جان گئی ہوں۔" نازیہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں بھینچتے ہوئے جذبات سے بھرپور لہجے میں کہا تو شارق نے مگ میز پر زور سے پٹخا ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

"پھر سے رشتہ جوڑوں اور وہ بھی تم سے؟ تم جو ایک طوائف سے بدتر ہو۔ ان کا اوڑھنا بچھونا روپیہ پیسہ سہی مگر وہ بھی اپنے پرائے کی پہچان رکھتی ہے۔ لیکن تم تو ان سے بھی دو قدم آگے نکلیں۔ تم نے تو پاکیزہ رشتے فراموش کر دیئے۔ تو ایک پیشہ ور عورت بھی تمہارے مقابلے میں زیادہ بلند و عظیم ہوگی۔ وہ بھی ایثار و قربانی کرنا جانتی ہیں۔ جبکہ تم تو وہ قابل نفرت ہستی ہو جو عورت کی مقدس پیشانی پر کلنک کا ٹیکا ہوتی ہیں۔

تو نازیہ بیگم اب اس بدلے ہوئے شارق سے تمہارا صرف ایک رشتہ قائم ہوسکتا ہے اور وہ یوں کہ تم اس بازار میں ایک کوٹھا سجالو پھر تمہارے شباب کو میں نوٹوں میں تول کر خریدوں۔ مگر نہیں تم تو اب ڈھل چکی ہو۔ تمہارا شباب باس زدہ ہے۔ پھر بھلا کون نوٹوں میں تولے گا۔ بس چند روپوں میں سودا ہوسکتا ہے۔ میرا رشتہ ایک تماشبین کا تو ہوسکتا ہے مگر محبوب کا نہیں۔ اور نازیہ اس سے پہلے کہ میں کچھ کر بیٹھوں تم اپنا منحوس وجود میرے سامنے سے کہیں دور لے جاؤ۔" وہ اب بے قابو ہو گئے تھے۔

مگر نازیہ تو سکتے کے عالم میں پھٹی پھٹی نظروں سے اسے تکے جا رہی تھی۔ آخر شارق خود ہی تیزی سے باہر چلے گئے۔ سب لوگ ان دونوں کو دیکھ رہے تھے ہنس رہے تھے۔

○●○

شارق رات کو گھر میں داخل ہوئے تو سامنے ہی ٹی وی لاؤنج میں نسیمہ بیگم، فرحت اور صائمہ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

"شارق بیٹے! کھانا کھایا ہے آپ نے؟"

"نہیں آنٹی! مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔" وہ انہیں سلام کر کے جلدی سے اپنے بیڈروم میں چلے گئے۔

صائمہ اٹھ کر بھائی کے پیچھے کمرے میں گئی اور ان سے دودھ یا کافی چائے کے متعلق پوچھا مگر شارق نے کہا کہ وہ صرف کچھ دیر آرام کرنا چاہتے ہیں تو صائمہ آہستگی سے دروازہ بند کر کے باہر آ گئی۔ مگر نیند تو شارق کی آنکھوں سے غائب تھی وہ تو یکسوئی سے زیب سے متعلق سوچنا چاہتے تھے۔

"کیسے راز دل افشاء کروں؟" وہ الجھن میں تھے۔ جبکہ صبا کی آواز بار بار کانوں میں گونج رہی تھی کہ "شارق! زیب کو اپنی چاہت سے آگاہ کر دو۔" شارق کی بے چینی بڑھتی گئی تو انہوں نے سگار سلگایا۔ ان کا ذہن بری طرح سے مصروف تھا۔

"وہ زیب پر اپنی چاہتوں کو منکشف کریں یا نہ کریں۔ کہہ دو...... بتا دو۔" دل نے مشورہ دیا۔

"خبردار اپنا مذاق مت بنواؤ۔ وہ جذبات جنہیں تم خود اپنی نظروں سے بچا کر پروان چڑھاتے رہے ہو۔ اگر زیب پر عیاں ہو گئے تو وہ تمہیں ٹھکرا کر دنیا کے سامنے تماشہ بنا کر رکھ دے گی۔ وہ تمہارا پیار کبھی قبول نہیں کرے گی اور

پھر اس کی رضامندی سے تو اس کی منگنی اسلم سے طے کی گئی ہے؟''

وہ بے قراری سے کمرے میں ٹہلتے رہے گھنٹے گزرے مگر انہیں وقت کا احساس ہی نہ تھا۔ پھر دل کو عجیب سی گھٹن محسوس ہوئی تو وہ لان میں نکل آئے۔ پھر ان کی نظر لائبریری سے چھن چھن کر آتی ہوئی لائٹ پر پڑی۔

''اس وقت یہاں کون ہوسکتا ہے؟ شاید فرحت یا صائمہ ہوں۔'' شارق اندر چلے گئے۔ سامنے صوفے سے پشت ٹکائے قالین پر پاؤں پسارے۔ زیب کوئی ناول پڑھنے میں مگن تھی پھر شارق کی نظریں دیوار پر نصب اپنی تصویر پر پڑیں جسے گلابی دوپٹے سے لپیٹ دیا گیا تھا۔ تو وہ حیران سے ہوئے۔

''ارے تو کیا میری تصویر دیکھنی بھی گوارہ نہیں۔ کپڑا ڈال رکھا ہے۔'' پھر کتاب کا ورق پلٹتے ہوئے اچانک زیب کی نظر سامنے کھڑے شارق پر پڑی۔ تو کتاب چھوٹ کر دور جا گری اور وہ وحشت زدہ ہرنی کی طرح چھلانگ لگا کر کھڑی ہوگئی اور سہم کر انہیں دیکھنے لگی۔ شارق بڑھے اور قالین پر گری کتاب اٹھا کر صفحے پر نظر ڈالی۔

کیسے جذبات کی توہین گوارہ کر لوں
کیوں کہوں تجھ سے کہ دل تیرا تمنائی ہے

انہوں نے باآواز بلند یہ شعر پڑھنے کے بعد زیب کو معنی خیز انداز سے دیکھا۔ پھر ان کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ انہوں نے ٹھنڈا سانس لے کر کتاب بند کر دی۔

''اوہو......'' یکا یک زیب کی نظر اپنے دوپٹے پر پڑی اس نے لپک کر تصویر سے دوپٹہ ہٹالیا اور سینے پر پھیلا لیا۔

''آپ کو مجھ سے اس قدر نفرت ہے کہ میری تصویر دیکھنا بھی گوارہ نہ تھا تبھی اسے ڈھانپ رکھا تھا۔''

''ج...... جی نہیں تو...... اس لیے تو نہیں ڈھانپی تھی۔'' وہ بوکھلا گئی۔

''پھر ایسا کیوں کیا ہے آپ نے؟'' وہ خلاف توقع بڑی نرمی واخلاق سے بول رہے تھے اور زیب گھبرائے جا رہی تھی۔

''وہ...... وہ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا آپ کی نظریں میرا تعاقب کر رہی ہیں۔ پھر اپنا شک مٹانے کے لیے میں کمرے کے اس کونے میں گئی تو وہاں بھی یہ آنکھیں مجھے دیکھنے لگیں۔ تو جب میں یہاں واپس آئی تو ان کا رخ بھی ساتھ ساتھ بدلتا گیا۔ خدا کی قسم تبھی میں نے خوفزدہ ہو کر تصویر ڈھانپی تھی۔'' وہ معصومیت سے بولی۔ تو شارق مسکرا دیئے۔ پھر جلد ہی ان کے چہرے پر ویرانی چھا گئی۔

''توبہ...... یہ شارق مسکراتے ہوئے کس قدر اچھے لگتے ہیں اپنی عمر سے کہیں چھوٹے۔ مگر خوامخواہ تیوری چڑھائے آنکھیں سرخ کیے رہتے ہیں۔ اگر یہ سدا مسکراتے رہیں تو کتنے خوبرو و بھلے لگیں گے۔'' وہ بے خیالی میں انہیں گھورے گئی۔

''کیا دیکھ رہی ہیں زیب؟'' ایک بوجھل سی آواز نے قریب ہو کر پوچھا۔

''جی...... جی...... کچھ بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔'' وہ گڑبڑا کر ہوش میں آ گئی۔

''زیب! میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے ہمت کی اور آگے بڑھے۔

''ابھی یہ آپ کے ناول میں میں نے شعر پڑھا ہے نا تو میری قلبی حالت بالکل ایسی ہے یہ میرے جذبوں کا صحیح

ترجمان ہے۔'' انہوں نے زیب کو کاندھوں سے تھام لیا اور ششدر سی زیب ان کی آنکھوں میں نرمی ومحبت کا طوفان اٹھتا دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

''کک......کون سا شعر جی؟'' وہ گھبرا کر بولی۔

''کیسے جذبات کی توہین گوارہ کر لوں
کیوں کہوں تجھ سے کہ دل تیرا تمنائی ہے''

شارق نے دھیمی آواز میں زیب کے کان سے ہونٹ لگاتے ہوئے دہرا دیا تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی اور کتاب ان کے ہاتھ میں ہی چھوڑ کر بھاگ گئی شارق پکارتے رہ گئے پھر وہیں کرسی پر بیٹھ گئے۔

نیند زیب کی آنکھوں سے غائب تھی۔ دل کی کیفیت عجیب سی تھی۔ بار بار گہری آواز وجود کو گھیرتی تھی۔

''زیب! میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ شعر میری قلبی کیفیت کا آئینہ ہے پلیز غور کرو۔'' زیب نے گھبرا کر کروٹ بدل لی۔

''خدایا! یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟'' زیب نے دل پر ہاتھ رکھ لیا تو دو گہری گہری براؤن آنکھیں سامنے جگمگانے لگیں۔

''کاش......میرا رضا کسی قابل ہوتا تو میں تمہیں اپنی بہو بنا لیتی۔'' اس کے کان میں امی کی آواز آئی۔

''کاش شارق تم اتنے برے نہ ہوتے؟'' زیب نے آہستہ سے کہا پھر اپنے جذبے سے لفظوں سے گھبرا گئی۔

''لاحول ولا......بھلا مجھے کیا وہ اچھے ہیں یا برے؟'' اس نے سر جھٹکا۔

مگر......وہی گہری گہری کچھ کھوج لگاتی ہوئی آنکھیں بار بار ذہن کے پردے پر لرزنے لگیں۔ زیب نے ہونٹ کاٹتے ہوئے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔ مگر اچانک اسے سینے پر بوجھ سا محسوس ہوا اور کسی کے گرم سانس چہرے سے ٹکرانے لگے۔

''زیب......زیب......'' کانوں کے پاس سرگوشی ابھری۔ وہ تڑپ کر اٹھی اور سیدھی شارق کے فراخ سینے سے اور منتظر بانہوں سے جا ٹکرائی۔ شارق نے والہانہ انداز میں اسے تھام کر سینے سے جکڑ لیا۔

''زیب! میں یہ راز شاید دن کے اجالے میں تم سے نہیں کہہ پاؤں گا۔ تو ان اندھیروں کو گواہ بنا کر میں اپنے دل کی آواز تم تک پہنچانا چاہتا ہوں۔

زیب......مم......مجھے......مجھے تم سے شدید محبت ہے۔ میں جی نہیں پا رہا ہوں۔ تمہارے بغیر زندگی گزارنا دشوار سا ہو گیا ہے۔ زیب تم اس ہی دن میری روح میں سما گئی تھیں۔ جب پہلی بار میری کار سے ٹکرائی تھیں۔ مگر میں انا کا مارا ہوا ایک بزدل انسان تھا تبھی اظہار کرنے سے ہچکچاتا رہا۔ مگر......اب جبکہ میں سب بتا چکا ہوں تو مجھے مت ٹھکرانا۔ میں اپنی توہین برداشت نہیں کر پاؤں گا۔'' وہ زیب کے بالوں سے ہونٹ ٹکائے بول رہے تھے۔

وہ تو گویا بت بنی گم صم اور حواس باختہ بیٹھی تھی ہلنے جلنے کی تو ہمت ہی نہیں تھی۔ پھر اس نے ہوش میں آتے ہوئے شارق کے وجود کو خود سے دور ہٹانا چاہا لیکن ان کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ وہ جنبش بھی نہ کر سکی۔

''زیب! میری زندگی......میری تمنا......میری بات کا جواب تو دے دو۔ کیا میں امی کو اپنے اور آپ کے بارے میں بتا دوں۔'' وہ پُر امید ہو کر بولے۔

''پلیز...... آپ چھوڑ دیجیے مجھے میرا دم گھٹ رہا ہے۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی تو شارق نے بازوؤں کا حلقہ ڈھیلا کر دیا۔ زیب نے جھٹ زور لگایا اور بیڈ سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ وہ کسی پتے کی طرح لرز رہی تھی۔

''یہ...... یہ شارق کیا انکشاف کر رہے ہیں؟ محبت اور مجھ سے اسے یقین نہیں آ رہا تھا اور وہ تھے بھی سو بر۔'' وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی مگر شارق تو جواب مانگ رہے تھے۔

''میں...... کیا جواب دوں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ گھبرا کر پیچھے ہٹتی گئی۔

''یہی کہہ رہا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے...... محبت ہے...... محبت ہے......'' وہ جھنجلا کر بولے۔

''اور مجھے کل تک جواب چاہیے۔'' وہ اپنے پرانے انداز گفتگو پر اتر آئے تھے۔ پھر زیب کو گھورتے ہوئے باہر چلے گئے اور زیب سر پکڑ کر پلنگ پر گر گئی۔ یہ خواب تھا یا حقیقت؟

اس نے خود کو یقین دلانے کے لیے اپنی انگلی کاٹ لی۔ ''اچھا تو شارق واقعی مجھ سے محبت کرتے ہیں اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر یہ کیسا پیار ہے...... کیسی محبت ہے؟

کبھی بھی تو انہوں نے مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کی۔ ہر وقت...... طنز...... غصہ...... شک کرتے رہتے تھے۔ اف شکی آدمی کے ساتھ تو گزارہ کرنا ہی دشوار ہے۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''لو زیب تم بھلا کس کی باتوں میں آ کر خوش فہمی میں مبتلا ہو گئی ہو۔ وہ یقیناً نشے میں ہوں گے اور صبح تک محبت کے سب دعوے بھلا چکے ہوں گے۔'' اس نے دل کو تسلی دی۔ مگر حیرت انگیز بات تو یہ تھی کہ وہ بھی شارق کے خیال کو دل و دماغ سے جھٹک نہیں پا رہی تھی۔ ''پھر زیب! لگتا نہیں ہے کہ وہ پیے ہوئے تھے۔''

مگر...... شارق سے تو اس کا محبتوں کا رشتہ تھا ہی نہیں۔ ایک ادنیٰ سی نفرت میں ان کے وجود گھرے رہے تھے۔ پھر اس پتھر دل شارق کے دل میں اب محبتوں چاہتوں کے حسین خوش رنگ پھول کیسے کھل سکتے ہیں۔ اتنی بڑی تبدیلی؟ اور یہاں تو شارق نے قریب بہت قریب رہتے ہوئے بھی اسے قابل اعتنا نہیں سمجھا تھا ہمیشہ ذلتیں دی تھیں۔ پھر بھلا وہ اسے کیسے قلبی طور پر اپنے نزدیک سمجھتی؟

جو دیکھنے میں بہت ہی قریب لگتا ہے
اسی کے بارے میں سوچو تو فاصلہ نکلے

''ہاں...... یہ شعر تو ان کے جذبات کا صحیح ترجمان تھا۔ وہ بظاہر دیکھنے میں تو روزانہ ملتے تھے چاہے کام کے سلسلے میں ہی سہی قربت بھی رہتی تھی۔ مگر کبھی بھی تو زیب کے دل نے شارق کو اپنے سانسوں میں بسا محسوس نہیں کیا تھا۔ پھر اب کیسے وہ اس کے عاشق و پرستار ہو بیٹھے ہیں۔'' سوچ سوچ کر زیب کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی اور نتیجتاً نیند آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی۔

○●○

رات تقریباً آنکھوں میں کاٹنے کے بعد صبح ناشتے کی میز پر بھی زیب دیر سے پہنچی ملازمہ کو صائمہ نے دو بار بھیجا تب کہیں جا کر وہ جاگی اور تیار ہو کر نیچے آئی۔

''کیا بات ہے زیب! تمہاری آنکھیں کیوں سوجی ہوئی ہیں؟'' فرحت نے ناشتہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''رات کو سر میں بہت درد تھا ٹھیک طرح سے سوئی نہیں۔'' وہ سب کو متوجہ پا کر جلدی سے چائے بنانے لگی۔

''اچھا زیب! تم ذرا ڈٹ کر ناشتہ کرلو۔ کیونکہ امی جان نے تمہیں بہت ضروری کام کے سلسلے میں بلوایا ہے۔'' صائمہ نے معنی خیز انداز میں ہنس کر کہا تو شارق جو اسی وقت اندر داخل ہوئے تھے انہوں نے بہن کو گھورا۔

''تو امی سے ابھی پوچھ آتی ممکن ہے جلدی کا کام ہو۔'' وہ اٹھنے لگی تھی کہ فرحت نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر واپس بٹھالیا۔ زیب شارق سے نظریں چرا رہی تھی۔

''کام جلدی کا تو ضرور ہے جان! لیکن اتنی جلدی بھی نہیں کم از کم اسلم بھیا کو تو آ لینے دو۔'' فرحت ہنسی تو زیب شرمندہ ہو کر بیٹھ گئی اور شارق نے کھا جانے والی نظروں سے فرحت کو گھورا۔

''زیب بیٹی! آپ کو بیگم صاحبہ یاد فرما رہی ہیں۔'' ملازمہ نے آکر بتایا۔ تو زیب، شارق کی نظروں سے خوفزدہ ہو کر کھڑی ہوگئی۔

''ارے ناشتہ تو کرلو۔'' فرحت نے روکنا چاہا مگر زیب انکار کر کے چلی گئی تو فرحت ماں کی طرف مڑ کر بولی۔

''امی...... امی جلدی بلوائیں نا اسلم بھیا کو۔ اُف...... میں تو زیب کو بھابھی بنانے کے لیے بے چین ہو رہی ہوں۔ شکر تو یہ ہے کہ اسلم بھیا معجزانہ طور پر زیب سے شادی کے لیے رضامند ہوگئے ہیں۔ وہ ہے کتنی پیاری؟''

''آجائے گا اسلم اگلے ہفتے تک آجائے گا۔ اگر تمہارے ابو اسے ضروری کام سونپ کر نہ آئے ہوتے تو وہ تو سر کے بل دوڑا دوڑا چلا آتا۔'' نسیمہ بیگم ہنس کر بولیں۔

''کیوں شارق! تمہیں تو کافی سال ہوگئے ہیں نا اسلم سے ملے ہوئے؟''

''جی ہاں...... تقریباً آٹھ...... نو سال ہوگئے ہیں انہیں دیکھے۔'' وہ ناشتہ چھوڑ کر کھڑے ہوگئے۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں رضا بھیا! وہ ابھی زیب کی فیملی کے لوگ منگنی کی تاریخ مقرر کرنے آرہے ہیں۔'' صائمہ نے روکنا چاہا۔ مگر وہ بپھر اٹھے۔

''آرہے ہیں تو پھر میں کیا کروں؟'' شارق تلخی سے بولے اور ماں کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ صائمہ بھی ساتھ تھی۔

''رضا بھیا! کم از کم نسیمہ آنٹی اور فرحت کے سامنے تو آپ کو ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ سمجھیں گی آپ ان کی خوشی سے جل رہے ہیں۔'' صائمہ نے آہستہ سے کہا۔

''کیوں بھلا میں کیوں جلوں گا؟ مجھے اس لڑکی کی کیا پرواہ ہے پھر تعلق کیا ہے اس سے میرا؟'' وہ چڑ گئے۔

''شارق بیٹے! ہم ابھی آپ کو بلوانے گئے تھے۔'' شارق کمرے میں داخل ہوئے تو ماں نے کہا۔

''کیوں...... خیریت تو ہے نا امی جان؟'' وہ سامنے جھکے تو ماں نے پیشانی چومی۔

''بیٹا! تم زیب کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ان کے بھائی احمر اور بھابھی سیما سب کو لے آؤ۔''

''معاف کیجیے امی جان میں تو نہیں جا سکتا میرا بہت ضروری اپائنٹمنٹ ہے۔ آپ راحیل کو فون کر کے بلوالیں۔'' شارق نے انکار کر دیا۔

''ہاں امی یہ ٹھیک کہتے ہیں میں راحیل کو فون کر کے بلوا لیتی ہوں۔'' زیب جھٹ بولی وہ بھی شارق کے ساتھ جانے سے کترا رہی تھیں۔ پھر شارق اس کی ہچکچاہٹ کا مقصد سمجھ گئے۔

''اب ہی تو موقع ہے بات کرنے کا زیب سے۔'' شارق نے ہونٹ دباتے ہوئے اسے دیکھا پھر سوچتے ہوئے بولے۔

''چلیے زیب! میں آپ کو لیے چلتا ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''نہیں شارق صاحب! آپ کے کام کا حرج ہوگا۔'' وہ ٹالتی ہوئی بولی۔

''ہاں بیٹی! تم رضا کے ساتھ ہی چلی جاؤ ویسے بھی راحیل تو اس وقت ہسپتال جا چکا ہوگا۔ اس نے آج جلدی ہی یہاں آنا ہے کچھ انتظام کریں گے یہاں آ کر منگنی وگنی کے لیے۔'' بیگم مراد نے زیب کو اشارہ کیا۔

''محترمہ چلیے بھی اب...... مجھے دیر ہو رہی ہے نا۔'' شارق بے صبری سے بولے۔ زیب نے گھبرا کر انہیں دیکھا۔ پھر امی کے اصرار پر اسے جانا ہی پڑا۔

''زیب! میری امی نے کیوں بلایا تھا آپ کو؟'' شارق نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی...... بس ویسے ہی بلوایا تھا۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے جب وہ کار میں پیچھے بیٹھنے لگی تھی تو شارق نے زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا تھا۔ ان کے تیور تو بہت خطرناک لگ رہے تھے اور زیب اب گھبرا رہی تھی۔

''سیدھی طرح کیوں نہیں کہتیں کہ تم سے اسلم کے متعلق رائے پوچھ رہی تھیں؟'' وہ چڑ گئے۔ زیب نے سر جھکا لیا اور اپنے ہاتھوں کو مسلنے لگی۔

''تو پھر تم نے امی کو کیا جواب دیا ہے زیب! بولو بھی؟'' انہوں نے سختی سے کہا وہ چپ ہی رہی۔

''لڑکی...... میں تم سے پوچھ رہا ہوں کیا اونچا سننے لگی ہو؟'' وہ جھنجھلا گئے۔

''میں...... میں بھلا امی سے...... کیا کہہ سکتی تھی بھلا؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے نظریں اٹھائیں۔

''تو یہ کہو نا کہ تم نے اسلم سے شادی کا اقرار کر لیا ہے؟ ہاں بھئی آخر اعتراض ہوتا ہی تو کیوں اسلم کروڑ پتی ہونے کے علاوہ اکلوتی اولاد بھی ہے۔ دولت کے ڈھیر پر ملکہ بن کر بیٹھو گی نا؟'' انہوں نے کار پل پر روک لی۔

''آپ...... آپ خود ہی بتائیں۔ میں...... میں امی کا حکم کیسے ٹال سکتی تھی۔'' زیب نے ہاتھوں میں منہ چھپا لیا۔

''اور...... اور جو کچھ رات کو میں نے تم پر منکشف کیا تھا اپنی محبت کا اظہار کیا تھا؟ تو کیا اس کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔ تو کیا میں نے سب بکواس کی تھی؟'' انہوں نے زیب کے کاندھے پکڑ لیے۔

''کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ تم اسلم خان سے منگنی نہیں کرو گی؟ پھر تم نے حامی بھری تو کیوں؟ میری بات کو کیوں ٹھکرایا؟'' ان پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔

''لیکن سر! میں تو یہی سمجھی تھی کہ آپ نے وہ سب باتیں مجھ سے شراب کے نشے میں کی تھیں۔ تبھی میں نے ان ڈائیلاگ کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ ویسے بھی میں ان باتوں کو سچ کیسے مان سکتی تھی۔ ہمیشہ آپ کا رویہ میرے ساتھ اس قدر تکلیف دہ ذلتوں سے بھرپور ہوتا تھا۔ کبھی بھی تو آپ نے پیپ...... پیار...... سے......'' پھر وہ یکایک سرخ ہو گئی اور

منہ کھڑکی سے باہر کرلیا۔

''میں نے کبھی پیار کا اظہار نہیں کیا۔ یہی کہنا چاہتی ہو نا تم؟'' زیب نے بڑے بھولے پن سے سر ہلایا۔

''کیوں کرتا...... کس لیے کرتا اظہار محبت؟ یہ تم عورتیں ہر چیز میں نمائش پسند کیوں ہوتی ہو؟ تمہیں ہر بات کا کھلے لفظوں میں اظہار کیوں چاہیے ہوتا ہے؟ شاید اس لیے کہ تم اپنی سہیلیوں میں بیٹھ کر فخر سے کہتی پھرو کہ تمہارے بے شمار پرستار و طلبگار ہیں۔ تو پھر میں کس لیے خود کو اپنے جذبوں سمیت تم پر منکشف کرتا؟ کیا تم اندھی تھیں آنکھیں نہیں تھیں تمہاری جو میرے چہرے پر لکھی محبت کی تحریر نہ پڑھ سکو۔ کیا تمہارے محسوسات پر برف جمی ہے۔ کیا پہلے بھی میں نے تم سے کہا نہیں تھا۔ کہ میں الو کا پٹھا تمہیں پسند کرنے لگا ہوں۔ یہاں تک کہ راحیل اور صبا جیسے غیر لوگوں نے میری محبت کا حال جان لیا تھا پھر تم کیسے غافل رہ گئیں؟'' وہ گھبرائی ہوئی زیب پر برس پڑے۔

''لل...... لیکن شارق صاحب! میری تو سنیے۔''

''نہیں...... میں کچھ سننا نہیں چاہتا ہوں۔ بس تم سے میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا اپنے جذبوں کو عریاں کر دیا ہے اور تمہیں اب ہر قیمت پر مجھ سے شادی کرنی ہوگی اور ظاہر ہے اسلم سے شادی سے انکار کرنا ہوگا۔''

''میں امی کی بات جھٹلا نہیں سکتی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' وہ بڑبڑائی۔

''کیوں...... کیسے نہیں ہوسکتا ہے؟ یاد رکھو اگرچہ نازیہ میری ماں کی پسند تھی مگر جب اس نے مجھے ٹھکرایا تو میں آج تک اس کے خون کا پیاسا ہوں۔ پھر زیب رحمٰن! تم...... تم تو میری اپنی پسند ہو عشق ہو۔ پھر تمہیں میں کسی اور کا کیسے ہو جانے دوں گا؟ ہاں اگر میں نے اپنی عشق کی داستان تمہیں بتائی نہ ہوتی تو تب بھی شاید میں تمہاری شادی اسلم سے ہو جانے پر اعتراض نہ کرتا۔ مگر اب تم جان بوجھ کر مجھے ٹھکراؤ تو ایسا میں ہرگز نہ ہونے دوں گا۔ یاد رکھو اور یقین کرو کہ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔ مٹا دوں گا۔'' وہ دیوانگی میں اس کی طرف مڑے اور شارق کی بدلی ہوئی سی شکل پر نظر پڑتے ہی زیب کی روح فنا ہوگئی۔

اپنی خیریت نظر نہیں آرہی تھی اسے تبھی اس نے دروازہ کھولا اور کار سے باہر چھلانگ لگا دی۔

''رک جاؤ زیب!'' وہ بھی اتر کر پیچھے بھاگے۔

مگر زیب تو جیسے بہری ہوگئی تھی وہ سنے بغیر بے تحاشہ بھاگتی چلی جارہی تھی۔ اپنی عزت وا پنی جان بچانے کے لیے۔ مگر شارق جیسے لمبے اونچے مرد کے بھاگتے قدموں سے اس کا کیا مقابلہ تھا۔ تبھی تو جلد ہی انہوں نے زیب کو جالیا۔

''میں کہتا ہوں رک جاؤ'' اور پھر انہوں نے زیب کا بازو پکڑ کر زور سے اپنی سمت کھینچا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی ان کے سینے سے ٹکرائی۔ دونوں کو یوں بھاگنے کی وجہ سے سانس چڑھا ہوا تھا۔

''پلیز شارق صاحب! خدارا...... مم...... مجھے چھوڑ دیجیے۔'' اس نے خوفزدہ ہو کر ان کے سرخ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے التجا کی۔ انتہائی قریب ہونے کی وجہ سے ان کے گہرے گہرے سانس زیب کے چہرے سے ٹکرا رہے تھے۔

''نہیں...... کبھی نہیں...... اب تو میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ چھوڑ ہی نہیں سکتا۔'' وہ اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس کے پھڑپھڑاتے وجود کو بانہوں کے پنجرے میں مقید کر کے بولے۔

''بدل دو اپنا فیصلہ زیب! تم میری ہو...... صرف میری...... اور میری ہی رہو گی۔ میں اپنے اور تمہارے بیچ آنے والی ہر دیوار گرا دوں گا۔ چاہے مجھے اس کا اور پھر اپنا خون ہی کیوں نہ کرنا پڑے گا۔ مگر زیب! تم اب میری زندگی سے کہیں اور نکل کر نہیں جا سکو گی۔'' وہ مجنونانہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

''بولو جواب دو مجھے...... کہہ دو کہ تم میری ہو...... وعدہ کرو...... اقرار کرو کہ مجھ سے ہی شادی کرو گی پلیز؟'' انہوں نے ایک دم نرمی سے التجا آمیز لہجے میں کہا۔ مگر وہ تو ٹکر ٹکر ان کی صورت تکے جا رہی تھی۔

''زیب جان! تم اسلم سے شادی نہیں کرو گی نا انکار کر دو گی نا؟''

''نہیں...... نہیں میں کیسے انکار کر سکتی ہوں اب؟'' زیب نے سرگوشی کی وہ ابھی تک ان کے سینے سے جکڑی ہوئی تھی۔

''تو انکار نہیں کرو گی تم اسلم سے شادی کرنا چاہتی ہو؟'' ان کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا ماتھے کی رگیں پھول گئیں. انہوں نے زیب کے کاندھوں پر گرفت سخت کر دی۔

''پلیز...... مجھے...... مجھے تکلیف ہو رہی ہے چھوڑ دیجیے مجھے۔'' زیب نے سسکی لی مگر وہ تو سن ہی نہیں رہے تھے۔

''دھوکے باز...... فریبی لڑکی! میں تو تمہیں تمہاری تمام تر خامیوں کے باوجود اپنانا چاہتا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ راحیل اور خرم سے تمہارے تعلقات کس نوعیت کے ہیں۔ میں نے تمہارے وہ کرتوت تمہاری بدکاری سبھی عیب نظر انداز کیے۔ تو اس لیے کہ میں تم سے شدید محبت کرنے لگا تھا۔ مگر تم...... تم تو گناہ کا گندی نالی کا غلیظ کیڑا ہو۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولے تو زیب نے ان کو جھٹک کر ہٹایا اور کان بند کر لیے۔

''خاموش ہو جائیے۔ چپ رہیے شارق! خدارا اپنی بے لگام زبان کو قابو میں رکھیے۔ اب مجھ میں اتنی ہمت ہے نہ سکت کہ مزید کچھ سن سکوں یا آپ کے گھناؤنے الزامات کی تردید کروں۔ بس آپ میرا پیچھا چھوڑ دیجیے۔ مت کھائیے مجھ پر ترس۔ مجھے آپ کی ہمدردی اور سہارا نہیں چاہیے۔ مجھے میری غلاظتوں اور گناہوں کی گندی نالی میں ہی جینے دیجیے۔ اور میرے جن جن لوگوں سے تعلقات ہیں۔ ان تعلقات کو ویسے ہی ان سے استوار رہنے دیجیے۔

میں اپنے اعمالوں کی خود جواب دہ ہوں گی آپ مجھے جہنم سے جنت میں مت گھسیٹیے۔'' وہ تھک کر بولی۔

''مگر شارق! میں صرف یہی کہوں گی اپنی صفائی میں کہ آپ مجھے سمجھنے میں بڑی غلطی کر بیٹھے ہیں۔'' وہ بولی۔

''ہونہہ...... میں تمہیں غلط سمجھا ہوں؟'' وہ زہریلی ہنسی ہنسے۔

''تم یہ کیوں نہیں کہتیں کہ میں نے تمہارا اصلی روپ تمہاری حقیقت پہچان لی ہے۔ تم ایک فاحشہ، بدچلن عورت ہو تم...... تم......''

''تو پھر میری اتنی برائیاں بدکاریاں جاننے کے بعد بھی میرے پیچھے کیوں پڑے ہو تم؟'' زیب نے بے قابو ہو کر چیخ کر کہا ساتھ ہی بے اختیار اس کا ہاتھ اٹھا اور شارق کے منہ پر پڑنے سے پہلے اس ظالم موزی کے چوڑے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں آ گیا۔ شارق نے بڑی بے دردی سے اس کا ہاتھ موڑا اور پشت سے لگا کر ایک جھٹکے سے اسے کاندھے پر اٹھا لیا اور پل کے ایک طرف پہنچ گئے جہاں نشیب میں تیز پانی کا بہاؤ تھا۔ پھر انہوں نے اسے کھینچا اور اٹھا کر پل سے نیچے لٹکا دیا۔

زیب کی چیخیں دور دور تک گونجنے لگی تھیں۔ اس نے خوفزدہ ہو کر سر نیچے جھکا کر دیکھا تقریباً چالیس پینتالیس فٹ نیچے پانی پوری روانی سے چیختا چنگھاڑتا ہوا بہتا اپنے ساتھ ساتھ ٹوٹے درخت کے تنوں کو اور نہ جانے کیا کچھ سمیٹے جا رہا تھا۔ زیب کو بری طرح سے چکر آنے لگے تھے۔ شارق نے اس کے دونوں بازو دبوچ کر اس کا دھڑ نیچے لٹکایا ہوا تھا۔

''شارق...... شارق! خدارا مجھے اوپر کھینچ لیں۔ ورنہ میں...... میں مر جاؤں گی۔'' وہ چیخی۔

''مر جاؤ...... اگر تم میری نہیں ہو سکتیں تو میں اسلم کی بھی نہیں ہونے دوں گا۔ میں تمہیں کسی غیر کے ساتھ دیکھ دیکھ کر جلنا کڑھنا نہیں چاہتا۔ زیب...... زیب تم آج میری محبت کا اقرار کرو۔ مجھے اپنانے کی قسم کھاؤ تو میں ابھی تمہیں اوپر کھینچ لوں گا۔ بولو جواب دو نا؟''

''نہیں شارق! میں امی کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ وہ میرے بارے میں کیا رائے قائم کریں گی؟ خدارا...... کچھ تو سوچیے کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟'' وہ نڈھال ہو رہی تھی۔

''نہیں میں کسی کے متعلق نہیں سوچنا چاہتا میں صرف تمہارے متعلق سوچ رہا ہوں۔'' وہ ڈھٹائی سے بولے۔

''تم ضد چھوڑ دو زیب! میری زندگی میں آنے کا وعدہ کر لو تو میں ابھی تمہیں کھینچ لوں گا ورنہ خود بھی دریا میں کود کر جان دے دوں گا۔''

''تم...... تم...... شارق تم جنونی ہو دیوانے ہو۔ بہت اچھا کیا تھا نازیہ نے جو تمہارے منہ پر تھوک کر تمہیں دھتکار کر چلی گئی تھی۔ تم گھٹیا آدمی تھے ہی ٹھکرائے جانے کے قابل۔'' اب وہ مایوس ہو کر چیخ اٹھی۔

''زیب......'' شارق نے گرج کر کہا اور پھر اس کا ایک بازو چھوڑ دیا۔ زیب کے سارے وجود کا وزن اس کے ایک بازو پر پڑا تو وہ تکلیف کی شدت سے بلبلا اٹھی۔ پھر زیب کی چیخوں سے خود شارق کا اپنا دل بھی دہل گیا اور اس نے کشمکش کرتی ہوئی زیب کا دوسرا بازو بمشکل دوبارہ پکڑا۔

''چھوڑ...... چھوڑ دو......'' زیب کی آواز ڈوبتی چلی گئی اور سر جھک گیا۔

شارق آدھے جھکے ہوئے اس طرح کھڑے تھے جیسے انہیں ہپناٹائز کر دیا گیا ہو چہرے پر عجیب تاثرات تھے۔ انہوں نے بمشکل زیب کو اوپر کھینچا۔ مگر وہ بیہوش ہو چکی تھی اس کا جسم سرد اور بے جان سا تھا۔ شارق نے اسے کھڑا کرنا چاہا مگر زیب کا سر بری طرح ان کے سینے سے ٹکرایا۔ شارق نے بے بس ہو کر متاع عزیز کو سینے سے جکڑ کر پل سے نیچے جھانکا تو لمحے بھر کے لیے انہیں بھی چکر آ گئے۔ فراٹے سے گزرتا جھاگ اڑاتا منہ زور پانی۔ وہ سر جھٹک کر پیچھے ہٹے اور پھر زیب کو بازوؤں پر اٹھائے کار کی طرف بڑھے۔

زیب حواسوں کی دنیا میں پلٹی تو وہ اپنے قدموں پر نہیں چل رہی تھی بلکہ کسی نے اسے بڑی سہولت سے اٹھایا ہوا تھا اور زیب کے کانوں میں اس کے دل کی دھڑکن کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے سر اٹھایا تو بالکل قریب شارق کے لب و رخسار تھے۔ اس نے ایک دم سر پیچھے کیا۔

''چھوڑ دیجیے مجھے......'' وہ مچلنے لگی پھر شارق نے جھک کر اسے نیچے کھڑا کیا چند لمحوں تک تھامے رکھا کہ وہ پوری طرح سے سنبھل جائے۔ زیب نے ان کے ہاتھوں سے خود کو چھڑایا۔ پھر ڈگمگاتی ہوئی کار میں جا بیٹھی اور پھر اس کی گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز شارق کے دل میں طوفان اٹھانے لگی۔ وہ بھی نڈھال سے دروازے کا سہارا لیے کھڑے تھے۔

بہت دیر گزر گئی زیب سیٹ سے سر ٹکائے بلند آواز سے روتی رہی تھی۔

"زیب......" شارق کا ہاتھ اس کے بالوں تک پہنچا مگر زیب نے سختی سے ہاتھ جھٹک دیا۔

"پلیز زیب! مجھے معاف کر دو۔" ان کے لہجے میں دل ٹوٹنے کی آواز تھی۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر دروازہ کھول کر ساتھ بیٹھ گئے۔ مگر وہ انہیں نظر انداز کیے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے تھی۔

پھر نہ جانے شارق کے دل میں کیا خیال آیا کہ انہوں نے آگے بڑھ کر ایک دم زیب کی کمر کے گرد بازو ڈال کر اپنی طرف کھینچا۔ جھٹکا اس قدر زوردار تھا کہ ششدر سی زیب کے ہاتھ چہرے سے ہٹ گئے اور فوراً ہی شارق نے زیب کے رخسار کو چھولیا اور کچھ اس والہانہ انداز وارفتگی سے کہ زیب سرتاپا انگارہ بن گئی۔

"زیب میری روح...... میری جان......" شارق نے جذبات سے چور ہو کر پکارا تو وہ سنبھل کر ہٹی پھر اس سے پہلے کہ شارق اس کے وجود سے دور ہٹتے۔ زیب نے ہاتھ بڑھا کر اپنا پرس اٹھایا اور زور سے ان کے منہ پر دے مارا۔ شارق کا سر پیچھے کھڑکی سے جا ٹکرایا اور ساتھ ہی ہونٹوں سے خون پھوٹ کر بہہ نکلا۔ شارق نے چکراتے سر کو کھڑکی سے ٹکا کر آنکھیں بند کر کے درد اور ضبط کی منزلوں سے گزرنے لگے۔

زیب پیچھے ہٹ کر دروازے سے لگی انہیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ ان کی دیدہ دلیری اور جرات پر بے یقین سی اپنے تپتے خشک ہونٹوں کو دانتوں تلے دبائے تھی۔

شارق نے گہرا سانس لیا پھر ہونٹوں سے ابلتے خون کو لاپرواہی سے آستین سے صاف کرتے ہوئے کار چلا دی۔

راستے میں خاموشی ہی رہی شارق تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے ہاتھ سے خون پونچھ لیتے تھے۔ پھر انہوں نے کار راحیل کے گھر کے پورچ میں روک لی تو ملازم نے آ کر بتایا۔ کہ احمر میاں اور سب گھر والے تو ڈاکٹر راحیل کے ساتھ شارق صاحب کی کوٹھی گئے ہیں۔ مگر یہ سننے کے باوجود زیب کار سے اتر گئی تھی۔ شارق نے اسے کہا کہ وہ اسے کوٹھی چھوڑ آتے ہیں۔ مگر زیب نے انکار کرتے ہوئے ملازم کو رکشہ لانے کے لیے کہا۔

"زیب! میری بات تو سن لیں۔" شارق نے منت کی۔

"جائیے شارق صاحب! مجھ سے بات کرنے کی کوشش مت کیجیے میں ایک منٹ کے لیے بھی آپ کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتی۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ پھر زور سے دروازہ بند کر کے چلی گئی۔

"اوہ زیب......" شارق نے اپنے دل و وجود کے تقاضوں سے بے بس ہو کر دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا اور پھر وہ صبا کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"صبا! دروازہ کھولو صبا!" شارق نے بے صبری سے دروازہ پیٹتے ہوئے آوازیں دیں۔" صبا ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر نیم دراز کتاب پڑھتے ہوئے کافی پی رہی تھی۔ وہ مگ رکھ کر بے تحاشہ باہر بھاگی۔ شارق دیوانوں کی طرح دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے اسے مسلسل آوازیں دے رہے تھے۔

"اللہ...... یہ بندہ تو آج پورے محلے کو جگا کر میرے گھر کے سامنے اکٹھا کروا لے گا۔" اس نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ تو وہ اس پر گر سے گئے۔

"کیا بات ہے شارق! ہائے یہ تمہارے ہونٹ کیسے پھٹ گئے ہیں لہولہان ہو رہے ہو۔ کیا ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟"

وہ گھبرا کر انہیں سہارا دیتی اندر لے آئی اور صوفے پر بٹھا دیا۔

"صبا! میرے ان ہونٹوں نے آج دہکتے انگاروں کو چھو لیا تھا تبھی سزا ملی ہے مجھے۔ بری طرح سے جل گیا ہوں میں۔" وہ ہونٹوں کو چھو کر بولے۔

"سنو صبا! تمہاری زیب نے مجھے ٹھکرا دیا ہے اور وہ اپنی خوشی و مرضی سے کل منگنی کر رہی ہے۔"

"زیب نے تمہیں ٹھکرا دیا ہے اور منگنی کروا رہی ہے۔ مگر کس سے؟" وہ بے صبری سے بولے۔

"نہیں صبا میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ کس سے منسوب ہو رہی ہے۔ لیکن وہ...... وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے میری شکل تک سے متنفر ہے۔ تمہارے کہنے پر صبا میں نے اسے اپنی چاہت کے بارے میں بتا دیا تھا مگر وہ کسی صورت مجھے اپنانے کو تیار نہیں۔" شارق نے پھر پوری روئیداد اسے سنا دی۔

"شارق! کہیں زیب میجر خرم سے تو منگنی نہیں کر رہی؟" صبا کا دل لرز اٹھا اندیشے سر اٹھانے لگے۔ وہ بتا جو نہیں رہے تھے۔

"نہیں...... نہیں صبا! وہ نہ تو میرے اندازے کے مطابق خرم نکلا نہ ہی راحیل ہے۔ بلکہ ایک تیسرے شخص کو پھنسا کر اس کی دولت سمیٹنا چاہتی ہے وہ۔" تبھی اس سے بیاہ رچا رہی ہے۔ مگر صبا! میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں زیب کو بڑی شدتوں سے دل و وجود کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں۔ میں نہیں جی پاؤں گا اس کے بغیر۔" وہ کراہنے لگے۔

صبا کا دل اس کی بے بسی پر کڑھنے لگا اس نے جھک کر شارق کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اچانک بالکل غیر متوقع طور پر شارق نے اس کے کاندھے میں منہ چھپا لیا اور سسکیاں لینے لگے۔

"اف شارق......" صبا ان کو یوں بلکتا دیکھ کر دنگ رہ گئی پھر اس کی اپنی آنکھیں بھی بھیگتی چلی گئی تھیں۔

شارق کتنی دیر تک اپنی ناتمام آرزوؤں کا ماتم کرتے رہے۔ پھر صبا نے اٹھ کر ان کا منہ صاف کیا ہونٹوں کو گیلے تولیے سے تھپتھپا کر جما ہوا خون اتارا پھر گولیاں زبردستی کھلا کر سونے کی تاکید کی۔ اور ان کا سر سہلاتی رہی۔

○●○

بیگم مراد...... زیب کی منگنی کے سلسلے میں شارق کو بہت سے کام سونپنا چاہتی تھیں تبھی ان کی منتظر تھیں مگر وہ رات بھر گھر نہیں آئے تھے اور وہ خاصی پریشان ہو رہی تھیں۔ پھر جب دوسرا دن بھی گزرنے لگا تو وہ گھبرا گئیں۔

"صائمہ بیٹی! مل فون کرو اور جاوید یا شہزاد سے پتہ کرو شارق وہاں نئی مل میں تو رات کو نہیں رک گئے تھے۔ وہ ابھی تک گھر کیوں نہیں آیا ہے؟"

"امی! رضا بھیا وہاں مل وغیرہ میں نہیں ہیں۔ جاوید صاحب صبح سے یہاں کام وام کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا تھا۔" صائمہ آہستہ سے بولی۔

"تو پھر کہاں چلا گیا ہے مجھے تو اس نے بہت پریشان کر دیا ہے۔ کاش میں اپنی زندگی میں ہی اسے ایک بار پھر گھر بار والا کر دیتی۔ اس لڑکے نے تو خود کو بری طرح سے برباد کر ڈالا ہے۔ ایک تو نشہ کرنے لگا ہے پھر دو تین روز سے اس کی طبیعت بھی خراب تھی۔" وہ آنسو پونچھتی ہوئی بولیں۔

زیب جو سعدیہ بھابھی کے قریب بیٹھی ان سے باتیں کر رہی تھی اس کا رنگ ایک دم تمتما اٹھا۔ بے اختیار اس نے

اپنے ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا کر کاٹ لیا۔جن میں اب بھی آگ دہک رہی تھی انگارے سلگ رہے تھے۔

کل شارق سے جھگڑنے کے بعد وہ رکشے پر گھر لوٹ آئی تھی۔اس کے خاندان کے لوگ یعنی احمر بھائی سعدیہ بھابھی سیما اور دونوں بچے وہیں ڈرائنگ روم میں جمع تھے۔بڑے زور شور سے منگنی کے پروگرام بن رہے تھے۔سبھی خوش تھے۔مگر زیب ان سے ملنے کے بعد سر درد کا بہانہ کر کے اپنے بیڈ روم میں چلی آئی تھی اور سبھی لوگوں نے اس کی غیر موجودگی کو شرم سمجھتے ہوئے روکا بھی نہیں تھا۔

مگر اس کا دل بری طرح سے گھبرا رہا تھا۔وہ منہ چھپا کر روتی بلکتی رہی۔یوں دل کا بوجھ ہلکا کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ہائے شارق نے اسے کس دوراہے پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

رہ رہ کر شارق کی حرکت پر دل کڑھنے لگتا تھا۔مگر ان کا بجھا بجھا زرد لہولہان چہرہ۔آنکھوں کے سامنے آجاتا تو وہ گھبرا کر ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا لیتی تھی۔یوں تمام رات کروٹیں بدلتے گزر گئی۔

مگر شارق کا چہرہ......پھر اپنے منہ پر ان کے تپتے گرم سانسوں کی تپش نے اس کے وجود کو لرزیدہ کیا۔

''یہ تم نے کیا کیا شارق! میرے ان چھوئے وجود میں کیسی جوالا بھڑکا دی ہے میں کیوں بھسم ہوتی جا رہی ہوں؟ مجھے کن انجانے جذبوں سے روشناس کروا کر میرے ہونٹوں کی پاکیزگی پائمال کر دی ہے۔یہ حق تمہیں تو کسی نے دیا ہی نہ تھا۔شارق......''اس نے بڑے کرب و بے بسی سے پکارا اور تکیے میں منہ چھپا لیا۔

ایک انجانی آگ نے اس کے وجود کو سلگا یا جھلسایا ہوا تھا۔پھر بے اختیار اس کا دل چاہا کہ ابھی اٹھ کر جائے اور بیگم مراد سے جا کر صاف کہہ دے کہ وہ اسلم سے منگنی نہیں کرنا چاہتی۔خدارا ان تمام ہنگاموں کو روک دیا جائے۔مگر وہ ایسی جرأت نہ کر سکی۔یونہی خواب کے عالم میں دن نکلا اور غروب بھی ہونے لگا۔مگر وہ سب کے سامنے ایک بت کی طرح سے خاموش بیٹھی رہ گئی تھی۔وہ لوگ خاصہ اہتمام کر کے بیٹھے تھے۔

''صائمہ......فرحت......جاؤ بھئی زیب کو تیار کر کے دلہن بنا کر لے آؤ۔میرا تو دل چاہتا تھا کہ خوب دھوم دھام سے اپنی زیب بیٹی کی منگنی کرتی لیکن فرید بھائی کی طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے کچھ اہتمام نہیں کیا۔خیر شادی پر ان شاء اللہ دل کے سب ارمان نکالوں گی۔'' بیگم مراد، سعدیہ احمر سے کہنے لگیں۔

سبھی لوگوں نے نئے اور خوبصورت کپڑے پہنے تھے۔اہتمام سے تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں جمع تھیں۔پھر صائمہ اور فرحت، زیب کو دلہن بنا کر سجا کر لے آئیں۔ان دونوں نے ایک ہی دن میں کپڑوں اور زیورات کا انتظام کر لیا تھا۔روپے پیسے کی کمی تو نہ تھی جو کوئی مشکل آڑے آتی۔

زیب ہال میں موجود لوگوں کے درمیان گھری ہوئی تھی سرخ ٹشو اور جامہ دار کے بھاری کام والے غرارہ قمیص میں وہ گھونگھٹ نکالے زیورات پہنے بے حد حسین لگ رہی تھی۔پیشانی پر جگمگاتا ہوا ٹیکا اس کی دلکشی میں اضافہ کر رہا تھا۔

کامران اور گڑیا، احمر کے بچے اپنی پھوپھی زیب کو بار بار جھانک کر دیکھتے تھے۔وہ نئے لباس پہنے خوشی سے کھلکھلاتے پھر رہے تھے۔راحیل اور جاوید ابھی بھی ہال کو رنگ برنگی جھنڈیوں پنیوں اور غباروں سے سجا رہے تھے۔پھر سیما کی خوشی تو قابل دید تھی۔وہ ڈبل شیڈ کے آٹھ کلیوں والے کھلے کرتے پاجامے میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی اور راحیل و جاوید کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔

''کیوں بھئی یہ تم کیوں اتنی خوش ہو رہی ہو بھلا؟'' جاوید نے سیما کو اگرچہ سر سے پاؤں تک ستائشی نظروں سے دیکھا تھا۔ مگر چھیڑنے سے باز نہیں آئے۔

''کیوں...... میری بہن کی منگنی ہے تو میں خوشی بھی نہ مناؤں؟'' سیما نے منہ بنایا۔

''ہاں بھئی ضرور مناؤ خوشی۔ مگر پرائی منگنی پر اتنی خوشی تو احمقوں کو ہوتی ہے۔ ہاں اگر تمہاری اور ہماری منگنی ہو رہی ہوتی تو ہم بھی آپ کی طرح چھلانگیں لگاتے پھرتے۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''واہ آپ سے منگنی ہو گی میری...... ہونہہ منہ دھو کر آیئے۔'' سیما نے چڑایا۔

''سیما بی! میں تو بغیر منہ دھوئے ہی چاند کا ٹکڑا لگ رہا ہوں۔ اب جا کر منہ دھو لیا تو لوگ کہیں گے۔ اے بی دلہن تو بس معمولی واجبی شکل کی ہے۔ جبکہ دولہا جاوید میاں تو چاند ہے شہزادہ ہے۔'' نہ جانے اس لڑکے کو لڑکی میں کیا خوبی نظر آئی جو منگنی و شادی کے لیے تیار ہو بیٹھا۔ وہ ناک پر انگلی رکھ کر زنانی آواز میں بول رہا تھا۔

''واہ جی...... بڑی خوش فہمی ہے اس لڑکے کو؟'' سیما اس کا مطلب سمجھ کر سرخ ہو گئی۔

''جی جناب یہ لڑکے کو تو بہت سی خوش فہمیاں ہیں یہ تم کس فہمی کا ذکر کر رہی ہو؟'' جاوید اکڑ کر بولا۔

''ہونہہ...... خوامخواہ کی خوش فہمی میں بتلا ہیں جناب۔'' وہ باہر کھسکنے لگی تو جاوید نے بڑھ کر ہاتھ تھام لیا۔

''یہ تم بھاگ کہاں رہی ہو؟ بس بی سیما بہت دے لیے ہیں امتحان۔ تم ہمارا شکریہ ادا کرو کہ تمہیں گریجویٹ کروا دیا ہے۔ سعد یہ بھابھی اور احمر بھائی تو مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میاں جاوید! تم آج ہی شادی کر لو۔ مگر میں نے سوچا بیچاری سیما کو تھوڑی مہلت دے دو کہ بڑا شوق ہے اسے سیما رحمان! بی اے لکھنے کہلوانے کا۔ تبھی ترس کھا کر تمہاری جان بخشی کر دی تھی۔ ورنہ تو تم باقاعدہ اب تک میری بیگم بن چکی ہوتیں۔'' وہ اترائے۔

''جاوید صاحب! یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' سیما نے جھنجھلا کر ہاتھ چھڑایا۔

''بدتمیزی کیسی...... ارے محترمہ ہم حقیقت بیان کر رہے ہیں۔'' جاوید نے قریب ہو کر کہا۔

''ویسے سچ تو یہ ہے سیما بی! کہ تمہارے گھر والوں کو تمہاری ضرورت ہی نہیں پڑی بے قدری ہو رہی ہے تمہاری۔ بس میں نے مذاق مذاق میں رشتہ کیا مانگ لیا کہ جھٹ احمر بھائی بولے۔ جاوید میاں یہ تو ہم پر تمہارا بہت احسان ہو گا۔ خدارا تم آج ہی سیما کو ڈولی یا کار میں بٹھا کر لے جاؤ۔'' جاوید کی نظریں سیما پر جمی تھیں پھر وہاں زلزلے و برسات کے آثار دیکھ کر وہ بمشکل ہنسی ضبط کر رہا تھا۔

ایک دم سیما نے اپنا بازو آنکھوں پر رکھا اور زار و قطار رونے لگی اور آواز بھی خاصی بلند تھی۔ تب جاوید میاں کی سب شوخی ہوا ہو گئی۔

''ارے...... رے سیما! میں تو مذاق کر رہا تھا۔ ویسے چھیڑ رہا تھا تمہیں۔ خدا کے واسطے چپ ہو جاؤ دیکھو وہ صائمہ باجی اور راحیل ادھر آ رہے ہیں۔'' وہ بری طرح گھبرا گیا۔ مگر سیما وہیں سیڑھیوں میں بیٹھ کر روتی ہی رہی اور جاوید کی جان پر بن گئی۔

''اے لڑکی! چپ ہو جاؤ نا کیوں سب سے مار لگواؤ گی مجھے؟'' اس نے منت کی۔

''جاوید بھائی! یہ سیما کیوں رو رہی ہے کیا بات ہوئی ہے؟'' صائمہ حیران ہو کر رک گئی۔

''وہ...... وہ صائمہ باجی! بب...... بات یہ ہوئی...... کہ میں نے ان سے کہا...... ہائے ہائے...... کیا والدین اسی دن کے انتظار میں بیٹیوں کو پال پوس کر جوان کرتے ہیں کہ میرے جیسے غیر نوجوانوں کے ساتھ دو بول پڑھوا کر رخصت کر دیں؟ اللہ جانے اجنبی لوگ حشر کیا کرتے ہوں گے بیچاری لڑکی کا۔

بس سیما نے رونا شروع کر دیا۔ جی سچ بات تو صرف اتنی سی ہوئی تھی ہا...... ہاں......'' وہ جلدی سے بولا۔

''واہ بھئی جاوید! آپ تو بڑے ہی عقلمند ہیں بھلا یہ کٹنیوں مراثیوں جیسی باتیں زیب دیتی تھیں آپ کو؟ راحیل نے خفگی سے کہا۔ اور صائمہ جھک کر سیما کو پیار سے اٹھا کر بہلاتی ہوئی اپنے ساتھ لے گئیں۔ اور جاوید کھسیانی سی شکل بنائے سر میں کھجلی کرنے لگا۔ کمبخت جوئیں پڑ گئی ہیں کیا؟ وہ سر پر تھپڑ لگا کر بڑبڑایا۔

○●○

شارق رات بھر صبا کے ہاں رہے تھے۔ ان کے چہرے کے زخموں پر ورم ہونے کے ساتھ ساتھ تیز بخار بھی ہو گیا تھا۔ صبا نے رات آنکھوں میں کاٹتے ہوئے تیمارداری کی تھی۔ صبح بھی ان کی آنکھ بمشکل کھلی بخار تیز ہی تھا۔ سو صبا نے انہیں بستر سے باہر نہ نکلنے دیا۔ مگر شام ہوتے ہی ان کی بے قراری میں اضافہ ہو گیا۔

''آج زیب کی منگنی ہے۔ تو کیا وہ چپ چاپ اسلم کے نام کی انگوٹھی پہن لے گی؟'' یہی خیال اس قدر سوہان روح تھا کہ شارق، صبا کے روکنے کے باوجود گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک موہوم سی خواہش و امید تھی کہ شاید زیب نے منگنی سے انکار کر دیا ہو۔

شارق جب گھر پہنچے تو ان کا سر بری طرح سے چکرا رہا تھا۔ انہوں نے کار روکی بمشکل باہر نکلے اور لڑکھڑاتے ہوئے اندر کی طرف بڑھے ہی تھے کہ دوسری طرف سے پورچ میں کار رکی اور ایک لمبے سے خوبرو مرد کو اس میں سے اترتے دیکھ کر رک گئے۔ بلکہ گھنے پودوں کی آڑ میں ہو گئے۔

''ارے اسلم میاں آپ...... آپ نے تو اگلے ہفتے آنا تھا؟'' ان کا پرانا ملازم رحمت اپنے چھوٹے مالک کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ فرید انکل کا بیٹا تھا۔

''بس رحمت بابا! کام کو جلدی جلدی نپٹا کر میں بھاگا چلا آیا ہوں۔ ہم نے سوچا ہماری منگنی کہیں ہماری غیر موجودگی میں نہ کر دی جائے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''تو میاں جلدی سے اندر جائیے۔ آپ کے ابو، زیب بی بی کو انگوٹھی پہنانے لگے ہیں۔'' رحمت نے ہنس کر بتایا۔

تو اسلم تیزی سے اندر بھاگا۔

''اچھا تو منگنی کی رسم ہو رہی ہے اور یہ ہے وہ خوش نصیب اسلم؟'' شارق کی سانس رک رک گئی وہ سر پکڑ کر واپس کار میں گر گئے۔

اسلم دوڑتا ہوا ہال میں پہنچا تو انگوٹھی پہنانے کی رسم ادا ہونے کی تیاری ہو رہی تھی۔

''پلیز ڈیڈی! ٹھہر جائیے۔'' اسلم نے باپ کو انگوٹھی لے کر زیب کی طرف بڑھتے دیکھا تو زور سے چلایا۔ سب نے بے ساختہ دروازے کی طرف دیکھا اور پھر سب اسلم کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''بھیا......'' فرحت چیخی پھر چھلانگ لگا کر بھاگتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔ خود زیب نے بھی ایک دم سر اٹھا کر اس

خوبرو سے مرد کی طرف دیکھا اس کی نظریں اسلم کی نظروں سے الجھ گئیں۔ خود اسلم نے بھی پسندیدگی بھری نگاہ سے اسے دیکھا اور زیب کا سر جھک گیا۔

''کیوں بھیا! کیسی ہے میری بھابھی؟'' اسلم کو مدہوش سا پا کر فرحت نے خوش ہو کر پوچھا۔

''بہت پیاری ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اچھی ہیں۔ بھئی تمہاری پسند بری ہو ہی نہیں سکتی تھی۔'' وہ ہنستے ہوئے سنبھل کر بزرگوں کی طرف بڑھا سب سے ملنے کے بعد صائمہ اور فرحت نے انہیں پکڑ کر زیب کے ساتھ صوفے پر بٹھا دیا۔

''کیوں صائمہ باجی! کیا میں انہیں دیکھ سکتا ہوں؟'' اسلم نے ہنس کر پوچھا۔

''جی بالکل نہیں شریفانہ طریقے سے بیٹھ رہو۔'' صائمہ نے مسکرا کر کہا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اسلم نے زیب کو اور لرزتے ہاتھوں سے زیب نے اسلم کو انگوٹھی پہنا دی۔ تو مبارک سلامت کا شور مچ گیا۔

''زیب باجی! ہمارے اسلم بھائی تو بہت اچھے سے ہیں۔'' سیما نے زیب کے کان میں سرگوشی کی۔

''یہ محترمہ کون ہیں جو ان کے کان میں لگائی بجھائی کر رہی ہیں؟'' اسلم نے سیما کی طرف اشارہ کیا۔

''جناب! ذرا سوچ سمجھ کر ادب سے بات کریں یہ آپ کی اکلوتی سالی سیما ہیں۔'' فرحت نے ہنس کر کہا۔

''اچھا...... ہماری سالی تو ماشاء اللہ بڑی پیاری ہیں۔ کیا ان کی بہن بھی ان جیسی ہے کیا؟'' اسلم نے چھیڑا۔

''واہ...... میری باجی تو مجھ سے ہزار درجے بہتر ہیں اسلم بھائی۔'' سیما بھی ہنس دی۔

''اچھا...... تو میں انہیں دیکھ کر فیصلہ کرتا ہوں۔'' اسلم جھک کر زیب کو نگاہوں میں شوق سمیٹے دیکھنے لگا۔ جبکہ زیب کے دل و دماغ میں بگولے سے اٹھ رہے تھے ایک ناممکن سی خواہش دل میں ابھرتی اور دم توڑ دیتی تھی۔ ہائے یہ میرے خیالات میں اتنی شدتوں سے تبدیلی کیسی آ رہی ہے۔ کیوں مجھے شارق ہر سو نظر آ رہے ہیں۔

''اے کاش اس وقت اسلم کی جگہ شارق نے مجھے انگوٹھی پہنائی ہوتی؟'' اس نے اپنے ہونٹ کچل ڈالے۔

''آیئے صاحبان! اب کچھ کھانے پینے کا پروگرام ہو جائے۔'' راحیل نے آ کر کہا۔

''ہائے ڈاکٹر راحیل! اب یہاں بھوک کسے لگی ہے۔ دلہن کی شکل دیکھتے ہی پیٹ بھر گیا ہے۔'' اسلم نے ہنس کر کہا۔

''سیما بیٹی! تم زیب کو اب کمرے میں لے جاؤ تھک گئی ہوگی اسے آرام کرنے دو۔'' بیگم مراد، صائمہ کا سہارا لے کر آئیں اور زیب کو گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے دعائیں دیں۔

''امی جان......'' نہ جانے کیوں زیب کی چیخیں نکل گئیں وہ ان سے لپٹ گئی۔ بیگم مراد بھی اسے لپٹا کر رونے لگیں۔

وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ جانے زیب کو کس چیز کا دکھ تھا جس کا وہ اظہار نہیں کر سکی تھی۔ مگر اب وہ آنکھوں سے چشموں کی طرح ابل رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ بے حال ہو چکی تھی۔ احمر اور خان صاحب کو راحیل ڈائننگ روم میں لے جا چکے تھے۔ جبکہ اسلم ماں سے باتیں کرنے کے لیے رک گیا تھا اور اب اپنی منگیتر کو یوں بلکتے دیکھ کر پریشان ہو رہا

تھا۔

''زیب بیٹی! حوصلہ رکھو خود کو سنبھالو۔'' امی نے چمکارا مگر آنسو روانی سے بہتے رہے۔

''جانے یہ کچھ پانے کا غم تھا۔ یا کچھ کھونے کا۔'' دل کے تقاضوں کو وہ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ پختگی بھی نہیں تھی سوچ میں۔

''اسلم بیٹے...... فرحت! کوئی بھاگ کر پانی لاؤ زیب بیہوش ہو گئی ہے۔'' امی نے گھبرا کر کہا تو سعدیہ نے لپک کر اس کا بھاری دوپٹہ چہرے سے ہٹا دیا اور زیب کو پکارنے لگی۔

''ہٹئے...... یہ پانی لیجیے۔'' اسلم گلاس اٹھائے بھاگتا ہوا آیا۔

زیب کو صوفے پر لٹا دیا گیا تھا۔ سیما اور سعدیہ پریشانی کے عالم میں اس کے ہاتھوں کو مل رہی تھیں۔ زیب کے چہرے کو اب بغور اور بے حجاب دیکھ کر اسلم کے دل و دماغ کو جھٹکا سا لگا تھا۔ پہلے تو گھونگھٹ کی وجہ سے اچھی طرح نہیں دیکھ پایا تھا۔

''یہ شکل...... بہت جانی پہچانی سی لگتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے میں نے انہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ لیکن کہاں؟'' وہ گلاس ہاتھ میں تھامے سوچنے لگا۔

''اسلم بھائی! بعد میں غور لیجیے گا پہلے انہیں ہوش میں لانے کی تو تدبیر کیجیے۔'' فرحت کی آواز سن کر وہ ہوش میں آ گئے۔

''کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟'' راحیل دوڑتے ہوئے واپس آئے سیما بہن کا ہاتھ پکڑے روئے جا رہی تھی۔

''سیما کوئی فکر کی بات نہیں۔'' راحیل جھک کر نبض دیکھنے لگے۔

''آپ لوگ یہاں سے ہٹ جائیں۔ اسلم میاں! آپ احمر بھائی کے پاس جائیں۔ یہاں ان کے پاس صرف صائمہ کو رہنے دیجیے۔ بلکہ میں انہیں صائمہ کے بیڈ روم میں لے جاتا ہوں۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' راحیل نے زیب کو اٹھایا اور صائمہ کے ہمراہ اوپر آ گئے۔ پھر انہوں نے زیب کو انجکشن دیا۔

''زیب! آنکھیں کھولو زیب۔'' راحیل نے پکارا۔

''راحیل! اسے کیا ہو گیا ہے؟'' صائمہ زیب کا ہاتھ سہلاتے ہوئے پریشان ہو رہی تھی۔

''صبر...... صبر...... تمہیں ابھی پتہ چل جائے گا ذرا یہ لڑکی ہوش میں تو آ لے؟'' راحیل نے انگلی سے صائمہ کے آنسو صاف کیے۔

''شا...... رق...... اف شا...... رق......'' زیب نے سر کو جھٹکتے ہوئے پکارا۔

''لو سن لو صائمہ جان! زیب کو شارق ہو گیا ہے۔'' راحیل نے ہنس کر بدحواس سی صائمہ سے کہا۔

''مگر...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ دنگ رہ گئی تھی۔

''بس اللہ کی مرضی ہے۔ ویسے مجھے پہلے ہی شک تھا۔'' راحیل اپنے اندازے کے صحیح ہونے پر اترا گئے۔

''اے زیب بی! جاگو آنکھیں کھولو اور میری طرف دیکھو۔'' وہ ہنس کر بولے۔

زیب نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور جھکے ہوئے راحیل کو غور سے دیکھتے ہوئے غنودہ لہجے میں بولی۔

''نہیں شارق! میں آپ کو نہیں مرنے دوں گی۔ مجھے...... مجھے معاف کر دیجیے۔'' وہ راحیل کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

''اچھا...... اچھا بے بی! سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' راحیل نے سر تھپتھپا کر تسلی دی اور صائمہ کو خاموش ہی رہنے کا اشارہ کیا۔ جلد ہی زیب کی آنکھ لگ گئی ڈاکٹر راحیل نے سہولت سے اسے لٹا دیا اور کمبل اوڑھا کر مڑے۔

''یہ کیسے ممکن ہوا۔ رضا ہمیشہ زیب کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔ خود زیب بھی ان سے خائف رہتی تھی۔ ہائے ہم تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔'' صائمہ چکرا رہی تھی۔

''یار! رضا تو ہر عورت سے بری طرح سے پیش آتے رہے ہیں تو پھر زیب بیچاری کس کھاتے میں تھی۔ وہ اپنے پہلے ناز یہ والے تجربے سے جو بد کے ہوئے تھے بہر حال یہاں زیب کے معاملے میں شارق جیسا پتھر بھی پگھل کر رہ گیا تھا۔ مگر اب تو زیب کے ہاتھ میں اسلم کے نام کی انگوٹھی پہنا دی گئی ہے۔ منگنی کس بنا پر توڑی جائے۔''

''اب کیا ہوگا راحیل؟'' صائمہ نے زیب کا ہاتھ اٹھایا جس میں منگنی کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔

''سنو صائمہ! اگر یہ منگنی نہ ٹوٹی تو بہت برا نتیجہ نکلے گا۔ کیونکہ شارق بری طرح ان کی محبت میں گرفتار ہیں اور پھر اپنے بھائی کی انتہا پسندی سے تو تم واقف ہی ہو؟ مر جائے گا اور مار بھی جائے گا۔ ویسے صائمہ! ابھی تم اس راز کو کسی پر مت کھولنا۔ میں ذرا رضا کو اچھی طرح ٹٹول لوں۔ پھر ہم دونوں مل کر کچھ کریں گے۔'' راحیل اٹھ کھڑے ہوئے۔

''تم آؤ...... یہ تو اب صبح تک سوتی رہے گی۔'' راحیل پریشان صائمہ کا ہاتھ پکڑے نیچے کھانے کے کمرے میں آ گئے۔ تو سب لوگ متوجہ ہو گئے وہ زیب کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔

''گھبرانے کی کوئی بات نہیں آپ سب لوگ آرام سے کھانا کھائیے۔ زیب کو نیند کا انجکشن لگا کر آیا ہوں۔'' وہ بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔ ''زیب دراصل کچھ ٹنشن میں تھی ایکسائنڈ الگ تبھی چکرا گئی۔'' راحیل نے سب کو تسلی دی۔

''کیا بات ہے اسلم میاں! آپ پہلے تو خوب چہک رہے تھے یہ منگنی کروانے کے بعد خاموش کیوں ہو گئے ہیں؟'' جاوید نے ہنستے ہوئے کہا۔

''گھبراؤ نہیں اسلم! آپ کی منگیتر بالکل ٹھیک ہیں۔'' راحیل نے بتایا پھر صائمہ کو اپنی طرف خفگی سے دیکھتا پا کر مسکرا دیئے۔ کھانا کھانے کے بعد اسلم تھکاوٹ کا بہانہ کر کے کمرے میں چلے گئے۔ وہ جوں جوں اس خیال کو دماغ سے جھٹکنے کی کوشش کرتے۔ ویسے ویسے یہ خیال اور جڑ پکڑتا جا رہا تھا۔ کہ انہوں نے زیب کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ یہ چہرہ جانا پہچانا سا ہے؟ کوئی حادثہ کوئی واقعہ ضرور منسوب ہے زیب کی ذات سے۔

''لیکن کب...... اور کہاں...... کہاں دیکھا ہے؟'' انہوں نے جھنجلا کر پیشانی پر ہاتھ مارا۔ وہ پھر تمام رات کروٹیں بدلتے اور سگریٹیں پیتے رہے تھے۔ پھر پچھلے پہر کہیں آنکھ لگی ہی تھی کہ فرحت نے آ کر جگا دیا۔ ابھی تو صرف آٹھ بجے تھے کیا افتاد ہوئی ہے بھئی۔

''ارے بھیا! کیا آپ رات کو سوئے نہیں۔ اف کتنے ڈھیر سارے سگریٹ پی ڈالے ہیں۔ دھواں دھواں ہو رہا ہے۔'' فرحت نے کھڑکی کھولتے ہوئے کہا۔ ''آپ کے کسی دوست دلاور خان کا فون آیا ہے؟''

''دلاور خان کا فون ہے؟'' وہ حیران ہو کر اٹھے پھر ٹی وی لاؤنج میں پڑا فون اٹھا لیا۔

''ہیلو دلاور! تم ہو۔ یار تمہیں میری یہاں موجودگی کا کیسے پتہ چلا؟''

''اسلم! کل میں نے پشاور فون کیا تو وہاں تمہارے منیجر نے بتایا کہ تم یہاں منگنی کروانے آئے ہو؟ مبارک ہو دوست! مگر تم تو اس خوشی کے موقع پر ہمیں مدعو کرنا بھول ہی گئے؟'' اس نے شکوہ کیا۔

''نہیں دلاور! دراصل یہ سب کچھ بہت جلدی میں ہوا ہے ڈیڈی امی تو میرے بغیر ہی منگنی کی رسم کر رہے تھے۔''

''خیر کوئی بات نہیں۔ تو پھر تمہاری منگنی کی خوشی میں آج کی دعوت ہماری طرف سے ہوگی۔ پھر تمہیں اپنے مخصوص اڈے یعنی چھمو بائی کی طرف لے چلیں گے۔ یار وہ مسرت تمہیں بہت یاد کرتی ہے۔ تم تو ایک چاقو کھا کر ہی ہمت ہار بیٹھے ہو۔ دوست یہ تو یاد کرو سوچو کہ چاقو مارنے والی کتنی قاتل پری وش تھی۔ ہائے ہائے جب بھی وہ ظالم حسینہ یاد آتی ہے دل تڑپ اٹھتا ہے۔

واہ کیا کافر جوانی تھی ہوش ربا حُسن تھا۔ پر نہ جانے کہاں غائب ہوگئی ہے وہ ظالم! اب تک اس ساحرہ کی صورت نگاہوں میں پھرتی رہتی ہے۔'' دلاور نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

یکا یک اسلم کی بھنویں جڑ گئیں چہرہ سفید پھر سرخ ہو گیا۔ ساتھ ہی اس کی نظر سامنے سیڑھیاں اترتی ہوئی زیب پر پڑیں۔ جو سیاہ ساڑھی پہنے اس کی موجودگی سے بے خبر کچھ سوچتی ہوئی نیچے اتر رہی تھی۔ تب اسلم کے ذہن سے پردے ہٹتے چلے گئے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سیاہ ستاروں والی ساڑھی میں ملبوس ایک چہرہ جگمگایا۔ جس نے ہاتھ میں چاقو پکڑا ہوا تھا۔ ریسیور اسلم کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش سے ٹکرایا تو زیب نے چونک کر دیکھا۔ پھر اسلم کو دیکھ کر گھبرا کر واپس پلٹ گئی۔ اور اسلم وہ تو گویا بت بنا کھڑا تھا۔ نگاہوں کے سامنے سے گویا پردے ہٹتے جا رہے تھے۔

''اسلم بیٹے! کیا بات ہے؟'' فرید خاں صاحب، نسیمہ بیگم سمیت وہیں آ گئے تھے۔ اسے سکتے میں دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''کک...... کچھ نہیں ڈیڈی! وہ میرے ایک دوست کا فون تھا۔'' وہ سنبھل کر بولا تو نسیمہ بیگم نے کہا'' کہ وہ کپڑے بدل کر جلدی آئے اور ناشتہ کر لے'' لیکن اسلم نے سر درد کا بہانہ کرتے ہوئے کمرے کا رخ کیا اور آ کر بستر پر گر گیا۔

''اب یہ بات تو طے تھی۔ یقینی تھی کہ زیب وہی لڑکی ہے...... مگر میرے خدا...... وہ اس دن چھمو بائی کے کوٹھے پر کیوں گئی تھی؟ کیا وہ...... وہ آبرو باختہ عورت ہے؟ کیا...... کیا وہ پیشہ ور ہے؟''

''نہیں...... نہیں...... ڈیڈی تو کہتے ہیں کہ وہ زیب کے خاندان سے واقف ہیں زیب کے والد ان کے دوست تھے۔ مگر ڈیڈی کو بھی تو ان سے ملے اٹھارہ انیس سال گزر چکے ہیں۔ پتہ نہیں والدین کی وفات کے بعد۔ درمیانی عرصہ میں وہ کیا کچھ کرتی رہی ہو۔ اب آنٹی اور صائمہ بھی کہہ رہی تھیں ان کے حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ احمر کی بینائی جانے کے بعد زیب ہی ان کا سہارا بنی رہی۔ ممکن ہے کہ وہ...... وہ بھابھی اور بھائی کو اپنی ملازمت کے جھوٹے قصے سناتی رہی ہو اور...... اصل میں وہ چھمو بائی کے پاس یہ گندا کاروبار کرتی ہو؟'' یہ سوچتے ہی اسلم کے بدن میں آگ لگ گئی۔

''ہاں...... یونہی ہوگا ورنہ وہ چھمو بائی کے ہاں کیسے گئی۔''

''اسلم جانی! تم اس پری وش سے ایک چاقو کھا کر ہمت ہار گئے ہو۔ یار! یاد کرو کہ چاقو مارنے والی کتنی غضب ناک

تھی۔ ہائے کیا جوانی تھی جو بن تھا۔" اسے دلاور کی باتیں یاد آنے لگی تھیں۔

"نہیں......نہیں ایسا نہیں ہوسکتا میں زیب کی وجہ سے اپنے دوستوں کے مذاق و تمسخر کا نشانہ نہیں بننا چاہتا۔ نہ ہی یہ برداشت کرسکتا ہوں کہ کوئی آبرو باختہ عورت میرے نام سے منسوب ہو۔ وہ......وہ دلاور جب زیب کو دیکھے گا تو کیا سوچے گا؟" وہ سگریٹ پھونکتا ٹہلتا رہا کہ ملازم نے آ کر بتایا سب کھانے پر اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اسلم کپڑے بدل کر ڈائننگ روم میں پہنچا۔ میز کے گرد سبھی لوگ سمیت زیب کے موجود تھے اسلم سامنے بیٹھ گیا اور بمشکل کھانا کھانے لگا۔

"اسلم بیٹے! یہ آپ کے بازو پر زخم کا گہرا نشان کیسا ہے؟" کھانا کھاتے ہوئے بیگم مراد کی نظر پڑی۔

"جی......یہ زخم......" چھوٹے بازوؤں والی شرٹ میں وہ لمبا سا گھاؤ صاف نظر آ رہا تھا۔ اسلم نے صائمہ کے ساتھ بیٹھی زیب کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے راز منکشف کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اس رشتے سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔

"آنٹی! اس زخم کا قصہ آپ زیب صاحبہ سے پوچھیے یہ بہتر طریقہ سے بتا سکیں گی۔" وہ طنز سے بولا۔

"زیب بتائیں گی؟" سب حیران رہ گئے۔ خود زیب نے بھی چونک کر اس کے چہرے کو تکا۔

"جی ہاں......یہ زخم مجھے انہیں کے ہاتھوں سے لگا ہے۔ انہوں نے چاقو سے مجھے زخمی کیا تھا؟" وہ زیب کے تاثرات غور سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ زخم......مم......میرے ہاتھوں سے آ......آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" زیب کے ہاتھوں سے چمچہ چھوٹ کر پلیٹ میں گرا۔

پھر زیب کو جیسے جھٹکا لگا وہ حیران نظروں سے اسلم کو دیکھنے لگی۔ شناسائی کے رنگ نمایاں ہونے لگے۔

"آ......آپ......" وہ ہکلا کر بولی۔ پھر زیب بری طرح سے پریشان ہوگئی۔

"ہاں......میں میرا خیال ہے کہ آپ مجھے اچھی طرح سے پہچان چکی ہیں؟" اسلم نے زہریلے انداز میں مسکرا کر کہا۔ تو زیب گھبرا کر کھڑی ہوگئی اور کرسی ہٹا کر جانے لگی تھی کہ رکنا پڑا۔

"زیب......ٹھہریئے محترمہ! میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ ایسے نہیں جاسکتیں۔" اسلم نے راستہ روک لیا۔

"یہ......یہ سب کیا چکر ہے۔ اسلم تم کیا ڈرامہ کر رہے ہو؟" فرید خان اور راحیل اکٹھے بولے۔

"ڈیڈی! میں ابھی جس سچائی کو بے نقاب کروں گا اس کی وجہ سے میں تو یقیناً آپ سب کی نظروں سے گر جاؤں گا۔ مگر اس سے زیادہ جو بات قابل ندامت اور مشکوک ہے وہ میں اپنی منگیتر صاحبہ سے پوچھنا اور وضاحت چاہتا ہوں؟" وہ سختی سے بولا۔

"میری بات سنو زیب! سچ بتاؤ کہ تم چھمو بائی کو کیسے جانتی ہو؟ تمہارا اس طوائف مسرت اور ریشم سے کیا تعلق ہے؟" وہ توہین آمیز لہجے میں بولا تو وہ پریشان ہوگئی۔ اور گھبرا کر سب کو دیکھنے لگی۔

"نہیں......مم......میں کسی چھمو بائی کو نہیں جانتی ہوں۔ آپ......آپ مجھ سے ایسے گھٹیا سوالات کیوں کر رہے ہیں؟"

''اسلم! یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم؟'' راحیل نیپکن پھینک کر غصے سے سلگ گیا۔

''راحیل بھائی! آپ کا غصہ بجا سہی لیکن جب تک زیب صاحبہ مجھے مطمئن نہیں کر دیتیں مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہماری منگنی قائم نہیں رہ سکتی۔'' وہ انگوٹھی اتار کر بولا۔

''ڈیڈی یہ لڑکی صحیح نہیں ہے بلکہ پیشہ ور ہے۔''

''اسلم تم ہوش میں تو ہو؟'' فرید خان نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ سبھی لوگوں کا غصے اور صدمے سے رنگ بدل گیا تھا۔

''میں سچ کہتا ہوں ڈیڈی! میں نے آپ کی ہونے والی بہو کو اپنی آنکھوں سے چھمو بائی کے کوٹھے پر دیکھا ہے۔ انہیں میرے دوست دلاور خان نے پکڑ لیا تو انہوں نے چاقو نکال کر دلاور پر حملہ کر دیا۔ جب میں بچانے کے لیے آگے بڑھا تو چاقو مجھے بھی لگا جس کا یہ نشان ہے۔ پھر جب میں پٹی کروا کر واپس آیا تو یہ اپنے کسی آشنا کے ساتھ وہاں سے جا چکی تھیں۔'' اسلم نے انگوٹھی میز پر پھینکتے ہوئے کہا۔ ''آئی ایم سوری! یہ رشتہ کسی صورت ممکن نہیں ہے۔ میں بے غیرت نہیں ہوں۔''

''اسلم صاحب! زبان قابو میں رکھیے۔'' زیب تلملا کر چیخی۔

''آپ بے بس و مظلوم لڑکیوں کے تقدس پر چھینٹے اڑانے سے پہلے یہ تو بتائیے۔ اگر میں چھمو بائی کے کوٹھے پر عزت نیلام کرنے جا ہی پہنچی تھی تو آپ جیسا شریف انسان وہاں کیا کرنے گیا تھا؟'' وہ سلگ کر بولی۔

''بس زیب! زیادہ بننے کی کوشش مت کرو۔ مجھے تمہارے دل اور آشنا کے متعلق چھمو بائی نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ اب تم اپنی شرافت کا ڈھونگ میرے والدین اور آنٹی مراد کے سامنے تو رچا سکتی ہو مگر مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتیں۔''

''چٹاخ......'' بے قابو سی زیب کا ہاتھ اسلم کے منہ سے ٹکرایا۔ وہ لڑکھڑا گیا اور بپھری ہوئی زیب کو نم سی مگر تمسخرانہ انداز سے دیکھنے لگا۔

''واہ بھئی خوب ڈرامہ رچا کر آنٹی مراد کے خاندان کو پاگل بناتی رہیں واہ بڑی شریف ہو تم؟''

''کم ظرف انسان! تمہیں ہمت کیسے ہوئی کہ میری ذات پر کیچڑ اچھالو۔'' اچانک زیب کی نظر سامنے آتے ہوئے بے خبر سے شارق پر پڑی۔ جو لڑکھڑاتے ہوئے وہیں آ گئے تھے۔ ان کا چہرہ لال بھبھوکا تھا اور ہونٹ ابھی بھی متورم تھے۔

ایک دو لمحوں کے لیے زیب کے چہرے پر نرمی چھا گئی مگر پھر سختی چھا گئی۔ وہ مڑ کر مسز مراد کے سامنے چلی گئی۔

''امی جان! ہاں...... میں چھمو بائی کے کوٹھے پر گئی تھی مجھے انکار نہیں ہے اس میں۔ ہاں گئی تھی میں۔ لیکن میں کیوں گئی تھی اور کون لے کر گیا تھا مجھے؟ تو آپ دل مضبوط کر لیجیے اس نئے انکشاف سے آپ ہل جائیں گی۔ اور یہ سب تفصیلات ان سے پوچھیے اپنے لاڈلے بیٹے سے۔'' اس نے آگے بڑھ کر شارق کا بازو تھاما اور کھینچ کر سب کے سامنے لے آئی۔

''وہاں تمہیں...... شارق...... شارق لے کر گئے تھے؟'' سب حیران رہ گئے۔

''جی ہاں...... امی جان! یہاں آنے سے پہلے میں شارق صاحب کی سیکرٹری تھی لیکن یہ میری محنت ہی نہیں میری

مجبوری بھی خریدنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بہت کوششیں کیں کہ میں اپنی عزت بیچ دوں۔ لیکن ان کے سبز باغ قیمتی تحفے بھی میرے ارادوں کو متزلزل نہ کر سکے۔ میں کسی صورت بھی ان کے سامنے جھکنے پر تیار نہ تھی۔ تو پھر یہ مجھ پر ظلم کرنے پر تل گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ بیمار بھائی اور بھتیجی کے علاج کے لیے مجھے روپوں کی اشد ضرورت رہتی ہے۔ مگر انہوں نے میری تنخواہ کم کر دی اور مجھ سے صبح سے رات سخت کام لیتے لیکن معاوضہ نہیں دیتے تھے۔ شارق صاحب جانتے تھے کہ میں مجبور ہوں اور ان کی نوکری چھوڑ کر کہیں کی نہیں رہوں گی۔ سو یہ میری مجبوری سے فائدہ اٹھاتے گئے پھر انہوں نے دھوکے سے مجھ سے ایسے کاغذات پر دستخط کروا لیے تھے۔ جس کی رو سے میں کسی بھی حالت میں تین سال تک ان کی ملازمت نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

مجھے انہوں نے پوری طرح سے پابند کر لیا اور میری ضد توڑنے کی خاطر مجھے نائٹ کلبوں میں لے جاتے۔ پھر ایک روز یہ چھمو بائی کے گھر گئے اور مجھے کار میں بیٹھے رہنے کی تاکید کر کے خود اندر چلے گئے۔ جب بہت رات گزر گئی اور یہ واپس نہ لوٹے تو میں خوفزدہ ہونے لگی۔ تبھی میرے قریب سے دو آدمی گزرے۔ جو نشے میں دھت چھمو بائی کے ہاں رہنے والی لڑکیوں کے متعلق باتیں کر رہے تھے ان کی باتیں سن سن کر مجھے شک گزرا۔ تبھی ان کے اندر جاتے ہی میں نے وہاں سے فرار ہونے کی سوچی اور چھپتی چھپاتی گیٹ تک پہنچی تو اسے بند پایا۔ وہاں پہرے دار بھی موجود تھا۔

میں واپس پلٹی تو کھلی ہوئی کھڑکی سے گھنگرو اور طبلے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اپنا تجسس مٹانے کے لیے میں نے اندر جھانکا تو اسلم صاحب اور ان کے دوست دلاور کو عیاشی میں مصروف پایا۔ میں ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ مجھے شارق پر غصہ آنے لگا جو مجھے اس دوزخ و گندگی کے ڈھیر تک لے آئے تھے۔ میں واپس جانے کے لیے پلٹی تو دلاور نے مجھے پکڑ لیا اور کھینچتا گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا۔ خود چھمو بائی بھی مجھے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ میں نے بپھر کر دلاور کی گرفت سے خود کو چھڑایا مگر جب وہ بری نیت سے میری طرف بڑھا تو میں نے چاقو نکال لیا جو میں اپنی حفاظت کے لیے چھپا کر رکھتی تھی۔ اور اس پر حملہ کر دیا۔

اسلم صاحب دوست کو بچانے کے لیے بڑھے تو یہ بھی زخمی ہوئے۔ میرا خون تو کھول رہا تھا مگر میں سب فساد کی جڑ شارق رضا کو قتل کر دینا چاہتی تھی۔ جو میری عزت و ناموس کا جنازہ نکالنے کے لیے ایک طوائف کے کوٹھے تک لے آیا تھا۔ پھر یہ شارق صاحب سب شور شرابہ سن کر نیچے آئے۔ تو میں نے انہیں چاقو مارنا چاہا مگر یہ بچ گئے اور مجھے لوگوں نے پکڑ لیا۔ یہ دلاور سے الجھ گئے تو وہاں سے باہر نکل آئی۔ یہ بھی پیچھے آ گئے مگر اپنی غلطی کا احساس کرنے کے بجائے مجھ پر الزام لگا کر لڑنے جھگڑنے لگے۔ بس پھر میں نے تب سے لعنت بھیجی ان کی ملازمت پر۔ میں نے سوچا میں بھیک مانگ لوں گی پتھر توڑلوں گی مزدوری کروں گی مگر اب ان کے آفس میں کام نہیں کروں گی۔

یوں راحیل صاحب کی بدولت آپ کے ہاں پناہ لینے چلی آئی۔ خدا گواہ ہے۔ میں بالکل بے قصور ہوں امی! اور یقین کیجیے کہ مجھے راحیل نے یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ مجھے شارق کے گھر ملازمت دلوا رہے ہیں۔ ورنہ میں کبھی یہاں قدم نہ رکھتی۔" زیب نے طویل داستان ختم کی اور بیگم مراد کے گھٹنے سے لپٹ کر رونے لگی۔

اس کے لیے تو مر جانے کا مقام تھا وہ تو سر بازار رسوا کر دی گئی تھی۔ "امی جان! آپ لوگ یہ سوچیں اگر میں کوئی بری عورت ہوتی تو کیا اپنی عزت پر حملہ کرنے والوں پر چاقو سے حملہ آور ہوتی۔ اسلم اور دلاور خان میرے ہاتھوں مرتے

مرتے بچتے۔''

''یہ...... زیب...... سچ کہہ رہی ہے نا شارق؟'' تو وہ ان کی گرجدار آواز پر کپکپا گئے۔ بیگم مراد کا ناتواں جسم کپکپا اٹھا انہوں نے زیب کو ایک طرف دھکیلا اور جوش کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئیں اور تیزی سے بیٹے کی طرف بڑھیں۔

''شارق......'' وہ چیخیں۔ انہوں نے گھبرا کر ماں کی طرف دیکھا تو جنہوں نے پوری طاقت سے ان کے منہ پر طمانچہ مارا۔ ضرب ایسی تھی کہ وہ لڑکھڑا گئے اور منہ پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگے۔ وہ تو کمزور اور ناتواں ہو چکی تھیں۔

''کمینے...... تو...... تو ننگ خاندان کاش پیدا ہوتے ہی مر گیا ہوتا۔'' انہوں نے بھرائی آواز میں کہا۔

''ہائے...... ہائے آخر تو اپنے باپ جیسا نکلا نا...... شرابی عیاش...... میرے دل کو جلانے میری زندگی کو جہنم بنانے والا ایک کیا کم تھا کہ تم بھی اس کی پیروی کر رہے ہو۔''

''نہیں پلیز...... ایسا مت کہیے امی! مت کہیے میں صرف آپ کا بیٹا ہوں۔'' شارق ان سے لپٹ گئے پاؤں پکڑ لیے۔

''نہ...... نہیں...... میرا بیٹا مر چکا ہے۔ میرا شارق مر گیا ہے۔ وہ تمہاری طرح بدکار نہیں تھا۔ وہ تو میرے سامنے سر اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ اور تم...... تم میرے بیٹے نہیں ہو میرے شارق نہیں ہو۔ وہ تو ایک بچے کی طرح پاک اور معصوم تھا۔ تمہاری طرح بدفطرت شیطان نہیں۔ ہٹ جاؤ دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔'' انہوں نے پاؤں سے ٹھوکر لگائی۔

''آج سے ہم سب تمہارے لیے مر گئے ہیں۔ ہائے یہ عزت ہے تمہاری عورت ذات کے لیے۔''

''خدارا...... امی! مجھے معاف کر دیجیے۔'' وہ گھٹنوں کے بل جھکا ان کے ہاتھ پر اپنا چہرہ رگڑنے لگا جو آنسوؤں سے تر تھا۔

''ہٹ جاؤ شارق! میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ ورنہ تمہیں دیکھ کر میں مر جاؤں گی۔ مر جاؤں گی۔'' انہوں نے دل پر ہاتھ رکھ لیا تو راحیل نے لپک کر انہیں تھام لیا۔ ''صائمہ...... میرا بیگ جلدی سے اٹھا لاؤ۔''

''نہیں...... نہیں امی! میں آپ کو زندہ دیکھنا چاہتا ہوں میں واقعی اس قابل نہیں کہ آپ کا بیٹا کہلاؤں۔ میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔'' شارق اٹھ کر باہر جانے لگے تو لڑکھڑا گئے اور اپنا سر تھام لیا۔ زیب نے گھبرا کر دیکھا وہ گرنے لگے تھے۔ قریب زیب تھی اس نے لپک کر انہیں تھام لیا۔ وہ بالکل زرد ہو رہے تھے۔

''ہوش کریں شارق...... شارق صاحب! امی جان کو تو بہت تیز بخار ہے۔'' زیب نے گھبرا کر بتایا۔ تو شارق نے سنبھل کر آنکھیں کھولیں ان میں درد و محرومی اس قدر نمایاں تھی۔ انہوں نے سنبھل کر کندھے سے زیب کے بازو ہٹائے۔

''گرنے سے بچانے اور سہارا دینے کا بہت بہت شکریہ۔'' شارق کی مسکراہٹ میں ناکام آرزوؤں کا رنگ نمایاں تھا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے باہر چلے گئے۔

''پلیز ڈاکٹر راحیل! انہیں روکیے شارق کو بہت تیز بخار ہے اور...... اور منہ پر بھی اتنی ورم ہے۔'' زیب نے کہا وہ

گویا سب شکایتیں بھول گئی تھی۔

''ہاں...... جائیں پلیز راحیل جلدی جائیں۔'' صائمہ آخر بہن تھی جھٹ اپنا تمام غصہ بھول گئی۔ جبکہ انصاف پسند بیگم مراد نے منہ موڑ لیا۔ راحیل جلدی سے باہر چلے گئے تو شرمندہ سا اسلم آگے بڑھا۔

''پلیز زیب! مجھے معاف کر دیجیے آپ؟'' اسلم نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''کیسی معافی...... نہیں اسلم صاحب! آپ نے جو کچھ بھی کیا بہت اچھا کیا ہے۔ میں واقعی آپ جیسے شریف انسان کے قابل نہیں ہوں۔'' زیب جلدی جلدی منگنی کی انگوٹھی اتارنے لگی۔ تو صائمہ کے چہرے پر سکون سا بکھر گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر زیب کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا جیسے اس کے اقدام کو سراہتے ہوئے حوصلہ بڑھا رہی ہو۔ پھر زیب کی انگلی میں پھنسی انگوٹھی اتارنے میں بھی مدد کرنے لگی۔

''نہیں...... نہیں محترمہ زیب! جو کچھ بھی ہوا ہے مجھے اس پر ندامت ہے مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔ مگر زیب قصور میرا بھی نہیں ہے آپ انصاف کیجیے پلیز۔'' اسلم عاجزانہ انداز میں بولا۔

''یہ لیجیے اپنی انگوٹھی۔'' زیب نے جواب دیئے بغیر انگوٹھی اسلم کے ہاتھ میں دی اور جلدی سے بڑھ کر میز پر سے اسلم کی اتاری انگوٹھی اٹھا کر امی کو پکڑا دی۔

''امی جان! میں...... میں اسلم سے شادی نہیں کروں گی۔'' وہ جرأت سے بولی۔ ''کبھی بھی نہیں۔''

''پلیز زیب! مجھے اتنی بڑی سزا مت دیجیے۔ مجھے ایک بار تلافی تو کرنے دو۔'' اسلم نے منت کی۔

''نہیں اسلم صاحب! رشتہ توڑنے میں آپ نے پہل کی ہے آپ اسے دوبارہ جوڑنے کی کوشش مت کیجیے۔ سب کچھ ختم ہو گیا ہے اب میرے اور آپ کے راستے الگ الگ ہیں۔ شکریہ ہے کہ دیر نہیں ہے۔'' وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ پھر اپنے خالی ہاتھ انگوٹھی کے بغیر اپنی انگلی کو دیکھا تو عجیب سے سکھ وسکون کا احساس ہوا۔ پھر شارق کی مرجھائی صورت نگاہوں کے سامنے پھرنے لگی۔ زیب نے بے بس ہو کر سسکیاں روکتے ہوئے تکیے میں منہ چھپا لیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ غافل ہو کر سکون سے سو گئی۔

راحیل اور صائمہ امی کے بیڈ روم میں صوفے پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ بیگم مراد کی طبیعت خراب تھی اور وہ گولیوں کے زیر اثر سو رہی تھیں۔

''راحیل...... بھیا آخر کہاں چلے گئے ہیں۔ خدارا انہیں ڈھونڈ کر لائیے میرے دل میں تو طرح طرح کے وہم اٹھ رہے ہیں۔'' صائمہ نے بے قرار ہو کر ان کا بازو ہلایا۔

''بھئی جانا کہاں ہے تمہارے لاڈلے کرتوتی بھائی نے وہ یقیناً پرنسز سارہ کے پاس ہو گا۔'' راحیل نے بتایا۔

''اب یہ پرنسز سارہ کون ہے؟'' امی نے آنکھیں کھولتے ہوئے پوچھا تو دونوں گھبرا گئے۔

''باپ رے باپ...... آپ جاگ رہی تھیں امی جان؟'' راحیل قریب چلے آئے۔

''بیٹے! یہ آج جو کچھ بھی ہوا ہے۔ وہی میری نیند اڑانے کے لیے کافی ہے۔ سوچتی ہوں اب زیب کا کیا بنے گا۔ ہم تو اس کے خاندان والوں اور اسے منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ ہمارے بیٹے نے اس مظلوم بچی کی زندگی تباہ کر دی ہے۔'' وہ رنجیدگی سے بولیں۔ ''اللہ...... شارق کو معاف کرے۔ اتنا ظلم اتنی شقی القلب؟''

''ارے میری ماں! آپ خدا کا شکر ادا کریں کہ بغیر محنت کے زیب اور اسلم کی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔ ورنہ مجھے ہی منگنی تڑوانے کی کوشش کرنی پڑتی۔'' راحیل نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''کیا خبر اس بے غیرت بدتہذیب اسلم کو غنڈوں سے پٹوا کر بھگانا پڑتا۔''

''کیا مطلب ہے راحیل؟'' وہ حیران رہ گئیں۔

''امی! مطلب یہ ہے کہ اب ہم زیب سے منگنی کریں گے۔'' وہ صائمہ کی طرف دیکھ کر ہنسے۔

''کیا آپ...... زیب سے؟'' صائمہ بے اختیار چیخ اٹھی پھر ماں کی طرح اس کا رنگ بھی پھیکا پڑ گیا۔

''ارے...... رے سچ مچ تھوڑی منگنی کر رہا ہوں۔ صائمہ وہ جو میں نے تمہیں اس دن بات بتائی تھی۔ یعنی وہ شارق! زیب سے محبت کرتے ہیں والی۔'' راحیل نے بھنویں اچکائیں۔

''راحیل یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' امی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ ''سیدھے سیدھے بات کرو الجھن کیوں پیدا کر رہے ہو؟''

''بس امی! مجھے تھوڑے سے ثبوت کی ضرورت ہے میں زیب اور شارق سے ان کی محبت کا اقرار کروالوں۔ دونوں واہیات فضول سی ضد میں مبتلا ہیں۔ بس مجھے تھوڑا ڈرامہ کر کے اگلوانا پڑے گا۔ اور اس کے لیے مجھے آپ دونوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ امی! ان شاءاللہ ایک ہفتے کے بعد شارق شادی کے لیے رضامند ہو چکے ہوں گے۔ ورنہ آپ کا جیسا جی چاہے آپ میرا حشر کر دینا۔'' وہ سر جھکا کر بولے مگر پھر آہستہ آہستہ امی کو بتانا مناسب سمجھا۔

''راحیل یہ...... تو...... تم نے عجیب خبر سنائی ہے ہمیں؟'' امی کی حیرت رفع نہیں ہو رہی تھی۔

''امی! ابھی تو ہماری بدولت آپ اور عجیب وغریب باتیں سنیں گی۔ لیکن ہماری اس سازش سے زیب کو بھی لاعلم رکھیے گا۔'' پھر راحیل آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے تھے۔ کہ ملازم نے آ کر بتایا کہ کسی ٹینا کا فون ہے اور وہ زیب سے بات کرنا چاہتی ہیں مگر زیب بی بی کو سونے سے اٹھانے سے فرید خان صاحب نے منع کر دیا ہے۔ یہ سن کر صائمہ نے ملازم سے کہا کہ وہ کارڈلس فون وہیں لے آئے اور پھر فون سننے کے بعد گویا ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

○●○

''زیب...... زیب...... ٹینا کا فون آیا ہے۔ اس نے بتایا کہ شارق بھیا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' صائمہ روتی ہوئی آئی اور بدحواس سی زیب کے گلے سے لپٹ گئی۔ جو اسی وقت سوتے سے اٹھی تھی۔

''ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے شارق کا...... کب کہاں؟'' زیب، صائمہ کو جھنجھوڑ کر بولی۔

''ابھی راحیل اور اسلم انہیں ٹینا کے گھر سے لینے گئے ہیں۔'' پھر زیب صائمہ کے ہمراہ امی کے بیڈروم میں آئی وہ روتے ہوئے نڈھال ہو رہی تھیں۔ زیب کو دیکھ کر انہوں نے بازو کھول دیئے اور زیب کو گلے لگائے بیٹھی چومتی رہیں۔ ان کے شارق کی پسند جو تھی زیب۔

''صائمہ! ٹینا کے گھر دوبارہ فون کر کے پوچھو۔'' بیگم مراد نے کہا۔ مگر اس سے پہلے صائمہ اٹھتی راحیل کا فون آ گیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ہسپتال سے بول رہے ہیں اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں چوٹ گہری نہیں ہے۔ تبھی وہ انہیں پٹی کروا کر واپس گھر لا رہے ہیں۔ پھر گھنٹے ڈیڑھ بعد وہ سب آ بھی گئے مگر شارق کو تقریباً اٹھا کر لائے۔ سب نے بیڈ کو گھیر لیا۔

''شارق! یہ کیا ہو گیا ہے بیٹے؟'' امی انہیں بستر پر بیہوش پڑا دیکھ کر رونے لگیں۔
''امی! گھبرائیے مت یہ بیہوش نہیں ہیں بلکہ انجکشن کے زیرِ اثر سو رہے ہیں لیکن انہیں بخار بہت تیز ہے۔ لیجیے امی! اب آپ ان سے ملیے۔'' راحیل نے ٹینا کو سامنے کیا اور تعارف کروانے لگے۔
''ٹینا یہ ہیں شارق کی امی جان اور یہ ان کی چھوٹی بہن صائمہ ہیں اور زیب کو تو تم جانتی ہو؟'' ٹینا سب سے ملنے کے بعد زیب سے لپٹ گئی۔
''زیب...... زیب...... کہاں غائب ہو گئی تھیں تم؟ اس قدر دل چاہتا تھا تم سے ملنے کے لیے۔ مجھے افسوس ہے کہ شارق کا ایکسیڈنٹ میری کار سے ہو گیا ہے۔ دراصل میں نے تو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر حادثہ کرنا چاہتے ہوں۔ پھر ٹکر کے بعد میں بھاگ کر ان کی کار تک پہنچی انہیں آوازیں دیتے ہوئے باہر نکالا۔ تو یہ بڑبڑا رہے تھے۔ ہٹ جاؤ مجھے مر جانے دو۔ میں زندہ رہ کیا کروں گا؟ امی مجھ سے نفرت کرتی ہیں اور زیب نے مجھے ٹھکرا دیا ہے۔ یہ کہتے کہتے وہ بیہوش ہو گئے۔
پھر میں نے گھبرا کر انہیں کار میں ڈالا۔ راحیل اور خرم کو موبائل پر فون کرتی رہی مگر کوئی ملا ہی نہیں۔ پھر انہیں ہسپتال لے گئی اور وہاں سے آپ کو فون کر کے اطلاع دی۔'' ٹینا نے بات ختم کی تو زیب منہ چھپائے رونے لگی۔
''کیا بات ہے زیب کیا تمہاری شارق سے لڑائی ہو گئی ہے جو وہ مرنے پر آمادہ تھے؟'' ٹینا نے کہا۔
''ارے ان دونوں کا کیا ہے ٹینا! کبھی لڑائی کبھی صلح۔ خیر تم آؤ چل کر تیز سی چائے پیتے ہیں تاکہ ٹینشن کچھ کم ہو۔ امی جان! آپ بھی جا کر آرام کریں آپ نے تو گولیاں کھائی ہوئی ہیں پھر کمزوری محسوس ہو گی۔'' راحیل نے انہیں زبردستی بھجوایا۔ پھر انہوں نے صائمہ کو علیحدہ کمرے میں لے جا کر زیب اور شارق کی فرضی منگنی کا قصہ سنایا تو صائمہ نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔
''توبہ کیا کچھ کرتا رہا ہے ان کا بھائی۔ اتنے ڈرامے۔''
''صائمہ اب ٹینا کے سامنے اس وقت اس فرضی منگنی کا بھرم کس طرح رکھنا ہے تم یہ معاملہ سنبھال لو۔''
''زیب تم یہاں شارق کے پاس رکو ہم چائے پی کر آتے ہیں۔ اور تمہارے لیے بھجوا دیں گے۔'' مگر زیب نے چائے سے منع کر دیا۔
ان لوگوں کے جانے کے بعد زیب مڑی وہ شارق کے بیڈ کے قریب کھڑی تھی مگر بیہوش شارق کو دیکھنے کی ہمت خود میں نہیں پا رہی تھی۔ مگر ٹینا کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔
''میں مرنا چاہتا ہوں۔ زیب نے مجھے ٹھکرا دیا ہے۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے گھبرا کر کان بند کر لیے۔ پھر جھک کر شارق کو دیکھنے لگی ان کے ماتھے پر بندھی پٹی خون سے سرخ تھی۔ زیب کا دل بھر آیا وہ آہستگی سے بیڈ پر بیٹھ گئی ہاتھ بڑھا کر ان کی پیشانی کو بالوں کو چھوا۔
ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے اور گویا تمام نفرتیں کدورتیں جیسے ڈھل کر رہ گئیں۔ اس نے شارق کے ہاتھ کو تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ اتنے جذبات پر وہ خود بھی حیران رہ گئی تھی۔
''زیب......'' ایک دم راحیل کمرے میں واپس آ گئے تو وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''بیٹھو...... بیٹھو اٹھنے کی ضرورت نہیں۔ میں تو تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہیں احمر بھیا نے بلوایا تھا۔ کیونکہ میں نے انہیں اسلم سے منگنی ٹوٹنے والا قصہ سنا دیا ہے۔ تو وہ تم سے مل کر مطمئن ہونا چاہتے تھے۔ کہ تمہیں صدمہ تو نہیں۔ تم رو دھو تو نہیں رہیں۔ تو زیب اب تو ظاہر ہے کہ تم شارق کو اس حالت میں چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی۔ تو میں احمر کو فون کر دوں گا کہ تم کل ان سے مل لو گی اور اپنا بھی بتا دوں گا کہ رات کو یہاں رک رہا ہوں۔ ٹھیک ہے نا پھر؟''

''جی ہاں......'' وہ بے خیالی سے بولی۔

''ویسے زیب! آپس کی بات ہے اب جبکہ یہ منگنی والا چکر معجزاتی طور پر ختم ہو گیا ہے تم اگر کہو تو میں امی سے تمہاری اور شارق کی شادی کی بات کروں۔'' وہ ٹٹولتی نظروں سے دیکھنے لگے۔

''نہیں...... نہیں راحیل! ایسا مت کیجیے گا۔'' وہ گھبرا گئی تو راحیل کو غصہ آ گیا۔

''کیوں بھئی آخر کیا اعتراض ہے تمہیں؟ اب کیا واقعی خودکشی کروانی ہے شارق سے۔ دیکھ تو رہی ہو بیچارا ادھ موا ہوا پڑا ہے۔ دیکھو زیب تم پڑھی لکھی ہو سمجھدار ہو۔ تم انہیں اپنا کر ان کی برائیوں کو اچھائیوں میں بدل سکتی ہو۔ دیکھو گڑیا اچھے انسان کے ساتھ تو سب ہی زندگی گزار لیتے ہیں۔ مگر عظمت تو اس میں ہے کہ شارق جیسے بھٹکے ہوئے شکستہ دل انسان کو سہارا دے کر جینے کا ڈھنگ سکھاؤ۔ وہ یقیناً سدھر بھی جائے گا۔

زیب! شارق برا بندہ تھا نہیں۔ بس حالات اور حادثات نے اسے بدراہ اور مایوس انسان بنا دیا ہے۔''

''پلیز راحیل! بس خاموش ہو جایئے۔'' زیب کان بند کر کے وہاں سے باہر نکل گئی۔

یونہی دن پریشانیوں اور وسوسوں سے لبریز گزر رہے تھے زیب تو اپنے یا بیگم مراد کے کمروں تک محدود ہو گئی تھی۔ یوں بھی زیادہ باہر نکلتے ہوئے اسے جھجک ہوتی تھی کیونکہ فرید علی خان کی فیملی ابھی بھی وہیں مقیم تھے دو ایک بار اسلم سے سامنا بھی ہوا اور وہ اسے روک کر سراپا التجا بن گیا تھا۔ معافی کی درخواست کرنے لگتا تھا اور پھر راحیل کی باتیں سننے کے بعد وہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھی۔

وہ دوبارہ شارق کے کمرے میں نہیں گئی تھی۔ بلکہ امی کی خدمت میں لگی رہتی تھی۔ وہی اسے بار بار شارق کا حال دریافت کرنے کے لیے بھیجتی تھیں لیکن زیب جھجک محسوس کرنے لگی تھی۔

وہ باہر صائمہ یا فرحت ہی سے شارق کی طبیعت کے بارے میں پوچھ کر واپس چلی آتی تھی اور امی کو تسلی دے دیتی۔ آج بھی وہ بیگم مراد کے بال سنوار رہی تھی اور صائمہ بھی وہیں بیٹھی ماں کو سیب کاٹ کر زبردستی کھلا رہی تھی۔

''زیب بیٹی! شارق کا اب کیا حال ہے تم مجھے سہارا دے کر اس کے پاس لے چلو۔ دو دن ہو گئے ہیں اسے ابھی بھی ہوش نہیں آیا ہے۔'' بیگم مراد رونے لگیں۔

''امی! بھیا کو بہت تیز بخار ہے ہذیانی سی کیفیت ہے۔ وہ مدہوشی میں پتہ نہیں کیا کچھ بولتے رہتے ہیں۔ کبھی زور زور سے آوازیں دے کر کسی کو بلانے لگتے ہیں۔ کبھی لڑنے لگتے ہیں۔'' صائمہ معنی خیز انداز سے زیب کو دیکھتی ہوئی بولی۔ تبھی فرحت وہیں آ گئی اور اس نے زیب سے کہا۔ ''کوئی پرنسز سارہ! اس سے فون پر بات کرنا چاہتی ہے۔'' یہ سنتے ہی زیب جلدی سے ٹی وی لاؤنج میں پہنچ گئی۔

''ہیلو صبا! میں زیب بول رہی ہوں۔'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ہیلو زیب! تمہیں کچھ شارق کا پتہ ہے؟ بہت دن ہو گئے ہیں وہ میرے پاس نہیں آیا۔ وہ تمہاری منگنی کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ اس قدر شدید بخار اور زخمی ہونے کے باوجود وہ رات بھر تمہاری باتیں کرتا رہا۔ پھر جب وہ میرے پاس سے گیا تو اس کی حالت خاصی خراب تھی۔ اب تین دن سے اس کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ میں بہت پریشان ہو رہی تھی۔'' صبا نے چھوٹتے ہی شارق کا پوچھا تو زیب نے آہستہ سے بتایا۔

''صبا! شارق صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ دو تین دن سے بیہوش پڑے ہیں۔''

''کیا...... ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے؟'' صبا چیخ اٹھی۔

''زیب! میں ابھی آ رہی ہوں۔'' اس نے فوراً فون بند کر دیا۔ زیب کا دل بھی بھر آیا وہ آنسو بہانے لگی۔ تبھی اس کی نظر کمرے میں داخل ہوتے خرم پر پڑی۔ تو جیسے جان میں جان آ گئی۔

''خرم! شکر ہے آپ آ گئے ہیں۔'' وہ تیزی سے بڑھی اور ان کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

اسلم خان جو شارق کی مزاج پرسی کرنے کے بعد اس کے کمرے میں سے نکل کر باہر آ رہا تھا۔ وہ یہ سین دیکھ کر سیڑھیوں میں ٹھٹھک گیا اور حیرت سے زیب کی طرف دیکھنے لگا۔ جانے وہ کیا سوچ اور سمجھ رہا تھا۔

''یہ...... یہ کون صاحب ہیں بھیا؟'' قریب کھڑی فرحت نے اسلم سے پوچھا۔ صائمہ بھی کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ تبھی اس کی نظر پڑی۔

''ارے یہ تو ڈاکٹر خرم واپس آ گئے ہیں۔'' صائمہ نے خوش ہو کر کہا اور آگے بڑھی تو خرم زیب کے کاندھے کے گرد بازو ڈالے مڑے۔

''کیا بات ہے صائمہ بہن یہ زیب کیوں رو رہی ہے؟ سب خیریت ہے نا...... امی تو ٹھیک ہیں۔'' خرم گھبرا گئے تھے۔

اُدھر اسلم اور فرحت کی نظریں جونہی خرم پر پڑی تھیں وہ دنگ رہ گئے تھے اور آنکھیں پھاڑے دیکھتے جا رہے تھے۔

''ہائے...... خرم بھائی آپ؟'' فرحت کی چیخ نکل گئی۔

زیب، صائمہ اور خرم نے اوپر کی طرف دیکھا۔ تو فرحت بے تحاشہ سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آ رہی تھی۔ پھر قریب آ کر وہ خرم سے لپٹ گئی۔ چند لمحوں تک تو خرم پہچان ہی نہ سکے پھر جیسے دل کسی نے بھینچ دیا ہو۔

''ارے...... فرحت تم...... تم یہاں کیسے؟'' خرم بھی دنگ رہ گئے تھے۔

خرم بھائی جان...... بھائی جان۔'' وہ ان کے سینے سے لپٹی دہراتی رہی۔ دونوں کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

اسلم بھی سنبھلتے ہوئے وہیں آ گئے یہ سب تو ناقابل یقین تھا۔

''خرم میرے بھائی۔'' ان کی آواز بھرا گئی اور خرم، فری کو ہٹا کر اسلم سے لپٹ گئے۔

''امی جان...... ڈیڈی...... جلدی آیئے دیکھیے اپنے خرم بھائی آئے ہیں۔'' وہ زور زور سے پکار رہی تھی۔ پھر فرحت بے قرار ہو کر خود ہی ان کے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ بہت دیر بعد خرم اور اسلم دل کی بھڑاس نکال کر علیحدہ ہوئے۔ دونوں ایک دوسرے کے چہرے کی طرف آنکھوں میں نمی لیے دیکھے جا رہے تھے۔

''خرم بیٹے! ہم سے نہیں ملو گے؟'' فرید خان اور نسیمہ بیگم وہیں چلے آئے تھے۔

خرم کو انہوں نے گلے لگا لیا۔ پھر نہ جانے کون سا بھولا بسرا رشتہ یاد آیا۔ کہ وہ بے اختیار رونے لگے۔

''چچا جان! خدارا خود کو سنبھالیے۔'' وہ فرید صاحب اور چچی کو پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولے۔

''ڈیڈی نے مجھے تار دے کر پنڈی بلوایا تھا۔ انہیں کرنل احمد نے بتایا تھا کہ آپ بہت بیمار ہیں۔ پھر جب میں پنڈی پہنچا تو ہم سب گھر والے اکٹھے پشاور پہنچے تو وہاں سے معلوم ہوا کہ آپ علاج کروانے پنڈی جا چکے ہیں۔ تو میں امی ڈیڈی شیری بھیا سب کو لے کر پنڈی آ گیا۔ ہمیں آپ کا ایڈریس معلوم نہیں تھا۔ ورنہ کب کی ملاقات ہو چکی ہوتی۔ امی ڈیڈی تو آپ سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔'' خرم عقیدت سے چچا کا ہاتھ تھام کر بولے۔ تو زیب نے کہا۔

''خرم! میں نے آپ کو فون پر بتایا تو تھا کہ صائمہ کے انکل آپ سے علاج کروانے آئے ہیں۔''

''مگر زیب! مجھے یہ تو نہیں پتہ تھا کہ تم نے جن خاں صاحب کا تذکرہ کیا ہے وہ میرے چچا ہیں۔'' وہ مسکرائے۔

''اچھا تو تم ہو ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر خرم۔'' چچی حیران رہ گئیں ادھر زیب بھی تذبذب کے عالم میں تھی۔

''لیکن خرم! مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ کیا یہ فرحت اور اسلم صاحب اپنی...... اپنی صبا کے بہن بھائی ہیں؟'' زیب حیران ہو کر بولی۔ اس سے پہلے کوئی کچھ پوچھتا کہ زیب صباحت کو کیسے جانتی ہے؟ کہ اچانک دروازہ زور سے کھلا اور گہری سبز ساڑھی میں ملبوس صبا گھبرائی ہوئی اندر آ گئی۔ شاید قسمت کو ابھی اور امتحان لینے مقصود تھے بیچاری صبا سے۔

اس کی نظر زیب پر ہی پڑی تو وہ سب کو نظر انداز کر کے اسی کی طرف لپکی۔

''زیب...... زیب شارق کہاں ہیں۔ کیا حال ہے ان کا؟'' وہ اس کے بازو تھام کر پوچھنے لگی۔

''صباحت کیا بات ہے؟'' بے خبر سے خرم نے پکارا تو وہ مڑ گئی۔

''خرم...... شارق کو کوئی خطرہ تو نہیں نا وہ بچ تو جائے گا؟'' وہ گھبرائی ہوئی ان کے پاس چلی آئی۔

''صباح...... صبا...... صبا؟''

سٹنگ روم میں موجود لوگوں کے منہ سے مختلف انداز سے نکلا تھا۔ وہ سب دم بخود رہ گئے تھے۔

صبا نے گھبرا کر اب پہلی بار ارد گرد کھڑے لوگوں کو دیکھا پھر انہیں پہچان کر جیسے وہ پوری جان سے لرز گئی رنگ ڈھلے ہوئے لٹھے کی طرح سپید ہو گیا۔ اس کا ہاتھ منہ تک پہنچا مگر وہ اپنی چیخ کو روک نہ سکی۔ پھر صبا کو یوں بدحواس اور لڑکھڑاتا پا کر خرم نے لپک کر اسے بانہوں میں لے لیا۔

''خرم! مجھے بتاؤ یہ لڑکی کون ہے؟ کون ہے یہ؟'' اسلم صبا کو پہچان کر وحشت سے چیخا۔

''یہ آپ کی صباحت ہے اسلم بھائی! یہ زندہ سلامت ہے۔'' خرم نے کہا۔

''صباحت...... نہیں نہیں...... یہ میری کچھ نہیں لگتی۔ ہمارے ناموس کی دشمن ننگ خاندان...... میں تو انتظار میں اور اس کی تلاش میں تھا۔ کہ یہ کسی راہ یا موڑ پر مجھے ملے اور میں اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ کر اپنے خاندان کے ماتھے پر لگے بدنما داغ کو مٹا دوں۔'' اسلم جارحانہ انداز میں آگے بڑھا۔ تو صباحت کا لرزتا ہوا وجود خرم کے قریب ہو گیا انہوں نے گرفت مضبوط کر لی۔

''رک جاؤ اسلم! خبردار صباحت کو ہاتھ مت لگانا۔ یہ جو کچھ بھی ہوا ہے یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔ صبا سے زیادہ تم

قصوروار ہو۔‘‘ خرم نے سلگ کر کہا۔
’’میں قصوروار ہوں۔‘‘ اسلم ٹھٹک کر رکا۔
’’کیوں میرا کیا قصور تھا؟ خیر تم سامنے سے ہٹ جاؤ خرم تم حقیقت سے بے خبر ہو اس لڑکی نے ہماری عزت کو تو پاؤں تلے روندا ہی تھا مگر یہ تمہاری شرافت سے بھی کھیل گئی تھی۔ خرم اسے میرے حوالے کردو۔ یہ میری مجرم ہے۔‘‘ اسلم چیخا۔
’’اچھا...... تو صبا تمہاری مجرم ہے اسے میں تمہارے حوالے کردوں۔ لیکن تم بھی تو صبا کے مجرم ہو بتاؤ تمہیں کس کے حوالے کروں؟‘‘ خرم طنز سے مسکرائے۔
’’اور مجھے سب باتوں کا پتہ ہے۔ اسلم اپنے خاندان کی تباہی کا سبب صبا سے زیادہ تم خود بنے ہو۔ سنو اسلم جن جوان بہنوں کے بھائیوں کے پرویز اور دلاور خاں جیسے بدکار اسمگلر عیاش دوست ہوں پھر ان کی بہنوں کی عزت کیسے محفوظ رہ سکتی ہے؟
تم پرویز جیسے بدنام شخص کو گھر لائے اور سب سے اس کا سامنا کروا دیا۔ پھر صباحت جیسی کم عقل کچے دماغ والی لڑکی کا اس سے تعارف کروایا پردہ تڑوا دیا۔ پھر تمہیں اپنے اوباش دوست پر اس قدر اعتماد تھا کہ تم والدین کے منع کرنے کے باوجود صبا کو اس کے ساتھ بھیج دیتے تھے۔ جاؤ شاپنگ کر آؤ۔ گھوم پھر آؤ۔
پھر پرویز کی سفارش پر تم نے صبا کو دوبارہ کالج میں داخلہ دلوایا اور اس کالج میں جہاں مخلوط تعلیم ہے۔ اسلم میاں! اول تو باغیرت بھائی اس قماش کے لوگوں سے تعلق نہیں رکھتے اور مجبوراً رابطہ رکھنا پڑے تو انہیں گھر کی دہلیز پر قدم نہیں رکھنے دیتے۔ مگر تم نے تو خود پرویز سے ساری حدیں عبور کروائیں۔ پھر وہ عزتوں کا دشمن اگر تمہاری عزت سے کھیل گیا تو کون سی ناممکن بات ہے۔ اسلم میں نے تمہیں پرویز کی بدشہرت کے بارے میں آگاہ بھی کیا تھا۔ مگر تم یہ سمجھتے رہے کہ میں اس سے جلتا ہوں۔ حسد کرتا ہوں تبھی غلط بیانی کر رہا ہوں۔
پھر اب تم صبا کو الزام کیوں دیتے ہو۔ تم بھی تو اس کے جرم میں برابر کے شریک ہو۔‘‘ وہ صبا کو قریب کر کے بولے جو اس کے سینے میں منہ چھپائے روئے جا رہی تھی۔
’’ٹھیک ہے خرم! اگر جرم میں شریک میں بھی ہوں نا تو میں خود کو بھی گولی مار لوں گا۔ مگر اسے زندہ نہیں رہنے دوں گا۔‘‘ اسلم وحشی انداز میں بولا تو اسے سمجھانا بے سود سمجھ کر خرم، چچا کی طرف مڑے۔
’’چچا جان! آپ ہی کچھ بولیں۔ صباحت آپ کی اولاد ہے پھر سنگدلی کیسی؟‘‘
’’نہیں خرم! میرا ابھی اس لڑکی سے کوئی رشتہ نہیں رہا۔ جس دن اس نے گھر کی دہلیز پار کی تھی اسی لمحے سب رشتے ٹوٹ گئے تھے۔‘‘ فرید خاں دل پر ہاتھ رکھ کر بولے۔
’’باجی! میری صبا باجی۔‘‘ فرحت مزید ضبط نہ کرسکی اور بہن سے جا کر لپٹ گئی دونوں بلک بلک کر رونے لگیں۔
فرید خاں کا چہرہ زرد ہو گیا انہوں نے منہ پھیر لیا۔ دل کے مریض تو پہلے سے تھے۔ تبھی خرم، زیب کی طرف بڑھے اور سرگوشی کی۔
’’زیب! تمہیں یاد ہے نا تم نے ایک بار مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم صبا کو مجھ سے ملانے حاصل کرنے میں میری مدد

کروگی۔ زیب آج وہ آزمائش کا دن آگیا ہے پلیز میرا ساتھ دو۔'' خرم نے التجا کی۔

''میں آپ کے ساتھ ہوں خرم۔'' زیب نے ان کا ہاتھ تھپتھپایا تو خرم نئے حوصلے کے ساتھ مڑے۔

''چچا جان! صبا سے غلطی تو ضرور ہوئی ہے کہ وہ پرویز کے ساتھ گھر سے فرار ہوگئی تھی لیکن گھر سے نکلتے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تو اس نے پرویز کو دھتکار دیا اور وہاں سے جان بچا کر بھاگی۔ پھر اس کی ملاقات زیب سے ہوگئی اور آپ لوگوں کے پاس واپس جانے کی ہمت خود میں نہ پا کر یہ زیب ہی کے پاس رہنے لگی۔ چچا جان! کچھ بھی نہیں بگڑا خاندان کی عزت مٹی میں ملنے سے بچ گئی ہے۔ آپ لوگ اب صبا کی اس غلطی کی اتنی بڑی سزا نہ دیں کہ وہ کوئی غلط قدم اٹھانے پر مجبور ہوجائے۔ نہ ہی گڑے مردے اکھیڑ کر لوگوں کو کھوج لگانے کا موقع دیں۔ ابھی تو کتنے بہانے بن سکتے ہیں صبا کیسے زندہ ہوگئی۔ مر کر کیسے زندہ ہوئی؟ مگر جب آپ نے اسے مارنے مروانے کی کوشش کی تو کسی کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔

بہتر یہی ہے کہ اسے معاف کر دیجیے۔ میری خاطر ہی سہی۔'' خرم نے منت کی تو سب سوچ میں پڑ گئے تھے۔

صبا جو فرحت کے کاندھے سے لگی خرم کی فرضی کہانی سن کر حیران ہو رہی تھی۔ اس نے تردید کرنے سچائی بیان کرنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ زیب نے اس کا ہاتھ دبا کر خاموش کیا۔

''چچی جان! آپ کیوں خاموش ہیں کچھ بولتی کیوں نہیں ہیں؟'' خرم نے نسیمہ بیگم کو جھنجھوڑا تو وہ ماں کی ماری خان صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے آنسو بہانے لگیں۔

''ٹھیک ہے پھر اگر آپ لوگ صبا کو اپنانے کے لیے تیار نہیں ہیں تو میں اسے اپنے والدین کے پاس لے جاتا ہوں۔ یہ میری منگیتر ہے میں تو اسے نہیں ٹھکرا سکتا۔'' خرم، صبا کا بازو پکڑ کر جانے لگے۔

''ٹھہرو خرم بیٹے! صبا تمہاری امانت تھی جس کی ہم حفاظت نہیں کر سکے۔ پھر جب تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی اسے فراخدلی سے معاف کر چکے ہو تو ہم تمہاری بات کیسے ٹال سکتے ہیں۔'' فرید علی خاں رو دیئے۔

''یہ اولاد اگر نیک اور سعادت مند نہ ہو تو بڑے بڑے سروں کو جھکا دیتی ہے۔ عزت و ناموس کا بھرم رکھنے کے لیے۔ بہت سے جابر و گھمنڈی لوگ سرنگوں ہو جاتے ہیں۔'' آج فرید خاں کا اور اسلم جیسے گھمنڈی اتھرے بندے کا سر ندامت سے جھکا تھا وہ سچائی کا تلخ گھونٹ نگلنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

''ڈیڈی! مجھے معاف کر دیجیے۔'' صبا کی چیخ نکل گئی اور وہ دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد ابلتے ہوئے آنسوؤں نے دلوں کی کدورتوں کو دھو دیا تھا۔

''اچھا...... چچا جان! میں اب جا کر امی ابو سب کو یہیں لے آتا ہوں لیکن آپ سے التجا ہے کہ آپ امی ابو وغیرہ سے صبا کے متعلق کچھ مت کہیے گا۔ میں نے جو کچھ بتانا ہوگا خود کہوں گا۔'' خرم نے منت کی۔

''اچھا بیٹے۔'' فرید خاں نے سر جھکا لیا۔ تو خرم گھر چلے گئے اور جلد ہی دو کاروں میں سوار وہ سب لوگ آ گئے۔ پھر جب بچھڑے ہوئے ناراض لوگ ملے تو دیکھنے والوں کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ سب بڑے جب تسلی سے بیٹھ رہے تب خرم بولے۔

''امی...... شہریار بھیا! انہیں پہچانتے ہیں آپ؟'' خرم نے بڑے ڈرامائی انداز میں کہا۔

پھر خرم نے زیب کے ساتھ کھڑی سہمی سہمی سی صبا کا ہاتھ پکڑ کر اسے سب کے سامنے کھڑا کر دیا۔ تو سب حیرت زدہ ہو گئے۔

''یا خدا! یہ تو...... یہ تو میری صباحت ہے۔'' خرم کی امی ریحانہ نے اٹھ کر اپنے بازو کھول دیئے تو صبا دوڑ کر ان کے سینے سے لگ گئی اور بے تحاشہ رونے لگی۔

''مگر...... مگر صبا...... یعنی صباحت...... یہ...... یہ تو مر چکی تھیں پھر زندہ کیسے ہو گئیں؟'' عالیہ نے حیران ہو کر زیب سے پوچھا۔

''ہاں...... یہی صباحت ٹرین کے حادثے میں شدید زخمی ہو گئی تھیں مگر زیب انہیں اپنے پاس لے آئی۔ چونکہ ان کے دماغ پر چوٹ لگنے کی وجہ سے یہ سب باتیں بھول چکی تھیں اس لیے ہمیں کوئی اطلاع نہ دے سکیں۔''

''لیکن خرم! جب ہم لوگ زیب کے گھر گئے تھے تو یہ ہمیں تو وہاں نہیں ملی تھیں۔'' عالیہ حیران تھی اور کھوج میں لگی تھی۔

''ہاں...... یہ ان دنوں میری ایک سہیلی کے ساتھ پنڈی گئی ہوئی تھیں۔ ایک ملازمت کے انٹرویو کے سلسلے میں۔''

زیب نے جلدی سے بات سنبھالی تو خرم اور صبا نے احسان مندانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''مگر خرم! تم صبا تک کیسے پہنچے؟'' شہریار نے صبا کو گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔

''میں بتاتی ہوں۔ شیری بھیا! دراصل جب آپ لوگ پنڈی چلے گئے اور مجھے یہ معلوم ہوا کہ خرم مشہور ڈاکٹر ہیں۔ تو میں صباحت کو خرم کے پاس علاج کے لیے لے گئی تھی۔ تو یہ تو صبا کو پہچان کر دنگ رہ گئے۔ پھر انہوں نے مسلسل علاج شروع کر دیا۔ لیکن آپ لوگوں کو اطلاع اس لیے نہیں دی کہ جب تک یہ ٹھیک نہیں ہو جاتیں بتانے کا فائدہ نہیں ہے۔ شکر ہے کہ صبا اب تندرست ہے۔'' زیب نے کہا تو باقی لوگ بھی ملنے ملانے لگے۔

''اس وقت تو تم نے میری عزت بچالی ہے میں تو عالیہ بھابھی کے سوالوں سے گھبرا گیا تھا۔ اور سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ انہیں کیا کہانی سناؤں گا۔'' خرم احسانمندانہ ہو کر بولے۔

پھر صبا سب سے ملتی ملاتی۔ پیار و دعائیں وصول کرتی رہی۔ سبھی بہت خوش تھے اور باتوں میں مگن تھے۔ تبھی ملازمہ زیب کے پاس آئی اور بتایا کہ ڈاکٹر راحیل انہیں شارق میاں کے کمرے میں بلا رہے ہیں۔ تو زیب کو ہچکچاتے دیکھ کر صبا نے کہا کہ وہ اس کے ہمراہ چلے گی یوں شارق کو خود دیکھ لے گی۔

''شارق! زیب یہ کون صاحب! ہیں کیا وہی تمہارے باس شارک والے خوفناک شارق؟'' عالیہ تو زیب کی زبان ان کے مزاج و اطوار کے بارے میں سن چکی تھی تبھی ان کا نام سن کر چونکی۔

''آؤ بھابھی عالیہ! تمہیں دکھاؤں کہ وہ کون سا شارق ہے؟'' صبا نے ہنس کر کہا پھر زیب کا ہاتھ کھینچتی چل دی۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو راحیل نے اٹھ کر استقبال کیا۔ صائمہ بھی وہیں تھی۔

''بہت بہت مبارک ہو صبا! مجھے تو ابھی صائمہ نے آ کر سب حیرت انگیز انکشاف کیے ہیں۔ مبارک کہ آپ اپنے خاندان سے مل گئی ہیں۔'' راحیل نے کہا۔

''ارے عالیہ بھابھی! آپ یہاں کہاں وہ میرا یار شہریار کہاں ہے؟'' راحیل ہنس کر بولے۔

''ہائے راحیل! بھابھی عالیہ ہی تو ہیں صبا کے چچازاد بھائی اور آپ کے دوست شہریار کی بیوی۔ اور پھر صبا! خرم کی منگیتر بھی ہیں۔ اور شہریار صاحب بھی آئے ہوئے ہیں۔'' صائمہ نے بتایا۔

''اچھا شہریار! آیا ہوا ہے۔ پھر تو مجھے فوراً ان سے ملنا چاہیے۔'' راحیل نے صائمہ کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

''اچھا تو زیب بی! اب آپ سنبھالیے اپنے مریض کو ہم نیچے سٹنگ روم میں جا کر دوستوں کو مل آئیں۔ ہاں...... انہیں بخار تیز ہے تو ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتے رہیں سر پر۔ ویسے یہ بخار کی شدت کی وجہ سے کچھ عجیب وغریب سی باتیں بھی کرتے ہیں۔ تو ان کے منہ سے اپنا نام اور ڈائیلاگ سن کر ڈر مت جایئے گا۔'' راحیل ہنستے ہوئے صائمہ کے ہمراہ باہر چلے گئے تو زیب تمتما اٹھی۔

تبھی صبا آگے بڑھی اور شارق کے بیڈ پر بیٹھ کر ان کی پیشانی پر بندھی پٹی کو ٹٹولا۔ پھر آہستہ سے ان کے بالوں کو سہلاتے ہوئے پکارا۔ ''شارق آنکھیں کھولو بابا۔'' وہ پیار سے بولی۔

شارق نے سر تکیے پر اِدھر اُدھر پٹخا اور بڑبڑانے لگے۔ ''پلیز زیب! مت جاؤ مجھے چھوڑ کر۔ میں تمہیں دل سے نہیں بھلا پاؤں گا۔''

زیب کچھ لمحوں کے لیے تو گم صم ہوگئی پھر گھبرا کر بڑھی اور شارق کے متحرک ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا جانے وہ اور کیا کچھ کہہ دیں۔ اور وحشت زدہ نظروں سے عالیہ اور صبا کی طرف دیکھا۔ مگر ان کے چہرے تو تمتمائے ہوئے تھے۔

''اچھا بابا...... یہ بات ہے۔'' عالیہ نے معنی خیز نظروں سے دیکھ کر قہقہہ لگایا صبا نے بھی ساتھ دیا۔

''ارے ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ شارق! خدا جانے کیسا پتھر ہے کس مٹی سے بنا ہوا ہے۔ جو ابھی تک میری سہیلی کے حُسن کی آنچ سے پگھلا نہیں تھا۔

مگر چہ...... چہ یہ بیچارے شارق تو کچھ ضرورت سے زیادہ ہی پگھل گئے ہیں۔ اے زیب جان! اب اس غریب کا سانس کیوں روک رکھا ہے اس کے منہ سے ہاتھ تو ہٹاؤ۔ یا پھر کوئی اور ایسی ویسی بات ہے۔ جو تم ڈر رہی ہو کہیں شارق منکشف نہ کر دیں۔'' صبا اور عالیہ کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔

''بھئی...... میں تو پہلے ہی سے راز الفت جان گئی تھی مگر بیچارے شارق کو ہی یقین نہیں تھا کہ وہ اب بھی محبت کر سکتے ہیں۔ سو اب خمیازہ بھگت رہے ہیں۔'' صبا نے بدحواس سی زیب کا ہاتھ منہ سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''چلو زیب! اب تھوڑی سی خدمت ہی کرلو اپنے عاشق کی۔ یہ تھرموس میں سے ٹھنڈا پانی نکالو اور پٹیاں رکھو ان کے سر پر۔'' عالیہ نے ہنس کر کہا۔ ''مگر بیچارے پیشانی تو زخمی کیے ہوئے ہیں۔ خون آلود پٹی بندھی ہے۔''

''عالیہ! ہونہہ...... تمہیں بڑی ہمدردی ہو رہی ہے تو خود تم ہی رکھ دو نا پٹیاں۔'' زیب نے جل کر کہا اور دور جا بیٹھی۔

''واہ بی لو...... اب بننے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ راز تو فاش ہو ہی چکا ہے۔'' عالیہ تو پیچھے ہی پڑ گئی۔

''نہ جی تم خود ان کی خدمت کرو ویسے بھی جو بات تمہاری مسیحائی میں ہے وہ ہم میں کہاں؟ ادھر تم نے پٹی رکھی ادھر بخار غائب ہوگا۔'' عالیہ اس کا بازو ہلا کر بولی۔

''پلیز عالیہ! میں پہلے ہی کافی ٹینشن میں ہوں مجھے مزید مت ستاؤ۔'' زیب روہانسی ہوگئی۔

''عالیہ! رہنے دو میں رکھ دیتی ہوں پٹیاں۔'' صبا ٹھنڈا پانی نکال کر ان کے سرہانے بیٹھ کر سر پر ہی پٹیاں تر کرنے لگی۔

''بھئی زیب...... صبا! مجھے کچھ بتاؤ یہ سب کیا قصہ ہے۔ یہ سب کیسے اور کیونکر ہوا؟'' عالیہ نے زیب کا بازو جھنجھوڑا۔

''ٹھہریے ٹھہریے میں بتاتی ہوں۔'' صائمہ چائے اور دیگر لوازمات سے بھری ٹرالی کھینچتی ہوئی آئیں اور چائے بناتے ہوئے جو کچھ بھی راحیل سے سنا تھا۔ شارق کی فرضی منگنی سے اسلم اور زیب کی منگنی کے سبھی واقعات تفصیل سے سنانے لگی۔ سب منہ کھولے حیران بیٹھے تھے۔

''افو...... مجھے تو ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے میں جنگ وجدل سے بھرپور کسی رومانی فلم کا ٹریلر دیکھ رہی ہوں۔ ہائے ہائے بیچارے شارک! میرا مطلب ہے کہ اپنی تمام تر ہمدردیاں تو اب شارق بھائی کے ساتھ ہیں۔'' عالیہ نے اعلان کیا تو زیب منہ بنا کر بڑبڑاتی ہوئی اٹھ گئی۔ ''کمبخت بے وفا یار مارکہیں کی عالی پٹالی۔'' وہ عالیہ کا نام بگاڑ کر بولی۔

شارق کی بیماری کو ہفتے سے زیادہ ہو چکا تھا اب راحیل اور خرم کی انتھک محنت رنگ لائی تھی۔ ان کا بخار اب کافی کم ہو چکا تھا۔ زخم بھی مندمل ہو رہے تھے۔ شارق کے پاس دوست احباب کا رونق میلہ لگا رہتا تھا۔

ٹینا روزانہ آ جاتی تھی۔ وہ گھر کے سبھی لوگوں سے گھل مل گئی تھی بے تکلف ہو چکی تھی۔ خرم اگرچہ فرید خاں اپنے چچا کی فیملی کو اپنے گھر لے گئے تھے۔ مگر فرحت، اسلم اور صبا تو مسلسل شارق کے ہاں ہوتے تھے۔ صبا اور صائمہ تو ہر وقت شارق کے قریب رہتی تھیں۔ پہلے پہل تو وہ زیب کو بھی زبردستی گھسیٹ لے جاتی تھیں۔ لیکن جب سے شارق ہوش میں آئے تھے۔ زیب، بیگم مراد کے کمرے تک محدود ہو گئی تھی۔ پھر اس کی لاڈلی سہیلی عالیہ، دیور خرم کے ساتھ آ جاتی تھی اور زیب کا دل بہلا رہتا تھا۔ اگرچہ عالیہ نے شارق کے حق میں زیب کو سمجھانے کی بہتیری کوشش کی لیکن وہ لڑکی کسی انجانے خوف سے لرز اٹھتی تھی۔

اسے شارق کے پرانے رویے اور کرتوت بھولے تو نہ تھے۔ وسوسے اسے بے چین کر دیتے تھے۔ ''کہیں ایسا تو نہیں شارق محض اس کے غرور اور ضد کو توڑنے کے لیے کوئی نئی چال چل رہے ہوں۔'' پھر اس کی آنکھوں کے سامنے شارق اور روزی کی فحش حرکات، شارق کا شراب کے نشے میں دھت ہو کر مسرت بائی کے پاس جانا۔ خود ٹینا کو شارق کی بانہوں میں سینے سے لگے دیکھنا۔ زیب کو یاد کر کے بھی گھن آنے لگی تھی اس نے منہ پھیر لیا۔ گھن جو آنے لگی تھی۔

''زیب! کیوں بھئی یہ تم کیوں اتنی گندی گندی شکلیں بنا رہی ہو؟'' عالیہ دروازے میں ہی رک گئی۔

''خوب...... میرے لیے وقت مل گیا ہے آپ کو۔ اچھا تو آ گئی ہیں آپ؟'' زیب نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

''ہاں...... اب غلطی سے آ تو گئی ہوں لیکن تمہیں اس قدر واہیات موڈ میں دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے مجھے واپس جانا پڑے گا۔ ویسے تمہارے شارق کا کیا حال ہے؟'' عالیہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''عالیہ! دوست تو تم میری ہو پھر مجھ سے ہمدردی کرنے کے بجائے تم اس ڈکٹیٹر کی طرفدار کیوں بن گئی ہو؟ جاؤ نکل جاؤ میرے کمرے سے۔'' زیب نے اسے دھکیلا۔

''ہائے...... ہمیں تو پہلے پتہ تھا کہ آج تمہارا موڈ خراب ہے اور تم ہمیں یقیناً دھکے دے کر ہی نکالو گی۔ چلو جی ہم

اپنے شارق بھائی کے پاس چلتے ہیں۔'' وہ کھڑی ہوگئی مگر پھر مڑ کر زیب کو ڈانٹنے لگی۔

''او...... زیب کی بچی! یہ تم ہو کہاں کی نواب۔ زیادہ نخرے مت دکھایا کرو۔ خدا کی قسم اگر مجھے غصہ آ گیا نا تو آج ابھی...... تمہیں پکڑ کر تمہاری شادی شارک سے کروا دوں گی ہاں۔'' پھر وہ زیب کو گھونسہ تانے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہاں سے بھاگ نکلی۔ اور شارق کے کمرے میں پناہ لی۔

''آیئے...... آیئے عالیہ بھابھی! یہ آپ بھاگتی ہوئی کیوں آ رہی ہیں کیا شہریار تعاقب کر رہے ہیں آپ کا؟'' شارق دوا پی رہے تھے ہنس کر بولے۔

''ہاں...... عالیہ بھابھی! تو بخیریت یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئیں اور میرے تعاقب میں شہریار نہیں بلکہ وہ میری سہیلی زیب میرا گلا دبوچنے دوڑی تھی۔'' وہ ہنس کر بولیں۔ ''توبہ شارق! آپ ان دواؤں سے پیچھا چھڑاؤ نا۔ اب بتائیں طبیعت کیسی ہے؟'' عالیہ، شارق سے کافی بے تکلف ہوگئی تھی۔

''ہائے طبیعت تو بہت اچھی ہے۔ مگر دل بہت بیمار ہے۔'' شارق نے ہنس کر کہا۔

''تو پھر بتائیں تاکہ کیا کیا جائے آپ کے بیمار دل کے لیئے۔ کیسا علاج کریں؟'' عالیہ نے معنی خیز انداز سے صباحت کو دیکھا۔

''عالیہ بھابھی! میری بیماری کا علاج صرف آپ کر سکتی ہیں زیب آپ کی کوئی بات نہیں ٹالے گی۔ خدارا اس سے میری صلح کروا دیجیے۔'' وہ منت سے عالیہ کا ہاتھ تھام کر بولے۔ تو صبا نے ڈانٹا۔

''شارق! تم اگر پہلے میری بات مان لیتے تو آج یہ دن نہ دیکھتے مگر اس وقت تو ایکٹنگ کرتے تھے۔ کہ صبا مجھے عورتوں سے نفرت ہے۔ تو پھر بتاؤ کہ کدھر گئی ہے تمہاری نفرت اور انتقام۔'' صبا انہیں کے انداز میں ایکٹنگ کرنے لگی۔

''توبہ یار! پیر و مرشد مجھ سے واقعی غلطی ہوئی مگر اب میری خطا معاف کر دیں ہم دعائیں دیں گے آپ کو؟'' شارق کان پکڑ کر بولے۔

''اچھا بچہ! تو اب سوچیں گے کچھ تمہارے لیے بھی؟'' صبا درویشانہ انداز میں ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ تبھی صائمہ اندر داخل ہوئی اور صبا سے مخاطب ہوئی۔

''صباحت! یہ پرویز کون ہے؟ ابھی اس کا فون آیا تھا آپ سے بات کرنے پر بضد تھا؟ بمشکل ٹالا ہے اسے۔''

''پرویز کا فون تھا؟'' صبا نے گھبرا کر شارق کی طرف دیکھا۔ ''ہائے اب کیا ہوگا؟''

''ارے ہاں صبا! کل ٹینا نے بتایا تھا کہ پرویز ہسپتال سے اپنی ٹوٹی ہڈیاں جڑوا کر ہسپتال سے گھر واپس آ گیا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے اس کے دماغ سے ابھی تمہارا بھوت نہیں اترا۔ لگتا ہے دوبارہ خرم کو اس کی مرمت کرنی پڑے گی۔'' شارق نے ہنس کر کہا۔ پھر صبا کا ہاتھ تھام لیا۔

''بھئی یہ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ اب تمہیں ڈرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ اب تو بہت سے لوگ ہیں تمہیں بچانے تمہارا تحفظ کرنے والے۔ خرم، اسلم اور یہ خاکسار۔'' شارق نے تسلی دی۔

''صائمہ! کیا پوچھ رہا تھا پرویز؟'' صبا نے پوچھا۔

''کہہ رہا تھا میں صباحت کا دوست ہوں اور ان سے ملنے ان کے گھر گیا تھا۔ مگر ملازموں نے بتایا کہ وہ شارق

صاحب کے گھر گئی ہوئی ہیں پچھلے ہفتے سے تو پلیز اگر صبا گھر میں ہیں تو مجھ سے بات کروا دیں۔ مجھے اس کا لہجہ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ تبھی میں نے کہا کہ یہاں نہیں ہیں صبا وہ چلی گئی ہیں اور فون بند کر دیا۔"

"اونہہ...... بڑا آیا مجھ سے ملنے والا۔ کمبخت کو گولی مار دوں گی۔" صبا نفرت سے بولی۔ پھر وہ سب لوگ باتوں میں مگن ہو گئے تھے۔

○●○

یوں تو میجر خرم اپنے چچا فرید علی صاحب اور ان کی فیملی کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے تھے مگر سبھی لوگوں کا زیادہ تر وقت شارق کے ہاں گزرتا تھا۔ مگر آج بیگم مراد نے فرید خاں کے بھائی ارشاد علی ان کی بیوی نجمہ یعنی خرم کے والدین کو بھائی شہریار اور ان کی بیوی عالیہ کو خصوصی طور پر کھانے پر مدعو کیا ہوا تھا۔ سارا وقت ہنستے باتیں کرتے گزرا تھا۔ اس وقت بھی سبھی کھانے والی میز کے گرد بیٹھے تھے اور صائمہ اور زیب کھانا سرو کرنے کے بعد بیٹھی ہی تھیں کہ۔

"زیب بیٹی! تم نے شارق کو کھانا بھجوا دیا ہے کیا؟" بیگم مراد نے پوچھا۔

"بس امی! ابھی بھجوا دیتی ہوں۔" زیب اٹھنے لگی تھی کہ ٹینا نے سیڑھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے آنٹی! شارق تو خود ہی آ رہے ہیں۔" پھر وہ جلدی سے اٹھ کر گئی اور انہیں سہارا دے کر لے آئی۔ زیب کو نہ جانے کیوں ٹینا کی یہ بے تکلفی اچھی نہ لگی تھی اس نے منہ پھیر لیا۔

"شارق بیٹے! تمہیں آرام کرنا چاہیے ڈاکٹر نے چلنے سے فی الحال منع کیا ہے کمزور بہت ہو گئے ہو۔ پھر اکیلے کیوں اٹھ آئے ہو؟" بیگم مراد نے پیار سے کہا۔

"امی! میں سو کر اٹھا تو میرے پاس کوئی بندہ بشر نہیں تھا۔ بس اکیلے میں دل گھبرایا تو میں بھاگ آیا ہوں۔"

"پہلے بیچاری صبا ہر وقت میرے بستر سے لگی بیٹھی رہتی تھی مگر آج وہ خرم کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہے۔ اور باقی لوگ اتنے ظالم ہیں کہ اپنے بیمار محبت کو ایک نظر دیکھنا گوارہ نہیں کرتے۔ پتہ نہیں کیسے مسلمان ہیں؟" وہ زیب کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے آہستگی سے بولے۔ جس نے سر جھکا لیا تھا۔

"بس شارق بھائی! میں تو کہتا ہوں آپ فوراً شادی کر لیجیے بھئی کوئی تو ہو گا نا تنہائی بانٹنے والا۔" اسلم نے ہنس کر کہا۔

"یار اسلم! کیا کریں۔ جوان اولاد کے جذبات کا ہمارے بزرگوں کو کچھ خیال ہی نہیں ہے۔ یہ ہمارا گھر ہی نہیں بساتے۔" شارق زیب کو کنکھیوں سے دیکھ کر بولے۔ جھوٹ کی حد تو یہ تھی کہ منتیں ترلے کرنے والی ماں بہن کے سامنے بات کر رہے تھے۔

"ہاں...... یار شارق! ہماری والدہ صاحبہ کو بھی ہمارا خیال نہیں ہے۔" اسلم اپنی ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولا۔

"ہونہہ...... ماں کو تو احساس تھا تمہارا گھر بسانے کا تمہاری تنہائی دور کرنے کا۔ تبھی تمہارے لیے اتنی پیاری سی دلہن ڈھونڈی تھی۔ مگر تم نے خود اپنی بے صبری بے عقلی سے معاملہ خراب کر دیا اب خمیازہ بھگتو۔" نسیمہ بیگم افسردگی سے بولیں۔

''ہاں......آج کل کے لڑکوں کا عجیب چلن ہے۔ جیسے اب یہ شارق غلط بیانی کر رہا ہے مجھ پر الزام لگا رہا ہے۔ حالانکہ ہزاروں منتوں کے باوجود خود شادی کے لیئے رضامند نہیں ہوتا تھا۔'' بیگم مراد نے بھی گلہ کیا۔

''میری اچھی امی اب تو میں راضی ہوں نا تو اب کر دیجیے نا میری شادی۔ پلیز پرانی باتوں کو بھول جائیں۔'' شارق نے چپل میں سے اپنا پاؤں نکالا اور زیب کے پاؤں پر رکھ دیا۔ زیب جوان کی شوخ ذو معنی گفتگو سے گھبرا کر پانی کا گلاس منہ سے لگائے تھی وہ اس اچانک افتاد سے گھبرا کر اچھل پڑی۔ اسے اُچھو لگ گیا وہ ہلکے ہلکے کھانسنے لگی تو صائمہ اس کی کمر سہلانے لگی۔

''آہاں......آرام سے پانی پیؤ زیب بے بی! کوئی آپ سے پانی چھین تو نہیں رہا ہے نا؟'' شارق نے شوخی سے کہا مگر جواباً زیب نے بری طرح سے گھورا تو وہ کان پکڑ کر ماں کی طرف مڑے۔

''امی! مجھے بھی کھانا دیجیے نا بہت بھوک لگی ہے۔ اور سب ہی میرے سامنے کھائے چلے جا رہے ہیں۔''

''زیب بیٹی! جاؤ اس کے لیے سوپ اور سلائس لے آؤ۔'' مگر شارق نے احتجاج کرتے ہوئے انکار کر دیا۔

''نہیں......نہیں میں سوپ نہیں پیؤں گا۔ تنگ آ گیا ہوں اس بے مزا غذا سے۔'' اس نے منہ بنایا۔

شارق نے زیب کو اٹھنے سے روک دیا۔ اس کی قربت دل کو سکون دے رہی تھی اور وہ جانتے تھے اب اگر زیب اٹھ کر گئی تو وہ واپس آ کر کہیں اور بیٹھ جائے گی مگر ان کے نزدیک نہیں بیٹھے گی۔

بیگم مراد نے شارق کو سمجھایا کہ وہ کچھ دن اور پرہیز کر لے اور جب طبیعت سنبھل جائے گی تو جو دل چاہے گا کھا لے گا۔ ملازم سوپ لے آیا تو شارق بری بری شکلیں بناتے ہوئے سوپ کو چمچ سے اٹھاتے۔ پھر دوبارہ پیالے میں گرا دیتے۔

''امی جان! یہ تو زیادتی ہے نا کہ سب لوگ تکہ کباب وغیرہ کھا رہے ہیں اور مجھے سوپ پر ٹرخایا جا رہا ہے۔'' وہ زیب کی پلیٹ کو تاڑ کر بولے۔

''اچھا تھوڑا سا چکھ لو۔ جاؤ رحمت پلیٹ لے آؤ۔'' وہ ان کی منت کرنے پر پسیج گئیں۔

''امی جان! بھلا فالتو پلیٹ کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھیے نا عوامی جمہوری دور ہے اب سرمایہ دار اور مزدور کو ایک ہی پلیٹ میں مل جل کر کھانا چاہیے۔'' شارق نے روٹی کا بڑا سا نوالہ بنایا اور زیب کی پلیٹ سے کباب اٹھا کر کھانے لگے۔ زیب گویا بدحواس سی ہو گئی۔

صائمہ اور فرحت نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا خود بیگم مراد نے بھی مسکراہٹ چھپانے کے لیے گلاس ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔ زیب نے پریشان ہو کر سب لوگوں کی طرف دیکھا اور نوالہ ہاتھ میں پکڑ کر رہ گئی۔ ''آپ کھائیں نا زیب! رک کیوں گئی ہیں؟ بھئی فکر مت کریں میں تھوڑا سا کھاؤں گا ویسے بھی ابھی بہت سا سالن کباب شباب پڑے ہیں۔'' شارق نے معصومیت سے کہا تو زیب نے جھنجھلا کر ان کے پاؤں کے نیچے دبا اپنا پاؤں نکالنا چاہا۔ مگر وہ زور دے کر پاؤں پھنسائے تھا۔

''اونہوں...... یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔'' شارق نے جان بوجھ کر زور سے کہا تو سبھی لوگ انہیں دیکھنے لگے زیب نے گھبرا کر پاؤں ڈھیلا چھوڑ دیا۔ وہ جب زور لگاتی شارق کے پاؤں کا دباؤ مزید بڑھ جاتا تھا۔

''زیب! آپ ہار مان لیجیے۔'' شارق نے سرگوشی کی تو زیب جھنجھلا کر کھڑی ہو گئی۔
''ارے بس زیب! آپ نے تو شرما شرمی میں کچھ کھایا ہی نہیں۔ رحمت جاؤ صاف پلیٹ لے آؤ۔ توبہ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا کہ لڑکیاں پرائے لڑکوں کا جھوٹا نہیں کھاتی ہیں۔'' وہ منہ بنا کر بولے۔
''جی لڑکیاں شاید بھولے سے جھوٹا تو کھا لیتی ہوں گی لڑکوں کا۔ مگر کوؤں کا جھوٹا نہیں کھاتیں اور آپ جب سے آئے ہیں مسلسل کائیں کائیں کیے جا رہے ہیں۔'' ٹینا نے ہنس کر شارق کو کہا۔
''تم ٹینا! اچھا جی تو آپ مجھے کوا سمجھتی ہیں؟'' شارق نے ٹینا کو گھورا مگر وہ دلیری سے بولی۔
''تو اور کیا آپ بھی تو مسلسل بولے جا رہے ہیں پہاڑی کوے کی طرح۔'' ٹینا نے چھیڑا تو شارق نے گھونسہ دکھایا۔
''ارے زیب! یہ آپ کیوں ٹوٹم پول اور مینار پاکستان کی طرح سے اکڑی کھڑی ہیں۔ امی! انہیں بیٹھنے کے لیے کہیے نا اور انہوں نے کچھ کھایا بھی نہیں۔'' شارق نے بہانہ لگایا۔
''بیٹھ جاؤ بیٹی! اور شارق کی باتوں کو محسوس مت کرنا یہ بڑے عرصے کے بعد اپنی اصلیت پر واپس آیا ہے۔'' وہ پیار سے بولیں تو مجبوراً زیب کو بیٹھنا پڑا اور شارق کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔
''یار اسلم! وہ اپنی عالیہ بھابی اور شہریار کہاں ہیں؟ اور فرید انکل بھی نظر نہیں آ رہے ہیں؟''
''شکر ہے شارق بھیا! کہ آپ کو اردگرد دیکھنے کی فرصت تو ملی ہے۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میرے ابو یعنی آپ کے انکل فرید کو ڈاکٹر خرم نے ہسپتال میں داخل کر لیا ہے اور چچا ارشاد بھی جلدی کھانا کھا کر وہیں چلے گئے ہیں۔ بلکہ عالیہ بھابی اور شیری بھیا بھی کھانا یہیں سے ہی کھا کر ابو کے پاس ہسپتال گئے ہیں۔'' فرحت نے بتایا۔
پھر بیگم مراد نے سب سے کہا کہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کافی پئیں گے اور سوائے شارق و زیب کے سبھی اٹھ گئے۔ بلکہ ٹینا اور صائمہ نے رکنا چاہا تو شارق نے انہیں ٹل جانے کا اشارہ کیا۔
''شارق صاحب! میرے پاؤں چھوڑیئے۔'' سب کے جاتے ہی زیب نے غصے سے کہا تو شارق نے جھٹ ہاتھ بھی پکڑ لیے۔
''ارے آپ پاؤں چھوڑنے کا کہہ رہی ہو جبکہ میں تو آپ کے ہاتھوں کو بھی گرفت میں لینے کا سوچ رہا ہوں۔''
''شارق صاحب! یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' زیب کو بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔
''یہ بدتمیزی تو نہیں بلکہ پیار ہے مائی اینگری ڈارلنگ (angry darling) جو مجھے اس وقت آپ پر بے تحاشہ آ رہا ہے۔'' وہ زیب کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر بولے۔
''ارے ظالم لڑکی! کیا آپ کو ایک بیمار آدمی پر رحم نہیں آتا۔ خدا کی قسم میں تو آپ کی صورت دیکھنے کو ترس گیا تھا۔ ارے ہاں میری طرف سے اپنی منگنی ٹوٹنے کی دلی مبارکباد قبول کیجیے۔ ایمان سے دلی خوشی ہوئی ہے۔'' وہ زور سے ہنسے تو زیب نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور کچن کی طرف جانے لگی تھی کہ ٹینا مسکراتی ہوئی آ گئی۔
''شارق...... شارق! تمہیں آنٹی بلا رہی ہیں وہ کہتی ہیں وہیں سٹنگ روم میں آ کر لیٹ رہو۔''
''او ٹینا کی بچی! تمہیں تو اب زیب اور میرے گڑبڑ معاملے کا پتہ چل ہی گیا ہے۔ تو ذرا ہمیں تنہائی مہیا کرو۔ تاکہ

میں ذرا کوشش کر کے پتھر دل کو موم کر سکوں اور ہماری سچ مچ کی منگنی ہو سکے۔تو پلیز تم امی سے جا کر کہو کہ شارق اپنے بیڈ روم میں آرام کرنے چلے گئے ہیں۔'' وہ ٹینا کا ہاتھ تھام کر منت سے بولے۔تو ذرا فاصلے پر کھڑی زیب کے ماتھے پر بل پڑ گئے وہ باورچی خانے میں گئی اور پانی چولہے پر رکھ دیا۔

''یہ شارق ہیں ہی دھوکہ باز اور فریبی انسان! ابھی میری محبت کا راگ الاپ رہے تھے اور ابھی میرے ہی سامنے اپنی پرانی محبوبہ ٹینا سے سرگوشیاں کر رہے ہیں۔'' پھر زیب نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا جہاں شارق نے ہونٹ ثبت کیے تھے۔

''کیوں کیا میرے پیار کرنے سے ہاتھ پر چھالے پڑ گئے ہیں۔کیا کریں یار! ہمارے پیار میں تپش ہی بہت ہو گئی ہے۔'' وہ دوبارہ زیب کا ہاتھ تھام کر بولے۔

''کیا مصیبت ہے؟ آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔'' زیب نے ہاتھ چھڑانا چاہا۔

''نہ......نہ طاقت مت ضائع کریں۔یہ ٹھیک ہے کہ میں بیمار تھا اور خاصہ کمزور بھی ہو گیا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ جیسی نازک لڑکی کو قابو نہیں کر سکتا۔اب رہ گئی پیچھا چھڑانے والی بات تو وہ تو میں نے عمر بھر نہیں چھوڑنا۔ باندھ کر رکھوں گا اپنے ساتھ پہلی غلطیاں نہیں دہراؤں گا۔''

''مسٹر شارق! آپ یہ دل لبھانے والی باتیں ٹینا یا روزی سے کریں تو فائدے میں رہیں گے۔آپ مجھے پاگل نہیں بنا سکتے۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''توبہ......توبہ آپ کو پاگل بنانا کون چاہتا ہے۔ہم تو فقط آپ کو اپنی دلہن بنانا چاہتے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''آپ اپنی لچھے دار باتوں سے مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔نہ آپ مجھے پہلے خرید سکے ہیں اور نہ اب میں بکوں گی۔ میں آپ کی اصلیت کو خوب جان گئی ہوں۔'' وہ بے قابو ہو گئی تو شارق کے چہرے پر شرمندگی چھا گئی۔اور دکھ در دامنڈ آئے۔مگر زیب ابلتے ہوئے پانی کی طرف متوجہ ہو گئی۔مگر شارق نے اس کے کاندھوں کو تھام کر اپنی طرف گھمایا۔

''زیب! میں تمہاری غلط فہمی کو کس طرح دور کروں میں بس التجا کرتا ہوں کہ تم اس تکلیف دہ ماضی کو بھول جاؤ۔ مجھے موقع دو کہ میں تمہاری مدد سے ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکوں۔زیب میں کیا کروں کہ میں آپ سے بہت انتہا پیار کرتا ہوں۔'' وہ بے بسی سے بولے۔

''ٹینا اور روزی سے بھی زیادہ پیار ہے۔'' زیب نے طنز کیا۔

''زیب......'' وہ سختی سے بولے۔''ہاں ان سے ٹینا اور روزی اور باقی جو بھی تھیں ان سب سے زیادہ پیار کرتا ہوں۔آخر تمہیں میری باتوں کا یقین کیوں نہیں آتا؟'' انہوں نے بے بسی سے کہتے ہوئے کندھے جھنجھوڑ ڈالے۔

''شارق صاحب جو آنکھیں آپ کو مختلف وقت میں مختلف عورتوں کے ساتھ دیکھ چکی ہیں اب آپ ان پر پٹی باندھنا چاہتے ہیں۔نہیں میں آپ کے چکروں میں عمر بھر نہیں آؤں گی۔'' وہ ہمتی لہجے میں کہتی ہوئی مڑی تھی۔کہ اچانک ایک زوردار جھٹکے سے وہ شارق کے سینے سے ٹکرائی اور انہوں نے دونوں بازوؤں میں اسے بھینچ لیا۔

سہمی ہوئی نظروں سے زیب نے شارق کے چہرے کو دیکھا۔چہرہ جو بیماری کی وجہ سے زرد ہو گیا تھا وہ اس وقت

سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اور گہرے گہرے سانس اس کے چہرے کو بھی جھلسانے لگے تھے۔
''زیب! تمہیں میری محبت کا یقین آنا چاہیے میں تمہیں یقین دلا کر رہوں گا۔'' وہ سرگوشی کرتے ہوئے ایک دم جھکے۔

''خبردار شارق! نہیں۔'' ان کے خطرناک تیوروں کو بھانپتے ہوئے زیب نے اپنے چہرے کو بچانا چاہا۔ لیکن گرفت بہت تنگ تھی وہ بچ نہ سکی اور پھر جیسے اس کے نرم ہونٹوں پر انگاروں کی برسات ہو گئی۔ لمحے طویل ہونے کے ساتھ ساتھ بے بس سی زیب کی کشمکش بھی کم ہوتی گئی۔ نڈھال ہو کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ پھر بند بند پلکوں پر دو موتی لرزنے لگے۔ بدن جیسے دوزخ کی آگ میں جلنے لگا تھا۔
''اب بھی...... اب بھی تمہیں میری محبت کا یقین نہیں آیا؟ میری وحشت میری دیوانگی پر جنوں پر اعتبار نہیں۔''
شارق نے یکلخت اسے چھوڑ دیا اور وہ جوان انجانے جذبوں سے نڈھال سی ہو گئی تھی۔ اس کا وجود ڈول گیا۔ زیب نے ہوش میں آتے ہوئے جلدی سے کرسی کی پشت کا سہارا لیا۔
شارق نے آگے بڑھ کر کیتلی میں ابلتے پانی کو دیکھا پھر چولہے کا بٹن بند کر دیا۔ تو کچھ دیر ''شوں...... شوں'' ہونے کے بعد آواز رک گئی تو زیب کے غنودہ ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ دوسرے ہی لمحے دانت بھینچتے ہوئے ہاتھ بلند کیا۔ مگر شارق نے ہاتھ پکڑنے کی کوشش ہی نہ کی تو طمانچہ زور سے ان کے منہ پر پڑا پھر زیب نے دوسرا تھپڑ بھی جڑ دیا۔ وہ وحشی سی ہو رہی تھی۔
''لو اور بھی مار لو۔'' شارق نے اس کی سہولت کے لیے چہرہ اور قریب کر دیا۔
''مجھے گولی گولی مار دو زیب! جتنا جی چاہے مار لو۔ لیکن میں یہ کہتے کہتے مر جاؤں گا کہ مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے۔'' وہ پُرعزم انداز میں بولے۔
''تم...... تم ہر بار...... جبراً من مانی کرتے ہو بار بار میرے وجود کو زبردستی زیر کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہو۔ کئی بار تم نے میری کمزوری سے فائدہ اٹھایا ہے میری پاکیزگی کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر شارق یاد رکھو اگر میں تم سے مقابلہ کرنے کے قابل ہوتی نا۔ تب تم کبھی بھی میرے وجود کو نہ چھو سکتے۔
ہونہہ...... سمجھتے ہو کہ جسمانی قربت دے کر میرے لبوں کو اپنے تصرف میں لانے کے بعد تم میرے دل میں سوئے ہوئے جذبات جگانے میں کامیاب ہو گئے ہو؟ ہونہہ...... تو پھر تمہیں مایوسی ہوگی۔ کہ میرے دل میں تمہارے لیے محبت تو کیا جاگے گی بس نفرت سوا ہو گئی ہے۔'' زیب نے منہ دوپٹے سے رگڑتے ہوئے کہا۔
تو شارق کی نگاہوں میں ذرا دیر کے لیے غصے کے سائے لرزے۔ پھر انہوں نے ایک دم زیب کا ہاتھ تھام لیا اور آہستہ سے دبا کر چھوڑ دیا اور باہر چلے گئے۔
پھر نہ جانے کتنی دیر وہ منہ چھپائے نڈھال سی کرسی پر بیٹھی رہی تھی۔
''زیب بیٹی! کافی بن گئی ہے کیا؟'' رحمت نے آ کر پوچھا تو وہ چونک گئی۔
''ہاں...... پانی گرم ہے آپ خود لے جائیے گا۔ میری طبیعت اچھی نہیں میں سونے جا رہی ہوں۔ صائمہ بی بی کو بتا دینا۔'' وہ کمرے میں آ کر بستر پر گر گئی اور پھر تڑپ تڑپ کر رو دی۔

''شارق......شارق! تم بھی تو میری روح میں سما چکے ہو۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں ابھاگن تمہاری محبت میں گرفتار ہو چکی ہوں۔ یقیناً تم میری ویران زندگی کو اپنے رنگین تصور سے سجا چکے ہو۔ لیکن میں تمہارے ہاتھوں میں کھلونا نہیں بننا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کھیلنے کے بعد تم مجھے توڑ کر پھینک دو۔ اور کسی نئے کھلونے کی جستجو کرنے لگو گے۔

شارق! مجھے تو تمہارا کھرا اور سچا پیار چاہیے۔ جو ناقابل تقسیم ہو۔ جس میں سوائے میرے کسی کا دخل نہ ہو۔ لیکن......کیسے یقین کروں کہ......تم......تم تو ہرجائی بھنورے ہو۔'' وہ بے تحاشہ رو دی۔

شارق زیب کے پاس سے ہو کر سیدھے اپنے بیڈ روم میں چلے گئے تھے۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر صباحت اور عالیہ، شارق کے کمرے میں آ گئیں تو وہ کرسی پر بیٹھے سگار پی رہے تھے۔

''شارق! کیا بات ہے بڑے اپ سیٹ نظر آ رہے ہیں۔ ادھر وہ زیب بھی منہ سر لپیٹے پڑی ہے۔ لڑائی تو نہیں ہو گئی ہے؟'' صبا نے پوچھا۔

''نہیں کچھ نہیں ہوا۔'' وہ گاؤن کی ڈوریاں کستے کھڑے ہو گئے۔

''لو میں کیسے مان لوں تم ذرا آئینے میں اپنی شکل تو دیکھو۔''

''افو......صباحت! تم تو پیچھے پڑ جاتی ہو کہا جو ہے کہ کچھ نہیں ہوا ہے۔'' وہ جھنجھلا گئے۔

''دیکھا عالیہ! اب تو مجھے پکا یقین ہو گیا ہے کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ کیونکہ وہاں زیب بھی شارق کی طرح کاٹنے دوڑ رہی ہے۔ تو بتا دونا منے آخر بات کیا ہے؟'' صبا نے چمکار کر پوچھا۔

''ہونا کیا تھا وہ تمہاری زیب صاحبہ نے مجھے ڈسکوالیفائی کر دیا ہے۔ وہ مجھ سے شادی تو خیر کیا کرے گی وہ میری شکل دیکھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔'' وہ بڑے دکھ سے بولے۔

''واہ......اور یہ شارق صاحب! بڑے ہیرو بنے پھرتے تھے۔ مجھے عورت ذات سے نفرت ہے؟ پھر اب کہاں رہ گئی ہیں وہ سب نفرتیں۔'' صبا نے طنز کیا تو شارق کو برا لگا۔

''ہونہہ......آخر عورت ہونا۔ تم لوگوں کا واحد ہتھیار ہی تو طعنے دینا ہے نا؟'' وہ جل کر بولے تو صبا نے بھی منہ توڑ جواب دیا۔

''اور تم مرد ہونا۔ تبھی اتنی ڈھٹائی سے کام لیتے ہو چکنے گھڑے ہو۔ کیا مجال ہے جو ذرا شرمندگی کا اظہار کر جاؤ۔''

''صبا! بھئی آپ دونوں آپس میں لڑنا بند کر دو اور یہ سوچو زیب کو کیسے منایا جائے۔ لیجیے خرم بھی آ گئے ہیں انہیں بھی شریک مشورہ کر لیں۔'' عالیہ نے دروازے کی طرف دیکھا۔

''کیوں یہ میری عالیہ بھابھی ہمیں کس لیے یاد کر رہی ہیں؟'' خرم آ کر اپنی صبا کے پاس بیٹھ گئے۔

''بھئی یہ اپنے شارق کا اور زیب کا مسئلہ جو حل نہیں ہو رہا ہے۔'' صبا نے خرم کا بازو ہلایا۔

''لو ان دونوں کا کیا مسئلہ ہے بھلا؟'' خرم حیرانی سے بولے۔

''کمال ہے آپ کو کچھ پتہ نہیں ہے آخر کس دنیا میں رہتے ہیں جناب؟'' صبا نے بے یقینی سے پوچھا۔

''بھئی ہمیں تو صرف یہ پتہ ہے کہ شارق صاحب کا رویہ زیب کے ساتھ خاصہ گھناؤنا اور تلخ رہا ہے۔ اور خود انہوں نے کچھ لحاظ کیے بغیر میرے سامنے اتنی بیہودہ باتیں کی تھیں کہ میں ان سے سخت بدظن و متنفر ہو گیا تھا۔''

''چلو خرم! وہ باتیں چھوڑو۔ اس وقت ان کے دماغ میں ٹام کروز بننے کی دھن سوار تھی۔ مگر اب یہ حواسوں میں آ گئے ہیں۔ اور زیب سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں زیب یعنی ہماری سہیلی سے محبت ہوگئی ہے۔'' عالیہ نے خرم کا بازو ہلا کر بتایا۔

''انہیں محبت ہوگئی ہے؟'' خرم چیخے پھر بیہوش ہونے کے انداز میں آنکھیں بند کر کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے اور صبا کے کاندھے پر سر رکھ دیا۔

''یار! مسخرہ پن مت کرو اور میری کچھ مدد کرونا؟'' شارق نے شرمندہ ہو کر کہا۔

''یا خدا...... شارق! اگر یہ محبت ہے تو بھائی ہمیں بتاؤ تمہاری زبان میں نفرت کسے کہتے ہوں گے؟ مجھے تو شاک لگا ہے تو کیا واقعی تم زیب سے شادی کرنا چاہتے ہو؟'' خرم بے یقینی سے بولے۔

''اوہو خرم! اب یقین کرلو نا تمہیں اور کیسے سمجھایا جائے اب؟'' صبا نے بڑے پیار سے ان کا ہاتھ دبایا۔

''ہائے...... اگر اس طرح پیار سے سمجھاؤ گی تو ایک سیکنڈ میں سمجھ جاؤں گا۔'' خرم نے صبا سے سرگوشی کی۔

''خیر شارق! یہ بتائیں سچویشن کیا ہے؟ ویسے بھائی میں تو اس انکشاف پر بے حد گھبرایا ہوا ہوں۔''

''یار! زیب بھی میری بات کا یقین ہی نہیں کرتی وہ ابھی بھی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ میں دھوکہ دے رہا ہوں اس سے فلرٹ کررہا ہوں۔'' شارق بے بسی سے بولے۔

''یار! وہ بیچاری ہے تو سچی تم ماشاء اللہ ہو جو فلرٹ کرنے میں اتنی نامی گرامی شخصیت۔ اور پھر شک کرنے بہتان لگانے میں بھی شارق صاحب چیمپئن ہیں۔ میرے ساتھ بھی اس غریب مظلوم لڑکی کا افیئر مشہور کر دیا تھا۔''

''ہاں خرم! دماغ ہی خراب تھا میرا کہ سیدھی بات بھی الٹی لگتی تھی۔'' شارق شرمندگی سے بولے۔

''یار! اب تو مجھے یقین آ گیا ہے کہ معاملہ واقعی سیریس ہے۔'' خرم متاثر ہو گئے۔ پھر راحیل کے متعلق پوچھا تو صائمہ نے بتایا کہ وہ کچھ دیر پہلے ہی کلینک گئے ہیں وہاں وہ احمر کے آپریشن کے انتظام کر رہے ہیں۔ مگر وہ ابھی زیب کو بتانا نہیں چاہتے۔ ان کا پروگرام ہے کہ اچانک صحت مند احمر کو ان کے سامنے کر کے حیران کر دیں۔ تب خرم نے بتایا کہ آپریشن میں وہ راحیل کی مدد کریں گے اور کل ضروری ایکسرے بھی کریں گے۔

تبھی شارق نے جھجکتے جھجکتے اپنے وسوسوں کا اظہار کیا۔

''صبا! تم پھر کہو گی کہ میں شکی ہوں بدگمان رہتا ہوں۔ لیکن زیب کے معاملے میں مجھے راحیل پر شبہ ہے۔ میرا مطلب ہے کہ وہ بھی زیب کا پرستار ہے۔ اور اپنانے کا خواہشمند ہے۔'' وہ پریشان تھے۔

''خود مجھے بھی کچھ ایسا ہی شبہ ہے کہ راحیل زیب کو بہت پسند کرتا ہے؟'' خرم نے تائید کی۔

''تو اب کیا کریں؟'' شارق گھبرا گئے تو صباحت نے جھٹ پروگرام بتایا۔

''دیکھو شارق! ایسا کرتے ہیں کہ میں کل آنٹی اور صائمہ کو کھانے پر انوائٹ کر لیتی ہوں۔ اور زیب تو ویسے ہی اسلم بھائی کا سامنا کرنے سے گھبراتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے گھر میں رک جائے گی۔ تب پھر خرم ہسپتال سے یہاں شارق کے گھر فون کر کے زیب سے کہیں گے کہ وہ احمر کو لے کر فوراً ہسپتال پہنچے۔'' صبا نے بے صبری سے بولتے ہوئے اسکیم بتائی۔

''ہاں خرم! آپ شارق کو وقت بتا دیں کہ یہ احمر کو کب پک کریں؟'' پھر شارق ذرا احمر سے دوستی بے تکلفی بھی پیدا کرلیں گے۔ جوان کے لیے بہت ضروری ہے۔ اکلوتے سالے سے تعلقات بہت خوشگوار ہونے چاہئیں۔

تو پھر شارق، احمر کو لیے اپنے گھر آئیں گے اور زیب کو ساتھ چلنے کے لیے کہیں گے۔ یوں احمر کی موجودگی میں زیب انکار کر ہی نہیں سکے گی۔ پھر جب یہ ہسپتال پہنچیں گے تو خرم احمر کو تو اتار لیں گے اور زیب سے کہیں گے کہ اسے عالیہ بھابھی نے فوراً بلوایا ہے۔ بس تو شارق پھر تم زیب کو لے کر غائب ہو جانا اور کسی پُر فضا پُرسکون رومان پرور مقام پر لے جا کر۔ چاہے ہاتھ باندھنا۔ منتیں کرنا۔ شاید اب کی بار رحم آ جائے۔

مگر یاد رکھو بدتمیزی اور زبردستی کرنے کی کوشش مت کرنا جو تمہاری بد عادت ہے۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔'' صبا نے ہنستے ہوئے کہا۔

صباحت اپنے بچھڑے ہوئے عزیزوں سے ملنے کے بعد بالکل بدل کر رہ گئی تھی۔ بے انتہا پُرسکون و شانت ہو گئی تھی۔ ہر دم ہنستی مسکراتی نظر آتی تھی۔ پھر خرم کی بے لوث محبت پا کر تو وہ پھر سے جی اٹھی تھی اور اپنی قسمت پر نازاں تھی۔ اور خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی تھی۔

دوسرے دن اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق صبا، بیگم مراد اور صائمہ کو کھانے پر مدعو کر کے ساتھ ہی لیتی گئی اور جیسا کہ انہیں معلوم تھا زیب بہانہ کر کے رک جائے گی۔ تو ویسا ہی ہوا۔ وہ سر میں شدید درد کا کہہ کر آرام کرنے بیڈ روم میں چلی گئی تھی اور شارق، راحیل کے گھر احمر کو لینے روانہ ہو گئے۔ پھر وہاں پہنچ کر انہوں نے کار پورچ میں روکی اور اتر کر اندر چلے گئے۔ تو سامنے گیلری میں ایک لڑکی کھڑی ہوئی فون سن رہی تھی اس کی نظر جب بے تکلفی سے اندر آتے شارق پر پڑی تو وہ حیران نظروں سے انہیں تکتے ہوئے فون بند کر کے ان کی طرف بڑھی۔

''جی فرمایئے کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' اس نے بڑے اخلاق سے پوچھا۔

شارق نے بڑی دلچسپی سے اٹھارہ انیس سالہ پُرکشش لڑکی کو دیکھا انہیں زیب کی مشابہت نظر آئی۔ یہ ضرور زیب کی چھوٹی بہن ہو گی۔ وہ مسکرا دیئے۔

سیما نے حیران ہو کر اس لمبے خوبرو مرد کو دیکھا جو آنکھوں میں چمک لیے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔

''کک......کون ہیں آپ......آپ کو کس سے ملنا ہے؟'' وہ گھبرانے لگی۔

''اگر میں کہوں مجھے آپ سے ملنا ہے تو؟'' پھر شارق اس لڑکی کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی دیکھ کر ہنس دیئے۔

''ارے سیمابی! ڈرو نہیں بھئی میں شارق رضا ہوں اور احمر بھائی کو لینے آیا ہوں۔'' وہ قریب آ گئے۔

''شش......شارق؟ تو......آ......آپ ہیں باجی زیب کے بب......بب......باس......'' ان کی پرکشش شخصیت کو دیکھنے کے بعد سیما کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہنس مکھ انسان ہی شارق ہو گا۔ جاوید اور خود زیب سے وہ کتنی بار شارق کے کرتوت سن چکی تھی۔ ان کی عیاشیوں سختیوں رعب کے قصے جاوید نے کتنی بار سنائے تھے اور وہ سب سننے کے بعد سیما کے ذہن میں ان کی جو بھیانک تصویر بنی تھی اس سے تو یہ بندہ بالکل ہی مختلف تھا۔ جو اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

''جی میں شش......شش......شارق نہیں صرف شارق ہوں۔ خیر یہ بتایئے کہ احمر بھائی کہاں ہیں؟''

''وہ احمر بھیا؟ آ......آپ ڈرائنگ روم میں بیٹھیں میں انہیں لے کر آتی ہوں جی؟'' وہ وہاں سے بھاگ گئی اور شارق مسکراتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئے تھوڑی دیر بعد ایک خوبصورت خاتون احمر کو تھام کر اندر چلی آئیں۔

''السلام علیکم!'' شارق نے آگے بڑھ کر احمر کو تھاما اور صوفے پر بیٹھنے میں مدد دی۔

''جی میں شارق ہوں اور مجھے میجر خرم نے بھیجا ہے وہ آپ کو ہسپتال لے جانا ہے نا۔''

''شارق صاحب! آپ نے کیوں تکلیف کی جاوید یا شہزاد کو بھیج دیا ہوتا آپ کا تو وقت بہت قیمتی ہے۔'' وہ خاتون پیار سے سلام کا جواب دے کر بولیں۔

''آپ سعدیہ بھابھی ہیں نا؟'' شارق نے ان سے پوچھا۔

''جی...... جی ہاں بھائی! میں ہی سعدیہ ہوں۔'' وہ بھی سیما سے کم حیران نہیں ہوئی تھیں۔ ''اللہ توبہ......توبہ یہ زیب اور جاوید انہیں کتنے ڈراؤنے روپ میں پیش کرتے رہے ہیں۔ مگر یہ تو اتنے اچھے اور مہذب سے ہیں۔'' سیما نے بھی ابھی حیرت کا اظہار کیا تھا کہ یہ شارق تو بڑے ڈیسنٹ ہیں۔ تو پھر زیب باجی کس بندے کی برائیاں کرتی رہی ہیں؟ سعدیہ بھی حیرانی سے انہیں تک رہی تھیں۔

''بات یہ ہے بھابھی جان میں خود آپ لوگوں سے ملنے کے لیے بے چین تھا ویسے احمر بھائی سے چار پانچ سرسری سی ملاقاتیں تو ہوئی تھیں۔ بس بھابھی مصروفیت اتنی ہوتی تھی کہ آپ لوگوں سے تفصیلی ملاقات کی خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔'' وہ انکساری سے بولے۔ ''چلیے خیر......ان شاء اللہ اب ملنا جلنا رہے گا۔ اچھا تو احمر بھیا! آپ تیار ہیں نا چلیں پھر؟'' شارق ان کی وجاہت سے متاثر ہو رہے تھے۔

وہ سرمئی شلوار قمیص پر سیاہ واسکٹ پہنے تھے اور ان کے کھڑے کھڑے نقش اور سرخ و سپید رنگت پر بہت پھب رہا تھا۔

''چلیے......لیکن شارق صاحب! چائے ہی پی لیجیے۔'' احمر نے ان کا ہاتھ تھپتھپایا۔

''ہاں...... بھیا! مگر واپسی پر پی لیں گے۔'' وہ ان کا بازو پکڑ کر اٹھا کر بولے تو انہیں اونچی اونچی آوازیں سنائی دیں۔

سیما، شارق کو دیکھنے کے بعد خاصی بے چین ہو رہی تھی۔ وہ زیب کو فون پر بتانے کے بعد اندر ڈرائنگ روم میں تو نہ گئی تھی مگر پردے کے پیچھے سے جھانک کر ضرور دیکھ رہی تھی۔

''کیوں جی! یہ تم کیوں چوروں کی طرح ڈرائنگ روم میں آخر کیسے جھانک رہی ہو اتنی دیر سے کہ میرے آنے کا بھی پتہ نہیں چلا ہے تمہیں۔'' جاوید نے سیما کی محویت دیکھی تو کتنی دیر کھڑے دیکھتے رہے پھر سیما کو کان سے پکڑا اور پردہ ہٹا کر کھینچتے ہوئے اندر چلے آئے گویا کسی بکری کو پکڑ کر لا رہے ہوں۔

''ذرا ادھر دیکھیے سعدیہ بھابھی! یہ لڑکی چوروں کی طرح کب سے اندر جھا...... جھانک...... ارے باپ رے باپ......'' شارق کو بے گمان سامنے دیکھ کر وہ بری طرح سے گھبرا گیا تھا۔ پھر ایک دم سیما کے کان چھوڑ کر اسی کے پیچھے جا چھپے۔ ''یہ کیسی انہونی ہو رہی تھی بھلا۔ کہاں سے ٹپک پڑے شارق رضا! اور کیوں کیسے؟ یا خدا...... مجھے معافی دینا ارے سیما بی مجھے چھپا لو ورنہ ان کی وجہ سے آج تم قبل از وقت بیوہ ہو جاؤ گی۔''

وہ شارق کو جھانکتے ہوئے بولے۔ جو سینے پر ہاتھ باندھے اس پر گویا غور کر رہے تھے۔
''توبہ جاوید صاحب! یہ کیا واہی تباہی بک رہے ہیں آپ؟'' سیما نے ڈانٹا۔ شارق پوری طرح سے متوجہ تھے۔
''کیوں جاوید! کیا بات ہے ادھر آؤ۔'' شارق نے حیرت سے دیکھتے ہوئے بلایا۔ ''یہ کیسے سیما سے اتنا بے تکلف ہے؟''
''یس باس! سر میں آفس کا پورا کام نپٹا کر آیا ہوں۔ وہ...... وہ جی دراصل مجھے سیما کو بتانا تھا کہ اگلے ہفتے ان کا رزلٹ آ رہا ہے۔'' جاوید معصوم شکل بنا کر قریب آ گیا۔
''آپ مس سیما کو فون پر بھی تو یہ اطلاع دے سکتے تھے نا'' شارق مسکراہٹ دبا کر بولے۔
''ہاں...... جی سر! بتا تو سکتا تھا مگر فون پر ان کی شکل جو نہیں نظر آ سکتی تھی؟'' جاوید بے ساختہ بولا۔ پھر شارق کی نگاہوں میں خفگی دیکھ کر گھبرا گیا۔
''میرا مطلب ہے سر! اگر آپ کو میرا آنا اچھا نہیں لگا تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔'' وہ مڑا مگر سب ہنس دیئے شارق بھی نرمی سے بولے۔
''جاوید صاحب! اب آ گئے ہیں تو یہاں رک جائیں۔ کیونکہ میں احمر بھائی کو ہسپتال لے جا رہا ہوں۔''
''سر! احمر بھیا کو آپ ہسپتال لے جا رہے ہیں؟ یا خدارا! یہ آج میں کیا دیکھ اور سن رہا ہوں یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے سر! کیا ہفتہ خوش اخلاقی منا رہے ہیں۔'' جاوید نے قریب آ کر آہستگی سے کہا۔
''یار! ابھی کسی سے کہنا مت جاوید! مگر وہی کچھ جو تمہیں سیما کے ساتھ ہوا تھا ناوہی اب مجھے زیب کے ساتھ ہو گیا ہے نا؟'' جواباً شارق نے سرگوشی کی تو جاوید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے بڑی بے یقینی سے انہیں دیکھا پھر وہ بے تحاشہ خوش ہو گیا۔
''واہ...... واہ مزا آ گیا۔ اوئے خوش کر دتا ای صاحبا۔'' وہ بے اختیار ان کے گلے لگ گیا۔
''یہ کیا حماقت ہے جاوید؟'' شارق نے ڈانٹ دیا۔
''دیکھیے...... دیکھیے سر! اب تو مجھے مت ڈانٹا کریں نرمی و محبت سے اخلاق سے پیش آیا کریں۔ آخر کو اب ہم رشتہ دار ہو جائیں گے۔'' جاوید نے لاڈ سے منہ بنا کر کہا۔
''لو بھلا یہ کیسے رشتہ دار بنیں گے آپ لوگ؟'' سیما نے بے ساختہ پوچھا۔
''چہ...... سیما! توبہ اور کوئی پوچھے نہ پوچھے۔ تم لڑکوں کے معاملے میں ضرور بولو گی۔ ہونہہ...... ہر بات میں ٹانگ آ ٹکاتی ہو۔'' جاوید نے گھورتے ہوئے ڈانٹا تو وہ اکھڑ گئی۔
''ارے بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی ہے ٹانگ شانگ اٹکانے کی۔ میں تو...... میں تو......'' وہ غصے سے ہکلا گئی۔
''اس گندی ٹانگ شانگ پر لعنت بھیجتی ہوں۔'' جاوید نے لقمہ دیا۔
''ارے ہاں...... تو اور کیا۔'' وہ بھی غصے اور جھونک میں بولے گئی۔
''اف میرے نصیب...... دیکھا آپ نے سنا احمر بھیا! کہ یہ آپ کی بہن کس قدر گستاخ و بے ادب ہو گئی ہے۔ بس آپ فوراً آج ہی اس کے ہاتھ پیلے کرنے کا انتظام کریں۔'' جاوید نے مشورہ دیا۔

''ہائے اللہ کرے...... اللہ کرے...... یہ اتنے لمبے لمبے کیڑے پڑیں ان کی زبان میں۔'' سیما ہاتھ سے فٹ لمبا اشارہ کر کے بولی۔

''پاگل ارے اتنے لمبے کیڑے تو نہیں ہوں گے البتہ سانپ وانپ ہو سکتے ہیں۔'' جاوید نے سر ہلایا۔

''اوہو سیما! یہ کیا بدتمیزی ہے چلو معافی مانگو جاوید سے۔'' احمر نے ڈانٹا۔

''کیوں مانگوں معافی بھیا! آپ ہمیشہ مجھے قصوروار ٹھہراتے ہیں حالانکہ پہلے یہی مجھے چھیڑتے اکساتے ہیں مگر پھر آپ کے سامنے میسنے معصوم بن جاتے ہیں ڈرامہ باز۔ اللہ کرے آپ کی آنکھیں فوراً ٹھیک ہو جائیں تو پھر جب آپ خود دیکھیں گے تو آپ کو حقیقت کا پتہ چلے گا۔ یہ کس قدر ستاتے ہیں۔'' وہ پاؤں مارتی ہوئی جانے لگی۔

''ارے رے...... یہ میری پیاری منی سی بہن سیما تو بہت ناراض ہو گئی ہے۔'' شارق نے لپک کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ ایک لمحے کے لیے تو سیما بھی اس بے تکلفی سے گھبرا گئی۔ پھر شارق کے چہرے پر خلوص بکھرا دیکھ کر ان کے ساتھ کھڑی ہو گئی کہ شارق اس کی طرفداری جو کر رہے تھے۔

''ادھر آؤ جاوید! کیوں تنگ کر رہے ہو چلو کان پکڑو۔'' شارق نے اشارہ کیا۔

''یہ لیجیے سر!'' جاوید نے آگے بڑھ کر سیما کے کان پکڑ لیے۔ تو وہ چیخ اٹھی۔

''اوئے اپنے کان پکڑو تم۔'' شارق نے جاوید کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

''پلیز سر! لڑکی کے سامنے تو مجھے بے عزت مت کیجیے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو میں نے آپ کو اپنا نازک رشتہ سمجھایا تھا۔'' جاوید نے احتجاج کرنا چاہا۔

''جاوید! میں کہتا ہوں کان پکڑو۔ ورنہ لڑکی کے سامنے ہی مرغا بننا پڑے گا۔'' شارق نے ڈانٹا۔

''سر! خدا خوفی کریں۔ سر! ساری عمر مجھے طعنے دے گی اور میرا اس پر رعب نہیں رہے گا۔ کہے گی ارے جاؤ جاؤ...... تم وہی جاوید تو ہو جو میرے سامنے مرغا بنے تھے۔'' وہ ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا مگر شارق کو جارحانہ انداز سے بڑھتا دیکھ کر گھبرا گیا۔

''اچھا...... سر! ناراض مت ہوں میں کان پکڑ لیتا ہوں۔ لو باس کی نئی سسٹر محترمہ سیما صاحبہ! اب تو خوش ہو نا؟'' وہ سیما کو ہنستا دیکھ کر جل کر بولا۔

''آئندہ خبردار رہنا جاوید! اب اگر ہماری بہن کو ستایا تو الٹا لٹکا دوں گا۔'' شارق ہنستے ہوئے احمر کی طرف بڑھے۔

''جی اچھا سر! آئندہ انہیں آپ کے سامنے نہیں ستاؤں گا۔ مگر سیما! تم ذرا باہر تو چلو میں تمہاری درگت بناتا ہوں۔'' جاوید نے آہستہ سے سیما کو دھمکی دی۔

''دیکھا...... دیکھا کچھ سنا ہے آپ نے شارق بھیا! یہ پھر مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں۔'' سیما نے بے تکلفی سے پکارا۔ تو شارق نے مڑ کر جاوید کو گھورا تو وہ کان پکڑ کر باہر بھاگ گیا۔ تو سبھی ہنس دیئے۔

''جاوید کے دم سے تو ہمارے گھر میں اتنی رونق لگی رہتی ہے احمر کا دل لگا رہتا ہے۔'' سعدیہ بھی نے بتایا۔

''شارق صاحب! واپسی پر آپ آئیں گے نا چائے پئیں گے نا ہمارے ساتھ۔'' سعدیہ بھابھی نے پوچھا۔

''بھابھی! اگر احمر بھائی کے ساتھ واپس نہ آ سکا تو شام کو ضرور چکر لگاؤں گا۔ آپ فکر مت کیجیے چائے ضرور پیوں

گا۔'' وہ ہنستے ہوئے احمر کو ہمراہ لے کر چلے گئے تو ششدر و بے یقین سی سیما چونکی۔

''ہائے بھابھی! یہ شارق بھائی تو اتنے اچھے ہیں مگر لوگوں نے کتنا بدنام کر رکھا ہے انہیں؟'' سیما نے کہا۔

''ہاں...... واقعی مجھے بھی بہت اچھے لگے ہیں۔ سیما تم ہنسو گی تو سہی مگر بے ساختہ میرے دل میں خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ اے کاش شارق ہماری زیب کو اپنا لیتے۔'' پھر سعدیہ اپنی خواہش پر خود ہی ہنس دیں۔

''اے کاش ایسا ہو جائے۔ بھابھی اگرچہ وہ اسلم بھی برے تو نہ تھے دیکھنے میں۔ مگر مجھے بحیثیت بہنوئی یہ شارق بہت اچھے لگے ہیں۔'' سیما نے حسرت سے کہتے ہوئے سعدیہ بھابھی کے کاندھوں پر ہاتھ رکھا اور احمر اور شارق کو سی آف کر کے اندر چلی آئی تھیں۔

شارق...... احمر کو ہمراہ لے کر اپنے گھر زیب کو لینے جا پہنچے۔ پھر وہ احمر کو بٹھا کر زیب کے بیڈ روم کی طرف بڑھے آہستہ آہستہ دروازہ کھٹکایا مگر جواب ندارد تھا۔ شاید وہ سو چکی ہو یا...... یا پھر کسی گہری محویت میں غرق ہوگی۔ شارق کا دل اسے دیکھنے کے لیے مچل اٹھا تو وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ مگر سامنے ہی زیب صوفے پر بیٹھی تھی گود میں کتاب کھلی رکھی تھی مگر وہ پڑھنے کے بجائے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شارق کو آتے دیکھا تو ہڑبڑا اٹھی۔ اور جلدی سے قریب پڑا دوپٹہ اٹھا کر اوڑھ لیا۔ وہ حیرت سے بولی۔

''آپ اور یہاں...... کسی کے کمرے میں آنے سے پہلے دروازہ کھٹکانا یا اجازت لینا نہیں سیکھا ہے آپ نے؟'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔

''خاصی تمیز سیکھی ہے میں نے اور کسی غیر کے کمرے میں جانے سے پہلے میں دروازہ ضرور کھٹکاتا ہوں۔ لیکن اب تو میں...... آپ کے کمرے میں آیا ہوں۔ سو اجازت کی ضرورت نہیں سمجھی۔'' وہ حقوق جتانے والے انداز سے بولے۔

''خیر...... اٹھیے چلیے میرے ساتھ میں آپ کو لینے آیا ہوں۔'' وہ قریب ہو کر بولے۔

''کیا...... آپ ہوش میں تو ہیں نا؟'' وہ بلک اٹھی۔

''میں آپ کے ساتھ کیوں جاؤں گی بھلا کیا تعلق رشتہ ہے آپ کا مجھ سے؟ لو یہ بھلا کیا زبردستی ہے؟''

''کیوں کیا آپ کو ساتھ لے جانے کے لیے پہلے کوئی تعلق کوئی رشتہ قائم کرنا ضروری ہے کیا؟'' وہ ہنسے۔

''سر! برائے مہربانی آپ مجھے تنہا چھوڑ دیجیے میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔'' زیب کی آواز بھرا گئی۔

''زیب اگر پریشان ہو تو اکیلے ہی دکھ کیوں اٹھا رہی ہیں آپ! ہمیں اپنے دکھوں غموں میں شریک کر لیجیے نا۔ تب بہت شانت ہو جائیں گی آپ۔ ہمیں دیکھیے نا کہ جب تک ہم نے آپ کو راز دار نہیں بنایا تھا ہم کس قدر بھٹکے ہوئے بکھرے ہوئے تھے۔ مگر راز دل عیاں کرنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے جیسے منزل قریب آ گئی ہو۔''

وہ زیب کی پشت کی طرف آ کر اس کے کان سے ہونٹ لگا کر بولے تو وہ بدک گئی مگر ضبط کر کے بولی۔ ''پلیز شارق! آپ چلے جائیے ورنہ میں ہی چلی جاتی ہوں۔'' اس نے قدم بڑھایا تو شارق نے راستہ روک لیا۔

''اس قدر ہٹ اور ضد اچھا نہیں ہوتا۔ مغرور لڑکی! ویسے بھی مگر آپ کیسے جا سکتی ہیں میں تو آپ کو لینے آیا ہوں۔ اور ساتھ لے کر ہی جاؤں گا۔'' وہ بازو پکڑ کر جارحانہ انداز میں بولے تو وہ ڈر کر چیخ اٹھی۔

''نہیں...... میں آپ کے ساتھ کہیں...... کہیں بھی نہیں جاؤں گی۔'' اس نے بازو جھٹکا۔

''زیب بیٹا! کیا بات ہے۔ کیا تم ہمارے ساتھ ہسپتال نہیں جانا چاہتیں؟'' احمر، رحمت بابا کا سہارا لیے اندر آ گئے تھے اور انہوں نے زیب کا انکار سن لیا تھا۔

''احمر بھیا آپ...... آپ یہاں کیسے آ گئے ہیں؟'' وہ ان سے لپٹ گئی۔

''بھئی میں تو بہت دیر سے آیا ہوا ہوں تمہارے انتظار میں بیٹھا رہا تو تم نہیں جاؤ گی ہسپتال؟'' انہوں نے استفسار کیا۔

''کیا...... مجھے ہسپتال جانا ہے بھیا! مگر مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''مگر زیب! میں بھی تو کب سے آپ سے ساتھ چلنے کو کہہ رہا ہوں۔ مگر آپ سن ہی نہیں رہی ہیں۔'' شارق جھٹ بولے۔

''اوہو زیب بیٹی! معاف کیجیے گا مجھے۔ میں آپ کو بتانا ہی بھول گیا کہ دو گھنٹے پہلے خرم صاحب کا فون آیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ زیب بیٹا کو پیغام پہنچا دو کہ میں اپنا آدمی بھیج رہا ہوں وہ احمر میاں کو لے کر یہاں آپ کو لینے آئیں گے۔'' رحمت بابا شرمندہ ہو کر بولا۔ ''تو پھر وہ شارق میاں نے ہی آپ کو لینے آنا ہو گا۔''

''چلیے...... اب تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ تو اب تیار ہو کر آ جایئے۔'' شارق، احمر کو لے کر چلے گئے۔ وہ جلدی جلدی تیار ہو کر نیچے آئی پھر شارق کی ہنڈا ایکارڈ میں شارق ہی کے ہمراہ احمر کو بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ پھر جب شارق نے اس کے لیے دروازہ کھولا تو وہ چپکے سے پیچھے بیٹھ گئی۔ راستے میں احمر اور شارق بے تکلف دوستوں کی طرح سے گپیں لگا رہے تھے۔ جب وہ ہسپتال پہنچے تو خرم انہیں دیکھ کر باہر آ گئے پھر احمر کو سہارا دے کر اتارا اور شارق سے کہا۔

''شارق! تم اور زیب کار سے مت اترو بلکہ میرے گھر چلے جاؤ۔ آپ کی والدہ اور صائمہ بہن کا فون آیا تھا اور انہوں نے حکم دیا ہے کہ جیسے ہی آپ دونوں پہنچیں۔ میں آپ کو وہاں بھجوا دوں۔ ان کے پاس۔'' خرم نے بتایا۔

''مگر...... میں وہاں نہیں جانا چاہتی احمر بھیا! میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔'' زیب گھبرا کر بولی۔ دراصل اسلم کا سامنا اور شارق کے ساتھ تنہا جانے کے خیال سے لرزاں تھی۔ مگر احمر نے ٹوکا۔

''جاؤ زیب! خوامخواہ ضد نہیں کرتے۔ پھر امی حضور نے بلوایا ہے تمہیں میری فکر مت کرو خرم ہیں نا میرے پاس؟''

''ہاں شارق میاں! آپ کو اپنی سعدیہ بھابھی سے کیا ہوا وعدہ تو یاد رہے گا نا؟'' احمر نے جاتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل یاد رہے گا احمر بھائی! اور میں شام کو زیب سمیت آپ کے ہاں آ جاؤں گا۔'' شارق نے یقین دلایا۔ زیب ابھی تک پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی شارق نے سامنے کا دروازہ کھول کر اسے آگے آنے کی دعوت دی۔ مگر زیب نے انکار کر دیا اور وہیں جمی رہی۔

''جی نہیں...... میں یہیں ٹھیک ہوں آگے نہیں بیٹھنا ہے مجھے۔'' وہ منہ بگاڑ کر بولی۔

''کیوں زیب! یہ آپ صبح کس منحوس کا منہ دیکھ کر اٹھی تھیں کہ ہر بات میں انکار کیے جا رہی ہیں۔ پہلے پہل تو صبح آپ نے صباحت کے ہاں دعوت پر جانے سے انکار کیا۔ دوم پھر جب سب ناشتہ کر رہے تھے تو آپ نے ناشتہ کرنے

سے انکار کر دیا۔ تیسرا پھر جب ہم آپ کو ہسپتال کے لیے بلانے آئے تب بھی آپ نے ہمیں کمرے میں بلانے سے پھر ہمارے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور ہماری محبت سے تو آپ ہمیشہ سے منکر رہی ہیں۔ تو پھر اب آگے بیٹھنے پر معترض کیوں ہیں بھلا؟

ویسے میرا خیال ہے کہ بہتری اسی میں ہے کہ آج آپ سے کوئی بات نہ کی جائے ورنہ آپ بڑا سا سر ہلا کر بس انکار ہی کیے جائیں گی۔'' شارق دروازہ پورا کھول کر سامنے آ گئے۔

''چلیے اٹھیے میں اکیلے نہیں بیٹھوں گا آپ کو میرے ساتھ بیٹھنا پڑے گا۔ ویسے محترمہ! آپ ذرا اپنے اردگرد نظر دوڑا لیجیے۔ دیکھیے کتنے بہت سے لوگ کھڑے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ تو ان میں اگر بہت سے مجھے جانتے ہوں گے تو چند ایک آپ سے بھی واقف ہوں گے۔ پھر اگر ان کے سامنے میں نے زبردستی آپ کو کھینچ کر آگے بٹھایا تو سوچ لیجیے کتنی باتیں بنیں گی اور بقول آپ کے کہ میں تو کوئی نیک نام آدمی ہوں نہیں۔ سو مجھے تو بدنامی کا خوف نہیں مگر آپ اپنا انجام سوچ لیجیے۔'' شارق کندھے جھٹک کر بولے۔

''ہونہہ...... خود پسند...... خودغرض انسان۔'' زیب نے جیسے گالی دی اور پھر مجبوراً آگے بیٹھتے ہی زوردار جھٹکے سے دروازہ بند کر دیا۔ شارق نے مسکرا کر کار چلا دی۔

''اچھا تو محترمہ زیب! ابھی آپ نے مجھے دو خطاب دیئے ہیں۔ یعنی خود پسند تو اس میں کیا برا ہے۔ تو بھئی خود کو پسند کرنا کوئی برائی یا عیب تو نہیں ہے۔ دیکھو نا جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی مخلوق کو اس قدر پیار سے تخلیق کیا ہے تو پھر ان کی بنائی ہوئی چیز کو وجود کو آخر کیوں پیار نہ کیا جائے۔ اس کا خیال کیوں نہ رکھا جائے؟

تو اسے خود پسندی تو نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ تو ایک طرح سے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والی بات ہوئی نا؟ اور اب رہی بات خودغرض ہونے کی۔ تو یار من! خود سے غرض رکھنا بھی کوئی گناہ تو نہیں۔ پھر میں تو کیا ساری دنیا ہی خودغرضی مطلبی ہے۔ اب آپ دیکھو نا آپ سے غرض ہے اسی لیے آپ اس قدر مہذب و پیار بھرے انداز میں آپ سے مخاطب ہو رہا ہوں۔'' وہ زیب کے تاثرات دیکھ کر زور سے ہنسے۔

''ہونہہ...... آپ لفظوں سے کھیلنا خوب جانتے ہیں نا؟'' وہ چڑ کر بولی۔

''توبہ کیجیے زیب! ہمیں تو صرف ٹینس یا بیڈمنٹن کھیلنا آتا ہے۔ پھر لفظوں سے کھیلنا کوئی بُری بات نہیں۔ کیونکہ لوگ تو آج کل دلوں سے کھیل جاتے ہیں۔'' شارق نے گہرے انداز میں کہا تو زیب نے خفگی سے دیکھا۔

''ارے یہ آپ مجھے کہاں لیے جا رہے ہیں یہ راستہ خرم کے گھر کی طرف نہیں جاتا؟'' وہ چونک گئی۔

''ہم ساحل پر چلیں گے اور بہت سی باتیں کریں گے۔'' وہ پیار سے بولے۔

''دیکھیے شارق صاحب! کیا یہ ضروری ہے کہ ہم لوگ جب بھی ملیں جھگڑتے لڑتے ہی رہیں؟ اور ہماری ملاقات ڈانٹ ڈپٹ اور مار کٹائی پر ہی ختم ہو۔

دیکھیے اس سے پہلے مزید بدمزگی بڑھے آپ مجھے گھر چھوڑ آئیے۔ مجھے ساحل پر نہیں جانا ہے۔'' وہ مضبوطی سے بولی۔

''پلیز مزیب! تم ایک بار آرام و سکون سے میری باتیں سن لو پھر میں کبھی تمہیں نہیں ستاؤں گا۔''

''جی نہیں...... میں جانتی ہوں آپ نے کون سی باتیں کرنی ہیں اور کیا یقین دلانا چاہیں گے۔ مگر یہ کوشش بے سود ہوگی پلیز مجھے واپس لے چلیے۔'' زیب نے سختی سے کہا مگر شارق نے ساحل پر پہنچ کر بھیڑ بھاڑ سے دور کار روکی تھی۔

''زیب تھوڑی دیر کے لیے اتر آؤ نا۔'' انہوں نے منت کی۔

زیب نے پہلے نظریں گھما کر چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ لہراتی بل کھاتی ہوئی سرکش موجیں ساحل سے سر ٹکرا ٹکرا کر واپس پلٹ رہی تھیں۔ ذرا فاصلے پر بے فکرے لوگ ٹولیوں میں بٹے زندگی کا لطف اٹھانے میں مصروف تھے۔ ''آؤ زیب! ان پتھروں پر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔'' انہوں نے پانی میں ڈوبے پتھروں چٹانوں کی طرف اشارہ کیا۔

''جی ہاں...... تاکہ آپ کو جب غصہ آئے تو آپ باآسانی مجھے پانی میں دھکیل سکیں۔ معاف کیجیے گا۔ مجھے اس دن کا تجربہ ساری زندگی یاد رہے گا۔ دراصل مجھے آپ کے ساتھ آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

''اوہو......'' پل سے نیچے لٹکانے والا واقعہ یاد کرتے ہوئے شارق شرمندہ ہو گئے۔ ''زیب! میں تو سمجھا تھا کہ تم مجھے معاف کر چکی ہوں گی۔ خیر...... اب تم یقین کرو کہ میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھا کر زیب کو کار سے اتارنا چاہا مگر اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔

''جی نہیں...... آپ مجھے واپس لے چلیے۔ میں آپ پر اعتماد نہیں کر سکتی اور اگر آپ نے ضد یا زبردستی کی نا تو میں آپ کی طرف سے مزید بدگمان ہو جاؤں گی۔'' زیب نے کار کا شیشہ اونچا کر کے دروازہ بھی لاک کر لیا۔ تو شارق کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور انہوں نے دوسری طرف سے اسٹیئرنگ تھام کر کار چلا دی۔ وہ خاصی تیز رفتاری سے کار چلا رہے تھے جبکہ زیب بڑی لاپرواہی سے منہ پھیرے بیٹھی تھی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد کار خرم کی نہیں بلکہ راحیل کی کوٹھی کے پورچ میں رک چکی تھی۔

زیب نے حیران ہو کر شارق کو دیکھا مگر وہ لاپرواہی سے اتر کر اندر گھر میں داخل ہو گئے تھے وہ بھی اتری تو ٹی وی لاؤنج میں سیما اور سعدیہ بھابھی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں وہ انہیں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''ہائے آپ آ گئے ہیں شارق بھائی! ابھی میں سعدیہ بھابھی سے آپ ہی کی باتیں کر رہی تھی۔'' اس نے پرجوش استقبال کیا۔

''ارے زیب باجی! ابھی آئی ہیں؟'' سیما بہن سے لپٹ گئی پھر وہ سب بیٹھ رہے۔ تو سیما نے بتایا کہ ''ابھی احمر بھائی کا فون آیا تھا انہوں نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر خرم چیک اپ کے بعد ہسپتال میں رہیں گے۔ پھر شام کو خود چھوڑ جائیں گے۔''

''بھابھی جان! مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے پلیز مجھے کچھ کھانے کے لیے دیجیے نا۔'' شارق نے بڑی بے تکلفی سے سعدیہ سے کہا۔

''بس کھانا پکنے میں تھوڑی دیر ہے جب تک آپ فرج میں سے فروٹ نکال کر کھائیں۔ میں ابھی کھانا تیار کر کے میز پر لگاتی ہوں۔'' سعدیہ، شارق کی بے تکلفی سے خوشی محسوس کر رہی تھی۔ انہیں باورچی خانے کی طرف جاتے دیکھ کر زیب پیچھے لپکی تھی مگر شارق نے سامنے آ کر راستہ روک لیا۔

''محترمہ زیب! یہ آپ کہاں چل دی ہیں بھئی ہم آپ کے گھر آئے ہیں کچھ ہماری خاطر مدارت کیجیے نا اور فرج

میں سے فروٹ لے آیئے۔'' شارق نے زیب کو کاندھوں سے پکڑ کر کچن کی طرف موڑا۔

''نہیں ......نہیں زیب باجی! آپ بیٹھیں میں لے کر آتی ہوں۔'' سیما وہاں سے بھاگ گئی مگر زیب بھی پیچھے چلی گئی۔

''سیما...... کیا شارق صاحب! میری غیر موجودگی میں یہاں آتے جاتے رہتے ہیں؟'' وہ اپنے گھر والوں سے شارق کی اتنی بے تکلفی واپنائیت دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

''ہاں باجی! شارق بھائی اکثر راحیل اور احمر بھیا کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ کیوں کیا بات ہے؟'' سیما فرج میں سے فروٹ نکالتی ہوئی بولی۔

''مجھے ان کا رویہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ شارق جیسا بد مزاج شخص تم سب سے اتنی نرمی و پیار سے کیوں اور کیسے پیش آ رہا ہے؟'' زیب بے یقینی کے عالم میں تھی۔

''توبہ ہے ویسے حد ہے باجی! آپ بھی ویسے بات کا بتنگڑ بنانے میں اور لمبی لمبی گپیں لگانے کی ماہر لگتی ہیں۔ آپ نے تو شارق صاحب کے مزاج اور بد عادات کا جو بھیانک نقشہ ہمارے سامنے کھینچا تھا۔ تب سے میں تو انہیں بھوت پریت ٹائپ چیز سمجھنے لگی تھی۔ مگر جب ان سے ملی تو وہ اس قدر مہذب اور پیارے سے نکلے۔

ہائے سچی باجی! شارق مجھے احمر بھیا اور بھابھی کو اتنے اچھے لگے ہیں اتنے اچھے کہ سعدیہ بھابھی تو دعا مانگ رہی تھیں کہ اللہ کرے وہ آپ سے شادی کر لیں۔'' سیما نے حسرت آمیز لہجے میں کہا۔ زیب تو سٹپٹا گئی۔

''سیما! بکو نہیں احمق لڑکی تمہیں نہیں خبر کہ یہ شخص کتنا بڑا ایکٹر اور بہروپیا ہے۔'' وہ تیوری چڑھا کر بولی۔

''توبہ...... توبہ...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کے خیالات میرے بارے میں اس قدر برے ہیں کہ آپ اپنی چھوٹی بہن کے ذہن کو بھی زہر آلود کریں گی۔ کیوں زیب رحمان! ایسا کیا قصور کیا ہے میں نے؟''

شارق اندر آ گئے تو زیب کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور سیما بے ساختہ ہنس دی تھی۔ پھر بہن کو شرمندہ دیکھا تو کہا۔

''چلیے شارق بھیا! ڈرائنگ روم میں چلتے ہیں وہیں بیٹھ کر گپ شپ بھی کریں گے اور کھائیں گے بھی۔ لیجیے آپ یہ ڈش اٹھایئے۔'' سیما بے تکلفی سے انہیں ڈش پکڑا کر بولی۔

''چلیے آپ بھی آ جایئے۔ ہماری دشمن جان صاحبہ!'' شارق نے جھک کر کہا مگر زیب بنا کر کچن کی طرف بڑھی۔

''کیوں شارق بھیا! آپ کا اور زیب باجی کا کوئی جھگڑا وگڑا ہوا ہے کیا؟'' سیما سیب بڑھا کر بولی۔

''بس آپ کی باجی کو میں اچھا ہی نہیں لگتا ہوں ابھی وہ آپ کے سامنے ہی میری برائیاں کر رہی تھیں۔'' شارق ذرا افسردہ ہو گئے۔ مگر پھر متجسس انداز میں پوچھنے لگے۔

''سیما! تمہیں قسم ہے بالکل سچ بولنا۔ یہ بتاؤ کیا واقعی سعدیہ بھابھی یہی چاہتی ہیں اور...... اور تم بھی...... کہ میں زیب سے شادی کر لوں۔'' وہ منت سے بولے۔

''میں...... میں آپ کو کیسے بتا سکتی ہوں؟'' سیما پریشان ہو کر ہچکچا کر بولی۔

''مجھے اپنا بھائی سمجھ کر ہی سچ بتا دو سیما! کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ میں واقعی تمہاری باجی زیب سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تو پلیز تم مجھے بتا دو کہ کیا واقعی تم اور سعدیہ بھابھی بھی یہی چاہتی ہو؟'' شارق نے یقین دلایا۔

''میں ابھی جا کر بھابھی کو یہ خوشخبری سناتی ہوں۔ بھابھی! بھابھی جان۔'' وہ چیخی۔
''شش......شش......'' شارق نے لپک کر اس کا منہ بند کر دیا۔
''اف سیما! کیا غضب کرنے لگی ہو۔'' شارق نے گھبرا کر منع کیا۔
''کیوں کیا ہوا بھابھی کو نہ بتاؤں؟'' سیما نے حیران ہو کر کہا۔
''سیما ابھی میری شامت آجاتی۔ اگر زیب سن لیتی تو مجھے ٹماٹر اور گندے انڈے مارنے سے بھی دریغ نہیں کریں گی۔
''سیما! ابھی وہ مجھ سے شدید نفرت کرتی ہیں کبھی مجھ سے شادی کرنے پر رضا مند نہیں ہوں گی۔'' وہ مایوسی سے بولے۔
''آپ نے کبھی باجی سے پوچھا ہے۔ بات کی تھی ان سے؟'' سیما نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سرگوشی کی مبادا زیب سن ہی نہ لے۔
''ہاں...... بارہا بات کی لیکن زیب نے صاف انکار کر دیا ہے۔'' شارق تلخی سے بولے۔
''واقعی باجی! آپ کو اچھا انسان نہیں سمجھتی ہیں اکثر آپ کی بد تعریفی کرتی رہتی ہیں۔'' سیما سچائی سے بولی۔
''شارق بھائی! کیا میں چپکے سے سعدیہ بھابھی سے بات کروں وہی باجی کو سمجھائیں گی۔''
''نہیں سیما! میں اب زیب پر کوئی دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں ان کے دل میں میری قدر و محبت پیدا ہو اور وہ خود میری چاہت کا اقرار کریں میں مناسب وقت کا انتظار کروں گا اور تم بھی ابھی کسی سے تذکرہ مت کرنا۔'' شارق نے تاکید کی ساتھ ہی ان کی نظر باہر گارڈن والی کھڑکی کی طرف گئی۔
''ارے یہ گڑیا اور مسٹر کامران اندر کیوں نہیں آرہے۔ بچے باہر سے کیوں جھانک رہے ہیں؟''
ڈاکٹر راحیل کے پاس اکثر آنے جانے کی وجہ سے شارق بچوں سے متعارف ہو چکے ہیں خاصی جان پہچان تھی تبھی بچے مسکراتے ہوئے اندر چلے گئے اور شارق کو سلام کر کے ان سے باتیں کرنے لگے۔ پھر کوئی آدھے گھنٹے کے بعد جب سعدیہ بھابھی اور زیب نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو وہ چاروں سر جوڑے لڈو کھیلنے میں مصروف تھے۔
''ہار گئے...... ہار گئے...... انکل شارق ہار گئے اب آپ فوراً اپنی شرط پوری کریں سر۔'' سیما اور کامران جو پارٹنر تھے انہوں نے شور مچا دیا تھا تو شارق کھسیانی شکل بنائے سر کھجانے لگے۔
''لو گڑیا بیٹے! ہم دونوں پارٹنر تو ڈونکی (Donkey) بن گئے ہیں۔'' وہ گڑیا کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔
''جناب! آپ شرط پوری کیے بغیر کہاں کھسک رہے ہیں؟'' سیما نے راستہ روک لیا۔
''بھئی ہم بھاگنے والوں میں سے نہیں ہیں آپ جب کہیں ہم آپ کو فلم دکھا دیں گے۔'' وہ شاہانہ انداز سے بولے۔
''تو آج ہی دکھا دیں نا انکل! پھر اگلے ہفتے سے تو ہمارے امتحان شروع ہو جائیں گے۔'' کامران ان سے لپٹ گیا۔
''کامران بیٹے! انکل کو تنگ مت کریں اور کوئی ضرورت نہیں فلم ولم دیکھنے کی۔'' بھابھی نے منع کیا۔

''پلیز امی جان! آج کل ایک بچوں والی فلم لگی ہوئی ہے اور ہمارے دوست دیکھ چکے ہیں وہ بہت تعریف کر رہے تھے۔ تو انکل شرط ہارنے کے بعد وہی فلم دکھا دیں گے۔ پلیز امی! نہ تو آپ کہیں جاتی ہیں نہ ابو ہمیں کہیں لے جا سکتے ہیں۔'' کامران ایک بچہ ہی تو تھا مچل گیا ضد کرنے لگا۔

''ہاں بھابھی! بلیک بیرڈ گوسٹ (Black Beard Ghost harry Potter) اچھی فلم ہے۔ بلکہ ڈبل پروگرام ہے۔ آپ سب بھی چلیے گا۔'' شارق نے سفارش کی۔

''نہیں شارق میاں! میں احمر کی وجہ سے نہیں جا سکوں گی مگر زیب اور سیما کو لے جانا آپ۔''

''نہیں بھابھی! میں بھی نہیں جا سکوں گی میرے سر میں کافی درد ہے۔'' زیب نے بہانہ کیا۔

تب شارق نے چپکے سے بچوں کو اشارہ کیا۔ کہ وہی زیب کو منائیں تو وہ پھپھی سے لپٹ گئے۔ ''پھپھو جانی! اگر آپ نہیں جائیں گی تو ہم بھی نہیں جائیں گے۔'' کامران نے کہا۔

''لیکن کامی وہ تو بچوں کی فلم ہے؟'' زیب نے پہلو بچانا چاہا مگر شارق نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''محترمہ زیب! اگر یہ بڑا بچہ ان کے ساتھ جا سکتا ہے تو پھر آپ تو ہم سے چھوٹی ہیں نا؟''

''چلی جاؤ زیب! ذرا دل ہی بہل جائے گا۔ خیر اب آ کر کھانا تو کھا لو۔'' بھابھی نے کہا۔

''ہاں...... ہاں امی! ہمیں بہت بھوک لگی ہے۔ چلیے انکل پہلے کون ڈائننگ روم میں پہنچے گا۔'' کامران نے بھاگنے کی تیاری کی۔ پھر یہ دیکھ کر زیب کے ماتھے پر بل پڑ گئے کہ شارق نے سیما کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور پھر اسے کھینچتے ہوئے ٹیبل کی طرف دونوں ہنستے ہوئے دوڑتے تھے پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ بچوں کی طرح چھین چھین کر کھا رہے تھے۔

''واہ...... واہ...... بھابھی! کباب تو اس قدر مزیدار بنے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ سب کھا لوں۔'' شارق، زیب کے ہاتھ سے کباب چھینتے ہوئے بولے۔

''پلیز بھابھی! آپ مجھے کباب بنانا سکھا دیجیے نا۔'' شارق نے ریکویسٹ کی۔

''بھئی زیب سے کہنا تمہیں سکھا دے گی اب بھی کباب اس نے بنائے ہیں۔'' بھابھی نے بتایا۔

''اوہو تو زیب نے کباب بنائے ہیں۔ توبہ توبہ...... بھابھی اس وقت تو میں مارے مروت کے تعریف کر رہا تھا۔ ورنہ تو اس قدر بدذائقہ کباب میں نے زندگی بھر نہیں کھائے تھے۔ میں بھی سوچ رہا تھا کہ کبابوں میں مرچ مصالحہ اتنا تیز کیوں ہے؟'' وہ زیب کو چڑاتے ہوئے سیما کو آنکھ مار کر بولے۔

''تو پھر ندیدوں کی طرح کھائے کیوں جا رہے ہیں رہنے دیں نا؟'' زیب نے منہ بنا کر ان کے سامنے سے ڈش اٹھالی۔

''ارے نہیں...... نہیں...... اب ہم آپ کا دل توڑنا نہیں چاہتے بس مجبوراً کھا لیں گے۔'' وہ کباب اٹھا کر بولے۔

''جی نہیں...... آپ اب کباب نہیں کھائیں گے۔'' زیب کو غصہ آ گیا تو وہ ڈش اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

''گھبرا کیوں رہی ہیں زیب ہم آپ کے لیے بچا دیں گے۔''

شارق نے ڈش پکڑ لی مگر زیب نے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی پھر جھنجھلا کر ہاتھ مارا تو کباب نیچے گر گئے۔

''ہائیں...... زیب! یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' بھابھی نے خفگی سے کہا۔

اور شارق شرمندہ ہو کر نیچے جھک کر کباب اٹھانے لگے اور زیب آبدیدہ ہو کر وہاں سے بھاگ نکلی۔
"معاف کرنا شارق! پتہ نہیں زیب کیوں اتنی چڑچڑی ہو گئی ہے۔"
"کوئی بات نہیں بھابھی! پھر سچ تو یہ ہے کہ میں نے بھی زیب کو بہت زچ کیا ہے ستایا ہے۔" وہ افسردگی سے بولے۔
"ہاں زیب نے مجھے بتایا تھا کہ تم سے اختلاف رہتا ہے۔ خیر تم تسلی سے بیٹھ کر کھانا کھاؤ پھر باتیں کریں گے۔"
"جی بس میں کھانا کھا چکا ہوں۔" تو زیب نے بھابھی کو سب باتیں بتا دی ہیں۔ وہ شرمندگی محسوس کرنے لگے۔
"انکل تو اب فلم دیکھنے نہیں جائیں گے ہم؟" کامران مایوس ہو گیا مگر شارق نے تسلی دی تو کامران، زیب کو بلانے بھاگ گیا مگر جلد ہی گڑیا سمیت منہ لٹکا کر واپس آ گیا اور بتایا کہ زیب ناراض ہیں اور انہوں نے ڈانٹ کر بھگا دیا ہے۔
"اچھا بھابھی! میں چلتا ہوں۔" شارق نے اجازت مانگی۔
"بیٹھو میاں! تم سے تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔" سعدیہ ان کی رنجیدگی محسوس کر رہی تھی۔
"مجھے یہ بتاؤ تمہارا اور زیب کا جھگڑا کیا ہے؟" وہ سٹنگ روم میں آ کر بیٹھتی ہوئی بولیں۔
"بس بھابھی! ماضی میں مجھ سے کچھ غلطیاں ہو گئی ہیں جن کی وجہ سے وہ مجھ سے بدگمان ہو گئی ہیں۔ ویسے آپ کو زیب نے بتایا تو ہوگا۔" وہ سر جھکا کر بولے۔
"وہ...... مجھے تمہاری بد دماغی اور اکھڑپن کے متعلق تو بتاتی رہی ہے۔ مگر اور کچھ نہیں بتایا۔
"سعدیہ بھابھی! صبح جو آپ نے اور میں نے دعا مانگی تھی نا۔ وہ اللہ میاں نے سن لی قبول ہو گئی ہے۔ واقعی شارق بھائی! زیب باجی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔" سیما خوش ہو کر بولی۔
"اونہوں سیما! خاموش رہو۔ سیما اتنی بڑی ہو گئی ہو مگر تمہیں عقل نہیں آئی ہے۔" سعدیہ نے ڈانٹا۔
"بھابھی! سیما سچ کہہ رہی ہے۔ میں واقعی زیب کو اپنانا چاہتا ہوں اگر میری یہ خواہش پوری ہو جاتی تو میں خود کو خوش نصیب سمجھتا مگر میں بدقسمت ہوں۔ میں نے تو سوچا تھا کہ زیب نے اگر مجھے اپنا لیا تو میں مزید بھٹکنے سے بچ جاؤں گا لیکن زیب مجھے اپنی رفاقت کے قابل نہیں سمجھتی ہیں۔" وہ افسردگی سے بولے۔
"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہاری زیب سے اس سلسلے میں بات چیت ہو چکی ہے۔"
"جی بھابھی! بارہا میں انہیں منانے رضامند کرنے کی پوری کوشش کر چکا ہوں۔" شارق نے بتایا۔
"شارق! کیا واقعی تم سنجیدگی سے کہہ رہے ہو؟ دیکھو شارق میاں! ہم غریب لوگ ہیں بے ٹھکانہ ہیں کوئی آسرا نہیں۔ بس ہماری سب سے بڑی دولت ہماری غیرت وعزت ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولیں۔
"پلیز بھابھی! مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ بس کسی طرح سے زیب میرے ماضی کو نظر انداز کر کے مجھے اپنا لیں۔ تو میں گزرے وقت کی تلافی کر دوں گا۔ بھابھی! خدا کی قسم...... میں برا انسان نہیں تھا۔ بس حالات و واقعات نے مجھے بلندیوں سے پستیوں کی طرف پھینک دیا ہے۔ مجھے برباد کرنے والی عورتیں۔ ان میں سے ایک عورت تو میری سوتیلی ماں تھی۔ اور دوسری عورت خود میری اپنی بیوی تھی۔

ان ناگنوں نے میرے دل میں نفرتوں کے زہر پھیلا دیئے اور میرے دماغ سے پاکیزگی اور تقدس کا لفظ ہی مٹا کر رکھ دیا۔ ان کے گھناؤنے روپ نے مجھے عورتوں سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ پھر میری مجروح انا اپنی تسکین کی خاطر سب سے انتقام لینے پر تل گئی۔ پھر تو میں گناہوں کی دلدل میں بری طرح سے ڈوب گیا۔ مگر پھر اس اندھیرے میں ایک روشنی کی کرن چمکی۔ مجھے سچائی اچھائی کا راستہ نظر آیا۔

زیب کا روپ...... میرے لیے عورت کا ایک نیا حسین روپ تھا۔ میں تو عورت کو دولت کے ترازو پر تولنے کا عادی ہو چکا تھا۔ ہر چیز کو خریدنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر زیب میرے نظریئے کو جھٹلائے چلی گئی۔ میں ایک عورت سے شکست نہیں کھانا چاہتا تھا۔ تبھی میں نے زیب کو ستانا شروع کر دیا اور بہت اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ لیکن اس نے اف تک نہ کی اور خاموشی سے سب برداشت کرتی رہی۔ یوں زیب میری روح میں سماتی چلی گئی اور میں اپنے دل کے شوریدہ جذبوں کو دبانے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔

بہت چاہا میں نے کہ اپنی پسند اور اپنے خیالات کو بدل دوں مگر ضبط کا یارا نہ تھا۔ پھر میری ہمت بھی جواب دے گئی اور میں نے اپنی تمام تر نفرتوں کو دبا کر زیب کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور اپنی چاہت کا اقرار کیا۔ مگر زیب وہ تو میری زندگی کے تمام تاریک پہلوؤں سے واقف تھیں۔ وہ بھلا اتنی فراخدل کیسے ہو سکتی ہیں کہ میرے عیبوں پر پردہ ڈال کر میرا ہاتھ تھام لیتیں انہوں نے مجھے ٹھکرا دیا اور بھٹکنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا۔'' شارق دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر صوفے پر گر گئے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ جس میں کبھی کبھی سیما کی سسکیاں گونج اٹھتی تھیں اور سعدیہ باجی گم صم بیٹھی تھیں۔

انہوں نے شارق کی زبانی جو کچھ سنا تھا وہ ناقابل یقین لگتا تھا کیا واقعی شارق اتنا برا انسان تھا؟

انہوں نے نظریں اٹھا کر حسرت و یاس کے مجسمے کی طرف دیکھا جو لٹا لٹا سا بیٹھا تھا۔ ان کے دل میں ہمدردی کے جذبات ابھر ابھر آئے۔ ہاں یہ ضروری تو نہیں کہ کوئی انسان برا ہے تو وہ بدل نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کبھی بھی اسے نیکی کا راستہ دکھا سکتا ہے۔

''بیٹا شارق......'' سعدیہ بھابھی اٹھ کر قریب جا بیٹھیں تو بے اختیار شارق نے ان کے ہاتھ تھام کر ان پر پیشانی ٹیک دی۔ پھر سعدیہ بھابھی حیران رہ گئیں جب انہوں نے اس لمبے تڑنگے جوان کو بے بسی سے روتے دیکھا۔ وہ صدمہ وغصہ جو شارق سالہا سال سے اپنے دل میں چھپائے تھا آج آنکھوں کے راستے بہہ نکلا تو دل کا بوجھ ہلکا ہونے لگا۔ وہ تو دکھ کے اظہار کو اپنی مجروح انا کا مسئلہ بنائے تھا آج بھابھی کے سامنے بکھر بکھر گیا۔ خود سعدیہ بھابھی کا دل بھر آیا تھا وہ شارق کا سر تھپتھپانے لگیں۔

''شارق ہمت سے کام لو۔ اگر زیب میری بیٹی ہوتی تو میں تمہاری شادی اس سے کروا دیتی۔ خیر اب بھی زیب میری اپنی بیٹی ہے۔ بڑی بھابھی کا درجہ ماں کے برابر ہوتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ نند بھاوج کا رشتہ بہت حساس نازک ہوتا ہے۔ اگرچہ زیب اور سیما مجھے اپنی ماں کی طرح سمجھتی اور عزت کرتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے لیے میں جو بھی فیصلہ کروں گی وہ سر جھکا دیں گی۔'' وہ فخر سے بولیں۔

''تو شارق! تم مجھے موقع دو کہ میں زیب کو سمجھا سکوں۔ ورنہ لوگ کہیں گے کہ نند بوجھ بن گئی تھی اسی لیے بغیر دیکھے بھالے اسے جہنم میں جھونک دیا ہے۔ تمہارے چال چلن کے متعلق سب ہی جانتے ہیں۔ انہیں کیا خبر کہ تم بدل چکے ہو۔

نئے رخ کو لوگ بہت دیر سے پہچانتے ہیں۔ تو تم اب خود کو مزید سنبھالو اور لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع مت دو۔ میں کوشش کروں گی کہ تمہارے کام آسکوں۔'' وہ نیم پختہ وعدہ کر رہی تھیں گویا۔

''بھابھی! آپ بس کوشش کریں گی؟ تب تو بہت وقت لگ جائے گا۔'' وہ رومال سے چہرہ تھپتھپا کر بولے۔

''چلو...... چلو اب زیادہ باتیں مت بناؤ۔'' وہ مسکرا دیں۔

''ویسے تمہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے تم میرے اپنے عزیز ہو بھائی ہو۔'' وہ پیار سے بولیں۔

''ان شاء اللہ...... آپ کو بھائی بن کر دکھاؤں گا بھابھی۔'' شارق نے عزم سے کہا اور سیما وہ تو ان کی باتیں سن سن نہال ہو رہی تھی۔

''اچھا شارق! میں جا کر زیب کی خبر تو لے آؤں۔ زندگی میں پہلی بار میں نے اسے ڈانٹا ہے وہ ضرور رو رہی ہو گی۔'' بھابھی چلی گئیں۔

تو شارق وہیں قالین پر نیم دراز ہو گئے اور سیما سے کہنے لگے کہ ''انہیں نیند آ رہی ہے'' حالانکہ وہ تو کم کم سوتے تھے اور رات کو بھی گولیاں پھانکتے تھے تو آنکھ لگتی تھی۔

ادھر بھابھی زیب کے کمرے میں پہنچیں تو وہ اوندھی پڑی تکیے میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔

''زیبو! تم ناراض ہو مجھ سے۔'' بھابھی نے اسے کاندھوں سے پکڑ کر اونچا کیا۔

''بھابھی......'' وہ سسکتی ہوئی ان سے لپٹ گئی۔ ''یہ شارق کیوں آ جاتے ہیں؟ بھلا کیا حق ہے انہیں میرا سکون لوٹنے کا۔ پہلے کیا ہم کم پریشان ہیں جو اب یہ کسر پوری کرنے آ گئے ہیں۔''

''چلو زیب! چپ ہو جاؤ دراصل تکلیفوں اور تنگیوں نے تمہیں بہت حساس اور زود رنج کر دیا ہے خیر تم آرام کرو۔'' وہ اس کی پیشانی چومتی باہر آئیں تو سامنے سے سیما آ رہی تھی۔ سعدیہ نے شارق کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ ٹی وی دیکھتے دیکھتے بچوں کی طرح قالین پر پاؤں پھیلائے سو گئے ہیں۔ سیما نے ہنس کر بتایا۔

''چلو بیٹا...... انہیں سونے دو۔ میں بچوں کو منع کر دوں کہ وہ شور نہ کریں اور سیما تم بھی کچھ آرام کر لو۔'' وہ اسے ساتھ لے کر چلی گئیں۔ چلو دوپہر میں کمر ہی سیدھی کر لیں۔

زیب کی آنکھ کھلی تو اس نے گھبرا کر گھڑی دیکھی۔ وہ کافی دیر سوتی رہی تھی ساڑھے پانچ تو بج چکے تھے۔

''میرا خیال ہے کہ شارق چلے گئے ہوں گے؟ خیر ڈاکٹر راحیل سے کہوں گی کہ وہ مجھے ان کے گھر چھوڑ آئیں۔''

وہ باہر نکلی۔ گھر میں خاموشی چھائی ہوئی تھی وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی پردے گرنے کی وجہ سے اندر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کمرے میں تو کوئی ہے نہیں پھر پنکھا کیوں چل رہا ہے؟ شاید سیما وغیرہ بند کرنا بھول گئی ہوں گی۔ توبہ لوڈ شیڈنگ کے باوجود وہ بند کرنے کے لیے آگے بڑھی تو اسے زور سے ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل نیچے کسی کے اوپر جا گری۔

''افو...... ہو کون ہے بھئی...... راحیل آپ ہیں کیا؟'' اس نے اندازہ لگایا۔

''توبہ کتنا اندھیرا ہے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا ہے۔'' زیب کی آواز قریب سے آئی تو شارق نے گرفت مضبوط کر لی۔

''ارے کون ہے چھوڑیئے نا مجھے میرا دم گھٹ رہا ہے۔'' وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ تو اچانک کمرے کی لائٹ جل گئی۔

''ہائیں...... یہ تم دونوں نیچے گرے کیا کر رہے ہو؟ کیا کوئی رومانٹک سین شین ہے کیا؟'' راحیل حیران ہو کر دیکھنے لگے تو زیب اسے دیکھ کر بوکھلا گئی۔

''راحیل! آپ یہاں ہیں تو پھر میں کس پر گری تھی۔'' شارق پر نظر پڑی تو وہ تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔

''اوہو...... اچھا تو آپ سمجھی تھیں کہ آپ راحیل پر گری ہیں۔ خیر آئندہ دیکھ کر گریئے گا۔'' شارق آنکھیں ملتے کھڑے ہو گئے۔

''شارق انکل! آپ جاگ گئے ہیں۔ آیئے آپ کو سیما آنٹی بلا رہی ہیں اور امی بھی۔ جلدی آیئے نا۔'' گڑیا نے کہا۔

''ہاں...... چلو بیٹے! ویسے بھی ہم دو لوگوں کے بیچ ہڈی سے بن گئے ہیں۔'' شارق، راحیل اور زیب کو معنی خیز انداز سے دیکھتے باہر چلے گئے۔

''آیئے شارق بھائی! بیڈمنٹن کھیلتے ہیں۔'' انہیں دیکھ کر سیما نے آواز دی۔ راحیل بھی زیب کا کاندھا تھامے وہیں آ گئے۔

مگر سعدیہ بھابھی نے ان سے کہا کہ وہ لوگ پہلے چائے پی لیں۔ مگر شارق نے انکار کر دیا تو راحیل نے کہا کہ ''وہ انہیں زیب کے ہاتھوں بنی لذیذ چائے پلوائیں گے۔ سموسے کھلائیں۔'' مگر شارق نے چڑ کر کہا کہ زیب کی بنائی ہوئی چیز نہیں ہضم ہونے لگی وہ خود ہی پی لیں گے ویسے بھی سعدیہ بھابھی بنا ہی رہی تھیں۔ انہیں کباب چھیننے گرانے والا واقعہ یاد آ رہا تھا۔

''چلو تم مٹھائی کھا لو شارق! زیب پلیٹ ان کے سامنے کرو نا۔'' بھابھی نے کہا تو زیب نے پلیٹ راحیل کے سامنے کھسکائی اور پرے بنانے لگی۔ شارق کی تیوری چڑھ گئی تھی۔ تبھی سیما بولی۔

''راحیل بھائی! آپ روزانہ مجھے ہرا دیتے ہیں۔ آج آپ کا مقابلہ شارق بھائی سے کرواتے ہیں۔''

''ہاں تو کروا لو مقابلہ میں کوئی ڈرتا ہوں تمہارے شارق بھائی سے کیا یہ ورلڈ چیمپئن ہیں۔'' راحیل نے چیلنج دیا۔

''سیما! چلو ایسا کرتے ہیں کہ تم میری پارٹنر بن جاؤ جبکہ زیب، شارق کی ساتھی ہو گی۔ پھر جو ہارے گا وہی پکچر دکھائے گا۔''

راحیل نے ریکٹ اٹھاتے ہوئے کہا تو زیب نے انکار کر دیا۔ شارق نے طنزاً کہا کہ شاید وہ اس کی پارٹنر نہیں بننا چاہتیں تو ٹھیک ہے وہ سیما کے پارٹنر بن جائیں گے۔ مگر راحیل نے زیب کو بازو سے پکڑ کر زبردستی کھڑا کر دیا تھا۔

''چلیے شارق بھائی! آج ہم انہیں چھٹی کا دودھ یاد دلا دیں گے۔'' سیما نے ان کا موڈ بدلتے دیکھ کر بازو تھاما۔

''نہیں سیما! پھر سہی بہت دیر ہو گئی ہے اور مجھے کہیں جانا بھی ہے۔'' شارق، زیب کے سرد رویے اور انکار سے دکھی ہو گئے تھے۔

''ہائے شارق انکل! پھر پکچر نہیں دیکھیں گے ہم؟'' کامران مایوسی سے بولا تو راحیل کو ترس آ گیا۔

''چلو یار شارق! تم اپنی شرط پوری کر دو ابھی پکچر کا ٹائم بھی ہے۔'' راحیل تو زیب اور شارق کو اکٹھے رہنے کا موقع دینا چاہتا تھا پھر سب نے اصرار کیا تو شارق کار پورچ سے نکال لائے۔

''اچھا بھابھی! ہم سب لوگ فلم دیکھنے جا رہے ہیں چلو آؤ زیب۔'' راحیل نے اس کا کندھا پکڑ کر آگے دھکا دیا۔
''نہیں......آپ لوگ جائیں مجھے نہیں جانا ہے۔'' زیب، بھابھی کی طرف بڑھی۔
''لو......تم کیسے نہیں جاؤ گی تمہارے تو فرشتے بھی جائیں گے۔'' راحیل نے بازو سے کھینچتے ہوئے اسے کار میں پھینکا پھر خود ساتھ بیٹھتے ہوئے دروازہ لاک کر دیا تھا اور زیب کو قابو کرتے ہوئے انہوں نے شارق کو کار چلانے کے لیے کہا مگر شارق کا موڈ ان کی بے تکلفی دیکھ کر خراب ہو چکا تھا ان کے دل میں زیب اور راحیل سے متعلق شکوک پھر سے سر ابھارنے لگے تھے۔ انہوں نے کار چلا دی وہ ابھی گیٹ تک پہنچے تھے کہ سامنے سے خرم کی کار دیکھ کر رک گئے۔
''کیوں ساتھیو! کہاں کی تیاری ہے؟'' خرم کار برابر میں لا کر بولے۔ احمر بھی ان کے ساتھ تھے۔
''ہم لوگ فلم دیکھنے جا رہے ہیں چلیں آپ بھی۔'' راحیل نے دعوت دی۔
''جی نہیں ڈاکٹر راحیل! شارق اور زیب سیما لوگ تو جائیں گے مگر آپ کے ساتھ مجھے بہت ضروری کام ہے۔ تو نیچے اتر آیئے آپ۔'' میجر خرم، احمر کو اتارتے ہوئے بولے جنہیں سعدیہ بھابھی نے پکڑ لیا۔
''چلیے راحیل آپ اور میں نہیں جاتے ہیں۔'' زیب جھٹ نیچے اترنے لگی۔
''جی نہیں جناب زیب! آپ جاتے ہیں بلکہ ہم راحیل نہیں جاتے ہیں۔'' راحیل نے نقل کی اور سیما کو پیچھے ہٹنے کے لیے کہا مگر زیب اترنے لگی۔
''دیکھیے احمر بھائی! اس لڑکی کی گستاخی...... یہ ہماری بات ہی نہیں مانتی۔ زیب خبردار جو تم کار سے اتریں۔'' راحیل نے ڈانٹا۔
''کیوں شارق! آپ کے مزاج کیسے ہیں؟'' معنی خیز نظروں سے شارق کو دیکھتے ہوئے خرم نے پوچھا۔
''ورس (Worse) بہت برے ہیں یار۔'' شارق سمجھ کر بولے۔
''اوہو شارق! اب چل بھی دو ورنہ زیب کھڑکی سے نیچے کودنے سے گریز نہیں کرے گی۔'' راحیل نے کہا۔
''اگر مس زیب اتنی کوفت محسوس کر رہی ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے انہیں مجبور کر کے زبردستی لے جانے کی۔'' شارق نے خفگی سے کہا۔ پھر احمر کے کہنے پر زیب کو ہمراہ جانا ہی پڑا۔ جلد ہی وہ سینما پہنچ گئے پھر شارق نے انہیں بکس (Box) میں بٹھایا اور اپنے کسی دوست سے ملنے باہر چلے گئے تھے۔
''کامران، گڑیا! تم دونوں میرے پاس آکر بیٹھو۔'' زیب اگلی سیٹ پر اپنے دائیں بائیں بچوں کو بٹھا کر مطمئن ہو گئی تھی۔ کہ اب شارق کو پیچھے ہی بیٹھنا پڑے گا۔ ہال میں اندھیرا ہوا تو شارق بھی اندر آگئے پھر وہ سیما کے پاس بیٹھ گئے۔ آگے بیٹھی گڑیا نے پیچھے مڑ کر کہا۔
''انکل! ہمیں سکرین نظر نہیں آ رہی ہے سامنے دیوار ہے۔'' گڑیا نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ''اچھا گڑیا! آپ پیچھے آ جائیں میں آگے آ جاتا ہوں۔'' شارق، گڑیا کی خالی جگہ پر زیب کے قریب بیٹھ گئے۔ وہ کسمسا کر دور ہٹ گئی۔
''کیا مصیبت ہے۔'' صوفے کے درمیان میں علیحدہ کرنے کے لیے کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی شارق کا جسم اسے چھو رہا تھا اور زیب بوکھلائے جا رہی تھی۔

''کامران! آپ کو تو ٹھیک نظر آ رہا ہے نا؟'' شارق نے زیب کی طرف جھک کر دوسری طرف بیٹھے کامی سے پوچھا۔ان کے گرم سانس زیب کے چہرے کو تپانے لگے تھے۔وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی انہیں اس قدر قریب پا کر دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔اسے بے اختیار یاد آیا آج شام کو ڈرائنگ روم میں جہاں وہ قالین پر سوئے ہوئے تھے تو وہ ٹھوکر کھا کر ان کے اوپر جا گری تھی اور شارق نے بھی تو اسے سینے میں سمو لیا تھا۔زیب نے زور سے جھرجھری لی تو شارق نے دیکھا۔

''زیب! کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟ کپکپا رہی ہو۔'' شارق متوجہ ہو گئے مگر وہ خاموشی سے بیٹھی رہی۔

''دراصل...... آپ کی مرضی کے خلاف آپ کو یہاں لایا گیا ہے نا تبھی آپ کو بوریت ہو رہی ہوگی۔ ویسے راحیل کو ساتھ آنا چاہیے تھا آپ کو کمپنی دینے کے لیے۔'' وہ سخت لہجے میں بولے۔

فلم شروع ہو چکی تھی۔ سیما اور دونوں بچے بہت لطف اندوز ہو رہے تھے ان کے قہقہے خاموشی کو توڑ رہے تھے۔ جو شارق اور زیب کو گھیرے تھیں۔ پھر کامران فلم دیکھتے دیکھتے اونچا ہو کر صوفے کے ہتھے پر بیٹھ گیا تھا۔ مگر وہ مزاحیہ سین دیکھ کر زور سے ہنسا تو اس کا توازن بگڑ گیا۔ زیب اور شارق دونوں اسے تھامنے کے لیے اٹھے مگر آپس میں ٹکرا گئے کامران سنبھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں انکل! میں پیچھے سیما آنٹی کے پاس چلا جاتا ہوں۔'' کامران اٹھ گیا۔

شارق جو زیب کی دائیں طرف بیٹھا تھا اس نے جب کامران کو پکڑنے کی کوشش کی تھی تو زیب کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں آ گیا اور شارق نے اسے پکڑ لیا اور بولے۔

''یاد ہے زیب! ایک بار آفس میں میں نے تمہارا ہاتھ پکڑ لیا تھا تب مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میں نے بجلی کی ننگی تاروں کو چھو لیا ہو۔ کتنی دیر تک میرا جسم کپکپاتا رہا تھا اور میں بہت حیران تھا کہ پہلے تو کبھی میری ایسی حالت نہیں ہوئی تھی۔ میں تو نہ جانے کتنی لڑکیوں سے ملا تھا لیکن دل پر ایسی کیفیت تو طاری نہیں ہوئی تھی۔ پھر جانے تم میں کیا بات ہے کہ میں اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہوں۔'' شارق نے سرگوشی کی مگر زیب نے جل ہاتھ کر چھڑانا چاہا۔

''شارق صاحب! میں فلم دیکھنے آئی ہوں آپ کے جھوٹے ڈائیلاگ سننے نہیں۔'' وہ تلخی سے بولی۔

شارق نے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔شارق تو بری طرح سے صلح کرنے کے موڈ میں تھے جبکہ زیب کے وجود میں آگ سی دوڑ گئی تھی ہاتھ پر انگارے رکھ دیئے گئے جیسے اس کا وجود تپش سے پگھلنے لگا۔

''چھوڑیں...... پلیز چھوڑ دیں۔'' اس نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے جھٹکے سے ہاتھ کھینچا شارق کا ہاتھ ہونٹوں سے ہٹ گیا۔ پھر زیب نے ہاتھ چھڑوانے کے لیے پوری طاقت صرف کر دی۔ مگر شارق مضبوطی سے اسے تھامے اس کی کشمکش دیکھتے رہے تو وہ چڑ گئی اور جھنجھلا کر زیب نے ان کے ہاتھ پر اپنے دانت گاڑ دیئے۔مگر ڈھٹائی کی انتہا تھی کہ گرفت مزید مضبوط ہو گئی پھر زیب نے ان کے خون کا ذائقہ محسوس کرتے ہوئے دانتوں کے چنگل سے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا اور رومال سے منہ پونچھنے لگی۔

''بس صرف اتنی ہمت ہے۔بوٹی نہیں اتاریں گی؟'' شارق نے گہری آواز میں پوچھا۔

ہاتھ تب بھی ان کے قبضے میں تھا اور فلم کے اختتام تک وہ اس پر قابض رہے زیب بھی لڑنا بے سود سمجھ کر ضبط کیے بیٹھی رہی۔ اب چھوٹی بہن اور بچوں کے سامنے کیا تماشہ کرتی۔ پھر جب وہ گھر جانے کے لیے اٹھے تو شارق نے ہاتھ خود ہی چھوڑ دیا اور آہستہ سے بولے۔

''مجھے ضدمت دلایا کرو زیب! آپ جس بات سے منع کرتی ہیں نا تو پھر وہی کچھ کر گزرنے کو جی چاہتا ہے۔''
زیب غصے سے تمتماتی ہوئی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی سیما کو شارق نے ساتھ بٹھا لیا تھا۔

''ہاں شارق بھائی! یہ آپ کے ہاتھ پر زخم کیسا ہے؟ اف یہ تو بہت سا خون جم گیا ہے۔'' سیما حیرانی سے بولی۔
تب انہوں نے اسٹیئرنگ ویل سے ہاتھ اٹھا کر پہلی بار دیکھا۔ ہاتھ کی پشت پر چار دانتوں کے نشان تھے۔ جن سے خون ابھی بھی رس رہا تھا۔

''شاید فلم دیکھتے ہوئے کوئی کیل شیل لگ گیا ہوگا؟'' شارق پیچھے بیٹھی زیب کو آئینے میں دیکھ کر مسکرائے۔

''ہائے نہیں...... یہ تو جیسے آپ کو کسی نے کاٹ کھایا ہو اچھے خاصے پانچ چھ دانتوں کے نشان ہیں۔ کہیں ڈریکولا نے تو نہیں کاٹ لیا ہے؟'' سیما ہاتھ کو بغور دیکھ کر بولی۔

''نہیں بھئی ڈریکولا تو نہیں البتہ ڈاکٹر کی محبوبہ نے ضرور کاٹ لیا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے طنزاً بولے۔

''شٹ اپ......سوچ سمجھ کر مجھ سے بات کیا کریں آپ؟'' زیب بھنا کر بولی۔

''ارے......'' زیب کے انداز پر شارق حیران رہ گئے پھر وہ سلگ ہی اٹھے۔

''ہوش کی دوا کیجیے آپ محترمہ زیب! اور میری نرمی کا اس قدر ناجائز فائدہ مت اٹھایئے۔ میں یہ شیٹ اپ، ویٹ اپ سننے کا عادی نہیں ہوں۔ ویسے بھی میں آپ سے کب بات کر رہا تھا؟'' شارق تلخی سے بولے اور کار راحیل کے گھر پورچ میں روک دی۔

''آیئے شارق بھائی اندر آیئے نا'' سیما نے اترنے کے بعد کھڑکی سے جھک کر پوچھا۔

''نہیں سیما! اب مجھے گھر جانا ہے کافی دیر سے یہاں ہوں۔'' پھر زیب کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر ان کی تیوری چڑھ گئی۔

''آپ کہاں چل دی ہیں محترمہ! کیا گھر نہیں جانا ہے؟''

''سیما! تم ان سے کہہ دو کہ میں ڈاکٹر راحیل کے ساتھ آجاؤں گی۔'' وہ لاپرواہی سے کہتی اندر چل دی۔ اور شارق نے غصے سے تمتماتے ہوئے کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے چل دیئے۔

○●○

''آیئے...... آیئے آگئے ہیں ہمارے ماڈرن مجنوں جناب وہ آپ کی لیلیٰ کہاں ہے؟'' شارق منہ بنائے گھر داخل ہوئے تو پورا گروپ ان کا منتظر تھا عالیہ اور صبا نے تو بڑھ کر استقبال کیا۔

''بھاڑ جھونکنے گئی ہے کمبخت لیلیٰ۔'' شارق جل کر بولے اور برا سا منہ بنا کر کمرے میں جانے لگے مگر صبا نے روک لیا۔

''ارے شارق! یہ تم بھاگ کہاں رہے ہو پہلے رپورٹ تو دو نا کہ زیب کے ساتھ دن کیسے گزرا تمہارا؟ زیب سے

کیا کیا باتیں ہوئیں اور فلم پوری دیکھی یا باتیں کرتے رہے؟'' عالیہ اور صبا پیچھے پڑ گئی تھیں۔

''ہمیں تو خرم نے فون پر بتایا تھا کہ زیب اور شارق کی صلح ہو گئی ہے۔''

''ہونہہ..... تو یہ ہاتھ دیکھ لو پھر خود ہی اندازہ لگا لو کہ ہماری صلح ہوئی یا نہیں تمہیں سب سوالوں کا جواب مل جائے گا۔'' شارق غصے سے اپنا زخمی ہاتھ ان کے سامنے کر کے بولے۔

''ہائے..... ارے یہ تو دانتوں کے نشان ہیں تو بہ کاٹ کھایا ہے اس ظالم حسینہ نے تمہیں؟'' عالیہ اور صبا نے قہقہے لگائے۔ تو شارق مزید کھسیانے ہو کر عالیہ سے الجھ گئے۔

''ہونہہ..... وہ زیب آپ کی دوست ہے نا تبھی آپ اس کے کارناموں پر خوش ہو رہی ہیں نا؟ اچھا ٹھیک ہے آئندہ سے میں بھی پرواہ نہیں کروں گا بے شک وہ راحیل یا کسی دوسرے سے بیاہ رچا لیں۔

''شارق! خوامخواہ فضول باتیں مت کرو پھر دورہ پڑ گیا ہے تمہیں۔'' صبا نے ڈانٹا تو شارق بڑبڑاتے چلے گئے۔

''عالیہ! تم زیب کو سمجھاؤ نا کہیں ایسا نہ ہو بددل مایوس ہو کر شارق کوئی غلط قدم اٹھا لے۔'' صبا پریشان ہو گئی۔

پھر وہ سب سر جوڑے پلان بنانے لگے۔ کہ کس طرح سے زیب اور شارق کی صلح کروائی جائے اور ان کے درمیان جو غلط فہمیاں سر اٹھا چکی ہیں کیسے ختم کروائی جائیں۔ کمبخت شارق کے دماغ کا بھی ایک ہی حصہ شاید کام کرتا تھا ایک ٹریک پر دوڑتا تھا۔ جس سے منفی لہریں نکلتی تھیں۔

اور پھر اب تو زیب کے لیے بھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شارق کی صحبت نے اس پر بھی اپنا گہرا رنگ چڑھا دیا تھا۔ وہ بھی اب اس کے سے انداز میں بولتی لڑتی اور شکی ہو گئی تھی۔

○●○

''شارق بیٹے! تم کہاں جا رہے ہو بھلا؟'' بیگم مراد نے انہیں تیار ہو کر باہر جاتے دیکھ کر پوچھا۔

''امی! میں مل جا رہا ہوں۔'' وہ ان کے قریب آ گئے تو وہ کتاب رکھ کر صوفے پر اونچی ہو کر بیٹھ گئیں۔

''شارق! تم نے پھر سے رات رات بھر باہر رہنا شروع کر دیا ہے۔ میں تو خوش تھی کہ اب تم میں اتنی خوشگوار تبدیلی آ گئی ہے۔ زیادہ وقت گھر میں گزارتے ہو اکٹھے کھانا کھاتے تھے خوب رونق لگی ہوئی تھی۔ مگر تم ہو کہ پھر سے اپنا پرانا چلن اپنا رہے ہو۔ خیر بیٹا! تم جوان ہو خودمختار ہو بوڑھے تمہیں کیا سمجھا سکتے ہیں۔'' وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

''امی جان! آپ اس طرح سے تو ناراض مت ہوں نا۔ یہ بتائیں میں نے پہلے کبھی آپ کی کوئی بات ٹالی ہے۔'' شارق ماں کا ہاتھ پکڑ کر وہیں بیٹھ گئے تو زیب جو اسی صوفے پر بیٹھی تھی وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

''محترمہ زیب! میرا خیال ہے کہ صوفہ کافی بڑا ہے آپ کو اٹھنے کی ضرورت تو نہیں تھی۔'' وہ بولے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

''شارق! یہ تو بتاؤ آخر تم جاتے کہاں ہو؟ وہ کون سی جگہ ہے جہاں جا کر تم سب کچھ بھول جاتے ہو؟'' وہ سراپا سوال بن گیا۔

''امی! جہاں شارق صاحب جاتے ہیں نا۔ وہ جگہ اور وہاں بسنے والے لوگ واقعی جادوگر ہیں وہاں جا کر انسان اپنے ہوش کھونے کے ساتھ ساتھ اپنے وجود کو بھی کھو دیتا ہے۔'' زیب نے طنز کیا تو شارق نے اسے کڑی نظروں سے

دیکھا۔
"محترمہ زیب! آپ کو ماں بیٹے کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنے کام تک محدود رہیں تو بہتر ہوگا۔" وہ تلخی سے بولتے ہوئے ماں کی طرف مڑے۔
"امی! بس میں زیادہ سے زیادہ کلب تک چلا جاتا ہوں پھر وہاں دوستوں میں بیٹھ کر وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہتا۔" انہوں نے صفائی پیش کی۔
"امی! آپ کے اس بھگوڑے بیٹے کو وقت گزرنے کا احساس کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر گھر میں بیوی اور بچے ہوتے تب بھی کچھ احساس ہوتا۔ گھر بسا دیجیے اس کا۔" راحیل نے اندر آتے ہوئے کہا اور اپنا ہیٹ اتار کر صائمہ کے سر پر رکھ دیا۔
"راحیل بیٹے! ہم نے تو اتنی منتیں کیں کہ شارق! خدارا گھر بسالو لیکن اس نے ایک نہیں مانی۔ آخر مایوس ہو کر میں نے کہنا ہی چھوڑ دیا ہے۔" وہ افسردگی سے بولیں۔
"امی جان! پرانی باتیں بھول جائیں اور اب ان سے دوبارہ پوچھیں۔ اب یہ ضرور مان جائیں گے کیوں شارق؟" راحیل نے معنی خیز انداز سے دیکھتے ہوئے کہا تو جواباً شارق نے گھور کر دیکھا۔
"ویسے یار شارق! تم شادی کر دیا نہ کرو یار! ہم تو سہرا باندھ رہے ہیں گھر بسانے لگے ہیں۔ کیوں زیب میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" زیب نے راحیل کا اشارہ سمجھتے ہوئے صائمہ پر نظر ڈالی اور مسکرا کر سر ہلایا پھر وہ راحیل کا بازو ہلا کر بڑے دلار سے بولی۔
"پلیز راحیل! مجھے بازار لے چلیے نا کچھ ضروری چیزیں خریدنی ہیں۔ احمر بھیا کے لیے اور بچوں کے لیے بھی۔"
"واہ...... واہ ہماری زیب تو لگتا ہے کہ بہت امیر ہوگئی ہے تو اٹھو چلو تمہیں شاپنگ کروا لائیں۔ پھر مجھے ایک مریض کو دیکھنے جانا ہے۔" راحیل کھڑے ہوگئے تھے مگر شارق کی تیوری چڑھ گئی۔
"امی جان! اگر آپ اجازت دیں تو میں ڈاکٹر راحیل کے ساتھ چلی جاؤں۔" زیب نے پوچھا۔
"مس زیب! پروگرام بنانے سے پہلے اجازت لی ہوتی تو کوئی بات بھی تھی اب بعد میں پوچھنے کا فائدہ؟" شارق کا موڈ خراب ہوگیا تھا وہ کمرے سے باہر جانے لگے تھے کہ صائمہ نے روک کر کہا۔
"شارق بھیا! زیب کو دو مہینے سے تنخواہ ہی نہیں دی ہے اور ان کے بھائی کا اپریشن بھی ہونے والا ہے تو رقم کی ضرورت بھی پڑے گی انہیں۔" صائمہ نے کہا۔
"انہیں میرے کمرے میں بھیج دو۔" شارق یہ کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے تھوڑی دیر بعد زیب اجازت لے کر جھجکتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔
"سر! آپ نے مجھے بلوایا ہے؟" وہ دروازے کے پاس رک گئی۔ شارق صوفے پر نیم دراز تھا اور ٹانگیں میز پر رکھی ہوئی تھیں تیوری چڑھی ہوئی تھی چہرے پر درشتگی تھی وہ قہر آلود نظروں سے اسے گھورنے لگے تھے۔
"آپ نے مجھے بلوایا ہے؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔
"ہاں...... ہم نے ہی بلوایا ہے یہ لو اپنی تنخواہ۔" شارق نے ہاتھ میں پکڑے بہت سے نوٹ اس کی طرف اچھال

دیئے۔ جو زمین پر بکھر گئے اور زیب سپید پڑ گئی اس نے ضبط کرتے ہوئے سختی سے ہونٹ بھینچ لے۔ یہ تو حد ہو گئی تھی بدتہذیبی و بیہودگی کی۔

''چلو اٹھا لو یہ نوٹ......'' وہ ہاتھ سے اشارہ کر کے غرور سے بولے۔

زیب نے پاؤں میں بکھرے نوٹوں پر نظر ڈالی دوسرے ہی لمحے وہ واپس مڑ گئی۔ اب ایسی گئی گزری بھی نہیں تھی۔

''ٹھہرو کہاں جا رہی ہو؟'' شارق نے پاؤں سے میز ہٹائی اور اٹھ کر زیب کا راستہ روک لیا۔

''تم نے روپے کیوں نہیں اٹھائے؟'' وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بولے۔

''شارق صاحب! آپ مجھے بھیک تو نہیں دے رہے بلکہ مجھے میری انتھک محنت خدمت حق حلال کا معاوضہ دے رہے ہیں۔ مگر آپ نے تو اس تکبر سے نوٹ اچھالے ہیں گویا میں خیرات مانگ رہی تھی۔ خیر آپ یہ روپے صائمہ کو دے دیجیے گا۔ میں انہیں سے لے لوں گی۔'' وہ باہر جانے لگی تو شارق نے دایاں بازو پکڑ لیا۔

''رک جاؤ زیب! تمہیں یہ رقم خود ہی اٹھانی پڑے گی۔'' وہ غصے سے بے قابو ہونے لگے۔

''مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے میں اس قدر گھٹیا طریقے سے تو نہیں جھکوں گی۔'' زیب نے جھٹکا دے کر بازو چھڑا لیا۔

''تمہارے تو فرشتوں کو بھی اٹھانا پڑے گا۔ تم میرے فیصلوں کو ٹھکراتی چلی جا رہی ہو مگر آج تمہارا سر جھکا کر دم لوں گا میں۔'' انہوں نے اس وحشیانہ انداز سے زیب کو جھنجھوڑا کہ اس کے دانت ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔

''بتاؤ روپے جھک کر اٹھاؤ گی یا نہیں۔'' وہ گرجے۔

''نہیں...... کسی قیمت پر بھی نہیں۔'' وہ درد کی شدت سے چیخ اٹھی تھی۔ شارق نے وحشی ہو کر اور زور سے جھنجھوڑا۔

''اب...... اب...... بھی نہیں...... کبھی بھی نہیں اٹھاؤں گی۔'' وہ ضدی انداز میں چیخی تو شارق نے اسے دھکا دے دیا وہ اوندھے منہ نوٹوں پر گری۔

''اٹھاؤ......'' شارق گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور اس کی گردن پر زور دے کر جھکانا چاہا زیب نے اوپر جھکے سنگدل وحشی مرد کو نفرت سے دیکھا جس کی آنکھوں میں شراروں کی سی لپک تھی۔ مگر وہ شارق کو جھٹک کر اٹھی پھر طنزیہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

''شارق! تم میرے سر کو اپنے قدموں میں جھکانے کی ہر ترکیب آزما بیٹھے ہو مگر تمہیں کامیابی نہ پہلے ہوئی تھی نہ اب ہو گی۔ میری غیرت میرا سر تم جیسے بدکار شیطان کے سامنے جیتے جی تو جھکنے کا نہیں۔ تم چاہے مجھے مار ڈالو مگر تم منہ کی کھاؤ گے۔'' وہ تن کر کھڑی ہو گئی۔ شارق نے بپھر کر ہاتھ اٹھایا لیکن زیب نے لپک کر ڈیکوریشن اٹھا لیا۔ ''شارق ایک بار پہلے بھی تمہارے گندے خون سے ہاتھ رنگ چکی ہوں اور آج بھی میں تمہارا سر توڑنے میں ذرا بھر ہچکچاہٹ محسوس نہیں کروں گی۔'' وہ جارحانہ انداز میں بولی۔

''تو زیب! آج چاہے میری جان کیوں نہ چلی جائے لیکن تمہیں یہ نوٹ ضرور اٹھانے پڑیں گے۔'' وہ بپھر کر بڑھے۔

''وہیں رک جائیے شارق! ورنہ نتیجہ اچھا نہیں بہت برا ہو گا۔ اگر مجھے پیسے دینے ہی ہیں۔ تو میرے ہاتھ میں

پکڑائیں۔''

''ویسے قصور آپ کا بھی نہیں ہے کہ جو شخص ہر وقت کوٹھوں اور طوائفوں کے چکروں میں رہتا ہو۔تو پھر اس کی عادات اور رہن سہن میں بازاری پن تو نمایاں ہونا ہی ہے نا۔مجرے دیکھ کر رقم نچھاور کرنے والے تو آپ نے مجھے بھی شاید مسرت بائی یا چھمو بائی سمجھا ہوگا اور شاید اس وقت بھی آپ شراب کے نشے میں مجھے انہیں میں سے کوئی ایک سمجھ رہے ہیں ریشم جان وغیرہ۔''

وہ زہریلے انداز میں بولی تو شارق کو محسوس ہوا جیسے کسی نے ان کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔وہ وہیں رک گئے۔تبھی دروازہ بجا کر کوئی اندر آ گیا۔

''ہائیں...... یہ کیا ہو رہا ہے بھئی؟'' صائمہ آئی تو حیران ہو کر دیکھنے لگی۔

قالین پر بکھرے ہوئے نوٹ۔زیب کے بے ترتیب بال لال بھبھوکا چہرہ ہاتھ میں جارحانہ انداز میں پکڑا ہوا ڈیکوریشن پیس۔پھر شارق کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی۔وہ حیران ہو کر رک گئی۔

''پلیز صائمہ! میں ڈاکٹر راحیل کے ساتھ بازار جا رہی ہوں تو تم شارق صاحب سے میری تنخواہ لے کر رکھ لینا۔''

زیب نے موقع غنیمت جانتے ہوئے کہا۔پھر ڈیکوریشن پیس واپس رکھا ہاتھوں سے بکھرے بال سمیٹے۔

''لیکن یہ نوٹ زمین پر کیوں بکھرے ہوئے ہیں زیب! یہ کیا تماشہ ہے؟'' صائمہ جھک کر نوٹ اٹھانے لگی تو بیک وقت شارق اور زیب کے چہروں پر مختلف تاثرات ابھرے۔زیب کی نگاہوں میں فاتحانہ چمک آ گئی۔اس نے مسکرا کر شارق کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر تاریکی پھیل گئی تھی۔کبھی کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ آپ کسی کو ذلیل کرنے بے عزت کرنے کی پوری کوشش صرف کرتے ہو۔مگر یوں ہوتا ہے کہ آپ کا اپنا وجود اس خجالتوں ذلالتوں کی زد میں آ جاتا ہے۔جیسے اب شارق، زیب کا سر جھکواتے جھکواتے خود اپنی بہن صائمہ کو اپنے قدموں کے پاس جھکے نوٹ اٹھاتے دیکھ رہا تھا۔

○●○

آج شارق کافی دیر سے اپنے کمرے میں بند بیٹھے ہوئے تھے۔راحیل، زیب کو شاپنگ کروا کر واپس آئے اور ان کے بارے میں استفسار کیا تو صائمہ نے بتایا کہ وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلے۔تو وہ وہیں چل دیا۔

''یار شارق! یہ کیا تم اندھیرے میں الو بن کر بیٹھے ہو؟'' راحیل نے جا کر بتی جلائی۔مگر شارق ویسے کرسی پر کھڑکی کی طرف منہ کیے بیٹھے رہے راحیل نے کاندھا ہلا کر متوجہ کیا۔

''کیا بات ہے شارق منہ لٹکایا ہوا ہے تم نے۔اوہو یار موڈ ٹھیک کرو نا میں نے تو تم سے ایک زبردست مشورہ کرنا ہے۔''

''کیسا مشورہ راحیل؟'' شارق سگریٹ بجھا کر کھڑا ہو گیا۔

''یار شارق! اب زندگی اکیلے نہیں گزاری جاتی تو میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو کر لو شادی۔میں کون ہوتا ہوں مشورے دینے والا۔'' شارق چڑ کر بولے۔

''خیر...... اب تم یہ تو نہ کہو کہ تم میرے کچھ نہیں لگتے ہو یار تمہاری مدد کے بغیر تو میں ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا

ہوں۔ پلیز تم ہی امی سے میرے رشتے کی بات کرونا؟'' راحیل نے منت کی۔

''کیوں...... میں بات کیوں کروں شادی تو تمہاری ہو رہی ہے میری نہیں۔'' شارق بے رخی سے بولے۔

''تو کیا تم مجھ سے یہ بھی نہیں پوچھو گے کہ میری نگاہ انتخاب کس پر پڑی ہے۔'' وہ کمینگی سے مسکرائے۔

''مجھے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے میں سب کچھ جانتا ہوں۔'' شارق کے لہجے میں درد بس گیا اور نگاہوں کے سامنے زیب کا سراپا لہرانے لگا۔

''ہائیں...... کمال ہے یار شارق! یعنی تم اس لڑکی کے بارے میں جانتے ہو۔ میں تو سمجھا تھا کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی ہے۔ ویسے یار یہ تو اچھا ہو گیا ہے اب تم امی کو میری پسند بتا سکتے ہونا؟''

''جی نہیں...... تم خود جا کر رشتے کی بات کرو۔'' وہ تلخی سے کہتے ہوئے ڈگمگاتے ہوئے باہر چلے گئے۔

''واہ بیٹا مجنوں۔'' راحیل اس کی حالت دیکھ کر ہنس دیئے۔ تبھی صائمہ پردہ ہٹا کر اندر آ گئی وہ باتیں سن رہی تھی۔

''بس کریں راحیل! مجھے آپ کی ہنسی زہر لگ رہی ہے۔ ذرا دیکھیں تو رضا بھائی کس قدر پریشان ہیں۔''

''صائمہ گڑیا! یقین کرو۔ میں یہ سب کچھ شارق کی بھلائی کے لیے تو کر رہا ہوں میں تمہارے گھمنڈی بدحواس بھائی کو جھنجھوڑنا چاہتا ہوں۔ تاکہ وہ بے یقینی کی کیفیت سے نکل کر اپنی زندگی کے لیے مستقبل کے لیے کوئی صحیح فیصلہ کر سکے ابھی تو وہ ڈانواڈول ہے وہ نہیں جانتا کہ وہ زیب سے کتنی محبت کرتا ہے اور خود کو انا کی سولی پر چڑھائے دھوکا کھا رہا ہے۔ خیر اب تم برائے کرم اپنے بھائی کے سامنے میرا بھانڈا مت پھوڑ دینا۔'' راحیل نے صائمہ کو بانہوں میں گھیرتے ہوئے کہا۔

شارق جونہی راحیل سے جھڑپ کے بعد گھر سے باہر نکلے سامنے سے صبا کی کار آ گئی وہ شارق کو دیکھ کر کار سے اتر کر آ گئی۔

''اے ہیرو! یہ تم کہاں جا رہے ہو؟'' صبا نے کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی تو کلب جا رہا ہوں پھر وہاں سے کہیں اور جانے کا ارادہ ہے۔ کیوں...... تم کیوں پوچھ رہی ہو۔'' وہ کار سے اتر گئے۔

''دیکھو شارق! اگر تو تمہارا دماغ پھر سے خراب ہو رہا ہے اور تم پرانے چال چلن پر اتر آئے ہو تو یاد رکھو تم زیب سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔'' صبا نے وارن کیا۔ ''وہ تم سے بھی بڑی پاگل اور خرنوس ہو چکی ہے کمبخت۔'' صباحت نے سر پیٹا۔

''ہاں...... تو ہاتھ دھو بیٹھا ہوں۔ وہ تمہارا لاڈلا راحیل بہت جلدی اس سے شادی رچا رہا ہے۔'' وہ تلخی سے بولے۔

''کیا...... آ...... آ...... یہ تم کیا بک رہے ہو۔ نہیں بھئی تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔'' صبا حیرانی سے چیخ اٹھی۔

''تم نہ یقین کرو۔ مگر وہ راحیل ابھی مجھ سے صاف صاف شادی کی بات کر کے گیا ہے اور امی سے زیب کا ہاتھ مانگنے لگا ہے۔'' وہ دکھی ہو کر بولے۔

''شارق! یہ ناممکن لگتا ہے وہ راحیل تمہارا دوست ہے وہ بھلا کیسے یہ زیادتی کرے گا۔ جبکہ وہ جانتا ہے کہ زیب کے طلبگار ہو۔'' صبا حیران تھی۔

''ہونہہ...... دوست! صبا یہ جذبے ناپید ہوگئے ہیں اب سبھی اپنا مفاد دیکھتے ہیں۔'' وہ کار میں بیٹھنے لگے۔

''رک جاؤ شارق! تم مجھے تفصیل سے بتاؤ پھر میں خود راحیل سے بات کروں گی۔ چلو تم۔'' وہ اسے کھینچتی باغ میں لے آئی۔

''صبا! جو کچھ تمہیں بتانا تھا بتا دیا ہے۔ دیکھو نا میں نے زیب کو حاصل کرنے کی ہر کوشش کی اس کی خاطر شراب سے توبہ کی۔ کلب اور چھوبائی کے ہاں جانا چھوڑا زیادہ وقت گھر میں گزارنے لگا۔ تاکہ میں زیب کی نظروں کے سامنے رہ سکوں اور وہ ان تبدیلیوں کو محسوس کرسکے۔ لیکن میری بدنصیبی ہے کہ میری تقدیر میں محرومیاں لکھی ہیں۔'' شارق نے سر تھام لیا۔

''شارق! سچ تو یہ ہے کہ تمہاری پرانی عادت اور مزاج کو دیکھتے ہوئے مجھے خود یہ یقین نہیں آتا ہے کہ تم بدل جاؤ گے اور زیب سے اتنی شدید محبت کرو گے۔ شارق تم خود کو ٹٹولو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ایک وقتی ابال ہو۔ یا پھر ایسا تو نہیں کہ تم زیب سے اپنی ناکامی کا بدلہ لینا چاہتے ہو؟'' صبا...... جو ان کی عزیز اور راز دار دوست تھی وہ اب بھی مشکوک انداز سے بولی۔

''صبا! میں تو سمجھتا تھا کہ کوئی اور مجھے سمجھے یا نہ سمجھے مگر تم بخوبی میرے جذبات کو سمجھو گی۔ مگر یہ بات کرکے تم نے بھی میرا دل دکھا دیا ہے۔'' وہ رنجیدہ ہوگئے تھے۔

''شارق! میں جو بے یقینی کے عالم میں ہوں تو اس میں بھلا میرا کیا قصور ہے۔ تم جو شراب کے نشے میں دھت ایسی بہکی بہکی باتیں کیا کرتے تھے۔ تو اب بھی میں نے یہی خیال کیا کہ تم نشے میں ہی زیب سے الفت کا اظہار کرتے ہو۔ تو واقعی تم سنجیدہ ہو؟''

''ہاں...... صبا ہاں...... میں زیب سے واقعی بے انتہا محبت کرتا ہوں۔ وہ میرے دل کی گہرائیوں میں اتر چکی ہے وہ میری زندگی ہے۔ خدا کی قسم صبا! زیب اگر میری نہ ہوئی تو میں زندہ نہیں رہوں گا۔'' وہ دیوانگی کے سے عالم میں صبا کے کاندھوں کو جھنجھوڑنے لگے۔

''اچھا...... اچھا...... شارق! ہمت سے کام لو میں...... میں سمجھاؤں گی نا زیب کو۔'' صبا نے اس کا سر سہلایا۔

''نہیں صبا! اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ آج میری زیب سے بات ہوئی تھی وہ مجھ سے سخت نالاں و متنفر ہے۔ وہ مجھے اپنانے سے موت کو گلے لگانا زیادہ پسند کرے گی۔'' وہ دل گرفتگی سے بولے۔

''اچھا تو شارق میں تمہاری امی کو سب کچھ بتا دیتی ہوں وہی زیب سے بات کریں گی اور زیب ان کی بات نہیں ٹال سکے گی۔''

''نہیں صبا! میں زیب پر زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ یقیناً راحیل کو چاہتی ہوگی اور میں اس کی پسند کے راستے میں دیوار نہیں بننا چاہتا۔ صبا میں تو اب غموں کو سینے میں پالنے کا عادی ہو چکا ہوں اب بھی میں زیب کی محرومی کا غم دل سے لگا کر یہاں سے دور چلا جاؤں گا۔ کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔'' شارق کی آواز ڈوب ڈوب گئی۔

''نہیں...... نہیں شارق! کیا تم ہمیں چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔'' صبا نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''مجبوری ہے صبا! جانا تو پڑے گا ہی کہ مجھ میں اتنی تاب و مجال نہیں کہ زیب کو کسی غیر کا ہو جانے دوں؟''

''نہیں شارق! میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی۔'' صبا روتی ہوئی ان کے کاندھے سے لگ گئی۔ شارق نے کمر تھپتھپائی۔

''پگلی تم رو کیوں رہی ہو۔ اچھا اب تم اندر جاؤ میں کلب جا رہا ہوں۔'' وہ صبا کو ہٹا کے مڑ گئے۔

ان دونوں کو یہ علم نہیں تھا کہ ان کے علاوہ بھی لان میں کوئی تیسرا شخص موجود ان کی باتیں سن رہا تھا۔

''خدایا...... خدایا...... یہ میں کیا سن رہی ہوں کہیں یہ خواب تو نہیں تھا'' درخت کے تنے سے لگی زیب بڑبڑائی پھر قریب میں کسی کی آواز سن کر اچھل گئی۔

''زیب! اگر تو تمہارے کان بند ہیں تو لاؤ میں صاف کر دوں۔'' عالیہ درخت سے شاخ توڑ کر جارحانہ انداز میں بولی۔ ''اور اگر تمہیں یہ غلط فہمی ہے کہ تم خواب میں وہ سب باتیں سن رہی تھیں تو میں بشوق تمہیں جگائے دیتی ہوں۔'' عالیہ نے سامنے آکر زیب کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ جڑ دیا تو وہ درد کی شدت سے چیخ اٹھی۔ ''عالیہ پاگل ہوئی ہو کیا؟'' وہ چیخی۔

''کیوں زیب بیگم! آنکھ کھل گئی ہوگی اب تو۔ تمہیں تو بلکہ مار مار کر ہوش میں لانا چاہیے کمبخت۔''

''عالیہ! تو تم نے بھی سن لیا ہے جو کچھ شارق کہہ رہے تھے۔'' زیب گھبرا کر بولی۔

''جی ہاں...... نہ صرف شارق کا اقرار محبت سنا ہے بلکہ تمہیں بلک بلک کر روتے بھی دیکھا ہے۔ زیب تمہارا تو دماغ خراب ہوگیا ہے۔ دل چاہتا ہے تمہارا سر پکڑ کر سوئمنگ پول میں غوطے دوں تاکہ تمہارے دماغ کی گرمی اتر جائے ایمان سے سخت بری لگ رہی ہو مجھے۔'' عالیہ نے خفگی سے اسے دھکیلا زیب نے بات کرنے کی کوشش کی۔

نہیں زیب! مجھے تمہاری بات سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یاد رکھو تمہاری اکڑ غرور تمہیں خون کے آنسو رلائے گی عمر بھر پچھتاؤ گی یہ کوئی شرافت ہے اس بیچارے شارق کو ذلیل خوار کر رہی ہو۔ اری کمبخت کم نصیب اس افراتفری کے دور میں اتنی شدت سے چاہنے والا عاشق کہاں ملتا ہے۔ چلو اگر وہ شارق برا ہے تو تم کمبخت کون سی اچھی ہو۔ مگر تم ہو کہ اس کے داغدار ماضی کو سامنے رکھے اس کی چاہت کو ٹھکرائے چلی جا رہی ہو۔'' عالیہ بولتی چلی گئی۔

''پلیز عالیہ! میری بھی تو سنو۔ تم ایمانداری سے بتاؤ میں شارق کے کرتوت جانتے ہوئے کس طرح ان کی چاہت کا یقین کر لیتی۔ میں بھی صبا کی طرح یہی سمجھتی رہی ہوں کہ وہ مجھ سے انتقام لے رہے ہیں۔ اب مجھے کیا خبر تھی کہ وہ واقعی مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں۔'' وہ سر پکڑ کر بولی۔

''چلو اب تو تمہیں پتہ چل چکا ہے کہ شارق مخلص ہیں ان کی چاہت میں کھوٹ نہیں پھر اب کیا ارادہ ہے؟''

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی عالیہ! میں کیا کروں؟'' وہ نڈھال سی بینچ پر بیٹھ گئی۔

''دیکھو زیب! تم جانتی ہو مجھے تم سے کس قدر پیار ہے۔ تم مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو اور یقین کرو کہ میں تمہارے لیے جو کچھ بھی کروں گی اسی میں تمہاری بہتری و بھلائی ہوگی بس تم شارق کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔'' عالیہ نے اسے کاندھوں سے تھام کر کہا۔

''عالیہ! مجھے کچھ نہیں پتہ میرا تو دماغ ہی کام نہیں کر رہا ہے۔'' زیب اس سے لپٹ گئی۔

''دماغ سے کام لینے کو کس نے کہا ہے۔ تم دل سے کام لو دل کو ٹٹولو شاید کسی گوشے میں شارق کا خیال چھپا ہو۔

شاید اس کے مقدر کی طرح وہ محبت بھی جاگ اٹھے جو تم نے خود سے بھی پوشیدہ رکھی ہے۔ خیر اب تم ریلیکس کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' عالیہ نے اسے سینے سے الگ کر کے کہا تو زیب نے سر ہلایا۔

''شاباش سہیلی! اب تم میرے ہاتھ دیکھنا۔ صبا...... او صبا۔'' عالیہ نے پکارا۔

صبا ابھی بھی دوسری طرف فوارے کے قریب بیٹھی تھی۔ وہ شارق کے جانے کے بعد بھی وہیں بیٹھی رو رہی تھی کڑھ رہی تھی۔

''او پلیز عالیہ! خدا کے واسطے چپ رہو ڈھنڈورا تو مت پیٹو۔'' زیب نے اس کا منہ بند کرنا چاہا۔

''بھئی صبا سے بھلا کیا چھپانا وہ تو اپنی دوست ہے۔ تو اکٹھے بیٹھ کر مشورہ کریں گے۔'' عالیہ نے صبا کو پھر وہیں بلا لیا۔

''ارے تم دونوں یہاں چھپی بیٹھی ہو۔ کب آئی تھیں یہاں ابھی تو شارق یہاں سے گئے ہیں؟'' صبا حیران ہو کر بولی۔

''ہاں صبا! ہمیں سب پتہ ہے۔ آپ کی اور شارق کی موجودگی کے دوران بھی ہم یہیں پر موجود آپ لوگوں کی باتیں سن رہے تھے۔'' عالیہ نے بتایا تو وہ ملول ہو کر بولیں۔

''عالیہ! مجھ سے تو شارق کی حالت نہیں دیکھی جا رہی ہے۔ وہ تو اس قدر نڈھال و مایوس ہو رہا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہیں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھے۔'' صبا پریشانی سے بولیں اور اس سے پہلے عالیہ کچھ بولتی راحیل اور صائمہ بھی وہیں آ گئے۔

''آیئے...... آیئے راحیل! ہمیں آپ ہی کا انتظار تھا یہ بتائیں آپ زیب سے کب بیاہ رچا رہے ہیں؟'' صبا تیکھے لہجے میں بولی۔

''ہائیں...... صبا! یہ کیا خرافات بک رہی ہو؟'' زیب نے بوکھلا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا وہ تو راحیل کے ڈرامے سے انجان تھی نا۔ تبھی اس انکشاف پر دنگ رہ گئی۔

''اوہو...... مجھے لگتا ہے اپنا ہیرو شارق! تم سے سب کے سامنے اپنا دکھڑا رو کر اور حال دل سنا کر گیا ہے۔'' راحیل نے زور سے قہقہہ لگایا مگر پھر صبا کے گھورنے پر انہیں حقیقت بتانے لگا۔

''بھئی صبا! یہ ہماری ایک اسکیم تھی پلان تھا ذرا شارق کو ہوش و حواس میں لانے کے لیے ہم نے ڈرامہ کیا ہے۔ ویسے قسم لے لو میں نے ایک بار بھی شارق سے یہ نہیں کہا ہے کہ میں زیب سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ تو خود ہی شک میں مبتلا ہے اور مجھ سے زیب کا نام لے لے کر طنزیہ باتیں کرتا ہے۔ پھر میں نے بھی چڑ کر اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ اب تو میں سوچ رہا ہوں کہ اسے اور زیادہ یقین دلایا جائے تاکہ وہ خود سامنے آ کر زیب کے لیے اپنی چاہت کا سب کے سامنے اقرار کر لے۔'' راحیل ہنس کر بولے تو سب مسکرا دیے۔

''نہیں...... نہیں راحیل! پلیز ایسا غضب مت کیجیے۔'' زیب نے شرما کر منہ چھپا لیا۔

''تم چپ رہو زیب! ابھی تم مجھ سے وعدہ کر چکی ہو کہ میرے مشورے پر عمل کرو گی۔'' عالیہ نے اسے ڈانٹا۔

''لیکن عالیہ! تم لوگ ذرا یہ تو سوچو یہ سنجوگ کیسے ممکن ہے کہاں شارق صاحب! اور کہاں میں؟'' وہ پریشان تھی۔

''کیسی باتیں کرتی ہو؟ زیب میری جان! ہم سب تم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں ہم نے کبھی تمہیں کمتر نہیں سمجھا۔ بھئی تم ہمارے بھائی کی پسند ہو اور ہمیں اپنے بھائی کی خوشیاں بہت عزیز ہیں۔'' صائمہ نے جذباتی ہو کر اسے سینے سے لگا لیا۔

''لیکن صائمہ! مجھے ان سے خوف آتا ہے۔ ان کا مزاج و عادات...... وہ سب......'' زیب بے حال ہو رہی تھی۔

''میری جان زیب! شارق پیدائشی طور پر تو برے نہ تھے بلکہ حادثات نے صدموں نے انہیں بے راہ روی پر مجبور کیا تھا۔ تم خود سوچو زیب! جس شخص نے اپنی ماں کی پسند پر نازیہ سے شادی کی۔ پھر اسے دنیا بھر کا آرام عیش و سکھ مہیا کیا اور دن رات محنت کر کے اپنا سکھ و چین گنوایا۔ پھر بھی اس کی بیوی اس کی عزت کو پاؤں تلے روند کر اس کے بہنوئی حامد کو اپنے چنگل میں پھنسا کر اس کی لاڈلی چہیتی بہن کا گھر برباد کر دے اور محض دولت کی خاطر ان کے خلوص اور محبت کو ٹھکرا کر انہیں دنیا کے تمسخر کا نشانہ بننے کے لیے تنہا چھوڑ دے۔ تو پھر وہ مایوس و نراش شخص غموں کی تلخیوں کو بھلانے کے لیے شراب پیئے یا بہک جائے تو اس کا کیا قصور؟'' صائمہ نے آنسو پونچھے۔

''زیب! شارق بھائی نے بہت دکھ واذیتیں برداشت کی ہیں۔ اور اب صرف تم ہی انہیں تباہیوں سے بچا سکتی ہو۔ تمہیں پا کر وہ سدھر جائیں گے۔ اس طرح تو ایک ہیرا بھی جب تک صحیح تراشا نہ جائے اس کی آب و تاب میں قیمت میں اضافہ نہیں ہوتا۔'' صائمہ آنسو بہانے لگی۔

''نہ...... نہ صائمہ! تم کچھ غلط کہہ گئی ہو۔ تمہیں تو یوں کہنا چاہیے کہ ہیرا جب تک تراشا نہ جائے اس کی چمک دمک میں اضافہ نہیں ہوتا اور تمہارے بھیا کو تراشنے کے لیے بھی ایسے ہی حسین ماہر جوہری کی ضرورت ہے۔ جو ان کے نوکیلے کونوں کو گھسا کر ان کے تمام کس بل نکال دے۔'' راحیل نے ماحول بوجھل ہوتے دیکھ کر بات بدل دی تو سب مسکرا دیئے۔

''پھر بتایئے جوہری صاحب اس نوکیلے ہیرے کو تراشنا ہے یا نہیں؟'' صائمہ آنسو پونچھتی ہوئی مسکرائی۔

''صائمہ......'' زیب اٹھ کر صائمہ سے لپٹ گئی اور خوشی سے دونوں کے آنسو بہنے لگے۔

''مبارک ہو دوست! لڑکی نے تو اقرار کر لیا ہے اور اب اس خر دماغ لڑکے شارق کا دماغ درست کرنا پڑے گا اور اب ہمیں ہر ممکن یہ کوشش کرنی چاہیے کہ شارق ان تاریک راستوں پر دوبارہ نہ چلنے لگے۔'' صبا نے کہا۔

''زیب! میرا مشورہ تو یہی ہے کہ تم اب شارق کو دیکھو تو اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر گانا شروع کر دینا۔ تیرے مست مست دو نین میرے دل کا لے گئے چین۔'' راحیل نے تان لگائی۔

''ہائے شارق! میرے دل کا لے گئے چین تیرے مست مست دو نین۔'' وہ دل پر ہاتھ رکھ کر لہک لہک کر گانے لگے۔

''اف توبہ...... آپ کچھ تو شرم کیجیے ڈاکٹر راحیل۔'' زیب شرم سے سرخ ہو گئی۔

''سنو زیب! شارق کلب گئے ہیں وہ ضرور مے نوشی میں مصروف ہوں گے۔ وہ جب پریشان ہوتے ہیں تو ضرورت سے زیادہ پیتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو وہ نشے کے عالم میں پھر کوئی حادثہ کر بیٹھیں؟'' صبا نے کہا۔

''ہائے خدا نہ کرے۔'' بے اختیار زیب نے صبا کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تو سب ہنس دیئے۔

''ہائیں...... یہاں تو معاملہ ایک پل میں کہاں سے کہاں تک جا پہنچا ہے ذرا ہمدردی ملاحظہ فرمائیے۔'' عالیہ نے چھیڑا۔

''نہ مجھے تو یہ معاملہ ایک پل کا نہیں لگتا۔ میرا خیال ہے یہ زیب چوری چوری چپکے چپکے ان کی پرستش کرتی رہی ہے۔ کیوں زیب؟'' صبا نے ہنس کر کہا۔

''پتہ نہیں صبا! میں اپنے جذبوں کو کوئی نام نہیں دے سکتی۔'' زیب سچائی سے بولی۔

''اس کا مطلب تو یہی ہوا نا کہ واقعی شارق کو پسند کرتی تھیں لیکن ڈر کے مارے اظہار نہیں کرتی تھیں؟'' راحیل نے پوچھا تو زیب نے سر جھکا لیا اپنی تبدیلی پر وہ خود بھی حیران تھی بھلا ان سے کیا کہتی۔

''چلو زیب! کلب چل کر شارق کو وہاں سے اُٹھا کر گھر واپس لے آتے ہیں۔ وہ واقعی تمہاری اور میری شادی کا سن کر خاصہ گرفتہ دل ہے اور اس ذہنی کشمکش میں وہ اگر خودکشی کا فیصلہ کرے تو اس سے امید رکھی جا سکتی ہے۔ یاد ہے نا زیب۔'' ایک بار اس کا تم سے جھگڑا ہو گیا تھا تو اس نے غصے میں ٹینا کی کار سے کار ٹکرا کر خود کو زخمی کر لیا تھا۔ راحیل نے اسے خوفزدہ کیا۔

''پھر اب مم...... میں کیا کروں؟'' زیب گھبرا گئی۔

''دیکھو صبا تمہیں کلب لے جائیں گی۔ تم اندر جا کر اسے بہلا پھسلا کر باہر لانے کی کوشش کرنا اور کوشش کرنا وہ زیادہ نہ پیئے۔'' راحیل نے زیب کو سمجھایا پھر صبا کے ساتھ اسے روانہ کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد زیب اور صبا کلب پہنچ گئیں۔ زیب بری طرح سے گھبرائی ہوئی تھی۔ صبا نے کار روک کر اسے اندر جانے کا مشورہ دیا۔

''مگر صبا! مجھے ڈر لگتا ہے تم بھی میرے ساتھ اندر چلو نا۔'' زیب نے کار میں جھانکتے ہوئے منت کی۔

''نہیں...... تم اکیلی ہی اندر جاؤ زیب! شارق تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر بے قابو ہو جائے گا۔''

''یا اللہ...... میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔'' زیب نے پیشانی پر ہاتھ مارا پھر ہمت کر کے کلب میں داخل ہو گئی وہ سہمی سہمی ہال میں داخل ہوئی تو بہت سی بے باک کھوج لگانے والی نگاہیں اس کی طرف اٹھیں وہ متلاشی نظروں سے شارق کو ڈھونڈنے لگی پھر وہ کونے والی میز پر نظر آئے تو تیر کی طرح ان کی طرف لپکی وہ سوچوں میں غرق سر جھکائے بیٹھے تھے نگاہوں میں زیب کی صورت جھلملا رہی تھی۔

''زیب میری نہیں ہو سکتی وہ راحیل کو پسند کرتی ہے محبت کرتی ہے۔ پھر میں کس امید پر راحیل سے مقابلہ کروں اگر مجھے یہ امید ہوتی کہ زیب میری طرف متوجہ ہو جائے گی تو تب بھی میں راحیل سے اسے چھیننے ٹکرانے کی کوشش کرتا لیکن اب؟'' وہ تلخی سے مسکرائے۔

''یار شارق! تم بھول جاؤ زیب کو۔ ویسے بھی تم آوارہ شرابی اس قابل تھے کب کہ وہ تمہیں اپناتی۔ بہتری اسی میں ہے کہ اس کی زندگی سے نکل جاؤ اور خود کو مدہوشیوں میں ڈبو کر زیب کو بھلانے کی کوشش کرو۔'' انہوں نے بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ کسی نے بوتل اٹھا لی۔ وہ چونک کر دیکھنے لگے۔

''ٹھہریئے شارق! ساقی کے فرائض ہمیں انجام دینے دیجیے۔ آخر پہلے بھی تو میں آپ کو پلاتی رہی ہوں۔'' زیب ہمت کر کے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

''آ.....آپ کون ہیں؟'' وہ حیرانی سے بولا۔
شارق کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ زیب یوں بھی ان کے پاس آسکتی ہے تبھی وہ حیرانی کی کیفیت میں منہ کھولے تھے۔

''کمال ہے شارق! آپ مجھے نہیں پہچانتے جبکہ دعوے تو بہت کرتے ہیں محبت کے۔ خیر مجھے تو پھر اس انگوٹھی کو تو ضرور پہچانتے ہوں گے؟'' زیب نے دایاں ہاتھ آگے بڑھایا انگلی میں قیمتی ہیروں جڑی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔
''ہاں...... ہاں پہچانتا ہوں۔ یہ انگوٹھی تو میں نے...... زیب......زیب کو منگنی پر دی تھی پھر یہ آپ کے پاس کیسے آ گئی؟''

''زیب! یعنی آپ کی منگیتر......تو میں زیب ہی تو ہوں آپ نے اپنے ہاتھوں سے تو پہنائی تھی مجھے یہ انگوٹھی؟'' وہ مسکرائی۔

''ہاں تمہاری شکل ضرور زیب جیسی ہے۔ لیکن یہ باتیں...... یہ محبت بھرا انداز...... یہ مسکراہٹ...... مجھے دھوکے میں مبتلا کر رہی ہے۔ وہ زیب تو کبھی مجھ پر مہربان نہیں رہی۔'' وہ بے یقینی سے بولے۔
''شارق! میں آپ کی زیب ہی تو ہوں۔'' زیب نے انہیں پھر بوتل اٹھاتے دیکھا تو گلاس پر ہاتھ رکھ دیا۔ مگر شارق تو زیب کی چمکتی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بوتل میں سے وہ سیال مشروب انڈیلتے رہے۔ مگر گلاس کیا بھرتا شراب زیب کا ہاتھ بھگوتی نیچے گرتی رہی۔ مگر وہ دونوں ایک دوسرے کی نگاہوں میں گم تھے۔
''نہیں زیب نہیں...... مجھے دھوکہ مت دو میں مزید فریب کھانے کی سکت نہیں رکھتا۔'' وہ جھرجھری لے کر جاگے۔ پھر منہ پھیر کر پیگ ہونٹوں سے لگایا تو وہ خالی پا کر واپس میز پر رکھ دیا پھر نظر میز سے نیچے تک گری۔ پھیلی شراب پر پڑی۔ وہ گہری سانس لے کر اٹھ گئے۔
''اب......آپ کہاں جا رہے ہیں شارق؟'' زیب نے جلدی سے ہاتھ تھام لیا۔
''میں کہیں بھی جاؤں آپ کون ہوتی ہیں پوچھنے والی؟'' وہ ہاتھ جھٹک کر تلخی سے بولے۔
''میں آپ کی زیب ہوں شارق۔'' وہ پھر ہاتھ چھو کر بولی۔
''نہیں...... میرا کوئی نہیں ہے اور تم بھی مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔'' وہ تیزی سے باہر چلے گئے وہ گم صم بیٹھی رہ گئی۔

''کہاں اور کیوں چلا گیا ہے شارق کیا کوئی بات ہوئی؟'' صبا کی آواز سن کر زیب چونک گئی۔
''کچھ بھی نہیں ہوا صبا وہ تو میری بات ہی نہیں سن رہے تھے سخت بگڑے ہوئے ہیں۔'' وہ مایوسی سے بولی۔
''تو منا لینا یار! آخر کب تک بگڑے گا وہ...... چلو آؤ...... پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔'' صبا، زیب کے ساتھ کار میں بیٹھ گئی۔ وہ لوگ گھر واپس آگئی تھیں پھر رات دیر تک وہ باتوں میں مصروف رہیں۔ تبھی شارق کی منتظر تھیں مگر جب وہ دیر تک واپس نہ آئے تو سبھی سونے کے لیے اٹھ گئے۔
صبح زیب دیر تک سونے کے بعد جب ڈائننگ روم میں آئی تو صائمہ ناشتہ کر رہی تھی۔
''زیب! شارق تو ساری رات گھر نہیں آئے میں انتظار کرتی رہی۔ زیب تم اور صبا رات کو انہیں ساتھ کیوں نہیں

لے آئیں؟" صائمہ فکر سے بولیں۔

"میں کسے ساتھ لاتی وہ تو مجھ سے خفا ہیں ڈھنگ سے بات ہی نہیں کرتے۔" زیب سر جھکا کر بولی تبھی عالیہ اور صبا دونوں نند بھاوج سلام کرتی اندر آ گئیں۔ پھر زیب کو دیکھ کر بے چینی سے بولیں۔

"توبہ صبح کے انتظار میں تو ہمیں رات بھر نیند ہی نہیں آئی۔ سنا زیب! ہوگئی شارق سے صلح؟"

"شارق بھائی گھر واپس لوٹتے تب صلح ہونی تھی۔" صائمہ پریشانی سے بولی۔

"دھت تیری کی...... خیر بچ کر کہاں جائے گا ہم اسے تلاش کرلیں گے۔ میں ابھی ٹینا اور جاوید کو فون کر کے پوچھتی ہوں۔" صبا فون کرنے کے لیے اٹھی۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے صبا! میں سب پتہ کر چکی ہوں شارق وہاں نہیں ہیں۔" صائمہ نے بتایا۔

"تو چلو پھر میں تمہیں شارق کے ٹھکانے پر لیے چلتی ہوں۔" صبا، زیب کا ہاتھ پکڑ کر بڑھی ہی تھی کہ رک گئی شارق اندر داخل ہو رہے تھے۔

"اے لو...... وہ نواب شارق الدولہ خود تشریف لے آئے ہیں ذرا حلیہ ملاحظہ فرمایئے۔ بگڑے حال...... بہکی چال...... الجھے بال......" عالیہ نے لقمہ دیا۔

"اور چہرہ غصے سے لال......" زیب نے دبی زبان میں کہا تو سب کھلکھلا کر ہنس دیئے اور شارق نے قہر آلود نظروں سے دیکھا اور اپنے بیڈروم کی طرف جانے لگے۔

"اے مسٹر شارق! تم ہم سب کو تو لفٹ میں اڑا کر خود کہاں جا رہے ہو؟" صبا نے راستہ روکا۔

"ہٹو صبا! مجھے سخت تھکاوٹ ہو رہی ہے نیند بھی آ رہی ہے۔" وہ بیزاری سے بولے۔

"ہائیں...... یہ کوئی وقت ہے سونے کا ساڑھے دس گیارہ بجے ہوں گے۔ اور تم رات کہاں گزار کر آ رہے ہو؟" صبا نے پوچھا۔

"پاگل خانے میں تھا۔" وہ صبا کی گرفت سے بازو چھڑا کر جانے لگے۔

"اچھا...... اچھا آپ پاگل خانے گئے تھے۔ واقعی بالکل صحیح جگہ پر پہنچے آپ...... بلکہ آپ کو تو چار سال پہلے ہی وہیں شفٹ ہونا چاہیے تھا۔" صبا تمسخرانہ انداز میں بولی تو شارق نے رک کر گھورا۔

"اچھا بابا اچھا آنکھیں مت دکھاؤ ہم ویسے ہی ڈر جاتے ہیں۔" صبا کان پکڑ کر بولی تو شارق مڑ کر بیڈروم میں چلے گئے۔

"اچھا صائمہ! میں اور عالیہ بھابھی ڈیڈی کے پاس ہسپتال جا رہے ہیں۔ ہاں جب شارق گھر سے نکلیں تو تم مجھے فون کر دینا میں آ جاؤں گی۔" صباحت نے کہا۔ شارق کا پیچھا کریں گے ہاں زیب اگر شارق سے آمنا سامنا ہو جائے تو تم نرمی و محبت سے پیش آنا۔" صبا اور عالیہ اسے سمجھا بجھا کر واپس چلی گئیں۔

زیب کتنی دیر امی کے بیڈروم میں ان کی الماری اور کپڑے ٹھیک کرتی رہی تھی۔ پھر انہیں دوپہر کا کھانا کھلا کر اپنے کمرے میں آرام کرنے آ گئی تھی۔ وہ لیٹی کتاب پڑھ رہی تھی کہ دروازہ زور سے کھلا زیب نے چونک کر دیکھا پھر شارق کو دیکھ کر وہ چھلانگ لگا کر پلنگ سے اتر گئی۔

''آ......آپ......آیئے بیٹھیے نا؟'' وہ سنبھل کر بولی مگر شارق نے گھورا۔

''نہیں مجھے تمہارے کمرے میں بیٹھنے کی آنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کیا تم کل رات کو کلب آئی تھیں یا نشے میں مجھے تمہاری موجودگی کا دھوکہ ہوا تھا؟'' ان کے پھولے ہوئے منہ اور روٹھے روٹھے انداز نے بے اختیار زیب کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔ جب شارق نے جواباً اسے مسکراتے دیکھا تو حیران رہ گئے پھر سنبھل کر منہ پھیر لیا۔

''جلدی بتاؤ دیر ہو رہی ہے مجھے کیا تم کلب گئی تھیں؟''

''اور اگر میں کہوں کہ ہاں میں گئی تھی کلب تو......'' وہ قریب ہو کر بولی۔

''کیوں آئی تھیں اور بار بار مجھے انگوٹھی دکھا کر کیا جتلانا چاہتی تھیں؟'' شارق نے لپک کر ہاتھ تھام لیا جس میں فرضی منگنی والی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔

''زیب! تم یہ انگوٹھی فوراً مجھے واپس کر دو۔'' شارق نے حکم دیا۔

''کیوں واپس کر دوں؟ یہ انگوٹھی تو آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں سے پہنائی ہے۔ میں تو زندگی بھر نہیں اتاروں گی۔''

''اب اس انگوٹھی کا تمہارے پاس کیا کام وہ تمہارے محبوب راحیل تمہیں نئی انگوٹھی جو پہنا دیں گے۔'' وہ سلگ کر بولے۔

''ہائے خدانخواستہ راحیل مجھے انگوٹھی کیوں پہنانے لگے بھلا۔ ویسے بھی مجھے تو یہی انگوٹھی چاہیے مجھے اس سے بہت انس ہو گیا ہے۔'' وہ ہاتھ چہرے سے لگا کر بولی۔

''اچھی لگتی ہے تو بازار سے جا کر نئی خرید لو۔'' وہ زبردستی انگوٹھی اتارنے کی کوشش کرنے لگے۔

''بھئی بڑے ہی کنجوس ہیں آپ! اچھا آپ مجھ سے اس کی قیمت لے لیجیے لیکن انگوٹھی واپس مت لیں ورنہ مجھے بہت دکھ ہو گا۔ توبہ شارق آپ کو کسی کے دل ٹوٹنے کا بھی خیال نہیں ہے؟'' وہ معصومیت سے بولی۔

''اچھا......تو آپ کو بھی میرا دل ٹوٹنے کا احساس ہوا ہے۔'' انہوں نے طنز کیا۔

''ہاں......احساس ہوا ہے نا تبھی تو منع کر رہی ہوں کہ یہ انگوٹھی آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں سے پہنائی ہے اسے مت اتاریئے۔ آپ کو بھی یقیناً دکھ ہو گا اور مجھے تو صدمہ پہنچے گا ہی۔'' وہ پیار سے بولی تو شارق نرم پڑ گئے۔

''اچھا......مت کرو انگوٹھی واپس لیکن آئندہ میرے پیچھے پیچھے کلب تک مت آنا۔ مجھے اب تم سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔'' وہ خفگی سے منہ بنا کر مڑے۔

''شارق! اگر آپ کو دلچسپی نہیں رہی، تو نہ سہی مگر مجھے تو آپ سے گہری دلچسپی ہو گئی ہے۔ اچھے لگنے لگے ہیں مجھے۔'' وہ پیار سے مسکرا کر بولی تو شارق زور سے ہنس دیئے۔

''اُف......بیچاری زیب! تمہیں ایک قیمتی انگوٹھی ہتھیانے کی خاطر کتنے پاپڑ بیلنے پڑ رہے ہیں۔ خوامخواہ محبت جتانی پڑ رہی ہے۔'' وہ طنز سے ہنسے۔ ''اور تم جو یہ انگوٹھی خریدنے کی بات کر رہی ہو تو تمہیں اس کی قیمت کا اندازہ نہیں ہے۔''

''کیا......آ......آ......'' زیب کو غصہ آ گیا تو وہ سمجھ رہا ہے کہ میں لالچ میں اس کی خوشامد کر رہی ہوں۔

وہ عالیہ اور صبا کا پڑھایا ہوا سبق بھول گئی اس نے انگوٹھی اتار کر جھٹکے سے شارق کی طرف بڑھائی۔ ''اونہہ......خوامخواہ خوش فہمی میں مبتلا ہو رہے ہیں بھلا انگوٹھی کی وجہ سے آپ سے فلرٹ کرنا تھا مجھے؟'' وہ چڑ گئی۔

''کیوں سچی بات کڑوی لگتی ہے نا؟'' وہ تمسخرانہ انداز سے مسکرائے تو زیب سنبھل گئی وہ جلد بازی میں سارا کھیل بگاڑنے لگی تھی۔

''اچھا کڑوی سچائی سہی مگر یہ انگوٹھی تو ہرگز ہرگز نہیں واپس ملے گی۔'' اس نے دوبارہ پہنتے ہوئے کہا۔

''ہا...... مجھے تو پہلے پتہ تھا کہ تم ایکٹنگ کر رہی ہو اب تم اتنی بیوقوف تو نہیں ہو کہ پچیس لاکھ کی انگوٹھی تم واپس کر دیتیں۔'' وہ باہر جاتے ہوئے بولے پھر زور سے دروازہ بند کر دیا۔

''اچھا...... اگر میں ایٹک ایکٹنگ ہوں تو آپ خود کیا دلیپ کمار اور سلطان راہی سے کم فنکار ہیں کیا؟'' وہ بڑبڑاتی ہوئی امی کے پاس آگئی۔

''امی جان! جاگ رہی ہیں آپ؟'' وہ ان پر جھکی۔

''ہاں زیب بیٹے! آج تو مجھے خوب نیند آئی ہے۔ بیٹی تم بھی دوپہر کو سو لیا کرو۔ ہر وقت کتابیں پڑھتی رہتی ہو۔''

''امی نیند نہیں آتی تو پھر اکتا کر کتابیں اٹھا لیتی ہوں۔ اچھا آپ نہا لیجیے ذرا طبیعت بشاش ہو جائے گی۔''

زیب! انہیں نہلانے کے بعد بیٹھی ان کے بال سنوار رہی تھی۔ جب شارق اندر آگئے۔

''آؤ رضا! آج بے وقت ہمارے پاس کیسے آگئے ہو خیریت تو ہے نا؟'' وہ بیٹے کی پیشانی چوم کر بولیں۔

''امی جان! میں کچھ دنوں کے لیے اسلام آباد جانا چاہتا ہوں میں آپ سے اجازت لینے آیا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولے۔

''رضا! اگر بزنس کے سلسلے میں جانا ہے تو جاوید کو بھجوا دو۔'' وہ ان کے بال پیشانی سے ہٹا کر بولیں۔

''نہیں امی! مجھے خود جانا پڑے گا ایک تو پاسپورٹ کی میعاد ختم ہو رہی ہے اور چند اور ضروری کام بھی ہیں۔''

''پاسپورٹ ٹھیک کروانے کی ضرورت کیوں پیش آگئی ہے کیا کہیں باہر جانے کا ارادہ ہے؟'' وہ گھبرا گئیں۔

''جی جی! میں امریکہ جا رہا ہوں۔'' وہ نگاہیں چرا کر بولے۔

''تو سیدھی بات کرو نا بہانے کیوں بنا رہے ہو اس بڑھاپے میں جب ہمیں کسی پل کا بھروسہ نہیں ہے تم چاہتے ہو ہمارے جنازے کو غیر کاندھا دے کر قبر میں اتاریں اور ہمارا اپنا بیٹا ہمارا خون ہم سے ہزاروں میل دور رنگ رلیوں میں مصروف رہے۔'' وہ رونے لگیں۔

''ایسی منحوس بات منہ سے مت نکالیے امی آپ تندرست ہیں ماشاءاللہ ہزاروں برس جئیں گی۔ امی سچ تو یہ ہے کہ میں یہاں بہت پریشان رہنے لگا ہوں۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا۔ مجھے محسوس ہوتا ہے اگر یہی حالت رہی میری تو میں ضرور پاگل ہو جاؤں گا۔'' ماں کے گلے سے لگ کر بولے جو دم بخود بیٹھی تھیں۔

''شارق...... میرے بچے یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟'' وہ بے بسی سے بولیں۔

''معلوم نہیں امی! بس دل و وجود میں اندر ہی اندر ایک آگ سی لگی ہے میرا دم گھٹتا جاتا ہے۔'' ان کے لہجے میں درد رچا تھا جسے محسوس کر کے ماں کا دل ڈوبنے لگا تھا اور زیب وہ تو ہاتھ میں کنگھی پکڑے گم صم بیٹھی تھی۔

''اچھا بیٹے جاؤ۔ جیسے تم خوش رہ سکو ہمیں منظور ہے ہم تمہیں مزید دکھی نہیں دیکھ سکتے۔'' وہ بجھی آواز میں ہتھیار ڈال کر بولیں تو شارق نے اچٹتی نظریں زیب پر ڈالیں۔

''اب خوش؟'' وہ ہنس دیئے۔

''خوشی تو ہم سے روٹھ چکی ہے امی! بس اب تو بمشکل زندگی گزار رہے ہیں۔'' وہ بوجھل آواز میں بولے تو زیب بے اختیار کھڑی ہو گئی قدم ڈگمگائے تو شارق ہی کا سہارا لے کر سنبھلی تھی۔

''کیا بات ہے زیب؟'' اس کے چہرے کی زردی امی کو پریشان کر گئی۔

''بب...... بس...... یونہی چکر سا آ گیا ہے امی۔'' وہ آنکھیں بند کر کے آنسو چھپانے لگی اس کے بازو پر ابھی بھی شارق کے ہاتھ جمے تھے۔

''زیب بیٹی! ادھر آ کر لیٹ جاؤ اف تمہارا تو چہرہ سپید پڑ گیا ہے۔'' امی نے کہا تو شارق بھی جھک کر دیکھنے لگے۔

''امی! اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے کمرے میں جا کر کچھ دیر آرام کر لوں۔ یکا یک سر دکھنے لگا ہے؟'' امی نے اسے فوراً جانے کے لیے کہا تو وہ تیزی سے نکل کر ڈرائنگ روم کے صوفے پر جا گری۔

''تو شارق نے امریکہ جانے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ جانے اب وہ واپس بھی لوٹیں گے یا نہیں؟'' یہ سوچتے ہی وجود گویا بے جان ہونے لگا تھا وہ نہ جانے کتنی دیر غافل پڑی رہی کہ کسی نے ہلایا۔

''زیب...... زیب طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟'' اسے صبا کی گھبرائی آواز کان میں پڑی تو اس نے آنکھیں کھولیں۔

''ہاں...... ہاں...... میں ٹھیک ہوں بس ویسے ہی ذرا لیٹ گئی تھی۔'' وہ اٹھی تو عالیہ اور صائمہ پر نظر پڑی۔

''توبہ...... کب سے تمہیں آوازیں دے رہے تھے مگر تم تو گونگی بنی لیٹی تھیں۔ تو ہم ڈر ہی گئے۔ چلو اٹھو باڈی گارڈ فلم دیکھنے چلتے ہیں میں بکس ریزرو کروا کر آئی ہوں اور وہ شارق کہاں ہے؟'' صبا نے پوچھا۔

''وہ تو امی جان کے پاس بیٹھے ہیں اور موڈ بڑا ہی خطرناک ہے۔'' زیب کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تم فکر مت کرو صبا نے بڑوں بڑوں کے موڈ ٹھیک کر دیئے ہیں۔ میں ابھی اسے ساتھ لاتی ہوں تم جا کر کار میں بیٹھو۔'' صبا واقعی شارق کو ساتھ لے کر چند منٹ بعد آ گئی۔

''اوہو صبا! آخر جانا کہاں ہے؟ مجھے گھسیٹو تو نہیں بازو چھوڑو کیا مصیبت ہے؟'' وہ انہیں کھینچتی آ رہی تھی۔

''تم گاڑی میں بیٹھو پھر بتاتی ہوں نا کہ کہاں جانا ہے؟'' صبا نے انہیں کار میں دھکا دے کر آگے بٹھایا پھر اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ پچھلی سیٹ پر عالیہ بھابھی، صائمہ اور زیب بیٹھی تھیں۔ شارق نے مڑ کر دیکھا تو منہ بنایا۔

''یہ محترمہ زیب کیا ہمارے ساتھ جائیں گی۔'' انہوں نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''کیوں...... تمہیں کوئی تکلیف ہے یا اعتراض ہے۔'' صبا نے گھورتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... اعتراض ہے میں ان کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔'' وہ ضدی اور اکھڑ لہجے میں بولے۔ ''تم مجھے اتارتی جاؤ۔''

''اے مسٹر چپکے بیٹھے رہو ورنہ ایک چانٹا لگا کر سیدھا کر دوں گی خوامخواہ بچوں کی طرح ضد کر رہے ہیں۔'' صبا نے ڈپٹ کر چپ کروایا۔ جلد ہی وہ سینما پہنچ گئے تو شارق بول اٹھے۔

''صبا یہ تم کہاں لے آئی ہو میں یہ فلم دیکھ چکا ہوں۔'' انہوں نے اعتراض کیا۔

''تم نے دیکھی ہے نا فلم مگر ہم نے نہیں دیکھی چلو اترو۔'' صبا نے آنکھیں دکھائیں مگر وہ اکڑ کر بیٹھے رہے۔
''نہیں...... میں ہرگز یہ فلم نہیں دیکھوں گا تم جاؤ میں واپسی پر تمہیں پک کرلوں گا جبکہ میں جا کر ایک ضروری کام کر لوں۔'' زیب کو ان کی ضد پر اپنی سبکی کا احساس ہوا صاف ظاہر تھا کہ شارق اس کی موجودگی برداشت نہیں کر رہے تھے۔
''جانے دو صبا! اتنی منتیں کر کے مت روکو شاید مسرت بائی نے ٹائم دے رکھا ہوگا؟'' زیب نے آہستہ سے کہا تو وہ بپھر اٹھے۔
''شیٹ اپ...... مجھے فضول باتیں اچھی نہیں لگتیں؟'' وہ گرجے اور زیب کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔
''اونہہ...... سچی باتیں بمشکل ہضم ہوتی ہیں نا...... تبھی غصہ آرہا ہے۔ نہیں آتے تو نہ آئیں؟'' زیب بھی خفگی سے کہتی ہوئی۔ صائمہ کا ہاتھ تھام کر اندر کی طرف چل دی تو صبا شارق سے جھگڑنے لگی۔
''واہ رے میرے مجنوں کیا انداز ہے عشق کرنے کا۔ ارے تمہاری بیوی تو مسلسل ہسپتال کی زینت بن جائے گی۔ روزانہ پتہ چلے گا کہ آج شارق صاحب نے مارے محبت کے بیوی کی ہڈیاں توڑ دیں۔ آج سر پھوڑ ڈالا ہے۔'' عالیہ نے جل کر کہا۔
''اب چل بھی چکو نخرے مت دکھاؤ۔'' صبا نے دھکا دیا۔ پھر وہ اسی بکس میں جا بیٹھے جہاں پہلے زیب، سیما اور بچوں کے ساتھ شارق نے یہی فلم دیکھی تھی۔ شارق، صبا کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔
اگلی نشست پر زیب صائمہ اور عالیہ بیٹھی تھیں۔
''سنو شارق! تم آگے چلے جاؤ صائمہ اور عالیہ میرے پاس آجائیں گی۔'' صبا نے مشورہ دیا۔
''کیوں کیا میں تمہیں کاٹ رہا ہوں۔'' وہ جل کر بولے۔
''مجھے بھی پتہ ہے کہ تم کھٹمل نہیں ہو اس لیے کاٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بھئی کچھ مزا نہیں آرہا دیکھو نا تم پیچھے اور تمہاری زیب آگے۔'' وہ معنی خیز انداز سے ہنسی۔ اور زیب وہ تو خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ رہ رہ کر اسے شارق کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ ''امی میں پاگل ہو جاؤں گا۔ یہاں میرا دل نہیں لگ رہا۔ خوشی مجھ سے روٹھ گئی ہے۔''
''نہیں...... نہیں میں شارق کو نہیں جانے دوں گی۔'' اس نے فوراً فیصلہ کیا اور مڑی۔
''بھئی صبا! تم کیوں شارق صاحب کی منتیں کر رہی ہو؟ تم ہی آگے آجاؤ نا مجھے اسکرین ٹھیک طرح نظر نہیں آرہی ہے۔'' وہ کھڑی ہوگئی۔
''او شیور...... شیور تم ہی پیچھے آجاؤ۔'' صبا کھلکھلاتی ہوئی اٹھ کر زیب کی جگہ پر جا بیٹھی۔
''آداب عرض ہے جناب!'' زیب شرارتاً شارق کے سامنے جھکی پھر ان کے ساتھ قریب بیٹھ گئی۔ وہ منہ بنا کر سگار سلگانے لگے۔
''جناب! بجھا دیجیے اسے...... سینما ہال میں سگریٹ نوشی ممنوع ہے۔'' زیب نے ان کے ہونٹوں سے سگار چھین لیا۔
''پلیز میرا سگار واپس دے دو۔'' شارق نے ہاتھ بڑھا کر چھیننا چاہا لیکن زیب نے ہاتھ پیچھے کر دیا۔

''واپس دے دو سگار...... زیب! ورنہ یہ بچہ ابھی روٹھ کر باہر چلا جائے گا۔ ویسے بھی میرا خیال ہے کہ سگریٹ پینا منع ہے۔ سگار کی ممانعت نہیں ہے۔'' صبا فلم دیکھتے دیکھتے ہنس کر بولی۔ تو زیب نے سگار بجھا کر اپنے پرس میں ڈالنا چاہا مگر شارق نے چھیننا چاہا تب زیب نے ان کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''چھوڑو مجھے کیا بدتمیزی ہے؟'' شارق نے ہاتھ جھٹکنا چاہا۔

''اونہوں...... اب تو ہاتھ چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' زیب نے ہاتھ اپنے رخسار سے لگا لیا۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ ڈول کر رہ گیا۔ پھر زیب نے بڑی جرأت کی اور ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔ شارق کا وجود تپ اٹھا۔

''اب بتایئے اب بھی ہاتھ چھڑوانا چاہتے ہیں آپ؟'' زیب نے ہاتھ ہونٹوں سے لگائے لگائے پوچھا۔

''دل...... دل تو چاہ رہا ہے...... کہ میں بھی تمہیں اسی طرح کاٹوں جس طرح تم نے ایک بار مجھے کاٹا تھا۔'' شارق نے سرگوشی کی۔

''ارے تو روکا کس نے ہے...... ضرور کاٹ لیجیے۔'' زیب نے مسکرا کر ہاتھ ان کے ہونٹوں سے لگایا تو شارق نے واقعی زور سے کاٹ لیا۔

''آ دوچھ...... اف اللہ......'' وہ بے اختیار چلا اٹھی اور اپنا ہاتھ جھٹکنے لگی سب چونک گئے۔

''ہائیں...... ہائیں...... زیب تم چیخی کیوں ہو بھئی؟ کیا ہم لوگ مڑ کر دیکھ سکتے ہیں۔'' صبا نے ہنس کر پوچھا۔

''وہ...... وہ میرا ہاتھ دب گیا تھا۔'' زیب نے جلدی سے بات بنائی۔

''چہ...... چہ بھئی شارق اتنے وحشی مت بنو ذرا آہستہ ہاتھ دباؤ نا۔'' عالیہ نے ہنس کر معنی خیز انداز میں کہا۔

''چلو شکر ہے ہاتھ ہی دبا ہے۔ ورنہ تم جس کربناک انداز میں چیخی تھیں میں تو سمجھی تھی شاید شارق نے تمہاری گردن دبا دی ہوگی۔'' صبا نے قہقہہ لگا کر کہا۔

''بدتمیز......'' زیب نے جھینپ کر کہا پھر شارق کی طرف دیکھا تو وہ مسلسل منہ پھلائے بیٹھے تھے۔ زیب نے شوخی سے شارق کے سامنے اپنا چہرہ کر دیا۔ وہ جو ٹکٹکی باندھے اسکرین کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اوبھتے ہوئے گردن ترچھی کی اور فلم دیکھتے گئے۔

''افو...... ایک تو لوگوں نے اتنی زور سے کاٹا ہے کہ مجھے لگتا ہے بوٹی نکال لی ہوگی مگر اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ذرا ہاتھ ہی سہلا دیں۔ اور ابھی کتنے نخرے کر رہے تھے کہ فلم دیکھی ہوئی ہے دوبارہ نہیں دیکھوں گا؟'' زیب نے نقل کی۔ مگر شارق نے لفٹ نہ دی اور لاپرواہی سے دیکھتے رہے۔ تب زیب ضدی لہجے میں بولی۔

''شارق! فلم تو میں بھی آپ کو نہیں دیکھنے دوں گی۔'' زیب نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ مگر شارق نے ہاتھ جھٹک دیا اور ذرا پرے کھسک گئے۔ زیب بھی ڈھٹائی سے ان کی طرف کھسکی اور ہتھیلی آنکھوں کے سامنے پھیلائے رکھی۔

''یہ کیا بدتمیزی اور بچگانہ پن کر رہی ہو تم زیب؟'' وہ غصے سے بولے۔

''تو آپ صلح کر لیجیے نا۔ پھر بدتمیزی نہیں کروں گی۔'' زیب ان کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''نہیں صلح نہیں ہوسکتی۔'' وہ ڈھٹائی سے بولے تو زیب کا پارہ بھی چڑھ گیا۔ ''توبہ حد ہو گئی تھی نخرے بازی کی خوامخواہ یہ شو میں آ رہے ہیں۔''

''اچھا اگر نہیں تو نہ سہی اب اس سے زیادہ اور کیا منتیں کروں؟'' زیب بھی ان کا ہاتھ جھٹک کر دور ہو بیٹھی۔
''جو وعدہ کیا وہ نبھانا پڑے گا۔'' اچانک صبا گنگنا اٹھی تو صائمہ اور عالیہ بے ساختہ ہنس دیں ظاہر ہے وہ زیب کی باتیں تو سن رہی تھیں۔ خود زیب بھی ان کا مطلب سمجھ گئی اور جھٹ اپنا رویہ بدل لیا۔ اور ضبط کر کے بولی۔
''یاد ہے شارق! اس روز فلم دیکھتے ہوئے آپ نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ آج میں بھی یہ ہاتھ نہیں چھوڑوں گی چاہے آپ صلح کریں یا نہ کریں۔'' وہ ان کا ہاتھ رخسار سے لگا کر بولی اور اب تو شارق کا ایمان ڈانوا ڈول ہونے لگا۔ انہیں حیرت ہو رہی تھی اور زیب کا والہانہ انداز ان کے قدم ڈگمگا رہا تھا۔ انہوں نے ٹھنڈا سا سانس لیا۔ ''یہ کیسی تبدیلی ہے اچانک محبتوں کی بوچھاڑ کیسے ہوگئی ہے؟''
''اگر میں نے زیب کو بھول جانے کا فیصلہ نہ کر لیا ہوتا تو اب یہ والہانہ انداز دیکھ کر نہ جانے کیا کچھ کر گزرا ہوتا اور اسے اپنی بانہوں میں بھینچ کر سب شکوے شکایتیں بھول چکا ہوتا۔ خیر...... زیب تو اب راحیل کی امانت ہے۔ مگر یہ...... یہ کیا اسرار ہے کہ زیب اگر راحیل کی محبوبہ ہے تو پھر مجھ پر کیوں مہربان ہو رہی ہے۔'' وہ مشکوک انداز میں سوچنے لگے۔
عجیب سوچ تھی شارق کی جیسے کہ وہ کوئی دنیا کا سب سے زیادہ پیسے والا شخص تھا اور ہر کوئی اس کی دولت کا بھوکا تھا۔
''شاید...... ہاں یقیناً وہ مجھ سے میری دولت ہتھیانے کے چکر میں ہے؟'' وہ اس نتیجے پر پہنچے اور تلخی سے بولے۔
''زیب! وہ تمہارا ڈاکٹر راحیل اس وقت تمہیں میرے ساتھ اٹھکیلیاں کرتے دیکھ لیتا تو جان سے مار دیتا۔'' وہ تلخی سے بولے۔
''نہیں...... نہیں آپ یقین کیجیے وہ تو مجھے آپ کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتے دیکھ کر بے حد خوش ہوتے۔'' وہ زور سے ہنسی۔
''ہونہہ...... خطرناک لڑکی، الو بنانا خوب جانتی ہو تم؟'' وہ چڑ کر بولے۔
''شکریہ...... اس اطلاع کا مگر آپ تسلی رکھیں کہ آپ کو بیوقوف یا الو بنانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' پھر تو جیسے وہ یہ بات کر کے اپنی مصیبت کو آواز دے بیٹھی تھی۔ کہ شارق تلملا کر اٹھے اور زور سے ہاتھ چھڑوا کر باہر نکلتے چلے گئے اور اپنے پیچھے زور سے دروازہ بند کیا۔
''الٰہی خیر......'' صبا نے مڑ کر دیکھا تو زیب منہ پر ہاتھ رکھے ہنسی روک رہی تھی۔ مگر صبا وغیرہ کو متوجہ پا کر زور سے ہنس دی۔
''ہائے...... میرا تو ہاتھ توڑ دیا ہے انہوں نے۔'' وہ ہاتھ جھٹکنے لگی۔
''واہ بی زیب واہ...... واہ...... کیا رومانٹک ڈائیلاگ مارا ہے تم نے...... یعنی...... بے فکر رہیے شارق آپ کو الو بنانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''
''ہٹ لعنت ہے تمہاری محبت پر...... میرا مشورہ تو یہی ہے کہ پہلے تم دونوں کہیں محبت کرنا سیکھو پھر اکٹھے مل بیٹھنا۔'' صبا نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔
''ویسے زیب! ہم لوگ تمہاری باتیں اور چیخیں سبھی کچھ سن رہے تھے۔ تو زیب تم راحیل والی غلط فہمی دور کر دو۔ خوامخواہ شارق معاملے کو الجھاتا جا رہا ہے۔'' عالیہ نے سمجھایا۔

''ہائے تم ہماری باتیں سن رہی تھیں بھئی لعنت ہے تم پر۔'' زیب کھسیانی ہو گئی۔

''میں ہی نہیں فرحت اور صائمہ بھی سن رہے تھے۔ ظاہر ہے قریب بیٹھ کر ہم اپنے کان تو بند نہیں رکھ سکتے تھے۔ رکھتے بھی کیوں بند...... کہ اتنی مصالحے دار چٹ پٹی باتیں کون مس کرتا ہے۔ ویسے یہ بتاؤ تم چیخی کیوں تھیں؟ سچ سچ بتانا۔'' عالیہ ہنستے ہوئے بولی۔

''ان...... انہوں نے...... غصے میں میرا ہاتھ زور سے کاٹ کھایا تھا۔'' وہ جھینپ کر بتانے لگی۔

''ہائے...... کاٹ لیا۔ ایمان سے کہو؟'' صائمہ اور صبا نے قہقہہ لگایا۔

''توبہ صائمہ! یہ حال ہے تمہارے بھائی اور ہونے والی بھابھی کا۔ ذرا سوچو ان کی شادی ہو گئی تب کیا ہو گا؟ اللہ...... شارق نے کاٹ کھایا۔ کھی کھی کھی......'' صبا ہنسی سے بیتاب ہو رہی تھی۔ ''بی صائمہ یہ تو ڈریکولا فیملی ہو گی۔''

''اف ہو صبا! اب دانت بند بھی کرو خدا جانے شارق غصے میں کہاں گئے ہوں گے؟'' زیب پریشان ہو گئی۔

''چلو گھر چلتے ہیں۔ فلم تو ہم نے تم لوگوں کی خاطر دیکھی ہے سوچا تھا اس طرح تمہیں یکجا ہونے کا موقع ملا۔ تو شاید صلح ہو جائے۔'' عالیہ وغیرہ کھڑی ہو گئیں۔

''میرا خیال ہے شارق کلب گیا ہو گا۔ تو ہم صائمہ، عالیہ کو گھر چھوڑنے کے بعد وہیں چلیں گے زیب۔'' صبا نے کہا۔

جلد ہی وہ لوگ گھر پہنچ گئے مگر پورچ میں کافی کاریں کھڑی تھیں۔ وہ اتریں تو ملازم نے بتایا۔ ''صائمہ بیٹی! بیگم صاحبہ کا حکم ہے کہ آپ لوگ جب فلم دیکھ کر واپس آئیں تو فوراً ان کے پاس پہنچیں۔ اسلم میاں، ڈاکٹر خرم اور احمر بیٹا سبھی آئے ہوئے ہیں۔'' ملازم نے پیغام دیا تو وہ حیران رہ گئے۔

''ہائیں...... یہ سب لوگ کیوں اکٹھے ہو گئے ہیں کیا معاملہ ہے چلو دیکھتے ہیں۔'' وہ سب اندر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے ڈاکٹر راحیل سے ٹکراؤ ہوا۔ انہوں نے انہیں دیکھتے ہی شور مچا دیا تھا۔

''ہائے...... ہائے یہ صائمہ صاحبہ کیوں منہ اٹھائے اندر چلی آ رہی ہیں؟'' وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تو راحیل نے صائمہ کا راستہ روک لیا۔ ''چلو اپنے کمرے میں جا کر بیٹھو۔''

''کیوں راحیل! کیا میرا آپ سے پردہ ہو گیا ہے کیا؟'' وہ راحیل سے الجھ گئی۔

اصولاً اور رواجاً تو ہمارا پردہ ہی ہو جانا چاہیے۔ اری نیک بخت ہمارے زمانے میں تو جب لڑکی کسی لڑکی سے منسوب کر دی جاتی تھی تو وہ تو اپنے منگیتر کے سائے سے بھی دور بھاگتی تھی پردہ کرتی تھی۔ اور ایک آپ ایسی بے حجاب لڑکی ہیں کہ دانت نکالتی ہوئی میرے سامنے چلی آئی ہیں۔ صائمہ...... صائمہ کچھ حیا کریں۔ کچھ پتہ بھی ہے اگلے ہفتے ہماری منگنی ہو رہی ہے۔'' راحیل نے جھک کر شوخی سے بتایا۔

صائمہ جو حیران و پریشان کھڑی راحیل کی عجیب نوعیت و انداز کی گفتگو سن رہی تھی۔ اس کا رنگ بے تحاشہ سرخ ہو گیا وہ وہاں سے بھاگ گئی۔ سب ہنس رہے تھے اور خوش ہو گئے تھے۔

تبھی ایک دم شارق پردہ ہٹا کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور سب لوگوں کو غیر متوقع طور پر وہاں پا کر ان کے چہرے سے پریشانی چھلکنے لگی۔ وہ ٹھٹک گئے۔

''آیئے آیئے شارق بھائی! مبارک ہو آیئے آپ کو بھی خوشخبری سنائیں۔'' میجر خرم نے استقبال کیا۔
شارق نے متوحش نظروں سے اپنے گرد جمع لوگوں کو دیکھا جن کے چہروں پر خوشیاں بکھری تھیں۔ خود ان کی اپنی ماں کا چہرہ کیسا گلاب سا کھلا ہوا تھا یک لخت جیسے وہ جوان ہو گئی ہوں۔
''شارق بیٹے! ادھر ہمارے پاس آؤ۔ یہ تم صبا وغیرہ کے ساتھ فلم دیکھنے گئے تھے پھر یہ لوگ تو جلد لوٹ آئی تھیں۔ جبکہ تم اتنی دیر سے واپس آئے ہو؟''
''جی امی میں وہ فلم پوری نہیں دیکھ سکا دراصل مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا اور میں سینما سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔'' وہ اب بھی پریشانی سے سب کو تکتے ہوئے ان کی موجودگی کے متعلق قیاس آرائی کر رہے تھے۔
''ہاں بیٹے! آج احمر اور سعدیہ بیٹی! راحیل کے بزرگ بن کر ہم سے ہماری بیٹی کا رشتہ مانگنے آئے ہیں۔ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟'' بیگم مراد نے پوچھا۔
''جی...... جیسی آپ کی خوشی ہو امی! میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں۔'' شارق بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولے ان کی نظریں پاس مطمئن سی کھڑی مسکراتی ہوئی زیب سے ٹکرائیں۔ تو دل ڈوب سا گیا اور دماغ میں غصے سے گرمی چڑھنے لگی۔ جی چاہا کہ وہ اس فتنہ گر کو سب کے سامنے بانہوں میں دبوچ کر وہاں سے بھاگ نکلے۔
''اچھا تو رضا میں نے ہاں کر دی ہے اور یہ لوگ اگلے ہفتے منگنی کی رسم ادا کرنے آ رہے ہیں۔ بیٹا! اب تم ہی سبھی انتظام کر لینا۔'' وہ مطمئن و شاد ہو کر بولیں انہیں خبر نہ تھی کہ بیٹے کے دل پر قیامت گزر رہی ہے۔
''اچھی بات ہے امی!'' وہ ضبط سے بولے ان کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ انہوں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو دیکھا کہ زیب فرحت کے ساتھ وہاں سے کھسک چکی تھی۔ وہ باہر جانے کے لیے مڑے۔
''بیٹا! یہ تم کہاں جا رہے ہو شارق؟'' وہ حیران ہو کر بولیں تو شارق نے نڈھال سے لہجے میں کاندھے جھٹک کر کہا۔
''میں کہاں جا رہا ہوں؟ پتہ نہیں امی! مجھے تو خود بھی کچھ نہیں معلوم...... بس جا رہا ہوں۔ کہیں نہ کہیں تو پہنچ ہی جاؤں گا۔ ابھی منزل بے نشان ہے ہماری۔'' وہ مایوسی کے عالم میں باہر نکلے تو سامنے سے زیب چائے اور دیگر لوازمات ٹرالی میں سجائے کھینچے لا رہی تھی۔ شارق نے اس کا راستہ روکا۔ پھر کاندھوں سے تھام کر اسے ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگے۔ تو زیب کا دم گھٹنے لگا۔ جی چاہا وہ ان کے کوٹ کے کالر دونوں مٹھیوں میں جکڑ کر کھینچے اور پھر ان کے سینے میں منہ چھپا لے۔
''شا...... شارق! کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟'' وہ جیسے خود میں سمٹنے لگی تو انہوں نے گہری سانس لی۔
''ظالم لڑکی! میں تمہارے چہرے پر بکھری خوشیاں دیکھ رہا ہوں۔ زیب...... زیب...... تمہارے اس معصوم چہرے نے میری زندگی تباہ کر ڈالی ہے۔ اب تو میں ایک پل بھی یہاں نہیں رہوں گا۔ بہت دور چلا جاؤں گا۔ ایسی جگہ جہاں تمہارا منحوس سایہ بھی مجھ پر نہیں پڑے گا۔'' وہ نفرت و غصے سے بولے۔
''او شارق پلیز آؤ میری بات تو سنیں۔'' وہ ان کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔
''زیب میرا راستہ چھوڑ دو اپنے راحیل کے پاس جاؤ عنقریب وہ تمہارا قانونی مالک بن جائے گا۔ اور میں بیوقوف پاگل انسان ہر ممکن کوشش کروں گا کہ تمہاری منحوس یادوں کو دل و دماغ سے کھرچ ڈالوں''

''افو......شارق! خدا کی قسم آپ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں میرا راحیل سے ایسا کوئی تعلق نہ تھا نہ ہے۔'' لیکن شارق ان ان سنی کر کے باہر نکلتے چلے گئے۔ اور زیب نے بے بس ہو کر دروازے سے سر لگا لیا اور بے تحاشہ رونے لگی۔ تبھی خرم، صبا اور راحیل باتیں کرتے وہیں آ گئے اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''کیا بات ہے کیا ہوا ہے زیب؟'' وہ گھبرا گئے۔

''وہ شارق بہت ناراض اور بدگمان ہو گئے ہیں۔ صبا وہ ابھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ میری اور راحیل کی منگنی ہو رہی ہے خدارا انہیں روکیے کہیں وہ کچھ کر نہ بیٹھیں۔'' وہ سسکی۔

''افو......راحیل کیا ضرورت تھی اتنا بیہودہ ڈرامہ کرنے کی خوامخواہ بات بڑھتی جا رہی ہے۔'' صبا، راحیل پر برس پڑی۔

''بھئی اس میں گھبرانے کی کون سی بات ہے اب حقیقت بتا دیں گے شارق کو منا کر لے آئیں گے۔'' راحیل، خرم کو لے کر باہر چلے گئے تھے۔ مگر باوجود تلاش کے شارق اپنے مخصوص اڈوں پر نہیں ملے تھے۔

یونہی تین دن گزر گئے تھے۔ راحیل اور خرم اب کچھ پریشان ہو کر شارق کو سارے شہر میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ صائمہ اور زیب کی حالت دگرگوں تھی۔

''راحیل کچھ شارق بھیا کی خبر ملی؟'' انہیں تھکے تھکے انداز سے آتے دیکھ کر صائمہ نے پوچھا۔

''نہیں صائمہ! خدا جانے وہ احمق جذباتی آدمی کہاں چلا گیا ہے۔ میں نے تو شہر کا چپہ چپہ چھان مارا ہے۔'' راحیل اور خرم بیٹھ گئے۔

''ہائے رضا بھائی! کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھے ہوں دو دن سے میری آنکھ مسلسل پھڑک رہی ہے۔'' صائمہ رونے لگی۔

''اف صائمہ! کیا حماقت ہے۔ بھئی رضا بالکل ٹھیک ہوں گے اور رہ گئی آنکھ پھڑکنے والی بات تو تم کوئی آئی ڈراپس (Eye Drops) ڈالو۔ وہ آشوب چشم کا مرض کافی پھیلا ہوا ہے۔'' راحیل نے ڈانٹا تو زیب آنسو چھپاتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی صبا نے پریشان ہو کر دیکھا تو خرم نے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

''احمر بھائی کا کیا حال ہے ان کی پٹی کب کھل رہی ہے؟'' صبا نے بات بدل دی۔

''اپریشن بالکل ٹھیک ہوا ہے ان شاء اللہ جمعہ کو پٹی کھول دیں گے اور ابھی احمر کے متعلق زیب کو کسی نے کچھ نہیں بتانا ہے۔'' راحیل نے وارن کیا۔ زیب لاعلم تھی کہ راحیل نے احمر کا اپریشن کر دیا تھا۔ وہ یہ راز چھپائے تھا۔

''مگر لڑکیوں کے پیٹ میں بات ٹکتی تو ہے نہیں شاید اب تک کسی نے بتا دیا ہوگا؟'' خرم نے کہا۔

''نہیں......نہیں کسی نے زیب کے سامنے احمر کا ذکر تک نہیں کیا مگر راحیل تمہاری یہ ڈرامہ کرنے والی عادت بہت ہی بری ہے پہلے بھی شارق غلط فہمی میں مبتلا ہیں تم سب کا بیڑہ غرق کرو گے۔'' صبا نے غصے سے کہا۔ تبھی جاوید اندر آ گیا اور سب کو آ کر سلام کیا۔

''یار جاوید! سناؤ کچھ شارق کا پتہ چلا ہم تو اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے ہیں۔'' راحیل نے پوچھا۔

''جی شارق صاحب! آج ہی پنڈی سے واپس آئے ہیں۔ خدا جانے انہیں اپنے ساتھ دشمنی کیوں ہو گئی ہے۔''

بڑھا ہوا شیو قدم نشے میں لڑکھڑا رہے تھے اتنے کمزور ہو رہے تھے۔ پھر چابیاں دے کر مجھے حکم دیا۔ ''کہ گھر جاؤ اور الماری میں سے میرا بریف کیس نکال کر لے آؤ ضروری کاغذات نکالنے ہیں اور امریکہ کا ٹکٹ بنوانا ہے۔'' جاوید نے بتایا۔

''رضا بھائی! ملک چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ راحیل...... راحیل یہ سب آپ کا کیا دھرا ہے۔'' صائمہ رونے لگی۔

''یار واقعی غلطی ہو گئی ہے۔ خیر ہم شارق کو جانے نہیں دیں گے ہر صورت روک لیں گے۔'' راحیل اس کا سر تھپکنے لگے۔

''برائے مہربانی ڈاکٹر راحیل! تم تو اب شارق سے دور ہی رہنا میں خود اسے سمجھا لوں گی۔'' صبا چڑ کر بولی۔

یونہی ایک دن گزر گیا اور شارق گھر واپس نہ آئے زیب بہت پریشان اور بے چین تھی۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کرے تو کیا کرے۔ دوسرے دن صبا اور صائمہ بھاگتی ہوئی اس کے کمرے میں آئیں اور بتایا کہ انہوں نے ابھی شارق کو اپنے بیڈ روم میں جاتے دیکھا ہے تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

''اور اگر وہ زیادہ ناراض ہو گئے تو؟'' زیب سہم گئی۔

''تم کوشش تو کرو زیب جلدی اٹھو نا کہیں ایسا نہ ہو وہ پھر چلے جائیں۔'' صبا نے دھکے دے کر اسے شارق کے کمرے میں بھیجا۔ وہ سہمی ہوئی اندر داخل ہوئی پردہ ہٹا ہوا تھا وہ دروازے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر تمام تر ہمت اکٹھی کر کے بولی۔

''شا...... شارق...... کیا آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' شارق چونکے پھر زیب کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''تم...... تم میرے کمرے میں کیا کرنے آئی ہو؟'' وہ شرٹ بیڈ پر پھینک کر بولے۔

''آپ بغیر بتائے اتنے دنوں سے غائب تھے اور میں آپ کو دیکھے بنا اس قدر اداس ہو گئی تھی اب صبا نے آپ کی آمد کی اطلاع دی۔ تو میں نے سوچا میں خود آپ کو دیکھ آؤں۔ یہ بیگ کیوں نکالا ہوا ہے؟ کہیں جانے کا پروگرام ہے کیا؟''

''فی الحال تو چھمو بائی کے کوٹھے پر جا رہا ہوں میں نے سوچا ہے کہ ملک چھوڑنے سے پہلے اپنے یاروں پیاروں سے مل لیا جائے۔ کیوں تمہیں اعتراض ہے؟'' وہ زہریلے لہجے میں بولے۔

''ہاں...... بہت اعتراض ہے مجھے۔ کیونکہ آپ ہی نے مجھے بمشکل یہ یقین دلایا ہے کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں میں آپ کی زندگی بن چکی ہوں۔ تو پھر شارق! آپ وقتی تسکین کی خاطر آوارہ عورتوں کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ یہ سب اب تو میری برداشت سے باہر ہے۔ میں اپنے علاوہ کسی عورت کا نام آپ سے منسوب نہیں دیکھنا چاہتی۔ اسی لیے اب آپ کو چھمو یا مسرت بائی کے ہاں نہیں جانے دوں گی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی مگر شارق بپھر اٹھے۔

''نہیں زیب! مجھے تم سے اب محبت نہیں بلکہ نفرت ہو گئی ہے اور تم ہو کون کیا حق ہے تمہیں مجھے روکنے کا؟''

''شارق چلیے مجھ سے نفرت ہی سہی پھر بھی آپ کو نہیں جانے دوں گی۔'' وہ سامنے ڈٹ گئی۔

''اونہہ تو روک لو پھر۔'' شارق، زیب کا بازو جھٹک کر باہر چلے گئے۔ تو زیب بھاگتی ہوئی صبا کے پاس پہنچی اور اسے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ ''کہہ رہے تھے ملک چھوڑنے سے پہلے اپنے پیاروں سے مل آؤں۔ اور چھمو بائی کا کہہ رہے

تھے۔''

''تو اٹھو زیب ہم بھی آج شارق کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اس کا تعاقب کریں گے۔'' پھر جلد ہی انہوں نے شارق کو جالیا۔ وہ بے خبری میں تیزی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

''ارے یہ تو کلب آ گیا ہے میرا خیال ہے کہ پینے پلانے کے بعد چھمو کے گھر جائے گا۔''

''پھر اب تم ہی بتاؤ صبا کہ میں کیا کروں؟'' زیب افسردہ ہوگئی۔

''سنو زیب! تم شارق کی کار میں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ کلب کے اندر جانے کا فائدہ نہیں ہے خوانخواہ بپھر اٹھے گا تماشہ بنا دے گا۔ اور تم گھبرانا مت میں تمہاری کار کے پیچھے رہوں گی۔'' یوں صبا نے زیب کو شارق کی کار میں چھپا دیا۔ وہ کافی دیر پچھلی سیٹ پر بیٹھی کلب کی طرف تکتی رہی۔ کافی دیر بعد شارق کوٹ کاندھے پر ڈالے جھومتے جھامتے باہر نکلے اور کار کی طرف بڑھے۔ اب زیب جھک کر بیٹھ گئی وہ قریب آ گئے تھے۔

''گڈ بائی مائی ڈیئر کلب...... میں نے زندگی کا بہترین حصہ یہاں گزارہ ہے۔ میں ہمیشہ اس وقت کو یاد رکھوں گا۔'' شارق نے کار میں بیٹھ کر زور سے کہا اور گرمجوشی سے ہاتھ ہلانے لگے۔ زیب نے منہ گھٹنوں میں دبا کر بمشکل ہنسی روکی۔ یوں سارے راستے شارق بڑبڑاتے اور اول فول کہتے رہے پھر کار چھمو کے گھر پہنچی تو وہ اترے۔

''ذرا سنیے شارق صاحب! کیا آپ کے پاس ہزار روپے کا چھٹا ہے۔ چینج ہے۔ میرا مطلب ہے اندر تو گانا بجانا وغیرہ ہو رہا ہوگا تو روپے وغیرہ ویل شیل تو دینی پڑے گی نا۔'' کار کی کھڑکی میں سے منہ نکال کر زیب نے آواز دیتے ہوئے نوٹ لہرایا۔

''زیب تم......'' بے یقینی سے شارق کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ پلٹ آئے۔

''شارق! میں نے تو پہلے جتلا دیا تھا کہ آپ کو یہاں نہیں آنے دوں گی۔ اب جب آپ نے میری بات نہیں مانی تو میں بھی چھپ کر یہاں آ گئی ہوں۔ اور خدا کی قسم اگر آپ اندر جائیں گے تو میں بھی ساتھ جاؤں گی ہاں......'' وہ ضدی لہجے میں بولی۔

''یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم جاؤ چلی جاؤ یہاں سے۔'' وہ گرجے۔

''نہیں شارق! میں آپ سے بے پناہ محبت کرتی ہوں اور آپ کو مزید بھٹکتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ اور آپ کو ساتھ لیے بغیر کبھی یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں چاہے آپ مجھے جان سے کیوں نہ ماردیں۔'' وہ ضدی ہوگئی۔

''چالاک خبیث لڑکی! اب تم مجھے پاگل نہیں بنا سکتیں۔ ادھر منگنی تو تم راحیل سے کر رہی ہو اور اب محبت کا دعویٰ مجھ سے ہے؟'' وہ جنون کے عالم میں اس کے کاندھے جھنجھوڑنے لگے۔

''پلیز شارق! ذرا صبر و تحمل سے میری بات سن لیں۔ منگنی میری اور راحیل کی نہیں ہو رہی بلکہ راحیل، صائمہ سے بہت محبت کرتے ہیں اور امی نے اس راز کو جاننے کے بعد ان کا رشتہ طے کیا ہے۔'' وہ انہیں سمجھانے کی بے سود کوشش کر رہی تھی مگر وہ بپھر اٹھے۔

''بکواس بند کرو۔ خبردار میری نیک شریف بہن کا نام راحیل کے نام کے ساتھ لیا تو تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ قتل کر دوں گا تمہیں دفع ہو جاؤ دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔'' وہ چلانے لگے تھے۔ اور شور سن کر صبا اپنی کار سے باہر نکل

آئی اور زیب کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''آ جاؤ زیب! یہ بدبخت ایڈیٹ تو ہوش میں نہیں ہے اور ہم خوامخواہ تماشہ بن جائیں گے آؤ۔'' وہ اسے لیے کار میں آ بیٹھی۔

''خدایا...... خدایا...... میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' شارق نے سر تھام لیا تبھی کسی کا نرم و نازک ہاتھ اس کی کمر کے گرد لپٹ گیا۔ شارق نے سر اٹھا کر دیکھا تو مسرت بائی کا مسکراتا چہرہ نظر آیا۔ وہ انہیں سہارا دے کر اندر لے گئی۔ اور گھر میں زیب رات گئے ان کا انتظار کرنے کے بعد تھک کر نڈھال ہو کر سو رہی تھی۔

صبح سب لوگ ناشتہ کر رہے تھے جب جاوید شارق سے ملنے آ گیا اور سب کو سلام کیا۔

''آؤ جاوید بیٹے! ناشتہ کر لو۔'' بیگم مراد نے زبردستی اسے بٹھا لیا۔ شارق گاؤن کی ڈوریاں باندھتے ہوئے بیڈ روم سے نکل کر ڈائننگ روم میں آ گئے ان کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے پڑے تھے اور چہرے سے پریشان تھے۔ جاوید اٹھا اور بریف کیس میں سے کاغذات نکال کر شارق کو دیئے۔

''لیجیے سر! یہ ہے آپ کا پاسپورٹ اور ٹکٹ۔ اور آپ کی فلائٹ پرسوں رات آٹھ بجے جائے گی۔'' شارق ٹکٹ پکڑ کر مڑ گئے سبھی ششدر رہ گئے۔

''تو تم نے جانے کی یکایک تیاری کر لی ہے رضا! کم از کم پرسوں تک رک جاتے اور بہن کی منگنی تو کر کے جاتے۔'' بیگم مراد دکھ سے بولیں۔ تو شارق طنزیہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر مڑے۔

''امی! کل یا پرسوں سے کیا فرق پڑے گا بھلا بس اب مجھ سے مزید نہیں رکا جاتا ہے۔'' وہ زرد ہوتی زیب پر نظر ڈال کر بولے۔

''ہاں بھئی...... جوان خودمختار اولاد ہو تمہیں تو سمجھانا ہی بیکار ہے جو دل میں آئے من مانی کرو۔ ہماری قسمت ہی ایسی ہے کہ ایک ایک کر کے سبھی ہمیں چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ پرسوں تم نے جانا ہے پھر زیب نے بھی ملازمت چھوڑ نے کا نوٹس دے دیا ہے۔ پھر صائمہ بیٹی بھی اپنے گھر چلی جائے گی۔ یوں تنہائیاں تو ہمارے نصیب میں رقم کر دی گئی ہیں نا۔'' وہ روتی ہوئی صائمہ کا سہارا لے کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئیں۔

ٹیبل کے گرد اب صرف جاوید اور زیب بیٹھے تھے تبھی شارق جھک کر بولے۔

''ظاہر ہے اب ڈاکٹر راحیل جیسی موٹی آسامی کو پھنسانے شادی کرنے کے بعد تمہیں ملازمت کی ضرورت ہی کہاں رہ جاتی ہے؟'' وہ طنز سے کہتے چلے گئے تو زیب ہونٹ کاٹنے لگی۔

''جاوید بھائی! آپ میرا انتظار کیجیے گا میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ سعدیہ بھابھی سے ضروری کام ہے۔'' زیب اسے روک کر شارق کے کمرے میں چلی گئی فیصلہ کن بات کرنے کے لیے وہ پیٹھ کیے بریف کیس میں کاغذات رکھ رہے تھے بہت سی چیزیں بیڈ پر بکھری تھیں۔

''تو شارق صاحب! آپ واقعی جا رہے ہیں؟'' وہ دروازے میں رک گئی۔

''ابھی کچھ شک ہے تمہیں۔'' وہ بیگ بند کر کے مڑے۔

''لیکن کیوں شارق! آخر کیوں جانا چاہتے ہیں آپ۔'' وہ قریب چلی آئی۔

''اچھا......تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی مجھ سے پوچھنے کی جرأت کر رہی ہو۔'' وہ ناراضگی سے بولے۔

''شارق......خدارا غلط فہمی میں مبتلا مت ہوں کم از کم میری پوری بات تو سن لیجیے آپ؟'' اس نے منت کی۔

''نہیں زیب! میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتا تمہاری آواز تک سے مجھے نفرت ہو گئی ہے۔ بس تم یہاں سے چلی جاؤ۔'' وہ الماری میں سے کپڑے نکال نکال کر بیگ میں پھینکنے لگے۔

''نہیں شارق! آج تو آپ کو میری بات سننا پڑے گی اور آپ کا فیصلہ بدلوا کر ہی میں یہاں سے جاؤں گی۔'' وہ تن کر سامنے آ کھڑی ہوئی اور ان کے ہاتھ سے کپڑے چھین کر پھینک دیئے۔

''شارق! کیا واقعی آپ کے دل میں میرے لیے ذرا سی محبت کوئی لگاؤ باقی نہیں رہا۔ یہ تو ظلم ہوا نا کہ آپ اپنا دامن چھڑا کر مجھے بھٹکنے کے لیے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ شارق......او شارق......خدا گواہ ہے مجھے بہت پیار بے پناہ محبت ہو گئی ہے آپ سے۔'' وہ بے قابو ہو کر دوڑتی ہوئی ان کے سینے سے لپٹ گئی تھی۔

''پلیز زیب! ہٹو دور ہو جاؤ مجھ سے مت مزید فریب دو مجھے۔'' وہ ہونٹ چباتے ہوئے کمزور لہجے میں بولے۔

''اچھا تو آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گے؟''

وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور لپک کر میز کے اوپر سے پاسپورٹ اور ٹکٹ اٹھالیا۔

''شارق آپ کو میں نہیں جانے دوں گی۔ آپ بالکل نہیں جائیں گے کبھی نہیں جائیں گے۔'' اس نے دیوانگی میں ٹکٹ اور پاسپورٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے شارق کے سینے پر دے مارے۔

''زیب یہ کیا کیا تم نے؟'' وہ گھبرا کر لپکے۔

شارق نے غصے سے لرزتے ہوئے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا وہ لڑکھڑاتی ہوئی میز سے جا ٹکرائی۔

''وہ......'' وہ منہ پر ہاتھ رکھے سسک اٹھی پھر بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ شارق کا دل جیسے کسی نے مسل دیا تھا۔ پھر وہ سر تھام کر صوفے پر گر گئے۔

''شارق! مجھے صرف آپ سے پیار ہے۔ میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔'' بار بار زیب کی آواز اس کے دل و دماغ کی دیواروں سے ٹکرانے لگی تھیں۔

''میں کیا کروں...... مجھے کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ من کی گھٹن مجھے دیوانہ کر دے گی۔ کیا حقیقت ہے کیا فسانہ ہے؟'' انہوں نے دونوں ہاتھوں میں بال جکڑ کر سر جھنجھوڑا۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

''شارق......شارق! تم نے زیب کو کیا کہا ہے بھلا؟ وہ تو پاگلوں کی طرح روتی ہوئی جاوید کے ساتھ گھر چلی گئی ہے؟'' صبا اور راحیل گھبرائے ہوئے اندر آئے۔

''رو رہی تھی تو روتی رہے پاگل تو اس نے کر دیا ہے مجھے ہر جگہ سائے کی طرح میرا پیچھا کرتی رہتی ہے آخر وہ مجھے اپنی محبت کا یقین کیوں دلاتی ہے جبکہ اس کی منگنی راحیل سے ہو رہی ہے؟'' وہ بھر اٹھے اور راحیل اپنا نام سن کر بدک گئے۔

''ہائیں...... ہائیں......او میاں شارق! اخروٹ آپ ذرا منہ سنبھال کر بات کریں۔ زیب سے اللہ کرے آپ کی منگنی ہو جائے بھلا میری اس سے کیوں ہونے لگی؟ ہم تو خیر سے آپ کے ہونے والے پکے پکے بہنوئی ہیں۔ بندہ

خدا..... میری شادی ہوگی صائمہ سے یہ زیب کی غلط فہمی آپ کو کیسے ہوئی؟'' راحیل نے ڈانٹا۔
''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو راحیل؟'' وہ دنگ رہ گیا۔
''میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں رضا! اگر تم شراب کی بوتل کا پیچھا چھوڑ کر حواسوں میں رہتے نا۔ تو تب یہ رشتے تمہارے پلے بھی پڑتے ویسے سچ تو یہی ہے شارق رضا! کہ تم جیسے شکی وہمی انسان کا زیب جیسی معصوم نیک لڑکی سے گزارہ مشکل سے ہوگا ارے بے حیا بے دید انسان تم ہمیشہ مجھ پر شک کرتے رہے حالانکہ زیب تو میری دوپٹہ بدل بہن ہے اور تم نے دیکھا ہوگا کہ صائمہ کا رشتہ مانگنے کے لیے بھی میں نے زیب کی فیملی کو امی کے پاس بھیجا تھا۔ یار کچھ تو شرم کرو تم۔'' راحیل نے شرمندہ کیا تو شارق گم صم رہ گئے۔
''تو...... پھر...... وہ...... وہ زیب تو ابھی کہہ رہی تھی کہ اسے مجھ سے محبت ہے؟'' وہ بڑبڑائے۔
''توبہ...... اگر کہہ رہی تھی تو پھر بیچاری زیب کی قسمت ہی سخت خراب ہوگئی پھنس گئی ہے وہ۔'' راحیل منہ بنا کر بولے۔
''شارق! تمہاری اتنی زیادتیاں بدتمیزیاں سہنے کے باوجود زیب تم سے بے حد پیار کرتی ہے اور تم اس قدر موڈی اور کٹھور ہو کہ اسے مار پیٹ کر بھگا دیا وہ بے تحاشہ روتی ہوئی یہاں سے گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آئندہ وہ تمہاری شکل نہیں دیکھے گی؟'' صبا نے غصے سے دھتکارا۔ ''اف نفرت ہے مجھے ان مردوں سے جو عورت پر ہاتھ اٹھائیں۔''
''ہائیں...... کیا واقعی زیب مجھ سے پیار کرتی ہے؟'' شارق نے اسے کاندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا گویا یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ ہاں...... ہاں...... اب اس کی خراب قسمت کو تو ہم نہیں سنوار سکتے نا۔ افسوس بیچاری۔''
''ہاں...... ہاں کہو تو پکے کاغذ پر لکھوا دوں کہ وہ تمہیں ہی پیار کرتی ہے۔ توبہ سچ ہی تو کہتے ہیں لوگ کہ دل تو گدھے پر بھی آسکتا ہے۔'' راحیل جھنجھلا گئے۔
''اچھا...... اچھا...... او گدھے...... میں ابھی زیب کو منا کر واپس لے آتا ہوں۔'' شارق خوشی سے بے قابو ہو کر بھاگے۔ ان سے ڈرائیو کرنا دشوار ہو رہا تھا مگر پھر بھی وہ تیز رفتاری سے کار اڑائے جا رہے تھے۔

○●○

''کیا بات ہے زیب تم رو کیوں رہی ہو کچھ بتاؤ تو سہی؟'' سعدیہ بھابھی بار بار پوچھ رہی تھیں۔ زیب جاوید کے ساتھ گھر پہنچی تو وہ رو رو کر ہلکان ہوئی جا رہی تھی مگر سب کے پوچھنے کے باوجود کچھ بتا نہیں رہی تھی اور سب لوگ گھبرائے جا رہے تھے۔
''اوہو زیب! میری جان کچھ بتاؤ تو سہی آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟ کسی نے کچھ کہا زیادتی کی؟ خدارا کچھ منہ سے تو بولو میرے دل میں تو وسوسے جنم لینے لگے ہیں۔'' سعدیہ بھابھی نڈھال ہو کر بیٹھ گئیں۔
''بھابھی...... بھابھی...... وہ...... وہ شارق......'' زیب سے کچھ بولا ہی نہ گیا وہ پھر بھابھی کے سینے سے لپٹ گئی۔
''سیما بیٹا! ذرا باہر جا کر دیکھو شاید کوئی آیا ہے۔ تیزی سے کار رکنے کی آواز آئی ہے۔'' بھابھی نے سیما کو وہاں سے کھسکا دیا کیونکہ وہموں اندیشوں نے ان کو بے حال کر دیا تھا۔ کہیں شارق نے زیب کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی ہے۔ ہاں یونہی ہوگا۔ ورنہ زیب کی حالت اتنی خراب نہ ہوتی۔ وہ اب ٹھنڈی ہونے لگی تھیں۔ اب تو احمر بھی گھر میں نہیں

ہیں ہسپتال میں ہیں کون ہمیں سنبھالے گا۔ خدایا تو رحم کرنا۔

سیما باہر نکلی تو شارق کار سے اتر رہے تھے انہوں نے فوراً زیب کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ ’’زیب باجی! اندر ہیں پر خدا جانے انہیں کیا ہو گیا ہے کہ اس وقت سے وہ روئی چلی جا رہی ہیں اور سبھی پریشان ہیں بچے کامران اور گڑیا تو ساتھ ساتھ روئے جا رہے ہیں۔ شارق بھائی! زیب آپی کو کیا ہوا ہے؟‘‘

’’دراصل سیما! وہ...... وہ میرا اور زیب کا جھگڑا ہو گیا ہے تبھی وہ ناراض ہو کر یہاں آ گئی تھیں مگر میں اب اسے منانے آیا ہوں۔‘‘ شارق سیما سے باتیں کرتے ہوئے زیب کے کمرے میں آ گئے تو وہ انہیں دیکھ کر گھبرا گئی۔

’’زیب......‘‘ شارق ان کی طرف لپکے۔ ’’مجھے معاف کر دو پلیز زیب! صبا اور راحیل نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ واقعی میں نے تمہارے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔‘‘ شارق ہاتھ باندھ کر زیب کے سامنے جھکے تو سعدیہ بھابھی سب کچھ سمجھ گئیں پھر حیران ہو کر دونوں کو دیکھا۔

’’دراصل بھابھی جان! شارق بھیا اور زیب آپی کی لڑائی ہو گئی تھی۔‘‘ سیما نے بتایا۔

’’اواچھا......اچھا......تو یہ بات ہے۔ چلو آؤ سیما یہ دونوں اپنا معاملہ خود نپٹا لیں گے۔‘‘ بھابھی بچوں کو لے کر چلی گئیں۔

’’زیب! میری طرف دیکھو تو سہی۔ تم نے مجھے کتنا تڑپایا ہے ترسایا ہے۔‘‘ شارق نے بیڈ پر لیٹی زیب کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ وہ چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔ زیب میری جان نگاہ اٹھا کر تو دیکھو۔ وہ بے قراری سے بولے۔

’’مجھے چھوڑ دیجیے شارق! بس میں آپ سے کبھی نہیں بولوں گی۔‘‘ وہ ان کا ہاتھ ہٹا کر سسکی۔

’’نہیں زیب! میں اب کبھی تمہیں کوئی دکھ نہیں دوں گا کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔‘‘

’’نہیں......نہیں......آپ ضرور جائیں بھلا آپ کو کون روک سکتا ہے پھر امریکہ میں تو سینکڑوں لڑکیاں مل جائیں گی۔ میں تو دھوکہ باز......فریبی اور آپ کی دولت کی بھوکی ہوں...... بدچلن ہوں نا اسی لیئے تو جاوید......خرم وغیرہ کو پھنسایا ہوا تھا میں نے۔‘‘ وہ ان کا ہاتھ جھٹک کر چیخی پرانے اور نئے سبھی زخموں کے منہ کھل گئے تھے۔

’’زیب! پلیز بھول جاؤ سب پرانی باتیں۔ ورنہ میں اس قدر بددل ہوں کہ مایوسی کے عالم میں کچھ بھی کر گزروں گا۔ تمہیں وہ پل یاد ہے نا۔ جہاں میں نے تمہیں لٹکا دیا تھا۔ تو میں اس پر سے کود کر جان دے دوں گا۔‘‘ وہ ضدی انداز میں کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے لیکن زیب سر جھکائے روتی رہی۔

’’اچھا تو تم نہیں مانو گی زیب! تو پھر خدا حافظ۔‘‘ وہ جارحانہ انداز میں دروازے کی طرف بڑھے اور ان کے لہجے کی سنجیدگی زیب کو لرزا گئی۔ وہ تڑپ اٹھی۔

’’رک جائیں شارق۔‘‘ وہ چیخ اٹھی شارق مڑے تو وہ ان کے بازوؤں میں سماتی چلی گئی۔

’’زیب......زیب!‘‘ شارق نے اسے کبھی نہ جدا کرنے کے لیے بانہوں میں جکڑ لیا تو پھر کیف و سرور اور چین کے احساس سے ان کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ پھر گویا وقت کی رفتار تھم کر رہ گئی۔ پھر رم جھم برستے آنسوؤں کی جھڑی میں ان کے تمام شکوے گلے اور کدورتیں دھل کر رہ گئیں خود شارق بھی رو رہے تھے۔

شارق نے زیب کو کاندھوں سے تھام کر سینے سے الگ کیا پھر اس کی پیشانی اور بھیگی بھیگی آنکھیں چوم لیں۔

''شارق! آپ نے ہمیشہ مجھے اس قدر ستایا...... اتنے دکھ دیئے ہیں۔ آپ کو کیا خبر جب میں آپ کو ٹینا اور روزی وغیرہ کے ساتھ دیکھتی تھی تو میری کیا حالت ہوتی تھی؟ میرا دل چاہتا تھا میں ان کو قتل کر ڈالوں اور خود بھی مر جاؤں۔''
زیب قالین پر ہی بیٹھ گئی تو شارق اس کے زانوؤں پر سر رکھے محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔
''لیکن زیب! اس میں بھلا میرا کیا قصور تم نے کبھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ کبھی تو میری حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔'' وہ اس انکشاف پر حیران تھے۔
''آپ پر اپنی محبت کیسے منکشف کرتی کہ میں نے تو حال دل خود اپنے اوپر بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ پھر پتہ نہیں کب...... کیسے اور کیوں؟ آپ نے میرے دل پر قبضہ کر لیا تھا۔ آپ تو ایک دم سے میری زندگی پر چھا کر رہ گئے تھے۔''
زیب نے یہ کہتے ہوئے آنکھیں موند لیں اور شارق والہانہ انداز سے اسے دیکھ رہے تھے۔
''زیب! پھر بھی تم مجھے اتنا تڑپاتی اور جلاتی رہیں۔'' وہ اس کے بالوں کی لٹ کھینچتے ہوئے بولے۔
''نہیں شارق! میں نے تو کبھی بھی آپ کو جلانے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ یہ سب قصور آپ کی آوارہ سوچوں کا تھا۔ آپ میرا نام ہر مرد کے ساتھ نتھی کر کے خود ہی پریشان اور بدگمان ہوتے تھے اور مجھے بھی جلاتے تھے۔ یاد رکھیے شارق...... دل کے رشتے تو بہت نازک ہوتے ہیں۔ یہ ذرا سی ٹھیس بھی برداشت نہیں کر سکتے۔'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔
''نازک ہے رشتہ دل کا...... ایک ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا۔ مگر ایک آپ تھے کہ میرے دل کو کھلونا جان کر کھیلتے اور توڑتے رہے۔ میں کیا کیا کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لب سی لیتی تھی۔ مگر ان واقعات کا تصور کرتے ہی میں کپکپا اٹھتی ہوں۔'' وہ آنکھیں موند کر بولی۔ تو شارق کا دل گداز ہو گیا وہ پیار سے بولے۔
''زیب! اب ماضی کو دفن کر دو اور سب کچھ بھلانے کی کوشش کرو۔ چلو اٹھو اب میرے ساتھ گھر چلو ورنہ امی مجھے دھکے دے کر نکال باہر کریں گی۔'' انہوں نے زیب کو بھی کھینچ کر کھڑا کیا۔
پھر وہ دونوں کمرے سے باہر نکلے تو سامنے سے سعدیہ بھابھی آ رہی تھیں شاید انہیں کا پتہ کرنے آ رہی تھیں۔
''سعدیہ بھابھی! میں زیب کو واپس گھر لے جا رہا ہوں ورنہ صائمہ اور امی انہیں میرے ساتھ نہ دیکھ کر بہت ناراض ہوں گی۔'' شارق نے بہانہ کیا۔
''جی نہیں...... زیب اب تمہارے گھر نہیں جائیں گی بلکہ تم جا کر اپنی امی اور بہن کو لے آؤ۔ میں ان سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولیں۔
''او زندہ باد بھابھی! آپ امی جان سے ہماری شادی کی بات کریں گی نا؟''
شارق نے خوشی سے بے قابو ہو کر کہا تو زیب اپنے چہرے کی جگمگاہٹ چھپانے کے لیے باہر نکل گئی تھی۔
''تو بھابھی! آپ میرا انتظار کیجیے میں ابھی جا کر سب گھر والوں کو لے کر آتا ہوں۔'' شارق تیزی سے چلے گئے جلد ہی وہ گھر جا پہنچے اور دوڑتے ہوئے ماں کے کمرے میں داخل ہوئے۔
''امی جان! میری پیاری امی جان!'' شارق ماں سے لپٹ گئے تو وہ گھبرا گئیں۔
''شارق! اب ہمیں تم کون سی بری خبر سنانے آئے ہو۔ ہمیں یہ تو علم ہے کہ آپ صبح امریکہ روانہ ہو رہے ہو۔'' وہ

رنجیدگی سے بولیں۔
''پلیز امی! مجھے معاف کر دیجیے اب میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔'' وہ انہیں چومنے لگے۔
''واہ شارق میاں! اپنی امی پر احسان کیوں کر رہے ہو سیدھی طرح کہو کہ تم اب زیب سے صلح ہونے کے بعد کہیں نہیں جا رہے ویسے بھی زیب نے تمہارا پاسپورٹ اور ٹکٹ تو پھاڑ دیا ہے۔'' راحیل...... صائمہ اور صبا کے ساتھ اندر داخل ہوا اور اس نے زیب کی دلیری کے متعلق بتایا۔
''اچھا...... تو تم نہیں جا رہے ہو شارق؟'' ماں کے مردہ تن میں جان پڑ گئی۔
''نہیں امی! وہ زیب ہے نا وہ بہت روتی ہے بیچاری پھر کیسے اسے چھوڑ کر جاؤں؟'' وہ شرمندہ سے سر کھجانے لگے۔
''ہاں...... ہاں لگاؤ بیچاری زیب پر الزام...... یہ کیوں نہیں کہتے کہ آپ جناب خود ہی نیت خراب ہیں۔ امی جان میری مانئے اور میرے گھر چل کر ابھی سعدیہ بھابھی سے زیب کا رشتہ مانگ لیجیے ان صاحب کا کوئی بھروسہ نہیں ہے نہ جانے کب دماغ میں کیڑا سرسرائے اور یہ ملک چھوڑ کر بھاگ جائیں۔''
''ہاں آنٹی راحیل بالکل ٹھیک کہتے ہیں چلیے ابھی چل کر بات کرتے ہیں۔'' صبا نے بھی سفارش کی۔
''بالکل امی! میرا خیال ہے کہ صبا کا مشورہ مان لینا چاہیے کہ زندگی میں پہلی بار تو اس نے کوئی عقل کی بات کی ہے۔'' شارق بے صبری سے ماں کے گرد بازو ڈال کر انہیں جھنجھوڑتے ہوئے بولے۔
''آئے ہے ذرا بیچارے کے لاڈ تو دیکھو ماں کی گود میں گھسے جا رہے ہیں۔'' راحیل نے قہقہہ لگایا۔
''راحیل! آپ کیوں میرے بھیا کو نظر لگا رہے ہیں جی؟'' صائمہ نے خفگی سے کہا۔
''صائمہ بی! بہت خوب پرسوں آپ کی منگنی ہو رہی ہے اور آپ اس وقت اپنے منگیتر ڈاکٹر راحیل سے پٹر پٹر باتیں کیے جا رہی ہیں۔ بھئی حد ہے بے شرمی کی چلیے آپ اپنے کمرے میں تشریف لے جایئے۔'' شارق نے بہن کو چھیڑا تو وہ شرما کر ماں سے لپٹ گئی۔ تو راحیل نے منت کی۔
''میرے پیارے بھائی بلکہ...... ہونے والے سالے شارق تم کیوں میری منگیتر کو مجھ سے پردہ کروا کر ظلم توڑتے ہو۔ آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ ہمیشہ آڑے وقت میں کام آیا ہوں۔'' شارق یہ سن کر ہنس دیئے۔
''چلیے امی جان! اٹھیے نا زیب کے پاس چلتے ہیں۔'' صائمہ نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔
تو سب کپڑے بدلنے تیاری کرنے لگے شارق باہر نکلے تو گیلری میں پڑے فون پر نظر پڑی تو ان کی آنکھوں میں شریری چمک دوڑ گئی انہوں نے جلدی جلدی ڈاکٹر راحیل کے گھر کا نمبر ملایا۔ جلد ہی فون کسی نے اٹھالیا۔
''ہیلو...... کون سیما؟ بھئی میں شارق بول رہا ہوں ذرا جلدی سے سعدیہ بھابھی کو بلا دیں۔'' وہ ریسیور کان سے لگائے کچھ سوچتے ہوئے مسکرا رہے تھے جلد ہی سعدیہ کی آواز آئی۔
''ہیلو بھابھی! ہم سب لوگ ابھی ابھی آپ کے گھر آ رہے ہیں آپ ہمارے استقبال کی تیاری کیجیے اور ذرا زیب کو بلا دیجیے لیکن اسے کچھ بتایئے گا نہیں پلیز...... میری اچھی سویٹ بھابھی۔'' شارق نے خوشامد کی۔
''اچھا...... اچھا مکھن مت لگاؤ۔ زیب کو بلاتی تو ہوں مگر تم اس بیچاری کو تنگ مت کرنا۔'' سعدیہ بھابھی نے ہنس

کر کہا پھر زیب کو بلانے چلی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد فون پر اس کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔

''ہیلو شارق! خیریت تو ہے نا؟'' وہ پریشان تھی۔

''نہیں زیب! خیریت کہاں ہے مجھے تو یہ بتاتے ہوئے انتہائی دکھ ہو رہا ہے کہ امی نے تمہیں بہو بنانے سے انکار کر دیا ہے اور میرا اسی وجہ سے ان سے جھگڑا ہو گیا ہے اور میں گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔'' وہ غمزدہ آواز میں بولے۔

''لیکن لیکن امی نے کیوں انکار کر دیا ہے...... وہ تو...... وہ تو مجھ سے بے حد محبت کرتی تھیں؟'' وہ دل تھام کر بولی۔

''پتہ نہیں زیب! وہ یکا یک تم سے کیوں نفرت کرنے لگی ہیں۔ وہ تمہیں بحیثیت بہو تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہیں بہت جھگڑا ہوا ہے ان سے میرا۔ سو اب گھر اور شہر چھوڑنے سے پہلے میں نے سوچا تمہیں خدا حافظ کہہ دوں۔'' شارق زیب کی سسکیاں سن کر مسکرانے لگے۔

''ہائے نہیں شارق! آپ مجھے چھوڑ کر مت جائیں۔'' زیب سسک سسک کر روئی تو بات کرنا محال ہو گیا اس نے فون بند کر دیا۔ شارق ہنستے ہوئے مڑے تو پیچھے کھڑی صبا کے ہاتھ میں چھڑی دیکھ کر رک گئے۔

''کمینے سنگدل اپنی ذلیل اوچھی حرکت پر کتنے خوش ہو رہے ہو۔ اگر صدمے سے اس بیچاری زیب کا ہارٹ فیل ہو جاتا تو'' صبا نے اس کی پشت پر چھڑی رسید کی۔

''ارے رے صبا! میں تو ذرا زیب سے دل لگی کر رہا تھا۔'' وہ چھڑی سے بچ کر بھاگے۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ سب مٹھائیوں سے لدے پھدے ڈاکٹر راحیل کے گھر پہنچ گئے تو سعدیہ بھابھی اور سیما نے ان کا استقبال کیا اور انہیں لے کر سٹنگ روم میں لا بٹھایا۔

''سعدیہ بھابی! زیب کہاں ہے؟'' شارق نے سرگوشی کی تو وہ خفگی سے بولیں۔

''تم بڑے خراب آدمی ہو شارق! وہ بیچاری خوامخواہ رو رو کر ہلکان ہو رہی ہے۔'' بھابھی نے ان کا کان پکڑا۔

''میری پیاری بھابھی! ذرا کان چھوڑیں میں ابھی آتا ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے وہاں سے کھسک گئے اور سیدھے زیب کے کمرے میں پہنچے جہاں وہ بیڈ پر اوندھی پڑی روئے جا رہی تھی۔ شارق نے قریب بیٹھ کر اسے اپنی طرف کھینچا اور بانہوں میں سمیٹ لیا۔

''اے زیبو! کیا ہوا تم رو کیوں رہی ہو۔ بھئی ذرا اپنا حلیہ درست کرو وہ نیچے تمہارے سسرال والے آئے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے اگر تمہیں روتے دیکھا تو سمجھیں گے تم مجھ سے شادی کرنے پر رضامند نہیں ہو اور...... میں تم پر زبردستی مسلط ہو رہا ہوں۔'' شارق نے ہنس کر چھیڑا اور اس کے آنسو پونچھنے لگے۔

''کیا مطلب کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ کون سسرا اور کس کے سسرال والے؟'' زیب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''مطلب یہ ہے میری جان کہ امی اور صائمہ، صبا ہماری منگنی یا نکاح کی تاریخ مقرر کرنے آئی ہوئی ہیں۔'' وہ ہنسے۔

''تو پھر...... آپ نے مجھ سے...... مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔'' وہ ہکلائی۔

''ہاں...... جھوٹ بولا تھا تاکہ تم ایک دم اتنی بڑی خوشخبری سن کر کہیں حواس نہ کھو بیٹھو۔ اور سچ تو یہ ہے زیبو! کہ مجھے

اب دل کی گہرائیوں سے یقین آ گیا ہے کہ تم واقعی مجھ سے بہت محبت کرتی ہو۔'' وہ اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر بولے۔ تو وہ خفا ہونے لگی۔

''آ...... آپ کو شرم نہیں آتی شارق! کیسا ڈرایا ہے مجھے آپ تو کسی روز میری جان لے لیں گے۔ لو بھلا یہ کیسی محبت ہے کہ آپ ہر وقت مجھے رلاتے ستاتے رہتے ہیں؟'' زیب نے شرمندہ ہو کر انہیں تکیہ کھینچ مارا۔

''زیب جان! جب محبت شدت اختیار کر لیتی ہے نا تو تشدد بن جاتی ہے۔'' وہ انتہا پسند شخص اپنی منطق جھاڑنے لگے پھر بڑھ کر زیب کو زبردستی بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ کتنے لمحے کیف و سرور میں گزر گئے۔

''با ادب با ملاحظہ ہوشیار...... ہم سب لوگ تشریف لا رہے ہیں لہٰذا آپ سنبھل جایئے۔'' راحیل کی شریری سی آواز آئی تو شارق نے زیب کو اپنی گرفت سے آزاد کیا۔ وہ تیزی سے صوفے پر جا بیٹھی سبھی ایک ریلے کی طرح اندر داخل ہوئے تھے۔

''واہ بھئی واہ...... کیا بے شرمی کا زمانہ آ گیا ہے پرسوں ان کی منگنی ہوئی ہے اور آج دونوں ایک کمرے میں اور چند سیکنڈ پہلے تک ایک ہی بیڈ پر بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے۔ ارے نوجوانوں کچھ تو شرم کرو۔ یار شارق! تمہارے منہ پر تو ویسے ہی بے حیائی کے ٹھیکرے برستے ہیں۔ مگر تم ہماری زیب کو تو خراب مت کرو۔ چلو باہر نکلو دلہن کے کمرے سے۔'' راحیل بڑبڑاتے شور مچاتے رہے پھر شارق کو پکڑ کر باہر چلے گئے۔ پھر زیب کو...... صبا...... عالیہ...... صائمہ اور سیما نے آڑے ہاتھوں لیا اور گھیر کر بیٹھ رہیں۔

دوسرے روز سبھی شارق کے گھر اکٹھے تھے انتہائی عجلت میں مگر زوردار طریقے سے فنکشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سبھی اپنی اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔ شارق اور راحیل کی خوشی کا تو ٹھکانہ نہ تھا وہ اڑے اڑے پھر رہے تھے اب بھی سبھی اکٹھے بیٹھے مہمانوں کی لسٹ بنا رہے تھے جبکہ سیما...... جاوید اور کامران گڑیا گھر کو سجانے میں مگن تھے۔ بہت شوق تھا جاوید اور سیما کو سجاوٹیں اور گھر بار سجانے کا۔

''امی جان! احمر بھیا کی فیملی یہاں باہر انیکسی میں کیوں نہیں شفٹ ہو جاتے دیکھیے نا یوں رسمیں کرنے میں بھی آسانی رہے گی۔ علیحدہ علیحدہ رہنے میں دقت بھی ہو گی اور مزا بھی نہیں آئے گا۔ راحیل کے گھر تک کا راستہ طے کرتے ہوئے کتنا وقت ضائع ہو گا یوں فریب دیتے ہوئے ذرا زیادہ شغل رونق میلہ لگا رہے گا؟'' شارق نے کہا تو بیگم مراد نے بھی ان کی بات کو پسند کیا۔

''یار راحیل! میں نے تمہارے اور صائمہ کے لیے بھی اپنی ساتھ والی کوٹھی کے کرایہ داروں کو نوٹس دے دیا تھا کہ شادی کے بعد وہ گھر خالی کر دیں۔ بھائی تم لوگ وہاں شفٹ ہو جانا ویسے بھی وہاں بہت سی زمین خالی پڑی ہے۔ بعد میں تم وہاں اپنا کلینک بنوا سکتے ہو۔ یار ہمیں بڑی تقویت ہو جائے گی اگر تم قریب آ جاؤ گے تو...... تو تم وہ کرائے کا بنگلہ چھوڑ دینا۔'' شارق نے بڑی محبت سے راحیل کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو راحیل نے بتایا۔

''کہ وہ تو ان کے گھر کے سامنے ہی گھر اور کلینک بنانے کے لیے زمین خرید چکا ہے۔ ویسے ان کے شارق اور ان کی امی جو بھی فیصلہ کریں گی ان کے لیے قابل قبول ہو گا کیونکہ وہ کوئی غیر تو نہیں۔'' راحیل نے بڑے پیار سے شارق سے کہا تو سبھی خوش ہو گئے کہ راحیل نے انا اور عزت کا مسئلہ نہیں بنایا تھا۔

''او جیو راحیل! خوش کر دیا ہے تم نے بھائی! شکر ہے کہ تم نے غیریت اور خوامخواہ کی انانیت کا مظاہرہ نہیں کیا تمہاری صورت میں مجھے ایک بھائی اور مضبوط سہارا مل جائے گا راحیل۔'' شارق نے انہیں گلے لگا کر بھرائی آواز میں کہا تو راحیل بھی آبدیدہ ہو گئے۔

''یار جاوید! چلو یہ نیک کام آج ہی سے شروع کرواتے ہیں اور راحیل اور احمر بھائی کا سامان ساتھ والی کوٹھی میں شفٹ کرواتے ہیں۔'' شارق، جاوید کے ہمراہ خوش خوش باہر نکل گئے پھر رات سے پہلے پہلے بہت سے ٹرک اور ٹرالر لے کر پورا سامان ساتھ کوٹھی میں منتقل ہو چکا تھا۔ پھر سب لوگوں نے فوراً گھر ٹھیک ٹھاک بھی کر لیا تھا۔ اسی مصروفیت میں شارق کئی گھنٹوں سے زیب سے مل بھی نہیں پائے تھے اور فارغ ہو کر اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ مگر وہ کہیں مل ہی نہیں رہی تھی۔

''اے سیما! وہ تمہاری بہن صاحبہ کہاں غائب ہیں؟'' شارق نے گیلری میں اسے پکڑ کر پوچھا۔

''زیب اور صائمہ باجی کو ایک ہی کمرے میں امی جان اور سعدیہ بھابھی نے قید کر دیا ہے اور وہ اب آپ سے پردہ کریں گی۔'' سیما نے ہنستے ہوئے بتایا تو وہ گھبرا گئے۔

''اف بیڑا غرق...... پلیز سیما کیا ایک جھلک دیکھنے کا بھی امکان نہیں ہے۔'' شارق نے منت کی۔

''نہ بالکل نہیں...... کوئی اسکوپ نہیں ہے وہاں پر تو بڑا زبردست پہرہ لگا ہے۔ ویسے بھی صبر کریں اور کل تک انتظار کر لیں نا۔'' وہ ان کی بیچارگی دیکھ کر ہنس دی۔

''ہائے گڑیا...... انتظار...... یا صبر کی ہمت ہوتی تو پھر رونا کس بات کا تھا۔ خیر سیما تمہاری مرضی کر لو ظلم مجھ مظلوم پر۔'' وہ منہ لٹکا کر جانے لگے۔

''ٹھہریئے...... شارق بھیا! تو اگر میں زیب آپی سے کسی طرح ملاقات کروا دوں؟'' سیما کو ترس آ گیا۔

''ایمان سے سیما! اگر ملوا دو گی تو تمام عمر احسان مند رہوں گا بس...... پھر اپنی شادی ہوتے ہی جاوید سے تمہاری شادی کروا دوں گا۔'' وہ خوشامدی انداز میں ہونے والی سالی کے کاندھے دبانے لگے۔

''توبہ شارق بھائی! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں جائیں میں نہیں ملاتی زیب آپی کو۔'' وہ شرمندہ ہو گئی۔

''اچھا بابا اچھا...... تم جو کچھ بھی کہو گی نا وہی کچھ کروں گا خدارا اب تو ملوا دو نا زیب سے۔''

''اچھا...... آپ اس ستون کے پیچھے چھپ جائیں میں آپی کو لاتی ہوں مگر شرط یہی ہے کہ آپ انہیں چپکے سے دیکھیں گے مگر سامنے نہیں آئیں گے ورنہ میری شامت آ جائے گی۔ ہاں شارق بھائی! میں زیب آپی کو کیا بہانہ کر کے بلاؤں کچھ بتائیں نا۔''

''بھئی تم جا کر کہو کہ ان کا ٹی سی ایس پارسل آیا ہے اور پوسٹ مین کہہ رہا ہے کہ وہ خود آ کر دستخط کر کے لے جائیں۔ جاؤ نا یار۔'' وہ بے صبری سے بولے تو سیما مسکراتی ہوئی چلی گئی پھر چند منٹ بعد زیب سمیت آ گئی۔

''سیما! کہاں ہیں پوسٹ مین اور پارسل؟'' زیب نے اِدھر اُدھر دیکھا اس کی نظر ستون کے پیچھے چھپے ہوئے شارق پر پڑی جو پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالے شریر شریر انداز سے اسے گھور رہے تھے۔

''بھئی زیب! یہ رہا تمہارا پوسٹ مین اور کنگ سائز پارسل؟'' وہ ہنستے ہوئے بڑھے۔

''ستیاناس ہو سیما کی بچی تمہارا یہ تمہاری شرارت ہے نا اور اگر کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟'' وہ گھبرا گئی۔
''اجی پتہ چل گیا تو پھر کیا ہوگا ہم کسی سے ڈرتے ہیں کیا؟ آؤ چلو سیر کرنے چلتے ہیں۔'' وہ زیب کو کھینچتے ہوئے لے جانے لگے تو سیما گھبرا گئی۔
''پلیز شارق بھائی! یہ تو وعدہ خلافی ہے جبکہ میری شامت بلوا رہے ہیں مجھے جوتے کھلوائیں گے۔ بھابھی سے۔''
''اوہو بھئی...... سیما کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا بس ہم ابھی گھوم گھام کر واپس آ جائیں گے اور تمہارے لیے برگر اور آئس کریم بھی لائیں گے۔'' انہوں نے کھینچ کر زیب کو کار میں ڈالا اور تیزی سے بھاگ نکلے۔
سیما وہیں وارنڈے میں بدحواس اور گھبرائی ہوئی کھڑی تھی کہ عالیہ اور صبا وہیں انہیں ڈھونڈتی ہوئی آ گئیں۔
''سیما! زیب کہاں ہے؟'' انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔
''صبا باجی......وہ......وہ شارق بھائی آپی کو زبردستی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔'' سیما سر پیٹ کر بولی۔
''توبہ شارق! تو زیب کے عشق میں بالکل دیوانہ ہو گیا ہے۔'' وہ سب ہنس دیئے پھر سیما کو تسلی دیتے ساتھ لیے اندر چلے گئے۔ شارق...... زیب کو لے کر نیشنل پارک پہنچے پھر نسبتاً تاریک جگہ پر کار روک لی۔
پھر ہاتھ پکڑ کر زیب کو بھی اتار لیا مگر وہ جلدی سے ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھی اور بینچ پر بیٹھ گئی۔ ''شارق! آپ بھی حد کرتے ہیں مجھے اس طرح سے بھگا لائے ہیں سب لوگ کیا سوچیں گے؟''
''یار! لوگ یہی تو کہیں گے نا کہ لڑکا بہت بے قرار ہو رہا ہے تو یہ منگنی ونگنی کا چکر چھوڑیں اور فوراً شادی کر دیں۔'' وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بولے پھر بینچ پر قریب بیٹھ رہے۔
''اونہہ...... بڑے بے قرار تو دیکھیں ذرا۔'' زیب نے شرما کر سر جھکا لیا تو شارق نے اسے پہلو سے لگا لیا۔
''سچ زیب! مجھے تو یقین ہی نہیں آتا کہ یہ سب حقیقت ہے اور تم واقعی میری صرف میری ہو گئی ہو۔ اور اسی شک کو مٹانے کے لیے میں بار بار تمہیں دیکھنے چلا آتا ہوں۔ پھر چند گھنٹوں کی جدائی بھی تو برداشت نہیں ہوتی تھی اب تمہیں ہمراہ گھسیٹ لایا ہوں۔ مگر پھر بھی نیت نہیں بھرتی دل چاہتا ہے تم اقرار کرتی رہو۔
یار زیب! تم مجھے کسی طرح یقین تو دلاؤ نا کہ تم واقعی مجھ سے محبت کرتی ہو؟'' وہ پہلو میں سمٹی زیب سے پیاسے تر سے انداز میں بولے۔
''شارق! آپ کو اب اور کیسے اور کتنا یقین دلاؤں؟'' وہ شرما کر بولی۔
''بس مجھے نہیں پتہ......'' وہ مزید قریب ہوئے تو دونوں کی نگاہیں ٹکرا کر رہ گئیں۔ تو زیب نے آہستگی سے شارق کا ہاتھ پکڑا اور ہونٹوں سے چھو کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا تب ہاتھ پر آنسوؤں کے قطرے ڈھلک گئے۔ لمس میں جانے کیا سحر تھا۔
''شارق...... آپ...... میرے ہیں بس میرے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
زیب کے دل میں پیار امنڈ امنڈ آیا۔ اس نے دونوں بانہیں شارق کی گردن میں ڈال دیں اور بے اختیار ان کے سینے سے لپٹ گئی۔
''زیب او زیب...... میری جان!'' شارق کی آواز جذبات سے بوجھل ہو گئی انہوں نے متاع زندگی زیب کو

بازوؤں میں جکڑ لیا اور اس کے بالوں میں چہرہ چھپا لیا۔

''اب......اب تو آپ کو یقین آ گیا ہوگا نا میری......میری چاہت کا؟'' وہ نظریں چرا کر بولی۔

''اونہوں......کہاں آیا ہے بھئی......'' شارق مخمور انداز میں اس کی پیشانی سے پیشانی ٹکرا کر بولے۔

''پلیز شارق! گھر چلیے بہت دیر ہو گئی ہے؟'' وہ بانہوں کے شکنجے سے نکل کر بولی۔

''او جان چلے جائیں گے نا آخر تمہیں جلدی کس بات کی ہے؟'' شارق اتنی جلدی جدا نہیں ہونا چاہتے تھے تبھی اسے دوبارہ بانہوں میں لے کر بولے۔

''گھر میں سبھی لوگ نہ صرف میرا مذاق اڑائیں گے بلکہ ہماری شامت بھی آئے گی۔'' وہ ان کے سینے سے سر ٹکا کر بولی۔ مگر شارق نے اٹھنے سے انکار کرتے ہوئے اسے بھی بٹھائے رکھا۔

''شارق! پتہ نہیں احمر بھیا کب واپس آئیں گے۔ میجر خرم کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ڈاکٹر دوست کے ساتھ انہیں کراچی بھیجنا ہے تاکہ وہ مشہور آئی اسپیشلسٹ کرنل احمد سے مکمل چیک اپ کروالیں۔ پھر ان کی مدد سے اپریشن خود ہی کریں گے۔ پلیز شارق اگر آپ منگنی کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر دیں تو بھیا بھی شریک ہو سکیں گے۔'' وہ پیار سے بولی تو وہ بدک سے گئے۔

''منگنی ملتوی کر دوں۔ خدا کے لیے زیب تم کیوں مجھ پر ظلم توڑ رہی ہو جانِ من! میں تو سوچ رہا تھا کہ امی اور سعدیہ بھابھی کی منتیں ترلے کر کے نکاح بلکہ رخصتی بھی کروالوں گا۔ پھر تم نے کیا دل توڑنے والی باتیں شروع کر دی ہیں۔'' وہ گھبرا گئے۔

''مگر شارق! آپ سوچیں تو سہی کہ بھیا کی غیر موجودگی میں مجھے سب کچھ کس قدر پھیکا لگے گا۔ دل کو کوئی خوشی اچھی نہیں لگے گی۔ میرے بھیا کی کتنی خواہش تھی کہ وہ مجھے دلہن بنا کر ہاتھوں سے رخصت کریں۔'' وہ ان کے کاندھے میں منہ چھپا کر رونے لگی تو شارق گھبرا گئے۔

''اچھا......اچھا زیب پلیز تم روتو نہیں میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ مجھے منگنی کی انگوٹھی احمر بھیا ہی پہنائیں گے اب تو خوش ہونا۔'' وہ زیب کا چہرہ اونچا کر کے بولے۔

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے شارق آپ مجھے بہلا رہے ہیں؟'' وہ بے یقینی سے بولی تو وہ ہنسے۔

''بس زیب میری جان! تم ایک بار میری طرف دیکھ کر پیار سے مسکرا دو تو ناممکن کو ممکن میں بنا دوں گا۔''

''سچ کہہ رہے ہیں نا آپ؟'' وہ وعدہ لینے کے ہاتھ بڑھا کر بولی۔

''سو فیصدی سچ......اب بس تم فوراً مسکرا دو نا۔'' انہوں نے زیب کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔ تو بھیگی بھیگی خوبصورت مسکراہٹ زیب کے چہرے پر بکھر گئی دھلی دھلی شفاف آنکھیں اٹھ کر جھک گئیں پھر زیب نے لجا کر شارق کے سینے میں منہ چھپا لیا۔ شارق کا ایمان ڈولنے لگا۔

''زیب جان! میرا خیال ہے کہ اب ہمیں گھر چلنا چاہیے کیونکہ اس وقت مجھے تم پر ٹوٹ کر بے تحاشہ پیار آ رہا ہے۔'' شارق نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ان کی نگاہوں میں خمار سمٹ آیا تھا۔ اور زیب وہ تو ان کے پہلو سے لگی دھیرے دھیرے قدم اٹھا رہی تھی۔ کھوئی کھوئی سی۔ پھر جلد وہ گھر پہنچ گئے تو وہ جلدی سے اتر کر اندر جانے لگی۔

''اے میم صاحب! آپ کہاں بھاگ رہی ہیں۔ کم از کم پیارے سے طریقے سے خدا حافظ تو کہہ دیجیے مجھے؟'' شارق نے زیب کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ لڑکھڑاتی ہوئی ان کے سینے سے جا ٹکرائی۔

''پلیز شارق! چھوڑ دیجیے کوئی دیکھ لے گا۔'' وہ کسمسانے لگی۔

''پھر کل ملو گی نا؟'' وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر جھکے۔

''کیسے مل سکتی ہوں کل تو گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہوگا۔'' وہ چہرہ بچاتے ہوئے بولی۔

''نہیں......بس مجھے کچھ نہیں پتہ میں یہیں پر تمہارا انتظار کروں گا۔'' وہ ضدی انداز میں بولے۔

''پلیز بچوں کی سی ضد مت کریں ہائے کوئی اس طرف آرہا ہے۔'' وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی۔ تبھی راحیل وہیں آ گئے اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولے۔

''اچھا تو آوارہ گردی کر کے واپس تشریف لے آئے ہیں آپ...... یار شارق! تم نے تو شرم و حیا سب دھو کر پی لی ہے ایسی بھی کیا بے قراری کہ تم کل تک انتظار ہی نہ کر سکو۔ ہائے ہمیں دیکھو دو دن گزر گئے ہیں اور ہم نے صائمہ کی جھلک تک نہیں دیکھی ہے۔'' راحیل منہ بسور کر شارق کے کاندھے پر ہاتھ مار کر بولے۔

''ہائے راحیل! میرے دوست میں کل تک انتظار کیسے کروں یہاں تو پل گزارنا مشکل ہے۔'' شارق نے دل پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس لیا۔

''تو جاؤ جا کر سو رہو عاشق دلگیر یوں وقت گزر جائے گا۔'' راحیل نے چمکار کر کہا۔

''نہیں یار! بھلا نیند کس کافر کو آئے گی۔ چلو راحیل چل کر تاش کھیلتے ہیں وقت گزر جائے گا۔ پھر راحیل حالت تو تمہاری بھی میری جیسی ہوگی پھر تمہیں بھی بھلا کیسے نیند آئے گی؟'' وہ دونوں دوست ہنستے باتیں کرتے اندر کی طرف چل دیئے۔

○●○

دوسرے دن کام کاج سے فراغت پاتے ہی لڑکیوں نے ڈھولک سنبھال لی بہت سی مہمان خواتین بھی قریب آ بیٹھیں پھر سب بڑے زور شور سے گانے بجانے میں مصروف ہوگئیں۔ ڈھولک اور گانے کی آواز سن کر شارق، راحیل اور جاوید وغیرہ بھی ہال میں آ گئے وہ لوگ تھوڑی دیر تو بڑے صبر اور تحمل سے سنتے رہے پھر لڑکیوں کے سر پر جا پہنچے۔

''لاحول ولاقوۃ......لڑکیو! تم کتنی بے سُری ہو یہ گا رہی ہو یا لڑ رہی ہو تم؟ توبہ ذرا اس سیما اور غزالہ باجی کو سنو کیا میاؤں میاؤں کر رہی ہیں اور یہ صبا اور مسرت ان کی تو آواز ہی سب سے مختلف ہے بس اپنی مرضی کی سُریں کھینچ رہی ہیں۔ یہ ٹینا اور عالیہ بھابھی تو میرا خیال ہے کہ صرف ہونٹ ہلا رہی ہیں کیونکہ آوازیں تو نکل نہیں رہیں۔ ہاں صرف فرحت اور شاہدہ کی آوازیں اچھی ہیں۔'' شارق نے نقل کرتے ہوئے کہا۔

''ارے واہ......تم تو جیسے بڑے سریلے گویے ہو نا۔ لو جی ایک تو ان کی خوشی کی خاطر ہم اپنے گلے پھاڑیں۔ اوپر سے یہ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ لو تم خود ہی گا لو یا پھر ملکہ ترنم کی شاگرد ترنم ناز کو مدعو کر لینا تھا۔ صبا اور عالیہ نے بگڑ کر ڈھولک پرے ہٹا دی۔

''بھئی صبا! تم لوگوں کو گلے پھاڑنے کے لیے بھلا کس نے کہا ہے؟ ذرا سُر میں گانا گاؤ نا۔'' شارق پتلون اونچی کر

کے قریب ہی قالین پر بیٹھ گئے۔

''تو تم خود بجالو نا؟'' صبا نے جل کر ڈھولک ان کے سامنے لڑھکا دی۔

''ہاں...... ہاں...... کیا حرج ہے ہم خود بجالیں گے محترمہ۔'' شارق ڈھولک کے پیچ کستے ہوئے بولے۔'' آؤ یار راحیل، جاوید...... آجاؤ میدان میں ذرا ان لڑکیوں کو بتائیں ڈھولک کیسے بجاتے اور گاتے ہیں یہ ہمیں بالکل نکما سمجھتی ہیں۔'' وہ مہارت سے ڈھولک پر تھاپ دیتے ہوئے بولے تو جاوید، راحیل بھی قریب بیٹھ گئے۔

''چلو یارو! وہی گانا گاتے ہیں۔ دیساں دا راجہ میرے بابل دا پیارا۔'' شارق مزے سے ڈھولک بجانے لگے۔

راحیل اور جاوید نے گلا صاف کیا پھر بڑے انداز سے کان پر ہاتھ رکھ کر گانے لگے۔

''دیساں دا راجہ میرے بابل دا پیارا امڑی دے دل دا سہارا

نی ویر میرا گھوڑی چڑھیا نی سیو گھوڑی چڑھیا''

وہ تینوں خاصی سُر میں جھوم جھوم کر گانے لگے تو لڑکیوں کا ہنستے ہنستے برا حال ہونے لگا۔ خود بیگم مراد اور نسیمہ بیگم سعدیہ بھابھی بھی وہیں آ گئیں اور صوفے پر بیٹھ کر دیکھنے لگیں۔

جاوید اور راحیل تو قوالوں کی طرح کان اور آنکھیں بند کر کے گانے میں مصروف تھے۔

''ہاں...... ہاں گھوڑی چڑھیا...... اے ہے گھوڑی چڑھیا...... واہ واہ گھوڑی چڑھیا......''

''اُف...... خدارا بس کیجیے ایمان سے آپ تینوں نے تو ہیجڑوں کو بھی مات کر دیا ہے۔ پلیز کوئی ڈھنگ کا گانا گایئے نا'' صبا نے ہنستے ہوئے شارق کا ہاتھ روک لیا۔

''ہاں یار جاوید! تھوڑا سا ڈانس وانس بھی ہو جانا چاہیے تاکہ لڑکیوں کو پتہ چلے کہ ہم کتنے بڑے فنکار ہیں۔'' شارق ڈھولک بجاتے ہوئے گانے لگے۔

''اوئے بلے بلے بھئی ٹور مزاجن دی۔ جتی کھل دی مروڑا نیوں جھل دی ٹور مزاجن دی۔''

''ٹھہریے...... ٹھہریے شارق صاحب! میں ذرا مزاجن تو بن جاؤں۔'' جاوید نے لپک کر سیما کا سرخ دوپٹہ اتار کر اوڑھ لیا۔

''ہائے جاوید صاحب! یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' سیما دوپٹہ لینے دوڑی۔

''ٹھہرو سیما! بھئی تم میرا دوپٹہ اوڑھ لو۔'' صبا نے منع کیا اور دوپٹہ دے دیا۔

''ہاں بھئی شارق صاحب! اب آپ بجائیں اور گائیں جبکہ ہم ڈانس کے لیے تیار ہیں۔'' جاوید نے ٹھمکا لگایا۔

''ریڈی......'' شارق نے تیزی سے ڈھولک بجانی شروع کی تو جاوید سر پر دوپٹہ ڈال کر لچکتا ہوا اٹھا۔ مگر یکایک شارق نے بجانا بند کر دیا اور کسی کے استقبال کے لیے اٹھے بہت سے مہمانوں کی آمد تھی۔

''ہائے ہیلو مسٹر اینڈ مسز نیازی...... آیئے آیئے بہت اچھا کیا جو آپ فنکشن سے پہلے تشریف لے آئے ہیں۔''

''ہاں یار شارق! آنا ہی پڑا جلدی۔ کیونکہ ہماری بیگم صاحبہ کو کسی کروٹ چین نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ یہ بے قرار تھیں کہ ہائے شارق کی منگنی تو پہلے ہو چکی ہے اور اسی خوشی میں ہم نے پارٹی بھی لی تھی تو پھر اب کون سی منگنی ہو رہی ہے۔ اور کس سے ہو رہی ہے۔

انہوں نے دعوت نامہ ملتے ہی جھٹ نازیہ کوفون کر کے رپورٹ دی۔تو وہ تمہاری ایکس بیگم نازیہ نے کہا کہ تم نے تو اسے مدعو ہی نہیں کیا سو بیگم نیازی تم کھوج لگاؤ یہ چکر کیا ہے؟ تو یار شارق! اب ہماری بیگم جیمز بونڈ کے فرائض انجام دینے آ گئی ہیں۔" نیازی نے بیوی کا کچا چھٹا کھول کر رکھ دیا۔

"او اچھا......تو یہ بات ہے۔آیئے آیئے مسز نیازی! ابھی آپ کو میری منگیتر کا پتہ چل جائے گا۔" شارق نے قہقہہ لگایا۔

"اچھا شارق! اب تم باتیں بند کرو اور گانا سناؤ نا۔" سب لڑکیاں بے قرار ہو گئیں۔

"اچھا......تو دولہا میاں خود گا بجا رہے تھے۔" بیگم نیازی نے لڑکیوں پر نظر ڈال کر کہا پھر وہ صبا کو دیکھ کر چونک گئیں۔صبا بھی گھبرا سی گئی تھی اس خبیث الفطرت عورت کو دیکھ کر۔

"ارے یہ تو پرنسز سارہ ہیں نا......ہیلو سارہ کیسی ہیں آپ؟" وہ ہاتھ بڑھا کر بولیں۔

"ہائے......وہ کلب کا مالک تو کہہ رہا تھا کہ آپ کام چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے لندن چلی گئی ہیں۔"

"کون پرنسز سارہ! ارے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مسز نیازی یہ پرنسز سارہ نہیں ہیں بلکہ ڈاکٹر خرم کی منگیتر اور چچا زاد صباحت علی صاحبہ ہیں۔ہاں ان کی شکل پرنسز سے خاصی مشابہت رکھتی ہے میں بھی پہلے دھوکہ کھا گئی تھی۔" ٹینا نے ایک دم اٹھ کر کہا تو صبا کی جان میں جان آئی ورنہ تو بدمزگی کا احتمال تھا۔

"نہیں بھئی ٹینا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنی مشابہت ہو کیوں نیازی کیا یہ پرنسز سارہ نہیں ہے۔" وہ ضدی انداز میں بولیں اور مسلسل صبا کو گھورتی رہیں تو نیازی نے ڈانٹا۔

"خدا کا واسطہ ہے۔میری اکلوتی بیگم ہر معاملے میں ڈھٹائی اور ضد سے کام مت لیا کرو بھئی دنیا میں بہت سے ہمشکل پائے جاتے ہیں۔اکثر صورتیں دھوکہ دے جاتی ہیں۔بیگم آپ کو یاد ہوگا میں جب بزنس ٹرپ پر لندن گیا تھا۔تب میں نے وہاں کا ایک واقعہ آپ کو خط میں بھی لکھا تھا۔کہ جس گھر میں میں بطور پینگ گیسٹ (Paying Guest) کچھ عرصہ رہا تھا۔اس کی لینڈ لیڈی کی شکل خطرناک حد تک آپ سے ملتی جلتی تھی۔قد بت...... یہاں تک کہ مزاج بھی آپ جیسا تھا۔صرف رنگت مختلف تھی۔"

"اچھا......تو پھر کیا ہوا؟" ٹینا نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

"بس جی ہونا کیا تھا جس دن میں نے لینڈ لیڈی کی شکل دیکھی میں نے گھبرا کر اُس دن مکان چھوڑ دیا وہ بیچاری حیران ہو کر پوچھتی رہی۔کہ مجھے وہاں کیا تکلیف پہنچی ہے۔کیا مکان پسند نہیں آیا۔یا سروس اچھی نہ تھی؟"

میں نے مودبانہ انداز میں کہا۔"نہیں محترم خاتون! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔یہاں ہر سہولت ہے۔"

"تو پھر آپ یکا یک مکان چھوڑنے پر کیوں بضد ہیں؟" وہ پریشان تھی۔

میں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔"خاتون گستاخی معاف وجہ یہ ہے کہ میری بیوی کی شکل ہو بہو آپ سے ملتی ہے۔"

"او آئی ایم ویری سوری...... مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے۔" وہ رحم بھری نظروں سے مجھے دیکھتی ہوئی سر ہلا کر چلی گئی۔

نیازی کی بے ساختہ اداکاری نے سب کو بیتاب کر دیا تھا وہ ہنس ہنس کر لوٹ رہے تھے۔

''نیازی! قسم کھاؤ کیا واقعی لینڈ لیڈی نے کہا تھا کہ اسے تم سے دلی ہمدردی ہے؟'' راحیل ہنسی روک کر بولے۔
''بیگم کی قسم کھاتا ہوں بھئی۔'' نیازی نے یقین دلایا تو سب پر دوبارہ ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ جبکہ بیگم نیازی کھسیانی ہو رہی تھیں۔
''خیر...... خیر شارق اب تم اپنے مہمانوں کو بیٹھنے دو اور تم پھر سے گانا شروع کر دو جاوید آپ بھی ناچنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' صبا نے بیگم نیازی کا موڈ بگڑتے دیکھ کر بات بدل دی۔
''چلو شارق! شروع ہو جاؤ۔ یار ہمیں گانا تو نہیں آتا لیکن ہم تالیاں ضرور بجائیں گے۔'' نیازی بھی پتلون کھینچتا شارق کے پاس بیٹھ گیا اور مسز نیازی صوفے پر پھیل گئیں۔ ''چلو بھئی شروع ہو جاؤ۔''

بلے بلے بھئی ٹور مزاجن دی
جتی کھل دی مروڑا نیوں جھلدی...... ٹور مزاجن دی

جاوید پنجاب مٹیار بنا ٹھمک ٹھمک ناچنے لگا۔ وہ ہر لفظ پر ویسے ہی ایکٹنگ کر رہا تھا۔

بلے بلے بھئی ماہی میرے دل وسدا
چٹا رنگ تے شربتی اکھیاں...... ماہی میرے دل وسدا بلے بلے
بلے بلے بھئی سس مینوں طعنے ماردی
کہندی منڈا تو جوان میرا ٹھگیا...... سس مینوں طعنے ماردی بلے بلے

جاوید اس قدر مہارت سے لچکتے ہوئے ٹھمکے لگانے میں مصروف تھا۔ اور لڑکیاں پیٹ پکڑے ایک دوسرے پر گرتی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ جلی بھنی بیگم نیازی بھی غصہ بھول کر قہقہے لگا رہی تھیں اور اس لمحے کدورتیں بھول گئی تھیں۔

بلے بلے کہ ماہی مینوں اکھ ماردا
کہندا اماں نوں سواں کے مل جا...... ماہی مینوں اکھ ماردا بلے بلے

جاوید نے گھونگھٹ سرکا کر سیما کو آنکھ ماردی سب بے ساختہ ہنسے تو سیما کا رنگ سرخ ہو گیا۔
''بے شرم ڈھیٹ کہیں کے۔'' سیما نے جاوید کو گھورتے ہوئے منہ پھیر لیا۔

بلے بلے کہ دل میرا دھڑک گیا
گوری جھانجھراں پا کے ٹردی...... دل میرا دھڑک گیا بلے بلے

''واہ بھئی واہ...... دولہا میاں نے تو خوب رنگ جمایا ہوا ہے۔ ہائیں اچھا تو اپنے ڈاکٹر راحیل بھی ساتھ گا بجا رہے ہیں۔ بہت خوب۔'' خان بہادر صاحب! صبا کے والد اپنے بیٹے اسلم کا سہارا لے کر اندر آ گئے۔ وہ جاوید کو ناچتا اور شارق، راحیل کو ڈھولک بجا کر گاتے دیکھ کر بے ساختہ ہنس دیئے تھے۔
''آداب انکل جی!'' شارق ڈھولک ہٹا کر کھڑے ہو گئے۔
''بھئی گاؤ نا شارق، راحیل بیٹے! یہ تم لوگوں نے مجھے دیکھ کر گانا بند کر دیا ہے کیا؟'' وہ بیٹھتے ہوئے بولے۔
''ارے نہیں انکل! ہم آپ کو گانا ضرور سنائیں گے۔ ویسے اب آپ اسلم میاں کا بھی کوئی فیصلہ کر دیں بہت آوارگی کر چکے ہیں یہ حضرات اور میری طرح خاصے اودھم مچا چکے ہیں۔ پھر ہم اکٹھے ہی سہرے وغیرہ گا لیں گے۔

انہوں نے دعوت نامہ ملتے ہی جھٹ نازیہ کو فون کر کے رپورٹ دی۔ تو وہ تمہاری ایکس بیگم نازیہ نے کہا کہ تم نے تو اسے مدعو ہی نہیں کیا سو بیگم نیازی تم کھوج لگاؤ یہ چکر کیا ہے؟ تو یار شارق! اب ہماری بیگم جیمز بونڈ کے فرائض انجام دینے آ گئی ہیں۔'' نیازی نے بیوی کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا۔

''او اچھا...... تو یہ بات ہے۔ آیئے آیئے مسز نیازی! ابھی آپ کو میری منگیتر کا پتہ چل جائے گا۔'' شارق نے قہقہہ لگایا۔

''اچھا شارق! اب تم باتیں بند کرو اور گانا سناؤ نا۔'' سب لڑکیاں بے قرار ہو گئیں۔

''اچھا...... تو دولہا میاں خود گا بجا رہے تھے۔'' بیگم نیازی نے لڑکیوں پر نظر ڈال کر کہا پھر وہ صبا کو دیکھ کر چونک گئیں۔ صبا بھی گھبرا سی گئی تھی اس خبیث الفطرت عورت کو دیکھ کر۔

''ارے یہ تو پرنسز سارہ ہیں نا...... ہیلو سارہ کیسی ہیں آپ؟'' وہ ہاتھ بڑھا کر بولیں۔

''ہائے...... وہ کلب کا مالک تو کہہ رہا تھا کہ آپ کام چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے لندن چلی گئی ہیں۔''

''کون پرنسز سارہ! ارے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مسز نیازی یہ پرنسز سارہ نہیں ہیں بلکہ ڈاکٹر خرم کی منگیتر اور چچا زاد صباحت علی صاحبہ ہیں۔ ہاں ان کی شکل پرنسز سے خاصی مشابہت رکھتی ہے میں بھی پہلے دھوکہ کھا گئی تھی۔'' ٹیتا نے ایک دم اٹھ کر کہا تو صبا کی جان میں جان آئی ورنہ تو بدمزگی کا احتمال تھا۔

''نہیں بھئی ٹیتا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنی مشابہت ہو کیوں نیازی کیا یہ پرنسز سارہ نہیں ہے۔'' وہ ضدی انداز میں بولیں اور مسلسل صبا کو گھورتی رہیں تو نیازی نے ڈانٹا۔

''خدا کا واسطہ ہے۔ میری اکلوتی بیگم ہر معاملے میں ڈھٹائی اور ضد سے کام مت لیا کرو بھئی دنیا میں بہت سے ہمشکل پائے جاتے ہیں۔ اکثر صورتیں دھوکہ دے جاتی ہیں۔ بیگم آپ کو یاد ہوگا میں جب بزنس ٹرپ پر لندن گیا تھا۔ تب میں نے وہاں کا ایک واقعہ آپ کو خط میں بھی لکھا تھا۔ کہ جس گھر میں میں بطور پینگ گیسٹ (Paying Guest) کچھ عرصہ رہا تھا۔ اس کی لینڈ لیڈی کی شکل خطرناک حد تک آپ سے ملتی جلتی تھی۔ قد بت...... یہاں تک کہ مزاج بھی آپ جیسا تھا۔ صرف رنگت مختلف تھی۔''

''اچھا...... تو پھر کیا ہوا؟'' ٹیتا نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

''بس جی ہونا کیا تھا جس دن میں نے لینڈ لیڈی کی شکل دیکھی میں نے گھبرا کر اُس دن مکان چھوڑ دیا وہ بیچاری حیران ہو کر پوچھتی رہی۔ کہ مجھے وہاں کیا تکلیف پہنچی ہے۔ کیا مکان پسند نہیں آیا۔ یا سروس اچھی نہ تھی؟''

میں نے مودبانہ انداز میں کہا۔ ''نہیں محترم خاتون! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں ہر سہولت ہے۔''

''تو پھر آپ یکا یک مکان چھوڑنے پر کیوں بضد ہیں؟'' وہ پریشان تھی۔

میں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''خاتون گستاخی معاف وجہ یہ ہے کہ میری بیوی کی شکل ہو بہو آپ سے ملتی ہے۔''

''او آئی ایم ویری سوری...... مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے۔'' وہ رحم بھری نظروں سے مجھے دیکھتی ہوئی سر ہلا کر چلی گئی۔

نیازی کی بے ساختہ اداکاری نے سب کو بیتاب کر دیا تھا وہ ہنس ہنس کر لوٹ رہے تھے۔

''نیازی! قسم کھاؤ کیا واقعی لینڈ لیڈی نے کہا تھا کہ اسے تم سے دلی ہمدردی ہے؟'' راحیل ہنسی روک کر بولے۔

''بیگم کی قسم کھاتا ہوں بھئی۔'' نیازی نے یقین دلایا تو سب پر دوبارہ ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ جبکہ بیگم نیازی کھسیانی ہو رہی تھیں۔

''خیر...... خیر شارق اب تم اپنے مہمانوں کو بیٹھنے دو اور تم پھر سے گانا شروع کر دو جاوید آپ بھی ناچنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' صبا نے بیگم نیازی کا موڈ بگڑتے دیکھ کر بات بدل دی۔

''چلو شارق! شروع ہو جاؤ۔ یار ہمیں گانا تو نہیں آتا لیکن ہم تالیاں ضرور بجائیں گے۔'' نیازی بھی پتلون کھینچتا شارق کے پاس بیٹھ گیا اور مسز نیازی صوفے پر پھیل گئیں۔ ''چلو بھئی شروع ہو جاؤ۔''

بلے بلے بھئی ٹور مزاجن دی
جتی کھل دی مروڑا نیوں جھلدی...... ٹور مزاجن دی

جاوید پنجاب مٹیار بنا ٹھمک ٹھمک ناچنے لگا۔ وہ ہر لحفظ پر ویسے ہی ایکٹنگ کر رہا تھا۔

بلے بلے بھئی ماہی میرے دل وسدا
چٹا رنگ تے شربتی اکھیاں...... ماہی میرے دل وسدا بلے بلے

بلے بلے بھئی سس مینوں طعنے ماردی
کہندی منڈا تو جوان میرا مٹھگیا...... سس مینوں طعنے ماردی بلے بلے

جاوید اس قدر مہارت سے لچکتے ہوئے ٹھمکے لگانے میں مصروف تھا۔ اور لڑکیاں پیٹ پکڑے ایک دوسرے پر گرتی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ جلی بھنی بیگم نیازی بھی غصہ بھول کر قہقہے لگا رہی تھیں اور اس لمحے کدورتیں بھول گئی تھیں۔

بلے بلے کہ ماہی مینوں اکھ ماردا
کہندا ماں نوں سواں کے مل جا...... ماہی مینوں اکھ ماردا بلے بلے

جاوید نے گھونگھٹ سرکا کر سیما کو آنکھ ماردی سب بے ساختہ ہنسے تو سیما کا رنگ سرخ ہو گیا۔

''بے شرم ڈھیٹ کہیں کے۔'' سیما نے جاوید کو گھورتے ہوئے منہ پھیر لیا۔

بلے بلے کہ دل میرا دھڑک گیا
گوری جھانجھراں پا کے ٹردی...... دل میرا دھڑک گیا بلے بلے

''واہ بھئی واہ...... دولہا میاں نے تو خوب رنگ جمایا ہوا ہے۔ ہائیں اچھا تو اپنے ڈاکٹر راحیل بھی ساتھ گا بجا رہے ہیں۔ بہت خوب۔'' خان بہادر صاحب! صبا کے والد اپنے بیٹے اسلم کا سہارا لے کر اندر آ گئے۔ وہ جاوید کو ناچتا اور شارق، راحیل کو ڈھولک بجا کر گاتے دیکھ کر بے ساختہ ہنس دیئے تھے۔

''آداب انکل جی!'' شارق ڈھولک ہٹا کر کھڑے ہو گئے۔

''بھئی گاؤ نا شارق، راحیل بیٹے! یہ تم لوگوں نے مجھے دیکھ کر گانا بند کر دیا ہے کیا؟'' وہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

''ارے نہیں انکل! ہم آپ کو گانا ضرور سنائیں گے۔ ویسے اب آپ اسلم میاں کا بھی کوئی فیصلہ کر دیں بہت آوارگی کر چکے ہیں یہ حضرات اور میری طرح خاصے اودھم مچا چکے ہیں۔ پھر ہم اکٹھے ہی سہرے وغیرہ گا لیں گے۔

راحیل......اسلم اور اپنے سہاگ گیت۔'' وہ ہنس کر بولے تو اسلم کھل اٹھا۔

''اوئے جیو شارق! یار تم نے تو بھائی بننے کا حق ادا کر دیا ہے۔ واقعی یار ہماری منگنی شگنی بھی کروا دو نا بڑا چانس ہے آج تمہارے فنکشن پر بڑی بڑی حسین قیامتیں نظر آ رہی ہیں۔ ویسے دوست یہ ٹیٹا رحیم نظر نہیں آ رہی ہیں۔'' اسلم نے ہنس کر ڈھٹائی سے کہا تو شارق نے چھیڑا۔

''واہ یار اسلم! یہ تم نے قیامتوں کا ذکر کرتے ہی ٹیٹا کا نام لے لیا ہے۔ آخر چکر کیا ہے؟''

''ویسے شارق! وہ کوئی خاص بری تو نہیں ہے۔'' اسلم نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''میرا خیال ہے کہ اب تمہارا کوئی نہ کوئی بندوبست تو کرنا پڑے گا۔'' شارق نے اسلم کے کاندھے پر مکا مارا۔

''بہت ہی بڑا احسان کرو گے مجھ پر یا پیرو مرشد۔''

''تو ٹھیک ہے انکل! کو ٹیٹا دکھا دیتے ہیں وہ آئی ہوئی ہے وہاں اسلم جھک کر آداب بجا لایا۔ شارق نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو تم والد محترم کو لڑکی دیکھا کر راضی کرو۔ میں جا کر ٹیٹا کے ساتھ گانے گاتا ہوں۔'' وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔

''کیوں بھئی...... یہ اسلم کیا بک رہا ہے شارق؟'' خان بہادر نے ہاتھ پکڑ کر انہیں ساتھ بٹھالیا۔

''بات یہ ہے انکل! یہاں پر زیب اور صباحت کی گہری سہیلی ٹیٹا آئی ہوئی ہے۔ جو اتفاق سے آپ کے اسلم کو خاص بری نہیں لگتی ہے۔ اور باقی مطلب آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔'' شارق نے ہنس کر بتایا۔

''ہوں......اچھا تو یہ بات ہے۔ مگر یہ ٹیٹا بھیا کیسا نام ہے؟'' وہ غور سے انہیں دیکھ کر بولے۔

''جی اصلی نام تو اس کا طاہرہ ہے ویسے پیار ولاڈ سے اسے سب ٹیٹا بلاتے ہیں۔ لیجیے صبا آ گئی ہیں باقی تفصیلات آپ کو یہ بتائیں گی۔ او صباحت......'' شارق نے آنکھ سے اشارہ کیا مگر وہ سمجھی نہیں۔

''کیسی تفصیلات ابو۔'' وہ باپ کے کاندھے سے لپٹ گئی تو شارق نے کہا۔

''انکل کو ٹیٹا رحیم کے متعلق بتاؤ کیونکہ اسلم کو وہ پسند ہے وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''کیا؟'' صبا چیخ اٹھی۔

''اسلم...... ٹیٹا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن لیکن......وہ......وہ تو......'' صبا حیران سی ہو گئی تھی۔

اس کی نگاہوں کے سامنے ٹیٹا کی آزاد و بے باک زندگی کا نقشہ پھر گیا۔ صبا کے دیکھتے دیکھتے ہی تو ٹیٹا نے کتنے بوائے فرینڈز بدلے تھے۔ یہاں تک کہ شارق تک سے اس کی دوستی ناجائز حد سے آگے بڑھ گئی تھی۔ پھر......پھر اتنی ماڈرن بے باک لڑکی ان کے خاندان کی بہو بن جائے ان کی بھابھی کہلوائے گی۔ نہیں نہیں یہ ناقابل برداشت اور نامناسب تھا۔ صبا نے نظریں اٹھا کر شارق کی طرف دیکھا جو اسے ہی معنی خیز سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے تو صبا چونک گئی۔

''صبا! یہ بات تو سوچ رہی ہے......تو؟''

''کیا تیرا دامن آلودہ نہیں تو کون سی پارسا ہے جو ماں باپ کی عزت کو پاؤں تلے روند کر پرویز کے ساتھ فرار ہو گئی تھی اور گناہوں کی دلدل میں جا پھنسی تھی۔ پھر اگر تجھ جیسی رسوا عورت کے عیبوں کو خرم جیسے اعلیٰ نسب شریف نوجوان نے

نظر انداز کر کے گلے سے لگا لیا۔ اپنا لیا ہے۔تو پھر ٹینا مجھ سے بڑھ کر گناہ گار نہیں ہو سکتی۔اس کی زندگی میں انگارے مت بھرو اسے اپنے خاندان میں فراخدلی سے شامل کر لو۔'' دل و دماغ نے راستہ دکھایا تو وہ کپکپا اٹھی پھر بولی۔

''ہاں...... ہاں ڈیڈی! ٹینا بہت اچھی سمجھدار مخلص لڑکی ہے۔ مجھے اسے بھابھی بنا کر خوشی ہو گی اور...... اس کے والد سیٹھ یوسف رحیم کا نام تو آپ نے سنا ہی ہو گا وہ قالینوں کا کاروبار کرتے ہیں؟'' صبا نے بتایا۔

''اچھا سیٹھ یوسف رحیم! بھئی انہیں تو میں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں خاصے مراسم ہیں ان سے بھلے انسان ہیں وہ...... خیر میں ان سے رشتے کی بات کروں گا۔'' انہوں نے حامی بھری۔

''ہرا......'' شارق صبا کا ہاتھ پکڑ کر اسلم کو بتانے وہاں سے بھاگے۔تو خان بہادر ہنس دیئے۔

''آیئے ٹینا! ہم دونوں مل کر گانا گاتے ہیں۔'' اسلم ہنستے ہوئے اس کے قریب ہی قالین پر بیٹھ گئے۔ کیونکہ ٹینا، شارق اور زیب سے ملنے روزانہ ان کے گھر آ جاتی تھی اسی لیے وہ سب کے ساتھ کافی بے تکلف ہو گئی تھی اور اسلم سے تو اکثر نوک جھونک لگی رہتی تھی۔

''واہ اسلم گانا اور آپ...... یہ تو نیا انکشاف ہوا ہے کہ آپ کو گانا بھی آتا ہے؟'' ٹینا نے ہنس کر پوچھا۔

''گانا تو آتا ہے بھئی...... لیکن سب کے سامنے نہیں صرف آپ کی تنہائی میں رومانٹک گانا سنا سکتا ہوں۔'' اسلم اسے غور سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولے۔

''کیوں جی کیا بات ہے؟ یہ آج آپ مجھے اس طرح گھور کیوں رہے ہیں؟'' وہ سرخ پڑنے لگی۔

''کیا کروں آج آپ مجھے ضرورت سے زیادہ پیاری لگ رہی ہیں۔'' وہ ہنسے تو ٹینا شرما گئی۔

''اے لو...... لگتا ہے یہ ہمارے اسلم صاحب بھی گئے کام سے۔'' قریب بیٹھی عالیہ نے قہقہہ لگایا۔

''کیا ہوا کیا بات ہے؟'' فرحت اور صبا جھٹ انہیں دیکھنے لگیں تو عالیہ نے بھانڈا پھوڑا۔

''ساتھیو! اسلم کو ٹینا ضرورت سے زیادہ پیاری لگ رہی ہیں تو آثار خاصے خطرناک ہیں بلکہ بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ ایک اور فنکشن کی تیاری کر لیں۔''

''یار اسلم! بہت مبارک ہو تمہاری درخواست انکل نے تو منظور کر لی ہے اور اب ٹینا کو منانا تمہارا کام ہے۔'' شارق اور صبا نے آ کر خبر سنائی تو اسلم خوش ہو گیا۔

''ارے یار شارق! ٹینا کو تو منی منائی سمجھو ابھی ابھی یہ اسلم سے باتیں کرتے ہوئے شرماتی ہوئی گلابی سی ہو رہی تھیں۔'' راحیل نے ہنس کر بتایا۔

''ہرا...... اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ایک اور فنکشن ضرور ہو گا؟'' جاوید خوش ہو کر بولا۔

''بھئی یہ آپ لوگ کیا معموں میں باتیں کر رہے ہیں کچھ مجھے بھی تو بتائیں نا۔ آخر اسلم صاحب نے کیا کارنامہ

انجام دیا ہے۔'' ٹینا معصومیت سے اسلم کا بازو چھو کر بولی۔

''چہ..... تم چپ کرو منی..... لڑکیاں ایسے معاملوں میں نہیں بولا کرتیں ویسے بھی ٹینا بی کل جب خان بہادر تمہارے ابا جان سے تمہیں اسلم کے لیے مانگنے جائیں گے نا تو پھر یہ معمہ بھی حل ہو جائے گا۔'' راحیل نے راز اگلا۔

''اوہو.....'' ٹینا منہ چھپا کر بھاگنے لگی تو شارق نے اسے پکڑ لیا۔ تو صبا نے پسندیدگی کی نظروں سے ٹینا کو دیکھا۔

اسے امید نہ تھی کہ اس جیسی ماڈرن لڑکی یوں شرما جائے گی۔ ویسے بھی ٹینا کی عادات و مزاج میں ایک زبردست خوش کن تبدیلی آ گئی تھی۔ وہ پہلے سے کافی سنجیدہ اور ریز رو ہو گئی تھی۔

''چلو شارق..... راحیل! آپ دونوں جا کر تیار ہو جائیں۔ مہمان آنے والے ہوں گے اور لڑکیو تم جا کر زیب اور صائمہ کو دلہن بناؤ۔ اور جاوید، اسلم تم دونوں جا کر مہمانوں کو ریسیو کرو۔'' بیگم مراد نے آ کر انہیں بھیجا۔ پھر لڑکیاں جب زیب کے کمرے میں پہنچیں تو زیب کو روتے ہوئے پایا۔

''زیب کیا بات ہے تم کیوں رو رہی ہو؟'' عالیہ نے پیار سے اسے لپٹا لیا۔

''عالیہ! احمر بھیا ابھی تک نہیں آئے اور ان کے بغیر مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ پلیز صبا تم ذرا خرم کو بلاؤ میں ان سے بھیا کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں۔''

''گھبراؤ مت زیب! خرم..... احمر بھیا کو لینے ایئر پورٹ گئے ہوئے ہیں وہ ابھی گھر آ جائیں گے۔''

''تم..... تم سچ کہہ رہی ہو نا عالیہ؟'' زیب بے یقینی سے بولی پھر آنکھیں صاف کرنے لگی۔

''سچ زیب! وہ تمہارے شارق نے کل رات ہی خرم بھائی سے کہہ دیا تھا کہ وہ منگنی کی انگوٹھی احمر بھائی کے ہاتھ سے ہی پہنیں گے۔ ویسے بھی خدا کے فضل و کرم سے ان کی پٹی کھل گئی تھی۔ تو وہ آج آ سکتے تھے۔'' عالیہ نے بے خیالی میں احمر کی طبیعت کے بارے میں بتا دیا۔

''کون سی پٹی کھل گئی ہے؟'' زیب جس سے احمر کے اپریشن کے بارے میں چھپایا گیا تھا وہ گھبرا گئی۔

''اوہو..... بھئی میرا مطلب ہے کہ چیک اپ..... چیک اپ ہو گیا ہو گا احمر بھائی کا۔'' عالیہ جلدی سے بولی۔ پھر سب نے زیب اور صائمہ کو سجایا پھر دلہن بنا کر ہال میں لا کر بٹھا دیا۔ بہت سے مہمان آ چکے تھے اور شارق، راحیل ایک جیسی گولڈن براؤن شیروانیاں اور شلوار قمیص پہنے مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔ دونوں کی خوشی قابل دید تھی پھر جب سب مہمان آ گئے تو بیگم مراد نے انہیں بلوا لیا۔

''آؤ بیٹو.....'' بیگم مراد نے انہیں اور راحیل کو تھام کر دونوں دلہنوں کے پاس بٹھا دیا۔ پھر سیما اور فرحت نے انہیں پھولوں کے ہار پہنائے۔

''چلیے بھابھی بیگم! آپ پہلے انگوٹھی پہنائیے۔'' خان بہادر نے اٹھ کر بیگم مراد سے کہا۔

''نہیں امی جان! آپ پہلے راحیل کو انگوٹھی پہنا دیں۔'' شارق نے آہستہ سے کہا۔

پھر مبارک سلامت کے شور میں صائمہ اور راحیل کو انگوٹھی پہنائی گئی زیب کے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے اس نے گھبرا کر عالیہ کا ہاتھ جکڑ لیا۔

''عالیہ ابھی تک بھیا نہیں آئے ہیں میں انگوٹھی نہیں پہنوں گی۔'' اس نے رندھی آواز میں کہا۔ نظریں اٹھا کر دیکھا تو شارق ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یکا یک شور ہوا۔

''احمر بھیا آ گئے۔'' جاوید نے شور مچا دیا تھا۔ تو سب نے بے ساختہ دروازے کی طرف دیکھا خود زیب کی نظریں بھی اوپر اٹھ گئیں۔ خرم کے ساتھ اس کا پیارا بھائی احمر آ رہا تھا۔ وہ براؤن سوٹ پہنے کس قدر اچھے لگ رہے تھے۔ زیب ان کی بلائیں لے رہی تھی اچانک اس کی چیخ نکل گئی۔

''احمر بھیا...... سامنے میز ہے رک جائیں۔'' وہ چیخ اٹھی۔

مگر احمر نے ہنستے ہوئے جھک کر اپنے سامنے سے میز ہٹایا پھر وہ لوگوں میں راستہ بناتے ہوئے زیب کی طرف بڑھے۔ جو حیران سی آنکھیں کھولے انہیں گھور رہی تھی۔

''زیب میری بہن......'' احمر نے قریب آ کر بانہیں پھیلا دیں تو وہ ان کے سینے سے لگ گئی۔

''بھیا! آپ ٹھیک ہو گئے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں۔'' وہ ششدر تھی۔

''ہاں زیب! میں اس پیاری سی دلہن کو دیکھ سکتا ہوں۔ جس نے گلابی رنگ کا غرارہ سوٹ اور خوبصورت زیورات پہنے ہوئے ہیں۔ یہ ننھا منا سا ٹیکا پیشانی پر سجایا ہوا ہے۔ جو میری بہن کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہا ہے۔ بس ان آنسوؤں کو صاف کر لو۔'' احمر نے زیب کی پیشانی چومی۔

''بھیا او بھیا...... میں کس قدر خوش ہوں۔'' وہ ان سے لپٹی رو رہی تھی۔

''ارے رے...... اب چپ ہو جاؤ دیکھو تمہیں روتا دیکھ کر سعدیہ، سیما بھی رو رہے ہیں۔'' احمر سب کو محبت بھری نظروں سے دیکھ کر بولے تو سیما بھی بھائی کے کاندھے سے لگ گئی۔

''کیوں سعدیہ بھابھی! یہ آپ کیوں پیچھے چھپی کھڑی ہیں آیئے آپ بھی احمر بھیا سے ملیں نا؟'' شارق نے انہیں کاندھوں سے پکڑ کر آگے دھکیلا تو وہ شرمائی شرمائی سی احمر کے قریب رک گئیں۔

''ہمیشہ جیو خوش رہو خدا سہاگ سلامت رکھے۔'' احمر نے ہنس کر سعدیہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

''لیجیے زیب صاحبہ! اب تو خیر سے حسب وعدہ آپ کے بھیا تشریف لے آئے ہیں اب تو آپ ہم سے منگنی کروا لیجیے نا۔'' شارق نے انگوٹھی ماں کے ہاتھ سے چھینی اور خود ہی گھبرائی بوکھلائی ہوئی زیب کا ہاتھ تھام کر پہنا دی۔ تو سب ان کی حرکت پر ہنس دیئے۔

''مبارک ہو زیب! اور مجھے بھی مبارک ہو'' شارق نے خود ہی شور مچا دیا۔

''لیکن شارق! تم نے زیب کے غلط ہاتھ میں انگوٹھی پہنائی ہے۔ کم از کم صحیح طریقے سے تو پہناؤ۔'' صبا نے کہا۔

''بھئی صاحب! زیب کے دائیں ہاتھ میں تو ہماری پہلی منگنی کی انگوٹھی ہے اور وہ انگوٹھی زیب کو بے حد عزیز ہے۔ ویسے بھی فرق تو کوئی نہیں پڑتا کیونکہ دونوں انگوٹھیاں میں نے ہی پہنائی ہیں نا؟'' شارق ہنسے۔

''کیوں شارق! یہ تمہاری زیب کی پہلی منگنی کا کیا چکر ہے؟'' عالیہ نے پوچھا۔

''عالیہ بھابھی! یہ چکر تو بہت لمبا ہے اور پھر کسی وقت زیب یا صبا آپ کو تفصیلاً بتا دیں گی۔ اب آپ میری دلہن کو میرے قریب بٹھا دیں اور احمر بھائی سے کہیں کہ وہ جلدی سے مجھے انگوٹھی پہنائیں۔'' پھر شارق نے خود ہی زیب کا بازو تھاما اور سہارا دے کر صوفے پر بٹھایا اور خود بھی جڑ کر بیٹھ رہے۔

''بھئی بڑے ہی بے صبرے ہو یار شارق۔'' احمر نے ہنستے ہوئے سعدیہ کے ہاتھ سے جگمگاتی ہوئی انگوٹھی کو تھام لیا۔ پھر بسم اللہ پڑھتے ہوئے شارق کو انگوٹھی پہنا دی اور بڑی محبت سے انہیں گلے لگا کر پیشانی چومی۔

''آج بڑا مبارک دن ہے۔ آج مجھے تم جیسا ہونہار مخلص بھائی مل گیا ہے۔ پھر میری دنیا پر چھائی تاریکی بھی چھٹ چکی ہے۔ اف خدایا...... میں تم سب لوگوں کو دیکھنے کے لیے کس قدر ترسا کرتا تھا۔'' احمر ڈبڈبائی آنکھیں صاف کرتے ہوئے زیب کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ پھر دوست احباب اکٹھے ہونے لگے۔

''بہت بہت مبارک ہو شارق یار! یاد ہے نا کہ میں نے تو تمہیں تمہاری پہلی منگنی پر ہی تمہاری پسند کی داد دی تھی۔ میری دلی دعا ہے کہ خدا تم دونوں کو خوش رکھے۔'' نیازی نے وش کرتے ہوئے ہاتھ ملایا۔

''اچھا دوست! اب ہمیں تو اجازت دو؟''

''کیوں بھئی نیازی بیٹھو نا یہ تم ابھی سے کہاں جا رہے ہو؟'' شارق نے روکنا چاہا۔

''یار مجھے تو اتنی حسین محفل و دلکش لوگوں میں بیٹھنے پر کوئی اعتراض نہیں مگر ہماری بیگم نے فوراً نازیہ کو رپورٹ دینی ہے۔ کہ شارق کی دوسری منگنی بھی زیب ہی کے ساتھ ہوئی ہے۔ ویسے شارق یہ ابھی تک اس معمے کو سلجھانے میں ناکام رہی ہیں تم ہی حل کروان کی مشکل اور انہیں یہ بتا دو کہ جبکہ پہلے ہی تمہاری زیب سے منگنی ہوئی تھی جس کی ہم تم سے گرینڈ قسم کی دعوت لے چکے ہیں۔ تو پھر اب دوبارہ منگنی کی نوبت کیوں آ گئی ہے۔ ویسے میری بیگم کا خیال ہے کہ یقیناً تم دونوں کی لڑائی ہوئی ہو گی نتیجتاً منگنی ٹوٹ گئی ہو گی۔ مگر پھر دوست احباب نے بیچ میں آ کر صلح کروا دی ہو گی تبھی دوبارہ منگنی کی نوبت آئی ہو گی۔'' نیازی نے حسب عادت وتوفیق پھر بیوی کا بھانڈا پھوڑ کر شرمندہ کیا۔

''اوہو...... پھر تو مسز نیازی کو کوئی خاص سنسنی خیز خبر نہیں مل سکتی۔ کیونکہ نہ تو ہماری منگنی ٹوٹی نہ جھگڑا ہوا۔ بلکہ احمر

بھائی کی علالت کی وجہ سے پہلے چپ چپاتے منگنی ہوگئی تھی مگر چونکہ اب یہ بفضل خدا تندرست ہیں تو اب دھوم دھام سے انگوٹھی پہن لی ہے۔'' شارق نے بات بنائی۔ تو نیازی نے بیگم کو چھیڑا۔

''بس بیگم صاحبہ! اب تو تسلی ہوگئی ہوگی اور تمہاری نازیہ کو مکمل رپورٹ مل جائے گی۔''

''نیازی صاحب! بعض اوقات تو آپ کی حرکتیں بڑی تکلیف دہ ہو جاتی ہیں۔ چار لوگوں کو دیکھ کر تو زیادہ ہی جامے سے باہر ہوکر جو منہ میں آتا ہے بولے جاتے ہیں۔'' بیگم نیازی کو غصہ آ گیا اور وہ اٹھ کر چل دیں۔

''اچھا یارو! اجازت دو۔ ہماری خوفناک اکلوتی بیگم کا موڈ مزید خطرناک ہو گیا ہے اور اب یہ سارے راستے مجھ غریب ناتواں کی جان پر عذاب عظیم توڑتی جائیں گی۔'' وہ کان پکڑ کر بولے۔

''ویسے بھی شارق! آج ہمیں کلب کے سالانہ ڈنر پر بھی جانا ہے۔ بلکہ تمہیں بھی تو انویٹیشن آیا ہے نا۔ تم اپنے فنکشن سے فارغ ہوکر کلب آ جانا آج تو بڑے زبردست پروگرام ہیں۔'' نیازی نے یاد دلایا پھر وہ سب سے ملنے کے بعد باہر نکل گئے۔

''ہائے...... نیازی صاحب کس قدر خوش مزاج کتنے اچھے ہیں مزیدار باتیں کرتے ہیں اور بیگم دیکھو پہاڑ کا پہاڑ ہے پھر مزاج کیسا سڑیل ہے۔'' سیما نے ہنس کر کہا۔ ''اللہ توبہ کیا واقعی میں یہ اپنی سہیلی کے لیے جاسوسی کرتی ہیں؟''

شارق نے سب کو باتوں میں مصروف پایا تو مزے سے زیب کا ہاتھ تھام لیا اور بڑی چالاکی سے ہاتھوں پر زرتار دوپٹہ پھیلا دیا وہ گھبرا کر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

''اے لڑکی! چپ چاپ بیٹھی رہو ورنہ ابھی شور مچا دوں گا کہ تم نے زبردستی میرا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔ ویسے بھی دلہن بیگم اب تو تم پر صرف میرا ہی حق بنتا ہے۔'' شارق نے ہاتھ دباتے ہوئے سرگوشی کی تو زیب نے آنکھیں موند لیں۔

''ثمینا...... صباحت بیٹی! آپ دلہنوں کو کمرے میں لے جاؤ تھک گئی ہوں گی۔'' نسیمہ بیگم نے کہا۔

پھر زیب اور صائمہ نے کمرے میں آ کر جلدی سے بھاری کام والے دوپٹے سر سے اتار دیئے اور سکھ کی سانس لی۔ ''اللہ توبہ! اتنے بھاری کم لباس میں تو اب دم گھٹنے لگا تھا۔''

''ارے ٹھہرو زیب بھابھی! پہلے میں آپ کو اچھی طرح سے دیکھ تو لوں۔ اور آج سے میں تمہیں آپ کہہ کر مخاطب کروں گی کیونکہ اب آپ میری بڑی بھاوج ہو۔'' صائمہ نے ہنس کر کہا پھر دوبارہ زیب کے سر پر دوپٹہ ڈال دیا۔

''ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ مجھے تو نظر بھر کر دیکھتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے اس قدر حسین لگ رہی ہے میری بھابھی! بس آج رضا بھائی کی خیر نہیں ہوگی بیچارے دل تھام کر رہ گئے ہوں گے ویسے وہ مسلسل ہاتھ پکڑے تو بیٹھے تھے۔'' ہنس کے صائمہ نے زیب کی پیشانی چومی اور زیب لجا کر اس کے گلے لگ گئی۔ تبھی دروازہ کھٹکا۔

''واہ...... واہ...... نند سے تو خوب گلے ملا جا رہا ہے بھئی ہم سے بھی گلے شلے ملو نا۔'' شارق اندر آ گئے۔

''بھیا! آپ...... آپ یہاں کیوں آ گئے ہیں؟'' صائمہ نے جلدی سے دوپٹہ اوڑھ لیا۔

''یار! وہ باہر سبھی لوگ کہہ رہے ہیں کہ آج میری زیب اور صائمہ بے حد خوبصورت لگ رہی ہیں تو میں نے سوچا آپ لوگوں کو ذرا اچھی طرح سے دیکھ لوں۔ باہر تو رش میں جی بھر کر دیکھ نہیں سکا۔''

وہ زیب کا دوپٹہ تھام کر چہرے پر جھک گئے مگر زیب ہاتھ ہٹا کر صائمہ کے پیچھے چھپ گئی۔

''ہاں...... واقعی تم دونوں غرارہ سوٹ میں بے حد جچ رہی ہو۔ ہاں زیب تم صائمہ سے گلے مل رہی تھیں نا تو بھئی نئے رشتے کی خوشی میں ہم سے بھی مل لو نا'' وہ شریر انداز میں ہنسے۔

''محترم بھائی رضا صاحب! میں تو ان کی نند ہوں اسی لیے وہ مجھ سے گلے مل رہی تھیں مگر آپ خوانخواہ بیچ میں آ گئے ہیں؟'' صائمہ نے انہیں باہر کی طرف دھکیلا۔

''واہ...... یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں بھی نند کا بھائی ہوں۔ بلکہ میری وجہ سے صائمہ کو کسی کی نند بننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ پھر میں کیوں قربت کی نعمت سے محروم رکھا جا رہا ہوں۔ نہ جی یہ کوئی انصاف نہیں ہے۔ میں تو ضرور گلے ملوں گا'' وہ بازو پھیلائے بڑھے تو زیب صائمہ کے پیچھے دبک گئی۔

راحیل نے جب شارق کو غائب پایا تو وہ خرم سمیت انہیں ڈھونڈتا رہا پھر وہ صائمہ کے کمرے تک جا پہنچے۔ باتوں کی آواز آ رہی تھی۔

''یہ یہاں کیا ہو رہا ہے حضور شارق! اچھا تو آپ یہاں چھپے ہوئے ہیں اور ہم تو سارے گھر میں جناب کو تلاش کر رہے تھے۔'' خرم اور راحیل نے اندر جھانکا۔

''اے مسٹر راحیل! آپ کیا منہ اٹھائے اندر آ رہے ہیں میری بہن صائمہ آپ سے آئندہ پردہ کریں گی۔'' شارق نے آواز دی۔

''ارے واہ جی واہ...... ہم صائمہ سے پردہ کریں تو جناب سالے صاحب پھر میری بہن زیب آپ کے سامنے کس حساب میں منہ اٹھائے کھڑی ہے۔ تو تم بھی باہر نکل آؤ نا۔''

راحیل نے اندر جا کر زیب کے کندھے کے گرد بازو ڈال کر کہا۔ پھر دل مچلا تو جھک جھک کر صائمہ کو دیکھنے لگے جس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا تھا۔

''واہ میری دلہن تو بہت ہی سندر حسین لگ رہی ہے۔'' راحیل پیار سے بولے۔

''جی فرمایئے یہاں کس سلسلے میں آنا ہوا ہے۔'' شارق نے پوچھا تو راحیل نے منہ بنا کر بتایا۔

''واہ جی...... اب تو شارق میاں کو ہماری آمد بھی ناگوار گزرے گی بہرحال اطلاع یہ دینی ہے کہ ہم دونوں یعنی خرم اور ما بدولت کلب جا رہے ہیں۔ کلب کے مالک رضوانی نے بہت اصرار سے بلایا ہے اور ورائٹی پروگرام بھی بڑا ہی

دھانسو زوردار قسم کا ہے۔ مصر کی مشہور بیلے ڈانسر نازلی کا ڈانس ہے۔ پھر یار وہ ٹینا اور صبا بھی ساتھ جانے کی ضد کر رہی ہیں تم لوگ بھی چلو نا۔ ویسے بھی اب مہمان تو جا چکے ہیں نیچے بزرگ اپنی محفل سجائے بیٹھے ہیں۔ سو یہی بہترین موقع ہے کھسکنے کا۔'' راحیل نے منت کی۔

''یار! اگر ٹینا اور عالیہ، صبا ساتھ جا رہی ہیں تو پھر زیب اور صائمہ کو بھی ہمراہ لے چلتے ہیں ہمارا بھی دل لگا رہے گا مزا آئے گا۔'' شارق نے زیب کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''نہیں......نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گی۔'' زیب نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

''پلیز زیب! چلی چلو نا تم جاؤ گی تو پھر صائمہ کو بھی بہانہ مل جائے گا ساتھ جانے کا۔'' راحیل نے منت کی تو وہ پسیج گئی۔

''اچھا......پھر ہمیں کپڑے تو بدلنے دیجیے نا۔'' زیب نے کہا۔ تو سب نے منع کیا۔

''ارے نہیں......غرارہ قمیص میں تو تم غضب ڈھا رہی ہو ویسے بھی ابھی تو میں نے تمہیں جی بھر کے دیکھا بھی نہیں۔'' شارق یونہی بازو پکڑے اسے کھینچتے باہر چل دیئے وہ سب کے سب پچھلا دروازہ کھول کر باہر نکلے تھے۔

''کیوں راحیل! اب کس طرح چلیں۔ اکٹھے یا علیحدہ علیحدہ اپنی کاروں پر؟'' شارق نے سب جوڑوں سے پوچھا۔

''یار و بہتر یہی ہے کہ ہم اپنی اپنی کاروں پر چلیں ممکن ہے ہم میں سے کسی کا دل پہلے اٹھنے کو چاہے تو پھر باقی لوگوں کو بھی بور ہو کر اٹھنا پڑے گا۔'' اسلم نے معنی خیز انداز میں ٹینا کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''توبہ مجھے تو اسلم کی نیت میں کھوٹ نظر آ رہا ہے۔'' راحیل نے ہنس کر کہا پھر وہ سب اپنی اپنی موٹروں کی طرف بڑھ گئے۔ پہلے شارق اور زیب کی کار نکلی۔ اس کے بعد راحیل صائمہ اس کے بعد اسلم ٹینا ان کے پیچھے خرم اور صبا کی کار تھی۔

''کیوں زیب اب کیا سوچ رہی ہو؟'' شارق نے اس کے چہرے پر نظر ڈال کر کہا۔

''شارق! میں سوچ رہی ہوں کہیں یہ خواب تو نہیں ہے۔ کیا واقعی آپ میرے ہو گئے ہیں؟'' زیب بے یقینی سے ان کے کاندھے پر سر رکھ کر بولی تو وہ ہنس دیئے۔

''ایک بات یاد رکھیے شارق! اگر کبھی میں نے آپ کو کسی اور لڑکی کے ساتھ دیکھا نا تو......تو میں جان دے دوں گی۔ میں بہت پوزیسو ہوں۔ میں آپ کے نزدیک کسی کا وجود ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔''

''اب ایسا کبھی نہیں ہوگا زیب! میں تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔'' شارق نے اس کی کمر کے گرد بازو ڈال کر پہلو سے لگا لیا تھا۔

پھر جب شارق کا پورا گروپ کلب میں داخل ہوا تو وہاں موجود لوگوں کی نگاہیں ان پر جم کر رہ گئیں۔ جو ان کے دوست اور احباب تھے جنہیں ان کی منگنی کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں گھیر کر مبارک باد دینے لگے۔ سبھی لوگ تعریفی نظروں سے دلہن بنی شرماتی لجاتی سی زیب و صائمہ کو دیکھ رہے تھے۔ اور نہال سے شارق اور راحیل ہنس ہنس کر سب کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ پھر اچانک شارق کی نظر داخلی دروازے سے اندر آتے ہوئے حامد نازیہ اور بیگم نیازی پر پڑیں۔ وہ لوگ باتیں کرتے آ رہے تھے۔ شارق نے جھٹ انہیں جلانے کے لیے زیب کے گرد بازو ڈال کر قریب کر لیا۔

''کیوں بھئی یہ آپ لوگ اپنی سیٹوں سے اٹھ کر کسے گھیر کر کھڑے ہیں یہاں رش کیوں ہے؟''

حامد نے بلند آواز میں پوچھا پھر اس کی نظر اسلم پر پڑی تو حامد ان کی طرف لپکا اور بغلگیر ہو گیا۔ اسلم بھی بڑی گرمجوشی سے ملا۔

''ارے حامد یار! تم امریکہ کب واپس آئے ہو؟'' اسلم نے پوچھا۔

''یہی کوئی چار پانچ مہینے ہوئے ہوں گے۔ یہ بتاؤ اسلم تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو؟'' حامد نے بیرے کی ٹرے میں سے ڈرنک اٹھا لیا۔

''میں اپنے دوست کی منگنی میں شریک ہونے آیا ہوں آؤ تمہیں ان سے ملواؤں۔''

بے خبر اسلم، حامد کا ہاتھ پکڑ کر شارق کی طرف بڑھے۔ شارق زیب اور راحیل صائمہ قریب قریب کھڑے تھے۔

''حامد ان سے ملو یہ ہیں میرے دوست ڈاکٹر راحیل اور آج ہی ان کی منگنی میری عزیزہ صائمہ سے ہوئی ہے۔''

اسلم نے ہنس کر صائمہ کی طرف اشارہ کیا۔ جس کا رنگ جانے پہچانے سے حامد کو دیکھ کر پیلا پڑ گیا تھا۔ وہ لرز کر راحیل کے ساتھ لگ گئی خود حامد کے ہاتھ سے بھی ڈرنک کا گلاس چھوٹ گیا تھا۔ وہ سر تا پا کپکپا گیا۔

''صائمی! کیا یہ اپنی دلکش حسین لڑکی صائمہ ہے۔ میری پہلی بیوی؟'' وہ بڑبڑایا اور گنگ رہ گیا۔

وہ خوبصورت صائمہ! جسے وہ معمولی شکل وصورت اور بدکردار لالچی نازیہ کی خاطر ٹھکرا چکا تھا۔ حامد کو اس وقت اپنی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا تھا ان کا چہرہ متفکر ہو کر پسینے سے بھیگنے لگا تھا۔

اس نے لڑکھڑا کر کرسی کا سہارا لیا وہ پل میں برسوں کا مریض لگنے لگا تھا۔ پھر جیسے اس کے قدموں میں سکت نہ رہی وہ سر جھکا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''حامد...... حامد یار! تمہیں کیا ہوا ہے؟'' اسلم نے اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر پوچھا لوگ سمٹ کر قریب آ گئے اور دیکھنے لگے۔ ''کیا ہوا...... کیا ہوا؟'' سب پوچھنے لگے۔

''ہٹو ذرا راستہ دو......'' نازیہ لوگوں میں سے راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھی وہ نیم عریاں لباس اوڑھے تھی۔

''کیا بات ہے حامد ڈارلنگ! کیا ہوا ہے تمہیں؟'' وہ اس کی بدلتی حالت دیکھ کر سنبھلنے لگی۔ پھر...... پھر ایک دم نازیہ کی نظر شارق اور زیب سے ہوتی ہوئی راحیل اور صائمہ پر ٹک گئیں پھر وہ دم بخود رہ گئی نگاہوں میں رشک وحسد کے شعلے لپکنے لگے تھے۔

''صائمہ...... اوتو یہ وجہ ہے ہمارے شوہر صاحب کی نیم بیہوشی کی؟'' نازیہ دانت پیس کر بولی۔

حامد نے یہ سن کر کڑی نفرت آلود نظروں سے نازیہ کو دیکھا۔ اس لالچی عورت کے چنگل میں پھنس کر اپنے آشیانے کو خود ہی آگ لگا بیٹھا تھا۔ اور صائمہ جیسی شریف اور خوبصورت نیک سیرت بیوی کو چھوڑ دیا تھا۔ حامد کا دل نازیہ کی طرف سے نفرت سے بھر آیا۔ وہ اسے اپنے ارمانوں کی قاتل زہریلی ناگن لگ رہی تھی۔ اس نے اوپر جھکی نازیہ کو دھکیلا۔

''ہٹ جاؤ نازیہ...... چھوڑ دو مجھے میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' وہ اسے وحشت کے عالم میں سر جھٹکتا تقریباً بھاگتا ہو باہر نکل گیا تو سب حیران اور گم صم کھڑے رہ گئے تھے۔

''یہ حامد کو یکا یک کیا ہو گیا ہے میرا خیال ہے آج موصوف نے کچھ ضرورت سے زیادہ چڑھا لی ہے؟'' کرنل فاروقی نے کہا۔

''حامد نے چڑھائی ہے نہ ہی یہ شراب کا نشہ ہے بلکہ وہ ابھی اپنی پہلی بیوی صائمہ کو ڈاکٹر راحیل کے پہلو میں دلہن بنا دیکھ کر برداشت نہیں کر سکا ہے تبھی حسد وجلن کی وجہ سے باہر نکل گیا ہے۔'' نازیہ بھڑک اٹھی۔

نازیہ...... جو زیب اور شارق کی خوشیاں دیکھ کر جل بھن گئی تھی اپنے غصے اور جلن کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی۔

یہ سن کر صائمہ گھبرا و سہم کر راحیل کے بازو سے لپٹ گئی۔ ''یہ...... عورت تو گناہگار ہو کر بھی الٹے اس کو قصوروار ٹھہرا رہی تھی۔''

''تم بکواس بند کرو نازیہ! تم بھی تو اپنے پہلے شوہر شارق رضا کو زیب کے ساتھ دیکھ کر جل گئی ہونا؟'' صبا گرج اٹھی۔

''ہونہہ...... بڑا تیر مارا ہے نا شارق نے ایک...... گھٹیا بے نام خاندان کی تیز طرار بظاہر معصوم صورت لڑکی کے چنگل میں پھنس کر۔'' وہ طنز سے بولی۔

''شٹ اپ......'' شارق نے بے قابو ہو کر اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔

''تمہیں...... تمہیں ہمت کیسے ہوئی کہ میری منگیتر یا میری معصوم بہن کا نام اپنی ناپاک زبان پر لاسکو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' شارق نے اس کی گردن دبوچ لی۔

''بھیا...... شارق بھیا...... خدا کے واسطے...... چھوڑ دیجیے اسے...... ہم آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں۔ یہ ذلیل

نازیہ اس قابل نہیں ہے کہ آپ اس کے خون سے ہاتھ رنگیں۔" صائمہ اس سے لپٹ گئی۔
بمشکل......اسلم اور راحیل نے شارق کی گرفت سے ادھ موی نازیہ کو آزاد کروایا۔ وہ گہرے گہرے سانس لیتی کھانس رہی تھی۔ بیگم نیازی اسے سہارا دے کر دور لے گئی اور پھر کلب کا مالک رضوانی بھی وہیں پہنچ گیا۔

"مسٹر شارق! مجھے بے حد افسوس ہے کہ یہ واقعہ میرے کلب میں پیش آیا ہے۔ ویسے بھی میں بہت دنوں سے ان کی گروپ بازی دیکھ رہا تھا۔ میں بیگم نازیہ حامد اور بیگم نیازی کی ممبر شپ ختم کر رہا ہوں۔ آئندہ یہ لوگ یہاں کلب میں نہیں آسکیں گے۔" رضوانی نے معذرت کی پھر سب لوگوں کو وہاں سے ہٹنے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھنے کی درخواست کی۔ پھر ہمدانی نے پروگرام شروع کرنے کا اعلان کیا۔ تو فوراً ہی اسٹیج پر رقاصائیں نمودار ہوئیں رقص شروع ہوا تو لوگ سب کچھ بھلائے رقص دیکھنے میں محو ہو گئے۔ مگر زیب کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔

"شارق...... ہاں شارق کے دل میں ابھی بھی نازیہ کا خیال موجود ہے تبھی تو وہ ہر وقت اس سے جھگڑا مول لیتا اور الجھتا رہ جاتا ہے۔ حالانکہ نازیہ نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔ مگر پھر بھی شارق اسے دل سے نہیں نکال سکا اور آج بھی وہ جان بوجھ کر نازیہ کو جلانے کی خاطر مجھے یوں دلہن بنا کر کلب لایا ہے۔ پھر وہ بیگم نیازی بھی تو کہہ رہی تھی کہ نازیہ اب شارق کو ٹھکرا کر پچھتا رہی ہے۔

اس وقت شارق یہ سن کر کتنے خوش ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے کہا تھا کہ نازیہ تو اور بھی پچھتائے گی۔" یہ سوچتے ہی زیب کا سر چکرانے لگا۔

"کیا بات ہے زیب ڈارلنگ! تم کیا سوچ رہی ہو میں اتنی دیر سے تم سے مخاطب ہوں مگر تم جواب ہی نہیں دے رہیں۔ محویت دیکھ کر تو ایسا لگتا ہے جیسے نازلی کا ڈانس بہت پسند آ رہا ہے۔" شارق نے مارے لاڈ کے زیب کا ہاتھ ہلایا۔ مگر زیب کے چہرے پر تو پہاڑوں کی سی سختی چھا گئی تھی۔

دل و دماغ میں وہم و اندیشوں کے بگولے اٹھ اٹھ کر اسے بے حال کر رہے تھے۔ اندر کے شور نے اسے شارق کی بات ہی نہ سننے دی وہ خالی خالی نظریں اٹھائے ان کے مسکراتے چہرے کو تکے جا رہی تھی۔

"اف زیب! تم مجھے اتنی انجان نظروں سے تو مت دیکھو ایسا محسوس ہو رہا ہے گویا تم کسی اجنبی کو تک رہی ہو۔" شارق نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ جھٹکا دیا۔ تو زیب نے ہونٹ کاٹتے ہوئے گردن جھکا لی آنسو پلکوں تک آ گئے تھے۔

"کیا بات ہے زیب...... کیا ہوا ہے تمہیں؟" شارق بے قرار ہو کر بولے۔

"پلیز مجھے فوراً گھر پہنچوا دیجیے۔ آپ چلنا چاہتے ہیں تو چلیں ورنہ میں ٹیکسی پر یا خرم و راحیل سے کہہ کر ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" وہ رکھائی سے بولی۔

''مگر زیب یکا یک تمہیں ہوا کیا ہے؟'' وہ حیران رہ گئے پھر زیب کے سرخ چہرے لرزتے ہونٹوں پر نظر پڑتے ہی شارق کھڑے ہو گئے۔

''کہاں...... کدھر چل دیئے ہو تم دونوں؟'' سب نے پوچھا۔

''ہم لوگ ذرا گھومنے جا رہے ہیں۔'' شارق سب سے کہتے ہوئے باہر نکل آئے تو زیب نے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ اور کار کا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر گر گئی۔

''پلیز زیب! تم آگے آ جاؤ نا؟'' شارق اسٹیئرنگ سنبھال کر بولے تھے۔

''جی نہیں...... میں یہیں ٹھیک ہوں بس آپ مجھے گھر پہنچا دیں۔'' وہ رکھائی سے بولی۔

تو شارق اس کے لہجے پر حیران رہ گئے۔ زیب ابھی تو اچھی بھلی تھی پھر یکا یک کیا ہو گیا ہے؟ شاید میری کوئی بات بری لگی ہے۔ انہوں نے ساحل پر لے جا کر کار روکی اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگے۔

''زیب میری زندگی...... بتاؤ نا تم کیوں اپ سیٹ ہو گئی ہو موڈ کس لیے خراب ہو گیا ہے تمہارا؟''

''پلیز شارق! آپ یہاں کیسے آ گئے ہیں مجھے گھر چھوڑ آئیں نا۔'' انداز میں بے رخی تھی۔

''بھئی مجھے میرا قصور تو بتا دو آخر تمہیں میری کون سی بات ناگوار گزری ہے۔'' انہوں نے زیب کے چہرے کو چھوا۔

''بس شارق صاحب! بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا جو مقصد تھا وہ تو پورا ہو چکا ہے پھر اب آپ کیوں میری پرواہ کرتے ہیں۔'' وہ ان کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو میرا کون سا مقصد پورا ہو گیا ہے زیب؟'' وہ بری طرح گھبرا گئے۔

''شارق میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتی بس گھر لے چلیے مجھے۔'' وہ چیخ اٹھی مگر شارق کو بھی غصہ آ گیا۔

''یہ بھلا کیا عادت ہے کہ بجائے بات کلیئر کرنے معاملہ سلجھانے کے وہ...... خود کو خول میں بند کر کے بیٹھ رہتی تھی۔ خود اپنا لہو بھی جلاتی اور دوسرے کے دل میں وسوسوں کے گھاؤ لگاتی تھی۔'' تبھی شارق نے کار سے اتر کر زیب کو بھی زبردستی باہر گھسیٹا۔

''اب بتاؤ گرمی کس بات کی چڑھی ہوئی ہے دماغ کو؟'' وہ اس کی کمر میں بازو ڈال کر سینے سے جکڑ کر بولے۔

''مسٹر شارق...... آپ...... آپ مجھے اس قدر پاگل کیوں سمجھتے ہیں آپ کا خیال ہے کہ مجھے کسی بات کا علم نہیں ہو سکتا۔ مگر میں...... میں آپ کی سب چالاکیوں کی واقف ہو چکی ہوں اور آپ مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔'' وہ چیخ اٹھی پھر پوری قوت سے خود کو چھڑانے لگی۔

''تم قسم لے لو زیب اگر میرے پلے تمہاری کوئی بات پڑی بھی ہو۔ یہ آخر تم میری کون سی حرکتوں کا ذکر کر رہی ہو؟ تمہیں تو پتہ ہے کہ میں توبہ تائب ہو چکا ہوں۔''

''ہونہہ......اگر سیدھے لفظوں میں سننا چاہتے ہیں تو سنیں۔ اگر ابھی بھی نازیہ سے اتنی محبت تھی تو پھر اسے طلاق ہی کیوں دی تھی۔ اور اب بھی صرف اسے جلانے کے لیے میری زندگی برباد کر دی ہے۔ اگر آپ نے تمام عمر اس کے تصور سے دل بہلانا تھا تو پھر مجھ سے رشتہ کیوں جوڑا منگنی کیوں کی......آخر کیوں؟''

''میں نازیہ سے محبت کرتا ہوں؟ اور اسے جلانے انتقام لینے کے لیے تمہیں پھنسایا ہے۔ تم پاگل ہو گیا۔'' وہ چیخ اٹھے۔

''ہائیں دماغ تو ٹھیک ہے نا تمہارا زیب کہیں گھاس تو نہیں نوش فرمالی ہے تم نے؟'' وہ تیوری چڑھا کر بولے۔

''ہاں......اب آپ کا راز فاش ہو گیا ہے نا تو اب تو یہی کہیں گے نا کہ میرا دماغ خراب ہے پاگل ہوں۔ سچ کیا نازیہ کو بھلانے کی خاطر آپ نے شراب پینی نہیں شروع کی تھی؟ اسی کی وجہ سے آپ گندی عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے کیا اور اب بھی اسے جلانے کے لیے آپ نے مجھ سے منگنی کی ہے؟'' وہ رونے لگی۔

''لاحول ولاقوۃ......احمق لڑکی! اگر مجھے نازیہ سے محبت ہوتی تو کیا میں اتنے لوگوں کے سامنے اس کی بے عزتی اور توہین کرتا؟'' شارق نے زیب کے کاندھے جھنجھوڑے مگر وہ بضد رہی۔

''وہ تو اس کی توہین کر کے آپ اپنے ٹھکرائے جانے کا انتقام لے رہے ہیں۔ بس مجھے پتہ ہے آپ اب بھی اسے چاہتے ہیں ہاں۔'' وہ سسکنے لگی۔

باوجود غصے کے شارق بے ساختہ ہنس دیئے انہیں اس بدگمان شکی سی زیب پر ٹوٹ کر پیار آنے لگا۔ ''دیکھا...... دیکھا......اس چنڈال نازیہ کا نام سنتے ہی چہرے پر رونق کیسی آ گئی ہے۔'' وہ انہیں دھکیلنے لگی۔

''زیب جان! یہ تمہیں اتنے اندھیرے میں میرے چہرے پر رونق اور لالی کیسے نظر آ رہی ہے؟'' وہ زور سے ہنسے۔

''آپ بات بدلنے کی کوشش مت کیجیے اور جایئے جا کر اس ڈائن نازیہ سے دوبارہ بیاہ رچا لیجیے۔ جس ناگن نے پہلے تو صائمہ کا گھر برباد کیا اور اب......اب میرے آشیانے پر بھی بجلی بن کر ٹوٹی ہے۔ خدا اسے غارت و برباد کرے۔ اور یہ لیجیے اپنی دونوں انگوٹھیاں۔'' زیب نے غصے میں انگوٹھیاں اتاریں۔

''بس......بس خاموش رہو بہت ہو چکی ہے زیب! تم خوامخواہ ہی بیکار بات کو بڑھائے چلی جا رہی ہو۔ کہا نا کہ اس نازیہ نامی بدبخت عورت سے میرے سبھی رشتے ختم ہو چکے ہیں میرا کوئی تعلق نہیں اس سے۔'' شارق کا موڈ خراب ہو گیا تھا مگر وہ کسی صورت مان ہی نہیں رہی تھی۔

''تو دوبارہ انگوٹھی پہنا دیجیے نکاح کر لیجیے رشتہ دوبارہ قائم ہو جائے گا۔'' وہ ضد پر اڑی آنسو بہاتی رہی۔

''دیکھو زیب! اب کیسے یقین دلاؤں کہ میرے دل میں نازیہ کے لیئے کوئی عزت یا لگن نہیں ہے اور تمہیں یہ بھی

غلط فہمی ہوئی ہے کہ میں نے اس کا غم بھلانے کو شراب کا سہارا لیا تھا۔ میں نے تو اپنی بہن صائمہ کے گھر اجڑنے کے دکھ میں اس کمزور سہارے کا ساتھ لیا تھا۔ پھر اپنی توہین کا احساس تھا انا و مردانگی پر لگی ضرب کو بھلانے کے لیے شراب پیتا تھا۔ ورنہ تو اس مکار نازیہ کی مجھے اپنے جوتے کے برابر بھی پرواہ نہ تھی۔ پلیز زیب تم وسوسوں میں پڑ کر خوامخواہ بدمزگی مت پھیلاؤ۔ میں آج بے حد خوش ہوں تو تم مجھے دکھ دینا چاہتی ہو۔ میری بے پناہ مسرتوں کو غم میں ڈبونا چاہتی ہو۔''

''نہیں...... میں نہیں مانتی۔ آج آپ کلب بھی اسی بہانے سے آئے تھے۔ دراصل آپ نے مسز نیازی سے سن لیا تھا کہ نازیہ بھی وہیں آئے گی۔ پھر اسے جلانے کے لیے ہی آپ مجھے دلہن بنا کر ساتھ کلب لے گئے تھے۔ وہ خرم اور راحیل کے کہنے کا تو محض بہانہ تھا۔ آپ کو میری قسم بتائیے کیا یہ بھی جھوٹ ہے؟''

''نہیں زیب...... میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ واقعی میں نازیہ کو جلانا اور تکلیف دینا چاہتا تھا مگر پھر میں نے ارادہ بدل دیا تھا میں نے سوچا جب مجھے نازیہ سے تعلق ناطہ نہیں رکھنا تو پھر جلانا سلگانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور تمہیں کلب لے جانے کا واحد مقصد بھی یہی تھا کہ سب لڑکے لڑکیاں جا رہی تھیں میں نے سوچا تم بھی پروگرام سے لطف اندوز ہوگی۔ پھر میرا دل بھی تمہاری قربت اور ساتھ کے لیے بے قرار تھا۔ یوں تو تم کمرے میں بند ہو کر بیٹھ رہتیں مگر کلب میں تو ساتھ رہنا تھا۔

خدا کی قسم اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم اس قدر غلط مطلب اخذ کرلو گی تو میں تمہیں کبھی ساتھ کلب لانے کی حماقت نہ کرتا۔'' وہ خفا ہو کر بولے پھر زیب کی کمر کے گرد سے بازو ہٹا کر پانی کی طرف بڑھ گئے۔

''اونہہ...... نازیہ کو جلانے کے لیے فنکی کرنے کے لیے صرف تم رہ گئی تھیں نا۔'' ان کے لہجے کی سچائی ان کے صادق جذبات کا ثبوت تھی۔ زیبؔ جوں جوں سوچتی گئی اس کی نگاہوں میں وہموں وسوسوں کے پردے ہٹتے چلے گئے اور شرمندگی بڑھنے لگی۔

''میں خوامخواہ غصے سے بے قابو ہوئی اور ان کی خوشیوں کو بھی پائمال کیا۔'' وہ محبت سے شارق کی پشت کو تکنے لگی۔ جو پانی میں کھڑے اندھیرے میں نظریں جمائے موجوں کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔ زیب نے غرارہ ایک ہاتھ سے اونچا کیا اور سنبھلتی ہوئی ان کی طرف بڑھی۔

''مجھے معاف کر دیجیے شارق۔'' وہ ان کی پشت سے جا لگی۔

''شارق بہت ناراض ہو گئے ہیں آپ...... خدارا مجھ سے مت روٹھیں نا۔'' وہ ان کی خاموشی سے گھبرا گئی۔

''ایمان سے شارق! اگر اب بھی آپ نے مجھ سے بات نہ کی نا تو میں پانی میں چھلانگ لگا دوں گی۔'' زیب نے دھمکی دی مگر شارق گم صم کھڑے رہے۔

''میں مر جاؤں گی شارق!'' وہ ان کی پشت سے ہٹ کر تیزی سے پانی کی طرف بڑھی۔ مگر شارق نے لپک کر

پیچھے گھسیٹ لیا پھر سختی سے سینے سے بھینچ لیا۔

''شارق...... آپ کو دکھ دیا ہے میں نے خدارا مجھے معاف کر دیجیے آئندہ میں کوئی فضول بات یا شک کر کے آپ کا دل نہیں دکھاؤں گی۔'' وہ رو دے گئی۔ شارق نے زیب کے بالوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔

''زیب میری روح میں تم سے ناراض کب رہ سکتا ہوں۔ دراصل میں تو چپ رہ کر تمہاری محبت کی گہرائی کا اندازہ کر رہا تھا اور دل ہی دل میں اس قدر خوش ہو رہا تھا کہ تم...... مجھے کس قدر پیار کرتی ہو اور مجھے اپنی ملکیت سمجھتی ہو نا۔ تبھی میرے قریب کسی غیر لڑکی کا وجود برداشت نہیں کر سکتیں۔ اور سچ پوچھو نا...... تو یہ جلنا...... کڑھنا...... لڑنا جھگڑنا سبھی تمہاری بے حد والہانہ محبت کا ثبوت و نشانی تو ہے۔'' وہ اس کی پیشانی چوم کر بولے۔

''او شارق...... میرے اپنے شارق......'' زیب نے ان کے کشادہ سینے میں منہ چھپا لیا اور انہوں نے بھی اسے اپنی ملکیت و زندگی سمجھ کر بانہوں میں چھپا لیا۔ اچانک بہت سی کاریں ساحل پر آ کر رکیں۔ مگر شارق اور زیب اپنی دھن میں تھے۔

''ارے...... رے صائمہ! یہاں تو صرف شارق موجود ہیں مگر وہ زیب کہیں نظر آ رہی ہیں۔ کہاں ہے وہ؟''

شارق کی پشت کی طرف سے راحیل کی آواز آئی تو شارق نے گردن گھما کر دیکھا زیب بھی بدک کر سر اٹھا کر رہ گئی۔

ان کی نظر ہنستے ہوئے راحیل، اسلم و خرم وغیرہ پر پڑی جو ان کے قریب آ گئے تھے۔

''اوہو...... زیب بھی یہیں ہیں مگر چند لمحے پہلے تو آپ یہاں نہیں تھیں پھر کہاں سے ٹپک پڑیں۔'' خرم شریر انداز میں بولے تو زیب نے منہ چھپا لیا۔

''دیکھا میں نے کہا تھا نا کہ یہ دونوں چور ساحل پر ہی ملیں گے؟'' صبا نے ہنس کر کہا وہ غیر متوقع انہیں دیکھ کر حیران تھے۔

''کیوں شارق! یہ تم دونوں ہم سب کو دیکھ کر ایک دم گم صم کیوں ہو گئے ہو بھلا؟'' راحیل نے پوچھا۔

''کیا بات ہے تم دونوں رات کے وقت پانی میں گھسے کیا مگرمچھوں اور مچھلیوں سے خفیہ مذاکرات کر رہے ہو۔'' خرم ہنس کر بولے۔

''میرے عزیز ذرا مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم لوگ ڈاکٹر تو بن گئے ہو مگر اتنی عقل و شعور نہیں ہے کہ جب کوئی لڑکا اور لڑکی بھری محفل چھوڑ کر چپکے سے اٹھ جائیں تو یقیناً انہیں ضروری باتیں کرنے کے لیے تنہائی درکار ہوتی ہے۔ پھر زیب اور میں پروگرام چھوڑ کر کلب سے نکل بھاگے تھے تو اس لیے نہیں کہ تم احمق لوگ ہمیں فالو کرو اور اس قدر خوبصورت رومانس کا بیڑا غرق کرو۔ ادھر گھر میں بھی تم سب بھوت لوگ ہمارے سر پر سوار رہتے ہو پھر یہاں بھی تعاقب کر کے آ گئے ہمیں تو نہ گھر میں چین ہے نہ باہر قرار اب کیا میں اپنی منگیتر سے تنہائی میں بات یا راز و نیاز بھی نہیں کر سکتا ہوں کیا؟''

شارق با قاعدہ ان سے لڑنے لگے تو زیب نے شرما کر شارق کو منع کرنا چاہا اور ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''او خدا کے بندو جاؤ۔ یہاں سے کھسکو کبھی تو کھوپڑی میں دفن عقل کو استعمال بھی کر لیا کرو۔ ضروری تو نہیں کہ تمہیں بچوں کی طرح سمجھانے کے بعد ڈانٹ کر بھگا دیا جائے۔'' شارق نے زبردستی زیب کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

''چلو شاباش جاؤ...... مجھے میری منگیتر سے بہت اہم مسئلہ ڈسکس کرنا ہے۔'' شارق نے دوبارہ زیب کو بازوؤں میں لے لیا اور ڈھٹائی سے پیٹھ کر لی۔

''لعنت بے شرم سالا...... ابے زیب کے منگیتر ذرا اپنی شکل تو دیکھ لے۔ کہاں تو زیب کے سائے سے بدکتے تھے اور اب مکمل حق جتائے بیٹھے ہو۔'' راحیل نے شرمندہ ہو کر شارق کو مکا دکھایا تو اسلم نے بڑھ کر اس کا کاندھا تھام لیا۔

''ویسے راحیل بھیا! میرا خیال ہے کہ شارق ٹھیک ہی کہہ رہا ہے واقعی ہمیں ان دونوں کو تنہائی کا موقع دینا چاہیے۔'' اسلم نے معنی خیز انداز میں ٹینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... ہاں اسلم میاں! تمہارے تو اپنے من میں کھوٹ ہے۔ میں کلب میں تمہیں اور ٹینا کو دیکھتا رہا تھا سارے پروگرام کے دوران۔ تم ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے بیٹھے رہے تھے تو تنہائی کی تو تمہیں اور ٹینا کو بھی اشد ضرورت ہوگی۔'' راحیل نے ان کا بھانڈا پھوڑا تو وہ لوگ شرما گئے۔

''توبہ راحیل بھائی! آپ بڑے نظر باز ہیں ویسے آپ بھی تو صائمہ کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھے رہے تھے۔'' اسلم نے جھینپ کر کہا۔

''اوہو ڈھیٹ لوگو! تم ابھی تک گئے نہیں ہو؟'' شارق نے مڑ کر ڈانٹا۔

''جا رہے ہیں بھئی تم اپنا منہ ادھر ہی رکھو اور زیب کے ساتھ ضروری باتوں میں مصروف ہی رہو۔ چلو یار صائمی! ہماری بھی تو سنو منتوں مرادوں کے بعد آج ہی منگنی ہوئی ہے پھر ہم نے بھی تو آج کل اور پرسوں کے لیے ضروری پلان بنانے ہیں۔ اہم منصوبہ بندیاں کرنی ہیں۔'' راحیل بھی شرمائی ہوئی صائمہ کا ہاتھ تھام کر چل دیئے۔ یوں سب وہاں سے ہنستے ہوئے کھسک گئے۔

''سچ شارق! آپ بڑے ہی بے شرم ہیں وہ سب لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے؟'' زیب نے خفگی سے کہا۔

''بھئی جو ان کا دل چاہے وہ سوچتے رہیں ارے ہم کوئی ان سے ڈرتے ہیں؟'' شارق نے زیب کے ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹائے اور والہانہ انداز میں گھورنے لگے۔

''یار! میں سمجھ نہیں پاتا ہوں کہ کس طرح سے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کروں۔ تمہیں کیسے بتاؤں کہ تمہیں میں کن شدتوں سے چاہتا ہوں۔

دیکھو اب......تم اس عظیم سمندر کی طرف دیکھو۔جس طرح سے اس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔اسی طرح سے میرے دل میں بھی تمہاری محبت کی گہرائی کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔میں تو یہی جانتا ہوں کہ جتنا بھی ہم اس چاہت کے سمندر میں ڈوبیں گے۔یہ...... یہ چاہت یہ محبت محبت......'' شارق رک گئے۔پھر محو اور عقیدت و محبت سے بھری نظروں سے تکتی ہوئی زیب کو دیکھ کر زور سے ہنس دیئے۔

''زیب جان! میرے تو ڈائیلاگ ہی ختم ہو گئے ہیں اب سمجھ نہیں پا رہا تمہیں اور کیا کہوں؟''

''تو اب یہ اتنا ضروری تو نہیں کہ آپ اتنے لمبے لمبے ڈائیلاگ بولیں خاموشی کی بھی تو زبان ہوتی ہے نا؟'' وہ ان کے چہرے کو چھو کر مسکرائی۔

''ہاں ...... یہ بھی ٹھیک ہے۔مگر زیب میں اس قدر ضرور کہوں گا مانوں گا کہ میں نے تمہیں بڑی دعاؤں کے بعد پایا ہے۔اور خدارا ہمیشہ میرے پیار پر یقین رکھنا۔'' شارق کی آواز جذبات سے بوجھل ہو گئی تھی۔

''اور شارق مجھے یقین ہے دل سے یقین ہے آپ واقعی مجھے بہت چاہتے ہیں۔''

زیب ان کی گہری گہری آنکھوں میں ڈوبنے لگی تھی اور شانت سے شارق کا چہرہ اس کے گھنے گھنے بالوں کے بیچ چھپ گیا تھا۔پھر دل کو اطمینان اور سکون کا احساس ہوا تو زیب کی پُرنم آنکھیں بھی بند ہوتی گئیں۔